आकाशवाणी

آواز

١٦ر سے ٣١ر جولائی ١٩٨٦ء
٢٥ر اساڑھ سے ٩ر شراون ١٩٠٨ شاکا

اشاعت کا ۵١ واں سال
قیمت — ایک روپیہ

آل انڈیا ریڈیو، دوردرشن کے پروگرام، معلوماتی مضامین، دلچسپ افسانے و منظومات

اس بار بمبئی سے غزلیں

حمید الماس

اس کے کرم سے ہے نہ تمہاری نظر سے ہے
موسم دلوں کا درد کے روشن شجر سے ہے

جس سے مرے وجود کے پہلو عیاں ہوئے
شاید مرا معاملہ اس کے ہنر سے ہے

حائل ہوا نہ کوئی تعلق کی راہ میں
دائم تمام سلسلہ بنتِ سحر سے ہے

آیا نہ وہ حرم میں امامت کے واسطے
کچھ ربط ہی عجیب اسے اپنے گھر سے ہے

اپنی گلی میں نصب ہے اک سنگِ بے نوا
سنتے ہیں گرچہ واسطہ اس کو سفر سے ہے

اس کے سوا نہ دل کی حکایت کوئی پڑھے
منسوب میری داستاں اک دیدہ ور سے ہے

محسوس ہو سکا نہ کبھی دھوپ کا عذاب
الماس کاروبار مرا بادِ تر سے ہے

پریم کمار نظر

دہن کو زخم زباں کو لہو لہو کرنا
عزیز و سہل نہیں اس کی گفتگو کرنا

کھلے دریچوں کو تکنا تو ہاؤ ہو کرنا
یہی تماشہ سرِ شام کُو بکُو کرنا

جو کام مجھ سے نہیں ہو سکا وہ تُو کرنا
جہاں میں اپنا سفر مثلِ رنگ و بُو کرنا

جہاں میں عام ہیں نکتہ شناسیاں اُس کی
تم ایک لفظ میں تشریح آرزو کرنا

دلِ تباہ کی ایذا پرستیاں معلوم
جو دسترس میں نہ ہو اس کی جستجو کرنا

جو ہو سکے تو پیمبر اتارنا ہم پر
یہ عہدِ کشف و کرامت ہے سرخرو کرنا

ہیں اُس کی ذات سے انکار کرنیوالا کون
نہ ہو یقیں تو مجھے اُس کے روبرو کرنا

جو حرف لکھنا اسے لوحِ آب پر لکھنا
جو نقش کرنا سرِ سطحِ آب جو کرنا

مظفر شاہجہانپوری

گھٹا کی چھاؤں میں جب بھی سوا سکتی ہے
قدم قدم پہ میری تشنگی بہکتی ہے

قسم تو کھائی تھی تو نے ہی پھر نہ آنے کی
پھر آس پاس تیری زلف کیوں مہکتی ہے

نئی دلہن کی کلائی میں چوڑیوں کی قطار
کسی کی ریشمیں آواز میں کھنکتی ہے

رُخِ حیات کو میں نور بانٹ دیتا ہوں
ترے خیال کی جب چاندنی چھلکتی ہے

ہزار بار سرِ دار لا کے چھوڑ گئے
رگِ ضمیر میں کیا ہے جو تنے کھٹکتی ہے

اندھیری شب میں بھی تعمیرِ آشیاں نہ رُکے
نہ ہو چراغ تو کیا برق تو چمکتی ہے

غمِ حیات ملا اس قدر مظفر کو
کہ بھیک گردشِ ایام مانگ سکتی ہے

مظہر امام

تو ہے گر مجھ سے خفا، خود سے خفا ہوں میں بھی
مجھ کو پہچان، کہ تیری ہی ادا ہوں میں بھی

ایک تجھ سے نہیں فصلِ تمنا شاداب
وہی موسم ہوں، وہی آب و ہوا ہوں میں بھی

مجھ کو پانا ہو تو ہر لمحہ طلب کر نہ مجھے
رات کے پچھلے پہر مانگ دعا ہوں میں بھی

ثبت ہوں دستِ خموشی پہ حنا کی صورت
ناشنیدہ ہی سہی، تیرا کہا ہوں میں بھی

جانے کس راہ چلوں، کون سے رُخ مڑ جاوں
مجھ سے مت مل، کہ زمانے کی ہوا ہوں میں بھی

یوں نہ مُرجھا، کہ مجھے خود پہ بھروسہ نہ رہے
پچھلے موسم میں ترے ساتھ کھلا ہوں میں بھی

مجروح سلطانپوری

وہ تو گیا یہ دیدۂ خونبار دیکھیے
دامن پہ رنگِ پیرہنِ یار دیکھیے

دکھلا کے وہ تو لے بھی گیا شوخیٔ خرام
اب تک ہیں رقص میں در و دیوار دیکھیے

اکتا کے ہم نے توڑی تھی زنجیرِ نام و ننگ
اب تک فضا میں ہے وہی جھنکار دیکھیے

سینے میں چھپ گیا ہے طلوعِ سحر کے ساتھ
اب شاخِ دل پہ وہ گلِ رخسار دیکھیے

برق تپیدہ بادِ صبا شعلہ اور ہم
ہیں کیسے کیسے اس کے گرفتار دیکھیے

پہلے بھی تیز رو تھے پر اس دلنشیں کے ساتھ
یہ چشمِ نم یہ مستیٔ رفتار دیکھیے

مجروح کے لبوں سے یہ خوشبو نہ جا سکی
بخشی جو اس نے دولتِ بیدار دیکھیے

پرتپال سنگھ بیتاب

اجنبی ہوں اپنوں میں قافلے میں تنہا ہوں
میں کہ اِک دریچہ ہوں اور بند رہتا ہوں

کوئی بوند پانی کی ریت میں نہیں ٹھہری
میں بھی کن زمینوں پر ابر بن کے برسا ہوں

آئے گی کوئی آندھی بے نشان کر دے گی
ریگزار پر لِکھا کوئی نوِشتہ ہوں

ساتھ چھوڑ جائے گی آخرش یہ آتش بھی
روشنی کی خواہش میں گھر جلائے بیٹھا ہوں

منتظر ازل سے ہوں میں کسی کو ملبس کا
بیکراں سمندر میں بے نشاں جزیرہ ہوں

گھر سے جب نکلتا ہوں مجھ کو ایسے لگتا ہے
ہر کوئی مکمل ہے ایک میں ادھورا ہوں

سوچ تھی بہت اونچی قد مگر رہا چھوٹا
جتنا پھیلنا چاہا اُتنا اور سمٹا ہوں

میں بھی ستاروں سے آشنا نہ ہو پایا
محو دِن کے خوابوں میں رات رات رہتا ہوں

پر کہیں پہ ہے بیتاب اور کہیں پہ ہے پرواز
سرحدوں سے ناواقف بے وطن پرندہ ہوں

آواز

آل انڈیا ریڈیو کے پروگرام

جلد ۵۱ | شمارہ ۱۴

۱۶ر جولائی ۱۹۸۶ء بمطابق ۲۵اساڑھ ۱۹۰۸شاکا

چیف ایڈیٹر ایس کے سندر ٹیلی فون ۳۸۲۲۴۹

ادارت
سراج احمد ۳۸۲۲۵۴
ہرمہندر سنگھ وج

اس شمارے میں

اردو صحافت کے فرائض ـــــ عاصم گونڈوی ـــ ۳
شری آربندو کی شاعری ـــــ یوسف ناظم ـــ ۴
بائرن کا ڈان جون ـــــ سید وقار الزماں ۵
پریم چند کے افسانے میں دیہات کی پیشکش ـــ اسد الزماں ـــ ۷
پسماندہ طبقے کے لیے روزگار کے مواقع ـــ شمس الحق ـــ ۸
واہموں سے بچیے ـــــ ناہید سلطانہ جعفری ۹
کشمیر ـــــ سید رسول پوپنر ـ ۱۰
شاعر کا خط سامع کے نام ـــ نظر برنی ـــ ۱۱
اردو شاعری میں ایکتا کا تصور نواب حسین خاں نظامی ۱۲
اڑیسہ ـــــ ڈاکٹر کرامت علی کرامت ۱۴
خالی برتن ـــــ ظہیر کیفی امروہوی ۱۵
داؤں ـــــ عقیل قیس ـ ۱۶
سوال زندگی کا ـــــ ستیش بترہ ۱۸
بے بی' آئی لو یو ـــــ رفیعہ منظور الامین ۲۰

غزلیات

سرور حسن سرور ـــــ ۶
سوز سکندرپوری ـــــ ۷
ڈاکٹر معظم علی خاں ـــــ ۸
شفیقہ پروین ـــــ ۹
قمر سنبھلی ـــــ ۱۱

قیمت
فی کاپی ـــــ ایک روپیہ
سالانہ ـــــ ۲۲روپے
دو سال ـــــ ۴۲روپے

ادائیگی بذریعہ چیک / پوسٹل آرڈر / منی آرڈر / بینک ڈرافٹ، بنام، چیف ایڈیٹر
آکاشوانی گروپ آف جرنلز، آل انڈیا ریڈیو، ۵ فلور، پی ٹی آئی بلڈنگ، سنسد مارگ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱

Telegram: 'LISTENER' New Delhi

(ایک سال سے کم کا چندہ قابل قبول نہیں ہوگا)

اندرون ملک ڈاک خرچ بذمہ ادارہ

اردو صحافت کے فرائض

عاصم گونڈوی

جو پیشہ جتنا بڑا ہوتا ہے، اس کی ذمہ داریاں اتنی ہی عظیم ہوتی ہیں۔ صحافت ایک مقدس اور باوقار پیشہ ہے۔ اس پیشہ کے اپنانے والے پر خود بخود یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس کے تقدس کا لحاظ رکھے، ضابطۂ اخلاق کی پابندی کرے، دل و دماغ کو وسیع رکھے، خود کو حق گوئی، انصاف اور سچائی کے اظہار کے لئے وقف کردے اور اپنے کو اس کے تمام بنیادی اصولوں کا پابند بنائے اگر ایک صحافی اپنی ان ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہوتا ہے تو صحافت نہ صرف ترقی پذیر سماج میں معاونت کرتی ہے بلکہ سماج کو اونچا اٹھانے میں بہترین اور اہم رول ادا کرتی ہے۔ اخبارات ہمارے جمہوری نظام کا ایک لازمی حصہ ہیں۔ ان کے ذریعے ہم عوام سے رابطے کا اہم کام لیتے ہیں، رائے عام کی تشکیل کرتے ہیں، عوامی مفادات کا تحفظ کرتے ہیں اور ان کو معاشرے کے تمام اجزائے ترکیبی کی ایک نمائندہ تصویر جانتے ہیں۔ ہماری صحافت عوام کے اس عہد کی آئینہ دار ہے۔ جو تمام شہریوں کے لئے سماجی، اقتصادی اور سیاسی انصاف، اظہار خیال، مذہب اور عقیدے پر عمل پیرائی کی آزادی، حیثیت و مواقع میں برابری و یکسانیت کے حصول، نیز فرد کے وقار اور قوم کے اتحاد کو برقرار رکھتے ہوئے تمام لوگوں میں اخوت و بھائی چارے کو فروغ دینے سے متعلق ہے۔

ہماری صحت مند صحافت ذات پات، فرقہ طبقہ، مذہب، خطہ اور لسانی گروپ سے متعلق تمام جھگڑوں سے پاک صاف رہی ہے۔ اس نے سماجی ڈھانچے کو مستحکم بنانے اور اسکو ترقی دینے کے لئے مسلسل اور آزادانہ کوششیں کی ہیں جس کے نتیجہ میں وہ پست معاشرہ جو ذات پات کی تفریق اور طرح طرح کی جتھہ بندیوں میں گھرا ہوا تھا۔ آج اس نے ایک ایسی متحد اور منظم قوم کی شکل اختیار کری ہے۔ جو اپنی معاشی خوشحالی اور اپنی وسیع تر آبادی کے لئے بہتر معیار زندگی کے حصول کی خاطر امن، ترقی اور کامرانی کی شاہراہ پر تیز رفتاری کے ساتھ پیش قدمی کر رہا ہے۔

ہمارے اخبارات نے قوم کا شعور بنانے، اسے واقعات حاضرہ اور نئے علوم و فنون سے روشناس کرانے، پیچیدہ مسائل کو سلجھانے اور عام ترقی دینے میں بڑی مدد پہونچائی ہے۔ یہ ہماری صحافت ہی ہے جس نے ہمیں ایسی ایسی نادر اور بے مثال معلومات فراہم کیں کہ جس کی وجہ سے آج ہمارا شمار ترقی پذیر ممالک میں ہونے لگا۔ اور وہ ممالک جو ترقی یافتہ ہیں ان کی نظروں میں ہمیں اہمیت کا حامل بنا دیا ہے۔ آج کے نئے اور ترقی پذیر دور میں جس طرح فلم ریڈیو اور ٹیلی ویژن ترسیل و ابلاغ کی اہم کڑیاں ہیں اسی طرح ہماری صحافت کا مقام بھی کچھ کم بلند نہیں ہے۔ ہماری صحافت نے سماج اور معاشرے کو بنانے اور سنوارنے میں جو پارٹ ادا کیا ہے وہ شائد اسی کا ہی حصہ تھا۔ صحافت نے ہم کو گھر بیٹھے دنیا بھر کی خبریں، منصوبے، پروگرام، ترقی یافتہ ممالک کے ماضی اور حال کے واقعات اور ان کے وہ طور طریقے جن کی بدولت وہ ترقی یافتہ کہلانے کے مستحق ہوئے، تنقید، تبصرے اور ملک و سماج کو ترقی کرتے ہوتے دیکھنے کے لئے مفید اور معلوماتی مشورے، صالح ادب پر تاثیر لٹریچر اور دیگر مضامین کے ذریعے سماج کے مختلف طبقات میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی، قومی یکجہتی اور نظم و ضبط کے ساتھ آگے بڑھتے رہنے کا حوصلہ دیا۔

چونکہ ہمارا ملک ہندوستان عرصۂ دراز سے بیک وقت کئی مذہبوں کے ماننے والوں کا ملک چلا آرہا ہے۔ اس لئے یہاں دیگر مسائل کے مقابلے میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا مسئلہ بے حد اہمیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری ذمہ دارانہ صحافت نے آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد سے اب تک اس طرف خصوصی توجہ دی ہے اور آپس میں دوستانہ اور روادارانہ سے

ماحول پیدا کرنے اور اسے برقرار رکھنے کے لئے کامیاب جدوجہد کی ہے جس کی ایک مثال آزادی حاصل کرنا اور اس کے بعد سماج کے ہر طبقے کا بتدریج ترقی کی راہ پر رواں دواں ہونا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اخبارات اور صحافت نے ہمارے اندر خدا اعتمادی اور خود اعتمادی کی ایسی ٹھوس اور پرکشش قوت بھردی ہے کہ اب ہمارے سماج، معاشرے اور ملک کے لئے ارتقائی منزلیں طے کرنا اور منزل مقصود کو پالینا آسان تر ہوگیا ہے۔

یہ بھی ایک سچائی ہے کہ جہاں ذمہ دارانہ اور فرض شناس صحافت ملک و ملت کی تعمیر و ترقی میں لگی ہوئی ہے۔ وہیں کچھ غیر ذمہ دار اور غیر فرض شناس صحافی بھی اپنی تخریب پسند طبیعتوں کا ثبوت پیش کرتے ہوئے ترقیاتی سرگرمیوں اور پروگراموں میں روڑے ڈالتے نظر آتے ہیں۔ لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جس طرح نیکی کی ضد بدی ہے۔ اسی طرح تعمیر کی ضد تخریب ہے۔ اس سے ہماری صحت مند صحافت اور اس کی تعمیری خدمات پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ بسا اوقات تخریبی کارروائیاں تعمیری جذبوں میں تیز رفتاری پیدا کردیتی ہیں۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ ہم بددل رہیں اور اپنے فرائض سے غفلت برتیں ہمارے اخبارات کو چاہیئے کہ وہ اپنے پڑھنے والوں کو اتنا کچھ دیدیں کہ ان کی علمی اور ذہنی پیاس مٹ جائے اور انہیں اس کے لئے کسی دوسری جانب جھانکنے کی ضرورت نہ رہے۔

صحافت اور سماج کا آپس میں ایک گہرا ربط ہے اس لئے صحافت سے کچھ سماجی تقاضے بھی ہیں۔ مثلاً سماج کے تمام طبقوں کو آپسی انتشار سے بچاکر باہم متحد رکھنا۔ ان کو حالت حاضرہ سے واقف کرانا۔ مختلف خطوں اور ملکوں کے تہذیب و تمدن اور ان کی ترقیاتی سرگرمیوں سے آگاہ کرنا۔ ان کے اندر جذبۂ خود اعتمادی اور اچھے برے کی تمیز پیدا کرنا۔ ملک و وطن تہذیب و تمدن کی حفاظت اقتصادی و معاشی حالات کی روز افزوں ترقی کے لئے حوصلہ دینا اور ان کی اس ڈھنگ سے رہنمائی کرنا کہ وہ نظم و ضبط کے ساتھ پرامن فضا میں خوشحالی اور کامرانی کی سمت رواں دواں رہ کر اپنی منزل کو پاسکیں۔

ہمارے صحافی اور اخبارات کے فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ ایسا کوئی مواد ہرگز شائع نہ کریں جس سے سماج کے مضبوط آپسی رشتے متاثر ہوں یا فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو نقصان پہونچے یا بھارت کی خودمختاری اور اس کی سالمیت پر حرف آئے۔ یا ملکی اور سماجی تعمیر و ترقی کی رفتار متاثر ہو۔ یہ صحیح ہے کہ اخبارات اور صحافت آج ایک صنعت اور ایک کاروبار کی شکل اختیار کرچکے ہیں۔ لیکن حقیقتاً وہ ملک و سماج کی تعمیر و ترقی کا ایک موثر ذریعہ ہیں۔ ان کا اپنا ایک دائرۂ کار ہے، کچھ بنیادی ضابطے اور اخلاقی اصول ہیں اس لئے ضروری ہے کہ وہ ان اصولوں کی دیانت داری کے ساتھ پابندی کرتے ہوئے ملک و قوم کی رہنمائی کا اہم فریضہ انجام دیں۔ (گورکھپور سے نشر)

شری آربندو کی شاعری

یوسف ناظم

•

شروع ہی میں یہ بات مان لینی چاہیئے کہ شری آربندو کی شاعری کو اردو ادب میں وہ مقام اب تک نہیں ملا جو ٹیگور نذرل اور اس قدو قامت کے دوسرے شاعروں کے کلام کو حاصل ہوچکا ہے۔ شری آربندو کے کلام کا ترجمہ اردو میں بہت کم ہوا ہے اور اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ شری آربندو کی شاعری میں صوفیانہ عنصر اس قدر نمایاں ہے کہ یہ مکمل شاعری ہوتے ہوئے بھی کسی روحانی پیشوا کے ملفوظات کے قریب کی کوئی چیز معلوم ہوتی ہے۔

شری آربندو نے اپنے گہرے مطالعے، الوہیت تقدس اور بھگتی کے جذبات کے اظہار کے لئے شاعری کو چنا اور انگریزی زبان میں شاعری کی۔ انگریزی زبان بڑی وسیع اور طاقت ور زبان ہے۔ یوں جانسن نے انگریزی زبان پر لاطینی زبان کو ترجیح دی ہے۔ جانسن کا وہ واقعہ زبان زد خاص و عام ہے کہ جب جارج پنجم سے اتفاقیہ جانسن کی ملاقات ایک لائبریری میں ہوگئی تو جانسن نے جارج پنجم سے کہا کہ یور مجیسٹی! آپ سے ملاقات کی عزت حاصل کرنے کے بعد اپنے جذبات کے اظہار کے لئے مجھے لاطینی زبان کا سہارا لینا پڑے گا۔ کیونکہ اپنے جذبات کے اظہار کے لئے صحیح اور موزوں الفاظ مجھے انگریزی زبان میں نہیں مل سکتے ـــــ لیکن جانسن کے اس شاعرانہ حسن بیان سے انگریزی زبان کی وسعت، تنگ دامانی میں بدل نہیں جاتی۔ شری آربندو نے اپنے کلام کے لئے اس زبان کو چنا جس کے ذریعے وہ دور دور تک اپنے صوفیانہ نقطۂ نظر کو پہونچا سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شری آربندو کی شاعری کی گونج صرف ہندوستان تک محدود نہیں رہی۔

شری آربندو کے خیالات سے واقف ہونے کے بعد قاری کے ذہن میں انسان اور قدرت کے درمیانی رشتے کی ایک واضح شکل بنتی ہے۔ شری آربندو وحدت وجود کے عقیدے کے قائل ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ انسان کی عظمت کا انہیں پورا پورا احساس ہے۔ وہ عقلیت اور خرد سے زیادہ سچائی اور علم کے قائل ہیں۔ جنون ان کا فلسفہ نہیں۔ وہ خوشی طمانیت۔ اور تسکین کے احساس کو ترجیح دیتے ہیں۔ مسرت ان کے نزدیک ایک وقتی پھلجھڑی ہے۔ لیکن آنند اور شانتی دونوں ایک مستقل احساس کا درجہ رکھتے ہیں۔ اطمینان قلب ان کا مطمع حیات ہے مسرت نہیں۔ خوشی اور مسرت زندگی کے سفر میں، نخلستان کی مانند ہیں لیکن منزل نہیں۔

شری آربندو مادیت پسند نہیں۔ لیکن وہ دنیا کو شنکر کی طرح مایا جال نہیں سمجھتے بلکہ اسے قدرت کی تخلیق کا شاہ کار مانتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ آدمی، دنیا سے کنارہ کش ہوکر زندگی گزارے بلکہ اس بات کی تلقین کرتے ہیں کہ آدمی، سچائی کی عظمت کو پہچانے اور روحانیت کے سہارے اپنی زندگی کو اس کل میں ضم کردے جس کا وہ ایک جزو ہے۔

شری آربندو کے خیالات، رامانج کی فلاسفی سے میل کھاتے ہیں۔ ان کے کلام میں اخلاقیات، جمالیات اور حسن کا بہترین امتزاج ہے وہ ہندوستانی کلچر کی نمائندگی کرتے ہیں جس کی بنیادیں روحانیت کی دین ہیں۔ وہ بھگتی کو انسان کا فرض نہیں اس کی شان سمجھتے ہیں۔ بھگتی کے بغیر، ان کے ہاں قدرت کا کوئی تصور نہیں۔ وہ اس ماحول کے پرستار ہیں جو ان دیکھی ان سنی اور محسوسات سے معریٰ چیزوں سے بنتا ہے۔ انکے ہاں خالق اور مخلوق میں دوئی نہیں۔ ہمہ اوست، ان کی مشہور نظم، ان کے ان خیالات کی پوری پوری ترجمانی کرتی ہے۔ وہ تصور اور تخیل کے شاعر ہیں، سچائی کے شاعر ہیں۔ وہ شاعری کو پیغمبری بھی نہیں مانتے۔ وہ اسے غیر کثیف اور اخلاقی جذبات

کے اظہار کا موثر ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ان کی شاعری میں وجدان سے زیادہ، اٹل حقائق ہیں، ایجاز و ایمائیت سے زیادہ کھری کھری باتیں ہیں۔ ان کے ہاں سیکولر انسانیت اور انسان کی تخلیقی صلاحیتوں کے بلند آہنگ تذکرے ہیں۔ وہ اس سیکولرازم کے پیامی ہیں جسکی اساس غیر مذہبیت نہیں، غیر فرقہ داریت ہے۔ وہ مذہب کو سیکولرازم سے الگ نہیں کرتے۔ ان کے صوفیانہ خیالات بالکلیہ تصوف بھی نہیں وہ اپنے خیالات میں قدیم بھی نہیں۔ وہ آدمی، کی موجودہ الجھنوں سے واقف ہیں انھیں احساس ہے کہ ماڈرن سوسائٹی میں آدمی کا ایک فرد کی حیثیت سے کوئی مقام نہیں۔ اس لئے وہ شاعری کو نہ تو فن برائے فن مانتے ہیں۔ ان کی شکست و ریخت کے قائل ہیں۔ وہ شاعری کی بنیاد اس بات پر رکھتے ہیں کہ انسانی جذبات اور انسان کی ذکاوت کے سانچے میں ڈھالا جائے، آنند اور طمانیت کی خواہش کو زندگی کی روح تسلیم کیا جائے اور آدمی کو اس بات کی ترغیب دی جائے کہ وہ کائناتی نقطہ نظر اختیار کرے وہ نیچر اور آدمی میں مکمل ہم آہنگی چاہتے ہیں۔

آربندو کی اس بلند سطح کی شاعری کو اردو ادب میں صحیح مقام نہ ملنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس صدی کے تیسرے یا چوتھے دہے میں اردو ادیبوں شاعروں اور دانشوروں نے مغربی مفکروں کے خیالات کو زیادہ سے زیادہ اپنایا اور صوفیانہ شاعری کی مخالفت کی۔ صوفیانہ خیالات کو رجعت پسندانہ نقطۂ نظر قرار دیا گیا اس لئے شری آربندو کو بھی صوفی رہنما کا درجہ ملا لیکن اس عظیم شاعر کا درجہ اردو والوں نے نہیں دیا جس کے وہ مستحق تھے اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں بھی شری آربندو اپنے آشرم کی وجہ سے زیادہ عزت اور عقیدت کے لائق سمجھے جاتے ہیں جبکہ ان کی شاعری میں ٹیگور اور اقبال کی شاعری کی سطح سے کسی طرح بھی کم سطح کی شاعری نہیں۔ شری آربندو کی پہلودار شخصیت میں روحانی پیشوا کی شخصیت زیادہ ابھر کر آئی ہے کیونکہ بنیادی طور پر ہم میں سے بڑی تعداد 'روحانیت' کی طرفدار ہے۔ اور حقیقت ماننی پڑے گی کہ ہم میں روحانیت فہم کم اور روحانیت کے طرف زیادہ ہیں۔ شری آربندو کے آشرم کی تعمیر میں ہندوؤں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں نے بھی خطیر رقمیں اپنی عقیدت کے نذرانے کے طور پر خرچ کی ہیں

لیکن اور زبانوں میں ان کے کلام کی منتقلی عمل میں نہیں آسکی۔ شری آربندو ہمارے وطن کی صوفیانہ شاعری کے اس وجہ سے بھی ممتاز شاعر ہیں کہ ان کے صوفیانہ خیالات، آج کے آدمی کے ذہن کو بھی آسوگری بخشتے ہیں۔

(بمبئی سے نشر)

بھلائے نہ بنے

مشرق و مغرب کی شہرۂ آفاق تصنیفات کے ان اہم کرداروں پر اردو سروس کی نشریاتی تقاریر کا سلسلہ جو قاری کے ذہن پر گہرا نقش چھوڑ جاتے ہیں۔

بائرن کا ڈان جون

سید وقار الزماں

بائرن کی نظم ڈان جون اگر مجھے کسی اور وجہ سے نہ بھی یاد رہے تو اس وجہ سے یاد رہے گی کہ اس نظم میں Plato کا قافیہ Potato باندھا گیا ہے خیر پہلے آپ سولہ Cantos والے تقریباً سوا چار سو صفحے کے اس مزاحیہ رزمیے کی کہانی سن لیجئے۔ ڈان جون اسپین میں پیدا ہوا، اکلوتی اولاد تھا، ماں باپ میں بنتی نہ تھی طلاق کی نوبت آنے ہی والی تھی کہ جون کا باپ چل بسا اور جون کی پرورش کی ساری ذمہ داری اس کی ماں Donna Inez پر آپڑی۔ کہا جاتا ہے کہ بائرن نے Donna Inez کا کردار اپنی والدہ کے کردار پر ڈھالا ہے۔ جو بھی ہو۔ جون کی والدہ بڑی عالم فاضل خاتون ہیں اور ریاضی سے انہیں خاص دلچسپی ہے بقول بائرن کے یہ محترمہ ایک چلتا پھرتا لیکچر ہیں۔ اپنے بیٹے کی تعلیم کا انہیں بڑا خیال ہے۔ اور نتیجے کے طور پر بیچارے جون کو ساری مردہ زبانیں اور کئی بے کار علوم سیکھنے پڑے Donna Inez خود اپنے لئے تو دعاؤں کی باتصویر کتاب رکھتی تھیں اور غریب جون کو بے تصویر کتاب پڑھایا جاتا تھا۔ جتنی خادمائیں تھیں سب ایک سے ایک بوڑھی اور بدصورت۔ اور یہ دستور جون کے باپ کی زندگی میں بھی تھا بائرن سب بیویوں کو مشورہ دیتا ہے کہ خادمائیں ہمیشہ بوڑھی اور بدصورت ہی رکھنی چاہیئں۔ غرض کہ توقع کی جاتی تھی کہ جون بڑا ہو کر عیسائی اخلاق اور کردار کا ایک نمونہ ہوگا لیکن قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا Donna کی ایک دوست تھی جولیا۔ وہ جون کی طرف مائل ہوئی اور افلاطونی محبت کے پردے میں لڑکے کو اپنی راہ پر لگالیا ایک رات جب کہ ڈان جون جولیا کی خواب گاہ میں تھا۔ جولیا کے پچاس سالہ شوہر نے خواب گاہ پر ہلہ بول دیا۔ مگر جولیا اور اس کی خادمہ نے ڈان جون کو پلنگ کے اندر چھپا دیا۔ اور جب شوہر صاحب غیض میں اپنی تلوار لانے کے لئے باہر گئے۔ تو جولیا نے جون کو اشارہ کیا کہ نکل بھاگے۔ جون اپنی ڈریسنگ گاؤن میں باہر لپکا مگر جولیا کے شوہر نامدار سے ٹکرا گیا۔ تصادم ہوا اور ڈان جون بڑے میاں کو پیٹ کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ مگر اس طرح کہ برہنہ تھا۔ وہ تو خیر گزری کہ ابھی صبح نہیں ہوئی تھی۔ بائرن کو یہ دکھانا تھا کہ فطرت کو آپ لاکھ پابند کریں، فطرت اپنا اظہار کر کے رہتی ہے۔ افلاطونی محبت سے بائرن کو بڑی چڑ تھی اور ہر قسم کی جذباتیت سے نفرت۔ اب دیکھئے کہ وقت اور حقیقت کس طرح عشق کا سارا نشہ ہرن کر دیتے ہیں —— ڈان جون سمندری جہاز پر سوار ہے اور جولیا کا الوداعی خط پڑھ رہا ہے مگر ساتھ ہی بار بار قے بھی کرتا جا رہا ہے۔ پھر یہی خط۔ محبت کی یہ آخری نشانی۔ پرزہ پرزہ ہو کر قرعہ اندازی کے کام آتا ہے اور قرعہ اندازی بھی کیسی کہ جہاز تباہ ہو چکا ہے۔ سارے مسافر کئی دن کے بھوکے ہیں اور اب سوائے اس کے ان کے پاس کوئی چارہ نہیں کہ قرعہ ڈال کر اپنے ساتھیوں میں سے ایک کا نام نکالیں اور اس بدقسمت کو کاٹ کر کھا جائیں۔ قرعہ جون کے استاد کے نام نکلا۔ اور وہ غریب بلا کسی مزاحمت کے اپنی جان دینے پر تیار ہو گیا۔ مگر جنہوں نے آدم خوری کی وہ زہر سے مر گئے۔ ڈان جون نے آدمی کا گوشت کھانے سے انکار کر دیا اور زندہ رہا۔ بائرن نے آدمی کے کاٹے جانے اور اس کے کھائے جانے کا حال حسب عادت خوشدلی سے بغیر کسی جذباتیت کے لکھا ہے۔ بہرحال ڈان جون قزاقوں کے قبیلے میں پہونچا اور قبیلے کے سردار کی بیٹی Hadee پر عاشق ہوا۔ بغیر کسی رسم کے دونوں کی فطری شادی ہوئی۔ بائرن نے Hadee کو فطری انسان اور فطری محبت کی ایک علامت کے طور پر پیش کیا ہے۔ مگر آدمی کو بگڑتے دیر نہیں لگتی۔ ڈان جون اور Hadee کو یونانی محب وطن سمندری قزاق کی بے پناہ دولت نے عیش و عشرت کا عادی بنا دیا۔ ہاتھی دانت کی میز پر سوسو طشتریوں سے کھانا کھایا جانے لگا۔ زیر قدم مخملیں غالیچے بچھے، رقاصائیں اور سیاہ فام خواجہ سرا دل بہلانے

کے لیئے بلائے گئے اور فطری زندگی بہت جلد ایک خواب فراموش بن گئی۔ جب Hadee کا باپ واپس آیا تو ڈان جون سے اس کا ٹکراؤ ہوا۔ ڈان جون غلام بنایا گیا اور غلاموں کے بازار میں فروخت ہوا۔ اسے بابا نام کے ایک سیاہ فام خواجہ سرا نے خریدا اور ترکی لے گیا۔ بےچاری Hadee گھل گھل کر مر گئی۔ بابا نے ڈان جون کو ترکی کی سلطانہ کے ہاتھ بیچا۔ عورتوں کے لباس میں جون داخلِ حرم ہوا۔ اور حرم میں بڑا غدر مچایا۔ پھر بابا کی مدد سے جون کو رہائی ملی اور وہ روسی فوج میں شامل ہو گیا جس نے ترکی میں اسماعیل کے قلعے کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ جون جی داری سے لڑا مگر ساتھ ہی اس نے ایک ترکی لڑکی لیلٰی کو روسی فوجیوں سے بچایا اور ہمیشہ کے لیئے اس کا مربی بن گیا۔ لڑائی کے بعد جون روس کی ملکہ کیتھرین کے دربار میں سینٹ پیٹرس برگ پہونچا اور ملکہ نے اسے اپنا ایلچی بنا کر انگلستان بھیج دیا جہاں اعلیٰ سوسائیٹی کی کئی خواتین اس پر ایک جان سے نہیں ہزار جان سے فدا ہوئیں اور ایک بیگم نے تو غضب کر دیا کہ ایک راہب کا لباس پہنا اور بھوت بن کر جون کے روبرو جا کھڑی ہوتیں۔ مگر جون کہاں ان چکموں میں آنے والا تھا۔ سمجھ گیا کہ اس پردۂ زنگاری میں کون ہے۔ پھر کیا ہوا؟ یہ بائرن نے ہمیں نہیں بتایا۔ بائرن نے ایک جگہ لکھا ہے کہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنے ڈان جون کا خاتمہ روایتی ڈان جون کی طرح دوزخ میں ڈال کر کرے یا جون کی شادی کرا دے ــــ اور یہ کہ ان دونوں سزاؤں میں زیادہ سخت سزا کونسی ہے!

ڈان جون کی کہانی میں نے آپ کو سنا دی۔ اگر یہ کہانی نثر میں ہوتی تو شاید بات بن جاتی۔ مگر ڈان جون تو نظم ہے اور نظم اگر ہے تو بائرن کے الفاظ میں ہے۔ میرے الفاظ میں یہ نظم کسی طرح ادا نہیں ہو سکتی۔ پھر ترجمے کی دشواری الگ۔ کہانی سنتے وقت آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ ان واقعات کو جمع کر کے تو ایک اچھا خاصا ناول لکھا جا سکتا ہے۔ درحقیقت بائرن نے اپنا یہ طول طویل منظوم مزاحیہ رزمیہ Picaresque Novel کی روایت میں لکھا ہے جو ایک آوارہ گرد ہیرو کے حیرت انگیز تجربات اور کارناموں کی داستان ہوتی تھی۔ اطالوی زبان کے مزاحیہ رزمیوں سے بائرن کو ایک ایسی ہیئت مل گئی جس نے اسے دو ہم قافیہ مصرعوں والے Heroic Couplet کی جکڑ بندیوں سے آزادی دلا دی۔ بندگی یہ ترکیب جو ڈان جون میں برتی گئی ہے Octava Rima کہلاتی ہے یعنی آٹھ مصرعوں کا ایک ایسا بند جس کے پہلے، تیسرے اور پانچویں مصرعوں کا قافیہ ملتا ہوا اور دوسرا، چوتھا اور چھٹا مصرعہ ہم قافیہ ہوں۔ آخری دو مصرعے مطلع کی طرح Couplet کی شکل میں ہوتے ہیں۔ ویسے تو بائرن نے نظم کے شروع ہی میں اسپین کے روایتی ڈان جون کا ذکر کیا ہے۔ اور بے شک اسپین کی روایتوں میں ڈان جون کی روایت ملتی ہے۔ مگر بائرن کے ہیرو اور پرانے ڈان جون میں مماثلت برائے نام ہی ہے۔ اسی طرح یہ خیال بھی درست نہیں کہ نظم میں ہر جگہ، منصور کے پردے میں خدا بول رہا ہے۔ بائرن نے یقیناً اپنے کئی تجربات کو ڈان جون میں کچھ ردوبدل کے ساتھ نظم کیا ہے۔ مگر یہ نظم بائرن کی آپ بیتی نہیں کہی جا سکتی۔ شاعر اور ڈان جون کے درمیان بہرحال ایک فاصلہ ہے۔ شروع میں تو بائرن نے اپنے آپ کو کہانی کا راوی بھی نہیں بنایا تھا مگر آدھے Canto تک پہونچتے پہونچتے اس نے راوی اور مبصر کا کام خود سنبھال لیا اور ڈان جون میں جو اصل چیز ہے وہ راوی یعنی بائرن کے طنزیہ تبصرے ہیں۔ کہانی کے واقعات تو محض ایک بہانہ ہیں۔ بائرن نے خود کہا تھا کہ اس نظم میں اس کا مقصد ہر چیز پر ذرا ہنسنا ہنسانا ہے۔ ویسے بعد میں اس نے اپنی نظم کو سنجیدہ بھی بتایا۔

ڈان جون میں جو موضوعات آئے ہیں وہ کچھ ایسے نئے نہیں ہیں، محبت، جنگ، سیاست، شاعری ان سب میں جو جھوٹ اور ریاکاری ہے، جس جس طرح آدمی اپنے آپ کو فریب دیتا ہے اور گندم نما جو فروشی کرتا ہے اس کا طنز و ظرافت کے مختلف حربوں سے پردہ فاش کیا گیا ہے۔ بائرن کے طنز کے ہدف اتنے ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے۔ بس یوں سمجھیے کہ جو زد میں آیا مارا گیا مثلاً ڈان جون کو انگلستان آکر معلوم ہوا کہ انگلستان میں دس ہزار ادیب ہیں اور اس وقت کم از کم انشی عظیم ترین شاعر زندہ ہیں۔ پھر بےچارے ورڈز ورتھ، کولرج اور سودی (Southey) وغیرہ کی شامت آجاتی ہے کہ ٹوری حکومت کے حامی ان شعراء سے بائرن کو پرخاش تھی۔ نظم کے انتساب میں بھی جو ملک الشعراء رابرٹ سودی کے نام ہے ان شاعروں کی درگت بنائی گئی ہے یا پھر ایک مثال یہ دیکھیے ڈان جون دل ہی دل میں انگلستان کے امن و امان اور حسن انتظام کو سراہ رہا ہے کہ جھاڑی کے پیچھے سے ایک شخص لپکا اور جون کے سینے پر چاقو رکھ کر بولا۔ نکالو سارا مال ورنہ.. جون نے اس لیٹرے کو گولی مار دی۔ مگر بعد میں اسے خیال آیا کہ سرائے کے میاں بھٹیارے بھی تو یہی کرتے ہیں۔ کوئی چاقو دکھا کر لوٹتا ہے، کوئی آداب بجا لا کر۔ بائرن کے طنز کا جو لطف ہے اور اس میں جو ہنرمندانہ کاٹ ہے اس کا تعلق موضوع سے اتنا نہیں ہے جتنا کہ انداز بیان اور ٹیکنیک سے ہے۔ بائرن اپنے آدرش الیگزنڈر پوپ کے طنز کی نفاست کو تو نہ پا سکا مگر اس کے طنز کا وار بے پناہ ہوتا تھا۔ پھر بائرن کی بذلہ سنجی اور شوخی جس کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

دل مثل ملک فردوس کا ایک گوشہ ہے
جس کے طوفان قطرہ ہائے آب بنتے ہیں
اور خون دل بالآخر آنسو کی شکل میں آنکھ سے
ٹپک پڑتا ہے جس سے ہمارے زمانے کے انگلستان کا موسم صورت پذیر ہوتا ہے۔

یہ گریۂ عشاق کا بیان ہے۔ آخری مصرعے تک پہونچنے سے پہلے یہ شبہ بھی نہیں ہوتا کہ بیچارے عشاق کے آنسوؤں کی کیا مٹی پلید ہونے والی ہے۔ سنجیدہ اور مزاحیہ کی یہ غیر متوقع آمیزش کبھی کبھی صرف ایک لفظ یا اس لفظ کی شعر میں نشست پر منحصر ہوتی ہے اور اس لفظ کے آتے ہی شعر کی ساری فضا بدل جاتی ہے۔ ایسی صورت میں ترجمہ ساتھ نہیں دے سکتا۔ نمونے کے طور پر دو پیش کرتا ہوں۔

یہاں جون کی تعلیم کا حال بتایا جا رہا ہے۔

He learned the arts of riding, fencing, gunnery,
And how to scale a fortress or a nunnery

nunnery کا استعمال بالکل خلافِ توقع ہے۔ پھر ستم بالائے ستم یہ کہ nunnery عیسائی راہباؤں کی قیام گاہ کے علاوہ قحبہ خانے کو بھی کہتے تھے۔ اب افلاطونی محبت کا ڈھونگ رچانے والی جولیا کو دیکھیے کہ کس طرح اپنے دام میں وہ خود پھنس گئی۔

A little still she strone, and much repented
And whispering 'I will never consent-consented

ڈان جون میں بائرن کا طنز چونکھی ہے مگر ساتھ ہی ریاکاروں کے مجمع میں ڈان جون کسی نہ کسی حد تک اپنی فطری سادگی اور دیانت داری برقرار رکھتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو نظم طنزیہ نہ ہوتی بلکہ پوری طرح ہوتی۔ ویسے شاعر نے ڈان جون کو بھی بخشا نہیں ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ بائرن سب کو بے نقاب کر کے زندگی کے کس مثبت یا قابلِ قدر تصور کی طرف اشارہ کر رہا ہے تو عرض یہ ہے کہ بائرن کے لئے جھوٹ کو جانے بغیر سچ تک پہونچنا ممکن نہیں اور اگر سچ تک رسائی نہ ہو تو آزادی کہاں! اور بائرن کو سب سے زیادہ جو شئے عزیز تھی وہ تھی آزادی۔ (اردو سروس)

سرورالحسن سرور

لبوں سے تشنگی کا زرم فاصلہ سمیٹ لو
ہر اک شجر سے زرد دھوپ کی قبا سمیٹ لو
یہ ریگزار ہے، یہاں پہ برف کی تلاش میں
کہاں کہاں پھروگے اپنے دست و پا سمیٹ لو
اداس بستیوں میں غیر وقت کون آئے گا
گزر چکی ہے شام اب یہ راستہ سمیٹ لو
ہماری سرد آہ سے جو تم کو اختلاف ہے
تو یہ کرو کہ سارے شہر کی ہوا سمیٹ لو
وہ موتیوں کی نرم گفتگو سمجھ نہ پائے گا
مرے خیال سے تم اپنی التجا سمیٹ لو
نشان کیا کریں جب اس کی انگلیاں بدل گئیں
یہی درست ہے کہ اپنا فیصلہ سمیٹ لو
(اردو سروس سے)

پریم چند کے افسانے میں دیہات کی پیشکش

اسد الزماں

اردو کو شہری زبان کہا جاتا ہے مگر پریم چند نے اسی شہری زبان میں اصل ہندوستان کی ایسی تصویر کشی کی ہے کہ شاید و باید، اصل ہندوستان سے میری مراد ہندوستان کے دیہات اور گاؤں ہیں۔ دیہات سے متعلق پریم چند کے افسانوں کے بارے میں عام خیال یہ ہے کہ پریم چند نے ان میں دیہات اور دیہاتیوں کی جہالت اوہام پرستی، مصیبت اور استحصال کی عکاسی کی ہے لیکن یہ پوری صداقت نہیں ہے۔ ان معاشرتی اور تہذیبی خرابیوں کا عکس پریم چند کے افسانوں میں بھی ہے جن کا تعلق شہری زندگی سے ہے۔ دیہات اور دیہاتی زندگی پریم چند کے افسانوں کی اساس اس لئے بنی کہ ہندوستان کی تقریباً ۸۰ فیصد آبادی گاؤں اور دیہات میں رہتی ہے جس پر ہندوستان کی سماجی، معاشرتی اور اقتصادی بنیادوں کا انحصار ہے۔ علاوہ ازیں پریم چند کی زندگی کا اچھا خاصہ دیہات اور گاؤں میں گذرا اسی لئے ان کے افسانوں میں دیہات کی پیشکش تخیلی، تصوراتی یا اکتسابی نہیں ہے انہوں نے دیہات کی زندگی کا بنظرِ غائر مشاہدہ اور مطالعہ ہی نہیں کیا بلکہ اسے اپنی فکر و احساس کا ایک قوی حصہ بنایا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانوں میں دیہات کی زندگی جامد ہونے کے بجائے متحرک اور جدلیاتی نظر آتی ہے۔ اگر پریم چند ایسا نہیں کرتے تو یہ ان کی سب سے بڑی ادبی بد دیانتی ہوتی۔

پریم چند کے افسانوں کے دیہات کا تعلق سابق ریاستہائے متحدہ اور موجودہ اتر پردیش سے ہے لیکن یہ دیہات چند مخصوص نسبتی یا ضمنی اور فروعی اختلافات کے باوجود ہندوستان کے کسی بھی صوبے یا علاقے کے ہو سکتے ہیں یا الفاظِ دیگر پریم چند کے افسانوں کے دیہات سارے ہندوستان کے اشاریہ ہیں۔ تلیا، دوجی، بنسی دھر اور شیو داس جیسے کردار ہندوستان کے کسی بھی گاؤں میں مل سکتے ہیں۔

قدرت کی تخلیقات میں سب سے اہم مرکزی تخلیق انسان ہے اور پریم چند کو چونکہ انسانوں سے محبت ہے اسی لئے ان کے افسانوں میں دیہات کی منظر نگاری کم ہی ملے گی۔ ان کے افسانوں میں کھیت، پگڈنڈی، رہٹ اور کنویں وغیرہ کا ذکر مختصر الفاظ میں ہوتا ہے۔ اور وہ بھی صرف اس لئے کہ وہ واقعات کے پسِ منظر کا کام دیں۔ پریم چند نے دیہات کی معاشرت اور وہاں کے رسومات کا ذکر بھی اپنے افسانوں میں کیا ہے مگر وہ بھی ضرورتاً۔ پریم چند کو دیہات اور دیہات میں ہونے والے واقعات کی محض رپورٹنگ سے کوئی غرض نہیں ہے۔ دراصل ان کی تمام تر دلچسپی اور ہمدردی کا محور دیہات کے انسان اور ان کی فطرت ہے۔ پریم چند کے نزدیک دیہات میں رہنے والے سیدھے سادے اور سادہ لوح ہونے کے باوجود حسد رشک، نفرت، لالچ اور انتقام کے جذبوں سے پاک نہیں ہوتے مگر یہ شعلہ جذبات حالات کے تحت ہی ابھرتے ہیں جن پر فطری محبت، خلوص، ہمدردی اور ایثار کا جذبہ جلد ہی غالب آجاتا ہے۔ اگر پریم چند نے دیہات اور گاؤں میں بسنے والوں کو صرف سادہ لوح اور شریف النفس دکھایا ہوتا تو ان کی اور ان کے افسانوں کی وہ اہمیت نہ ہوتی جو آج ہے پریم چند کی اسی حقیقت پسندی نے ان کو دیگر افسانہ نگاروں سے ممتاز کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں کسی مثال کی ضرورت نہیں ان کے افسانوں کے تمام کردار کا تعلق اسی دنیا سے ہے اور ان کا خمیر خیر و شر کے امتزاج سے تیار ہوا ہے مگر خیر کو بالآخر شر پر فتح ہوتی ہے۔ پریم چند کا ایمان ہے کہ انسانیت حالات کے تحت وقتی طور پر مجروح ہو سکتی ہے مگر مر نہیں سکتی یہی انسان کی عظمت کا راز ہے۔

پریم چند کے عہد کے دیہات پسماندہ ہونے کے باوجود جدید روشنی سے آشنا ہونے لگتے تھے جس کی سب سے بنیادی وجہ تحریکِ آزادی تھی چنانچہ ان کے بعض افسانوں میں پرانی روایت اور نئے خیالات کی کشمکش کا اظہار واضح طور پر ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پریم چند نہ ہر پرانی چیز کو اچھا سمجھتے ہیں اور نہ ہر نئی چیز کو خراب پریم چند کے اس متوازن فکری میلانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انسانی فطرت کے حسین پہلو کے کس قدر دلدادہ تھے۔

جس طرح دیہات کی زندگی تصنع سے پاک ہوتی ہے اسی طرح پریم چند کے افسانوں کا اسلوب بھی سیدھا سادا ہے اس میں نہ تو فلسفیانہ موشگافیاں ہیں نہ نفسیاتی الجھنیں۔ باعتبارِ زبان و اسلوب پریم چند کو اردو افسانہ نگاروں میں وہی مقام حاصل ہے جو اردو شاعری میں میر تقی میرؔ کو اور فنِ داستان گوئی میں میرامن کو۔ اپنے افسانوں میں پریم چند نے کہیں کہیں تشبیہ بلکہ تفصیلی تشبیہ سے کام لیا ہے۔ لیکن یہ تشبیہیں غیر ضروری ہونے کے برعکس کسی واقعہ یا کسی کردار کو اور واضح کر دیتے ہیں۔

میرے خیال میں پریم چند کی کامیابی اور عظمت کا سب سے بڑا راز یہ ہے کہ انھوں نے اپنے افسانوں میں ہندوستان کے دیہاتوں کو اس طرح پیش کیا ہے کہ شہر کا رہنے والا ہر وہ شخص جس نے دیہات کو کبھی دیکھا تک نہیں وہ بھی دیہات اور دیہاتیوں سے ان کے جملہ حسن و قبح کے ساتھ اپنائیت محسوس کرتا ہے اور ان کے دکھ درد میں خود کو شریک پاتا ہے۔ اس طرح پریم چند نے اپنے افسانوں کے ذریعہ دیہات اور شہر کے فاصلہ کو کم کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے جس کے بعد ہی ایک مکمل ہندوستان کا تصور ابھرتا ہے۔

(کلکتہ سے نشر)

سوز سکندر پوری

دیکھے ہیں زندگی کے کئی رنگ دوستو
برسے ہیں سر پہ پھول کبھی سنگ دوستو

میں پیار بانٹنے چلا اپنے پڑوس میں
میرے ہی گھر پہ چلنے لگے سنگ دوستو

جمنا کے تٹ پہ تاج کا منظر عجیب ہے
پانی میں تیرتے ہیں وہاں سنگ دوستو

سر میں لہو کا نام نہیں سر کہوں کسے
سر خود ہی بن گیا ہے مرا سنگ دوستو

کرنے چلے جو آئینے چہروں کی چغلیاں
ان آئینوں پہ پھینکے گئے سنگ دوستو

لہجہ بدل کے تم نہ کرو مجھ سے گفتگو
الفاظ میں بھی ہوتے ہیں کچھ سنگ دوستو

میں جا رہا ہوں لوٹ کے واپس نہ آؤں گا
کچھ دور تک تو آؤ چلو سنگ دوستو

اے سوزؔ سر چھپانے کہاں جائیں ہم غریب
محلوں سے چل رہے ہیں ابھی سنگ دوستو

(گورکھپور سے)

پسماندہ طبقے کے لیے روزگار کے مواقع

شمس الحق

اگر ہم غور سے دیکھیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ہمارے ملک کے سامنے بہت سے مسائل درپیش ہیں ان میں بے روزگاری کا مسئلہ بھی یقیناً ایک بڑا ہی اہم مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی سے جڑا ہوا ہے۔ ہر سال ملک میں کروڑوں لوگ بے روزگاروں کی تعداد میں شامل ہوتے جا رہے ہیں۔ ان میں سے بہت سے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ ہیں اور زیادہ تر وہ لوگ ہیں جو ہائی اسکول سے اوپر کی تعلیم پا چکے ہیں اور یا تو بغیر کسی ٹریننگ کے ہیں یا تھوڑی تعلیم لئے ہوئے ہیں۔

روزگار دفتروں کے ذریعہ مختلف طبقے کے لوگوں کی بے کاری دور کرنے کے لئے خاص طور پر کئی اسکیمیں چلائی جاری ہیں۔ ہمارے ملک کے مختلف روزگار دفتروں میں قائم شدہ یونین وکیشنل گائڈنس پروگرام چلایا جا رہا ہے۔ اس اسکیم کا خاص مقصد روزگار سے متعلق مواقع کی جانکاری کرانا۔ اور خاص طور سے سماج کے پسماندہ طبقے کو موجودہ روزگار کے مواقع کو بتلانا ہے۔ مختلف مقابلے کے امتحانوں جیسے پی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ اے۔ ایس، بینکنگ سروس فارسٹ سروس۔ انکم ٹیکس۔ اکسائز کسٹم۔ ڈیفنس۔ ٹیلی کمیونکیشن وغیرہ امتحانات کی تفصیلات بتلانا۔ ملک کے اندر اور بیرونی ممالک میں امیدواروں کی لیاقت کے مطابق وظائف اور ملازمتوں کی اطلاع دینا۔ اس کے علاوہ اپنا ذاتی کاروبار شروع کرنے کے سلسلے میں سرکار کی موجودہ اسکیموں کی جانکاری بھی بے روزگار نوجوانوں کو کرائی جاتی ہے۔ ہمارے روزگار دفتروں میں یہ اسکیم کئی سالوں سے چلائی جا رہی ہے اور اس کام کے لئے وہاں ایک وکیشنل گائیڈنس افسر مقرر ہیں۔ پہلے ہی دن جب ملازمت کے لئے خواہش مند حضرات دفتر میں رجسٹریشن کرانے آتے ہیں تو تعلیم یافتہ امیدواروں کے ساتھ ہی کمزور اور اقلیتی طبقے کے لوگوں کو خصوصی طور پر ان کی تعلیم اور تجربے کے مطابق روزگار کے مواقع اور مختلف ٹریننگ اسکیموں کے متعلق بتلایا جاتا ہے۔ موزوں روزگار پانے کے سلسلے میں اگر کسی کے کچھ ذاتی مسائل ہیں تو اس کے متعلق انفیس ذاتی مشورہ دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ان مخصوص علاقوں میں جہاں شڈیولڈ کاسٹ اور شڈیولڈ ٹرائبس طبقے کے لوگ رہتے ہیں وہاں ایمپلائمنٹ افسر خود جا کر ان کا رجسٹریشن نوکری کے لئے کرتے ہیں اور انہیں معقول مشورے دیتے ہیں۔ اپنا کاروبار شروع کرنے کے بابت بھی انہیں بتلایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں کئی مقامات پر خود جا کر کام بھی کیا گیا ہے۔ محکمہ کی موجودہ پالیسی کے تحت تحصیل ہیڈکواٹر پر بھی اس قسم کی سہولتیں دی جا رہی ہیں۔

اس کے علاوہ شڈیولڈ کاسٹ اور شڈیولڈ ٹرائبس اور پسماندہ طبقے کے بے روزگار تعلیم یافتہ لڑکے جو کہ انٹر یا اس سے اوپر کی تعلیم حاصل کئے ہوئے ہیں ان لوگوں کو درجہ تین کی کلرکی اور خالی جگہوں میں نوکری لگانے کے مواقع بڑھانے کی غرض سے ہندی شارٹ ہینڈ، ہندی ٹائپ۔ جنرل ہندی، جنرل انگریزی اور سکریٹریل پریکٹس کی ٹریننگ روزگار دفتروں میں قائم شدہ کوچنگ کم گائیڈنس کے ذریعہ دی جاتی ہے۔ یہ ٹریننگ بغیر کسی فیس کے دی جاتی ہے۔ اور اس کا سیشن جنوری اور جولائی سے شروع ہوتا ہے اور چھ ماہ کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔

جیسا کہ میں نے ابھی بتایا ہے کہ نوکری کے خواہش مند لوگوں کی تعداد لاکھوں اور کروڑوں میں ہے لہذا سبھی کو تنخواہ والی ملازمت مل پانا ایک مشکل بات ہے۔ اور اس بات کی گنجائش بھی بہت کم ہے۔ لہذا چھوٹے چھوٹے کل کارخانے لگا کر اور اپنا چھوٹا موٹا کام شروع کر کے بیکاری کے مسئلے کو بہت کچھ حد تک دور کیا جا سکتا ہے۔ اور روزگار دفتر کے ذریعہ اپنا کاروبار لگانے کے لئے اسکیم چننے اور زرعی مسئلے کو حل کرنے کے بابت ساری باتوں کی جانکاری کرائی جاتی ہے۔ کچھ متعلقہ ایجنسیوں کو قرض لینے کے خواہش مند امیدواروں کی درخواستیں بھجوا کر قرض دلانے کے لئے ان سے برابر رابطہ بھی قائم کیا جاتا ہے۔ اور امیدواروں کو سہولیت پہونچائی جاتی ہے۔ اس طرح کی سہولیت اتر پردیش وت نگم۔ اتر پردیش راجیہ ادیوگک وکاس نگم کے ذریعہ مالی امداد دی جاتی ہے۔ ان سوچیت جات وت الیوم وکاس نگم کے ذریعہ شڈیولڈ کاسٹ اور شڈیولڈ ٹرائبس کے امیدواروں کو مالی امداد دی جاتی ہے۔ مشنری اور کچے مال کی خرید اور آسان قسطوں پر قرض کی ادائیگی کا بھی مخصوص انتظام ہے۔

اس کے علاوہ عورتوں کے لئے بھی ٹریننگ اور اور روزگار کے لئے کافی مواقع ہیں جس میں وہ ٹیچر، نرس، اسٹینوگرافر اور ٹائپ وغیرہ کی ٹریننگ لے کر کے نوکری پا سکتی ہیں۔ سلائی، دستکاری میں کڑھائی، بنائی کٹنگ، ٹیلرنگ اور زردوزی کے کاموں کی ٹریننگ حاصل کر کے گھر بیٹھے ہی اپنے بیکار وقت میں اچھا خاصہ پیسہ کما سکتی ہیں اور اپنے گھر کا رہن سہن اونچا کر سکتی ہیں۔

(آکاش وانی گورکھپور سے نشر)

ڈاکٹر معظم علی خاں

رنگِ شفق بس حسنِ نظر ہو یہ بھی تو ہو سکتا ہے
شام کا چہرہ خون سے تر ہو، یہ بھی تو ہو سکتا ہے

ایک چمکتی شے کو آخر تم کیوں آنسو سمجھے ہو
دستِ خودی میں کوئی گہر ہو، یہ بھی تو ہو سکتا ہے

جہدِ مسلسل کے متوالو! دور دھوپ کا ٹیلہ سا!
کوئی سایہ دار شجر ہو، یہ بھی تو ہو سکتا ہے

سب کہتے ہیں کھو کر اس کو کھویا کھویا رہتا ہوں
اس کا تصور خوابِ اثر ہو، یہ بھی تو ہو سکتا ہے

راہِ وفا میں چلتے چلتے ساتھ کہیں وہ چھوڑ نہ دے
اس کو بھی اس بات کا ڈر ہو، یہ بھی تو ہو سکتا ہے

ممکن ہے وہ جگنو ہی ہوں جو جلتے اور بجھتے ہیں
تاریکی میں رقصِ شرر ہو، یہ بھی تو ہو سکتا ہے

شعروں سے شخصیت کا اندازہ لگنا مشکل ہے
رنگِ معظم صرف ہنر ہو، یہ بھی تو ہو سکتا ہے

(رامپور سے)

واہموں سے بچیے

ناھید سلطانہ جعفری

وہم بری بلا ہے۔ یہ بالفاظ دیگر توہم پرستی یا ایک بری بلا ہے۔ جس طرح سے بری بلاؤں سے چھٹکارا پانا مشکل ہوتا ہے اسی طرح وہم سے بھی نجات پانا دشوار ہے۔

وہم درحقیقت ایک ذہنی کیفیت کا نام ہے اس کو بیماری تو کہا نہیں جا سکتا، کیونکہ میڈیکل سائنس میں اس کا کوئی تشریح نہیں کی گئی ہے۔ ممکن ہے ماہر نفسیات اس چیز کو بہتر طریقے سے جانتے ہوں۔ لیکن یہ جو کچھ بھی ہے، ہے بری چیز جس کا نتیجہ صرف نقصان ہی نقصان ہے۔

پرانے زمانے کی دادیوں اور نانیوں کے دور میں توہم پرستی اور وہم زندگی کا ایک اہم حصہ ہوا کرتے تھے۔ آپ نے بڑی بوڑھیوں کو ضرور یہ کہتے سنا ہوگا کہ بلی راستہ کاٹ گئی۔ ۔ ۔ کوئی چھینک گیا۔ یا کتا روتا ہے تو یہ ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

آج جب کہ اس ایٹمی دور میں ایک طرف جہاں سائنس نے اتنی ترقی کر لی ہے۔ کہ انسان خلاؤں کو پھاند کر چاند میں پہونچ چکا ہے۔ اور سورج اور سیاروں میں پہنچنے کی تیاری میں ہے۔ تو دوسری طرف ایسی بھی کچھ مثالیں ہیں جو اب بھی توہم پرستی کا شکار ہیں۔

دیکھا یہ گیا ہے کہ توہم پرستی کا شکار زیادہ تر خواتین ہی ہوتی ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آدم کی اولاد اس بلا سے پاک ہے۔ لیکن تناسب کے حساب سے ان میں بہت کم لوگ اس کا شکار ہوتے ہیں اور جو ہیں وہ زیادہ تر وہی ہیں جہاں پر علم کی روشنی ابھی پہونچ نہیں پائی ہے۔ ہر ماں کو اپنی اولاد سے پیار ہوتا ہے لیکن اگر بچہ کو کچھ ہو جائے تو اپنے پیار سرشار ماں بس یہی سوچتی ہے کہ اس کے بچے کو نظر لگ گئی ہے یا کوئی بدروح کا سایہ ہے اور صاحب بس جھاڑ پھونک نظر اتاری اور پیری مریدی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ جبکہ بچہ کو ضرورت ہوتی ہے دوائی اور ڈاکٹری علاج کی لیکن توہم پرست وہمی ماں یا خاندان جب تک اس نتیجے پر پہونچتا ہے بچہ اپنی جان کھو بیٹھتا ہے۔ یہ ایک ایسا ناقابل تلافی نقصان ہے جو ایک ماں کو زندگی بھر کے لئے اذیت میں مبتلا کر دیتا ہے اس لئے ذرا سی دور اندیشی روشن خیالی اتنی ہی ضروری ہے جتنی رات کے وقت چراغ کی ہوتی ہے۔ اور اس طرح سے توہم پرستی سے بچا جا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ اپنے ساس بہو کے قصے سنے ہوں گے اور بہت ساری بہنیں ساس بہو کے آپسی تناؤ سے بھی واقف ہوں گی۔ جنکی ساری جڑ اگر دیکھا جائے تو وہم ہی ہو سکتا ہے۔ ایک حقیقی واقعہ ہے کہ جہاں ساس تو ساس بہو بیگم بھی توہم پرست تھیں۔ ان صاحبہ کے شوہر کسی باہر ملک میں ملازم تھے۔ اور سال دو سال پر ملنے کو آیا کرتے تھے یہ اپنی ساس کے ساتھ اکیلی رہتی تھیں اپنے شوہر کی دوری اور اکیلے پن کی وجہ سے ان پر ایک نفسیاتی کیفیت طاری رہتی وہ ہر وقت اس کی شکایت کرتیں کہ ساس انکو نظر دیتی ہیں جس کی وجہ سے انکو گھبراہٹ اور دل دھڑکنے کی شکایت ہو جاتی۔ اپنی اس کیفیت کا ذکر جب انہوں نے اپنی ایک دوست سے کیا تو وہ ان کی ذہنی کیفیت کو سمجھ گئی پھر تو اس نے ان کی نظر اتاری اور ایک بوتل میں پانی دیا کہ وہ استعمال کرتی رہیں اس طرح وہ ٹھیک ہوئیں۔ پھر جب ان کے میاں واپس آ جاتے ان کو نہ ایسی شکایت ہوتی اور نہ ساس ہی کی نظر لگتی اس طرح بڑی مشکل سے انکو سمجھایا گیا کہ یہ سب اس کا وہم ہے اور اس کا علاج یہ ہی ہے کہ وہ ایسا سوچنا چھوڑ دیں جو بلا وجہ ساس اور بہو کے رشتے میں آپسی کشیدگی کا سبب بن جاتا ہے۔

کچھ ان باتوں کے علاوہ لوگ اکثر رنگوں اور اعداد کے بارے میں بھی وہم رکھتے ہیں۔ نمبر ۱۳ کو ابھی ابھی تک آج تک ایک برا نمبر سمجھا جاتا ہے اور بمبئی جیسے شہر میں بھی جہاں رہائش کا بہت بڑا مسئلہ ہے اور لاکھوں خاندان سڑکوں اور فٹ پاتھوں پر گذر کرتے ہیں جب بڑی بڑی عمارتیں بنائی جاتی ہیں جو کہ کئی منزلہ ہوتی ہیں ان میں بھی ۱۳ ویں منزل خالی چھوڑ دی جاتی ہے۔ اسی طرح اتفاق سے کسی ہوٹل وغیرہ میں ۱۳ نمبر کا کمرہ کسی کو ملتا ہے تو وہ کچھ وہم کا شکار ضرور رہتا ہے۔ یہ ساری چیزیں ایک طرح سے رہائشی مسئلہ کو اور زیادہ ٹیڑھا کر دیتی ہیں اور انسانی پریشانی کا سبب بن جاتی ہے۔

اس سے پہلے کہ میں اب ختم کروں یہاں میں خود کا اپنا ایک کمزور پہلو بتاتی چلوں۔ میرا بھی ماشاءاللہ پیارا سا بیٹا ہے۔ اور کبھی میں خود بھی اس کے معاملے میں وہموں کا شکار ہو جاتی ہوں۔ لیکن میرے شوہر اور میری ساس صاحبہ جو کہ بہت قابل اور کھلے ذہن کے مالک ہیں میرے ذہن کو اچھی طرح سے جھٹک دیتے ہیں۔ اور میں خود اپنے آپ پر ملامت کرنے لگتی ہوں۔

وہم کا علاج تو کہا جاتا ہے کہ لقمان کے پاس بھی نہیں تھا۔ اور بڑے سے بڑا سائنسداں اور طبی ماہر بھی شاید اس چیز کا علاج نہیں کر سکے گا۔ اور آپ نے ضرور سنا ہوگا۔ کہ خالی زمین شیطان کی گزرگاہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ہمارا ذہن اگر خالی ہو اور ہمارے پاس کوئی روشن اور تخلیقی خیالات نہ ہوں جس کی وجہ علم کی کمی بھی ہو سکتی ہے۔ تو پھر ذہن وہم اور توہم پرستی کی جکڑ میں آ جاتا ہے جو کہ بڑی سخت گرفت ہوتی ہے۔

آج کی پڑھی لکھی اور روشن خیال خواتین اور حضرات کا فرض ہوگا کہ اپنے دوسرے فرسودہ توہم پرستی کا شکار ماحول اور کم پڑھے لکھے بھائی بہنوں کی مدد کریں ان کو سارے نقصانات سے آگاہ کریں اور ان کی دوسری ذہنی صلاحیتوں کو اجاگر کرتے ہوئے اس بات کی کوشش کریں کہ ان کے لئے کسی طرح کا تخلیقی ماحول پیدا ہو تاکہ وہ اپنے ذہن کو بھٹکنے نہ دیں اور اس بری بلا سے نجات پا جائیں۔

(بمبئی سے نشر)

شفیقہ پروین

دکھا دیا ارے یہ کس نے آئینہ مجھ کو
لگے ہے اپنا ہی چہرہ عجیب سا مجھ کو
میں گردِ راہ سہی بادِ غم اڑا مجھ کو
میرے وجود کا احساس تو دلا مجھ کو
میں جن صداؤں سے اکثر پکارتی ہوں اسے
انہی صداؤں کا دیتا ہے واسطہ مجھ کو
سُلا دیا ہے زمانے نے تھپکیاں دے کر
شورِ دردِ محبت ذرا جگا مجھ کو
میرے وجود میں یہ کون چیختا ہے نہ پوچھ
رلا رہی ہے الم ناک اک صدا مجھ کو
جو مجھ کو میری حقیقت سے آشنا کر دے
الٰہی چاہیے اک ایسا آشنا مجھ کو
(اردو سروس سے)

کشمیر اوکانگ کی نظر میں

سید رسول پونپر

ہماری خوش بختی ہی سمجھیے کہ کشمیر کی قدیم تاریخ کے مطالعہ اسے کے لئے ہمارے پاس مختلف صورتوں میں مواد دستیاب ہے یہاں کے اساطیری کردار قدیم تاریخی واقعات سے اس طرح جڑے ہوئے ہیں کہ جیسے ان کا الگ سے کوئی وجود ہی نہیں۔ وادیٔ کشمیر فطرت کی آغوش میں فلک بوس اور برف پوش پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے۔ جو اس کی انفرادیت کی ناقابل تسخیر دیوار بھی ہے۔ ممتاز یورپی تاریخ شناس ایم، اے سٹائن بھی اس بات کا معترف ہے کہ قدیم تاریخی مواد کے ضمن میں یہ خطہ جنت نظیر بہت ہی مالدار ہے۔ چونکہ یہ بنیادی تاریخی تحریریں بیشتر سنسکرت میں دستیاب تھیں۔ اس لئے جو بھی محققین باہر سے آئے، انھوں نے مقامی تاریخی مواد کو کھنگالنے کی خاطر یہاں کے عالموں اور دانشوروں کی خدمات حاصل کیں تاکہ وہ کشمیر کی قدیم تہذیب کے خدوخال کو اجاگر کرنے کی کوششوں میں کامیاب ہو سکیں۔ اس لئے جب ہم کسی بیرونی سیاح جو یہاں کبھی کبھار تہذیب اور ثقافتی سفیر بن کر آئے، کا تذکرہ کرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ ہمارا یہ قطعۂ ارضی مردم شناس نہیں۔ ع۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی!

بیرونی ممالک سے آئے ہوئے زایرین کے سفرنامے یہاں کی تواریخ کو سمجھنے کے لئے اگرچہ ان حالات میں بنیادی حیثیت نہیں رکھتے، لیکن ممد و معاون ضرور ہو سکتے ہیں اور پھر یہ کہ انسان اپنی تصویر دوسروں کی نظر میں دیکھنا فطرتاً پسند کرتا ہے۔ کشمیر اگلے وقتوں سے علم و آگہی کا گہوارہ رہا ہے اور اس ناطے بودھ مت کی اشاعت کا اہم مرکز بھی رہا ہے یہی وجہ ہے کہ چینی سیاح، اوکانگ، ہیون سانگ کے بعد گندھار سے ۷۵۹ء میں وارد کشمیر ہوا۔ جب یہاں راجہ جیاپیڈ (۷۵۱ - ۷۸۲ء) کی فرمانروائی تھی۔ ایم۔ اے سٹائن اور دیگر یورپی تاریخ شناسوں اور سیاحوں کی تحقیق کے مطابق کشمیر سے متعلق اولین حوالے، چینی دستاویزات میں ۱۴۵ء سے ملتے ہیں جو ایک ہندوستانی سفیر کے تذکرے پر مبنی ہیں جو تنگ خاندان کے دور حکومت میں چین پہونچا ان دستاویزات میں جہیل ولر، اور وتستا کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اوکانگ بارہمولہ کے راستے ہی وارد کشمیر ہوا۔ اگرچہ وہ علمی وسعت قوت مشاہدہ اور فکر و نظر میں، ہیون سانگ کا ہم پلہ قرار نہیں دیا جا سکتا پھر بھی اس نے اس خطۂ ارضی کے بارے میں قابل قدر اطلاعات فراہم کی ہیں اوکانگ نے اپنی تہذیبی سفارت چالیس سال تک جاری رکھی اور پھر مختصراً اپنے مشاہدات کو واپسی پر ضبط تحریر میں لایا۔ وہ چار سال (۷۵۹ء سے ۷۶۳ء تک) کشمیر میں رہا، کشمیر سے متعلق اس کی اطلاعات مشاہدات دوسرے ممالک کے مقابلے میں بہت حد تک تفصیلی ہیں۔ اس کے دورے کی تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بودھ بھکشو کے روپ میں بودھ وہاروں کی زیارت کے ساتھ ساتھ سنسکرت مخطوطات کے مطالعہ میں مصروف رہا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ صبح سویرے سے رات گئے تک محو مطالعہ رہتا تھا، لیکن کڑی محنت کے باوصف اسے اتنی زیادہ ادبی بالیدگی نصیب نہیں ہوئی اس بات کا علم ہمیں اس کے اپہ بھرنش میں لکھے ہوئے اسی کی نظر میں اہم بودھ وہاروں کے ناموں سے ہوتا ہے۔ ان میں سے چار کا ذکر تو راج ترنگنی میں ملتا ہے اور باقی دو دیہات کے ناموں کی صورت اجتماعی یادداشت میں آج بھی محفوظ ہیں۔ کرتی آشرم جس کے لغوی معنی جادوگرنی یا ساحرہ کی قرار گاہ ہے۔ آج بھی کشٹہوم گاؤں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اوکانگ اور کلہن دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ یہاں حلوک کی تعمیر کردہ عبادت گاہ موجود تھی۔ ایم۔ اے۔ سٹائن کے عینی مشاہدہ کے مطابق ۱۸۹۶ء میں کشٹہوم کی دو مساجد کے گرد و نواح میں تراشے ہوئے پتھروں کے آثار موجود تھے۔ کشٹہوم بارہمولہ سے دور دریائے جہلم (وتستا) کے بائیں کنارے پر آباد ہے۔

مونگمتی وہار کا ذکر اوکانگ نے سب سے پہلے کیا ہے یہ وشکر بارہمولہ کا وہی وہار ہے جو للتادتیہ مکتا پیڈ (۶۹۹ - ۷۳۵ء) مکتا وہار کے نام سے تعمیر کرایا اور جو مکتا سرامن وہار کے نام سے کلہن کی راج ترنگنی میں جگہ پا چکا ہے یہ چینی سیاح بارہمولہ کے راستے سے کشمیر آیا اس لئے یہی وہار اس کی اولین زیارت گاہ بھی ہے اور قیام گاہ بھی ہے جس کی بنا پر اس وہار کا سرفہرست ہونا فطری ہے۔ للتادتیہ مکتا پیڈ کے نام سے پرہاسپورہ کے راجہ وہار کی تعمیر بھی منسوب کی جاتی ہے۔

راجہ میگھواہن کی چینی رانی امرتا پربھا نے بودھ بھکشوؤں کے لئے امرتا بھون وہار تعمیر کرایا۔ یہ استھاپن آج وونتہ بھون کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ جو امرتا بھون کا کشمیری روپ ہے۔ وونتہ بھون سری نگر کے شمال میں پانچ کلومیٹر دور وچار ناگ کے قریب واقع ہے۔ یہاں آج بھی اس بودھ وہار کے آثار موجود ہیں۔ اوکانگ نے اسکا نام چینی زبان میں نگو دمی۔ تو، پو، ون ‘Ngo-Mi-To-Po-Wan’ لکھا ہے۔

للتادتیہ مکتا پیڈا (۷۳۵ - ۶۹۹ء) کے ترک نژاد چنکن اعلیٰ نے سری نگر میں دو عالی شان وہار تعمیر کرائے۔ اوکانگ نے اسے چینی میں چیانگ کیس کے نام سے یاد کیا ہے۔ وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اوکانگ کی نظر میں دو میں سے کون سا ایک جاذب رہا ہوگا۔ البتہ اس سے آٹھویں صدی عیسوی میں ترک، کشمیر تعلقات کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اس بات کی مزید تصدیق کلہن کی راج ترنگنی سے بھی ہوتی ہے تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ گندھارا پر حکمرانی کرنے والے ترک راجہ تبت نژاد تھے۔ ممتاز عرب سیاح البرونی نے بھی یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔

ہیون سانگ کے بیان کے مطابق ساتویں صدی کی چوتھی دہائی میں اس کی وادیٔ کشمیر کی سیاحت کے وقت یہاں صرف ایک سو کے قریب بودھ وہار موجود تھے جبکہ اوکانگ نے ان کی تعداد تین سو سے زائد بتائی ہے۔ اس کے علاوہ وہ ستوپوں اور مقدس مورتیوں کے مقامات کی بھاری تعداد میں موجودگی کا بھی معترف ہے۔ اس سے یہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان دو ثقافتی زایروں کی الگ الگ سیاحت کی درمیانی مدت میں یہاں بدھ مت کی مقبولیت میں اضافہ ہوا ہوگا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ راجہ میگھواہن اور للتادتیہ مکتا پیڈ نے بدھ مت کی اشاعت کے لئے بہت کام کیا۔

جیسا کہ اس گفتگو کے آغاز میں ہی بتایا جا چکا ہے کہ اوکانگ بڑی صراحت اور سچائی کے ساتھ وادیٔ کشمیر کے جغرافیائی حالات کے بارے میں لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ قدرتی طور پر چاروں اور سے فلک بوس پہاڑوں کی گود میں ہے جن کے درمیان میں سے صرف تین پہاڑی راستے ہیں۔

مشرق میں ایک راستہ ”توفان“ یا تبت کو جاتا ہے شمال کی جانب سے ایک راستہ پولیسو یا بلتستان کا ہے اور مغرب کی طرف سے ایک درہ کین ٹوٹو، یا گندھارا کو کھلتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ پہلا درہ زوجی لا کا ہے۔ اس بات کا اعادہ کرنا یہاں بے محل نہ ہوگا کہ لداخی زبان میں درہ

"لا" کا لفظ بولا جاتا ہے۔ یعنی زوجی درّہ۔ دوسرا راستہ گلگت روڈ کا ہے جو بالائی وادی کشن گنگا سے ہوتے ہوئے وادی سندھ کو جاتا ہے۔ تیسرا درہ بارہمولہ کا ہے جو وتستا کے کنارے سے ہوتے ہوئے مغرب کی طرف مڑ جاتا ہے۔ ہیون سانگ اسی درے یعنی باب الجی سے کشمیر میں داخل ہوا وہ اس کا ذکر سنگی دروازہ کے نام سے کرتا ہے۔ یہی درنگ یا پہاڑی چوکیاں اگلے وقتوں سے، اس قطعہ ارضی کی پاسبانی کا کام دیتے آئے ہیں۔ ادکانگ کو چوتھے درے کا بھی علم تھا جو عیاں ہے۔ وادی کے جنوب کیطرف درہ بانہال یا پیر پنجال ہی ہو سکتا تھا جو اس وقت صرف شاہی لشکر کی خاطر کھلا رہتا تھا۔ اور جو آج ہمارے لئے قومی شاہراہ کے ناطے شہ رگ کا درجہ رکھتا ہے۔

ادکانگ کی وادی کی سفارت کے دوران شائد سیاسی وجوہات کی بنا پر ان دروں سے آمد و رفت کو محدود رکھا گیا ہو۔

چین اور ہندوستان کی شمالی ریاستوں کے درمیان، سیاسی رشتے ادکانگ کی سیاحت کے فوراً بعد محدود ہو کر رہ جاتے ہیں وہ شاید اس لئے کہ تنت خاندان کے فوراً بعد قدم وسط ایشیا میں تبتیوں اور اوگروں کے مقابلہ پر کھڑا رہے تھے۔ اگلی دو صدیوں کے دوران میں بھی ثقافتی زیارت کا سلسلہ جاری رہا اور اس کی منزل کا تعین کرنے میں کشمیر کو اہم مقام حاصل رہا ہے۔ اللہ کرے کہ انسانی تہذیب کے لین دین اور ارتقاء کا یہ مقدس ثقافتی رشتہ آئندہ بھی مثبت بنیادوں پر قائم رہے۔ بالخصوص جبکہ ہمارے ذہنی اور ارضی فاصلے سمٹ چکے ہوں۔

؎ ہے گرمیٔ آدم سے ہنگامہ عالم گرم
سورج بھی تماشائی تارے بھی تماشائی

(سرینگر سے نشر)

قمر سنبھلی

سب تمہارے گانو کے منظر ہمیں اچھے لگے
بے ریا لہجوں سے روشن گھر ہمیں اچھے لگے
وہ بچھڑتے وقت کا منظر کہ اشکوں کے چراغ
تیری پلکوں کی منڈیروں پر ہمیں اچھے لگے
ہم ہوئے خوگر اذیت ناکیوں کے کس قدر
دور تک سڑکوں پہ بکھرے سر ہمیں اچھے لگے
پھول سا لہجہ بھی جس کا تھا طبیعت پر گراں
آج اسی کے ہاتھ کے پتھر ہمیں اچھے لگے
نیند اچٹنے پر بکھرنے کا کوئی خطرہ نہیں
جاگتی آنکھوں کے خواب اکثر ہمیں اچھے لگے
یہ بھی ہے اس کی کرشمہ سازیٔ دست ہنر!
خوبصورت تتلیوں کے پر ہمیں اچھے لگے
جن ہیں شامل تھی نمی اپنے پسینہ کی قمر
دانے گندم کے وہ مٹھی بھر ہمیں اچھے لگے

(اردو مجلس سے نشر)

شاعر کا خط سامع کے نام

نظر برنی

محترم نظر نواز، تسلیم

ادھر کافی دنوں سے میرے دل میں ایک خلش تھی کہ میں آپ سے مخاطب ہو کر شکایت کروں کہ حضت ایسی بھی بے رخی کیا کہ سلام تک نہ پہنچے۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ شاعر داد کا بھوکا ہوتا ہے جب تک وہ دوسروں کو اپنا تازہ کلام نہ سنا ڈالے، واقعی اس کا کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ دنیا شاعر جیسی مخلوق سے اسی لیے گھبراتی ہے کیونکہ یہ مخلوق اپنے پیٹ کا درد دور کرنے کے لیے سامعین کو تختۂ مشق بناتی ہے اور پھر یہ اپنے شکار کو اس وقت تک نہیں چھوڑتی جب تک کہ اس کا شکار لقمۂ اجل نہ ہو جائے۔

محلے کا ایک لڑکا بتا رہا تھا کہ آپ اسکو سبزی منڈی میں ملے جہاں آپ بھی کبھی سبزیاں خرید رہے تھے۔ میں اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گیا تھا کہ آپ اس لارج اسکیل کی شاپنگ کے بعد میرے غریب خانے پر ضرور تشریف لائیں گے اور گزشتہ ایک ماہ کے دوران کی میری تخلیقات کو سننے کی زحمت گوارا کریں گے۔ اسی غرض سے میں نے اپنی بیاض سرہانے رکھ لی تھی مگر آپ تو ڈاج دے گئے۔ ایسا کیوں؟ میں تو اپنا کلام سنانے کے لیے آپ کی پورے دن کی "دہاڑی" ادا کر دیتا ہوں۔ ساتھ ناشتہ اور کھانا بونس کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ پھر یہ تغافل کیوں؟

آپ شاید اس حقیقت سے واقف ہوں گے کہ شاعری ایسے ویسے لوگوں کا دھندا نہیں اس کے لیے بڑے دل گردہ کی ضرورت ہے۔ وہ زمانے لد گئے جب شعرا کو یہ شکایت ہوتی تھی

اللہ کسی شخص کو شاعر نہ بنائے
اس کو گلۂ سایۂ شیطان رہے گا
شاعر پہ ہمیشہ سے ہے اللہ کی پھٹکار
مقروض رہے گا وہ پریشان رہے گا

شاعری کے لیے بڑے "ان وسٹ منٹ" اور جسمانی و ذہنی ریاضت کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ فن جوئے شیر لانے سے ہرگز کم نہیں ہوتا۔ اس عمل میں ایسی ایسی اذیتوں اور کلفتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے کہ الامان والحفیظ! بس یوں سمجھ لیجیے جس طرح بچہ کی پیدائش میں زچہ کو تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں، من وعن شاعر بھی انہیں مراحل سے گزرتا ہے اور تب تخلیق برآمد ہوتی ہے۔

یہ زمانہ معاشی افادیت کا زمانہ ہے۔ انسانی کردار کو معاشی تناظر میں آزمایا جاتا ہے۔ مانگ اور فراہمی (یعنی ڈیمانڈ اور سپلائی) کے فارمولے کا نام سنا ہے، شاعری میں بھی اس اصول کو برتا جاتا ہے مگر اس ضمن میں یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ شاعری ایسی جنس ہے جس کی ڈیمانڈ تو کم ہے لیکن سپلائی بہت زیادہ۔ ڈیمانڈ اور سپلائی کی کسوٹی پر شاعری کو پرکھنے کے بعد ماہرین اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ شاعری کی اس بے قدری کے چند اہم اسباب ہیں مثلاً امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ عوام کے فکری میلانات و رجحانات پسند و ناپسند اور ذوق جمال میں بھی تبدیلی رونما ہوئی ہے۔ شاعری کی مقبولیت ہندوستانی فلموں اور مشاعروں سے ضرور بڑھی ہے لیکن ادبیات میں آج بھی اس کو وہ مقام حاصل نہیں جو کہ نثر کو مل چکا ہے۔ متاخرین اور متوسطین کے دور تک اس کا طوطی بولتا تھا لیکن الطاف حسین حالی نے نثر کی وکالت کر کے زبردست ہیجان پیدا کر دیا اور شاعری کی مارکیٹ ویلیو گھٹ کر رہ گئی ہے۔

حالی کی مخالفت سے قطع نظر، ایمانداری سے جب ہم خود اپنا محاسبہ کرنے بیٹھتے ہیں تو یہ بات بھی معقول نظر آتی ہے کہ صنف شاعری ایک گھسا پٹا ریکارڈ ہے جس کو سنتے سنتے سامعین بور ہو گئے ہیں۔ یقیناً اسی لیے ہم شعرا کو آپ جیسے قدردانوں اور سخن فہموں کی تلاش رہتی ہے اور جب آپ ایک بار ہمارے ہتھے چڑھ جاتے ہیں تو پھر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ آپ جیسے طرفدار غالب اور خریدار سخن معدودے چند ہی تو باقی رہ گئے ہیں ورنہ شاعری کی مارکیٹ ویلیو تو حالی پہلے ہی گھٹا چکے ہیں۔

شاعر اور سامع کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اگر سامع نہ ہوگا تو شاعری فضول، جنگل میں مور ناچتا رہے لیکن جب تک اسے کوئی صاحب ذوق اور اہل نظر نہ دیکھ پائے تو پھر اس ناچ کا کیا فائدہ؟ شاعر اپنے دل کی بھڑاس نہ نکال سکے اور اس درد کو اپنے پیٹ میں پالتا رہے تو اندیشہ یہ ہے کہ ۲۴ گھنٹوں میں یا تو شاعر پاگل ہو جائے گا یا پھر وہ کسی کا قتل کر دے گا۔ اور اگر ان دونوں متبادل حرکتوں سے باز رہا تو عین ممکن ہے کہ اخباروں کی شاہ سرخیوں میں اس کی خودکشی کی خبر شائع ہو۔ چنانچہ حفظ ماتقدم کے طور پر ہماری پہلی کوشش یہی ہوتی ہے کہ آپ جیسا سامع ٹکرائے اور ہم اپنی تازہ تخلیق آپ کے کانوں میں انڈیل کر راحت کا سانس لے سکیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہم شعرا (جو روایتی طور پر بڑے خوددار اور انانیت پسند سمجھے جاتے ہیں) اپنی ان روایتی خوبیوں کو

بسا اوقات بالائے طاق رکھ دیتے ہیں اور سامع کی طرف بھوکے شیر کی طرح جھپٹتے ہیں۔

تنقید اور وہ بھی شاعری کی تنقید ایک ادبی فریضہ اور جمہوری حق سمجھا جاتا ہے۔ شعراء کے کلام میں محاسن و معائب کی تلاش کرتے وقت بعض نقاد سرقہ کا الزام لگانے سے بھی نہیں چوکتے۔ مگر وہ لوگ بھول جاتے ہیں کہ توارد اور استفادہ بھی کوئی چیز ہے؟ خیالات اور انداز بیان کوئی شاعر اپنی ماں کے پیٹ سے لے کر نہیں آتا۔ اگر مطالعہ اور تجربہ کی بازگشت شاعر کے کلام میں محسوس ہوتی ہے تو اس میں بیچارے شاعر کا کیا قصور؟ اور اس کو شاعرانہ سرقہ (پوئیٹک پائریسی) سے کیوں تعبیر کیا جاتا ہے؟

شاعری کرنے سے زیادہ مشکل فن شاعری کو دوسروں تک پہنچانے کا فن ہے۔ اس فن نے قومی لعنت کی شکل اختیار کر لی ہے۔ جس کو دیکھیے وہی شاعر نظر آتا ہے۔ آزادی اور جمہوریت کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہوا ہے کہ ہمارے ملک کا ہر دوسرا آدمی شاعر بن بیٹھا ہے۔ سچ پوچھیے تو موجودہ عہد میں شعراء کی تعداد سامعین سے نسبتاً زیادہ ہے۔ اگر کوئی سروے کرایا جائے تو یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ معاشی، سماجی تمدنی اور اخلاقی شعبوں کی ترقی سے کہیں زیادہ شعبہ شعر گوئی میں ترقی ہوئی ہے جو قوم کی تنزلی سے عبارت کی جا سکتی ہے۔

سنئے محترم! میں ایسا ویسا یا سڑک چھاپ شاعر نہیں ہوں، میں سال بھر میں دو ایک ماہ چھوڑ کر پورے دس مہینوں آل انڈیا مشاعروں میں شریک ہوتا ہوں اور اسٹیج پر اپنے بھاؤ تاؤ اور کرتب دکھا دکھا کر داد و تحسین وصول کرتا ہوں اور نوٹ بھی۔ یہ بات علیحدہ ہے کہ مجھے اس تجارت میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کرنے کی غرض سے کافی جوڑ توڑ مشاعروں کے کنوینروں سے دوستی اور ان کی چاپلوسی اور ضمیر فروشی سے کام لینا پڑتا ہے۔ اخبار و رسائل میں اپنے فوٹو اور اپنی شاعری پر فرضی ناموں سے مضامین لکھ لکھ کر شائع کرانے پڑتے ہیں تاکہ میں اپنی شخصیت ادبی حلقوں میں پروجیکٹ کر سکوں۔

میں مانتا ہوں کہ موجودہ معاشرہ میں عیب جوئی، غیبت اور منافقت کا بول بالا ہے بالخصوص اردو شعراء میں ایک دوسرے کی پگڑی اچھالنے کا عام رواج ہے۔ سنا ہے کہ ہمارے ایک حریف شاعر فرماتے ہیں کہ میں "متشاعر" اور "مہمل گو" ہوں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ میں فن عروض سے نابلد اور نصابی تعلیم سے بے بہرہ ہوں۔ مجھے موصوف کے دونوں الزامات تسلیم لیکن میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ ارسطو، سقراط اور افلاطون کون سے مکاتیب میں پڑھے تھے جن کو دنیا "نابغان عصر" سمجھتی ہے۔ رہا فن عروض سے واقفیت کا سوال، میرے نزدیک یہ کسوٹی فرسودہ اور آوٹ آف ڈیٹ ہو گئی ہے۔ مفعولن، فعلن، فاعلات کی گردان کون کرتا پھرے؟ مجھے جب کبھی شعر کہنا ہوتا ہے تو ذرا سا گنگنانا شروع کر دیتا ہوں۔ کبھی کبھی تو غسل خانے میں ہی پوری غزل ہو جاتی ہے۔ میں چوری کے مال کا قائل نہیں۔ اگر یہ عادت ہوتی تو متاخرین کے دواوین اٹھا اٹھا کر تحریف اور توارد کے پردے میں دیوان کے دیوان شائع کرا دیتا۔ اسی لیے تو صاحب دیوان کہلوانے کے اہتمام سے ابھی تک محفوظ ہوں۔ سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ خیالات کسی کی میراث نہیں ہوتے بلکہ ان پر تو عوام کا استحقاق ہوتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

لیڈر کی یہ پہچان کہ وہ پھولتا جائے
شاعر کی یہ پہچان کہ وہ موٹا نہیں ہوتا

لیکن بھائی صاحب، میرے معاملے میں یہ شعر پورا نہیں اترتا کیونکہ میں شاعر ہونے کے باوجود موٹا ہوں۔ ممکن ہے کہ اسکا راز یہ ہو کہ میرے اندر یہ دونوں علتیں موجود ہیں یا کہ میں شاعر بھی ہوں اور لیڈر بھی۔

اچھا شاعر وہ ہے جس میں ہوٹنگ جھیلنے کی صلاحیت بدرجۂ اتم موجود ہو کیونکہ ہوٹنگ کو ہضم کرنے کے لیے پتھر کا کلیجہ چاہیئے۔ جس شاعر کو ہدف ہوٹنگ بنایا جاتا ہے بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ وہ ہی شخص مستقبل بعید میں مقبول ترین شاعر بن گیا ہے۔ اس پر ہمیں ایک لطیفہ یاد آگیا۔ ایک شاعر صاحب ڈائس پر کھڑے اپنا کلام سنا رہے تھے لیکن ان کو شعر کی صحت کا خیال نہ رہا۔ خارج از بحر شعر ہونے کے باوجود سامعین کی طرف سے مکرر مکرر کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ جب کئی مرتبہ شعر دہرانے کے باوجود مکرر مکرر کی آواز نہ تھمی تو شاعر صاحب نے جھنجھلا کر پوچھا "آخر وہ اس شعر کو اتنا کیوں پسند کرتے ہیں؟" تو سامعین کی طرف سے جواب آیا "آپ اس وقت تک شعر دہراتے رہیئے جب تک شعر درست نہ ہو جائے۔" اس پر شاعر صاحب بے حد خفیف ہوئے اور مائک چھوڑ دیا۔

آج کل مشاعروں میں تین قسم کے کامیاب شعراء کو ادبی و مالی ترقی نصیب ہے۔ اول وہ شعراء جن کا ترنم اچھا ہو اور گانے کے آثار چڑھاؤ سے قدرے واقف ہوں۔ دوئم وہ شاعرات جو حسین ہونے کے علاوہ خوش الحانی میں بھی فارغ التحصیل ہوں اور فقرے بازی کے ہنر سے واقفیت رکھتی ہوں۔ سوئم وہ شعراء جو مزاح کے نام پر پھبتی، فقرہ بازی، پھکڑ پن اور ابتذال سے گریز نہ کریں۔ چونکہ ہم اس کسوٹی پر قطعی پورے نہیں اترتے اس لیے مشاعروں کے مقبول شعراء میں شمار نہیں ہوتے۔ البتہ ہم نے یہ نسخہ ضرور سیکھ لیا ہے کہ شعر اسٹیج پر براجمان شعراء یا پھر کسی سرکردہ شخصیت کو مخاطب کر کے پیش کر دیا جائے تو داد مل ہی جاتی ہے کیونکہ کم از کم اسٹیج کے شعراء کا تو یہ اخلاقی فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اس ہاتھ داد دیں تو اس ہاتھ داد لیں گے ہی۔

اور کیا عرض کروں؟ باقی سب خیریت ہے۔ بھابھی کے لیے ایک عدد ساڑی اور بچوں کے لیے چند کھلونوں کا انشورڈ پارسل علیحدہ سے روانہ کر دیا گیا ہے۔ ملنے پر اطلاع بھیج دیجیے۔

فقط — داد کا بھوکا

جاہل دانا پوری

نظر برنی — (اردو مجلس دہلی سے نشر)

سکریٹری ادبی سنگم جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

اردو شاعری

اردو زبان و ادب نے ہمیشہ بھائی چارگی اور قومی یکجہتی کے جذبات پیدا کرنے میں بے نظیر کردار انجام دی ہیں۔ ہندوستان کے تمام مذاہب کے لوگوں کی متحدہ کاوشوں اور مشترکہ مذاق کے حسین امتزاج سے ہی اردو زبان کا وجود ہوا۔ جس طرح ایک لفظ اردو نے چار الگ الگ حروف کو متحد کر رکھا ہے اسی طرح اس زبان کے ادب نے ہندو مسلم سکھ عیسائی چاروں مذاہب کو پریم و محبت کے رشتہ میں باندھ کر اپنے سرمایہ میں ایکتا کے نقوش منور کیے ہیں۔ جب وطن اور قومی ایکتا ہم معنی الفاظ ہیں۔ ایکتا سے ہی وطن کی ترقی ہو سکتی ہے۔ قومی یک جہتی سے ہی ہندوستان کی آزادی اور سالمیت برقرار رہ سکتی ہے۔ اردو شاعروں نے اس حقیقت کو سمجھا ہے اسی لیے اپنے کلام میں ایسے تصورات کو جگہ دی ہے جن سے آپس میں محبت و دوستی بھائی چارگی اور حب الوطنی کو فروغ حاصل ہو۔ اردو اور ایکتا کو مترادف الفاظ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ دکنی شاعروں سے لے کر شمالی ہند یعنی ہندوستان کے اردو شعراء کے کلام میں رواداری، یگانگت احترام انسانیت کا اظہار مختلف رنگوں میں ملتا ہے جن سے قومی ایکتا و اتحاد کی روایات مستحکم ہوتی ہیں۔

نصرتی، نشاطی، مقیمی، سراج اورنگ آبادی، ولی دکنی، قلی قطب شاہ، اور عادل شاہ جیسے شعراء دکن نے ہندو مسلمان میں کبھی فرق نہیں کیا۔ مثال کے طور پر عادل شاہ نے اپنے کلام میں شیو، پاربتی، اندر، لکشمی، گنیش وغیرہ ہندو اوتاروں اور بزرگوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ قلی قطب شاہ بھی بڑا انسان دوست تھا چنانچہ ڈاکٹر زور لکھتے ہیں:۔

"قلی قطب شاہ نے سال میں چودہ ایسی تقریبیں مقرر کر دی تھیں جو پوری سلطنت میں خاص اہتمام اور شوق سے منائی جاتی تھیں۔۔۔۔۔ دیوالی میں تو وہ جی کھول کر چراغوں اور آتشبازیوں کے کھیل میں مشغول ہو جاتا تھا۔۔"

شعرائے دکن میں ولی ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں ان کی شاعری اخوت و مساوات کا ایک اچھا نمونہ اور گنگا جمنی حسن کا آئینہ ہے۔ ولی نے ہندوستان کی مذہبی قومی تہذیبی اور تاریخی روایات ہی کو اپنی شاعری میں قائم نہیں رکھا بلکہ ہندوستانی دریاؤں پھلوں پھولوں اور دوسرے مذاہب کے تیرتھ استھانوں کا بھی فراخدلی سے ذکر کیا ہے جس سے ولی کی وسیع النظری اور حب الوطنی نمایاں ہے انھوں نے بنسی، کاشی، گوپی، ارجن، لچھمن، رام وغیرہ الفاظ کثرت سے استعمال کیے ہیں۔ کہتے ہیں ؎

کوچہ یار عین کاسی ہے
جوگیٔ دل وہاں کا باسی ہے

میں ایکتا کا تصوّر

نواب حسین خاں نظامی

شمالی ہند کے قدیم شاعروں جیسے فائز، حاتم، آبرو، مضمون اور ناجی وغیرہ کے کلام میں بھی باہمی یگانگت اور انسان دوستی کے نمونے ملتے ہیں مثال کے طور پر فائز کا پنگھٹ، جوگن میلہ حاتم کا حقہ اور قہوہ قابل ذکر ہیں جس میں ہندوستانی فضا کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔

ان شاعروں کے علاوہ میر، درد، سودا، سوز قایم وغیرہ نے بھی اپنے کلام میں ہندوستانی تہذیب کی مرقع کشی کے ساتھ انسان دوستی اور اتحاد و اتفاق کی اہمیت اور ضرورت کو محسوس کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔ سودا کہتے ہیں ؎

توڑ کر بت خانہ کو مسجد بنا کے تونے شیخ
برہمن کے دل کی بھی کچھ فکر ہے تعمیر کا

میر کا شعر دیکھیے ؎

میر کے دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہو اس نے تو
قشقہ کھینچا، دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

آبرو کا شعر ہے ؎

کوئی تسبیح اور زنار کے جھگڑے میں مت بولو
یہ دونوں ایک ہی ہیں اور ان کے بیچ رشتہ ہے

اردو کے مسلمان شاعروں نے اگر ایک طرف ہندو دیوتاؤں اور تیرتھ استھانوں کا ذکر کیا ہے تو دوسری طرف ہندو شعراء نے بھی خدا، رسول اور بزرگان دین کی شان میں نظمیں لکھی ہیں۔ اس قدر پر خلوص جذبات اور سچی عقیدت ان نظموں سے عیاں ہے کہ جیسے ان ہی کے مذہب سے متعلق ہوں۔ ایسے شاعروں میں نظیر اکبرآبادی سرفہرست نظر آتے ہیں انھوں نے باہمی محبت کی عظمت مدنظر رکھ کر انسانیت کی بھلائی کو سب سے بڑی عبادت سمجھا ہے۔ نظیر اکبرآبادی ایک قوم پرست اور محب وطن ہیں انھیں ہندوستان کے دریا پہاڑ مناظر بلکہ وطن کا ذرہ ذرہ عزیز ہے۔ وہ ہر مذہب کے دیوانے ہیں انھیں ہندو معاشرت کا اتنا ہی علم ہے جتنا کہ مسلم معاشرت کا۔ وہ مسجد کا ذکر کرتے ہیں تو مندر کو بھی یاد رکھتے ہیں چنانچہ ایک طرف اگر عید، شب برات، حضرت علی، حضرت شیخ سلیم چشتی جیسی نظمیں لکھی ہیں تو دوسری طرف نانک شاہ گرو، راکھی، دیوالی، ہولی، جنم کنہیا جی، بانسری، بلدیو جی کا میلہ وغیرہ ایسی نظمیں ہیں جو ان کی دیگر مذاہب سے ارادت کی ایک درخشاں مثال ہیں ان کی نظموں سے عوام دوستی وسیع النظری اور وسعت علمی نمایاں ہیں۔ مثال کے لیے ان کی نظم جنم کنہیا جی قابل ذکر ہے۔ اس میں شری کرشن جی کی پیدائش کا بھرپور منظر قلمبند کرتے ہوئے ان ریت رواجوں کا بھی بیان ہے جو ہندو گھرانوں اور ان کی خانگی زندگی میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ملاحظہ کیجیے ؎

سب ناری آئیں گوکل کی اور پاس پڑوسن آبیٹھیں
کچھ ڈھول مجیرے لاتی تھیں کچھ گیت چا کے گاتی تھیں
کچھ ہر دم مکھ اس بالک کا بلہاری ہو کر دیکھ رہیں
کچھ تھال پنجیری کے رکھتیں کچھ سونٹھ سنٹھورا کرتی تھیں
کچھ کہتی تھیں ہم بیٹھے ہیں نیگ آج کے دن کا لینے کو
کچھ کہتیں ہم تو آئے ہیں آنند بدھاوا دینے کو

اسی طرح نانک شاہ گرو میں ہر لفظ سے ان کی عقیدت ظاہر ہے جس سے ان کی وسعت نظر اور بے تعصبی ثابت ہوتی ہے۔ مثال دیکھیے ؎

ہیں کہتے نانک شاہ جنھیں وہ پورے ہیں آگاہ گرو
وہ کامل رہبر ہیں جگ میں یوں روشن جیسے ماہ گرو
مقصود، مراد، امید سبھی برلاتے ہیں دلخواہ گرو
نت لطف و کرم سے کرتے ہیں ہم لوگوں کا نرباہ گرو
اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

نظیر نے ان تمام موضوعات میں پوری طرح ڈوب کر لکھا ہے۔ ان کی نظم حمد بھی ایکتا کی ایک مثال ہے جس میں انھوں نے خدا کے ان تمام صفاتی ناموں کا ذکر کیا ہے جو ہندوستان کے دیگر مذاہب میں استعمال کیے جاتے ہیں۔

نظیر اکبرآبادی کے علاوہ میر حسن، رنگین، بیدار، میر سوز، مصحفی، ناسخ، آتش، دیا شنکر نسیم، غالب، محسن وغیرہ بھی وہ قلمکار ہیں جن کی فکر و نظر نے اردو شاعری میں ایکتا کے چراغ روشن کیے ہیں چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔ ناسخ کہتے ہیں ؎

اے شیخ و گبر مسجد و زنار توڑیے
پر دل کسی بشر کا نہ زنہار توڑیے

آتش کا بھی عقیدہ ہے کہ پریم کا دھاگہ ٹوٹنے کے بعد پھر جوڑا نہیں جا سکتا اسی لیے کہتے ہیں ؎

بت خانہ کھود ڈالیے مسجد کو ڈھائیے
دل کو نہ توڑیے یہ خدا کا مقام ہے

کون چھینے بت کو توڑے برہمن کے دل کو کون
اینٹ کی خاطر کوئی کافر ہی مسجد ڈھائے گا

غالب کا شعر ہے ؎

نہیں کچھ سبحہ و زنار کے پھندے میں گیرائی
وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے

محسن کاکوروی نے جو اردو شاعری میں بحیثیت نعتیہ قصیدہ گو ممتاز ہیں، اپنے نعتیہ قصیدے میں بھی متھرا، برندرابن، گوکل، کنہیا کا ذکر کر کے اپنی وسیع المشربی کا ثبوت دیا ہے۔

الطاف حسین حالی بھی ان شاعروں میں ہیں جنھوں نے ہندو مسلمان کو ایک دوسرے کی زندگی کا جز سمجھا ہے وہ انسان دوستی اور میل محبت کا درس دیتے ہیں ان کی قوم پرستی اور حب الوطنی نے قومی یک جہتی کے جذبات کو روشن کیا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ دوسری قوموں کے ساتھ مفاہمت اور رقابت کا جذبہ اپنے اندر پیدا نہ کر سکے۔ وطن کی محبت ان کے ایمان کا جز ہے۔ اپنی نظم حب وطن میں آریوں کی آمد، رام چندر جی کا بن باس، رسول پاک کی ہجرت، حضرت یوسف کی کنعان سے روانگی کا ذکر کر کے انھوں نے کشادہ ذہنی کا ثبوت دیا ہے۔ مناظرہ، تعصب و انصاف پھوٹ اور ایکے کا مناظرہ جیسی معرکتہ الآرا مثنویاں لکھ کر اتحاد و اتفاق کا سبق پڑھایا ہے۔

اکبر الٰہ آبادی، علامہ اقبال، سرور جہان آبادی، پنڈت برج نرائن چکبست، اسمٰعیل میرٹھی، ظفر علی خاں وغیرہ بھی ان شعرائے اردو میں [illegible] جنھوں نے اخوت ایکتا بے بغضی اور حب الوطنی کی شمعیں منور کی ہیں۔

اکبر کہتے ہیں ؎

ہندو مسلم ایک ہیں دونوں
یعنی یہ دونوں ایشیائی ہیں
ہم وطن ہم زباں و ہم قسمت
کیوں نہ کہہ دوں کہ بھائی بھائی ہیں

علامہ اقبال کی شاعرانہ عظمت اور انسان دوستی مسلّم ہے۔ ان کا دل وطن کی محبت سے سرشار ہے۔ ان کی نظمیں سوامی رام تیرتھ، گرونانک، ترانۂ ہندی، ہندوستانی بچوں کا گیت، رام، نانک، تصویر درد وغیرہ اتحاد و اخوت اور قومی یک جہتی کا نمونہ ہیں۔ رام چندر جی کی تعریف میں کہتے ہیں ؎

ہے رام کے وجود پہ ہندوستاں کو ناز
اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند

ان شعراء کے علاوہ ایک طویل فہرست ابھی ان شعرائے اردو کی باقی ہے جنھوں نے قومی ایکتا، بے بغضی، وسیع النظری اور بھائی چارگی کی تابناک شعاعوں سے شعری روایات کو روشن کیا ہے ان میں صفی لکھنوی، مضطر خیرآبادی اور سیماب اکبرآبادی، اثر لکھنوی، افسر میرٹھی، شیام موہن لال جگر بریلوی، حسرت موہانی، تلوک چند محروم، فراق گورکھپوری، آنند نرائن ملا، ساغر نظامی، کیفی اعظمی، سردار جعفری، جگن ناتھ آزاد، مخمور جالندھری، شاذ تمکنت، گوپی ناتھ امن، کرشن بہاری نور، ندا فاضلی، سلام مچھلی شہری، کرشن موہن، بشیر بدر اور وسیم بریلوی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان شاعروں کے کلام سے روشن ہوتا ہے کہ اردو شعری سرمایہ دوستی اخوت انسانیت رواداری بے بغضی اور قومی ایکتا کے پھولوں سے کس قدر مالامال ہے۔

(رامپور سے نشر)

نواب حسین خاں نظامی شعبۂ اردو، بریلی کالج، بریلی

اڑیسہ

ڈاکٹر کرامت علی کرامت

جیسے ہندوستان کے گوشے گوشے میں صوبۂ اڑیسہ "جگن ناتھ دھام" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے پورب میں خلیج بنگال سے، اتر میں بہار و بنگال سے پچھم میں مدھیہ پردیش سے دکھن میں آندھرا پردیش سے گھرا ہوا ہے۔ اسی لیے اڑیسہ کی تہذیب و ثقافت کو شمال و جنوب کی تہذیبی سنگم کا نتیجہ کہا جا سکتا ہے۔ جگن ناتھ جی دراصل سورا قبیلے کے دیوتا تھے، لیکن انھیں وشنو رام، کرشن اور بدھ کا اوتار قرار دیا گیا۔ دراصل بارہویں صدی میں راجہ چوڑ گنگ دیو نے اپنے پیر و مرشد رامانوج کی ہدایت پر پوری میں جگن ناتھ جی کا مندر بنایا جو بالآخر اڑیسہ کی تہذیب و ثقافت کا مرکزی نقطہ بن گیا۔ سنت شری چیتنیہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام یہیں گزارے۔ یہیں "پنچ سکھا" گروہ کے شاعروں نے بھگتی اور پریم کے راگ الاپے۔ سال بیگ جیسے مسلمان شاعر نے بھی جگن ناتھ جی کی مدح سرائی میں متعدد اڑیا نظمیں کہیں جو اڑیسہ کے ہندو عوام میں اب بھی مقبول ہیں۔ سال میں ایک بار "رتھ یاترا" کی تقریب منائی جاتی ہے جس میں جگن ناتھ جی رتھ پر بیٹھ کر عوام کے سامنے نمودار ہوتے ہیں۔ "رتھ یاترا" کا تہوار دراصل ہندوستان کا ایک اہم تہوار ہے۔ جس میں ہر سال ہندوستان کے مختلف علاقوں سے لاکھوں لوگ شریک ہوتے ہیں۔ غرضیکہ کوئی اگر یہ پوچھے کہ ہندوستان کی تہذیب و ثقافت کو اڑیسہ کی سب سے بڑی دین کیا ہے تو مختصر الفاظ میں اس کا جواب "جگن ناتھ کلچر" ہوگا۔

"جگن ناتھ کلچر" کا آغاز تو خیر بارہویں صدی سے ہوتا ہے۔ لیکن اڑیسہ کی تہذیبی و ثقافتی روایت اس سے کہیں پرانی ہے۔ رام چندر جی نے جس "ڈنڈ کارنیہ" میں بن باس لیا تھا، وہ اڑیسہ کے جنوبی علاقے میں واقع ہے۔ اس زمانے میں اڑیسہ کو اوڈر، آنکل اور کلنگا، ان تینوں ناموں سے پکارا جاتا تھا۔ کوروکیشتر کی جنگ کے زمانے میں کلنگا ایک خود مختار ملک تھا اور اس کے شاہی خاندان میں دریودھن کی شادی ہوئی تھی۔ کوروکیشتر کی جنگ میں کلنگا کے راجہ شروتایدھ نے چھ ہزار رتھ اور دس ہزار ہاتھی لے کر دریودھن کی حمایت میں جنگ کی تھی۔ لیکن وہ اور ان کے تین بیٹے اس جنگ میں کام آئے۔ کلنگا کا پہلا جین حکمراں کرکنڈ تھا جو جین مذہب کے تیئسویں پیشوا پارشوناتھ کا شاگرد تھا۔ کھاربیل کے زمانے کے ہاتھی گمپھا کے کتبے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہاویر نے اودے گری کی چوٹی پر کھڑے ہو کر اپنے جین مذہب کی تبلیغ کی تھی۔ گوتم بدھ کبھی اڑیسہ آئے نہیں تھے لیکن تپسیو اور بھلک نامی اڑیسہ کے دو تاجروں نے تجارت کی غرض سے راج گیر جاتے ہوئے مہاتما بدھ سے بیعت کی تھی اور گیان حاصل کیا تھا۔ ان لوگوں نے اڑیسہ میں بدھ مت کی تبلیغ کی۔

پانچویں اور چوتھی صدی قبل مسیح میں اڑیسہ نے بحری تجارت میں کافی ترقی کی تھی۔ اور اڑیسہ کے تاجروں نے سری لنکا برما، جاوا، سماترا وغیرہ سے تجارتی رابطہ قائم کیا تھا۔ اسی کی یاد میں ہر سال کارتک پورنیما کی شب کو کٹک میں "بالی جاترا" نامی میلہ منعقد ہوتا ہے اور اڑیسہ کے ہر علاقے میں کاغذ کی ناؤ پانی میں بہائی جاتی ہے۔ اس طرح "بالی یاترا" اڑیسہ کا ایک قومی تہوار ہے۔

چوتھی صدی قبل مسیح کے وسط میں کلنگا کی حکومت نے معاشی اور اقتصادی اعتبار سے کافی ترقی کر لی تھی۔ اس سے موریہ سلطنت کو خطرہ لاحق ہو گیا اور اشوک کو کلنگا کے خلاف اعلان جنگ کرنا پڑا۔ کلنگا کے مجاہدوں نے بڑی دلیری سے جان کی قربانیاں دیں۔ اس منظر کو دیکھ کر اشوک کا دل پگھل گیا اور انھوں نے تشدد کو چھوڑ کر بدھ مت اختیار کر لیا۔ انھوں نے سارے عالم میں بدھ مذہب کی تبلیغ کے لیے مشن قائم کیے۔ اس طرح بدھ مذہب ہندوستان سے باہر نکل کر ایک عالمی مذہب بن گیا۔

پہلی صدی قبل مسیح میں کلنگا کو پھر سے آزادی حاصل ہوئی۔ کھاربیل کا شمار اس عہد کے عظیم ترین حکمرانوں میں ہوتا ہے۔ ششیشو پال گڑھ کی کھدائی کے وقت اس زمانے کے جنگی اسلحے ملے ہیں اس زمانے میں فن رقص و سرود اور دیگر فنون لطیفہ کو کافی فروغ حاصل ہوا تھا۔

ساتویں صدی عیسوی میں مہاراجہ ششانک نے ایکانامی مقام پر "تری بھوبنیشور" مندر بنایا۔ بعد میں اسی جگہ کا نام "بھونیشور" پڑ گیا۔ بارھویں صدی عیسوی میں چوڑ گنگ دیو نے پوری میں جگن ناتھ جی کا مندر بنایا۔ اس طرح اڑیسہ کی تہذیب و ثقافت کا مرکز بھونیشور سے پوری کو منتقل ہو گیا۔ اسی زمانے میں تعمیر شدہ کونارک کا مندر صناعی اور کاریگری کی بہترین مثال پیش کرتا ہے

فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں مسلمان جاجپور تک پہنچ گئے۔ شہنشاہ اکبر نے اڑیسہ کے آخری راجہ مکند دیو کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ غرضیکہ اڑیسہ میں مسلمانوں کے دور حکومت سے پہلے ہی مسلمانوں کی آمد و رفت جاری ہو گئی۔ اس طرح اڑیسہ کی تہذیب و ثقافت پر مسلم تہذیب و ثقافت کا گہرا اثر پڑا۔

اڑیسہ نے ہر دور میں ملک کی تہذیبی رفتار کا ساتھ دیا ہے۔ یہاں کے ویر سریندر سائے اور بخشی جگ بندھو کا نام تانتیا ٹوپے اور جھانسی کی رانی کے پہلو بہ پہلو لیا جاتا ہے۔ "لال، بال، پال" ان تینوں میں سے پال کا تعلق کٹک سے تھا۔ نیتاجی سبھاش چندر بوس کی جائے پیدائش کٹک ہے اور یہیں کی تہذیب و ثقافت سے ان کی ذہنی نشو و نما ہوئی۔ گاندھی جی کی رہنمائی میں جن لوگوں نے جذبۂ حب الوطنی سے سرشار ہو کر جنگ آزادی میں عملی حصہ لیا ان میں گوپ بندھو داس، نیل کنٹھ داس، گوداوریش، مہاپاتر وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

آزادی کے بعد اڑیسہ کے لوگوں کی ثقافتی اور معاشی حالت میں کافی ترقی ہوئی ہے۔ رشاعر کالی چرن پٹنایک کی کوششوں سے اڑیسی رقص اور اڑیسی سنگیت کو دوبارہ زندہ کیا گیا۔ اڑیسہ کے گاؤں گاؤں میں بجلی پہنچائی جانے لگی ہے۔ ہیراکوڈ کے باندھ کی وجہ سے آبپاشی کی سہولتیں بڑھ گئی ہیں۔ لوہے کا پتھر پارادیپ بندرگاہ کے ذریعہ جاپان اور دیگر بیرونی ممالک کو بھیجا جاتا ہے۔ کوراپوٹ میں مگ ہوائی جہاز کا اور رورکیلا میں اسٹیل کا کارخانہ قائم ہے۔ ان سب کے باوجود مجموعی طور پر اب بھی یہاں کے لوگوں کی اکثریت غربت کی لکیر کے نیچے ہے۔

یہاں پانچ یونیورسٹیاں ہونے کے باوجود تعلیمی اعتبار سے یہ صوبہ اب بھی بہت پیچھے ہے۔ اڑیسہ کے فطری وسائل (مثلاً ندی، جنگل، کان وغیرہ) بہت زیادہ ہیں۔ ابھی حال میں گوپال پور کی ریت سے یورینیم کا سراغ ملا ہے۔ ساحلی علاقوں میں پٹرول کے ملنے کے آثار بھی نظر آتے ہیں۔ جس تیز رفتاری سے اڑیسہ معاشی اور اقتصادی طور پر آگے بڑھ رہا ہے۔ اس کے پیش نظر یہ بجا طور پر امید کی جا سکتی ہے کہ مستقبل قریب میں یہ صوبہ دوسرے ترقی یافتہ صوبوں کا ہم پلہ ہو جائے گا۔

(کلکتہ سے نشر)

خالی برتن

ظہیر کیفی امروہوی

باندرہ برج کے پتھریلے ڈھلوان کے مغربی حصے میں بے شمار جھونپڑپٹیاں، میدان جنگ میں سڑتی لاشوں کی طرح نظر آرہی تھیں۔ ان میں رہنے بسنے والے انسان ہی تھے اگر ان میں جانوروں کو بھی باندھا جاتا تو وہ بھی یہاں تعفن اور حبس کی وجہ سے بدکتے۔ مگر انسان بغیر کسی احتجاج کے برسوں سے ان میں رہتے تھے۔

عبداللہ ایک کروڑپتی سیٹھ کا ڈرائیور تھا لیکن وہ بھی اپنے مختصر سے کنبے کے ساتھ یہاں رہتا تھا۔ پانچ سال پہلے اس نے یہ جھونپڑی، پانچ سو روپے پگڑی دے کر خریدی تھی، دس مربع میٹر میں بنی ہوئی یہ جھونپڑی جا بجا زنگ خوردہ ٹین کے ٹکڑوں اور مسخ شدہ پلاسٹک سے مڑھی ہوئی کسی کوڑھی انسان کے بدن کی طرح نظر آتی تھی۔ عبداللہ شادی شدہ تھا۔ اس کی بیوی زہرہ اور دو چھوٹے چھوٹے بچوں کے علاوہ ایک کنواری بہن خورشید بھی اس جھونپڑی میں رہتی تھی۔ عبداللہ کے والدین بہت عرصہ پہلے مر کھپ چکے تھے۔ وہ گجرات کا رہنے والا تھا۔ اس نے شادی وہیں کی تھی۔ بمبئی میں پچھلے دس سال سے رہ رہا تھا۔ پانچ سال اس نے فٹ پاتھ پر سو کر گزارے تھے۔ اسی لئے اب وہ اس جھونپڑی کو پاکر سمجھتا تھا جیسے اس کی گرفت میں بمبئی کا تاج محل آگیا ہو۔

عبداللہ صبح سویرے پانچ بجے سو کر اٹھتا، خود چائے بناتا باسی روٹی کھاتا اور سوئی ہوئی زہرہ اور بچوں پر ایک نظر ڈالتا ہوا باندرہ اسٹیشن پر لوکل پکڑنے کے لئے دوڑ پڑتا۔ اسے میوزیم کے علاقے میں پہونچنا ہوتا تھا۔ رات میں بارہ بجے کے بعد اپنی ڈیوٹی پوری کرکے جھونپڑی میں واپس آتا تھا۔ زہرہ اور بچے اس وقت بھی سوئے ہوئے ملتے۔ کبھی کبھی کسی خاص ضرورت کے تحت وہ زہرہ کو جگاتا تو زہرہ جھنجلا کر پوچھتی کیا ہے؟۔ میں دن بھر کام کرتے کرتے تھک گئی ہوں۔ کیوں حیران کرتے ہو۔۔۔؟"

عبداللہ بھی اگر تھکن سے زیادہ نڈھال ہوتا تو کچھ سوچ کر سو جاتا، ورنہ وہ زبردستی زہرہ کے بدن پر اپنا ہاتھ اس طرح بڑھاتا جیسے لیٹر بکس میں خط ڈالنا چاہتا ہو۔۔۔!

اس طرح کا سلسلہ تقریباً پانچ سال سے چلتا رہا تھا پھر ایک کے بعد دوسرے بچے کی پیدائش نے بھی اس کے اس معمول میں کوئی فرق نہ ڈالا، بس ہر سال جب زہرہ زچگی کے دردوں سے بے حال ہوتی تو عبداللہ کو پتہ چلتا کہ خطر پہنچ چکا ہے۔ اس کو جواب مل جاتا۔ زہرہ اسی جھونپڑی میں کراہتے ہوئے اور چیختے ہوئے نئے وجود کو جنم دے دیتی۔ خورشید کنواری لڑکی ہونے کے باوجود چار و نا چار زہرہ کی زچگی میں اس کی مدد کرتی۔ وہ بیس سال کی ایک دبلی پتلی لڑکی تھی۔ اس کے ذہن اور جذبات میں کیا تھا اس کی بھی عبداللہ کو خبر نہ تھی۔ کیونکہ عبداللہ کی تو ساری زندگی صبح سے رات تک روزی روٹی کے چکر میں سوتی جاگتی اور اونگھتی رہی تھی۔ اور وہ اپنے روزمرہ کی زندگی سے چمٹا ہوا زندگی کی گاڑی دوڑاتا رہا تھا۔

مگر ایک دن —— اچانک جب اسے پتہ چلا کہ زہرہ کی طرح اس کی کنواری بہن خورشید بھی زچگی کے دردوں سے بے حال رات بھر چیختی چلاتی ہوئی اس کی نیند حرام کر رہی ہے تو وہ چکرا کر رہ گیا۔ اس نے زہرہ سے اس اچانک طوفان کے بابت پوچھا۔ خورشید کی چیخ و پکار اور عبداللہ کی غصیلی حالت سے بے خبر، زہرہ بہت ہی بے نیازی سے بولی! "کوئی خاص بات نہیں —— اپنی خورشید بھی ماشاءاللہ ماں بننے والی ہے ——!" "پر کیسے ——!" عبداللہ غصے میں بھر گیا۔ اس نے جھونپڑی میں سے پردے پر نظر ڈالی، جس کے پاس خورشید بدستور کراہ رہی تھی۔ زہرہ نے عبداللہ کے چہرے پر بدستور غصے کی لہر دیکھی تو نرمی سے بولی ——! "خورشید نے شادی بنالی ہے —— ماہم میں جو سلیم رہتا ہے اس کے ساتھ ہیں ——" "پر —— کب۔۔۔۔ کیسے۔۔۔۔؟ عبداللہ نے چیخ کر پوچھا۔

"گئے سال۔۔۔!" زہرہ نے خورشید کی ابھرتی چیخوں کے درمیان کہا۔ اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی خورشید کو دلاسہ دینے پردے کے پیچھے چلی گئی۔ بچے سو رہے تھے۔ عبداللہ شرمندہ شرمندہ سا جھونپڑی سے باہر نکل آیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ کہ یہ سب کب اور کیسے ہو گیا۔۔۔؟؟ اور وہ ان سب واقعات سے بے خبر کیوں رہا؟۔

کچھ لمحے بعد زہرہ بھی جھونپڑی سے باہر نکل آئی اور عبداللہ کو متلاشی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اونچی اور فخریہ آواز میں بولی۔

"اجی سنتے ہو —— خورشید کے ماشاءاللہ لڑکی ہوئی ہے ——!"

عبداللہ ریلوے لائن عبور کر ہی رہا تھا کہ زہرہ کی سیٹی اور سریلی آواز نے اسے روک لیا۔ وہ پلٹ کر بیوی کے پاس آیا تو زہرہ نے چہکتے ہوئے پوچھا۔ کدھر جا رہے تھے ——!" عبداللہ چپ رہا، اور واپس جھگی میں آکر سو گیا اور اگلی صبح معمول کے مطابق اپنے کام پر چلا گیا۔

لیکن تمام دن عبداللہ بے حد الجھن اور پریشانی میں گھرا رہا۔

اسے رہ رہ کر زہرہ پر غصہ آرہا تھا اتنا بڑا کام اتنے چپکے سے کرا دے گی اور اسے خبر بھی نہ کرے گی۔ اس کا مطلب کہ وہ عبداللہ کو خاطر میں نہیں لاتی۔ خورشید کو وہ موردِ الزام نہ سمجھتا تھا اس کی نظر میں وہ نادان لڑکی تھی، مگر زہرہ —— وہ تو پانچ بچوں کی ماں بن چکی تھی تو کیا یہ زہرہ کی جانی بوجھی حرکت ہے جو اسے ذلیل و خوار کر چکی تھی۔ کیا لالچ تھا جو زہرہ نے اس سے اتنی بڑی بات چھپا رکھی —— مگر جب عبداللہ نے اپنے آپ کو ٹٹولا تو اسے اپنی غلطی اور کمی صاف صاف نظر آنے لگی۔ اس نے ایسی نوکری کیوں کر رکھی ہے؟ جس میں کولہو کے بیل کی طرح اسے جتا رہنا پڑتا ہے اس کا اور بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے اس نے اپنی آزادی کو بیچ دیا ہے۔ اس کو ہفتہ واری چھٹی بھی نہیں ملتی تھی کیونکہ سیٹھ نے نوکری دینے سے پہلے ہی اس کے سامنے چھٹی نہ دینے کی بات رکھ دی تھی مجبوراً اس نے نوکری قبول کرلی تھی۔ دن بھر بمبئی کی مصروف سڑکوں پر سیٹھ کی کار دوڑاتے پھرتا تھا۔ سڑکوں کے ہر ہر موڑ اور کراسنگ پر کبھی وہ موت کے منہ میں جانے سے خود کو بچاتا کبھی اوروں کو۔ پیٹ کا ایندھن بنا وہ جانور کی طرح زندگی گزارنے پر وہ مجبور تھا۔

اس طویل عرصے میں اس نے جو کچھ کمایا تھا وہ پیٹ کے تہہ خانے میں مقفل ہو چکا تھا اور یہ قفل روٹی کا ہتھوڑا ہر روز توڑتا اور بھوک کا چور سے چرا لے جاتا رہا تھا عبداللہ کے پاس تو تھکی سانسیں، نڈھال جسم، استخوانی چہرے کی شکنیں اور اس کی طرف دوڑتا بھاگتا آتا ہوا وقت سے پہلے ہی بڑھاپا لیکن یہ سب کچھ سوچنے کا اسے موقعہ ہی نہیں مل پاتا تھا۔

عبداللہ کا دل دن بھر کام میں نہیں لگا جیسے تیسے کر کے اس نے اپنی ڈیوٹی پوری کی اور دو تین جگہوں پر ایکسیڈنٹ کی معمولی وارداتیں کرنے کے بعد وہ آج خلاف معمول وقت سے پہلے ہی اپنے گھر اپنی جھونپڑی میں لوٹ آنا چاہتا تھا تاکہ وہ زہرہ سے خورشید کے سلسلے میں مزید بات چیت کر سکے۔!

چرچ گیٹ سے عبداللہ لوکل ٹرین میں بیٹھنا ہی

چاہتا تھا کہ ایک ادھیڑ عمر کی عورت نے عبداللہ کو روک لیا اور پھر کہنے لگی "کدھر جانا ہے ۔۔۔؟" "اپنے گھر ——!" عبداللہ نے کڑوے لہجے میں جواب دیا۔ مگر نہ جانے کیوں اس عورت کے شکنوں بھرے چہرے کے میک اپ کی ابھری تہوں پر مسکراہٹ جاگ پڑی۔ ——! "میرے ساتھ چلو گے!" اس نے بہت ہی نرمی اور آہستگی سے پوچھا۔ کیوں ——؟ عبداللہ نے حماقت سے پوچھا۔ اور پھر خود ہی سوچنے لگا آخر اس عورت کے ساتھ میں جانے میں حرج ہی کیا ہے؟ آج کچھ لمحے اسی عورت کے ساتھ گزارے جائیں وہ کبھی کبھی، ایسے لمحے گزارنے کا متمنی اور متلاشی تھا۔

عورت نے دھیمے لہجے میں اسے سمجھایا۔ یہ میں وہیں چل کر بتاؤں گی —— "اور پھر اس نے عبداللہ کا ہاتھ تھام لیا۔ اور وہ دونوں چپ چاپ اسٹیشن سے باہر ایک ٹیکسی کی جانب بڑھے۔ چند لمحے بعد وہ عورت اسے اپنے فلیٹ میں لے گئی۔ فلیٹ میں دو مسہریاں بچھی تھیں جن پر بے داغ چادریں اور تکیے بچھے تھے۔ نیلی روشنی کمرے میں تیر رہی تھی۔ عبداللہ بغیر کسی تکلف کے ایک مسہری پر دراز ہو گیا، عورت نے عبداللہ کے الجھے بالوں کو سنوارتے ہوئے پوچھا۔

"شادی بنائی کہ نہیں ——؟"

"نہیں ——"

"کیوں ——؟" اس عورت نے لیٹر بکس میں خط ڈالنے والے انداز میں ہاتھ بڑھایا۔ عبداللہ بالکل چپ چاپ اس کی ہر حرکت کو نظر انداز کئے اگلے حادثے کا منتظر رہا، اگلے لمحے وہ عورت اس سے چمٹ گئی مگر اب عبداللہ نے احتجاج کرنا شروع کر دیا تھا اسی لئے اس نے اس عورت سے کہا: "مجھے دو سو روپے چاہئیں ——!"

"مل جائیں گے —— پن ——؟" عورت نے عبداللہ کو تاکتے ہوئے کہا۔

"پن کیا ——" عبداللہ اس عورت کی نگاہوں سے سراسیمہ ہو کر بولا۔ عورت نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "تھوڑی دیر میں ——" عبداللہ کا احتجاج درد زہ کے بعد بے ہوشی کی طرح نذر ہو گیا۔ اسے نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کس طرح اور کیسے اپنی جھونپڑی تک پہونچا تھا۔!

صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو نو بج رہے تھے۔ اس نے ایک طویل عرصے کے بعد زہرہ کے چہرے کو دن کی روشنی میں دیکھا تھا۔ زہرہ اب بھی حسین عورت لگتی تھی۔ اسے رات کے حادثے پر خود بخود ندامت ہوئی اسی لئے وہ زہرہ سے اپنی نگاہیں ملانے میں الجھن اور شرمندگی محسوس کر رہا تھا۔ مگر اگلے ہی لمحے اس کا دھیان نوکری اور ڈیوٹی کی جانب پلٹا۔ زہرہ نے پوچھا۔ آج کام پر نہیں جانا ہے کیا؟ کیا بات ہے؟ میں نے تمہیں کئی بار جگایا لگتا تھا جیسے نشے میں بڑبڑا رہے ہو، وہ کون عورت ہے جسے تم گالیاں دے رہے تھے اور مجھے بھی ——!"

عبداللہ کو کچھ بھی یاد نہ رہا تھا۔ اگر کچھ یاد تھا تو صرف وہ ادھیڑ عورت، اس کا بے باکانہ انداز! اس نے زہرہ کو مطمئن کیا "کوئی خاص بات نہیں، کل کا دن سالا بڑا پنوتی تھا کئی بار مرتے مرتے بچا ——!"

زہرہ نے بھی کوئی کرید نہ کی، اور چپ چاپ اس کو چائے دینے لگی۔ بچے بھی جاگ چکے تھے اور اب وہ جھونپڑی کے باہر کھیل رہے تھے جھونپڑی کے باہر کا شور عبداللہ کے لئے بالکل نیا تھا۔ ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے وہ یہاں پانچ سال سے نہیں رہ رہا بلکہ کسی قبر میں رہتا تھا اس نے زہرہ سے کہا۔

"آج اپن رضا بنائے گا —— اکھا دن تمہارے ساتھ رہے گا —— پن تم یہ تو بتاؤ زہرہ، خورشید کا گھر والا ادھر آتا ہے کہ نہیں ——؟"

زہرہ اٹھلاتے ہوئے فخریہ لہجے میں بولی۔ وہ روز دوم آتا ہے —— پن آٹھ بجے رات میں ——" عبداللہ نے شکست خوردہ انداز میں پوچھا۔ پن یہ سب کیسے، اور کب سے چل رہا تھا ——؟؟"

"یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے؟" زہرہ نے ایسی نظروں سے شوہر کو دیکھا جیسے اس نے بالکل احمقانہ سی بات اس سے پوچھی ہے۔ وہ اٹھلاتے ہوئے بتانے لگی۔ خورشید اور سلیم بہت ٹائم سے آنکھ مٹکا کرتے تھے۔ پھر انھوں نے اپنی مرضی سے شادی بنالی ——"

عبداللہ کو یہ جان کر اور غصہ آیا۔ چیخ کر بولا۔ معلوم ہوتا ہے تم نے خورشید کو اس سے ملنے دیا ہوگا اس کی شادی بھی تم نے ہی کرائی ہوگی۔ تاکہ تمہارے سر سے یہ بلا ٹلے، پن آج بھی سوار ہے، کیا سلیم کا کوئی گھر بار نہیں ہے؟ زہرہ نے دانشمندانہ شاطر عورت کی طرح جواب دیا۔ نہیں اس کا کوئی ٹھور ٹھکانہ نہیں، تین سو روپیہ خرچ کے لئے مجھے دیتا ہے ہر مہینے!"

"کیا ——؟" عبداللہ یہ سن کر بھنا گیا، اس نے زہرہ کے گال پر ایک طمانچہ دے مارا۔ اور پھر غراتے ہوئے بولا۔ "سالی بھڑولی —— میری بہن کی دلالی کرتی تھی کیا ——؟"

ہاں —— ہاں ——!" زہرہ بھی ناگن کی طرح بپھر گئی۔ عبداللہ بے حد غصہ میں تھا لیکن وہ زہرہ کے اس نئے انداز اور دو ٹوک وزنی جواب سے خاموش ہو گیا۔ اور چپ چاپ جھونپڑی سے باہر نکل گیا ——!

تمام دن عبداللہ نے اس عورت کو چرچ گیٹ بمبئے سنٹرل، گرانٹ روڈ، مہالکشمی، دادر، باندرے، اندھیری تک تلاش کیا، وی ٹی سے بھی لوکل پکڑلی اور بائیکلہ پر بھی ڈھونڈا، مگر وہ اسے کہیں نہیں مل سکی تھی۔ مجبوراً اس نے پھر اپنی جھونپڑی میں پلٹ جانے کی بات سوچی کیونکہ رات کے نو بجے تھکا ہارا، رنجور و ملول، غم و غصہ کے جذبات سے مشتعل اور منتشر عبداللہ جب اپنی جھونپڑی میں داخل ہوا تو غصہ سے اس کے تن بدن میں جیسے آگ سی لگ گئی ——! اس نے دیکھا —— زہرہ —— اس کی بیوی —— سلیم کے ساتھ چمٹی ہوئی لیٹی تھی۔ خورشید کا پتہ نہ تھا۔ یہ دل شکن منظر دیکھ کر اس کا دماغ ماؤف سا ہو گیا۔ اسے محسوس ہوا

(آگے ص ۸ پر)

افسانہ

داؤں

انہیں ادھر محسوس ہونے لگا ہے۔ جیسے ان کی زندگی اچانک کسی ٹھہراؤ کا شکار ہو گئی ہو۔ عدم پیش رفت اور خالی پن کی یہ صورتحال ان کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ آخر کچھ تو ایسا ہونا ہی چاہیئے جس کی خاطر آدمی جینے کی خواہش کرے۔ جب وہ بچے تھے تو لڑکپن اور اس کے بعد جوانی کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے جیتے رہے۔ پھر ان کے بیاہ کے بعد دو لڑکیاں پیدا ہو گئیں تو انہیں پالنے پوسنے اور پھر کہیں ڈھنگ سے ان کے ہاتھ پیلے کر دینے کے لیے زندہ رہے۔ اب ان کا بیاہ کیے تو تین چار برس ہونے کو آتے۔ کیا رہ گیا اب ان کے کرنے کے لئے۔؟ تقریباً چار سوا چار بیگھہ زمین بچ گئی ہے۔ اس سے دو آدمی کے لئے سال بھر کا اناج بڑی آسانی سے نکل آتا ہے۔ زندگی کٹ ہی رہی ہے۔ لیکن آخر کار یہ سوال اٹھتا ہی ہے کہ یہ سب کیوں کیا جائے؟ صرف جینے کے لئے جینا —— انہیں سخت نفرت ہے اس سے۔

یہی تو فرق ہے ان میں اور ان کی بیوی میں۔ وقت سے پہلے بوڑھی ہو چکی ہے۔ چہرے پر لکیریں اتنی پکی اور گہری ہو چکی ہیں جیسے سوکھے کھیت میں پڑی دراریں۔ لیکن انکی بیوی کو ان سب باتوں کی کوئی پروا نہیں۔ ایکدم تڑکے جاگ جائے گی —— چپکے سے۔ جانوروں کو سانی چارا دینا، ان کے گوبر موت کی صفائی کرنا اور اسی طرح کے تمام کام خود نمٹا لیگی۔ پھر ان کے پاس بیٹھ دھیرے دھیرے انکے پاؤں دابنے لگے گی۔ تھوڑی دیر یونہی کٹ جانے کے بعد ان کے کانوں میں سرگوشی کرتی ہوئی بولے گی —— بوڑھوا رے بوڑھوَ! اٹھو صبح ہو چکی ہے۔ جاؤ، دیکھو تمہیں کتنے سارے کام کرنے ہیں۔

جن دنوں کھیتوں میں کافی کام رہے گا اور وہ شام کو تھکے ہارے لوٹیں گے، وہ تیل پانی کے ساتھ تیار رہے گی اور پھر ان کے جسم کی اس طرح مالش کرے گی، پٹھوں کو اینٹھا اینٹھ کر اس ڈھنگ سے دبائے گی کہ ان کی ساری تکان

عقیل قیس

ہوا ہو جائے گی۔ پورے بدن میں جیسے نئی طاقت، نئی پھرتی بھر جائے گی۔ اور اس کے بعد وہ ان تمام چیزوں کے نام گنائے گی۔ جو انہیں کھانے میں خوب مرغوب ہیں اور بولے گی ـــــ چلو کھانا کھالو۔ وقت پر کھانا بہت ضروری ہے اور بڑھاپے میں تو اور بھی زیادہ! وہ اکثر سوچتے رہتے ہیں کہ اتنے سارے کام وہ کیوں کرتی ہے ـــ ؟ محض کھانے اور سونے کے لئے ہی نا!

ایسا بھی نہیں کہ وہ جینے کی خواہش ہی کھو چکے ہیں۔ انہیں تو بس بے عمل زندگی سے چڑ ہے۔ اور ابھی انہیں ہوا بھی کیا ہے؟ لمبے قد کا کسرتی بدن اور اس پر بھرا بھرا چہرہ ان کی شخصیت کی اپنی الگ ہی کشش ہے پورے گاؤں میں۔ چہرے پر تو ان کے وہ رونق بستی ہے جو آج کل کے بیس برس کے نوجوان کو میسّر نہیں ہوتی۔ اس پر بھی انکی بیوی ہمیشہ بوڑھو، بوڑھو کہہ کر چڑھاتی رہتی ہے ان کو۔ انہیں اکثر اپنی عمر کا دھیان دلاتی رہتی ہے۔ بال سنوارنے کے لئے ہاتھ میں آئینہ لئے ذرا سی دیر ہوگی بس پیچھے سے ٹوک دے گی ـــــ اب بس بھی کرو جی۔ آئینہ جھانکنے کا وقت گیا تمہارا۔ کھیت کھلیان کا کام پورا کر تھوڑا اللہ میاں کو بھی یاد کر لیا کرو۔

اور انہیں غصّہ آجاتا۔ بیوی کی اس قسم کی باتیں انہیں کبھی پسند نہیں آئیں۔ بلکہ اس سے ان کے دل میں نفرت کا ایسا مواد جمع ہو گیا ہے جسے ہٹا پانا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ تیس پینتیس برس کی لمبی ازدواجی زندگی میں پہلی دفعہ انہیں ایسا محسوس ہونے لگا ہے۔ سلگتے ہوتے غصّے کے لمحات میں کبھی کبھی تو انہیں لگتا ہے جیسے خود پر اختیار ہی کھو بیٹھیں گے۔ ادھر وہ غصّے سے جلتے رہیں گے، ادھر وہ دانت نکال کھی کھی کھی کرتی رہے گی۔ آخر کیا کریں وہ؟

بجلی ترٹخنے کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ اور تب انہیں احساس ہوا کہ ہوا نے تھوڑی سی رفتار پکڑ لی ہے۔ پورا آسمان کالے بادلوں سے اٹا پڑا تھا۔ وہ گاؤں کی سمت تیز قدموں سے لپکے لیکن گاؤں کے نزدیک پہونچتے پہونچتے بارش نے آلیا۔ پانی کے ساتھ اچانک چھوٹے چھوٹے پتھر بھی گرنے لگے تو وہ گھبراتے جان بچانے کے لئے وہ نصیبن کے دروازے پر چلے گئے۔ وہ اتفاق سے دروازے میں ہی بیٹھی مل گئی۔ انہیں دیکھ کر اس کے چہرے پر مسکراہٹ تیر آئی۔ بولی ـــــ آؤ قدرت آج تمہیں میرے یہاں کھینچ لائی ہے۔ منّے کے باپ کے مرنے کے بعد شاید پہلی بار آئے ہونا؟۔

وہ شرمندہ ہونے لگے۔ اس عورت کے تئیں شروع سے ہی ان کے دل میں تعریف کے جذبات رہے ہیں۔ انکی بیوی بھی نصیبن کو مانتی رہی ہے۔ بے چاری کا شوہر تین چار سال قبل سانپ کے کاٹنے سے مر گیا تھا۔ تب نصیبن کی عمر ہی کیا رہی ہوگی ـــــ یہی کوئی چھبیس ستائیس برس۔ جب رمجو اسے بیاہ کر لایا تھا، جس نے بھی اسے دیکھا رمجو کی قسمت سے جل اٹھا تھا ـــــ ہے تو فتو فقیر مگر گھر میں خوشبو سمیٹ لایا ہے۔ محلوں کی!

سچ خوشبو ہی تو تھی وہ۔ درمیانہ قد اور بھرا بھرا متناسب جسم۔ صبح کی دھوپ کا سا کھلتا ہوا رنگ۔ سیاہ گھنیری زلفوں کے درمیان تیکھے ناک نقش۔ اس کے شوہر کی موت کے بعد گاؤں کے کئی منچلے اس کے پیچھے پڑ گئے تھے۔ مگر نصیبن نے انہیں گھاس تک نہیں ڈالی تھی۔ اس کے شوہر نے اپنے پیچھے ایک بچہ اور تین چھوٹے چھوٹے کمروں والا یہ گھر چھوڑا تھا۔ نصیبن نے خود کو انہیں کے نذر کر دیا تھا۔ وہ گاؤں میں گھر گھر گھومتی اور دھان، گیہوں مانگ لاتی۔ انہیں شب و روز ایک کر کے ڈھینکی جاتے سے کوٹتی پیستی۔ اور اس طرح جو آمدنی ہوتی اس سے اپنا اور بچے کا پیٹ پالتی۔

دروازے پر کھڑے کھڑے دیر ہو گئی اور پانی بدستور برستا رہا تو انھوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا ـــــ اندر آنے کے لئے بھی نہیں پوچھو گی نصیبن؟

ـــــ نا بابا نا۔ گاؤں والوں نے تمہیں اندر گھس کر بیٹھے دیکھ لیا تو غضب ہو جائے گا۔ بڑی باتیں نکلیں گی جی! وہ بولی۔

ـــــ ایسا بھی کیا؟ جمال میاں بوڑھا ہو گیا ہے۔ گاؤں والے نہیں جانتے کیا؟ انہیں باتوں کو آگے بڑھانے میں دلچسپی نظر آنے لگی۔

ـــــ تم اور بوڑھے! کون بیوقوف کہتا ہے ایسا؟ اللہ قسم! جس شخص کو تمہاری صحیح عمر کا پتہ نہ ہو اور وہ تمہیں چالیس سے زیادہ بتا دے تو میرا نام بدل دینا۔

ـــــ اچھا! وہ مصنوعی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے بولے۔ اندر ہی اندر انہیں اس گفتگو سے بے انتہا خوشی کا احساس ہو رہا تھا۔

ـــــ میں آتی ہوں ذرا۔ وہ اٹھ کر اندر چلی گئی۔ یہ دیکھو! ایک عورت یہ بھی ہے ـــــ وہ سوچنے لگے میرے متعلق کتنا صحیح نظریہ ہے اس کا! سچ مچ ابھی ہوا ہی کیا ہے مجھے؟ جوان ہوں، جوان کی طرح جیوں گا۔ انہیں اپنے دل میں نصیبن کے تئیں چاہت کی کلیاں چٹخنے کا احساس ہوا۔

نصیبن واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں کچھ ٹھینکوئے تھے لو، اتنے عرصے کے بعد میرے گھر آئے ہو۔ کچھ کھالو۔

ٹھینکوئے لیتے ہوئے انہوں نے نظریں جو اوپر اٹھائیں تو آنکھوں میں بجلی سی کوند گئی۔ نصیبن کا آنچل چھاتی سے ڈھلک آیا تھا اور یہ دیکھ کر ان کی نگاہیں کہیں اندر تک جا سکنے کی امیدیں پالنے لگی تھیں۔

ـــــ توبہ! انہوں نے سوچا ـــــ شہروں کا فیشن زدہ ادھ کھلا پن دیہاتوں میں غریبی کا سہارا لیکر رینگ آیا ہے وہ اس کے خوبصورت ابھاروں کو للچائی ہوئی نظروں سے گھورے جا رہے تھے ـــــ اور کم بخت یہ دل! وہ سوچنے لگے یہ کیسا بیس برس کے ناتجربہ کار لونڈے کی طرح اچھلا پڑ رہا ہے جیسے سینہ چھید کر باہر آگرے گا۔

نصیبن جیسے ان کے اندر کے طوفان کو تاڑ گئی۔ اور خود کو سمیٹنے لگی۔

ایک دن وہ جیسے بالکل نشے میں مست ہو کر گھر لوٹے جینے کی ایک نئی تمنا ان کے دل میں پیدا ہو چکی تھی۔ پھر تو وہ اپنی بیوی سے اور کٹتے گئے۔ اس کے بعد نصیبن سے وہ جب بھی ملتے ان کا دل اس کی باتوں کے نشے میں ڈوبنے لگتا۔ اور وہ خود کو ایک دم بے قابو ہوتا محسوس کرتے۔ ادھر نصیبن ان سے جس ڈھنگ سے مخاطب ہوتی وہ انہیں اندر ہی اندر گھائل کر جاتا۔

ایک دن وہ تنہا گھر میں بیٹھے بیڑی پھونک رہے تھے کہ تھیلے میں آٹا لیئے نصیبن آنگن میں داخل ہوئی۔ ان کا دل اچھل کر ان کے منہ میں آگیا ـــــ کیا ہے؟ انھوں نے پوچھا۔

ـــــ آٹا ہے۔ آپا نہیں ہے گھر میں کیا؟

ـــــ لاؤ، رکھ دو یہاں پر۔ انہوں نے جان بوجھ کر اس کے سوال کا جواب نہیں دیا۔

ایک لمحے کو ان کو لگا جیسے وہ تذبذب میں پڑ گئی ہو۔ لیکن پھر تھیلے کے ساتھ آگے بڑھ آئی۔ وہ اب اسے متواتر تاکے جا رہے تھے۔

تھیلا رکھ کر وہ مڑنے کو ہوئی تو وہ کھنکھار کر بولے ـــــ سنو ـــــ کیا ہے؟ لمحہ بھر کے لئے رک کر ان کی طرف دیکھا اس نے پھر چلنے کو ہوئی ـــــ نہیں بھائی، تم نے دھوکے سے بلا لیا ورنہ۔ . . . . . .

ایک بجلی سی ان کے جسم میں لپکی اور اچک کر انہوں نے نصیبن کا ہاتھ پکڑ لیا۔ انہوں نے غور کیا کہ ان کے ہاتھوں میں لرزش سما گئی ہے۔ جیسے زندگی میں پہلی مرتبہ انہوں نے کسی عورت کا ہاتھ تھاما ہو۔

ـــــ اک . . . ایسے نہیں۔ نصیبن نے ان کے ہاتھ جھٹک دیئے ـــــ ایک میان میں دو تلواریں کیسے رکھو گے؟ ہاں میرے لئے جگہ بناؤ تو کچھ بات بنے! وہ بے باکی سے مسکراتی ہوئی بولی۔ اور لپک کر دہلیز کے باہر ہو لی۔

ایک دم ٹھگے سے رہ گئے وہ! تھوڑی دیر تک ان کے دل میں پشیمانی کا احساس کچوکے لگاتا رہا۔ اندر کچھ جل رہا ہو ایسا احساس ہوا۔ نصیبن اب ان کا مقصد بن گئی تھی۔

دروازے پر انہوں نے دستک دی۔ اور زور سے پکارا ـــــ نعیبن! لہجے میں حق جتانے کا عنصر نمایاں تھا۔

ـــــ کون ہے؟ اندر سے آواز آئی۔

ـــــ میں ہوں جمال۔ دروازہ کھولنا۔

کواڑ کھلے تو وہ ایک دم اندر گھس گئے۔ نعیبن گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اس کی بھنویں سوال بن گئی تھیں۔

ـــــ وہ ـــــ وہ میں یہ کہنے آیا تھا کہ... کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دیا ہے۔ تم اپنا وعدہ یاد.....

ـــــ کیا...؟ تم نے آپا کو طلاق دے دی ـ

حیرت واستعجاب سے اس کا منہ پھٹا رہ گیا۔

ـــــ ہاں۔ تمہیں پانے کے لئے میں کچھ بھی کرسکتا ہوں نعیبن! انہوں نے آواز میں استحکام بٹورتے ہوئے کہا۔

نعیبن چند لمحات حیرت واستعجاب کی مورت بنی یوں ہی کھڑی رہی پھر جب اس کو ہوش آیا تو بولی۔

نا بھائی نا، تم جب آپا سی عورت کو اتنی آسانی سے چھوڑ سکتے ہو تو پھر میری کیا بساط۔ میں تم سے کسی قیمت پر نکاح نہیں کرسکتی۔

جمال میاں کچھ بول نہیں پائے۔ ٹھہری ٹھہری آنکھوں سے نعیبن کو صرف دیکھتے رہے۔ (پٹنہ سے نشر)

عقیل قیس

توس اردو لائبریری حمزہ پور، شیر گھاٹی۔ گیا، ۲۴۲۱۱

بقیہ: خالی برتن

جیسے کوئی برقی قوت، بجلی کے میٹر کی طرح ایک زبردست دھماکے کی طرح بھبھک اٹھی ہے لیکن اگلے ہی لمحے راکھ کے ڈھیر میں بدل گئی ہے۔ جیسے بیوقت کسی نے بندوق سے فائر کردیئے ہیں اور وہ اس کے دماغ سے ٹکرائے ہوں۔ بڑی دقت سے وہ اپنے دماغی توازن کو سنبھال سکا اور پھر بہت سوچ کر اپنی جھونپڑی سے باہر نکل آیا ـــــ"

اس نے سوچا وہ زہرہ اور سلیم دونوں کا قتل کر دے گا ـــــ!

مگر اس سے کیا حاصل ہوگا ـــــ؟ کیا وہ ان بچوں کو بھی قتل کرسکے گا جو زہرہ اس کے نام سے اپنے بطن سے پیدا کرتی رہی اور جو سلیم اور اس کے کارناموں کی نشانیاں ہو کر بھی اس کے نام سے ہی منسوب رہے ہیں۔

اسے آج پہلی بار احساس ہوا کہ وہ اب تک زندہ رہنے کے لئے محض روٹی کے پیچھے بھاگتا رہا۔ مگر وہ اس کے ہاتھ نہیں آسکی تھی۔ گرم توے پر روٹی اس کی پکائی ہوئی نہیں تھی۔ بلکہ سلیم کے خمیر سے پھولی اور پکائی ہوئی تھی۔ اس کا وجود تو محض ایک خالی برتن کی طرح تھا جو اپنی کھنک بھی کھو چکا تھا ـــــ!

(اردو مجلس آکاشوانی دلی سے نشر)

افسانہ

سوال زندگی کا

ستیش بترہ

پانچ سال ـــــ پانچ طویل سال جس کا پل پل کوشلیا اس کے بیٹوں اور بہوؤں پر بھاری رہا تھا! اس دوران گھر جنت سے دوزخ بن کر رہ گیا تھا! کہتے ہیں بیماری اور فوجداری دشمن کے گھر بھی نہ آئے! یہ خاندان کیا پشتوں تک کو تباہ کرکے رکھ دیتی ہے۔

پانچ سال پہلے یہ کوشلیا اور رگھو نندن کا سکھی پریوار تھا۔ رگھو نندن کو لڑکے اور بہوئیں کیا، چھوٹا سا پوتا بھی اپنی توتلی زبان میں بابوجی کہہ کر پکارتا۔ تیس بتیس سال کی نوکری کے بعد بابوجی ریٹائر ہوچکے تھے۔ بڑا لڑکا اندر بینک میں نوکر تھا وہ اور اس کی بیوی ساوتری بھی ان دونوں کا بڑا خیال رکھتے چھوٹا لڑکا تیج ایک مشہور میڈیکل فرم کا نمائندہ تھا اسے نوکری کے سلسلے میں اکثر لمبے لمبے دوروں پر رہنا پڑتا۔ اس کی شادی بھی تو ایک امیر گھرانے میں ہوئی تھی۔ یہ درست تھا کہ اس کی بیوی سنگیتا گھر کی ہر چیز پر ناک بھوں سکوڑتی لیکن وہ کوشلیا اور بابوجی کا واجبی احترام کرتی۔ اس کا زیادہ وقت اپنے کمرے میں ناول پڑھنے یا بننے سنورنے گزرتا۔ ان دونوں کی شادی ہوئے کچھ زیادہ وقت نہ گزرا تھا اور کوشلیا کا خیال تھا کہ وہ کچھ وقت بعد گھر میں گھل مل جائے گی۔ اب بھی وہ کبھی کبھی موڈ ہونے پر کوشلیا اور ساوتری کے پاس آ بیٹھتی اور چھوٹے موٹے کاموں میں ہاتھ بٹا دیتی گھر میں سبھی اچھا خاصہ کھا کما رہے تھے اور گھر کا گزر بڑی اچھی طرح سے ہوجاتا۔

گھر کی رونق اندر اور ساوتری کے بیٹے بیٹی سے تھی۔ سات سال کی لمبی شادی کے بعد اس کا جنم ہوا تھا اور اس کے آتے ہی گھر میں بہار آگئی تھی۔ وہ دن بھر گھٹنوں کے بل گھٹتا، اس کمرے سے اس کمرے میں، اس گود سے اس گود میں کلکاریاں مارتا، خود ہنستا، دوسروں کو ہنساتا، منتقل ہوتا رہتا وہ سبھی کا لاڈلا تھا لیکن دادا دادی تو اس پر جان چھڑکتے۔ اس کا زیادہ وقت انہی کے کمرے میں گزرتا۔ کبھی وہ بے تکلفی سے اس کے بستروں میں آکر چھپ جاتا۔ کبھی ان کی انگلی پکڑے انہیں گھر میں گھماتا پھرتا۔ اگر وہ گھر میں دکھائی نہ دیتا تو اس کا دادا دادی کے کمرے سے برآمد ہونا توطے تھا۔ وقت ہنستے کھیلتے گزر رہا تھا۔

اور پھر اچانک بابوجی پر فالج کا حملہ ہوا۔ ڈاکٹر بلایا گیا۔ اس نے بڑے غور سے ان کا معائنہ کیا۔ مختلف حصوں کو گدگدایا، جگہ جگہ چٹکیاں لیں۔ ان کا دایاں حصہ بالکل بے حس ہوکر رہ گیا تھا۔ ڈاکٹر نے کہا۔

فالج نے ان کے بائیں حصے کو مکمل طور سے اپنی گرفت میں جکڑ لیا ہے! احتیاط بہت لازم ہے! ایسا نہ ہو کہ اس کا اثر ان کے دماغ پر بھی پڑے! آپ یہ دوائیاں منگوا لیجئے" اس نے اپنے پیڈ پر دوائیاں لکھ دیں اور ان کے استعمال کے بارے میں ہدایتیں دینے لگا۔

جاتے بار فیس لے کر اس نے ڈاکٹروں کی روایتی تسلی دیتے ہوئے کہا "فکر کی کوئی بات نہیں۔ صرف احتیاط لازمی ہے!" بابو کی بیماری نے گھر میں ہر کسی کو چوکنا کردیا۔ کوشلیا بڑے انہماک سے ان کی تیمارداری میں جٹ گئی۔ ساوتری بابوجی کی ہر ضرورت کو فوقیت دینے لگی۔ کھانا پینا، دوائی دارو گھڑی کی پابندی کے ساتھ ہونے لگا۔ تیج صاحب جب دورے سے لوٹتا تو سارا دن بابوجی کے پاس بیٹھا رہتا۔ اندر بھی صبح جاتے ہوئے اور شام کو دفتر سے لوٹتے ہی بابوجی کے پاس باقاعدگی سے رکتا۔ منٹو تو دادا کے پاس آکر ان کا دل بہلاتا اور تو اور سنگیتا بھی دن میں دو چار بار بابوجی کی حاضری دینے لگی تھی۔ بابوجی کو جب کبھی باتھ روم جانا ہوتا تو انہیں تھامنے اور پکڑ کر لے جانے کے لئے سبھی بھاگتے۔

بابوجی اب کم بولنے لگے تھے۔ جب کبھی بنٹی بابوجی کے بستر کے پاس جا کھڑا ہوتا تو ان کی نگاہیں اس کے بھولے بھالے چہرے کو دیر تک نہارتی رہتیں۔ وہ ہمت کرکے اپنا دایاں ہاتھ اس کے سر پر پھیرتے، اس کے چہرے کو سہلاتے اور اس کی پیٹھ تھپتھپاتے۔ بنٹی بھی خاموش ان کی طرف تکتا رہتا۔ جیسے ان دونوں میں ایک خاموش رشتہ قائم ہو چکا تھا جس میں ایک دوسرے کی دلجوئی اور ڈھارس دینے کے لئے بہت کچھ تھا!

کچھ مہینوں بعد بابوجی کے قدم اور بھی لڑکھڑانے لگے۔ ڈاکٹر پھر بلائے گئے۔ یہ تو خیر تھی کہ اپنے پیشے کی وجہ سے تیج کی ڈاکٹروں کے ساتھ خاصی پہچان تھی۔ کچھ ڈاکٹر تو اپنی فیس بھی نہیں لیتے تھے اور لیتے بھی تو بہت معمولی۔ دوائیاں اکثر مفت مل جاتیں یا بہت ہی رعایتی دردں پر۔ لیکن بابوجی کی صحت دن بدن گرتی چلی جا رہی تھی۔ اب وہ باتھ روم تک جانے کے لئے معذور تھے۔ گھر میں بیڈ پین اور پیشاب کروانے کے لئے صراحی دار برتن آچکے تھے۔ میز پر بڑھتی ہوئی دوائیاں تیج کے رسوخ کی نشاندہی زیادہ کرتیں اور بابوجی کی بیماری کے افاقے کی کم۔

اندر کا معمول اب دفتر کو جاتے آتے معمولی سی حاضری دینے پر موقوف رہ گیا تھا۔ ساوتری کو بھی اب ادھر ادھر کام زیادہ سوجھنے لگے تھے۔ تیج اب پھر معمول کی طرح لمبے لمبے دوروں پر رہنے لگا تھا۔ سنگیتا اب پڑوس کی ہم عمر سہیلیوں اور اپنے ناولوں میں کچھ زیادہ ہی مصروف رہنے لگی تھی۔ کوشلیا اب بھی سارا دن بابوجی کے پاس بیٹھی رہتی۔ بابوجی کی نگاہیں تمام دن چھت کی سفیدی میں کچھ ڈھونڈا کرتیں۔ جبکہ کوشلیا اور بہوؤں کو اس سفیدی میں کچھ بھی نظر نہ آتا۔ بنٹی اب بھی ان کے بستر کے پاس آکھڑا ہوتا لیکن بابوجی کی نگاہیں بنٹی کی طرف بہت کم اٹھتیں۔ بنٹی اس صورت حال کو سمجھ نہ پاتا۔ ان کی نگاہیں اپنی طرف متوجہ نہ پاکر اس کی تشفی نہ ہوتی۔ اب وہ ماں اور دادی سے پوچھنے لگا تھا: "بابوجی کو کیا ہو گیا ہے؟"

شروع شروع میں تو بابوجی کے کپڑے باقی لوگوں کے کپڑوں کی طرح ملازمہ دھویا کرتی تھی۔ لیکن اب وہ ان کے گندے آلودہ کپڑوں کو ہاتھ تک نہ لگاتی۔ اب کوشلیا کے لئے ان کپڑوں کو خود دھونے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ جہاں پہلے لڑکے اور بہوئیں اس کا ہر کام میں ہاتھ بٹا دیا کرتی تھیں۔ اب کوشلیا کو محسوس ہونے لگا۔ جیسے وہ اکیلی رہتی جا رہی ہو! بابوجی کی بیماری اب باقی لوگوں کے لئے ایک معمول بن کر رہ گئی تھی!

ایک دن تو بابوجی کی حالت بالکل غیر ہو گئی تھی ان کا سانس بے قاعدگی سے آنے لگا۔ فوراً ڈاکٹر بلایا گیا۔ اتفاق سے تیج گھر میں ہی موجود تھا۔ اندر بھی بینک سے آگیا۔ ڈاکٹر نے بابوجی کو جلد از جلد ہسپتال جانے کا مشورہ دیا۔ پڑوس کی ایک کار میں بابوجی کو ڈال کر ہسپتال پہونچایا گیا جہاں انہیں فوراً آکسیجن دی گئی۔ ان کا دوسرا حصہ بھی مفلوج ہو چکا تھا۔ آکسیجن دیر سے ملنے کی وجہ سے ان کے خلیائے دماغی پر اثر پڑا تھا اور اب ان کے ہلنے جلنے، بولنے تک کی طاقت ضائع ہو چکی تھی۔ ڈاکٹروں نے مسلسل انہیں کسی نرسنگ ہوم میں رکھنے کا مشورہ دیا۔ اگرچہ انہیں بھی مسلسل طبی امداد کی ضرورت تھی لیکن ہسپتال کی سہولتیں دیگر مریضوں کے لئے زیادہ سود مند تھیں۔

اب سوال نرسنگ ہوم کے بھاری اخراجات کا تھا کوشلیا کی لاچار نظروں نے اندر اور تیج کی طرف دیکھا۔ انہوں نے ماں کو یقین دلایا کہ پیسے سے زیادہ بابوجی کی زندگی قیمتی تھی لیکن آٹھ دس روز ہی نرسنگ ہوم میں رہنے کے بعد انہیں احساس ہوا کہ وہ دونوں یہ مالی بوجھ اٹھانے کے قابل نہ تھے۔ حالانکہ تیج کے ذاتی رسوخ کی وجہ سے انہیں نرسنگ ہوم کا نصف خرچا ہی دینا پڑ رہا تھا۔ ڈاکٹروں سے پھر مشورہ ہوا اور انہوں نے مریض کو گھر جانے کی اجازت دے دی۔ چونکہ مریض صرف آکسیجن پر ہی زندہ تھا۔ گھر میں آکسیجن کے استعمال کے لئے نرسوں کا اہتمام بھی ضروری تھا۔

بابوجی آکسیجن کے سیلنڈروں سمیت گھر لائے گئے۔ نلکیوں کے جال میں گھرے، وہ ایک زندہ لاش بن کر رہ گئے تھے ان کے جسم میں تحلیل شدہ خوراک پہونچتی رہتی اور آکسیجن کی بدولت سانس چلتا رہتا۔ نرسیں صبح شام آتیں، ڈیوٹی دے کر چلی جاتیں۔ اخراجات کا میٹر اگرچہ اتنی تیزی سے تو نہیں چل رہا تھا لیکن پھر بھی اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔ گھر والوں نے کم عرصہ میں ہی سیلنڈر بدلنے کی ترکیب اور تیمارداری کے مطلوبہ فرائض سمجھ لئے لیکن پھر بھی ایک نرس کا ہونا بہت ضروری تھا۔

بابوجی کی حالت میں سدھار کا سوال تو پیدا ہی نہ ہوتا تھا لیکن سوال تھا آخر کب تک؟ ڈاکٹر انہیں انسانی فرائض کی تقلید کے لئے کہتے۔ کیا معلوم کوئی ایسی دوا ایجاد ہو جائے یا کوئی ایسا علاج نکل آئے جو ان مریضوں کے لئے مسیحائی پیغام لے آئے وہ روز ڈاکٹروں سے پوچھتے۔ تازہ میڈیکل جرنل کھنگالے جاتے۔ کبھی کوئی ڈاکٹر کسی نئی دوا کا مشورہ دیتا تو ایک نئی امید کے ساتھ ان دوائیوں کا استعمال کیا جاتا لیکن بابوجی کی حالت میں کوئی نمایاں فرق نہ پڑتا۔

سیلنڈر، دوائیوں، دیکھ بھال اور نرس کا خرچ گھر کی سالوں سال کی بچت کو چاٹ گیا تھا۔ بینک میں کام کرنے کی وجہ سے باقاعدہ حساب کتاب کی حس کے مارے، اندر کا جی ڈوبتا رہتا۔ اس کا ذہن زندگی کے نفع نقصان کے بارے میں سوچتا رہتا۔ ایسی زندگی سے کیا فائدہ؟ اور پھر آخر کب تک؟ اندر کبھی کبھی سوال کر بیٹھتا۔

مرنا جینا تو بھگوان کے ہاتھ میں ہے! شاید ان کے زندہ رہنے میں ہی کوئی اچھائی کا پہلو ہو گا! کوشلیا کہتی۔

اچھائی کا پہلو؟ سوائے یہ گھر کی ہر چیز بک جائے! ہم سب کنگال ہو جائیں! اندر کہتا۔

ایسا ہی وقت تو آزمائش کا ہوتا ہے۔ کوشلیا کہتی! لیکن پھر وہ دل میں سوچتی۔ نہ جانے ان سب کو کس پچھلے جنم کی سزا مل رہی ہے! وہ خود بھی حالات اور زندگی سے لڑتے جھوجھتے تھک کر چور ہو گئی تھی!

گھر میں ایسی کہانی بھی دہرائے جانے لگیں جن میں ایسی حالت میں پڑے ہوئے بے سدھ لوگ سالوں جیتے ہیں دراصل مسلسل لیٹے رہنے کی وجہ سے ان کی ضروریات بھی تو نہ کے برابر رہ جاتی ہیں جس کی وجہ سے زندگی بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ آخر اس کا حل کیا تھا؟

کوشلیا بیٹھی بیٹھی بابوجی کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہتی۔ بابوجی نلکیوں کے جنگل میں گھرے تھے۔ یہ خوراک کی نلی تھی اور یہ آکسیجن کی۔ اگر بابوجی کو خوراک نہ ملے تو! شاید وہ اور بھی کمزور ہو جائیں گے۔ وہ پہلے ہی ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گئے تھے! اور اگر انہیں آکسیجن نہ ملے تو ۔ ۔ ۔ وہ سوچ سوچ کر لرز جاتی!

مریض اور بستر کا رشتہ بھی کتنا غیر معمولی ہے! یوں تو بستر ہی ان گنی چنی چیزوں میں ہے جو جنم سے مرن تک انسان کا ساتھ دیتا ہے۔ لیکن یہ چوبیسوں گھنٹے کا ناطہ! کیا بابوجی خود نہ اس سے اکتا گئے ہوں گے؟ رام جانے ان کے من کے بھیتر کتنی کشمکش، کتنی بے چینی ہو گی!

وہ دل ہی دل میں دعا مانگنے لگی "اے بھگوان! اب ان کی آزمائش کا وقت ختم کر۔ انہیں اب زندگی سے موکش دلا دے!" گھر کے ماحول پر اداسی کی پرتیں جم گئیں تھیں۔ منہ سے اگر آواز بھی نکلتی تو بے جان، سرگوشی بن کر! گھر پر جیسے موت کے سایوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔ ایسے ماحول میں کبھی کبھار گھر کی چار دیواری سے باہر بنٹی کی شوخ آواز سنائی دے جاتی لیکن دہلیز پار کرتے ہی اس کی آواز سہم جاتی۔ وہ اب بھی روزانہ بابوجی کو دیکھنے کمرے میں چلا آتا۔

"دادی جی! دادی جی! بابوجی میرے ساتھ کب کھیلیں گے؟"

"جب وہ اچھے ہو جائیں گے!" کوشلیا نے جواب دیا۔

"وہ کب اچھے ہو جائیں گے؟" ننھے سے دماغ نے سوال کیا۔

"جب ان کے منہ اور ناک سے یہ نلکیاں اتر جائیں گی!"

"اچھا!" وہ حیرت سے دادی کی طرف دیکھتا رہا۔

دادی پانی پینے کے لئے رسوئی چلی گئیں۔ لوٹیں تو دیکھا بابوجی کے منہ اور ناک سے نلکیاں الگ ہو کر جھول رہی تھیں اور بابوجی کی گردن ایک طرف لڑھک گئی تھی۔

ننھا بنٹی تالیاں بجا بجا کر دادی سے کہہ رہا تھا: "لو دادی! میں نے بابوجی کی نلکیاں اتار دی ہیں! اب وہ اچھے ہو جائیں گے، اچھے ہو جائیں گے۔"

کوشلیا کے لب ولب حرکت کرتے کرتے رہ گئے! وہ ایک لمحہ کے لئے سوچنے لگی۔ آخر بنٹی نے ایسا کیوں کیا؟ اس کے میں اچانک یہ سوال ابھرا لیکن پھر اس نے اپنی سوچ پر مضبوطی سے تالا لگا دیا۔

کبھی کبھی جواب بھی تو سوال پر بھاری ہو جایا کرتے ہیں۔

(اردو سروس سے)

افسانہ

بے بی، آئی لو یو

رفیعہ منظور الامین

"بہت پیار کرتی ہو تم اسے؟" ـــــ میں نے پوچھا اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیا عمر ہے تمہاری؟"

"گیارہ سال آٹھ مہینے" گیارہ سالہ ماں نے اپنی آنکھوں پر سے بال ہٹاتے ہوئے کہا۔ اب تک میں نے بچپن کو بڑھاپے کا سہارا بنتے دیکھا تھا۔ بڑھاپے اور جوانی کو بچپن کا محافظ لیکن بچپن کو بچپن کا ذمہ دار بنتے ہوئے پہلی بار ہی دیکھا۔

یہ جینی میک آرتھر تھی۔ ہوسٹن میں ہماری پڑوسن رنجیتا اور باب کے بچے کی بے بی سٹر۔ بھرا بھرا بدن سرخی مائل بھورے بال اس کی آنکھیں ایسی تھیں جیسے کسی ناؤ میں منجدھار سما گیا ہو ـــــ باقی چہرے پر سکوت تھا وہ بہت کم مسکراتی تھی، ورنہ بچپن اور مسکراہٹ کا تو بہت گہرا ناطہ ہوتا ہے ـــــ وہ اپنا چھ مہینے کا بچہ اپنی ماں کے پاس چھوڑ کر سائیکل پر رنجیتا کے بچے کی بے بی سٹنگ کے لئے آیا کرتی تھی اور جب شام میں رنجیتا اور باب کام سے واپس لوٹتے تو وہ اپنے ڈالر مٹھی میں دبائے سائیکل پر واپس ہو جاتی۔ میں نے کئی بار سائیکل پر بیٹھنے سے پہلے اسے مل مل کر ڈالروں کو گنتے دیکھا تھا۔

جینی میک آرتھر ایک چھوٹی سی جانگیہ اور چولی نما ٹاپ پہنتی تھی ـــــ وہ کچھ نا بھی پہنتی تو کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ خود اسکی معصومیت اس کا لباس تھی۔ ایک بار جب وہ دیر سے پہونچی تو رنجیتا سے میں نے اس کے آرچی پر نظر رکھنے کی حامی بھر لی۔ آرچی بڑا پیارا تھا، چاکلیٹ دو، تو تھینک یو کہتا تھا ـــــ ہندوستان میں مائیں پچھاڑیں کھا جاتی ہیں، اپنی ناخلف اولاد سے کبھی بس یہی دو الفاظ کہلوانے کے لئے اور ریلش سے مس نہیں ہوتے۔ اور اگر کبھی کوئی سپوت انگریزی کے یہ دو لفظ کہہ جائے تو ماؤں کا سینہ خوشی سے پھول جاتا ہے جیسے ان کا بیٹا جارج برنارڈ شا بن گیا۔

بہر حال کچھ دیر بعد جینی آگئی ـــــ دریچے سے میں نے دیکھا، وہ دیر سے آنے کی وجہ سے کچھ گھبرائی ہوئی تھی۔ اسی گھبراہٹ میں سائیکل کے ساتھ لگی ٹوکری بھی زمین پر آ رہی۔ مجھے اس کی گھبراہٹ پر ترس آیا۔ میں باہر نکل آئی اور ٹوکری سے گرے Dog Food کے پیکٹ اٹھانے میں اس کی مدد کر دی۔

ہر امریکن کتا پالتا ہے۔ اور یہاں کتے اتنے سمجھدار ہوتے ہیں کہ وہ دن دور نہیں جب یہ خود انسان پالا کریں۔ کتوں کے ہسپتال، کتوں کے ٹریننگ اسکول، کتوں کے ریسٹوران ـــــ کتوں کی ضروریات کی دوکانیں اور کتوں کے کلب، لیکن یہ سب کچھ ہونے کے باوجود پھر بھی کتے بکتے ہیں جبکہ انسان نہیں بکتے، بس یہی فرق ہے، یہاں انسان اور کتے میں غریب ملکوں میں چونکہ آدمی زیادہ بکتے ہیں اس لئے کتے کم خریدے جاتے ہیں۔

"تم نے کوئی کتا خریدا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں ـــــ اس نے مختصر جواب دیا۔

"پھر یہ ڈاگ فوڈ کے پیکٹس کیا کرو گی؟"

"میں خود کھاؤں گی"

میرا تجسس شاید اسے برا لگا۔ لیکن وہ سچ کہہ رہی تھی۔

"ڈاگ فوڈ سستا ملتا ہے" ـــــ پل بھر کو میری عقل کا فیوز اڑ گیا۔

"مگر تم تو لنچ یہیں کھاتی ہو رنجیتا کے پاس!"

"صرف ایک بار کھانے سے ہی تو پیٹ نہیں بھرتا ـــــ بھوک لگتی ہے تو بس یہی کھا لیتی ہوں"

اس نے ایسی رسائی سے کہا جیسے کوئی عاشق کہے کہ نیند آتی ہے تو تارے گن لیتا ہوں۔

"اور تم نے کہا تھا کہ تم اپنی ماں کے ساتھ رہتی ہو؟" پیچیدہ باتیں یوں تو میری سمجھ میں کم آتی ہیں اور یہاں تو مسئلہ کئی زاویوں میں بنٹ رہا تھا۔

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"پھر کیا وہ تمہیں کھانے کے لئے نہیں دیتی"، میں نے بات کی تہہ کو پہونچنے کا بیڑا اٹھا لیا تھا۔ جب جینی کی ماں اس کے ناجائز بچے کی دیکھ بھال کر سکتی تھی تو کیا اپنی اولاد کا پیٹ نہیں بھر سکتی تھی جو اپنی بھوک مٹانے کے لئے کتوں کی غذا کھانے پر مجبور تھی۔

"ماں کے ساتھ رون رہتا ہے"

"رون کون؟"

"میری ماں کا بوائے فرینڈ۔ وہ میرا خرچہ برداشت کرنا نہیں چاہتا"

میں نے رنجیتا کے کچن میں ہی اپنے اور جینی کے لئے چائے بنائی اور اس کی پلیٹ میں دو چار بسکٹ رکھ دیئے۔ اس کے بعد جینی سے مجھے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ وہ اپنے آپ اپنی چھوٹی سی زندگی کے اسرار کھولتی گئی اور مجھے احساس ہوتا رہا کاش میں نے اس سے کچھ نہ پوچھا ہوتا۔

جینی جب آٹھ سال کی تھی تو اس کی ماں نے اپنے شوہر سے طلاق لے لی۔ ماں کے ساتھ جینی کی زندگی شاید صرف اس دوران ہی خوشگوار رہی ہوگی جب وہ اس کی کوکھ میں پل رہی تھی۔ جینی کی ماں اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ رہنے لگی۔ کیونکہ بوائے فرینڈ کو اس کی ماں سے Love تھی Love کا اظہار یہاں صرف "آئی لو یو" کہنے سے ہو جاتا ہے۔ اور دو اجنبی ساتھ رہنے لگتے ہیں۔ ہماری طرح محبت کے آگ کے دریا پار نہیں کرتے۔ ہم خواہ مخواہ ایک حیوانی جذبے کو ملکوتی بنانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ محبت کے اس دریا میں دو کنارے ابھرتے ہیں۔ محبت کرنے والے دراصل یہ بھول جاتے ہیں کہ جب تک دو کنارے نہ ہوں، کوئی دریا بنتا ہی نہیں، وہ خواہ محبت کا دریا ہی کیوں نہ ہو۔ پھر ان دو کناروں کو ملانے کی تگ و دو شروع ہو جاتی ہے جو کبھی نہیں مل پاتے ـــــ فرق فرنگیوں میں اور ہم میں اتنا ہے کہ ان میں برداشت کی کمی ہے اور ہم اپنی ساری زندگی اسی برداشت کے حوالے کر دیتے ہیں۔ ان کی دنیا فانی ہے۔ ہماری بھی فانی جبکہ ہم خواہ مخواہ اسے لافانی بنانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

جینی کی ماں نے دو بوائے فرینڈ بدلے جو وقت کے ساتھ اس سے اکتا کر چلے گئے۔ لیکن یہ تیسرا 'رون' اسے جونک کی طرح چپک گیا تھا۔ کیونکہ وہ دونوں Simbiosis یعنی امداد باہمی کے اصول پر چل رہے تھے۔ گھر کا مارٹ گیج جینی کی ماں کے نام تھا اور 'رون' دوسرے اخراجات میں ہاتھ بٹاتا تھا۔ ان تینوں کے علاوہ گھر میں ایک کتا وسکی بھی تھا۔ جغادری ـــــ غراتا ہوا، بدمزاج پڑوسیوں کو بھی اس بات سے شکایت تھی ـــــ یا پھر جینی کا چھ مہینے کا بے بی تھا۔ جسے وہ گھر میں چھوڑ کر بے بی سٹنگ کر لیا کرتی تھی۔ کام کے بغیر وہ نہیں رہ سکتی تھی۔ کیونکہ اسے اپنے بچے کی غذا خود ہی خریدنی پڑتی تھی۔

"تم گھر چھوڑ کر چلی کیوں نہیں جاتیں اپنے بچے کے ساتھ" میں نے رائے دینے کا پیدائشی حق اپنایا۔

"کہاں"؟

"اپنے بوائے فرینڈ کے پاس جس کا یہ بچہ ہے"

"بچہ 'رون' کا ہی ہے" ـــــ میں چکرا گئی۔

"وہ تو تمہاری ماں کا بوائے فرینڈ ہے"

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تو کیا اس نے تم سے کہا تھا۔ آئی لو یو"

"نہیں ـــــ ایک روز رون، اور ماں میں خوب جھگڑا ہوا"

"کیوں"

"مجھے پتہ نہیں، میں اپنی گڑیا کو نہلا رہی تھی"

"پھر کیا ہوا؟"

"ردن مجھے گھسیٹ کرلے گیا اور مجھے ماں کے سامنے ہی دھر لیا۔"

"اور تم ــــ تم چلائیں نہیں" ــــ میں نے اپنا کلیجہ پکڑنے کی کوشش کی۔ "نہیں میں ڈر گئی تھی۔ اس نے مجھے دو تھپڑ مارے تھے۔" "اور تمہاری ماں۔ اس نے تمہیں بچانے کی کوشش نہیں کی۔"

"نہیں ــــ وہ نشے میں تھی" ــــ "اب مجھے بھوک نہیں ہے" ــــ جینی نے کچن پنکن میں دو چار بسکٹ باندھتے ہوئے کہا جنھیں اس نے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔ "پاک مریم سے آج کی جینی تک یہی سلسلہ چلا آ رہا ہے۔ ماں کی ممتا کا دوپہر میں پھر دل چاہا کر دیکھ آؤں جینی اور رچی کیا کر رہے ہیں۔ کیونکہ صبح جینی کچھ نروس ہو رہی تھی کال بیل بجنے پر جینی نے دروازہ کھول دیا اور پھر واپس رچی کے پاس چلی گئی ــــ وہ اسے کھانا کھلا رہی تھی۔ میں کچھ دیر ٹھہری رہی ــــ جینی بار بار گھڑی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ "جلدی جانا ہے تمہیں"؟

"ہاں میرا بچہ، دست ہو رہے ہیں اسے۔"

"دانت نکل رہے ہوں گے تم پریشان کیوں ہوتی ہو ــــ" میں نے دلاسہ دیا

"اچھا تم ایسا کرو، چلی جاؤ۔ میں رچی کو دیکھ لوں گی۔"

"مگر" . . . . وہ ٹھٹکی ــــ میں سمجھ گئی اسے پیسوں کی فکر ہو رہی تھی۔ "میں رنجیتا سے تمہیں پورے پیسے دلوا دوں گی" ــــ اور وہ تیر کی طرح نکل بھاگی۔ دوسرے دن ہی مجھے کیلی فورنیا جانا پڑا۔ دس دن بعد جب میں لوٹی تو دیکھا کہ رنجیتا کے پاس کوئی اور سیاہ فام ادھیڑ عورت بے بی سٹنگ کر رہی ہے۔

"تم نے جینی کو کیوں چلتا کر دیا" ــــ میں نے رنجیتا سے پوچھا۔

"میں نے نہیں چلتا کیا ــــ بیچاری نے خود ہی آنا بند کر دیا ــــ بڑی" ٹریجڈی ہو گئی اس کے ساتھ۔"

"میں جانتی ہوں" ــــ میں جینی کی ٹریجڈی سے واقف تھی۔

"تم کیلی فورنیا چلی گئی تھیں۔ تمہیں کیسے پتہ چلا کہ اس کے بچے کو گھر کے کتے نے ہی چیر پھاڑ دیا۔" میرے اوسان خطا ہو گئے۔

"تم چلی گئی تھیں۔ جب وہ دوسرے دن کام پر نہیں آئی، تو میں نے فون کیا" ــــ رنجیتا نے رچی کو کلیجے سے لگا کر کہا۔ "وہ فون پر بہت رو رہی تھی اس نے بتایا کہ اس کا بچہ رو رہا تھا اور رینگتے ہوئے وہسکی کے قریب پہونچ گیا۔ اور اس ظالم کتے نے اس کا خاتمہ کر دیا۔

لیکن جینی کی کہانی یہاں ختم نہیں ہوئی تھی۔ اس نے ماں کا گھر چھوڑ دیا تھا ــــ دو دن پہلے اسے پولیس نے پکڑ لیا تھا۔ کیونکہ اس نے اپنی ماں کے بوائے فرینڈ ردن کو مار ڈالا تھا۔

(سرینگر سے نشر)

۱۶ جولائی ۱۹۸۶ء

آپ کی رائے

یکم جون کا شمارہ نظر نواز ہوا۔ شخصیات شعر و ادب میں ڈاکٹر ظہیر علی صدیقی کا مقالہ امتیاز علی تاج نہ صرف قابل تعریف ہے بلکہ قابل فکر ہے۔

ایم، اے اردو طالبعلموں کے لئے تو یہ ایک مکمل نوٹس ہی ہے۔

ایک چادر میلی سی کا 'منگل' ــ واقعی نقش چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی میر کا تصور غم" جو ادبی وقار لئے ہے کہ بس پوچھئے مت۔

ان تینوں مقالوں نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں ان تمام فن کاروں کو مبارکباد دیتا ہوں اور توقع کرتا ہوں کہ آئندہ بھی وہ اسی طرح ہم طالبعلموں کی رہنمائی کریں گے۔

جہاں تک ڈاکٹر ظہیر علی صدیقی صاحب "امتیاز علی تاج" میں لکھتے ہیں کہ اندر سبھا کو امانت نے اپنے ایک دوست کی فرمائش پر لکھا تھا اور ان کا نام ظاہر نہ ہو سکا۔ لیکن ایسی بات نہیں۔ ڈرامہ و اس کی ابتدا" و اصناف ادب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آغا حسین امانت لکھنوی نے اندر سبھا کی تصنیف ۱۲۶۵ء میں "واجد علی شاہ کے ہی ڈراموں کو مثلاً رادھا کنہیا۔ افسانہ عشق کو پیش نظر رکھ لکھا چونکہ یہ پہلا ڈرامہ اس غرض سے کہلایا کہ یہ پہلی بار عوام کے اسٹیج پر پیش کیا گیا ــــ یہ بات صدیقی صاحب نے اپنے مقالہ میں وضاحت سے نہ بیان کر سکے۔

محبوب عالم، دامن کوہ رانچی

پرچہ آواز اس مرتبہ بہت جلد موصول ہوا روز بروز پرچے میں خوبصورتی اور نکھار آ رہا ہے یہ بھی قسمت کی بات ہے جو دوسرے پرچوں کو نصیب نہیں مجھے ہر ماہ شدت سے اس رسالہ کا انتظار رہتا ہے کیا ہی خوب کہا ہے کسی عربی ادیب نے (الانتظار اشد من الموت۔

اس بار طرحی غزلیں بھی خوب ہیں ادریس مکرانی کا یہ مصرع بھی کیا خوب ہے کہاں قرار میں لذت جو اضطراب میں ہے، سکون پا کے تو موج رواں بھی ٹوٹی ہے بلاشبہ اضطراب میں جو لذت ہے وہ قرار میں نہیں ہے مرحبا مرحبا سبحان اللہ تقریباً تمام شعراء حضرات کی طرحی غزلیں قابل داد ہیں مدیر صاحب آپ نے سامعین آواز کو عید کی مبارکباد دی ہے تو ہم قارئین کو مبارکباد کون دے گا بہر کیف وحید انور کا مقالہ کتب بینی ایک مشغلہ ایک تفریح بہت پسند آیا بالکل میرے ہم خیال مضمون نگار معلوم ہوتے ہیں انہیں میری طرف سے مبارکباد پہنچا دیں کتب بینی صحیح معنوں میں دماغی ورزش ہے اس سے ذہن کو سکون اور قلب کو تازگی اور معلومات میں اضافہ ہوتا ہے علم ایک نور ہے جس طرح تاریکی کے لئے روشنی چاہئے اسی طرح کسی جانکاری کے لئے علم چاہئے کیا ہی خوب کہا ہے کسی شاعر نے بے علم نتواں خدا را شناخت۔ حکیم عبد الصمد صاحب کا مقالہ ہماری عادتیں اور صحت بہت پسند آیا انہوں نے صحیح فرمایا ہے کہ ہماری صحت پر بری عادتوں کے اثرات پڑتے ہیں یہ مضمون ایسا ہے کہ قاری پڑھ کر اپنی اصلاح کر سکتا ہے رسالہ آواز کے ذریعہ ایسے ایسے مضامین سے اگر لوگوں نے فائدہ نہیں اٹھایا تو یہ ان کی بدقسمتی ہے مدیر صاحب میں آپ کا نہایت ممنون و مشکور ہوں کہ ایسے ایسے مقالے آپ آواز میں شائع کرتے ہیں جو دوسرے پرچوں میں عنقا ہیں میری دعا ہے کہ خدا عمر دراز کرے اور رسالہ آواز ترقی کی راہوں پر گامزن رہے۔ (آمین)

عبد الحق انصاری رانچوی ہند پیڑھی نزد
مدینہ مسجد جی ٹی روڈ رانچی (بہار)

محترمی، آداب

آواز [illegible] کے شمارے میں دو افسانے بحسب ترتیب "چھوٹی سی کرن" اور "اجالا" کے عنوان سے شائع ہوئے ہیں۔ شفیع مشہدی اور انجم جمالی، دونوں ہی دنیا کی ابدی حقیقت دکھ، اور اس کے واحد علاج ہمدردی۔ رحم اور ایثار کا عرفان رکھنے والے اس دنیا کے اس ظلمت کدے میں 'کرن'، اور 'اجالے' کے متلاشی ہیں۔ ان کے اپنے افسانوں میں تخلیق کردہ انسان دوست اور غمخوار کرداروں کو اگر خدا سچ مچ ہی اس دنیا کے دلوں میں پیدا کرے تو وہ خود ان پر فخر کر سکتا ہے۔

پہلا افسانہ "چھوٹی سی کرن، ابتدا اور انتہا مختصر الفاظ میں "زمین پر تیس یا پینتیس بچوں کی لاشیں قطار سے رکھی، سورماؤں کو داد شجاعت دے رہی تھیں۔ ان ساری لاشوں کو دفن کرنے کے لئے کچھ دوری پر ایک گڈھا کھودا جا رہا تھا۔ اچانک دور سامنے سے ایک سنتری ایک بچہ کو ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے آیا۔ بچہ زندہ تھا۔ زخموں سے اس کے کپڑوں پر خون کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ کوئی بھی اس غلیظ اور زخمی بچہ کو سنبھالنے کو تیار نہ تھا۔ دور کھڑی ایک قومی اخبار کی نامہ نگار، مس پانڈے، خاموش اس منظر کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور ہلکے قدموں سے چلتی ہوئی بچہ کے پاس آئی ....اس نے اس گندے بچہ کو گود میں اٹھا کر اپنے سینہ سے لگا لیا ....اور آہستہ سے بولی، "یہ میرا بچہ ہے میں اس کی ماں ہوں"۔.... اس کی شفاف ساری بچہ کے خون اور گندگی سے داغدار ہو گئی۔ وہ بچہ کو گود میں لئے اپنی گاڑی میں بیٹھ کر موٹر کی گرد اڑاتی ہوئی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ ایسا لگ رہا تھا تاریکی میں میں ایک چھوٹی سی کرن، بکھر گئی ہو۔

عورت میں انسانی ہمدردی اور رحم کی یہ چھوٹی سی کرن، کیسے ہوئی؟ یہ تو آنکھوں کو چکا چوند اور خیرہ کر دینے والی برق طور ہے۔

دوسرا افسانہ "اجالا" انسانی ہمدردی اور ایثار کا

درخشاں مینار مختصر خاکہ :

وہ بہت دکھی اور پریشان تھا۔ اس کو اپنی بیٹی چمپا کے بیاہ میں دینے کے لئے جلد ہی ایک ہزار روپوں کا بندوبست کرنا تھا۔ وہ بڑی امید لئے ٹھیکیدار سے قرض لینے کی غرض سے اس کے بنگلے پر پہنچ کر، اس کے انکار کر دینے پر بے نیل و مرام باہر آیا تو احاطہ میں اس کو رحمو میاں ملے۔ وہ نہیں جانتا تھا وہ وہاں کس لئے آئے تھے؟ یا کب سے کھڑے تھے؟ جب انہوں نے اس کو چا۔ نوشی کے لئے گھر چلنے کے لئے کہا تو نہ جانے کیا بات تھی 'پیار کا جادو' یا اپنائیت کا کرشمہ؛ وہ سر جھکائے ان کے ساتھ ہو لیا۔ جب وہ اندر سے چار لانے لگے تو ان کے ساتھ ان کی بیوی نے روپوں سے بھرا ایک چھوٹا سا گھڑا لاکر اس کے سامنے انڈیل دیا۔ اور کہا، "حج کے ارادے سے جمع کیا تھا۔ بیماری کی وجہ سے اس سال جانے کے قابل نہیں رہی۔ ان روپوں سے تم چمپا کا بیاہ کر دو۔ اگلے سال مجھے حج کرا دینا۔"

وہ سکتے کے عالم میں کچھ نہیں کہہ سکا۔ ان کے پاؤں کی دھول اپنی پیشانی پر ملنے لگا تو اس دھول میں اُسے انسانیت کے نور کا پھیلا ہوا اجالا، صاف دکھائی دے رہا تھا۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است　از ہزاراں کعبہ اک دل بہتر است

(کسی کی دلجوئی کرنا یہ حج اکبر کے مترادف ہے۔ ہزاروں کعبوں کے مقابلہ میں ایک دل بہتر ہے۔)

ایس۔ محمد شریف
نمبر ۲۔ I مین روڈ۔ (نزد ڈرا ئیوران تھیٹر)
نیو گوروا اپن پالیہ۔ تاورے کیرے پوسٹ بنگلور ۵۶۰۰۸۱

محترم۔ تسلیم

آواز یکم جون کے شمارے نے تمام تر رعنائیوں کے ساتھ وجداں کی حساس آنکھوں کو سکون بخشا۔ نثری انتخاب میں عید کی برکتیں، ڈاکٹر یحییٰ ابدالی کا مضمون خوشی کا پیام لے کر آیا۔ مگر یہ خوشی تادیر قائم نہ رہ سکی اور خوشی کا یہ تصور "میر کے تصور غم" میں جا کر مدغم ہو گیا مضمون کو پڑھ کر ماضی کی غمناک فضا میں گھومنے لگا۔ اشک بھری راتوں کا منظر آنکھوں کے سامنے آگیا اور نہ جانے پھر سے کتنے آنسو پلک تک آئے۔

رسالہ کے تمام شمولات کا بغور مطالعہ کیا۔ تمام ہی نگارشات اچھے لفظوں کا پیراہن اور معانی کی ردا اوڑھے ہوئے ہیں۔ بعض افسانوں میں افسانہ نگاروں نے زمانہ کی دکھتی رگوں پر انگلی رکھی ہے۔ تمام قلمی ستاروں کو مبارکباد۔ اور آپ کب تک آواز کا خصوصی شمارہ شائع کر رہے ہیں؟

عبدالحق حقانی القاسمی
دارالعلوم دیوبند

آواز کا مطالعہ میں گذشتہ پندرہ برسوں سے کر رہا ہوں اس لئے اس کی صحت مند تبدیلیوں سے خاص طور پر متاثر ہوں۔

آواز کا تازہ شمارہ یکم جون ہمارے پیش نظر ہے۔ تمام تخلیقات معیاری ہیں۔ خاص طور پر افسانہ "مردہ گھر کے لوگ" پسند آیا۔ اردو کے افسانوی ادب کے فروغ میں بھی آواز کا خاصا اہم رول رہا ہے۔ خاص طور پر نویں دہائی کے افسانہ نگاروں پر آپ نے خصوصی توجہ دے کر ایک بہت اہم کام کیا ہے۔ آٹھویں دہائی میں اردو افسانے میں جو مایوسی نظر آئی (سلام بن رزاق کے علاوہ) اسے دیکھ کر تو ایسا لگتا تھا کہ اب افسانے کا زوال آگیا ہے۔ یعنی قاری مبہم قسم کے افسانوں سے اوب کر گوشہ اختیار کرنے لگا تھا۔ لیکن نویں دہائی میں ہند و پاک کے افسانوی ادب میں کچھ بے حد با صلاحیت افسانہ نگار ابھرے جن میں قاسم خورشید (بھارت) آصف فرخی (پاکستان) حکیم احمد (بنگلہ دیش) طارق چھتاری (بھارت) اور بشیر مالیر کوٹلوی (بھارت) کو ہم کسی بھی طور پر فراموش نہیں کر سکتے۔ ان افسانہ نگاروں نے قاری کو پھر اردو افسانے کا مداح بنایا، کچھ بہت ہی پیارے افسانے دیئے جن میں پاکستانی افسانہ نگاروں کو چھوڑ کر زیادہ تر آواز کے ہی صفحات سے ابھرے۔

میری دلی خواہش ہے کہ آپ نویں دہائی کے افسانہ نگاروں پر آواز کا خاص نمبر شائع کریں تاکہ اس دہائی میں لکھے گئے نئے افسانوں پر ہمارے ناقدین خصوصی توجہ دیں۔

حسب روایت آواز کا سرورق بہت خوبصورت لگا۔

اختر شیدائی
اکبرا پارٹمنٹ، ڈان پارا، بمبئی۔

آواز یکم جون پیش نظر ہے۔ یہ شمارہ بھی اپنے تمام سابقہ شماروں کی طرح پر مغز ہے۔

ڈاکٹر یحییٰ ابدالی کا مضمون "عید کی برکتیں" بے حد پسند آیا۔ ڈاکٹر ظہیر علی صدیقی نے "امتیاز علی تاج"، کو نہایت ہی عرق ریزی سے لکھا ہے۔ پھر بھی ایک گونہ تشنگی کا احساس قاری کو باقی رہتا ہے۔ ڈاکٹر شمس الحق عثمانی کا مقالہ' ایک چادر میلی سی کا منگل' میں منگل کے کردار کو نہایت ہی دیانت داری کے ساتھ پیش کیا ہے۔ واضح رہے جب منگل کا بھائی تلو کا رانی کو بیاہ کر لاتا ہے تو اس وقت منگل کی عمر پانچ برس کی تھی اور وہ رانی کو ماں سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تلو کا قتل ہوتا ہے تب منگل کا ردِ عمل اس کے نفسیاتی پہلو کو اجاگر کرتا ہے۔

"رانی رو رہی تھی، بین کر رہی تھی۔ اور سر پر دو ہتڑ مار رہی تھی..... منگل چلا اٹھا — ماں!"

لیکن دسویں باب میں جب رانی اور منگل قریب آجاتے ہیں تو وہی منگل جسے رانی بیٹا سمجھتی تھی — رانی سے کہتا ہے۔

"آج تم — کتنی خوب صورت لگ رہی ہو"

لہٰذا موصوف نے اپنے مقالہ کے آخر میں درست فرمایا ہے کہ۔

"اس طرح قدم بہ قدم بیٹا، شوہر اور باپ بننے والا منگل اپنے ماحول میں کارفرما افراد کے توسط سے فطرت کی ایما پر عمل کرتا ہے۔"

سرِ ورق کا مضمون "زرعی تحقیقات اور قدیم بھارت" کے علاوہ "ہماری عادتیں اور صحت" بھی کامیاب تر مضمون قرار دیا جا سکتا ہے — رفیع الحسن منظر کا مقالہ "میر کا تصور غم" میر کے سلسلے میں ایک اضافہ تو نہیں کہا جا سکتا ہے لیکن میر کے تصور غم کے سلسلے میں چند نئے پہلو　ہمارے سامنے ضرور آتے ہیں۔

ضیاء الدین احمد عثمانی کا طنزیہ مضمون "کون لے اڑا خلوص کی سوغات"، اچھا لگا۔ خصوصاً یہ حصہ —

"آج یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ علی بابا کی طرح کھل جا سم سم کہیں اور خلوص کا خزانہ ہاتھ لگ جائے۔ آج تو علاء الدین کا چراغ بھی نہیں کہ کوئی جن ہمارے قدموں پر لاکر ڈال دے۔ لہٰذا آج کل خلوص کو تلاش کرنا ایسا ہی ہے جیسے سمندر میں سوئی تلاش کرنا۔ ہو سکتا ہے کہ منچلے طبقوں، کنگالوں اور غیر مہذب قوموں میں کسی حد تک خلوص مل جائے۔"

انور عظیم کا افسانہ "لیکن" عمدہ افسانے کے زمرے میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ کنور سین کا افسانہ "منزل" بھی اچھا لگا خصوصاً یہ اقتباس۔

"مجھے خاموش منظروں سے اپنے کو تکتے پا کر اس کی آواز تیز ہو گئی۔ کرم میں تیاگ کی بات مجھے راس نہیں آتی یہ ارپن کیا ہوتا ہے؟ کس کے ارپن؟؟ کس لئے ارپن؟؟؟ وہ رکا "اب مجھے پتہ چل گیا ہے کہ میں راستے پر قابو پا کر کیسے منزل کو پا سکتا ہوں۔"

نوید ہاشمی کا افسانہ "مردہ گھر کے لوگ" جدیدیت کا شکار ہے۔ "اور میں" کے چکر میں یہ افسانہ عام قاری کے فہم سے بالاتر ہو کر رہ گیا ہے۔ افسانہ کا آخری حصہ ملاحظہ ہو —

"اب میرے کاندھے پر میری لاش ہے کبھی یقین کے ساتھ اور کبھی بے یقینی کی صورت میں، اور میں چل رہا ہوں، میری نگاہوں میں بس ایک ہی سوال ہے، میرا گھر کہاں ہے، میری بیوی و بچے کہاں ہیں؟؟ اور میں؟؟"

دل کو ملی نگاہ، نگاہوں کو وسعتیں
جذبی ہمیں تو اپنی تباہی کا غم نہیں

بے حد پسند آیا — اس بار طرحی غزلیں گورکھپور سے — جس کا مصرع طرح :

"خودی تو ٹوٹی تھی خوئے بتاں بھی ٹوٹی ہے"

کے لکھنے والوں میں ایم کوٹھیاوی راہی اور جوہر وارثی کے یہ اشعار پسند آئے —

دھواں دھواں سی فضا میں بجھی بجھی سی یہ رات
ہمارے دل کی طرح کہکشاں بھی ٹوٹی ہے
(راہی)

جدھر سکون کی خاطر گئے یہی دیکھا
کوئی نہ کوئی مصیبت وہاں بھی ٹوٹی ہے
(جوہر وارثی)

منجملہ یہ کہ رسالہ آواز دن بہ دن عنفوان شباب کی دہلیز کی طرف گامزن ہے۔ خدا اسے نظر بد سے بچائے۔

محمد اسیر الدین شاذ
حبیب پور، صاحب گنج ۸۱۶۱۵۹ (بہار)

نیشنل پروگرام

للت جے راؤ کا گائن :

ہفتہ ۱۹ رجولائی رات ساڑھے نو بجے

گہری جمالیاتی حسن اور شیریں آواز کی مالک نے موسیقی کی ابتدائی تعلیم راماراؤ نائیک سے حاصل کی۔ بعد میں اعلیٰ تربیت دنکر کیکنی اور آگرہ اترولی گھرانہ کے نمایاں فنکار خادم حسین خاں سے حاصل کی۔

للت جے راؤ کو روائتی انداز کی خیال گائیکی میں خصوصی مہارت حاصل ہے۔

صابری خاں کا سارنگی وادن اور پریم ولبھ کا طبلہ وادن

ہفتہ ۲۶ رجولائی رات ساڑھے نو بجے

ملک کے مشہور سارنگی نواز صابری خاں کا تعلق موسیقاروں کے ایک گھرانے سے ہے۔ سارنگی وادن کی تربیت انھوں نے محض سات سال کی عمر میں ہی اپنے دادا حاجی محمد خان

سے حاصل کرنا شروع کر دی تھی۔ اس کے بعد سارنگی کی مزید تربیت اپنے والد استاد چھجو خاں سے پائی۔ جن کو اس دشوار اور پیچیدہ ساز پر خصوصی عبور حاصل تھا

صابری خاں کو سولو اور سنگیت دونوں میں یکساں مہارت حاصل ہے۔ ملک اور بیرون ملک کئی محفلوں میں وہ شرکت کر چکے ہیں۔ آپ گزشتہ ۴۴ سالوں سے آل انڈیا ریڈیو سے منسلک ہیں۔

پریم ولبھ کا تعلق متھرا کے مشہور پکھاوج نوازوں کے خاندان سے ہے۔ انھوں نے پکھاوج اور طبلہ وادن کی تعلیم

اپنے دادا چرنجی لال سے حاصل کی اور بعد میں استاد احمد جان تھرکوا جیسے فنکار سے اسباق لیے۔

'یہ کہانی بدلو' ناٹک :

۲۴ رجولائی رات ساڑھے نو بجے

۱۹۸۵ کے آکاشوانی مقابلے میں دوسرا انعام پانے والا، اردتی سرینواسالو کا تحریر کردہ تیلگو ناٹک ۲۴ رجولائی کو نشر کیا جائے گا۔ آل انڈیا ریڈیو کے سبھی اسٹیشن اس ناٹک کو علاقائی زبانوں میں نشر کریں گے۔

اس ناٹک کا آغاز راسلیما نام کے ایک گاؤں میں ہوتا ہے جو قحط کی گرفت میں ہے۔ گاؤں کے باہر جھونپڑوں میں رہنے والوں کا کنواں سوکھ جاتا ہے۔ یہ لوگ اونچی ذات والوں کے کنوئیں سے پانی لینے گاؤں میں جاتے ہیں لیکن ان کو پانی بھرنے کی اجازت نہیں ملتی کیونکہ وہ اچھوت ہیں۔ اس کے علاوہ ان کو بے رحمی سے مارا بھی جاتا ہے۔

جھونپڑیوں کے باسی یہ علاقہ چھوڑ کر شہر ہجرت کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ جہاں ان کے ساتھ اچھوتوں کا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ راستے میں وہ رات کو ایک مقام پر قیام کرتے ہیں جہاں پر ان کے طبقے کا ایک بوڑھا کہانی سناتا ہے۔

یہ ایک لوک کتھا ہے۔ سنتما ایک چھوٹے پرگنے کے راجہ کی بیٹی ایک شاعر ڈنگری کی محبت میں گرفتار ہو جاتی ہے۔ جو اچھوت ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ ڈنگری اپنے گیتوں اور سب انسانوں کو برابر سمجھنے کے سبب سے بے حد مقبول ہے۔ راجہ اپنی بیٹی کی محبت کے سبب ڈنگری سے بہت ناراض ہے اور اس کو ختم کرا دینا چاہتا ہے۔ اس سلسلے میں وہ دیال منتری سے مشورہ کرتا ہے۔ منتری گاؤں میں پھیلی خشک سالی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اعلان کرتا ہے کہ دیوی اماں کو خوش کرنے کے لئے انسانی قربانی دینا ضروری ہے۔ اگر ڈنگری دیوی کو اپنا سر پیش کرے تو دیوی خوش ہو کر بارش برسا دے گی۔ ڈنگری اپنے خلاف ہونے والی سازش کو جانتے ہوئے بھی اپنا سر دیوی کو پیش کرنے پر راضی ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے لئے وہ دو شرائط رکھتا ہے۔ پہلی یہ کہ اچھوتوں کے گلے سے لٹکے ڈھول اتارنے کی انہیں اجازت ہو اور دوسری اچھوتوں کو گاؤں کے سب کنوؤں سے ہر وقت پانی بھرنے کی اجازت دی جائے۔ راجہ ان شرائط کو مان لیتا ہے۔ ڈنگری گانا گاتا ہے اور سپاہی اس کا سر کاٹ دیتے ہیں۔

کہانی سننے والوں میں سے ایک جذباتی نوجوان وینکٹیش بوڑھے سے کہانی روکنے کے لئے اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے ''نہیں ـــــ کہانی کا انجام یہ ہو کر ڈنگری کا گیت لوگوں کے غضب کو بھڑکا دیتا ہے اور وہ راجہ کو مار دیتے ہیں۔'' ایک اور نوجوان مشورہ دیتا ہے''۔ ڈنگری کے گیت کے بعد لوگ بغاوت کر دیتے ہیں۔ راجہ کے سپاہی ڈنگری کا سر کاٹتے ہیں اور عوام راجہ کا سر کاٹ لیتے ہیں۔''

یہاں ڈرامہ نگار ایک سوال چھوڑ جاتا ہے۔ 'کیا قتل و غارت ہی ہر مسئلے کا حل ہے؟'، اگر نہیں تو ہمیں چاہیئے کہ گزشتہ کل اور آج کی کہانی کو آئندہ کل کی کہانی نہ بننے دیں۔

منگل شب کی محفل موسیقی

شاہد خاں کا سرود وادن

۲۲ رجولائی رات دس بجے

شاہد خاں مشہور سرود فنکار استاد عمر خاں کے صاحبزادے ہیں جن کا تعلق شاہ جہاں پور کے مشہور سرودیہ گھرانے سے ہے ابتدا میں شاہد خاں نے اپنے دادا استاد سخاوت حسین خاں سے پائی اور بعد میں والد اور اپنے چچا استاد اشتیاق خاں اور الیاس خاں سے تربیت پائی۔ لکھنؤ دور درشن کے اسٹاف

آرٹسٹ شاہد خاں اپنے فن کا مظاہرہ ملک کی مختلف محفلوں میں کر چکے ہیں۔

راگوں، لے کاری اور تانوں کی پیشکش ایک انفرادی حیثیت رکھتی ہے۔

دور درشن

دہلی

چینل ۴ تصویر 62.25 MHz
بینڈ ۱ آواز 67.75 MHz

مسوری

چینل 10 تصویر 210.25 MHz
بینڈ 3 آواز 215.75 MHz

روزانہ ٹیلی کاسٹ ہونیوالے پروگرام

شام

۶-۰۰ افتتاحی اعلانات (سوائے اتوار)
۶-۵۵ پروگراموں کا خلاصہ اور گمشدہ افراد سے متعلق اعلانات (سوائے ہفتہ)
۷-۰۰ کرشی درشن (پیر، منگل، بدھ اور جمعہ)

نیشنل پروگرام

رات

۸-۴۰ سماچار (ہندی خبریں)
۹-۳۰ دی نیوز (انگریزی خبریں)
۱۱-۴۵ نیوز ہیڈلائن (ہفتہ کو ۱۲-۲۰ پہر)

اسکول ٹیلی کاسٹ

پیر

صبح ۹-۰۰ اور دوپہر ۲-۳۵
سائنس (آٹھویں جماعت)
۹-۴۰ اور سہ پہر ۳-۱۵
انگریزی کا سبق (ساتویں جماعت)
۱۰-۱۵ اور سہ پہر ۴-۰۰ پرائمری اسکول کے لیے
۱۱-۱۰ اور سہ پہر ۴-۴۵ حساب (ساتویں جماعت)

منگل

صبح
۹-۰۰ اور دوپہر ۲-۳۵
انگریزی کا سبق (ساتویں جماعت)
۹-۴۰ اور سہ پہر ۳-۱۵ کیمسٹری (دسویں جماعت)
۱۰-۱۵ اور سہ پہر ۴-۰۰ پرائمری اسکول کے لیے
۱۱-۱۰ اور سہ پہر ۴-۴۵ حساب (ساتویں جماعت)

بدھ

صبح
۹-۰۰ اور دوپہر ۲-۳۵
حساب (آٹھویں جماعت)
۹-۴۰ اور سہ پہر ۳-۱۵ بائیلوجی (دسویں جماعت)
۱۱-۱۰ اور شام ۴-۴۵ سائنس (ساتویں جماعت)

جمعرات

صبح
۹-۴۰ اور سہ پہر ۳-۱۵
جغرافیہ (دسویں جماعت)
۱۰-۱۵ اور سہ پہر ۴-۰۰ پرائمری اسکول کے لیے
۱۱-۱۰ اور سہ پہر ۴-۴۵ سائنس (چھٹی جماعت)

جمعہ

صبح
۹-۴۰ اور سہ پہر ۳-۱۵
فزکس (دسویں جماعت)
۱۱-۱۰ اور سہ پہر ۴-۴۵ انگریزی کا سبق
(چھٹی جماعت)

یو جی سی پروگرام

دوپہر ۱۲-۴۵ اور شام ۴-۴۰
اعلیٰ تعلیمی پروگرام (روزانہ سوائے اتوار اور تعطیلات)

دہلی I

اتوار

صبح
۹-۳۰ سرب سانجھی گوربانی / کارٹون فلم / پربھاتی
۹-۴۵ یوگ اور سواستھ
۱۰-۰۰ مکی اینڈ ڈونالڈ
والٹ ڈزنی کی کارٹون فلم
۱۰-۲۵ ایک، دو، تین، چار (ہندی سیریل)
۱۰-۵۰ سیکریٹس آف دی سی (انگریزی سیریل)
۱۱-۴۰ پنکھوں سے پنجوں تک
(ہندی سیریل)
۱۱-۵۵ لینا دینا (ہندی سیریل)
دوپہر
۱۲-۳۵ چھوٹی بڑی باتیں (ہندی سیریل)
۱-۰۰ خزانہ (ہندی سیریل)
۱-۳۰ کہاں گئے وہ لوگ
آسمان کیسے کیسے (ہندی سیریل)
۲-۰۰ علاقائی زبان کی انعام یافتہ فیچر فلم (I اتوار)
علاقائی زبان کی فیچر فلم
(II، III اور V اتوار)
۴-۰۰ ورلڈ آف اسپورٹ
شام
۵-۰۰ آزادی کی کہانی
۵-۱۵ دادا، دادی کی کہانی / وکرم اور بیتال
۵-۴۵ ہندی فیچر فلم
۷-۳۰ اندھی گلیاں
نشیلی ادویات کے استعمال کے خلاف ہندی پروگرام
۹-۰۰ ایر ہوسٹس (ہندی سیریل)
۱۰-۰۰ فوکس: حالات حاضرہ پر انگریزی پروگرام
۱۰-۵۵ کوی اور کویتا / ثقافتی پروگرام

پیر

شام ۶-۰۰ بچوں کے لیے
۶-۱۵ مہلاؤں کے لیے
۶-۳۵ جان ہے جہان ہے (صحت سے متعلق)
۷-۳۰ سنند سماچار / سنگیت
۷-۴۰ ہندی ناٹک
۹-۰۰ نکڑ (ہندی سیریل)
۹-۵۰ سچ کی پرچھائیں I اور III
چترمالا II اور IV
آروہی V
۱۰-۲۰ چھپتے چھپتے (ہندی سیریل)
۱۰-۴۵ رقص کا نیشنل پروگرام / بیلے
۱۱-۱۵ پارلیمنٹ نیوز / اسپکٹرم

منگل

شام
۶-۰۰ بچوں کے لیے
۶-۱۵ وشو درشن
۶-۳۵ (I، III اور V منگل)
ہمارے کامگار، ہمارے ادیوگ
(II اور IV منگل)

'آج کا فٹ بال'
کے زیرعنوان نشر ایک مذاکرے
کے شرکائے (دائیں سے)
نور محمد، اولمپئن
عزیز الدین، اولمپئن
اسلم فرشوری
ایس ایس حکیم، انٹرنیشنل ریفری اور
اے۔ پیٹرک، فٹ بال کھلاڑی۔
'ان سے ملیے' پروگرام میں
پی سی گپتا، چیرمین
نیشنل منرل ڈولپمنٹ کارپوریشن
کے ساتھ احمد جلیس (بائیں)
گفتگو کرتے ہوئے۔

'ان سے ملیے' میں اے کے گوئل، کلکٹر نلگونڈہ کے ساتھ انٹرویو نشر ہوا۔
ایس بھٹاچاریہ (بائیں) کلکٹر محبوب نگر کے ساتھ ایک انٹرویو 'نیرنگ' میں نشر ہوا۔

آکاشوانی حیدرآباد
اردو پروگرام کی جھلکیاں

رتن کمار سنہا

روہنی سویٹ

ونے کمار

مادھوری

گیشو النزاگی

آکاشوانی نجیب آباد

کی جانب سے گذشتہ دنوں سگم سنگیت کی ایک محفل کالاگڈھ میں مدعو سامعین کے روبرو منعقد ہوئی۔ پیش ہیں اس پروگرام کے فنکاروں کی تصاویر ۔

جمیل احمد

پریم پولائی

رئیس صابری وساتھی

Published by the Director General, All India Radio, at the Office of the Chief Editor, Akashvani Group of Journals, PTI Building, II floor, Sansad Marg, New Delhi-110001.
Printed by the Manager, Govt. of India Photo Litho Press, Faridabad.

آواز

اشاعت کا ۴۸ واں سال

قیمت 50 پیسے

آل انڈیا ریڈیو، دوردرشن کے پروگرام، معلوماتی مضامین، دلچسپ افسانے و منظومات

موسیٰ مجروح

ایک ہی گھر میں رہے پھر بھی پرائے جیسے
ساتھ رہ کر بھی الگ چلتے ہیں سائے جیسے

اس طرح ہنستا ہے رہ رہ کے مرے حال پہ وہ
زخم دھو دھو کے نمک کوئی لگائے جیسے

پھول سی بات بھی اب ایسی گراں لگتی ہے
شیشۂ دل پہ کوئی تیشہ چلائے جیسے

اب کی جاتے ہوئے اس طرح کیا اس نے سلام
ڈوبنے والا کوئی ہاتھ اٹھائے جیسے

سوئی راتوں میں بھی اکثر یہ گذرتا ہے گماں
آکے چپکے سے کوئی مجھ کو جگائے جیسے

کون اس خلوتِ بے رنگ میں آیا مجروح
پنکھڑی پھول کی ہونٹوں میں دبائے جیسے

سوز سکندرپوری

پڑاؤ عارضی ہے صرف رات بھر کے لئے
ہم آسماں سے اتارے گئے سفر کے لئے

جو کائنات کو تابندگی عطا کر دے
ترس رہے ہیں اندھیرے اسی سحر کے لئے

ہم نے اپنے خون سے جتنے دیئے جلائے تھے
اٹھا کے لے گئے سب لوگ اپنے گھر کے لئے

کھدا ہے اس پہ مرا نام آئینے کی طرح
بچا کے رکھے ہیں پتھر جو میرے سر کے لئے

تمام عمر مجھے خالی سیپیاں ہی ملیں
میں ناپتا رہا گہرائیاں گہر کے لئے

گرے گا خود ہی وہ اک روز منھ کے بل آکیں
کنواں جو کھود رہا ہے بشر بشر کے لئے

مری جبیں پہ ہے محفوظ ایک ہی سجدہ
اسے سنبھال کے رکھا ہے ان کے در کے لئے

نہ جانے سوز بلاوا تمہارا کب آئے
کمر کسے ہوئے بیٹھے رہو سفر کے لئے

خورشید جمال

رات سہمی سی چاند مدھم سا
درد کیوں ہو چلا ہے کم کم سا

اس نے سن لی ہے کیا صدا میری
کوئی سایہ ہے دور مبہم سا

آرزوئیں سمٹ کے رہ جائیں
جب ہو تیرا مزاج برہم سا

دیدۂ تر میں راز جلتے ہیں
چاند بھی آج کچھ ہے پرنم سا

کس نے دنیا کو الوداع کہہ دی
ہے فضاؤں میں تار شبنم سا

سوئے برسوں کے ساتھ ہولیں گے
کوئی نکلے نولے کے پرچم سا

ڈاکٹر اشفاق احمد اعظمی

جفا شعار وفا ناشناس ہے دنیا
کبھی تمہارے کبھی اپنے پاس ہے دنیا

بڑی خراب، بڑی بے وفا، بڑی ظالم
قدم قدم پہ مگر دل کی پیاس ہے دنیا

برس رہے ہیں مسلسل زمیں پہ مارِ سیاہ
زمانہ غیظ میں ہے بدحواس ہے دنیا

خدا ہی جانے کہ ہم قدموں کا ہو کیا عالم
سروں پہ سودا مگر آس پاس ہے دنیا

ہماری چشمِ بصیرت کا یہ کرشمہ ہے
ہزار پردے میں ہو بے لباس ہے دنیا

کوئی کتاب مکمل نہیں ہے کس کو پڑھیں
یہاں وہاں سے فقط اقتباس ہے دنیا

یہ چند غنچۂ مردہ کی داستان نہیں
ازل سے کشمکش یاس و آس ہے دنیا

لبوں کو کلمہ چومتا ملا اشفاق
مگر دلوں سے لگی بے ہراس ہے دنیا

ڈاکٹر غلام رسول مکرانی

یہ تجربے کے وہ ایسا سوال دیتا تھا
ہر ایک شخص کو مشکل میں ڈال دیتا تھا

وہ آکے چوستا آنکھوں کی کھڑکیوں سے مری
مجھے ہی میرے مکاں سے نکال دیتا تھا

عجب تضاد تھا اس کا سفید پوشوں کا
لہو کے رنگ کا ذوقِ جمال دیتا تھا

بہت سے کام تھے لیکن شریکِ زیست اپنا
ذرا سا چائے کا پانی ابال دیتا تھا

تحریر انجم

نہ کوئی دل یہاں اب دیا جلائے گا
تمہارا شہر اندھیروں میں ڈوب جائے گا

ہمیں نے پیار کے بدلے صلیب دی اس کو
ہمیں کو پھر وہ بچانے زمیں پہ آئے گا

زمین والوں نے گر حوصلہ دیا اس کو
وہ آسمان کے تارے بھی توڑ لائے گا

ہر ایک آدمی پتھر کا ہو چکا ہے یہاں
کسی کو اب نہ کوئی آئینہ دکھائے گا

تو اپنے ذہن کو کا غذیہ منتقل کر دے
کسی بھی وقت ترا جسم ٹوٹ جائے گا

نہ کوئی دیا، کوئی نغمہ نہ کوئی گل انجم
ہمارے دل کے خرابے میں کون آئے گا

اس بار گورکھپور سے غزلیں

آواز
آل انڈیا ریڈیو کے پروگرام

چیف ایڈیٹر — اوم پرکاش بھریوال — ٹیلی فون ۳۸۲۲۴۹
ادارت
سراج احمد — ۳۸۲۲۵۴
ھومہندر سنگھ وِج
اسسٹنٹ بزنس منیجر — ڈی کے پوری — ۳۸۲۳۵۱
تار کا پتہ LISTENER

نئی دھلی — ۱۶/ اگست ۱۹۸۳ء بمطابق ۲۵/ شراون ۱۹۰۵ شاکا — جلد ۴۸، شمارہ ۱۶

اس شمارے میں

ایٹمی توانائی کے اثرات	سید مرتضٰی علی	۳
ہندوستانی سماج کی تشکیل میں صوفیا کرام کا حصہ	محمد الیاس قدوسی	۴
آج کا فن رقص	اظہار اثر	۶
کپل وستو	موسی مجروح	۸
فلمی صحافت	جلیل بازید پوری	۹
میک اپ	کے پی سکسینہ	۱۰
بھارت کا وقار بدیشوں میں	بلراج پوری	۱۲
مطیع سلطانی	سید مقیت الحسن	۱۳
رامائن	ڈاکٹر سید اسد علی	۱۴
اردو مثنوی میں محبوب کا تصور	سیدہ شان معراج	۱۵
ابن سینا	ڈاکٹر محمد صابر خاں	۱۶
گھریلو مکھی	عبدالمعز شرر	۱۷
گوشت خور پودے	سید ارشد حسین	۱۸
شہر شہر	ڈاکٹر جاوید نہال	۲۰
روشنی	بشیر شاہ	۲۱
نیک مشورہ	قمر شاہ خاں	۲۲
سلسلہ	علی امام	۲۳
وہ اور میں	مناظر عاشق ہرگانوی	۲۴
لمحے درد کے	سید احمد قادری	۲۸

غزلیات:
نسیم مظفر پوری	۹
سلطان اختر	۱۰
کرشن ادیب	۱۲
معصوم تاجپوری	۱۴
نجیب رامش	۱۸
جلیس نجیب آبادی	۱۹
عباس انصاری	۲۵
رحمت امروہوی	۳۷
سورج تنویر	۴۳
خلیل املینری	۴۶

قیمت

فی کاپی	۵۰ پیسے
سالانہ	۱۰ روپے
دو سال	۱۸ روپے

(اندرون ملک ڈاک خرچ بذمہ ادارہ)

ایٹمی توانائی کے اثرات

سید مرتضٰی علی

آج دنیا میں ہر تیسرا فرد ہر روز کسی نہ کسی طرح خواہ مباحثہ کی دوستانہ محفلیں ہوں یا اخبارات کے کالم، کالج کا کلاس ہو یا ریڈیو ٹیلی ویژن اور سینما جیسی تفریحات اس لفظ 'ایٹمی توانائی' سے ضرور دوچار ہوتا ہے اور لطف یہ ہے کہ ہر ایک کے ذہن میں ایٹمی توانائی سے متعلق ایک مخصوص تصور نے گھر کرلیا ہے۔ کچھ لوگوں کے تصور میں لفظ ایٹم کے آتے ہی ایک تباہ کن مہلک بے لگام طاقت کا تصور ابھرتا ہے۔ اور وہ ہیروشیما اور ناگاساکی کے علاوہ کسی دوسری طرف ایٹمی توانائی کو منسوب ہی نہیں کرسکتے جبکہ کچھ لوگ ایٹمی توانائی کو ایک عظیم قوت، توانائی کا لامحدود خزانہ تصور کرتے ہیں اور نسخۂ کیمیا سمجھتے ہوئے یہ سوچتے ہیں کہ جس قوم یا ملک کو اس پر دسترس ہوجائے تو پھر وہ ملک یا قوم عظیم ترین ہوجائے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دونوں تصورات اپنی اپنی جگہ جزوی طور پر درست ہیں۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ ایٹمی توانائی کے اثرات پر گفتگو کرنے سے پہلے چند بنیادی باتوں پر ایک طائرانہ نظر ڈال لی جائے۔

ایٹم کیا ہے؟ دراصل کسی بھی چیز کا وہ چھوٹے سے چھوٹا ذرّا جو معمولی طریقوں سے ناقابلِ تقسیم ہو اور اس حد تک لطیف ہو کہ آزاد نہ رہ سکے ایٹم کہلاتا ہے۔ یہ ایٹم بھی چند نہایت چھوٹے چھوٹے اجسام کا ایک نظام ہوتا ہے اور اس کا نمونہ نظامِ شمسی سے بہت مطابقت رکھتا ہے۔ جس طرح ہمارے یعنی زمینی نظام شمسی میں سورج کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور اس کے چاروں طرف سیارے جن میں ہماری زمین بھی شامل ہے، گردش کرتے ہیں ٹھیک اسی طرح ایٹم کا ایک مرکزی جسم ہوتا ہے جس کو نیوکلیس کہتے ہیں۔ اس نیوکلیس کے چاروں طرف الیکٹران گردش کرتے رہتے ہیں۔ ایٹم جو کہ کسی بھی عنصر کا سب سے حقیر ذرہ ہے اس کی اپنی ایک دنیا ہے۔ ایک عرصہ تک تو یہی تصور تھا کہ اس میں صرف الیکٹران اور پروٹان ہوتے ہیں لیکن اب تک بہت سے ذرّات مثلاً پازیٹران، اینٹی پروٹان، فوٹان، میزان، پائی میزان وغیرہ کا پتہ لگایا جاچکا ہے۔ کسی ایٹم میں ان میں سے چند ذرّات تو مرکز یعنی نیوکلیس میں ہوتے ہیں اور چند اپنے مدار پر گردش کرتے رہتے ہیں۔ یہ سب کے سب آپس میں توانائی کے بندھنوں میں جکڑے رہتے ہیں۔ جب مخصوص طریقوں سے یہ بندھن توڑ دیئے جاتے ہیں تو قوت یا توانائی کا ایک عظیم سیلاب آزاد ہوتا ہے اور اسی کو ایٹمی توانائی کا نام دیا جاتا ہے۔

دراصل ۱۹۰۵ء میں مشہور سائنسداں آئنسٹائن نے ثابت کیا کہ مادّہ کو توانائی میں اور توانائی کو مادہ میں تبدیل کیا جاسکتا ہے اور اس نے مشہورِ زمانہ فارمولا $E=mc^2$ پیش کیا۔ اس فارمولے کے مطابق اگر مادّہ کو توانائی میں تبدیل کیا جائے تو حاصل توانائی کی مقدار، اس چیز کی مقدار اور روشنی کی رفتار کے اسکوائر کے حاصل ضرب کے برابر ہوگی۔ سیدھے سادے

الفاظ میں یوں سمجھ لیجیے کہ اگر کسی عنصر یعنی دھات وغیرہ کے ایک گرام مقدار کو توانائی میں بدلیں تو اتنی توانائی حاصل ہوگی جتنی کہ دس لاکھ کلوگرام کوئلے کو جلانے سے حاصل کی جاتی ہے اور اس توانائی سے ایک ریل گاڑی ستر کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے مسلسل دس سال تک چلائی جاسکتی ہے۔

۱۹۳۹ء میں جرمنی کے دو سائنسداں حضرات اوٹو ہان اور اسٹراسمان نے ایک اہم دریافت کی۔ انھوں نے دیکھا کہ جب یورینیم کے ایٹم پر نیوٹران کی بوچھار ماری جاتی ہے تو اس کا نیوکلیس دو برابر حصوں میں تقسیم ہوجاتا ہے اور یہ دونوں حصے مخالف سمتوں میں بڑی تیزی سے بھاگتے ہیں اور اس عمل میں دوسرے نیوٹران بے پناہ قوت کا اخراج کرتے ہیں۔ نیوکلیس کے اس طرح دو مساوی حصوں میں تقسیم ہونے کو شق المرکز یا نیوکلیر فشن کہتے ہیں۔ ایک گرام یورینیم کے ٹوٹنے سے اتنی توانائی کا اخراج ہوتا ہے جتنا کہ بیس ٹن ٹی۔ این۔ ٹی ڈائنامائٹ کے جلانے سے ہوتا ہے۔ مرکز یا نیوکلیس کے ٹوٹنے سے اندر رکھی یورینیم یا کسی بھی مادہ میں پھر شق ہونے کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ایٹم بم کی یہی بنیاد ہے۔

تو یہ تو رہی توانائی کے ذریعہ کی بات لیکن ایک بات قابل غور یہ ہے کہ یہ توانائی جو کہ اتنی بڑی مقدار میں آزاد ہو رہی ہے اتنی ہی بے لگام ہوتی ہے کیونکہ اس پر قابو پانا بہت ہی مشکل کام ہے اور اگر اس پر قابو نہ حاصل ہو تو اس کی تباہ کاری ہیروشیما اور ناگاساکی کی یاد تازہ کرتی ہے۔ سائنسداں حضرات کا یہ عظیم کارنامہ ہے کہ انھوں نے توانائی کے اس اخراج پر قبضہ حاصل کرلیا ہے اور اپنی ضرورت کے لحاظ سے ہی کنٹرول کرکے توانائی نکلنے دیتے ہیں۔ یہ کام ایٹمی ری ایکٹر میں ہوتا ہے۔ اسی توانائی کے بے قابو اخراج کو ایٹم بم کہا جاتا ہے۔

ایٹم بم میں یورینیم ۲۳۵ کے دو ٹکڑے کچھ دوری پر رکھ دیئے جاتے ہیں اور ضرورت کے وقت دھماکہ خیز اشیاء کے دھکے سے ان کو ملا دیا جاتا ہے ایک ایٹم بم پھٹنے سے لاکھوں ڈگری سیلسیس توانائی کا اخراج ہوتا ہے۔ یہ گرمی اتنی شدید ہوتی ہے کہ ڈھائی کلومیٹر دور رکھی لکڑی تک جل کر راکھ میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ ایک کلومیٹر کے دائرے کی تمام عمارات بہ آسانی نیست و نابود ہوجاتی ہیں۔ جل سکنے والی اشیاء اگر کئی کلومیٹر دوری پر بھی رکھی ہوں تو ان میں آگ لگ جاتی ہے۔ اس عمل سے آزاد ہونے والی گاما شعاع ایک کلومیٹر کے دائرے میں کھڑے انسان کو ختم کر دیتی ہے۔ اس عمل میں بانفشی شعاع ایکسریز اور گاماریز کا ایک جھونکا پیدا ہوتا ہے جسے ہوا سیکڑوں میل لے جاتی ہے اور تباہ کاری کا دائرہ بھی اسی حساب سے وسیع تر ہو جاتا ہے۔

اب ذرا ایٹم بم برائے تعمیر کی بھی بات کرلی جائے۔ ایٹمک ری ایکٹر میں ایٹمی توانائی پر قابو رکھا جاتا ہے۔ اس دور میں جبکہ توانائی کا بحران منہ کھولے تمام دنیا کو نگلنے کے لیے تیار کھڑا ہے تو اتنی عظیم اور لامحدود و لامتناہی توانائی کے خزانہ پر اختیار وقت کی اہم ترین ضرورت بھی ہے۔ ایٹمی توانائی پر قبضہ کے لیے کیڈیم دھات کی چھڑوں سے امداد لی جاتی ہے عمل کی رفتار کو مدھم کرکے تھوڑی تھوڑی توانائی حسب ضرورت حاصل کر لیتے ہیں۔ ری ایکٹر میں یورینیم جو کہ ایندھن کی شکل میں استعمال ہوتا ہے، بہت آہستہ آہستہ ختم ہوتا ہے۔ اس توانائی سے بجلی تو اب بھی پیدا کی جارہی ہے۔ اور وہ دن دور نہیں کہ چاند پر جانے والے راکٹ، حد یہ ہے کہ کاریں اور ریل گاڑیاں بھی اس توانائی سے چل سکیں گی۔ ابھی کمی صرف یہ ہے کہ جو ضرر رساں شعاعیں نکلتی ہیں ان کو روکنے کے لیے دو میٹر موٹی کنکریٹ کی دیواریں ضروری ہوتی ہیں اور اسی لیے کاریں وغیرہ نہیں چلائی جاسکتی ہیں۔ اب یہ ہوتا ہے کہ ایٹمی بھٹی سے جو گرمی پیدا ہوتی ہے اس کو ٹھنڈا کرنے کے لیے پانی کا استعمال ہوتا ہے۔ یہ پانی اس عمل میں بھاپ میں تبدیل ہو جاتا ہے اور بھاپ ٹربائیں گھما کر بجلی پیدا کرتی ہے۔

ایٹمی توانائی کو عام توانائی کی طرح استعمال کرکے ریل گاڑیاں، کاریں، کارخانے سب کچھ چلانا ممکن ہے اور اس عمل میں دھواں وغیرہ بھی پیدا نہیں ہوتا جس سے کہ ماحول آلودہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جو کام ہزاروں ٹن کوئلہ اور لاکھوں لیٹر پٹرول کرتا ہے وہی ایک چمچہ یورینیم کرتا ہے۔ اس عمل سے ریڈیو آئسوٹوپ پیدا کیے جاتے ہیں جن کی اہمیت علاج، زراعت، علم الابدان وغیرہ میں بہت زیادہ ہے۔ خصوصاً کوبالٹ، آیوڈین، کاربن، سوڈیم، سلفر یعنی گندھک اور فاسفورس کے آئسوٹوپ زیادہ کارآمد ہیں۔ ریڈیو ایکٹو کوبالٹ اور آیوڈین کینسر کے علاج میں استعمال کیے جاتے ہیں۔

ہندوستان میں اس وقت تین ری ایکٹر ہیں۔ اپسرا اگست ۵۶ء سے زرلینا ۱۹۶۱ء سے سائرس ۷۶ء سے کام کر رہا ہے۔ پورنیما تیز رفتار ری ایکٹر ہے جو کہ ۷۲ء سے کام کر رہا ہے۔ ہم اس وقت ایٹمی توانائی سے بجلی، آئسوٹوپ وغیرہ سب کچھ بنا رہے ہیں۔

ایٹمی توانائی کا ایک رُخ ریڈیو ایکٹو عناصر بھی ہیں جن کی امداد سے بہت سے تعمیری کام ممکن ہیں۔ مثلاً ریڈیو کاربن سے اشیاء کی عمر دریافت کی جاتی ہے۔ ایکسریز کی اہمیت سب پر عیاں رہی ہے۔ اس سے شعاعی علاج یعنی ریڈیو تھراپی ممکن ہو سکی ہے۔ یہ شعاعیں جب مریض خلیوں پر گرتی ہیں تو ان کو ختم کر دیتی ہیں۔ اور مرض محدود ہو جاتا ہے۔ کینسر جیسے موذی اور مہلک مرض کا یہ بہترین علاج ہے۔

ایٹمی توانائی واقعی توانائی کا لامحدود و قیمتی خزانہ ہے۔ کل تک یہ منہ زور اور بے لگام گھوڑا شیشہ گری عالم میں تباہی مچائے ہوئے تھا، آج انسان نے اس کو قابو میں کرلیا ہے اور انسان کے اشارے پر محیر العقول کارنامے انجام دے رہا ہے۔ عالم انسانیت کو بجا طور پر مستقبل سے امید ہے کہ ایٹمی توانائی مستقبل کو حسین تر اور آرام دہ بنائے گی۔ توانائی کے دوسرے ذخائر مثلاً پٹرولیم کوئلہ وغیرہ جبکہ اختتام پذیر ہیں، ایٹمی توانائی کبھی نہ ختم ہونے والے ذریعہ توانائی کی شکل میں ہمارے ساتھ رہتی دنیا تک رہے گی۔

(رام پور سے)

اسلامی دنیا

کا جس وقت سے ہندوستان کے ساتھ رابطہ قائم ہوا۔ اس زمانے سے اسلامی علماء و صوفیاء نے اپنی سرگرمیاں شروع کردی تھیں۔ مورخین کے مطابق ہندوستان میں وارد ہونے کے تین راستے تھے۔ سمندری راستہ۔ خشکی کا راستہ ایران سندھ کے ذریعے اور تیسرا خیبر کا راستہ انھیں راستوں ہندوستان میں اسلام کی آمد ہوئی۔ اس وقت صوفیائے کرام اور درویش صفت انسان عرب تاجروں اور عرب فوجوں کے ہمراہ ہندوستان آئے!!

مذہب اسلام پہلے جنوبی ہندوستان میں ملابار کے ساحلی علاقوں میں تاجروں کے ذریعے پھیلا انھیں ابتدائی ایام میں خانہ بدوشانہ زندگی بسر کرنے والے صوفیائے کرام نے اسلام کی اشاعت میں اہم رول ادا کیا۔ دکن میں مسلم سیاسی تسلط سے قبل ہی مسلمان آباد تھے۔ ابتدائی مسلم باشندوں کا تعلق عرب کے نوایت قبیلہ سے تھا۔ آٹھویں صدی عیسوی میں کوکن کے علاقے میں مسلمان آبادی تھی۔ ابن بطوطہ نے دکن میں ملابار۔ ٹراونکور اور کرناٹک کے علاقوں میں مسلم اور مسلم آبادیوں کا ذکر بطور خاص کیا ہے۔

تصوف کے تمام خانوادوں میں چشتیہ سلسلہ ہندوستان میں سب سے زیادہ مقبول ہوا اس سلسلے کو فرید نے منظم کیا ہے حضرت نظام الدین نے معراج کمال تک پہنچایا۔ دہلی میں ان کی خانقاہ نصف صدی سے زیادہ ارشاد و تلقین کا مرکز اور رشد و ہدایت کا سرچشمہ بنی رہی۔

جس وقت محمد تغلق نے دیوگری کو اپنا دارالخلافہ بنایا اس سے دکن میں صوفی سلسلہ کو کافی تقویت ملی۔ حضرت برہان الدین غریب کو دکن اور مہاراشٹر کے لیے منتخب کیا گیا۔ اکابر صوفیاء، علماء اور شعراء میں مولانا فخر الدین زرّادی، امیر حسن سنجری، سید یوسف والد سید گیسو دراز، خواجہ حسین۔ اور خواجہ عمر یہ سب دیوگری یعنی دولت آباد تشریف لے آئے ان سبھوں نے دکن کی صوفی تحریک میں زبردست رول ادا کیا۔ حضرت برہان الدین غریب نے دولت آباد اور خلد آباد کے علاقے میں تقریباً ۲۸ برس قیام فرمایا۔ غلام علی بلگرامی آزاد نے انھیں دکن کے صاحب ولدیت کے نام سے یاد کیا ہے۔ صوفی، سنتوں نے سماجی، تمدنی، ادبی و مذہبی اور اخلاقی طور پر نہایت اہم کردار ادا کیا ہے ان صوفیوں نے تصوف کے ذریعے عام لوگوں سے رابطہ قائم کیا۔ شمالی اور جنوبی ہندوستان میں جو سماجی اور لسانی الجھنیں تھیں وہ دور ہوگئیں۔ روحانی سلسلوں کے بدولت ہی ہندوستان کے دونوں حصے ایک دوسرے سے قریب تر ہوئے۔ یہ ہندوستان کی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز تھا۔ مختلف مذہبوں اور تہذیبوں میں آپسی میل جول بڑھا ایک دوسرے کو

وستانی سماج کی تشکیل میں صوفیائے کرام کا حصہ

محمد الیاس قدوسی

کھنے کی کوشش کی گئی بغض وتعصب، نفرت وکینہ دور ہوا۔ صوفیاء نے اپنے کو عوامی طبقے سے منسلک رکھا ان کی خوشی اور غم میں برابر کے شریک رہے۔

صوفیائے کرام کی خانقاہیں مختلف مذاہب، مختلف زبان بولنے والوں کی آماجگاہ بن گئیں۔ اس طرح مختلف مذہبوں اور زبانوں کا آپسی لین دین ہوا۔ ان کی خانقاہیں بنی نوع انساں کی ہم آہنگی کا ذریعہ بنیں۔ لوگ ایک دوسرے کے قریب آئے۔ ذات پات اور رنگ ونسل سے ہٹ کر تمام بنی نوع انساں کے لیے صوفیاء نے عزت و وقار چاہا ان کی عوامی ہمدردی خدمت خلق ان تمام باتوں نے صوفیاء کو سماج میں ایک اہم مقام دیا۔ ابتدا میں ان صوفیائے کرام کو غیر مسلم ماحول میں کام کرنا تھا۔ ان کی عملی زندگی غیر مسلموں کے بہترین نمونہ تھی اس لیے غیروں کا متاثر ہونا لازمی تھا۔ عملی زندگی میں صوفیوں اور سادھو سنتوں میں کافی مشابہت رہی ہے۔ ایک طرف پیرومرشد کا رشتہ ہے تو دوسری طرف گرو اور چیلے کا۔

سلاطین خود بھی صوفیائے کرام کے آستانوں پر برابر جھکتے رہے۔ شاید ہی کوئی حکمران ایسا گزرا ہو جس نے کسی شیخ وقت کے سایہ عاطفت میں پناہ نہ لی ہو۔ یا ان سے فیوض وبرکات حاصل نہ کیے ہوں — مختلف حکومتوں نے اپنی پائیداری اور مضبوطی کے لیے صوفیائے کرام سے دعاؤں کی بھیک مانگی۔ ان نیک حضرات نے بادشاہوں کو روحانی اور اخلاقی تعاون دیا بادشاہوں نے عوام کو اپنا ہمنوا بنانے کے لیے صوفیاء کا ساتھ مانگا اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عوام ان بزرگوں کے کتنے گرویدہ تھے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے ابتدائی دور حکومت میں اتنے جلیل القدر صوفیاء گزرے ہیں کہ وہ خواص وعوام دونوں کے دلوں پر چھائے رہے۔ ان کی درویشی میں شہنشاہی

تھی۔ ان کی قلندری میں شان سکندری تھی۔ اس لیے وہ عوام وخواص کے مرجع بن گئے تھے۔ صوفیاء ظواہر کی پابندی میں سختی کے بجائے عوام میں اخلاقی اور باطنی روح پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے صوفیاء نے سلاطین کو خلق اللہ کی بلا تفریق مذہب وملت حاجت برآری اور عدل پروری پر زیادہ سے زیادہ زور دیا۔

حضرت نظام الدین اولیاء خدا کی کسی مخلوق سے عناد رکھنا طریقت کے خلاف سمجھتے تھے۔ صوفیائے کرام نے اپنے مخالفوں اور دشمنوں کے ساتھ جو حسن سلوک کیا وہ انسانی تاریخ کی عجیب وغریب مثالیں ہیں تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ سلطان فیروز تغلق جب تخت نشیں ہوا تو حضرت نصیر الدین چراغ نے سلطان کو پیغام بھیجا کہ آپ یہ وعدہ کریں کہ خلق اللہ کے ساتھ انصاف کریں گے ورنہ ان بیکس ہندوں اور غیر مسلموں کے لیے اللہ سے دوسرا حکمراں طلب کیا جائے۔

صوفیاء کرام نے خدمت خلق اللہ اور عدل پروری کی جو تعلیم دی اور خود یہاں کے غیر مسلموں کے ساتھ ان کا جو کریمانہ اور روادارانہ اخلاق رہا اس سے سلاطین وصوفیاء دونوں اپنے اپنے حلقے کے حکمراں تھے لیکن ان دنیاوی اور روحانی حکمرانوں کی زندگی میں بڑا فرق تھا۔ صوفیائے کرام لوگوں کے دلوں پر حکمرانی کرتے تھے اس لیے ان کی حکومت سلاطین کی حکومت سے زیادہ مقبول ہوئی اس سے بڑھ کر اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ بادشاہت خود فقیری کی رہین منت رہی ہے۔ جنگوں اور مہموں میں سرخروئی کے لیے بھی انہیں فقیروں کی دعا چاہئی ہے۔

ایک دفعہ حضرت نظام الدین اولیاء کی خانقاہ میں ایک ملاقاتی آیا۔ دروازے پر کھڑا رہا۔ اس سے قبل الغ خاں (یعنی محمد بن تغلق) خانقاہ سے روانہ ہوچکا تھا۔

شیخ نے اپنے خادم سے فرمایا۔ ایک بادشاہ جاچکا اور دوسرا بادشاہ دروازے پر منتظر کھڑا ہے۔ اسے اندر بلاؤ۔ حضرت نے دکن میں اس کے روشن مستقبل کی پیشین گوئی کی۔ یہ ملاقاتی مستقبل میں ہونے والا بادشاہ بہمنی خاندان کا بانی تھا۔

روادار اور وسیع القلب علماء اور صوفیاء کو عام طور سے نظر انداز کر دیا جاتا ہے جو ہندوں کے مذہب اور علوم وفنون سے پوری دلچسپی رکھتے تھے اور اپنے ہم مذہبوں کو ان کے مطالعے کے لیے تیار کرتے رہے حضرت بندہ نواز گیسو دراز بسا اوقات کٹر ملاؤں پر سخت تنقید کیا کرتے تھے وہ ان کے متشدد مزاج کے مخالف تھے آپ ان لوگوں کے بھی مخالف تھے جو مختلف مذاہب اور زبان کے میل جول میں مانع ہوتے آپنے ہندو دھرم کا مطالعہ کیا تھا اور سنسکرت زبان سے بخوبی واقف تھے آپنے دکن میں لوگوں کی سماجی و مذہبی زندگی پر زبردست اثر چھوڑا ہے۔

سید محمد غوث گوالیاری، ہندو مسلم دونوں کے ماہر تھے۔ کئی برس آپ نے ہندو جوگیوں اور سنتوں کے ساتھ چنار کے پہاڑی علاقوں میں گزارے۔ ہندوں کے تصوف پر ایک کتاب "امرت کنڈ" کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ ہندو اصولوں کو اپنے مسلم صوفیوں کے سامنے پیش کیا۔ مشہور موسیقار تان سین ان کے بڑے معتقد تھے۔ ان کی خانقاہ میں ہندو اور مسلمان ہر ایک یکساں طور پر پناہ ملتی تھی ہندوں کے ساتھ ان کا برتاؤ بڑا فراخ دلانہ تھا۔

مسلمانوں کی طرح ہندوں میں بھی اصلاحی تحریکیں شروع ہوئیں، شمالی ہند میں جے دیو۔ میرا بائی، رامانند کبیر، مہاراشٹرا اور گجرات میں گیانیشور، بنگال میں چیتنیہ اور کرناٹک میں لنگایت کی تعلیمات یہ تھیں کہ سارے انسان خدا کی نظر میں یکساں ہیں اس لیے بلا امتیاز مذہب وملت، ہر طبقہ کے لوگوں کو ان تحریکوں میں شریک ہونے کی عام دعوت تھی۔ ان میں مسلمان بھی شریک ہوئے۔ ان تحریکوں سے مسلمانوں میں ہندی شاعری بھی مقبول ہوئی۔ قطبن نے مرگاوتی، منجھن نے مادھومالتی۔ ملک محمد جائسی نے پدماوت، عثمان نے چتراولی، شیخ نبی نے گیان دیپ، نور محمد نے اندراوتی اور فاضل شاہ نے پریم رتن لکھ کر ہندوں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے سے قریب تر لانے کی کوشش کی۔

اچھا سماج اور اچھی معاشرت صلحا وصوفیاء کے طفیل بنتی رہی۔ لوگ پروانہ وار ان کے گرد جمع ہوتے اور وہ لوگوں کے اخلاق کو، سیرت کو اپنے اعلیٰ کردار کے عملی نمونے سے سنوارنے کی بھرپور کوشش کرتے صوفی سنت ہندوستانی سماج میں یک جہتی، میل جول اور خیر سگالی چاہتے تھے وہ لوگ، جھگڑے عناد، تعصب، نفرت اور حسد سے پاک ایک صحت مند سماج کے قیام کی کوشش کرنا اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے تھے۔ پیار۔ ایمان

رواداری اور ہمدردی ہیں انھیں انسانی مسرتوں کی انتہا نظر آتی تھی عہد وسطیٰ کے تمام صوفیائے کرام کا طرز فکر تھا کہ سب انسان بنیادی طور پر ایک ہیں۔

اجمیر کے شیخ حمید الدین چشتی نے اپنے ایک مرید کو صرف اس لیے اپنی مریدی سے خارج کر دیا تھا کہ وہ مذہب کی ظاہری دیواروں کو اہمیت دیتا تھا اور کسی غیر مسلم کی روح کے اندر جھانکنے سے قاصر تھا سماج اور سوسائیٹی میں جو خرابیاں تھیں مثلاً کسی قسم کی تفریق، بھید بھاؤ، نیچ اونچ، چھوٹا بڑا انھیں صوفیائے کرام نے دور کیا۔ ان کا سلوک سب کے ساتھ یکساں تھا چاہے ہندو ہو یا مسلمان، آزاد ہو یا غلام۔ چھوٹا ہو یا بڑا۔ ان کی ساری ہمدردی اور چاہت سماج و طبقہ کے پسماندہ لوگوں کے لیے تھی۔ انھوں نے تمام لوگوں کے لیے خوشگوار سماجی ماحول پیدا کیا۔ دکن میں بالا پور، ایلچپور دولت آباد، برہان پور، گلبرگہ اور اورنگ آباد صوفیائے کرام کی سرگرمیوں کے مرکز تھے۔

ہندوستان میں صوفی تحریک کو اس وقت اور زیادہ روحانی اور اخلاقی تقویت ملی جب ان خدا ترس ہندوں نے اپنے آپ کو سیاست کے جھمیلوں سے دور رکھا۔ شیخ برہان راز الٰہ اس بات کے سخت مخالف تھے کہ صوفیاء سیاست سے کسی قسم کا تعلق رکھیں۔

شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کی بھرپور کوشش یہی تھی کہ عوام میں اخلاقی، سماجی اور روحانی انقلاب پیدا ہو۔ ان کے چند اصول تھے۔ ہر مذہب اور گروہ کے لوگوں سے صلح کل ہندوں اور غیر مسلموں سے سماجی ہم آہنگی، تصوف کے زمرے میں ہندوں کو بھی شریک کرنا۔ عوام کی رہنمائی ان کی اپنی زبان میں کرنا۔ ان کے پیر شاہ کلیم اللہ کی تلقین یہ تھی کہ اپنے فرصت کے اوقات اور ذاتی آرام و سکون کو انسانی خدمت اور خوشی کے لیے قربان کر دو۔

صوفیوں اور سنتوں کے ملفوظات اور مکتوبات پر اگر نظر ڈالی جائے تو اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ان کے بحث و مباحثے کا لب لباب یہ تھا کہ عوام میں اخلاقی قدریں بڑھیں، اور سماجی و اخلاقی اعتبار سے ایسا صحت مند ماحول پیدا ہو کہ تمام بنی نوع انسان کی خوشی و شادمانی کا سبب بنے۔

یہ مجلس نیک و بد را جائے دادند
بہ جائے کار خاص و عام کردند

(ناگپور سے نشر)

محمد الیاس قدوسی
ایپی گرافیکل اسسٹنٹ، آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا
اولڈ ہائی کورٹ بلڈنگ ــــ ناگپور ۱ . . . ۴۴

اپنی پہچان ـ کچھ نئے نشان

آج کا فن رقص

اظہار اثر

رقص ایک فطری جذبہ ہے۔ جب انسان پر خوشی کا جذبہ طاری ہوتا ہے تو لاشعوری طور پر وہ گھومنا، اچھلنا، کودنا شروع کر دیتا اسی کا نام رقص ہے۔ بچہ جب بہت خوش ہوتا ہے تو گھوم کر چکر لگا کر اپنی خوشی کا اظہار کرتا ہے حتیٰ کہ جانور اور پرند تک ناچ کر اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔

عربی میں طواف گھومنے کو کہا جاتا ہے۔ کسی مقدس مقام یا شے کے گرد گھومنے کو طواف کرنا کہا جاتا ہے۔ اسی سے لفظ طائفہ اور طوائف بنے ہیں۔

ایک طرح سے یہ کہا جاتا ہے کہ ناچنا انسانی فطرت میں شامل ہے۔ اسی لیے یہ محاورہ بھی بنا کہ "فلاں شخص خوشی سے ناچ اٹھا"۔

لوک ناچ بھی خوشی کے اظہار کا ہی ذریعہ ہوتے ہیں۔ جب فصلیں پک جاتی ہیں تو کسان خوشی سے ناچتے ہیں۔ قحط کا زمانہ ہو اور بارش ہو جائے تو سب لوگ خوشی سے ناچنے لگتے ہیں۔ مختلف مقامات کے لوک ناچ ان مقامات کے اقتصادی اور معاشی پس منظر ظاہر کرتے ہیں۔ لوک ناچوں کی حرکات بھی زیادہ تر معاشروں پر بنیاد ہوتی ہیں مثلاً میدانی علاقوں کے لوک ناچوں میں گھومنے اور اچھلنے کی حرکات زیادہ ہوتی ہیں جبکہ پہاڑی لوک ناچوں میں ایک ساتھ مل کر آہستہ قدم اٹھانے

کی حرکات زیادہ ہوتی ہیں اور رقص کے دوران ان کے جسم تھوڑے سے جھکے ہوتے ہیں۔ کیونکہ پہاڑوں پر چڑھائی کے وقت انسان کو تھوڑا سا آگے کی طرف جھک کر ہی آہستہ قدم اٹھانا ہوتا ہے۔

ہندوستان میں بنیادی طور پر تین رقص کلاسیکی رقص مانے جاتے ہیں۔ جن میں سے شمالی ہند کا مقبول رقص کتھک ہے۔ جنوبی ہند کا کتھاکلی اور مشرق علاقوں میں منی پوری رقص زیادہ مقبول اور مشہور ہے۔

ہندو دیومالا کے مطابق یہ پوری کائنات دیوتا شیو کے رقص کا ہی نتیجہ ہے سیاروں اور ستاروں کا اپنے محوروں پر گھومنا ایک دوسرے کے گرد گھومنا رقص کی ہی علامت ہے۔ فطرت میں کوئی شے خط مستقیم کی شکل میں نہیں بلکہ ہر چیز تو مین میں دائروں کی شکل میں ہے۔ جو رقص کی علامت مانے جاتے ہیں۔

ناٹیہ وید کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

"اس کے لیے یہ کل کائنات جس کے جسم کی حرکت کا نام ہے۔ تمام آوازیں جس کی گفتار کا نتیجہ ہیں۔ چاند، ستارے جس کے زیور ہیں، مقدس موجودات جس کا حصہ ہیں۔ اسی عظیم اور مقدس شیو کو میں اپنے دل کی عقیدتیں پیش کرتا ہوں"

اسی مقدس وید کے ابتدائی اشلوک میں لکھا ہے :۔

" دیوتا برہما نے رگ وید سے گفتار، ساما وید سے تاثرات، یجر وید سے موسیقی اور اتھر وا وید سے جذبات کے عناصر لے کر ناٹیہ شاستر ترتیب دیا جو انسان کو فراخدلی، اعلیٰ ظرفی، فتمندی اور نجات عطا کرتا ہے۔

بھارت منی نے برہما دیوتا کے الفاظ کو تحریری شکل دے کر ناٹیہ وید تیار کیا۔ بھارت منی کے گندھروؤں اور اپسراؤں کی مدد سے دیوتا شیو کے سامنے ناٹیہ وید کے مطابق نرت، نرتیہ اور ناٹیہ کا پہلا مظاہرہ کیا۔

شیوجی نے یہ رقص دیکھ کر اپنے خاص چیلے "تانڈو" کو ہدایت کی کہ وہ بھارت منی کو تانڈو رقص کی تعلیم دے اور پاروتی جی نے تانڈو کو حکم دیا کہ وہ لاسیہ رقص بھارت منی کو سکھائیں تانڈو رقص مردانہ رقص ہوتا ہے جس میں طاقت کا مظاہرہ ہوتا ہے اور لاسیہ رقص بہت سبک اور نازک رقص ہوتا ہے۔

بھارت منی نے یہ رقص سیکھنے کے بعد دوسرے رشی منیوں اور اوتاروں کو یہ رقص سکھائے۔ جن کے ذریعہ یہ رقص اس دنیا میں آئے۔ پاروتی جی نے لاسیہ رقص سب سے پہلے بھانا مورا کی بیٹی اوشا کو سکھایا، اوشا نے یہ رقص دوارکا کی گوپیوں کو سکھایا اس طرح یہ رقص ساری دنیا میں پھیلے۔ رقص کا یہ دیومالائی تصور ہے۔

کتھک رقص شمالی ہند کا رقص ہے جس میں زیادہ تر کرشن اور ان کی گوپیوں کے واقعات رقص میں پیش کیے جاتے ہیں ــ لفظ "کتھک" ہندی کے لفظ کتھا سے بنا ہے جس کے معنی کہانی یا داستان سنانے والے کے ہوتے ہیں۔ پہلے زمانے میں جب کتابیں نہیں ہوتی تھیں اور تعلیم چند خاص لوگوں تک ہی محدود ہوتی تھی تو پیشہ ور داستان گو ہوتے تھے جو درباروں یا چوپالوں میں بیٹھ کر داستانیں اور کہانیاں سنایا کرتے تھے۔ ایسے لوگ بہت خوش گفتار ہوتے تھے ایک طرح سے ان کی آواز اور لہجہ میں جادو ہوتا تھا جو سننے والوں کو مسحور کر دیتا تھا۔ شروع میں یہ داستان گو صرف زبان سے کام لیتے تھے۔ دھیرے دھیرے زبان کے ساتھ ہاتھوں کی حرکات آنکھوں، سر اور گردن کے اشارے بھی داستان کے اظہار میں شامل ہونے لگے اور پھر دھیرے دھیرے یہ حرکات ترتیب میں آتی گئیں اور رقص کی شکل اختیار کر لی۔

کتھک رقص میں جے پور اور لکھنؤ گھرانے کے رقص مستند مانے جاتے ہیں دونوں اگرچہ کتھک رقص کہلاتے ہیں لیکن ان میں ذرا سا فرق ہوتا ہے۔ جے پور گھرانے کے کتھک میں پیروں کا کام زیادہ ہوتا ہے جسے تتکار کہا جاتا ہے۔ اور لکھنؤ گھرانے میں "بھاؤ" اور "نرس" پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ مغلوں کے دور میں کتھک رقص کی مقبولیت میں کافی اضافہ ہوا کیونکہ درباروں میں یہی رقص پیش کیا جاتا تھا۔

کتھاکلی جنوبی ہند کا ڈانس ہے۔ کتھاکلی کے اصل معنی ڈانس ڈرامہ یا بیلے ہیں یعنی جس میں پوری ایک کہانی رقص کے ذریعہ بیان کی جاتی ہے۔ اس رقص میں رقص کرنے والے اپنے چہروں پر مکھوٹے چڑھا لیتے ہیں۔ اور مختلف قسم کی کہانیاں رقص کے ذریعے پیش کرتے ہیں جو زیادہ تر مذہبی رنگ لیے ہوئے ہوتی ہیں۔ اسٹیج کے پیچھے ایک آدمی وہ کہانی نظم کی شکل میں گاتا رہتا ہے اور رقاص اسٹیج پر اس کہانی کو رقص میں پیش کرتا رہتا ہے۔ اس طرح کی کہانیوں میں مدراؤں کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ مدرا ہاتھوں کی زبان بھی کہلاتی ہیں۔ بنیادی طور پر چوبیس مدرائیں ہوتی ہیں۔ لیکن ان چوبیس مدراؤں کے کمبنیشن سے تقریباً سات ہزار مدرائیں بنتی ہیں کہا جاتا ہے کہ سات ہزار مدرائیں جاننے والا رقاص دنیا کی ہر بات مدراؤوں کے ذریعہ کہہ سکتا ہے۔ عام طور پر ایک اچھے رقاص کے لیے کم از کم دو ڈھائی ہزار مدرائیں جاننا ضروری ہوتا ہے۔ کتھک رقص میں زیادہ تر مدرائیں کتھاکلی سے ہی لی گئی ہیں۔

جسمانی محنت کے اعتبار سے کتھاکلی رقص بہت زیادہ محنت طلب ہوتا ہے کیونکہ اس رقص میں رقاص کو زیادہ اپنے گھٹنوں میں خم دے کر رقص کرنا پڑتا ہے۔

جنوبی ہند کا ہی ایک رقص بھارتیہ ناٹیم ہوتا ہے جو دیوداسیوں کا رقص کہلاتا ہے۔ پہلے زمانے میں بہت سے لوگ اپنی کسی منت کے بدلے میں پہلی لڑکی مندر کو دان کر دیتے تھے، یہی لڑکیاں دیوداسیاں کہلاتی ہیں۔ ان لڑکیوں کی کبھی شادیاں نہیں کی جاتی تھیں۔ ان کو صرف رقص سکھایا جاتا تھا تاکہ یہ رقص کر کے دیوی دیوتاؤں کو خوش کر سکیں۔

منی پوری رقص تمام کلاسیکل رقصوں میں سب سے زیادہ سبک رقص مانا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں جسم اور اعضاء کی حرکات پانی کے بہاؤ کی طرح ہوتی ہیں۔ شروع میں منی پوری رقص میں کرشن اور گوپیوں کے قصے بیان نہیں کیے جاتے تھے لیکن آج کل منی پوری رقص بھی کرشن اور ان کی گوپیوں تک ہی محدود ہوتا جا رہا ہے۔ منی پوری رقص کا لباس بہت خوبصورت ہوتا ہے اور سبک روی کی وجہ سے وہ بہت اچھا بھی لگتا ہے۔

کلاسیکل رقص کو تین درجوں میں تقسیم کیا جاتا ہے نمبر ایک ناٹیہ، نمبر دو نرتیہ، نمبر تین نرت۔

ناٹیہ کا مقصد ہے ڈانس ڈرامہ۔ لیکن ان ڈراموں میں زیادہ تر مذہبی قصے ہی رقص میں پیش کیے جاتے ہیں۔

نرتیہ موسیقی یا گانے کی لے اور دھن پر ہوتا ہے۔ اس میں رس بھاؤ اور تال، تینوں چیزوں کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ گانا جو پس منظر میں گایا جاتا ہے اس کے معانی رقاص اپنے ہاتھوں، آنکھوں، قدموں اور چہرے کے تاثرات کے ذریعہ ظاہر کرتا ہے۔

ناٹیہ شاستر کے مطابق رقاص کا ہاتھ جس طرف جاتا ہے اسی طرف نظر جاتی ہے، جدھر نظر جاتی ہے اسی جانب دماغ ہوتا ہے اور جس طرف دماغ ہوتا ہے اسی کے مطابق چہرے کے تاثرات ہوتے ہیں اور جو احساسات تاثر ظاہر کرتے ہیں وہی جذبات کی عکاسی کرتے ہیں۔

ناٹیہ شاستر کے مطابق جسم کو بھی تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ نمبر ایک انگ۔ نمبر دو پرتینگ۔ نمبر ۳ اپنگ۔ انگ کے دائرے میں سر، ہاتھ، سینہ، پہلو، کولھے اور پاؤں آتے ہیں۔

پرتینگ میں گردن، گندھے، ہتھیلیاں، کمر، پیٹ، گھٹنے، ٹخنے، کہنیاں اور کلائیاں وغیرہ آتی ہیں۔

اپنگ میں بھنوئیں، آنکھیں، پلکیں، ناک، ہونٹ، دانت، زبان، ٹھوڑی وغیرہ کا شمار ہوتا ہے۔ رقص میں قدموں کی تال کے ساتھ ہاتھوں کی مدرائیں اور ان کے ساتھ گردن آنکھوں اور پتلیوں کی حرکات کا تال میل بہت ضروری ہوتا ہے۔

رقاص کے جسم اور اعضا میں لوچ ہونا بہت ضروری ہوتا ہے۔ اور اسے اپنے تمام اعضا پر کنٹرول بھی ہونا چاہئے۔ بچپن سے ہی جو بچے رقص سیکھتے ہیں وہی اس فن میں زیادہ مہارت حاصل کرتے ہیں۔

مشہور رقاص اودے شنکر نے کلاسیکل رقصوں کے مختلف حصے لے کر اپنا ایک اسٹائل بنایا تھا ان کے ڈانس ڈرامے زیادہ تر سماجی اور معاشرتی ہوتے ہیں مثلاً ان کے مشہور ڈانس ڈرامے مشین آدمی میں رقاص جب مشین کا رقص کرتے تھے تو بالکل مشین کا تاثر پیدا ہو جاتا ہے۔

گذشتہ دہے میں انھیں کے ایک ساتھی نے کلاسیکل رقص کے ساتھ فلم کو ملانے کا ایک تجربہ کیا تھا جو کامیاب ہونے کے باوجود کامیاب نہیں رہا۔ کیونکہ فلم کی تصویروں کے ساتھ اصل رقاصاؤں کی حرکات میں تال میل مشکل ہو جاتا ہے۔

ہندوستانی کلاسیکل رقص اب یورپ اور دوسرے ممالک میں بھی مقبول ہوتے جا رہے ہیں، ہندوستانی رقص فنون لطیفہ کی حیثیت رکھتے ہیں جن میں مہارت حاصل کرنے کے لیے ایک عمر بھی ناکافی رہتی ہے۔

(اردو سروس سے)

ہماری قومی اور تاریخی امانت

کپل وستو

موہنی مجروح

نوگڑھ ــــــ علی گڈھوا شاہراہ کے بیسویں کیلومیٹر پر پیپرہوا گاؤں سے گذرتی ہوئی سڑک کی مغرب جانب دھان کے کھیتوں کے درمیان اونچے اونچے متعدد ٹیلے آس پاس کی آبادی نیز نیپال کے سرحدی ضلع کپل وستو کی زیارت کو جانے والے بودھ زائرین کی توجہ کا عرصہ دراز سے مرکز بنے ہوئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ٹیلے اور بھی اونچے تھے مگر کافی حد تک اپنی بلندی گنوا بیٹھے تھے۔

انسانی ذہن فطرتاً جویائے اسرار ازل رہا ہے۔ دیکھتے دیکھتے یہ ٹیلے انسان کے ازلی تجسس اور تحقیق کا موضوع بن بیٹھے۔ تقریباً بارہ سال قبل محکمہ آثار قدیمہ نے تجربہ کے طور پر ان ٹیلوں میں سے ایک کی کھدائی کرائی۔ اور پھر یکے بعد دیگرے درجنوں ٹیلے کھود ڈالے گئے۔ حیرت انگیز نتائج برآمد ہوئے یہ ٹیلے اپنے سینوں میں چھ سو سال قبل مسیح کے تاریخی تہذیبی تمدنی اور مذہبی راز ہائے سربستہ چھپائے ہوئے تھے۔

چھٹی صدی قبل مسیح کو دنیا کی تاریخ میں انقلاب کے دور سے منسوب کیا جاتا ہے۔ ہندوستان کی تاریخ میں اسے انقلاب کا عہد اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس وقت ہمارے سماج میں بہت بڑے بڑے سماجی، سیاسی، معاشی تہذیبی اور مذہبی انقلاب رونما ہوئے۔ ان میں بودھ مذہب کو ایک غیر معمولی حیثیت حاصل ہے۔ یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ اس انقلاب کی روشنی اسی کپل وستو سے ہی پھوٹی تھی اور اس کے روح رواں سدھارتھ تھے جو بعد میں اپنی طویل ریاضت اور عبادت کی بدولت مہاتما گوتم بدھ کہلائے ہندوستان کے تمام مذہبی رہنماؤں اور سماجی پیشواؤں میں گوتم بدھ کا نام سرفہرست آتا ہے۔ انھوں نے جس انقلابی مذہب کی تبلیغ واشاعت کی وہ انھیں کے نام پر بودھ مذہب کہلایا۔

آج بستی ضلع نیپال کو لسہوا سرحد پر پیپرہوا سے ملحق سڑک پر محکمہ آثار قدیمہ کے اردو ہندی انگریزی میں لکھے ہوئے، نیلے نیلے بورڈ ان ٹیلوں کی تاریخی اور تہذیبی اہمیت کا اعلان واعتراف کر رہے ہیں۔ کون جانتا تھا کہ ہزاروں سال پرانے تاریخی تصور کو کہ گوتم بدھ کی جائے پیدائش نیپال کی جنوبی اور بستی ضلع کی شمالی سرحد پر واقع ایک چھوٹی سی ریاست "کپل وستو" ہے۔ اپنے سینوں میں دفن بے شمار شواہد کی بنیاد پر یہ انقلاب برپا کر دیں گے کہ گوتم بدھ کی جائے پیدائش اور راجہ شدھودن کی چھوٹی سی ریاست کا اصل دارالسلطنت پیپرہوا کے ہی کھنڈر ہیں۔

آج یہ ٹیلے انسانی تجسس اور تلاش وجستجو کا مرکز بن کر تہذیب انسانی کے مکمل آثار کے طور پر ابھر کر سامنے آگئے ہیں۔ جتنے بھی ٹیلوں کی کھدائی ہوئی ان میں سے مورتیاں، برتن، دیگر تاریخی نوادرات کے ساتھ ساتھ چوڑی چوڑی دیواروں والے سیکڑوں فٹ لمبے چوڑے مکانات کے کھنڈر برآمد ہوئے ہیں۔ دیواروں کی چوڑائی قلعہ آگرہ اور لال قلعہ دلی کی دیواروں کا مکمل نمونہ پیش کرتی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان دیواروں کی باہری سطح پر سرخ پتھروں کی تہیں جمائی گئی ہے۔ تمام کھنڈر مربع نما ہیں۔ جن کے چاروں طرف کشادہ کمرے اور چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں تعمیر ہیں۔ بڑے کمروں کا استعمال عبادت گاہ یا اجتماع گاہ کے طور پر کئے جانے کا گمان ہوتا ہے.... اور چھوٹی چھوٹی مربع نما کوٹھریاں بھکشوؤں کی رہائش گاہ کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔ انھیں چھوٹی کوٹھریوں میں کچھ کا اسٹور روم اور کچھ کا باورچی خانہ کی طرح استعمال کئے جانے کے شواہد ملتے ہیں۔ اس کا یقین اس حقیقت سے کیا جاسکتا ہے کہ مکانوں میں ایک کوٹھری آج بھی اپنی موجودہ شکل میں باریک چاولوں سے بھری ہوئی ہے۔ جو مٹی کی متعدد تہوں کے درمیان دب کر مہ وسال کی گردشوں کی وجہ سے کوئلہ کی شکل کے ہو سکتے ہیں۔ یہ کوئلہ نما چاول بودھ زائرین تاریخ کے محققین اور ٹورسٹ کی خصوصی توجہ کا مرکز ہیں۔ شاید ہی کوئی ایسا سیاح ہو جو ہزاروں سال پرانے اس چاول کا تھوڑا بہت نمونہ بطور سوغات اپنے ساتھ نہ لیجاتا ہو۔ ایک بات حیرت انگیز طور پر یکساں ہے۔ وہ یہ کہ تمام مکانوں کے کھنڈر سائز میں کم وبیش تو ہیں مگر نقشہ اور طرز تعمیر سب کا ایک جیسا ہے۔ یہ کھنڈرات ہندوستانی طرز کی قدیم حویلیوں سے بہت حد تک مشابہ ہیں جن کے چاروں طرف کمرہ اور سائبان ہیں، بیچ میں مربع آنگن بھی ہیں جو آج بھی گاؤں کے مکانات کا خاصہ ہیں۔ آنگن میں ہر طرف کی جانب سے ایک کونے سے دوسرے کونے کی طرف آتی ہوئی گہری نالیوں کے نقوش آج بھی واضح ہیں جو بارش اور روزمرہ کی ضروریات زندگی میں استعمال ہونے والے پانی کے اخراج کا سسٹم پیش کرتے ہیں۔

محکمہ آثار قدیمہ نے کھدائی کے بعد غیر ضروری ملبہ صاف کرا کے بکھری ہوئی اینٹوں کو مکانوں کی بنیاد کی ثابت وسالم سطح سے کندھے کی اونچائی تک چنوا دیا ہے جس سے اس قدیم تعمیرات کی واضح شکل ابھر کر سامنے آ گئی ہے۔ ان تمام مکانوں میں لکڑی یا لوہے کے استعمال کا کوئی آثار نہ پاکر حیرت ہوتی ہے۔ بادی النظر میں یہ تمام تعمیرات اپنی موجودہ شکل میں خوشحال کسانوں کے مکانات یا حد سے حد ادنیٰ درجہ کے نوابوں اور راجاؤں کی حویلیوں کا منظر پیش کرتے ہیں۔ بہر حال انھیں کسی بھی صورت میں عہد حاضر میں پائے جانے والے قلعوں کے مماثل نہیں ٹھہرایا جاسکتا ہے قرائن بتاتے ہیں کہ چھ سو سال قبل مسیح فن تعمیر اتنا ترقی یافتہ نہ تھا نیز قدیم کپل وستو موجودہ گورکھپور اور بستی کے شمال میں ترائی میں واقع ایک چھوٹی سی ریاست تھی۔ یہ بات اور ہے راجہ شدھودن کے عہد کے معیار ومیزان کے مطابق سب سے بڑا اور کشادہ مکان محل یا قلعہ کہا جاتا رہا ہو اور اس کے آس پاس چھوٹی بڑی متعدد تعمیرات ان کے وزراء، امراء اور مشیروں کی رہائش گاہ رہی ہوں۔ ان تمام باتوں کے باوجود ان کھنڈروں کی چوڑی چوڑی دیواریں اور کشادگی زبان حال سے عظمت رفتہ کا یقین دلاتی ہیں۔

گو کہ گوتم بدھ نے ۲۹ سال کی عمر میں ہی شاہی عیش وعشرت کو خیر آباد کہہ کر سنیاس کا راستہ اختیار کر کپل وستو چھوڑ دیا تھا تاہم اس کی اہمیت اور مرکزیت میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ گوتم کے رگ وپے میں جنگل میں درختوں کے نیچے بیٹھ کر پہروں غور وفکر میں ڈوبے رہنے کا جذبہ بھی سرایت ہوا تھا ۴۵ سال تک بہار، اجودھیا، سرادستی اور راج گری میں اپنے مذہب کا پرچار کرتے ہوئے گوتم اپنے وطن کپل وستو پہونچے جہاں ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ یہاں ان کے بھائی آنند اور انکا لڑکا راہل ان کے شاگرد ہو گئے۔ اہلیہ یشودھرا ان کی شاگردہ ہو گئیں۔ کچھ زمانہ تک گوتم کپل وستو میں رک کر اپنے دھرم کی تبلیغ کرتے رہے اور پھر مگدھ چلے گئے جو ان کی تبلیغ واشاعت کا علاقہ خاص تھا۔ تاہم کپل وستو کی تہذیبی اور مذہبی اہمیت

یات اوران کی موت کے بعد میں قائم رہی۔ اشوک ان اور کنشک کے ذہنی انقلاب میں کپل وستو کی مذہبی رکا بہت بڑا دخل تھا۔

کپل وستو آج نہ صرف محکمہ آثار و قدیمہ اور زائرین توجہ کا مرکز ہے بلکہ مرکزی حکومت نیز سری لنکا حکومت دلچسپی کا آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ صرف ں ایک خوبی سے لگایا جاسکتا ہے کہ سری لنکا کے سابق رنر اور موجودہ وزیر اعظم شری جے وردھن پیپر ہوا بطور خاص دیکھنے اور اس کی تاریخی اہمیت کو تسلیم تے ہوئے سرکاری دورہ پر آچکے ہیں۔ ان کے سرکاری رہ سے جہاں ٰ ایک طرف دنیا بھر کے بودھ دھرم کے نے والوں کے پیپر ہوا کے حقیقی کپل وستو ہونیکے بارے میں وک وشبہات ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئے وہیں حکومت د ہماری قومی اور تاریخی امانت کی محافظت کے سلسلہ ں بیدار ہو گئی۔ ابھی حال ہی میں مرکزی بجٹ میں عہد نہ کے اس عظیم، قیمتی اور شاندار ورثہ کے تحفظ و ترقی کے یے ڈھائی ارب روپیہ منظور کیا گیا ہے۔ جس میں ایک ج ستارہ ہوٹل ایک شاندار ٹورسٹ بنگلہ اور ایک ین الاقوامی ہوائی اڈہ کی تعمیر کا منصوبہ شامل ہے۔

بودھ مذہب سرزمین ہندوستان سے تقریباً ختم ہو گیا ہے تاہم اس کے گہرے نقوش ہماری تہذیبی زندگی یں آج بھی دکھائی پڑتے ہیں اور تا ابد قائم رہیں گے نقوش ہماری قومی تاریخ کا قیمتی سرمایہ ہیں۔

(آکاشوانی گورکھپور سے نشر)

موسیٰ مجروح

رتن سین ڈگری کالج بانسی بستی یوپی

ایک منظر

نسیم مظفر پوری

صبح دم باغ کے ہنستے ہوئے پھولوں کے قریب
اک کلی جاگ اٹھی
آنکھ کھلتے ہی نظر اس کی پڑی
سبزہ و شبنم و گلہائے طرف آگیں پر
بلبلیں نغمہ سرا، بادِ معطر رقصاں
نغمہ و نور کی بارش میں کھلا پڑتا تھا گلشن کا بدن
ایک ہنگامہ مگر کتنا سکوت
منظر ایسا تھا کہ جنت کا گماں ہوتا تھا
وہ کلی،
زندگی جس کے لئے کیف و طرب لطف و قرار
اس قدر جھوم کے لہرانے لگی مستی میں
ناگہاں پاس کے کانٹوں میں ہوئی یوں محصور
خاک پیوست ہوئے اس کے تنِ نازک پر
اور لہو جسم سے یوں رسنے لگا
پھول کے شاخ سے جوں قطرۂ شبنم ٹپکے!

(پٹنہ سے نشر)

فلمی صحافت

جلیل جازید پوری

ڈاکٹر سید عابد حسین نے قدرتی ادب کی وضاحت کرتے ہوئے بڑی خوبصورتی اور سادگی سے اس پر روشنی ڈالی ہے "قدرتی ادب پیدا ہونے میں دنیا بھر کے بکھیڑے ہیں زرخیز طبیعت کی زمین ہو، ریاضت کے ہل سے جوتی جائے، اس میں خیال کا بیج پڑے، زندگی کے مشاہدے سے کھاد، ہوا اور روشنی پہنچے۔ آرٹ کے اُبلتے ہوئے سوتوں سے سینچائی ہو، تب جاکر شعر و ادب کی کھیتی اُپجے اور اس سے وہ غذا حاصل ہو جس کی ہماری روح کو ضرورت ہے" شعر و ادب کی مانند صحافت بھی ایک مستقل فن ہے خواہ وہ فلمی صحافت ہو یا ادبی یہ ایک ایسا فن ہے جو اپنے اندر اضطراب اور بے چینیاں سمیٹے ہوئے ہے ایسی بے چینیاں جس کے بارے میں جگر مراد آبادی نے کہا ہے۔ ؎

بے چینیاں سمیٹ کے سارے جہاں کی
جب کچھ نہ بن سکا تو میرا دل بنا دیا

ایک صحافی کا دل ایک سیماب کی حیثیت رکھتا ہے جس میں تڑپنے والی کیفیت ہوتی ہے —— ایک صحافی اپنا کچھ بھی نہیں ہوتا ہے وہ ملک و قوم اور انسانیت کی امانت ہے جس صحافی میں قومی خدمت کا جذبہ نہ ہو وہ سرے سے صحافی ہی نہیں اس لیے یوروپین شاعر جان ڈان نے کہا ہے "کوئی انسان جزیرہ نہیں ہے ہر انسان سمندر میں ایک قطرہ ہے، ہر انسان زمین کا ایک ذرہ ہے —— ہر انسان کی موت میری موت ہے۔ کیونکہ میں اور انسانیت جدا نہیں ——"، صحافی ہمیشہ ایک منصف مجسٹریٹ اور کلکٹر کی طرح غیر جانب دار ہوتا ہے۔ کوئی احسان ارباب اقتدار سے اس فن میں لینا شجر ممنوع کی حیثیت رکھتا ہے اس کا کردار آئینہ کی مانند صاف و شفاف ہوتا ہے اس لیے وہ کبھی کسی کی چھپی شخصیت پر خواہ مخواہ ذاتی بغض و عناد کی بنا پر پر کیچڑ نہیں اچھالتا ہے —— ایک اچھے صحافی کے لیے کسی حربے کی ضرورت نہیں ہے وہ ولولے اور عزم کی شمعیں جلاکر زندگی کی دوڑ میں سبقت لیجاتا ہے۔ روزی تو ہر آدمی کماتا ہے۔ ہل جوتنے والا مزدور ہو یا قلم کا مزدور لیکن ایمانداری کا تقاضہ یہ ہے کہ خود کو کبھی بھی روزی روٹی کے فلسفے میں الجھانے کی کوشش نہ کرے ورنہ وہ فنکار کی فنی کھڑکیوں میں جھانکنے کے بجائے فنکار کے بنگلوں اور آنگنوں میں جھانکنا شروع کردے گا کہ وہاں کیا ہورہا ہے؟

ہم چراغ ہیں، ہمارے پاس چراغ ہے ہمیں اس بات کا عادی ہونا چاہیے کہ جہاں تک ہوسکے روشنیاں فراہم کریں تاکہ اندھیرے بھاگ جائیں کیونکہ ہزاروں اندھیرے جمع کرکے بھی ہم روشنی کی ایک ہلکی سی کرن بھی بنا سکتے —— چراغ سے چراغ جلتا ہے اور ہر بجھا ہوا چراغ اس امید پر زندہ ہے کہ کوئی جلتا ہوا چراغ اسے روشنیاں بخشے گا۔

صحافی کا قلم کسی رشوت خور کا قلم نہیں ہے جہاں صرف رشوت کا گذر ہے اس کے قلم کی نوک سے تو اخوت بھائی چارگی کے چشمے ابلتے ہیں اس کے قلم کے اندر۔ روح سما جاتی ہے اور انسانیت رچ بس جاتی ہے —— ایک اچھا صحافی ایک اچھے آرٹسٹ کے فن کے اندر جھانکتا ہے اور اس کے فن کو اپنے قلم کے توسط سے باہر لاتا ہے۔ اس کی فنی خوبیوں کو صفحہ قرطاس پر بکھیرتا ہے تاکہ فلم بیں طبقہ اصلاحی فلمیں دیکھنے کا عادی ہوجائے۔ یہ صحافی ہی کا کرشمہ ہے جو فلم بیں طبقہ کے ذہن کے تمام دروازے اپنے قلم کی دستک سے بیک وقت کھول کر رکھ دیتا ہے —— ایک اچھا صحافی سینہ تان کر راستے میں کھڑا ہو جاتا ہے اور لنگڑی لولی فلموں، اوچھی تصویروں، عریاں کہانیوں کا بھنڈا بیچ چوراہے پر پھوڑتا ہے جہاں جہاں بھی غلاظتوں کے انبار اور حماقتوں کے ڈھیر ہیں انھیں ذہنی تخیل کے جھاڑو سے صاف کرنے کی سعی پیہم کرتا ہے۔ تاکہ فلم بیں طبقہ کو گندی فلموں کے دیکھنے سے بچایا جاسکے یہ فلمیں زہر ہیں جو نوجوانوں کی روح کو بیمار کرنے پر تُلی ہوئی ہیں ——

ایک فلمی صحافی کی ڈیوٹی ہے کہ نوجوانوں کے خیالات کو پاکباز بنائے اس کے مذاق کو بدل دے —— دو ڈھائی گھنٹے تک سینما ہال میں بیٹھنے کے بعد فلم بیں طبقہ اپنے ساتھ آج کیا لے کر جاتا ہے سوائے ذہنی بگاڑ کے، تخریبی ذہن کے اور بیمار روح کے۔

سوچئے اس سے قوم ملک اور انسانیت کو کیا فائدہ ہے۔ فائدہ تو درکنار وہ اپنے ذہن میں ایک دشمن پالتا ہے جو اس کی عقل کو چرا کر کہیں اور لے جاتا ہے ——— صحافی کو چاہئے کہ ایسی فلمی کہانیوں پر خامہ فرسائی کرے جن میں انسانیت اور قومی اتحاد والی بات ہو ایسی فلمیں دیکھنے کے بعد عوامی ذہن بیدار ہوگا اور ذہن میں ایک عجیب قسم کا انقلاب آئے گا — صحافی قلم سے لکھتا ہے اور ہدایت کار کیمرہ سے لکھتا ہے وہ کیمرے سے اصلاحی کہانیاں اسی وقت لکھ سکتا ہے جب کہانی نویس اچھے موضوعات پر قلم اٹھائیں گے۔ صحافی کو چاہئے کہ جو فلمی کہانیاں اپنے اندر تعمیری مقاصد سمیٹے ہوئے ہیں ان کی حوصلہ افزائی کریں۔ فلم بیں طبقہ کو ایسی فلمیں دیکھنے کے لیے اُکسائیں جن میں ہندوستانی جذبات ہوں، ہندوستانی احساسات ہوں، ہندوستانی تہذیب ہو، ہندوستانی قدریں ہوں، ہندوستانی زندگی کی پہنچ ہو، ہندوستانی زندگی ہو اور زندگی کی دھڑکن ہو۔ کیونکہ فلم بھی ایک آرٹ ہے جس طرح صحافت، افسانہ نگاری اور ناول نگاری ایک آرٹ ہے۔ اس لیے فلموں میں زندگی کی دھڑکنیں ہونی چاہئیں۔

آج کے فلم ساز اور ہدایت کار صرف تجارتی نقطہ نظر سے فلمیں بناتے ہیں ایسی فلموں کا بائیکاٹ فلم بیں طبقہ اس وقت تک نہیں کرے گا جب تک کہ فلمی صحافی ان کے ذہن میں تعمیری فلمیں دیکھنے کا جذبہ نہ پیدا کرے ———

آج بھی ایسے ایسے ہدایت کار اور فلم ساز ہیں جن کی فلمیں ایک کتاب تھیں اصلاحی کتابیں، نفسیاتی کتابیں اور اخلاقی کتابیں۔ کل بھی ایسے ایسے ہدایت کار اور فلم ساز تھے جن کی فلمیں اور ان فلموں کی کہانیاں، مکالمے اور پس مناظر روح کی پنہائیوں اور دل کی گہرائیوں میں رچ بس گئے ہیں۔

ایسے ہدایت کاروں، فلم سازوں، ایسی کہانیوں اور ایسے موضوعات پر کیا آج کے صحافی قلم اٹھا رہے ہیں جو واقعی فلمیں نہیں، بہترین کتابیں تھیں جنھیں پڑھنے کے بعد گھنٹوں سوچنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔

وی شانتا رام کی فلمیں اچھوت کنیا، دو آنکھیں بارہ ہاتھ بہترین موضوعات پر بہترین کتابیں تھیں۔

محبوب خاں کی فلم 'مدر انڈیا' ایک ایسی کتاب تھی جسے ہر ہندوستانی کو پڑھنے کی ضرورت تھی اور ہے۔

خواجہ احمد عباس کی فلمیں سات ہندوستانی، شہر اور سپنا، بمبئی رات کی بانہوں میں، دو بوند پانی، فاصلہ، دھرتی کے لال، اور گیارہ ہزار لڑکیاں وغیرہ ایسی معرکہ آرا کتابیں تھیں جن میں ہم ہندوستانیوں کی آرزوئیں، زندگیاں اور مایوسیاں کروٹیں لے رہی ہیں جن میں ہندوستانی احساسات کے جھرنے بہہ رہے تھے۔

بمل رائے کی فلمیں بندنی، دیوداس، مدھومتی، سجاتا اور پرکھ وغیرہ ایسی موضوعاتی کتابیں ہیں جن کی ضرورت آج بھی ہے اور کل بھی تھی۔

گرو دت کی فلمیں کاغذ کے پھول اور پیاسا کیا کسی نفسیاتی کتابوں سے کم ہیں؟

اسی طرح آج بھی شیام بینگل، باسو بھٹاچاریہ، باسو چٹرجی رشی کیش مکھرجی، انیل گنگولی اور تاراچند برجاتیہ کے علاوہ گلزار وغیرہ ایسی فلمیں بنا رہے ہیں جن میں ہمارے مسائل ہیں ہمارے مسائل کے حل ہیں ہمارے دکھ ہیں اور نفسیاتی پیچیدگی بھی! ایسے فلم سازوں، ہدایت کاروں اور کہانی نویسوں کو حوصلے کی ضرورت ہے اور یہ حوصلے سوائے صحافی کے اور کون انھیں بخشے گا۔؟

صحافی ڈھنڈورچی کا نام نہیں ہے۔ شخصیت پرستی ایک بزدلانہ عمل ہے۔ ضرورت ہے کہ انسانوں کے آنسو پونچھیں اور اچھے فنکاروں کے فن کو زیادہ سے زیادہ اُجاگر کریں ان کی ذاتی زندگی سے دلچسپی رکھنے کا مقصد کسی کی ذاتیات پر حملہ ہے۔ ایک بار میں ایک عظیم موسیقار سے انٹرویو لے رہا تھا اسی وقت ایک عظیم آرٹسٹ ایک رسالہ ہاتھ میں لیے آئے۔ وہ آپے سے باہر تھے اس رسالے میں کچھ ایسی باتیں ان کی بیوی کے خلاف تھیں جو ان کے لیے ذہنی کوفت کا باعث بن کر رہ گئیں۔ ایک ننگ پیشہ صحافی کی تحریر فنکار کا ذہنی توازن بگاڑنے کا سبب بن سکتی ہے۔ جس کا اثر اس کے فن، اس کے کیریر پر پڑ سکتا ہے۔

(پٹنہ سے نشر)

جلیل بازیدپوری
نیو شانتی بھون۔ بالمقابل راؤنڈ ٹمپل
ایس وی پی روڈ۔ بمبئی ۴۰۰۰۰۳

سلطان اختر

دشت میں … دریا میں کہیں پانی ہے
جس طرف دیکھیے ویرانی ہی ویرانی ہے

وقت کا قہر ہے … آسانی ہے
میرے ہمراہ جو یہ بے سروسامانی ہے

اب کوئی رنگ نہ پیکر ہے نہ منظر ہے نہ خواب
ڈوبتی آنکھوں میں دم توڑتی حیرانی ہے

… خوشیوں نے سمیٹا تو مجھے ہوش آیا
جانے کس حال میں اب میری پریشانی ہے

زہر کو زہر سمجھتا ہوں مگر پیتا ہوں
کیا کروں میں بڑی ضدی مری نادانی ہے

ہنس کے سہتی ہے ہر اک لمحۂ خالی کا عذاب
مُرخرو آج بھی میری تہی دامانی ہے

سب کے چہرے پہ اداسی ہی اداسی ہے یہاں
ایسا لگتا ہے کہ ہر شخص مرا ثانی ہے

(پٹنہ سے نشر)

میک اپ

مثل

مشہور ہے حضرت کہ انسان انڈا نہیں دیتا مگر آملیٹ اور ہاف فرائی کی بابت مرغی سے زیادہ جانتا ہے۔ یہ ہی حال میرا ہے۔ کم سنی کے کچھ برسوں کو چھوڑ کر میں نے آج تک میک اپ نہیں کیا مگر میک اپ کو تہوں اور پرتیں دیکھ کر انسان کے اصلی چہرے کی پہچان بھول گیا ہوں۔ یہاں پر میں خواتین سے دست بستہ عرض کرنا چاہوں گا کہ سیاہ فام ہوتے ہوئے بھی میں میک اپ کا مخالف نہیں ہوں بچپن میں رگڑ رگڑ کر مجھ ناچیز کا بھی خوب خوب میک اپ ہوا ہے۔ تیل، ابٹن کاجل، بیجا پاوڈر اور نہ جانے کون کون سا لوشن سیلوشن مجھ پر کھپائے گئے ہیں۔ گھر والے چاہتے تھے کہ میں گل و گلزار بنا رہوں اور عہد جوانی میں دولہوں کی منڈی میں بھرپور قیمت پر فروخت ہو سکوں۔ میری قیمت فروخت اٹھی یا گری .... یہ ایک الگ بات ہے۔ اب اس عمر میں اڑی ہوئی گرد کے پیچھے دوڑنے سے کیا حاصل ..... وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا۔ اللہ کے فضل سے اب اپنی ہی تصویر کا نگیٹیو نظر آتا ہوں۔ کاش اس میک اپ کی دھوپ اور روشنی سمیٹ لیتا تو آج باقاعدہ سرخ رو ہوتا ..... خیر! ..... ہمارے یہاں محکمۂ ریلوے میں گاڑی کی اسپیڈ بڑھا کر ٹائم میک اپ کرتی ہے۔ خواتین کا سلسلۂ میک اپ اس کے برعکس ہے۔ یعنی میک اپ عمر کو پیچھے لے جانے میں کارگر ثابت ہوتا ہے۔ بڑھتی ہوئی عمر کی اسپیڈ پر میک اپ کی پرت بریک کا کام کرتی ہے۔ اجڑی ہوئی بہاریں لوٹ آتی ہیں کوئلیں وغیرہ کوکنے لگتی ہیں اور بقول شخصے چہرا ہاتھی دانت پر کھڑے نقش جیسا نظر آنے لگتا ہے۔ میں اگر آج تھوڑا سا بھی میک اپ پرست ہوتا تو متاثر چہرے کے نمک پر ہی بولتا رہتا۔ مگر جس شخص کے مکان کی دیواروں کو پانچ پانچ برس چونا نہ لگتا ہو، دروازے وارنش کو ترستے ہوں اور ہر طاق میں ابابیل کے گھونسلے پرورش پا رہے ہوں وہ بھلا کیا جانے کہ میک اپ کون سے برش سے پوتا جاتا ہے؟ طرح طرح کے میک اپ دیکھ کر ہر بار اپنے دل میں جل ترنگ وغیرہ بجتے ہوئے خود محسوس کیے ہیں۔ ایک آدھ جگہ منہ کے بل گرا بھی ہوں ..... مثلاً اب آپ کیا پردہ

کے۔پی۔ سکسینہ

ہماری کالونی میں ایک عورت رہتی ہیں۔ نام مجھے معلوم یوں بھی میک اپ زدہ سے اس کا نام پوچھنا میک اپ ن ہے۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے جب جب کالونی سے گذریں ی کلومیٹر خوشبوؤں کے سیلاب رواں کرتی گئیں۔ آپکی رف انھیں ہی دیکھ کر لگتا تھا جیسے کالونی کے کرم خوردہ یں صرف ایک صاف ستھرا کاغذ ثابت بچا ہو۔ اُف! میک اپ ...... کہ ...... جلدی میں کوئی عمدہ سی تشبیہ ہاتھ لگ رہی ہے۔ میرا ایمان گواہ ہے کہ میں صرف اس اپ کا دیوانہ تھا۔ لفافے کے مضمون سے میرا کوئی تعلق تھا پھر ایک دن اچانک کالونی کی کسی ویلفیر اسکیم کے چندہ کرنے ان کے وہاں جانا پڑا۔ گھنٹی بجائی ...... اپ موصوف کی والدہ نے دروازہ کھولا۔ بڑے ادب سے ان کی بابت پوچھا کہ تشریف فرما ہیں! یا خوشبوئیں تقسیم کہیں شاپنگ پر گئی ہیں؟ والدہ محترمہ لڑکھڑائیں اور ازہ بند کر لیا۔ ہوش و حواس درست ہونے پر پتہ چلا کہ جنھیں والدہ سمجھ رہے تھے وہ وہ خود ہیں اور فی الحال میک اپ جدا ہیں۔ بس اسی لمحہ شعرا کے ذکرِ حسن و جمال اور پری پیکر قا آہو چشم وغیرہ الفاظ پر سے ہمارا یقین اُٹھ گیا تخیل کے ے فانوس ایک ساتھ جھناکے سے چکنا چور ہو گئے اپنی ھڑکی میں اس جانب پیٹھ کر کے بیٹھنے لگے جدھر سے ان کا رنا ہوتا تھا۔ پرانی شکایتوں جیسی ان کے چہرے کی جھریاں بھی دل و دماغ میں محفوظ ہیں۔ خاک جھونکیے ایسے میک اپ چڑھتی دھوپ میں بھری منڈیر لانگھ جائے۔

یں دوبارہ عرض کروں کہ میں مخالفِ میک اپ ہرگز یں ہوں، مگر خوشبوؤں کی ایک بھر بیری کے عوض عطر کا پورا ستر برداشت نہیں کر سکتا۔ کمپنی والوں نے ساری خوشنما شیشیاں اس لیے نہیں بنائی ہیں کہ کوئی میری ڈھلتی عمر سے جیل جائے۔ اب آپ سے عرض کر ہی دوں کہ خاکسار کو کیسا یک اپ پسند ہے۔ جیسے جیسے ہوا کا ایک مدھم سا جھونکا ز کھلے گلاب کو چھو کر گذر گیا ہو ...... جیسے صبح سویرے ھڑکیوں کے شیشے پر اوس کی بے حد نازک بوندیں پڑتی ہوں جیسے چہرے پر گلابی شیفون سے چھنتی دھوپ پڑ رہی ہو ..... یا جیسے چہرے پر شرارت کا کوئی خیال آ کر ٹھہر گیا ہو ..... جیسے ..... اُف ..... اب سب میں ہی بیان کر دوں گا؟ باقی سب آپ اپنی جانب سے جوڑ لیجئے ..... بلا وجہ طبیعت سن پچاس کی طرف سرکنے لگتی ہے جب ہم بھی وقت کے پتھروں کو ڈھوتے نہیں تھے تراشتے تھے۔

لگے ہاتھوں کالونی کا ہی ایک ذکر اور ہے۔ صبح صبح اپنے بچے کے ساتھ کھیلتی ہوئی اسے اسکول پہنچانے جاتی ہیں۔ مجھ میں اور میرے دوست مرزا میں اس پر کافی کی شرط لگ جاتی ہے کہ میک اپ ہے یا نہیں۔ میرا جی کبھی کبھی کہتا ہے کہ ہے ..... کبھی کہتا ہے نہیں ہے۔ اگر ہے تو زندہ باد! میں ایسے ہی میک اپ کا قائل ہوں .... اور اگر نہیں ہے تو سو بار زندہ باد! ..... کچھ چہرے ایسے بھی ہوتے چاہئے کہ ڈھلائی پچھائی مرائی کلینگ اور قلعی کے بغیر بھی تاج محل جیسے تر و تازہ نظر آتے رہیں۔ گلاب کی پنکھڑیوں کو کون دھوتا ہے صابن سے؟ چمپا پر کون عطر پاشی کرتا ہے؟ قدرت سے بڑا میک اپ اور ریکس فیکٹر کا کارخانہ آج تک نہیں بنا ——

آپ کے اس غلام کی کالونی میں چند چہرے ایسے بھی ہیں جنہیں دیکھ کر بنانے والے کی عقل پر ترس آنے لگتا ہے میک اپ کے بعد یوں لگتا ہے جیسے بے حد ٹوٹی چٹخی عمارت پر پانی برس کر کھل گیا ہو اور کھنڈروں کی ویرانگی کو اور بھی نمایاں کر گیا ہو۔ آپ کی قسم کبھی کبھی دل میں دہشت پیدا ہونے لگتی ہے، لگتا ہے جیسے کوئی رنگا پتا ہمالیہ پہاڑ آہستہ آہستہ سرکتا ہوا کالونی میں صرف اپنے وجود کی یاد چھوڑ گیا ہو! —— مرزا میاں ایسے وقت کالونی کے بچوں کو آغوش میں سمیٹنے لگتے ہیں کہ کہیں کوئی معصوم دہشت زدہ ہو کر بے ہوش نہ ہو جائے۔ بے حد گہرا کھنچا ہوا کاجل اور ہونٹوں سے ٹپکتے لہو جیسی لپ اسٹک دیکھ کر من میں ویسا ہی بیراگ سمانے لگتا ہے جیسا کلنگ کی لہو پاشی کے بعد اشوک کے من میں سما گیا تھا۔ آئی برو کی تلواروں سے خوفزدہ ہو کر بارہا گوشۂ عافیت ڈھونڈنے کی نوبت آ گئی ہے۔ حالانکہ ضمیر اندر سے سمجھاتا ہے کہ اے بیوقوف ..... پیار سے ڈرتا ہے ..... پرت در پرت ... در پرت پھر کچھ نہیں۔ میک اپ کی ان تہوں تلے —— بس رہے نام اللہ کا! ..... اس کے برعکس میک اپ کی ہلکی سی تڑپ دیکھ کر سارے تازے پھل پھول یاد آنے لگتے ہیں۔

ادھر ہمارے مرزا صاحب لحیم شحیم میک اپ سے ڈرتے ضرور ہیں مگر دیوانگی کی حد تک میک اپ کے قائل ہیں۔ ان کا قول ہے کہ جوں جوں عمر پرانی ہوتی جاتی ہے زیادہ پالش کھاتی ہے یہ تھوڑا ہے کہ ڈھب سے چہرے پر ذرا سا پاؤڈر ٹمپا اور نکل پڑے جغرافیے کے نقشے کی طرح ہر ندی دڑے کو الگ الگ پہلوؤں سے شیڈ دینا ضروری ہے۔ ہوش تینتیس نمبروں کے مرزا کبھی قائل نہیں رہے۔ حالانکہ حضرت ہماری ہی طرح عمر کی ان سرحدوں کو چھو رہے ہیں جب چائے کی زیادہ گرم چسکی سے زبان جل جاتی ہے مگر محراب دار ابروؤں کے دیوانے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بھئی قدرت سے لڑ رہے ہو تو ترکش میں کوئی تیر باقی نہ رکھو ..... ساری شیشیاں ڈبے، ٹیوب اور برش داؤں پر لگا کر ثابت کر دو کہ عمر کی ڈھلان پر قدم جما کر کوئی کس طرح ٹکا رہ سکتا ہے۔ گرہستی کا بوجھ اُٹھے نہ اُٹھے، میک اپ کا بوجھ پھول جیسا اُٹھائے رکھو۔ میں جانتا ہوں کہ مرزا کو منزل سے زیادہ راستوں کا شوق ہے یہ شخص ایک ایسا کنکر ہے جو کسی دال میں نہیں گل سکتا خود ہماری بھاوج کو صابن سے منہ تک نہ دھونے دیتا مگر دوسروں کے میک اپ کی تہوں کو دوسرے کے اشعار کی طرح گنگنانے میں سکون محسوس کرتا ہے۔ بس یہیں پر میری اور مرزا کی نہیں پٹتی۔ ان کا کہنا ہے کہ پاؤڈر گھر میں گیہوں کے آٹے کے برابر اسٹاک رکھنا چاہئے اور میں کسی بے حد لدے پھندے چہرے کو مسکراتے بھی دیکھتا ہوں تو لگتا ہے کہ مسکراہٹ کمبخت لپ اسٹک میں چپک کر پھڑ پھڑا رہی ہے یہ تھوڑا ہے کہ عمر کے بھاری قدم سب کچھ روند کر آگے بڑھ گئے اور آپ خواہ مخواہ دسمبر میں اپریل بننے کی دھن میں سرگرداں ہیں۔ میک اپ کے ساتھ بے رحمی مجھے کبھی برداشت نہیں ہوتی۔ میک اپ تو سپنوں جیسا نرم ہوتا ہے کہ بس انسان کو خوشگوار رہنے کی یاد دلاتا رہے۔ یہ صحیح ہے کہ پرانی یادیں کبھی کبھی بہت للچا دیتی ہیں مگر اس لالچ پر خوشبو کی ایک ہلکی سی تہہ کافی ہے۔ دھان کی بالیوں تک میں وقت آنے پر دودھ خشک ہو جاتا ہے اور وہ اناج کا دانہ بن جاتی ہیں۔ پختہ عمر اناج کا وہ دانہ ہے جس کے پاس صرف کونپل کی یاد ہی باقی رہ جاتی ہے۔

بہرحال اپنی کالونی کی شکل میں میں اپنے گرد و پیش سے مطمئن ہوں کہ جہاں فسانۂ میک اپ کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی۔ جیسمن کی مہین سی مہک بھی اڑتی ہے اور پاؤڈر کے دھول بھرے بادل بھی۔ آئینوں پر سے پارا اتر گیا ہے مگر چہرے کا عکس دھندلا نہ دکھائی دے یہ جد و جہد جاری ہے۔ بغیر سالن نوالہ توڑنے کا عالمی ریکارڈ قائم ہو سکتا ہے مگر پاؤڈر کی پرت کا وزن ہرگز نہیں گھٹ سکتا۔ بقول مرزا سب کچھ خرچ ہونے کے بعد جو بچتا ہے وہی زندگی کا حاصل ہے۔ اسے سنبھال کر رکھنا چاہئے کئی بار میں خود مرزا کے گھپلے میں شامل ہو گیا اور ارادہ کیا کہ شریک حیات کے نام پر جو کچھ بچا ہے اسے میک اپ سے آراستہ کر دوں ..... مگر ہر بار ایک ہی شعر یاد آیا ——

ایک دو زخم نہیں جسم ہے سارا چھلنی
درد بیچارہ پریشاں ہے کہاں سے اُٹھے

کہاں کہاں تک میک اپ کو سمجھاتا پھروں گا کہ بھئی تھوڑی قلعی ادھر بھی ..... چنانچہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اب نہ عمارت کو تعمیر کرنے کی عمر رہی نہ پرانی حویلیوں میں فانوس ٹانگنے کی۔ عمر کے پراویڈنٹ فنڈ میں جو بچا ہے اسی پر قناعت کیجئے۔ باقی سب خیریت ہے۔

(آکاش وانی لکھنؤ سے نشر)

MGIPLP(Pbd) 42/AIR/ND/83-3450

بھارت کا وقار بدیشوں میں

بلراج پوری

قوموں کی برادری میں بھارت کا وقار کتنا اور کیوں ہے؟ قوموں کا وقار ناپنے کا کوئی ٹھوس آلہ تو نہیں اور اُنکے وقار میں اکثر کمی و بیشی بھی ہوتی رہتی ہے، مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تیسری دنیا کی ایک معتبر آواز ہونے کے علاوہ حالات نے بھارت کو گنتی کے ان ملکوں میں شامل کر دیا ہے جو دنیا کی سیاست کو متاثر کر سکتے ہیں۔

بھارت کی یہ اہمیت کیوں ہے؟ اس لیے کہ دنیا میں آبادی کے لحاظ سے یہ دوسرا بڑا ملک ہے؟ یا سائنس اور ٹیکنیکل تربیت کے لحاظ سے بھارت دنیا میں تیسرے نمبر پر ہے؟ یا زرعی پیداوار کے لحاظ سے بھارت کا دنیا میں چوتھا نمبر ہے؟ یا صنعتی پیداوار کے لحاظ سے بھارت دنیا میں دسویں نمبر پر ہے؟ یا پھر اس لیے کہ فوج کی تعداد کے لحاظ سے بھارت دنیا میں چوتھا بڑا دیش ہے؟

آزادی کے بعد بھارت نے مادی اور اقتصادی پہلوؤں سے جو ترقی کی ہے، اس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ جدید دنیا میں مقام حاصل کرنے کے لیے یہ اہم لوازمات ہیں۔ مگر صرف یہی دیش کی ترقی کا راز نہیں ہیں۔ کیونکہ اب بھی بیسیوں دیش ترقی کی دوڑ میں ہم سے آگے ہیں۔ اب بھی دیش کی لگ بھگ آدھی آبادی غریبی کی ریکھا کے نیچے ہے۔

غریبی، نابرابری اور بے روزگاری کی منہ بولتی تصویریں اس وقار کو ضرور کم کرتی ہیں جو اقتصادی ترقی نے قائم کیا ہے۔

اقتصادی پہلو سے بھارت کی امتیازی پوزیشن اس کی دولت اور معیارِ زندگی کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ اس لیے کہ ترقی پذیر ملکوں میں بھارت کا اقتصادی نظام زیادہ متوازن ہے اور اس کی بنیاد جمہوری ڈھانچہ پر قائم ہے۔

صرف فوری ضرورت کی بجائے مستقبل کی ضرورتیں پورا کرنے کے لیے بنیادی صنعتوں پر بھی زور دیا گیا۔ چنانچہ فولاد، بجلی، الیکٹرانکس اور مشین بنانے کے کارخانے کے لحاظ سے ہندوستان ترقی پذیر ملکوں کی سربراہی کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے دیش جن کی فی کس آمدنی ہندوستان سے بہت زیادہ ہے، اپنے دیش کی ترقی کے لیے ہندوستانی ماہرین اور مشینوں پر دار و مدار رکھتے ہیں اور اس کا احترام کرتے ہیں۔

بھارت کے اقتصادی نظام کی اس سے بھی زیادہ اہمیت یہ ہے کہ اس کی بنیاد جمہوری ڈھانچہ پر قائم ہے۔ کسی دوسرے ترقی پذیر دیش میں جمہوری تجربہ اتنا کامیاب نہیں ہوا۔ اکثر ترقی یافتہ ملک بھی صنعتی انقلاب کے دور میں جمہوری نظام سے نا آشنا تھے۔ مثال کے طور پر برطانیہ میں سب بالغوں کو ووٹ دینے کا حق ۱۹۲۰ء کے بعد ملا۔ جب صنعتی انقلاب مکمل ہو چکا تھا۔

ہندوستان نہ صرف دنیا کا سب سے بڑا جمہوری دیش ہے بلکہ جمہوری دنیا کی آبادی کا لگ بھگ آدھا حصہ ہے۔ اگرچہ یہ دعویٰ کرنا مبالغہ ہوگا کہ ہمارا سیاسی نظام سبھی جمہوری تقاضے پورا کرتا ہے یا ایک آدرش جمہوریت کا نمونہ ہے۔ پھر بھی یہ امتیاز بھارت کو ہی حاصل ہے کہ صنعتی انقلاب اور اقتصادی ترقی کی ابتدائی منزلیں طے کیے بغیر اس نے جمہوری نظام اپنایا ہے۔ ترقی کی رفتار کتنی تسلی بخش ہے اور جمہوری نظام میں کیا خامیاں ہیں۔ ان سوالوں پر بحث ہو سکتی ہے۔ مگر اقتصادی ترقی جمہوری راستہ اپنانے کے انوکھے تجربہ نے بھارت کو عالمی سیاست میں جو اہمیت دی ہے اس سے انکار کی گنجائش نہیں۔

بھارت کا ایک اور امتیازی کردار نسلوں، زبانوں اور مذہبوں کی بہتات اور رنگارنگی ہے۔ ان سب کو ایک لڑی میں پرُو کر ایک ساجھی قومیت کی تشکیل کا عظیم تجربہ تیسری دنیا کے ملکوں کے لیے قابلِ رشک ہے۔ یہ تجربہ بھی جمہوری ڈھانچہ کے تحت کیا جا رہا ہے۔ جبکہ اکثر ملکوں میں فوجی حکومتیں بھی خانہ جنگی اور خونریزی کو نہیں روک سکیں۔

یہ درست ہے کہ ابھی بھارت پوری طرح ہم آہنگ نہیں بنا۔ فرقہ وارانہ جھگڑے، علاقائی تناؤ اور ذات پات کے سوال اب بھی قومی یک جہتی کو للکارتے رہتے ہیں۔ مگر آزادی کے ماحول میں مذہب و ملت، رنگ و نسل، زبان و کلچر، ذات برادری، علاقہ و سکونت کے امتیاز کے بغیر سب کو برابر حقوق دے کر ایک سیکولر جمہوری ملک بنانے کا عزم، بجائے خود ایک عظیم کارنامہ ہے اور بھارت کے عالمی وقار کا ایک اہم کارن۔

جن اصولوں پر بھارت اپنا اندرونی نظام بنانے کا کام کر رہا ہے اس کی بین الاقوامی نظام کو بھی ضرورت ہے۔ دنیا کے سب ملکوں کی رنگ و نسل کے امتیاز کے بغیر برابری ہی امن کی ضمانت ہو سکتی ہے۔ بھارت عالمی سیاست میں بھی ان اصولوں پر کاربند ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اصل میں کسی دیش کی خارجہ پالیسی اس کے گھریلو نظام سے الگ تھلگ نہیں رکھی جا سکتی۔ چنانچہ سامراجی غلبہ، نسلی امتیاز اور سیاسی دھڑے بندیوں کی مخالفت بھارت کی خارجہ پالیسی کی بنیادیں ہیں اور اسی بنیاد پر ناوابستہ تحریک کھڑی کی گئی تھی۔

جواہر لال نہرو نے مارشل ٹیٹو اور کرنل ناصر کے ساتھ مل کر جس تحریک کا باقاعدہ آغاز ۱۹۶۰ء میں کیا تھا، آج وہ اقوام متحدہ کے دو تہائی ممبر ملکوں کی نمائندہ تحریک بن چکی ہے جس میں دنیا کے تین بڑے براعظموں ایشیا، افریقہ اور جنوبی امریکہ کے اکثر ملک شامل ہیں۔ مارچ میں نئی دہلی میں ناوابستہ ملکوں کی ساتویں چوٹی کانفرنس نے ثابت کر دیا کہ یہ تحریک صرف تیسری دنیا کی مستند آواز ہی نہیں، بلکہ دنیا بھر کے انسانوں کے ضمیر کی آواز بھی ہے۔ تحریک کے باقاعدہ سر[illegible]

کرشن ادیب

چیخ رہی ہے سر پر میرے آج سفر کی رات میاں
خود کو تنہا میں کیوں سمجھوں ساتھ ہے خدا کی ذات میاں

سونا بے آباد جزیرہ دل اپنا ہے مدت سے
یاد نہیں کب اتری اس جا خوشبوں کی بارات میاں

تیرے ساتھ جو گذرے لمحے، ذہن میں ایسے آتے ہیں
جیسے پیار کے سندر بن میں یادوں کی برسات میاں

ہلکی ہلکی برکھا برسے، جھانجھر چھنکے پیروں میں
آج ہوا کی انگلی تھامے، اڑتے ہیں نغمات میاں

جیون تھا انمول رتن، برباد کیا ہے بے دردی سے
سانسوں کی یہ پونجی اب کنجوسی کی ہے خیرات میاں

اکثر اکثر سچ بھی اس کے مجھ کو جھوٹے لگتے ہیں
کبھی کبھی تو جھوٹ بھی اس کے لگتے ہیں سوغات میاں

روزِ ازل سے ایک اداسی اپنے دل میں رہتی ہے
ابن انشا، میر، ادیب کے غم کی ایک ہے ذات میاں

(جالندھر سے نشر)

حیثیت سے ہندوستان کا جو وقار ہے اس کا کانفرنس کے ممبروں کے علاوہ باقی ملکوں نے بھی کھلے دل سے اعتراف کیا۔

بڑی طاقتیں ایمٹی ہتھیاروں کی جس دوڑ میں شامل ہیں وہ انسانیت کی خودکشی کی دوڑ ہے تخفیف اسلحہ یا ترکِ اسلحہ کے لیے ناوابستہ تحریک کے سربراہ کی حیثیت سے بھارت نے جو مہم شروع کی تھی اس کی اہمیت کا اعتراف صرف تیسری دنیا ہی میں نہیں بلکہ دونوں دھڑوں کے اندر بسنے والے عام انسان بھی کر رہے ہیں۔ کیونکہ یہ انسانیت اور کُرّۂ زمین کے بقا کے لیے دنیا بھر کے انسانوں کی دھڑکن کی آواز ہے۔

بھارت کا بین الاقوامی وقار بنیادی طور پر اس بات پر منحصر ہے کہ وہ اپنے سیاسی اور اخلاقی اصولوں پر کس حد تک عمل کر سکتا ہے۔ اندرونی طور پر جمہوریت اور مساوات کے اصولوں پر عمل اور بیرونی طور پر آزاد اور ناوابستہ خارجہ پالیسی بھارت کے وقار کی مضبوط بنیادیں بن سکتی ہیں۔

اس کے علاوہ آج کی مادی دنیا کو ان اخلاقی قدروں کی بھی ضرورت ہے۔ جن کا پرچار ہمارے روحانی اور مذہبی پیشوا کرتے رہے ہیں۔ اور جنہیں عملی اور دنیاوی زندگی اور اندرونی و بیرونی سیاست پر لاگو کرنے کے لیے مہاتما گاندھی اصرار کرتے رہے۔ ان کی شخصیت اور پیغام کے جادو کا ہی اثر تھا کہ ایٹن بروکی گاندھی فلم کا دنیا بھر میں اتنا حیرت انگیز خیر مقدم کیا گیا۔ انھوں نے گاندھی کی یاد تازہ کر کے ہی بھارت کا وقار اچانک اتنا بلند کر دیا۔

بھارت روحانی اور اخلاقی قدروں سے مالا مال ملک قدیم اور قدیم تہذیب ہے۔ گاندھی جی اسی قیمتی وراثت کا ایک انمول نمونہ اور نقطۂ عروج تھے۔ یہ تہذیب، جارحیت، ملک گیری، سامراجیت اور استحصال کی تہذیب نہ تھی اس کا فروغ علم اور اخلاق سے ہوا تھا۔

بدیشوں میں بھارت کا وقار آج کی کوششوں سے ہی نہیں بنا۔ اس کے پیچھے ہزاروں برس کی تاریخ ہے۔ جہاں دوسری تہذیبوں کے نام و نشان مٹ گئے وہاں بھارتی تہذیب کا تسلسل آج تک جاری ہے۔ اس کے تمام اتار چڑھاؤ کے باوجود باقی دنیا نے اس کا پیغام سُننا کبھی مکمل طور پر بند نہیں کیا تھا۔

بھارت کا ماضی اور حال، اقتصادی اور سیاسی نظام، خارجہ پالیسی اور بدیش نیتی، ثقافتی اور تہذیبی وراثت ملک کی ہمہ گیر شخصیت کے مختلف پہلو ہیں۔ ان پہلوؤں میں ہم آہنگی اور ان کی متوازن ترقی پر بھارت کے وقار کا دار و مدار ہے۔

اس وقار کو بنانا اور قائم رکھنا محض سیاسی لیڈروں کا کام نہیں۔ اہل دانش، سائنسداں ادیب، مفکر، کلاکار بھی دیش کی امیج بناتے ہیں اور ان سے بھی اہم کام شہری کا رول ہے جس کا وقار بنے بغیر قوم کا وقار نہیں بن سکتا۔

(جموں سے نشر)

بنگال کے قدیم اردو مطابع

مطبع سلطانی

سید مقیت الحسن

ارضِ بنگال کو مغلوں نے "خلاصۃ ممالک محروسہ" کہہ کر پکارا اور اپنی تاریخ کی کتابوں میں ایسا ہی لکھا۔ پھر اس کے بعد جب ایسٹ انڈیا کمپنی کے صاحبان انگریز ہمارے ملک میں اول بغرض تجارت اور بعدہٗ بغرض حکومت تشریف لائے اور نئے نئے شہر قائم کئے تو اپنے ساتھ دورِ جدید کی سائنسی برکتیں بھی بہت ساری ساتھ لیتے آئے اور ان کو زندگی کے بہت سے مختلف شعبوں میں پھیلا دیا۔ ان عطیات سائنس میں سے چھاپہ خانوں کو بھی اُن کا معقول حصہ ملا۔

سر ولیم جونس اور ان کے ساتھیوں نے ہمارے لکھے ہوئے مواد کو جب پڑھنا چاہا تو دیکھا کہ اتنا بڑا ذخیرہ ہے کہ عمریں صرف ہو جائیں لیکن تمام نہ ہوں۔ فطری طور پر ان کو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ یہ سارے کا سارا مواد چھپ کر سامنے آجاتا تو مطالعہ میں بڑی آسانی ہوتی۔ اب انہوں نے چھاپہ خانے قائم کرنے کے ارادے کر لئے۔ ہندوستانی زبانیں سیکھیں، ٹائپ کاسٹ کئے اور اس طرح چھاپہ خانوں کی بنیادیں پڑ گئیں۔ سر چارلس ولکنس نے اردو فارسی کے نستعلیق ٹائپ کاسٹ کئے اور پادری ولیم کیسری نے دیوناگری اور بنگالی ٹائپ۔

فی الوقت اپنا تعلق بنگال کے قدیم اردو میں سے مٹیا برج کے مطبع سلطانی سے ہے اس لئے میں کسی اور مطبع کا ذکر نہیں کروں گا۔ ارض بنگال کے اس دور کے مشہور مطابع کا نام گنوائے دیتا ہوں اس کے بعد مطبع سلطانی کے بارے میں سنئے ـــــ مختلف دیگر ممالک میں سرفہرست کوپر پریس، بیپٹسٹ مشن پریس، ہندوستان پریس، ایسٹ انڈیا کمپنی پریس، مطبع مخزن القوانین، مطبع مظہر العجائب، اردو گائیڈ پریس اور مطبع سلطانی ہیں۔

مٹیا برج کا پرانا نام "موچی کھولا" تھا۔ واجد علی شاہ کی اردو تہذیب نے اس کا ایک نیا شاعرانہ اور شاہانہ نام مٹیا برُج تجویز کر دیا۔ جہاں برج بنے وہاں ایک شاندار مطبع بھی۔ اس وقت تک کے دستیاب سائنسی آلات کے ساتھ قائم ہوا اور مطبع سلطانی نام پایا۔ یہ مطبع دراصل سلطان غازی الدین حیدر نواب اودھ کے مطبع سلطانی کی ایک وراثت تھا۔ مطبع سلطانی تو دراصل غازی الدین حیدر کا ہی قائم کیا ہوا تھا۔ اس میں لیتھو کی چھپائی ہوتی تھی۔ مٹیا برج کے مطبع سلطانی میں بھی لیتھو کی ہی چھپائی ہوتی تھی۔ مطبع سلطانی محلات مٹیا برج کے حدود میں واقع تھا مطبع سلطانی پر کچھ زیادہ کہنے سننے کے لئے مواد مفقود ہے نہ تو واجد علی شاہ کے وزیر السلطان جناب امیر علی خان نے کوئی تفصیل لکھی اور نہ مولوی عبد الحلیم شرر نے ہی کوئی خاص ذکر کیا۔ بہرحال قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ واجد علی شاہ جب فورٹ ولیم کی قید سے چھوٹے اور مٹیا برج کو آباد کیا تو دیگر بہت سے محلات اور اداروں کے ساتھ مطبع سلطانی بھی وجود میں آیا۔ اور بادشاہ کے بارہ لاکھ روپے سالانہ کی پنشن میں اتنی برکت آگئی کہ مٹیا برج رشکِ لکھنو ہو گیا ـــــ

مٹیا برج کے مطبع سلطانی نے بھی بہت سی کتابیں شائع کی تھیں، لیکن برخلاف عام مطبعوں کے یہ مطبع نواب بہادر اور ان کے متعلقین محلات کی تالیفات کی طباعت کے لئے مخصوص تھا۔ مطبع سلطانی سے واجد علی شاہ کی جو کتابیں باہر نکلیں ان میں "بحر ہدایت"، "مثنوی حُزنِ اختر"، "جوہر عروض"، "ارشادِ خاقانی"، "کلاذ الکلمات" وغیرہ خاص ہیں۔ اور خوشی کی بات یہ ہے کہ اب بھی یہ تمام کتابیں دستیاب ہو جاتی ہیں۔ اور ارضِ بنگال کے دار الخلافہ اور بین الاقوامی شہر کلکتہ میں ہی دستیاب ہیں۔ بات صرف اہل کلکتہ کے بھرپور توجہ کی ہے۔

(کلکتہ سے نشر)

رامائن

ڈاکٹر سید اسد علی

ہندوستانی تہذیب زمانہ قدیم سے ہمہ گیر رہی ہے۔ اس کو وراثت میں عالمگیر قدریں۔ مذہبی روایات اور ادبی سرمایہ ملا ہے۔ جہاں ایک طرف وید، پُران، رامائن، مہابھارت جیسے گرنتھ ملے ہیں وہیں دوسری طرف گرو گرنتھ صاحب، پدماوت، رام چرت مانس، اور سور ساگر جیسی عظیم تصانیف بھی اسے ورثہ میں ملی ہیں۔ عوام میں تلسی کا رام چرت مانس رامائن کے نام سے مشہور ہے جو پہلے سنسکرت شاعر بالمیکی کی رامائن کی بنیاد پر ہندی کی عظیم تصنیف ہے۔

رامائن بنی نوع انسان کے لئے ایک ایسا بیش قیمت ورثہ ہے جو عوام سے لے کر خواص تک ہر زمانہ میں ہر طرح کے انسان کیلئے ایک آدرش مشعلِ راہ ہے۔ یہ ایک بہترین ادبی شہ پارہ ہے اور سماجیات و اخلاقیات کا گنجینہ بھی۔ اس میں ہماری روزمرہ کی زندگی کے نازک سے نازک ترین مسائل کے حل موجود ہیں۔

رام چرت مانس یا رامائن شری رام چندر جی کے مشہور تاریخی کردار کو مرکز بنا کر لکھا گیا ہے۔ اس میں شیو پاروتی کی گفتگو اور بھانو پرتاپ کے قصہ کے بعد رام چندر جی کی پیدائش، ان کا بچپن وشوامتر کے ساتھ جانا، پشپ واٹیکا میں سیتا کو دیکھنا، رام چندر جی کا دھنش توڑنا اس کے بعد سیتا سے ان کی شادی۔ رام کا جشنِ تاج پوشی، بن کو جانا، چترکوٹ میں رہنا، بھرت اور کوشیلا کی بات چیت، بھرت کا رام سے ملنے چترکوٹ جانا، ان سے بات چیت کرنا، انہیں واپس لانے کا اصرار، سمجھانے اور انکار کرنے پر ان کی کھڑاؤں لے کر واپس ہونا۔ سیتا ہرن، ہنومان سے ملاقات، ہنومان کا لنکا جانا، سیتا سے ملنا، لڑائی کی تیاری، رام راون کی لڑائی، راون کی موت، سیتا کی اگنی پریکشا، ایودھیا جانا، رام کی تاج پوشی، رعایا سے ملاقات، ان چیزوں کو بہترین فنکارانہ اور شاعرانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

رامائن کے ذریعہ سے تلسی داس نے عوام میں خود اعتمادی استقلال، صبر و قناعت اور اخلاقی حس کو بیدار کیا۔ اس نے ایک سچے رہنما کی طرح عوام کو نیک راہِ عمل دکھائی۔ انسانی اخلاق کا سب سے اہم اور نازک پہلو دوسروں کو راحت پہونچانا ہے جو ہمیں رامائن سے ورثہ میں ملا ہے۔ اسی بات کی اہمیت کو تلسی داس نے سامنے رکھا اور رامائن کی تصنیف کا مقصد عوام کی بھلائی اور ایکے راحت و سکون کو مانا۔ تلسی داس کا یہ جذبۂ ہمدردی وایثار قابلِ ستائش ہے بقول ان کے رام چندر جی کا تذکرہ ہی عوام کو راحت پہونچانے والا اور اس کی بھلائی کرنے والا ہے۔

"منگل کرنی کلی مل ہرنی تلسی کتھا رگھوناتھ کی"

رام چندر ایک عظیم انسان ہیں جنہیں انسانی خوبیوں کو بنا کسی لاگ لپیٹ کے بیان کر دیا گیا ہے۔ رام چندر جی ظرف و متانت میں بحرِ بے کراں، حوصلہ مندی میں ہمالیہ، شجاعت میں وشنو ہر دلعزیزی میں ماہتاب، غصہ میں تفنگِ آتشیں، عفو و درگذر میں زمین کی طرح معاف کرنے والے اور ایثار و قربانی میں حاتم طائی دگبیر ہیں۔ رام کی عظیم شخصیت فرماں برداری اور اطاعت کی زندہ مثال ہے۔ محبت و ہمدردی کے پیامبر۔ ان کی شخصیت میں بلا کا صبر و تحمل ہے۔ بچپن سے ہی والدین اور استاد کی اطاعت کرتے ہیں۔ دوستوں کے صلاح کار ہیں۔ کسی نے خواب میں بھی انہیں کبھی غصہ کرتے نہیں دیکھا۔ اطاعت و فرماں برداری ان جیسی کہیں نہیں مل سکتی۔ جب راجہ دشرتھ انہیں راج گدّی دیتے ہیں تو خوشی سے لے لیتے ہیں اور جب وہی دشرتھ انہیں چودہ سال کا بن باس دیتے ہیں تو رام اسے بھی خوشی قبول کر لیتے ہیں اور اپنے والد کے عہد کو نبھانے کی غرض سے چودہ سال کے لمبے عرصہ کو جنگل میں گذار دیتے ہیں۔ عیش و عشرت کی زندگی کو باپ کے دئے ہوئے قول پر نچھاور کر دیتے ہیں۔

رام چندر کے ذریعہ مکمل انسان اور اعلیٰ بشریت کا جو تصور پیش کیا گیا ہے وہ ہماری سب سے بڑی پونجی ہے جو ہمیں رامائن سے وراثت میں ملی ہے۔ رامائن سے ہمیں آدرش باہمی تعلقات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ چاہے وہ تعلقات بھائی بھائی کے ہوں، باپ بیٹے کے ہوں، بیوی اور شوہر کے ہوں، دوست اور دوست کے ہوں، راجہ اور پرجا کے ہوں۔ رام اور انکے تینوں بھائی ایک دوسرے کو بہت چاہتے تھے اور ایک دوسرے کا بے حد احترام کرتے تھے حالانکہ وہ الگ الگ ماؤں کی اولاد تھے۔ بھرت نے خود حکومت کرنا نہیں چاہا۔ کیکئی کے منصوبے کی وجہ سے وہ مجبور ہو گئے تھے لیکن پھر بھی خود تخت پر نہیں بیٹھے۔ رام کی کھڑاؤں کو انہوں نے تخت نشیں کیا۔ دنیاوی زندگی کے تمام عیش و آرام کو انہوں نے ترک کر دیا جب تک رام چندر جی ایودھیا واپس نہیں آئے لکشمن بھی ایودھیا رہ کر عیش و عشرت کی زندگی گذار سکتے تھے لیکن انہوں نے اپنی ماں اور بیوی کو گھر پر چھوڑ کر رام کے ساتھ جنگل کی مشکلات سے بھری زندگی کو اپنایا اور بڑے بھائی کے دکھ سکھ میں برابر کے شریک ہوئے۔ بھائی اور بھابی کی خدمت کی۔ ایثار و محبت کی اس سے بڑی مثال اور کہاں مل سکتی ہے۔

رامائن میں اندھی تقلید کا مشورہ بھی نہیں دیا گیا ہے۔ اخلاق، مذہب اور سچائی پر چلنے کی تلقین کی گئی ہے۔ دبھیشن نے اپنے بھائی راون کے بُرے کردار کو دیکھ کر اسے چھوڑ دیا اور شری رام کے اعلیٰ کردار سے متاثر ہو کر ان کے ساتھ ہو لیا۔

رامائن میں دوستی کے رشتے کی وضاحت بھی کی گئی ہے آپسی محبت، خلوص، جذبۂ ایثار و قربانی۔ ان سب کو دوستی کیلئے ضروری مانا گیا ہے۔ رام اور سُگریو اچھے اور مخلص دوست تھے اور ایک دوسرے کو فائدہ پہونچانے کے لئے سدا تیار رہتے تھے۔ آدرش خادم کی مثال ہنومان ہیں جو خدمت گذار قابل اور وفادار تھے۔ انہوں نے رام کے ہر حکم کی تعمیل کی اور سونپے گئے فرائض کو بڑی تندہی اور وفاداری کے ساتھ اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر پورا کیا۔

رامائن کا ہر کردار اپنے آپ میں ایک مثالی کردار ہے اور آنے والے اور موجودہ نسلوں کے لئے ایک آدرش ورثہ ہے۔

رام اور راون کی جنگ ایک تاریخی جنگ ہے۔ انصاف اور ظلم کی کشمکش حق و باطل کا معرکہ ہے۔ غیر مفتوح اور لافانی طاقت والا راون اپنی تکبر اور گھمنڈ کی وجہ سے حق کے پیغامبر رام چندر کے ہاتھوں ذلت اور رسوائی کی موت مارا گیا۔ اس طرح رامائن برائی پر بھلائی کی فتح کی زندہ جاوید مثال ہے جو ہمارا قابلِ قدر ورثہ ہے۔

(اردو سروس سے نشر)

معصوم تاجپوری

خونِ دل دے کے چمن جس نے سنوارا ہوگا
وہ ہی گلشن میں ہر اک آنکھ کا تارا ہوگا
کتنی مہنگی ہے خوشی یہ تو بتائے گا وہی
جو زمانے میں غم و رنج کا مارا ہوگا
آج گمنام اگر ہیں تو کوئی بات نہیں
کل کے چہرے پہ لکھا نام ہمارا ہوگا
جان و دل سے جو گذر جائے وفا کی خاطر
بزمِ الفت میں وہی جان سے پیارا ہوگا
تم کو حق ہے کہ بھلا دو مجھے یکسر معصوم
میرے ہونٹوں پہ مگر نام تمہارا ہوگا

(کلکتہ سے نشر)

اردو مثنوی میں محبوب کا تصور

سیدہ شان معراج

محبوب کا تصور عاشق کے تصورِ حسن کے بغیر کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور عاشق کا تصورِ حسن جزوی حیثیت سے انفرادی ہونے کے باوجود اجتماعی ہوتا ہے۔ عاشق کو تصورِ حسن سماج سے ورثے میں ملتا ہے اور سماج کو یہ تصور کسی علاقے کا جغرافیائی پس منظر عطا کرتا ہے رفتہ رفتہ سماج کا یہ اجتماعی تصورِ حسن ہر فرد کی رگ و پے میں اتر جاتا ہے۔ حُسن کے اس تصور کی اجتماعیت میں انفرادی پسند و ناپسند جزوی حیثیت رکھتی ہے۔

وہ لوگ جو اس نظریے سے اختلاف رکھتے ہیں اور تصورِ حسن کے معاملے انفرادیت کے علمبردار ہیں ان کا کہنا ہے کہ حسن کی کوئی واضح تعریف نہیں ہو سکتی۔ حسن دراصل نظر میں ہوتا ہے یعنی حسن کا مسئلہ ان کے نزدیک محض انفرادی چیز ہے۔ اجتماعیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ میں ذاتی طور پر اس انفرادی نظریۂ حسن کو کمزور خیال کرتی ہوں اور انفرادی پسند ناپسند کو جزوی حیثیت دیتی ہوں کیونکہ جغرافیائی اور علاقائی اعتبار سے ہر خطے کا اپنا واضح اور مختلف اجتماعی تصورِ حسن ہوتا ہے جس پر حسن کو پرکھا اور دیکھا جاتا ہے یہ اجتماعی تصورِ حسن ہزاروں سال میں بنتا ہے اور نسل در نسل سفر کرکے ہر فرد کے ذہن و شعور میں پرورش پا جاتا ہے۔

علاقائی اعتبار سے یہ فرق مختلف ممالک میں مختلف کسوٹیوں پر پرکھا جاتا ہے اس تصور کا بٹوارہ مشرق اور مغرب کے ناموں پر بھی کیا جاتا ہے۔ ایک ہی بڑے ملک میں دو یا دو سے زیادہ تصورِ حُسن ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ہمارے ہندوستان میں حُسنِ بنگال اور حُسنِ کشمیر اپنی مختلف اور مخصوص خصوصیات کے ساتھ پہچانے جاتے ہیں اور ان کی تعریف و تنقید بھی مختلف زاویوں کو نظر میں رکھ کر کی جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے مختلف ملکوں کی تہذیبیں مختلف ہوتی ہیں رنگ و روپ جدا ہوتے ہیں موسم اور ان کی مناسبت سے لباس مختلف ہوتے ہیں، تصورِ حسن میں بھی یہ اختلاف باقی رہتا ہے اور اس اختلاف کی بنیادی وجہ ہے وہاں کی آب و ہوا اور جغرافیائی تفریق۔ اس بحث سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک ہی تصورِ حسن تمام عالم کے لیے کافی نہیں ہو سکتا اس تصور میں فرق ہونا ہی چاہیے۔

ہندوستان ایک وسیع و عریض ملک ہے یہاں مختلف رنگ و روپ کے لوگ رہتے ہیں مختلف لباس زیب تن کیے جاتے ہیں۔ مختلف آب و ہوا اپنے مختلف رنگ پیش کرتی ہے لیکن ان تمام اختلافات کے باوجود تمام رنگا رنگی کے باوجود یہاں جو ایک قسم کی یک رنگی اور یکسانیت پائی جاتی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اسی یکسانیت نے مختلف رنگ و روپ رکھنے والے ملک کو ایک منفرد تصورِ حسن بخش دیا ہے یہی تصورِ حسن اس سرزمین پر تخلیق ہونے والے ادب و آرٹ میں کارفرما ہے۔ وہ چاہے نثری ادب ہو یا نظم، غزل ہو یا مثنوی، محبوب کا جو پیکر سامنے آتا ہے اس میں ہندوستانیت ہر جگہ پہچانی جا سکتی ہے۔

مثنوی تمام اصنافِ سخن میں اس اعتبار سے (کہ اس میں محبوب کی تصویر کشی اور عکاسی کے زیادہ مواقع فراہم ہوتے ہیں) کارآمد صنف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مثنوی ایک مسلسل نظم ہے تسلسل اس کی بنیادی خصوصیت ہے۔ کیونکہ اشعار کی تعداد پر کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ موضوع کے اعتبار سے بھی اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ مثنوی نے ہندوستان میں اپنے تقریباً ایک ہزار سال کے تاریخی ارتقا کے دوران مختلف سماجی سیاسی اور تہذیبی میلانات سے گہرے اثرات قبول کیے۔ مثنوی نے حسن و عشق کی رنگین کہانیاں سنائیں۔ مافوق الفطرت قصے بیان کیے۔ تصوف کے صحراؤں کی خاک چھانی، مذہبی اعتقادات کو تقویت پہنچائی، شہنشاہوں کے طویل و عریض ایوانوں کی سرگرمیاں پیش کیں۔ عالموں اور مدبروں کی سنجیدہ محفلوں میں پرورش پانے والے فکر و فلسفہ کے رازہائے سربستہ کو آشکار کیا۔ کبھی عام لوگوں کی زندگی کے رسم و رواج بیان کیے۔ کبھی کبھی ان کے عشقیہ جذبات اور المیہ احساسات کا ذکر کیا۔

مثنوی میں دو چیزوں کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ ایک کردار نگاری، دوسری واقعہ نگاری۔ مثنوی کے قصے پورانک بھی ہیں اس میں لوک کہانیاں بھی ہیں۔ یہ قصے تاریخی بھی ہیں اور نیم تاریخی بھی، ہند ایرانی قصے بھی ہیں اور خالص ہندوستانی قصے بھی۔ یہ قصے زندگی کا المیہ اور طربیہ دونوں رُخ پیش کرتے ہیں۔

مثنوی کے کرداروں کو ہم چار گروہوں میں بانٹ سکتے ہیں، وہ کردار جو طربیہ ہیں، وہ کردار جو آدھے فوق الفطری اور آدھے انسانی ہیں، وہ کردار جن میں علم کی کمی ہے —

میں مثنوی میں محبوب کا کردار پیش کرنے کے لیے ان کرداروں کو پیش کرنا چاہتی ہوں جو جیتی جاگتی دنیا کے رہنے والے ہیں اور جن کی مثال جہانِ آب و گل میں جگہ جگہ مل سکتی ہے۔ یوں تو مثنوی کے ابتدائی دور میں عاشق اس دنیا کا ہوتا ہے اور محبوب آسمانی ہوتا تھا۔ میری مراد عشق حقیقی سے ہے جس کا محبوب Abstract تھا۔ اس کے بعد مافوق الفطری واقعات پر مبنی مثنویاں آتی ہیں جن میں محبوب پری زاد بھی ہوتا ہے اور آدم زاد بھی لیکن جیسے جیسے ذہن فوق الفطری واقعات سے دور ہوتا گیا ہماری مثنویوں میں سچے سماجی کردار ملنے لگے۔ عاشق عام طور سے مرد ہے اور محبوب فطری انداز سے عورت۔ یہیں سے محبوب کا تصور فطری انداز میں ابھرتا ہے اور گرفت آتا ہے۔ سب سے پہلے میں میر حسن دہلوی کی معرکتہ الآرا مثنوی سحرالبیان سے وہ اقتباسات پیش کرتی ہوں جس میں محبوب کے پیکر کا تصور اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ موجود ہے:-

سب اعضا بدن کے موافق درست	ہر اک کام میں اپنے چالاک و چست
جہاں راستی چاہیے راستی	کجی جس جگہ چاہیے واں کجی
کچھ اک تمکنت اور کچھ اک بانکپن	غرض ہر طرح سے انوکھی پھبن
کرشمہ، ادا، غمزہ ہر آن میں	غرض دلبری اس کے فرمان میں
تغافل، حیا، ناز، شوخی، غرور	ہر اک اپنے موقع سے وقتِ ضرور
تبسم، تکلم، ترنم، ستم	موافق ہر اک حوصلے کے کرم
وہ ابرو کہ محرابِ ایوانِ حُسن	جھکی شاخِ نخلِ گلستانِ حُسن
قد و قامت آفت کا ٹکڑا تمام	قیامت کرے جس کو جھک کر سلام

یہ ہے سحرالبیان کے محبوب بدرِ منیر کا سراپا یعنی خالق کے ذہن کا وہ تصورِ حسن جو اس کو اس کے ماحول سے ورثے میں ملا تھا۔

دوسری اہم مثنوی جو محبوب کے تصور کو مجسم پیش کرتی ہے وہ مرزا شوق لکھنوی کی "زہرِ عشق" ہے جو اپنی مقبولیت کی معراج پر پہنچتی ہے اور مثنوی ٹیکنک پہ پوری اترتی ہے۔ اس کے کردار دیا شنکر نسیم کی مثنوی "گلزارِ نسیم" کی طرح پری اور دیو نہیں ہیں بلکہ چلتے پھرتے ٹھوس وجود رکھنے والے انسان ہیں۔ اس مثنوی میں ہیروئن ماہ جبیں ایک سوداگر کی لڑکی ہے اس میں اس کے پیکر کے متشکل کرنے کے لیے منتخب اقتباس پیش کرتی ہوں۔

ثانی رکھتی نہ تھی وہ صورت میں	غیرتِ حور تھی حقیقت میں
سبزۂ نخلِ گل جوانی تھا	حُسنِ یوسف فقط کہانی تھا
اس سن و سال پر کمال خلیق	چال ڈھال انتہائی نستعلیق
چشم بد دور وہ حسیں آنکھیں	رشکِ چشمِ غزال چیں آنکھیں
تھی زمانے میں بے عدیل و نظیر	خوش گلو، خوش جمال، خوش تقریر
تھا نہ اس شہر میں جواب اس کا	حسن لاکھوں میں انتخاب اس کا
رُخ پہ گیسو کی لہر آفت تھی	جو ادا اس کی تھی قیامت تھی

یہ ہے مثنوی اور اس کی کردار نگاری و پیکر تراشی کا نمونہ جس سے محبوب کا تصور سامنے آتا ہے اور ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ محبوب نام ہے ایک حسین پیکر کا اور ہندوستان اور اس کے اطراف میں حسین وہ کہلاتا ہے جو اشعار میں بیان کی گئی خوبیاں بیک وقت رکھتا ہو۔

یہی وہ تصورِ حسن ہے جو ہندوستانی ادیب شاعر اور عاشق کے ذہن میں رچ بس گیا جس کی اجتماعیت اس لیے مسلّم ہے کہ ہر مثنوی کے محبوب کا تصور تقریباً یکساں ہے اور حسن کے تصور کی یکسانیت ہمارے مخصوص علاقائی جغرافیائی پس منظر کی دین ہے۔ (لکھنؤ سے نشر)

عہد رفتہ کے سائنسداں

ابن سینا

ڈاکٹر محمد صابر خاں

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ہزاروں سال تو نہیں، لیکن تقریباً ایک ہزار سال پہلے صفر ۳۷۰ ہجری، مطابق اگست ۹۸۰ء میں بخارا کے قریب ایک گاؤں افشنہ میں دیدہ ور شیخ الرئیس ابو علی الحسین بن عبداللہ بن الحسن بن علی بن سینا پیدا ہوتے تھے۔ ان کے والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام ستارہ تھا، جو ایک ایرانی خاتون تھیں۔

۳۰ سال کی عمر تک کے حالاتِ زندگی ابن سینا نے خود لکھے ہیں، جس کے مطابق، دس سال کی عمر ہی میں وہ قرآن اور عربی ادب کے مطالعہ سے فارغ ہوگئے تھے۔ ہندوستانی علم الحساب اور اسلامی فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد، انھوں نے یونانی منطق اور سائنس کی ان کتابوں کا مطالعہ کیا، جن کے ترجمے عربی میں موجود تھے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ ۱۶ سال کی عمر ہی میں وہ فنِ طب کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس زمانے میں سامانی امیر بخارا نوح بن منصور ثانی بیمار پڑے تو کوئی طبیب ان کا علاج نہ کر سکا۔ ابن سینا کے علاج ہی سے وہ صحتیاب ہوئے۔ اس کے بعد مزید ڈیڑھ سال تک انھوں نے منطق، فلسفہ اور سائنس کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔

ابن سینا کے زمانے میں ایران اور مرکزی ایشیا کے سیاسی حالات غیر مستقل تھے اور وہ چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ابن سینا، سامانی امیر نوح بن منصور کے دربار سے ۱۸ سال کی عمر ہی میں منسلک ہوگئے تھے۔ جب وہ صرف ۲۲ سال کے تھے تو ان کے والد ماجد اور ان کے سرپرست نوح بن منصور، دونوں کا انتقال ہوگیا۔ ملازمت کے سلسلے میں وہ ایران کے مختلف درباروں سے وابستہ رہے۔ لیکن ایران اور مرکزی ایشیا سے باہر کسی دربار میں انھوں نے رسائی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ دو مرتبہ وہ بنو بویہ کے امیر صمصام الدولہ کے وزیر مقرر ہوتے اور دونوں مرتبہ لشکر کے ساتھ تنازعہ کی وجہ سے ان کو قید کی مشقت جھیلنی پڑی۔ ابن سینا کا انتقال ہمدان میں ۴۲۸ ہجری، مطابق ۱۰۳۷ء میں ہوا جبکہ وہ صرف ۵۸ سال کے تھے۔ ان کی خود نوشت سوانح عمری کے ۳۰ سال کے بعد کے حالات کو ان کے شاگرد ابو عبید الجوزجانی نے قلمبند کیا ہے۔

ابن سینا نہ صرف فلسفی تھے، بلکہ وہ ایک سائنسداں اور کامیاب طبیب بھی تھے، جن کو دستِ شفا حاصل تھا۔ انھوں نے دنیا کے تقریباً ہر موضوع پر کتاب لکھی تھی۔ وہ سب ملاکر ۲۷۶ عربی کتابوں کے مصنف تھے جن میں سے چند ناپید ہیں۔

آیئے، سب سے پہلے ہم ابن سینا کا ایک فلسفی کی حیثیت سے، جائزہ لیں۔ منطق میں وہ ارسطو اور الفارابی سے متاثر ہیں۔ انھوں نے تصور، تصدیق، قیاس، استقراء اور تمثیل کی اچھی تشریح کی ہے۔ جہاں تک مابعد الطبیعات کا سوال ہے، ابن سینا نے خود لکھا ہے کہ انھوں نے ارسطو کی کتاب "مابعد الطبیعات" کو ۴۰ مرتبہ پڑھا، لیکن ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ جب انھوں نے اس کتاب پر فارابی کی شرح کو پڑھا تو یہ کتاب ان کی سمجھ میں آگئی۔ تخلیقِ عالم کی مذہبی تعلیم، عیسائی اور مسلمان فلسفیوں کے لیے یکساں طور پر مشکلات پیدا کرنے والی تھی۔ قرآن کی تعلیم کے مطابق دنیا ازلی نہیں ہے۔ اس کو اللہ نے ایک مقررہ وقت پر صرف "کُن" کہہ کر تخلیق کیا ہے۔ اس سے فلسفیوں کے لیے بہت سے مسائل پیدا ہوتے۔ ابن سینا نے اس مسئلے کا حل اس طرح پیش کیا کہ اللہ وقت اور دنیا دونوں کو ایک ساتھ وجود میں لایا۔ ابن سینا کا یہ نظریہ ان کے نظریۂ وجودِ ممکن (Possible Being) اور وجودِ لازمی (Necessary Being) پر منطبق ہے، جو ان کے فلسفے کی روح ہے۔ اس کے مطابق، وجود لازمی اللہ ہے، جو خالق ہے، اور وجود ممکن کائنات ہے، جو مخلوق ہے۔ وجود لازمی کے لیے بحث و مباحثہ کی گنجائش نہیں ہے۔ نہ اس کے لیے ثبوت و شواہد کی ضرورت ہے۔ یہ لافانی ہے؛ اس میں وحدت ہے، کثرت نہیں ہے۔ زمانہ وسطیٰ کے عیسائی فلسفی خاص طور پر سینٹ ٹامس اکوئناس، ابن سینا کے اس نظریئے سے کافی متاثر ہوئے تھے۔

علم النفسیات میں، ابن سینا کا نظریۂ روح بہت ... ہے، جس کی تشریح انھوں نے الشفاء، النجات اور الاشارات والتنبیہات میں کی ہے۔ ابن سینا کے نزدیک بھی روح کی تین قسمیں ہیں:- روح نباتی، روح حیوانی اور روح عقلی۔ ان کا خیال ہے کہ روح جسم سے بہت مختلف ہے۔ اور انفرادی روح لافانی ہے، جو جسم سے الگ ہو کر بھی زندہ رہتی ہے۔ یہ نظریہ اسلام کی تعلیم کے عین مطابق ہے۔ جو ارسطو کے نظریۂ ... سے ماخوذ یا متاثر نہیں ہے۔ ابن سینا نظریۂ تناسخ میں یقین نہیں رکھتے تھے۔

ابن سینا کا خیال ہے کہ انسان کے جسم اور دماغ میں بہت فرق ہے۔ صرف دماغ کے سوچنے ہی سے انسان کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ انھوں نے معلق انسان کی مثال دی ہے جس کی آنکھیں بند ہیں اور جس کا کوئی تعلق خارجی دنیا سے نہیں ہے۔ اگر وہ سوچ سکتا ہے تو اس کا وجود ثابت ہو جائے گا۔ یورپ کے مشہور فلسفی ڈیکارٹس، ابن سینا کے اس نظریہ سے متاثر ہوئے اور ان کا نظریہ "کوجیٹو ارگو سم" یعنی "میں سوچ سکتا ہوں، اس لیے میں موجود ہوں" اس نظریہ سے ماخوذ ہے۔ اپنی زندگی کے آخری حصہ میں ابن سینا نے ایک کتاب "منطق المشرقین" لکھی تھی، جس کے صرف چند اوراق ہم تک پہنچے ہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ ابن سینا نے اس کتاب میں ایک خاص مشرقی فلسفہ پیش کیا تھا۔

ایک سائنسداں کی حیثیت سے بھی ابن سینا کا مقام بہت بلند ہے۔ وہ اپنی تحریروں میں ہر نتیجہ کے سبب کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، جس کو جدید سائنس میں ... کہتے ہیں۔ اس بنیادی اصول کے بغیر، سائنس کی ترقی ممکن نہیں تھی، اور اس کی بہت سی مثالیں ابن سینا کی "القانون فی الطب" میں ملتی ہیں۔ القانون کے شروع ہی میں انھوں نے دواؤں کے اثرات کے اسباب پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس زمانہ کے سائنس کے ہر موضوع پر انھوں نے لکھا ہے۔ "الشفاء" میں انھوں نے علم الکیمیا، علم الطبیعات، علم الارضیات، علم النباتات، علم الحیوانات اور دوسرے علوم سے بحث کی ہے۔ ایک جدید سائنسداں کی طرح انھوں نے اس علم الکیمیا کو مسترد کر دیا تھا جو معمولی دھاتوں کو سونے میں تبدیل کرنے کا علم سمجھا جاتا تھا۔

آنکھ کے متعلق ابن سینا نے جو کچھ لکھا ہے، اس میں بھی کافی جدت پائی جاتی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ آنکھ اسی لیے دیکھتی ہے کہ روشنی آنکھ میں داخل ہوتی ہے۔ انھوں نے اس فرسودہ خیال کو مسترد کر دیا کہ آنکھ سے کوئی روشنی خارج ہو کر اس چیز پر پڑتی ہے جسے ہم دیکھتے ہیں۔ دیکھنے کا یہ فعل ایک حد تک نفسیاتی بھی ہے۔ ابن سینا نے سب سے پہلے اس کی تعلیم دی کہ آنکھ کا پردہ مدوّر نہیں ہے، بلکہ مسطح ہے۔ ابن سینا کے اس نظریے کا اثر روجر بیکن اور سترھویں صدی عیسوی کے علم المناظر پر کافی پڑا ہے۔

اس مختصر صحبت میں، ابن سینا کی طبی خدمات پر تفصیلی

رناممکن نہیں ہے۔کہاجاتا ہے کہ انھوں نے صرف اس فن کتابیں اور رسالے تصنیف کیے تھے ۔جن میں سب سے معرکتہ الآراء کتاب 'القانون فی الطب' ہے۔ طب کی یہ ہور زمانہ ہے۔ اوراس کی اہمیت اور جامعیت کا ف مشرق ومغرب کے اطبا ر کرتے رہے ہیں۔ اس کی ، کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کا لاطینی ترجمہ دیں ہوگیا تھا اوراس کا عربی متن روم میں ۱۵۹۳ء میں ے پہلے شائع کیا گیا۔ اسے فن طب کا انسائیکلو پیڈیا انا ہے، جوطب کے سارے پہلوؤں پر حاوی ہے۔ یہ اتنی ناب ہے کہ یورپ کے طبی کالجوں میں اس کا لاطینی ترجمہ دیں صدی عیسوی تک پڑھا جاتا رہا۔ اور آج بھی مشرق علیمی اداروں میں "القانون" طب کی بنیادی درسی ب کے طور پر پڑھائی جاتی ہے۔

عہد رفتہ کے مسلمان سائنسدانوں میں البیرونی ابن سینا بن خلدون نے مشرق ومغرب کے افکار پر بہت اثر ڈالا ۔لیکن میرا خیال ہے کہ ان تینوں میں ابن سینا کا اثر ے زیادہ ہے، خصوصاً مغربی فلسفہ اور طب پر۔ لیکن ت کی کمی کے باعث یہاں اس کی تشریح کی گنجائش نہیں ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ابن سینا نہ صرف ایک فلسفی تھے بلکہ سائنسداں اور طبیب بھی تھے۔ اگرچہ خود ان کے افکار پر طو، افلاطون اور دوسرے یونانی مفکرین کا اثر ہے، پھر ان کی تحریروں میں جدت بھی ہے اور عقلیت پسندی بھی۔ وں نے عقل اور وحی، مذہب اور فلسفے میں مطابقت پیدا نے کی کوشش کی ہے۔ ایک عالم کا خیال ہے کہ ابن سینا سفی زیادہ تھے اور طبیب کم، اور الرازی طبیب زیادہ تھے اور سفی کم۔ لیکن ابن سینا کے زمانے میں طب اور فلسفہ میں ئی خاص فرق نہیں تھا۔ اور طب بھی فلسفہ کا ایک حصّہ تھا فارابی کو ارسطو کے بعد معلم ثانی کہا جاتا ہے۔ لیکن میرے خیال ں الفارابی سے زیادہ ابن سینا اس لقب کے مستحق ہیں کیونکہ سطو کی طرح ان کی تعلیمات اور تصنیفات بھی عالمگیر اور ہمہ گیر یں۔ اور انسان اور کائنات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے یں۔

(کلکتہ سے نشر)

Ardent lovers of
Sound and Music
always insist on
Gamma blanks
and Music-cassetes
of
MAHAVIR MELODIES
D-5 5, Jalnidhi, Bangur Nagar,
Goregaon (W) Bombay-400 090
Distributorship & Agency
open for Reputed Stockists.
Write Today

گھریلو مکھی

عبدالمعز شود

یوں تو مکھیوں کی کئی قسمیں ہیں۔ مثلاً Sand Flies Fruit flies, Blow flies یا سی سی فلائیز وغیرہ وغیرہ۔ لیکن آج میں جس مکھی کا ذکر کر رہا ہوں، وہ بہت ہی عام مکھی ہے۔ جسے گھریلو مکھی کا نام دیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ کم وبیش ہر گھر میں موجود رہتی ہے۔ لیکن ایک عام انسان اس کے مضر اثرات سے بہت ہی کم واقف ہے۔ ہیضہ، ٹائیفائڈ دست اور Infective hepititis جیسے امراض انہی مکھیوں کی مرہون منت ہوتے ہیں۔

گھریلو مکھیوں کو لاطینی زبان میں Musca Domestica کہاجاتا ہے۔ اس کا تعلق Diptera order اور جماعت Insecta سے ہوتا ہے۔ ایک ہلکے رنگ کے لانبے انڈے سے مکھی کی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ گڈھے، فاسد مادے اور کھاد انڈوں کے لیے موزوں مقامات ہیں۔ ان انڈوں سے سفید لانبے لاروے نمودار ہوتے ہیں۔ جو ۵ تا ۷ دن کے اندر دو دفعہ اپنی جلد تبدیل کر کے Maggots کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور تقریباً ۵ دن کا عرصہ گذارنے کے بعد یہ Maggots ایک بالغ گھریلو مکھی کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ عام طور پر ایک بالغ گھریلو مکھی کے دو ہی کام ہوتے ہیں (۱) غذا کی تلاش (۲) تولید اور اس سلسلے میں سب سے پہلے ساتھی کو تلاش کیا جاتا ہے۔ اور پھر کسی موزوں مقام پر انڈے دے دیے جاتے ہیں۔

مکھی اڑتی ہے، چلتی ہے، آرام کرتی ہے اور انڈے بھی دیتی ہے۔ اور ان افعال کا زیادہ دارومدار اس کے اپنے مزاج پر ہوتا ہے اور یہ مزاج اس کے بھوک، تھکن وغیرہ کو ظاہر کرتا ہے۔ میٹھی چیز، سڑے گلے مادے، خون تھوک اور پیپ مکھی کے لیے غذا حاصل کرنے کے اچھے ذرائع ہیں۔ ہمیشہ اڑتی ہوئی دکھائی دینے والی یہ مکھی آخر کتنا فاصلہ طے کرتی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق یہ زیادہ سے زیادہ ۲۲ کیلومیٹر کا فاصلہ طے کرتی ہے۔ لیکن عام طور پر یہ ایک تا دو کیلومیٹر کے دائرے ہی میں گھومتی رہتی ہے۔

تجربات سے پتہ چلتا ہے کہ مکھی ہلکے رنگوں کی بہ نسبت گہرے رنگوں کو زیادہ پسند کرتی ہے۔ چکنی سطح کے بجائے کھردری چیز پر بیٹھنا اسے عزیز ہوتا ہے۔ سرخ وسیاہ رنگ مکھی کو زرد، سبز اور نیلے رنگ کی بہ نسبت زیادہ راغب کرتا ہے۔ جہاں تک روشنی کا تعلق ہے۔ اودی، نیلی اور بنفشی روشنی مکھی کو بڑی حد تک اپنی جانب راغب کرتی ہے۔ مکھی ایسی بُو کو پسند کرتی ہے جو انسان کے لیے عموماً ناپسندیدہ ہوتی ہے۔ مکھی انڈے دینے کے لیے سڑے گلے مادے، گڈھے اور کھاد جیسے مقامات کو منتخب کرتی ہے۔ ان مقامات سے اٹھنے والی بدبو مکھی کو کافی دور سے اپنی جانب راغب کر لیتی ہے ۱۹۱۶ء میں امریکہ کے سی ایچ رچرڈسن نے ایک تجربہ انجام دیا۔ اس نے ایک فلٹر پیپر پر امونیم کاربوریٹ اور بٹریک اسڈ کے چند قطرے ڈالے چونکہ یہ تمام چیزیں کھاد میں موجود رہتی ہیں۔ اس لیے مکھیوں کی ایک بڑی تعداد اس فلٹر پیپر پر انڈے دینے لگیں۔ علاوہ ازیں امونیائی نمکیات، خاص طور پر امیونیا ہائیدرو آکسائیڈ، اسکاٹول ایسے کیمیائی مرکبات ہیں جو مکھیوں کو بڑی حد تک اپنی طرف راغب کرتے ہیں۔

حال ہی میں ایک جاپانی ٹیم نے ایک مشروم جس کو Amanita muscaria کہا جاتا ہے سے ایک کیمیائی مرکب Diolein-1,3 حاصل کیا۔ اس مرکب کو بھی تجربات کے دوران مکھیوں کو اپنی طرف راغب کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

مکھی اپنے جسم سے ایک کیمیائی مادہ اخراج کرتی ہے۔ جس کو Pheromones کہتے ہیں۔ یہ کیمیائی مادہ دوسری مکھیوں کو اپنی جانب راغب کرتا ہے۔ مکھی سے Pheromones کو حاصل کرنا نہایت ہی مشکل کام ہے۔ کیوں کہ مکھی اس کو بالکل ہی قلیل مقدار میں تیار کرتی ہے۔ مکھی سے جنسی ہارمون حاصل کرنے کا سہرا امریکہ کے کارلسن اور اس کے ساتھیوں کے سر ہے۔ اس جنسی ہارمون کو

Tricosene-29 کہتے ہیں۔ اور اس کو مصنوعی طریقے سے Muscalure کے نام سے تیار کیا جا رہا ہے۔ جو نر مکھی کو اپنی جانب راغب کرنے میں بہت ہی مؤثر ثابت ہو رہا ہے۔

جہاں تک غذا حاصل کرنے کا سوال ہے، خوش قسمتی سے مکھی کو اس کی غذا اتفاقاً ہی ہاتھ لگ جاتی ہے یا پھر رنگ بو اور شکل غذا حاصل کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ مکھی کے غذا اٹھانے والے عضو سونڈ نما ہوتے ہیں۔ عام حالت میں یہ سونڈ اندرونی جانب کھنچی ہوئی حالت میں پائی جاتی ہے صرف حصول غذا کے دوران ہی سونڈ کو باہر نکالا جاتا ہے۔ اگر غذا سیال حالت میں موجود ہو تو اس کو Pseudo trachea کی مدد سے جذب کر لیا جاتا ہے۔ اگر غذا ٹھوس حالت میں ہو تو مکھی اپنا لعاب دہن ٹھوس غذا پر ڈال دیتی ہے۔ غذا میں موجود کار آمد اجزا لعاب دہن میں حل ہو جاتے ہیں جسے مکھی بڑی آسانی سے جذب کر لیتی ہے۔ شکر، دودھ پروٹینی اشیاء اور پانی مکھی کی پسندیدہ غذا ہے۔ اور اس کے برخلاف نمک اور ترشے وغیرہ کو مکھی پسند نہیں کرتی۔

مکھی کے پیر پر باریک باریک بال پائے جاتے ہیں جب مکھی کسی چیز پر بیٹھتی ہے تو پیر پر موجود بال اس چیز کا مزہ دریافت کر لیتے ہیں۔ اور اگر شئے خوش ذائقہ ہو تو مکھی فوراً ہی اسے غذا کے طور پر استعمال کر لیتی ہے۔ ایک بالغ مکھی ابتدائی چند دنوں تک نفیس خوراک استعمال کرتی رہتی ہے۔ اس کے بعد یہ اپنی توجہ کو دو جانب مساوی طور پر تقسیم کر دیتی ہے۔ جن میں ایک جانب تو غذا کی تلاش ہوتی ہے۔ اور دوسری جانب موزوں ساتھی کی تلاش۔ قدیم زمانے میں لوگ اس بات سے ناواقف تھے کہ ایک مادہ مکھی نر مکھی کی شناخت کس طرح کرتی تھی؟ اس سوال کا جواب Tricosene 29 کی دریافت ہے، جو مادہ مکھی کے جسم سے خارج ہوتا رہتا ہے۔ Tricosene 29 ہے۔ جو نر مکھی کو مادہ مکھی کی جانب ورغلانے میں کافی مؤثر ثابت ہوتا ہے، جو بالآخر سنجوگ کا باعث بنتا ہے۔ اپنی مکمل زندگی میں مختلف وقفوں کے ساتھ ایک بالغ مادہ مکھی ۵ تا ۲۰ Batches میں ۵، تا ۱۵۰ انڈے دیتی ہے۔ انڈے دینے کے دوران مکھی کو پروٹینی غذا کی ضرورت پیش آتی ہے جسے وہ دودھ کے ذریعہ مکمل کرتی ہے۔

متعدد چھوٹے بڑے بال جو مکھی کے جسم یا پیر پر پائے جاتے ہیں۔ Seate یا Cheate کہلاتے ہیں۔ جب کوئی مکھی کھاد یا فاسد مادوں کا دورہ کرتی ہے۔ تو ان فاسد مادوں پر موجود جراثیم مکھی کے جسم پر موجود بالوں سے چمٹ جاتے ہیں۔ اور جب یہی مکھی اڑتی ہوئی کسی انسانی غذا پر اترتی ہے تو اس کے جسم سے چمٹے ہوئے جراثیم انسانی غذا میں شامل ہو جاتے ہیں، جو مختلف بیماریوں کا باعث بنتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق مکھیوں کے ذریعہ ایک سو مختلف انواع کے جراثیم ایک مقام سے دوسرے مقام تک

(آگے ص ۲۹ پر)

رات .... ایک تاثر

نجیب رامش

آسمان آئینے کی طرح صاف ہے
چاندنی میں نہائے ہوئے بام و در
یوں چمکتے نظر آ رہے ہیں مجھے
جس طرح ایک صوفی کے من کا نگر
چاند ساحل کے آغوش میں سو گیا
سطحِ دریا کی ہر موج پر تیر کر
میرے چاروں طرف نیند کا راج ہے جیسے یہ شہر ہو کوئی جادو نگر
جانے یہ چاندنی چودھویں رات کی
کتنے سینوں میں طوفاں اٹھائی ہو
جھانک کر اجنبی اجنبی خلوتیں
جانے کس کس کی آنکھیں جھکائی ہو
اپنے ہاتھوں سجائی ہو حُسن کو
عشق کی تشنگی کچھ بڑھائی ہو
کتنی مانگوں میں بھرائی ہو کہکشاں کتنی گودوں میں سورج سُلائی ہو
خواب آلود سی خامشی ہر طرف
دہر ہے ماہتابی کی آغوش میں
سانس سانسوں میں گم، آنکھ خوابوں میں گم
حُسنِ ہجر بے حجابی کی آغوش میں
اس طرح رک گیا وقت کا قافلہ
جیسے قزّاق صحابی کی آغوش میں
اور میں اپنے کمرے کی دہلیز پر، جیسے ساغر شرابی کی آغوش میں
زیست سب سے بڑی نازکی ہے مگر
میرے قدموں میں زنجیر سی بن گئی
عاشقی بیش قیمت تباہی سہی
میری خاطر تو بے مائیگی بن گئی
دہر کی چمچماتی ہوئی راہ پر
دل کی سادہ روی چور سی بن گئی
کس سے پوچھوں کہ کیوں ہم سبھی کے لیے، یہ زمیں سنگ و فولاد کی بن گئی
سوچتا ہوں کہ اب سنگ و فولاد پر
میں بھی سونے کی کوشش کروں دو گھڑی
میری آنکھوں میں تھم جائے جاتے ہوئے
چاند کی چودھویں رات، تاروں بھری
سرد رخسار سے گرم ہونٹوں تلک
کھینچ دے اوس اشکوں کی تصویر سی
یوں ہی الجھی رہی آج سے حشر تک، میرے الجھے ہوئے بال میں چاندنی

(بھوپال سے)

گوشت خور پودے

جب ایک جانور کسی پودے کو کھاتا ہے تو یہ کو... حیرت انگیز اور نئی بات نہیں ہوئی کہ جس... خاص خبر بن جائے، لیکن اس کے برعکس جب ایک پودا جانور کو خوراک بنا کر اسے ہضم کر جائے تو یہ ایک سنسنی خیز خبر بن سکتی... کسی سائنسی انسانے کی طرح دلچسپ اور عجیب و غریب لیکن... حقیقت ہے کہ ہماری دنیا میں کئی ایسے پودے موجود ہیں جو بعض... اجزا کی فراہمی کے لیے کیڑے مکوڑوں پر انحصار کرتے ہیں کیونکہ... غذائی اجزا انھیں ان جگہوں سے دستیاب نہیں ہو پاتے ... جہاں وہ اگتے اور نشوونما پاتے ہیں۔ ہرے ہونے کے سبب کاربوہائیڈریٹ وغیرہ کی خود تشکیل کر لینے کے اہل تو ہوتے... لیکن مٹی سے نائیٹریٹ کی فراہمی نہیں کر پاتے۔ پودے عام طو... ضروری جز "نائیٹروجن" پانی میں حل پذیر نائیٹروجن جو نائیٹریٹ... کی شکل میں موجود رہتا ہے، کو اپنی جڑوں کے ذریعے جذب کر... حاصل کرتے ہیں۔ لیکن "دلدلی زمین" کا تیزابی پانی زہریلے جے... "Tanins" سے بھرا ہوتا ہے، اور یہ اس پودے کی ہلاکت کا سب... بن سکتا ہے جو ایسے پانی کو جذب کرتا ہے۔

مرطوب پہاڑوں کے دامن میں بنجر زمین اکثر زہریلی... ہے اور برساتی جنگلوں میں جہاں زیادہ تر گوشت خور پودے ا... ہیں، اصل مٹی بالکل عنقا ہوتی ہے۔ یہ پودے عموماً ماس فر... آرکیڈ اور دوسرے پودوں کے درمیان ہوتے ہیں۔ گوشت... پودے اپنے ماحول میں کیڑے مکوڑوں کو مختلف طریقوں سے... کر کے نائیٹروجن فراہم کر لیتے ہیں اور ان سب فطری رکاوٹوں... قابو پاتے ہوئے زندہ رہتے ہیں۔

ان پودوں کی حیرت انگیز تصرف پذیری انھیں ایسی جگہ... پر زندہ رہ سکنے کا اہل بنا دیتی ہے جہاں دوسرے پودے زندہ... نہیں رہ سکتے۔ کل ملا کر پودوں کی دنیا میں اب تک ایسے پودوں... کی تقریباً ۴۵۰ سے زیادہ قسمیں دریافت ہو چکی ہیں، جس... لگ بھگ ۳۰ قسمیں ہندوستان میں پائی جاتی ہیں۔

اگر ایسے ہی چند حیرت انگیز گوشت خور پودوں... اپنی خوراک کو حاصل کرنے کے طریقۂ کار کا بغور مشاہدہ ک...

سید راشد حسین

جائے تو عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے اور فطرت کی اس رنگارنگی اور کرشمہ سازی کو دیکھ کر بے ساختہ خراج وتحسین سے نوازنے کو جی چاہتا ہے۔

یوں تو اس قسم کے بے شمار پودے خشکی اور پانی دونوں جگہ پائے جاتے ہیں، لیکن ان میں 'venus fly trap' 'Pitcher plant' 'Sundew' اور Bladder wort نامی پودے خاصے مشہور اور دلچسپ ہیں۔

venus fly plant شمالی امریکہ کا معروف ترین گوشت خور پودا ہے۔ اس پودے کی پتیاں تقریبًا دو برابر حصوں میں منقسم دکھائی دیتی ہے۔ سرے کی جانب والا ہر حصّہ تین لمبے اور نوکیلے بال جیسی بناوٹ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ بال نہایت حساس ہوتے ہیں۔ ان میں سے کسی بال سے اگر کوئی کیڑا ذرا سا بھی چھو جائے تو یہ آناً فاناً پتی کے سکڑ کر بند ہو جانے کا سبب بن جاتا ہے۔ پتی کی اوپری سطح پر کئی ہاضم غدود ہوتے ہیں، جن سے نکلنے والی ہاضم رطوبت شکار کو ہضم کر دیتی ہے۔ پتی اسی وقت دوبارہ کھل کر اپنی پہلی حالت کو واپس آتی ہے، جب عمل ہاضمہ ختم ہو چکا ہوتا ہے۔

اسی طرح Pitcher plant نامی پودا ہے، جس کی متعدد قسمیں ساری دنیا میں پائی جاتی ہیں، لیکن زیادہ تر قسموں میں پچر یعنی گھڑا یا صراحی بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ ہندوستان میں بھی اس پودے کی ایک قسم پائی جاتی ہے۔ پچر پودے کی پتی کی تبدیل شدہ شکل ہوتا ہے جو ۱۰ سے ۲۰ سینٹی میٹر ہوتا ہے۔ جب یہ چھوٹا ہوتا ہے تو پچر کا منہ ایک ڈھکن سے بند ہوتا ہے جو بعد میں کھل جاتا ہے۔ پچر کے اندر کی سطح پر نیچے کی جانب بے شمار چکنے اور نوکیلے روئیں، جھکے ہوئے پائے جاتے ہیں، جبکہ پیندے میں کئی ہاضم غدود ہوتے ہیں۔ ان سے ہمہ وقت مخصوص ہاضم رطوبت نکل کر پچر کے پیندے میں جمع ہوتی رہتی ہیں۔ پچر کے اندر داخل ہونے والا جانور چکنی روئیں دار سطح پر پھسلتا رہتا ہے اور ہاضم رطوبت میں ڈوب جاتا ہے۔ اب مخصوص ہاضم رطوبت کے اثر سے وہ ہضم کر دیا جاتا ہے۔ اور پھر ہضم شدہ حصّہ جزو بدن ہو جاتا ہے۔

Sundew چند سینٹی میٹر اونچا گوشت خور پودا ہے، اس کی ہر پتی خاص طرح کے غدودی روئیں سے ڈھکی ہوتی ہے، جنھیں Tentacles کہتے ہیں۔ ہر غدودی روئیں سے ایک گوند جیسی رطوبت خارج کی جاتی ہے جو سورج کی روشنی میں شبنم کے قطرے کی مانند چمکتی ہے۔ جب کوئی کیڑا اس چمکدار شے سے متاثر ہو کر پتی پر بیٹھتا ہے تو رطوبت میں چپک جاتا ہے اور اس کا پودا جسم کو چاروں جانب سے غدودی روئیں کے ذریعے جکڑ لیا جاتا ہے۔ گھٹن کے سبب کیڑا ہلاک ہو جاتا ہے اور عمل ہاضمہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس عمل میں مخصوص ہاضم رطوبتوں اور تیزابی مادوں کے اثر سے پروٹین 'امینو ایسڈ' میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ جو پتی کی سطح سے جذب کر لیا جاتا ہے اور کاربونکس میٹیریل فضلے کے طور پر خارج کر دیے جاتے ہیں —

Bladder-wort جو ایک آبی پودا ہے، کی پتیاں تھیلی یا غبارے کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ یہ تھیلی نما پتیاں پانی میں آسانی سے تیر سکتی ہیں، ان تھیلی نما پتیوں میں اندر داخل ہونے کا راستہ ہوتا ہے جو صرف ایک ہی طرف کھلتا ہے اس سے ہو کر چھوٹے چھوٹے آبی کیڑے پانی کی دھار کے ساتھ اس میں داخل ہوتے ہیں لیکن دروازے کے بند ہو جانے کے باعث اندر ہی قید ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے اس دروازے کو Trap door کہتے ہیں۔ غبارے میں ہاضم غدود ہوتے ہیں جن سے ہاضم رس نکلتا ہے۔ غبارے میں مقید کیڑا دم گھٹنے سے مر جاتا ہے۔ ہاضم رس کے ذریعے کیڑے کو ہضم کر اس کے پروٹین کو پودا جذب کر لیتا ہے، جس سے نائٹروجن کی کمی کی تلافی ہو جاتی ہے۔

اپنی دریافت سے لے کر اب تک گوشت خور پودوں نے ادبی ذوق رکھنے والے حضرات کو ہمیشہ اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔ بے شمار ناولیں ان پودوں سے متعلق قصّوں اور کہانیوں کو بنیاد بنا کر لکھی گئیں جو اُن سے منسوب تھیں۔ مثلاً یہ کہ... ایسے شکاری پودے ہیں جو بڑے بڑے جانوروں حتیٰ کہ ہرن کو دبوچ لیتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ یہ سب قصے خیالی اور محض قیاس پر مبنی ہیں ورنہ حقیقت سے ان کا بس اتنا ہی واسطہ ہے کہ یہ کیڑے مکوڑوں کا شکار کرتے ہیں وہ بھی زیادہ سے زیادہ اتنے بڑے ہو سکتے ہیں جتنی کہ تتلیاں اور ٹڈے۔ سائنسی کہانیاں لکھنے والے حضرات نے تو سنسنی خیزی کی انتہا کر دی جب انھوں نے ایسے آدم خور پودوں کا عالم وجود میں ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ لیکن ایسے کسی آدم خور پودے کی اب تک پوری دنیا میں کہیں دریافت نہیں ہو سکی ہے۔ ایسے قصے بھی محض خیالی ثابت ہوئے اور گوشت خور پودوں کی موجودگی کو بنیاد بنا کر قیاس آرائی کے طور پر لکھے یا کہے گئے۔

ان پودوں کا وہ حصہ جس کے ذریعے جانور پھنسا جاتا ہے عمومًا ان کی پتی (مکمل یا نصف) یا پتی سے ملتی جلتی بناوٹ ہیں، جو بیشتر پتی کی ہی تبدیل شدہ شکل ہوتی ہیں۔ عجیب غریب اور مخصوص ماحول میں نہیں اگایا جا سکتا ہے۔ کوئی ایک صدی قبل عظیم سائنس داں 'چارلس ڈاون' جو ان حیرت انگیز پودوں کے طریق کار اور فزیالوجی کی طرف توجہ دینے والوں میں سر فہرست تھا اپنے بیٹے 'فرانسس ڈارون' کے ساتھ مل کر یہ دکھانے میں کامیاب ہوا کہ Sundew نامی گوشت خور پودے ایسی صورت میں نہ صرف تیزی سے بڑھتے ہیں، بلکہ زیادہ پھول اور بیج پیدا کرتے ہیں، جب مصنوعی طریقے سے انھیں کیڑے مکوڑے کھلائے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس اُن کے بڑھنے اور پھول اور بیج پیدا کرنے کے عمل میں تب کمی آنے لگتی ہے جب ان کی غذائی ضرورت بند کر دی جاتی ہے۔ حال ہی میں سائنس دانوں نے ڈارون کے اس دعوے کی تصدیق کر دی ہے۔ اس طرح ابھی تک یہی خیال عام ہے کہ یہ پودے نائٹروجن کی کمی کو پورا کرنے کے لیے ہی گوشت خوری کی طرف مائل ہیں۔ یوں تو نائٹروجن فضا میں ۷۸ فیصد ہے، لیکن پودے ایسے نائٹروجن کا سیدھا استعمال کرنے سے قاصر ہیں۔

(پٹنہ سے نشر)

سیّد راشد حسین
اسسٹینٹ ٹیچر (بایولوجی)
محمڈن اینگلو عربک ہائی اسکول، پٹنہ سٹی۔

جلیس نجیب آبادی

چاروں جانب ہے اندھیرا ہی اندھیرا مجھ میں — آرزو تھی کہ اُگے صبحِ تمنّا مجھ میں
سر پہ امروز کی سوچوں کا سلگتا سورج — صرف امروز، کوئی دوش نہ فردا مجھ میں
پھر کوئی یاد مری سمت چلی سنگ بہ کف — پھر سرِ شام کوئی ٹوٹ کے بکھرا مجھ میں
پھر ہر اک سمت شرابوں سے بدن کا سیلاب — پھر وہی پیاس کا چڑھتا ہوا دریا مجھ میں
خاک میں مِل گئے خوابوں کے مہکتے موسم — رکھ گیا کون سلگتا ہوا صحرا مجھ میں
خود فریبی کی پناہوں سے گریزاں بیزار — جانے اک عمر سے یہ کون ہے مجھ سا مجھ میں
لب کشائی سے ذرا جی تو بہل جاتا تھا
سی لیے ہونٹ تو گھٹتا ہے دھواں سا مجھ میں

(نجیب آباد سے نشر)

DIPLP(Pbd) 42/AIR/ND/83-3450

افسانہ

شہر شہر

ڈاکٹر جاوید نہال

کئی سو راتیں بیت گئیں جیسے جگ بیت گیا — خوابوں کے شہر میں بھٹکتے بھٹکتے — میری نیند بھی غالب کی نیند بن گئی تھی، جس کے لئے موت کی طرح کوئی معین کر دیا گیا ہو —

"ایسا کیوں"؟ آنکھوں کے سامنے کچھ لمحوں کے لئے تیرگی پھیل جاتی ہے، پھر روشنی — روشنی مجھے زہریلے ناگ کی طرح ڈستی مگر سوچتا رہتا ہوں کہ ناگ مجھے کیوں نہیں ڈستا؟ ایک بار نیند کیوں نہیں آجاتی غالب کی روح مجھے اپنی قید سے آزاد کیوں نہیں کر دیتی؟

بہت سی تمناؤں، ہزاروں آرزوؤں کو سفید کفن اوڑھائے میں شہر شہر خوابوں کے ویرانوں میں بھٹکتا رہا میرا بدن آگہی و شعور کے کانٹوں سے چھلنی ہو کر رستا رہا۔ میں کراہتا رہا۔ سپردگی کے احساس میں خود کو لعنت بھیجنے لگتا۔ رستم کی طرح ہفت خوابوں میں کیوں سر نہ کر سکا اور نہ ہی اوڈیسیس کی طرح آفات سے لڑ سکا۔

خوابوں کے شہر میں بھٹکتے بھٹکتے زندگی کبھی بہت آگے نکل جاتی کبھی بہت پیچھے چھوٹ جاتی۔

ایسا کیوں ہو رہا ہے؛ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ میری سوچ برف کی سل میں ڈھل جاتی، میرا سر دو حصوں میں بٹنے لگتا اور آنکھیں چنگاریوں سے بھر جاتیں، اور میرے کمزور ہاتھ خود بخود گریبان سے گذر کر سانس کی رگوں کو دبانے لگتے" نہیں نہیں — بزدل "خلاؤں میں بھٹکتی ہوئی چیخیں میرے شعور میں پگھلنے لگتیں۔ ہاتھ ڈھیلے پڑ جاتے، آگہی نوکیلی سوئیاں بن جاتیں، میرا بدن لہو لہان ہونے لگتا۔ میں ان سے بچنے کے لئے خوابوں کے شہر شہر بھٹکنے لگتا اور سوچ کی برف پگھلنے لگتی۔

راون، دیو مالائی کردار — میں ہنسنے لگتا راون ہر دور میں جنم لیتا ہے — رام کیوں دھرتی پر نہیں اترتے؛ سورگ میں کیوں چین کی نیند سو رہے ہیں! سیتا کا آج بھی ہرن ہو رہا ہے! کیوں؟۔

خوابوں کے شہر شہر میں کتنی کہانیاں کتنی داستانیں میری نظروں سے گذر گئیں۔ بند گلیوں میں راون آج بھی راج کر رہے ہیں مگر ان کے لنکا کو ڈھانے والا۔؛ سورگ کی تصویر میری آنکھوں میں پھر جاتی اور پھر فکر برف کی سل میں سما جاتی۔

میں خوابوں کے شہروں میں کتنی بار ان گلیوں سے گذرا کتنے راون ملے، کتنی سیتائیں بے بس و لاچار، رام کی دھرتی پر اترنے کی منتظر بیٹھی تھیں۔ مگر رام گویا کہیں سو گئے تھے، کہیں کھو گئے تھے۔

"تم میری بادشاہت میں بلا اجازت کیوں آئے؟" راون کی آنکھوں سے انگارے ٹپک رہے تھے اور منھ زہراب میں بے حس پڑ تھا۔ اس کی باتیں سن کر مجھے خود بخود ہنسی آگئی۔

"ذلیل کتے —" راون بھونکا یہ لاکھوں برس پہلے کا اجودھیا نہیں کہ تم میری لنکا ڈھانے کے لئے "پل" بنا لوگے۔ میں تمہیں بھی رام کے پاس بھیج دوں گا کیونکہ تمہارے چہرے پر بھی رام کا چہرہ چپکا ہوا ہے۔"

میں قہقہہ لگانے لگا۔ خوابوں کے اس شہر میں سڑکیں بند تھیں گلیاں تہ خانے تھیں اور فرار کی راہ مسدود، میں قہقہہ لگا رہا تھا" اور راون پیچ و تاب کھا رہا تھا اور اس سے دور کھڑی معصوم سیتا سہمی ہوئی تھی، رام نام ست ہے کی مالا جپ رہی تھی۔

"حرام زادہ، کچھ دیر کے لئے ہنس لے، کوئی احمق لگتا ہے": میرا قہقہہ اور تیز ہو گیا۔ بند گلیوں کے باہر کا شہر بھی سو رہا تھا اور جاگ بھی رہا تھا۔

"سالے کو ڈال دو گرد و غبار کے سمندر میں"

میں چاند پر آ گیا ہوں — میری سوچ کی برف پھر پگھلنے لگی۔ گرد و غبار کا سمندر تو صرف چاند ہی میں ہے زمین پر تو آج لہو کا دریا بہتا ہے۔

میں خوابوں کے شہر شہر بھٹکتا اس شہر میں بھٹک آیا تھا۔ غالب کی نیند کی جستجو میں، مگر راونوں کے بیچ یہاں بھی مجھے میری محبوبہ نہیں ملی۔

گرد و غبار کے سمندر میں بے سدھ پڑا رہا، ہاتھ اور پاؤں دو بن گئے تھے، دو غم ہو گئے تھے، نہ ہاتھ کو حرکت دے سکتا تھا، نہ چل سکتا تھا — خوابوں کے اس شہر کی دنیا سحر زدہ تھی۔ حاتم طائی کی جادوگرنیوں کی دنیا کی طرح —

گرد و غبار کے سمندر کی چکنی چھاتی — میرے بدن میں سوئیاں چبھو رہی تھیں، لہو کے قطرے سے چھاتی رنگین ہو رہی تھی، دودھ اگلنے کے بجائے لہو اگل رہی تھی —

چاند زمین پر اتر آیا اور بند گلیوں میں فرحت بخش روشنی پھیل گئی۔ بند گلیوں کے باہر چند گھنٹوں کے اندر سو گیا تھا۔ شہر کی چھاتیوں سے جیسے لہو رس رہا تھا کیا ہوا، دودھ کی نہر کیوں سوکھ گئی۔ خوابوں کے اس شہر میں ریگستان کہاں سے ابھر آیا — یہاں تو میں بھٹک کر اس امید پر آیا تھا کہ مجھے نیند مل جائے گی کوئی غالب ملے گا، کوئی راون نہیں ملے گا — مگر یہاں تو سب راون ہیں، سب کے بہت سر ہیں سب ہی بڑے گیانی ہیں ...... ہر فن مولا۔

سالے کے سامنے روٹی کی قاشیں ڈال دو یہ رام نام ست ہے کی مالا جپ رہا ہے۔ بچا سام کے نام کی مالا نہیں جپتا — کورو کے آگے عقیدت سے سر نہیں جھکاتا تھا — تڑپا تڑپا کر حرام زادے کو "نیند"، بخشونگا

روٹی کی ایک قاش میرے منھ میں چل آئی، بھاپ سے پگھلتی میرے بدن میں دوڑنے لگی —

تم مجھے نہیں مار سکو گے، راون بزدل تھا تم بھی بزدل ہو۔ سچائی تم سے بہت زیادہ طاقتور ہے۔

"پاگل ہوتا جا رہا ہے — اسے چند دنوں کے بعد شہر کے ریگستان میں چھوڑ کر آؤں گا۔

گرد و غبار کے سمندر میں تیرتا رہا۔ راون کے منھ سے نکلی ہوئی زہریلی لہریں میرے بدن کو گلاتی جا رہی تھیں مجھے رام کی جستجو میں بند گلیوں سے بھاگ جانا چاہئے ورنہ سہمی ہوئی سیتا چند دنوں میں" زرد ڈھانچہ" بن کر بک جائے گی —

میری فکر کی برف پھر پگھل رہی تھی۔ اب مجھے غالب کی نیند کی بھی آرزو نہیں رہی تھی۔

میں گرد و غبار کے سمندر میں بیٹھ گیا نجات کی ایک راہ تھی، میں نے منتر پڑھا، میرے دونوں ہاتھ گل کر

ئے، میں ہلکا محسوس کرنے لگا۔
اور سمندر پر پڑی ہوئی قاشیں پھر منہ میں آگئیں
نی بن کر میری رگوں میں پیوست ہوگئیں۔ میں پیٹ کے
سکتا بند گلیوں کی دیوار کے پاس آگیا۔ گلیاں ناچتے
ے ننگی ہوئی تھیں اور باہر خوابوں کا شہر سویا ہوا بھی تھا
اگا ہوا بھی۔

میں سستانے لگا اور پھر میری ذرا سی حرکت
دونوں پاؤں بھی مجھ سے جدا ہوگئے۔ اب میں اور بھی
ہوگیا تھا اور بند گلیوں کے سوراخ کے اندر سکڑ کر
یا ——

گلیاں پیچھے چھوٹ گئیں۔ اب میں تھکی تھکی ہوئی
اور خوابوں کے شہر میں چوڑی سڑکوں پر رینگ
تھا۔ سڑکیں سہمی ہوئی تھیں۔ فٹ پاتھ شکستہ و نڈھال
روشنیاں زرد زرد۔ ان زرد روشنیوں کے دریا
تیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ شور و غل، ہنگامہ، لاش
ہی تھی، یہ اچانک رک گئی۔

"تم لوگ چلے جاؤ —— بہائی جائے گی
کا میں، جاؤ ورنہ"

لاش سڑک پر سو گئی، ٹھوکریں کھاکر، دریا
تہہ میں سو گئی۔

میں دیوار سے چپکا تھا رام کہیں نہیں ہیں
م نام ست ہے کی مالا جپنے لگا۔ مگر رام اب بھی سورگ
سو رہے تھے، راون تھے۔ یہ خوابوں کا شہر نہیں
ا —— راون کا شہر تھا۔

شہر پھر سو گیا۔ بوجھ اٹھاتے اٹھاتے تھک
یا تھا، نڈھال ہوگیا تھا اور میں پھر دیوار سے الگ
کر رینگنے لگا۔

میرا سر چکرایا آنکھوں میں گہری تاریکی چھا گئی
بابا تمہیں زیادہ چوٹ تو نہیں آئی" نیم برہنہ بوڑھا
ھ سے پوچھ رہا تھا، میں اسے حیرت سے دیکھ رہا
تھا۔ راون کے شہر میں رام کہاں سے آگیا۔
یا رام دھرتی پر اتر آئے، رام نام ست ہے کی مالا
جپنے لگا۔

"نہیں بابا" میں نے کہا ——
"تمہارے ہاتھ، تمہارے پاؤں...."
"بابا میں خوابوں کے شہر کی بند گلیوں میں چھوڑ
آیا ہوں" "جہاں سیتا رام کا انتظار کر رہی ہے"
"تم رام کو ڈھونڈ رہے ہو رام تم ہو، ہم ہیں
مگر رام کی شکتی تم میں نہیں، ہم میں نہیں"
"بند گلیوں میں واپس جاسکیں گے" میں نے
پوچھا۔

"ضرور، ضرور"
"کیسے"

بابا نے سامنے تیرتی ہوئی دو لاٹھیاں دیں۔
ان لاٹھیوں کے سہارے تم واپس جاسکو گے۔ تمہارے
رام کا سایہ ہے"

"بابا کہیں نہیں تھا۔ لاٹھیاں کہیں نہیں تھیں مگر
مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے کٹے ہوئے ہاتھ اور
پاؤں مجھے واپس مل گئے۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔

خوابوں کا شہر جاگا ہوا تھا۔ رام نام ست ہے
کی آواز سے فضا گونج رہی تھی۔ خوابوں کے شہر میں رام ہی
رام تھے، راون بھاگ رہے تھے، بند گلیاں کھل گئی
تھیں، سیتا سہمی ہوئی کھڑی تھی۔

"رام تم آگئے" اس کے چہرے پر پھول کھل
رہے تھے۔

"میں تنہا نہیں ہوں، بہت سے رام ہیں"
"میں جانتی ہوں مگر راون کے بیچ رہی ہو اس
لیے اگنی پریکشا سے گذرو" سیتا اگنی پریکشا سے گذرتی
اور میں سیتا کے پیچھے اپنے ہاتھ پاؤں کے بغیر۔ اپنی
منزل کی طرف جا رہا ہوں۔ میرے خوابوں کا شہر مجھے
مل گیا ہے اور سفید بالوں والا بابا دور کھڑا ہاتھ ہلا ہلا کر
سب کو سفر جاری رکھنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

(کلکتہ سے نشر)

روشنی

بشیر شاہ

ایک بزرگ نے کسی خوشحال اور ترقی یافتہ معاشرے میں ایک دولتمند شخص سے سوال کیا "آپ کا معیارِ زندگی بلند و بالا سہی لیکن کیا وجہ ہے کہ پسماندہ قوموں کے مقابلے میں آپ کے یہاں ذہنی اور اعصابی مریضوں کی تعداد زیادہ ہے —— یہی نہیں آپ کی سوسائٹی میں زندگی سے گھبرا کر بلکہ ہار کر غیر طبعی موت مرنے والوں کی تعداد میں بھی برابر اضافہ ہو رہا ہے!" سوال سن کر اس کے چہرے پر افسردگی کا غبار دکھائی دیا —— اور وہ بولا —— "در اصل ہم لوگ اپنے پڑوسیوں کی زندگی جیتے ہیں۔ ہم خوشحال ہیں لیکن اگر ہمارا پڑوسی زیادہ خوشحال ہے تو ہماری خوشحالی ہمارے لئے سامانِ مسرت نہیں، بلکہ عذاب بن جاتی ہے۔

زندگی میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے یا ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا جذبہ یوں تو فطری ہے واقعہ یہ ہے کہ یہ جذبہ انسانی رگوں میں دوڑتے ہوئے خون کو رواں بھی رکھتا ہے۔ لیکن جب یہی جذبہ رقابت کا اور حسد کا چولا پہنتا ہے تو ہر خوشی بے معنی ہو جاتی ہے! چنانچہ خواہشات کی مثال اس سرکش گھوڑے کی سی ہے جو بے لگام ہونے کے بعد اپنے سوار کی جان کا دشمن ہو جاتا ہے۔ ہوس وہ زنجیر ہے جو اپنے مالک کو بھی اپنے زندان میں اسیر کر لیتی ہے۔ حرص کا اور ہوس کا۔ یہی وہ جذبہ ہے جو انسان کو قناعت کی دیوار پھاند نے پر مجبور کرتا ہے! اور بالآخر اسے تاریکی کے سپرد کر کے روشنی کی ہر لکیر کو مٹا دیتا ہے —— انسانی وجود میں بسنے والی روشنی کو زندہ تابندہ رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم ضبطِ نفس کو دامن کو ہاتھ سے جانے نہ دیں —— استدلال اور اعتدال کی سرحدوں کو پار نہ کریں —— آرتھر مول کا قول ہے —— "لوگ اپنی موجودہ حالت پر قناعت کر لیتے۔ اگر دوسروں کے دکھ درد کو جان لیتے —— مولانا رومی نے کہا تھا —— "سمندر کی سطح پر تیرتی ہوئی سیپ نے بارش کے ایک ہی قطرے پر قناعت کی تو اس کا دامن موتیوں سے بھر گیا۔!"

یہاں مشہور روسی ادیب ٹالسٹائی کی وہ مشہور کہانی یاد آتی ہے ...... ایک کسان ہے جو بے حد لالچی ہے اور زیادہ سے زیادہ زمین حاصل کرنے کی خاطر، آخر میں اپنی جان گنواتا ہے۔ کہانی کچھ اس طرح ہے..... زمین مفت بانٹی جا رہی ہے اور کسان سے یہ کہا جاتا ہے کہ وہ دن بھر میں، دور تک پھیلی ہوئی زمین کا جہاں تک بھی احاطہ کر سکے گا وہاں تک زمین اس کی ملکیت ہو جائے گی مگر شرط یہ ہے کہ سورج ڈوبنے سے پہلے اسے واپس اس جگہ آنا ہوگا جہاں سے زمین کی پیمائش شروع کی تھی! زیادہ سے زیادہ زمین حاصل کرنے کے لالچ میں کسان بہت دور نکل جاتا ہے۔ سورج ڈوبنے کو ہے اور اسے دفعتاً خیال آتا ہے کہ اسے نقطۂ آغاز تک واپس جانا ہے۔ وہ بے تحاشا بھاگتا ہے لیکن جائے آغاز تک پہنچنے سے پہلے ہی سورج ڈوب چکتا ہے اور کسان کی سانسوں کی ڈور ٹوٹ جاتی ہے۔"

ایک دانشور نے کہا تھا "دنیا کی سب سے بڑی جنگ وہ نہیں جو میدانوں میں لڑی جاتی ہے۔ دنیا کی سب سے معرکہ خیز جنگ وہ بھی نہیں جس کا فیصلہ آسمانوں میں ہوتا ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی جنگ وہ ہے جو اپنے ہی وجود کی سرحدوں پر لڑی جاتی ہے۔ اس جنگ میں نفس کی شکست ہی کامیابی کی دلیل ہے

(سرینگر سے نشر)

نیک مشورہ

قمر شاہ خان

میرے دوست پال، خوش رہو۔

میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے مجھے یاد کیا اور زندگی میں پہلی بار اپنی تحریر سے نوازہ۔ یہاں رہ کر میں تمہارے افسانے مختلف رسائل میں پڑھتا رہتا ہوں، کیا بات ہے تمہارے زیادہ تر افسانے تمہاری زندگی کے، بہت پہلے کی زندگی کے چھوٹے چھوٹے مختلف واقعات کی چغلی کھاتے ہیں؟ کالج کے دنوں کو تم ابھی بھولے نہیں ہو؟ بھابی کے، بچوں کے ہوتے ہوئے بھی؟ کیا بھابی میں جاپانی حسن کی کمی ہے؟ کیا وہ ایک ادیب، ایک افسانہ نگار کے احساسات کو سمجھتی نہیں ہیں؟ یا سمجھ کر نظر انداز کر دیا کرتی ہیں؟ یار پال! ایک دوسرے کو سمجھ پانے کی قوت کی اس کمی سے کتنے ہی ذہن اپنی موت آپ مرتے جا رہے ہیں۔ سر تھوپی ہوئی یہ بیویاں، سینوں پر مونگ دلتے ہوئے یہ شوہر، نہ جانے ہم کب سنبھلیں گے؟...... گزشتہ دنوں تمہارا ایک افسانہ پڑھا تھا جس کا مرکزی خیال کچھ اس طرح تھا...... "دو دوست تھے گہرے دوست، ایک دوست بیمار پڑ گیا۔ ناداری کا دور آ گیا۔ دوسرے دوست نے اس کی مدد شروع کر دی۔ دھیرے دھیرے یہ مدد سودا بن گئی۔ بیمار دوست اپنی بیوی کی اپنے دوست سے چھپ چھپ کر ہونے والی ملاقاتوں سے بخوبی واقف تھا مگر مجبوری کی وجہ سے انجان بنا ہوا تھا۔ بیوی بیچاری یہ سمجھتی تھی کہ اس کے شوہر کو کچھ پتہ نہیں ہے۔ اس طریقہ سے جو امداد ہوتی تھی اس سے بیمار دوست کی دوا اور گھر کا خرچ چلا کرتا تھا۔ ایک بار آنے والا دوست چار دن تک نہیں آیا۔ کسی چیز کا انتظام نہیں تھا۔ شوہر نے بیوی سے پوچھا 'وہ آیا نہیں' بیوی نے جواب دیا 'نہیں'...... تب شوہر نے کہا 'تو پھر جاؤ تم ہی ہو آؤ پڑوس میں ہی تو رہتا ہے'...... تم نے افسانے کو یہیں ختم کر دیا تھا۔ شوہر کا یہ آخری جملہ میرے دل پر ایک ضرب لگا گیا۔ کہیں اس افسانے کا محرک بھی تمہاری اپنی زندگی کا کوئی واقعہ تو نہیں ہے؟ میرے منہ میں خاک۔ کیسا بیہودہ سوال کر بیٹھا ہوں۔ ہو سکے تو معاف کر دینا۔ بہرحال ایک شاندار افسانے کے لیے مبارکباد قبول کرو۔ خدا تمہارے قلم کو اور طاقت دے۔

میں نے تو اب لکھنا ہی بند کر دیا ہے، بہت زمانے سے کچھ نہیں لکھا۔ بلکہ پہلا اور آخری افسانہ وہی تھا جو میں نے تمہیں دکھایا تھا۔ تم نے بہت تعریف کی تھی اور کہا تھا کہ یہ شاہکار ہے۔ تمہیں یاد ہے نا؟ تم نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ اس افسانے کو شہر میں ہونے والے افسانوی مقابلے میں پڑھو۔ میں نے پڑھا تھا، لوگوں نے خوب مذاق بنایا تھا، خوب ہنسے تھے، خوب ذلیل ہوا تھا میں۔ تم بھی اس ہال میں بیٹھے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔ تمہارے چہرے پر بھی تو ایک معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ تمہیں ہنستا دیکھ کر میرا جی چاہا تھا کہ تمہارا خون پی جاؤں، تمہارا منہ نوچ لوں کیونکہ میری ذلالت کی وجہ تم تھے۔ تم نے مجھے نیک مشورہ نہیں دیا تھا، مجھے دھوکا دیا تھا۔ ہاں میرے دوست، شاید تم نے یہ سوچا ہو کہ صحیح رہنمائی کہیں مجھے تمہارا حریف افسانہ نگار نہ بنا دے۔ میرے افسانے کو سنوارنے کے بجائے تم نے اسے ویسے ہی رہنے دیا تھا۔ اور محفل میں مجھے لوگوں کے طنز کا نشانہ بننا پڑا تھا۔ اسی ندامت کی وجہ سے میں نے شہر چھوڑ دیا تھا۔ ان دنوں مجھے تم پر بہت غصہ آیا کرتا تھا۔ مگر اب وہ کیفیت باقی نہیں رہی ہے۔

میں سوچتا ہوں اگر تم نے میرے افسانے کی اصلاح کر دی ہوتی اور اس افسانے کو محفل نے پسند کر لیا ہوتا تو مجھے شہر نہ چھوڑنا پڑتا اور اگر میں شہر نہ چھوڑتا تو مجھے زندگی کے یہ مواقع میسر نہیں ہوتے جن کی بدولت میں یہاں کے پانچ سب سے بڑے دولت مندوں میں شمار کیا جاتا ہوں۔ میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے مجھے وہ مشورہ دیا جو تمہاری نظروں میں تو نیک نہیں تھا لیکن حقیقتاً وہ ایک نیک مشورہ تھا۔ خیر چھوڑو، آئندہ خط لکھتے رہنا۔ میں جس قابل بھی ہوں، تمہاری بدولت ہوں اور اس کے بدلے، میں زندگی بھر جو کچھ بھی بن پڑے گا کرتا رہوں گا۔

ہاں، تم نے لکھا ہے کہ بچی کے امتحان کی فیس کے چالیس روپیہ جمع کرنے کی آخری تاریخ قریب آ گئی ہے اور کوئی انتظام نہیں ہو سکا ہے...... کیا کوئی کہانی بھی نہیں بک سکی ہے؟...... فی الحال، پانچ سو روپیہ روانہ کر رہا ہوں۔ آئندہ بھی لکھتے رہنا اور دعا کرنا کہ خدا مجھے دے تاکہ میں تمہیں دے سکوں۔

فقط۔ تمہارا احسان مند
انوار پٹیری والا

(رامپور سے نشر)

سلسلہ

علی امام

میں اپنی سچائی کی بھٹی میں جلنے والا ایک پیدائشی بے لگام آدمی ہوں ۱۹۸۲ میرا ہے۔ تجربہ میرا کام ہے۔ ایک مدت سے نہیں کہنے عادی ہوں۔ ادھر چند ماہ سے سعیدہ کی وجہ سے ہاں کہنے ہوں۔ شاید اسی ہاں کی وجہ کر سعیدہ نے مجھے کمزور رکھا ہے اور آج مجھے اپنے ننھیال خانقاہ بارگاہِ عشق تکیہ شریف متین گھاٹ پٹنہ سٹی کھینچ لائی ہے یہاں آج کافی چہل پہل ہے۔ خاندان کے بہت سارے افراد آج ناناجان سے بیعت ہونے والے ہیں۔ نائیجیریا سے آئے ہوئے ڈاکٹر محمود ماموں کی کاوش سے آج گھر کے تمام لوگ نقشبندیہ ابوالعلائیہ سلسلہ میں داخل ہونے والے ہیں۔ ڈاکٹر، انجینئر اور ٹیچر سب کے سب آج غلامی کا دستار باندھنے والے ہیں۔ میں اس خانقاہ کے لئے بالکل نیا آدمی ہوں۔ بارگاہِ عشق گنگا کے کنارے پر واقع ہے۔ گنگا کی بیچین لہریں خانقاہ کی چوڑی چوڑی چہار دیواریوں سے ایک مدت سے ٹکرا رہی ہیں۔ میں بھیڑ سے الگ تھلگ روضۂ حضرت رکن الدین عشق کے پشت پر واقع جنگلاتی حصہ میں گھوم رہا ہوں۔ اس جگہ سے گنگا کا منظر بڑا پُرلطف معلوم پڑتا ہے۔ دیر تک ادھر ادھر گھومنے کے بعد گنگا کے متصل چہار دیواری پر بیٹھ جاتا ہوں۔ میری تنہائی کو کچھ عجیب سا طلسماتی سرور حاصل ہوتا ہے میں کنارے پر بیٹھا دیکھ رہا ہوں۔ گنگا کنارے سے ٹکرا رہی ہے۔ ہر آن آتی جاتی لہریں ساحل پر چوٹ کر جاتی ہیں۔ مجھے یہ منظر عجیب عجیب حالتوں سے گذارنے لگتا ہے۔ ٹکراؤ مسلسل ٹکراؤ مجھے اندر سے بیچین کر دیتا ہے اور میں گنگا سے باتیں کرنے لگتا ہوں۔

اے گنگا تو نہ جانے کب سے اس کنارے سے ٹکرا رہی ہے۔ خانقاہ کی دیوار کتنی مضبوط ہے کہ تمہارے مسلسل ٹکراؤ کے باوجود صحیح و سالم ہے تو ہر ساعت لگاتار ٹکرا رہی ہے مگر آج مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ تو خانقاہ کی دیوار سے نہیں بلکہ میرے سر سے ٹکرا رہی ہے۔ تو میرے سر سے کیوں ٹکرا رہی ہے۔ کیا۔ ٹکرانا تمہارا کام ہے۔ تو نے ٹکراتے ٹکراتے ہی ٹکرانا اپنا مقدر بنا لیا ہے۔ کاش تو میری طرح آدمی ہوتی تو میں تجھ سے پوچھتا۔ مگر تم نے تو نہیں سمجھنے کو ہی اپنا سمجھ بنا رکھا ہے۔

دھوپ اب چند ہی لمحوں میں الوداع کہنے والی ہے۔ اندر حویلی میں چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ شاید کسی نے مجھے یہاں بیٹھا ہوا دیکھ لیا ہے۔ میں صاف صاف سن رہا ہوں۔ اندر حویلی میں نانی چیخ رہی ہیں۔ ہائے ہائے نیا نویلا اور اکیلا مکان کے پچھلے حصے میں بیٹھا ہے اللہ سب بلا سے بچیو۔ اور دائی ماما پر گرج رہی ہیں جاؤ سرکار سے کہو نوشے بابو کی دیکھ ریکھ کریں۔ ایسا بھی کیا ہے بے خبری کہ آدمی نیا نیا داماد کو بھول جائے۔

اور چند ہی منٹ کے بعد سرکار میری پشت پر کھڑے ہیں میں چونک اٹھتا ہوں۔ ناناجان قدم بوس ہوتا ہوں" میاں صاحب چلئے خانقاہ کے اندر چلئے آپ کی نانی جان ناراض ہو رہی ہیں" میں سرکار کے پیچھے ہولیا۔ عصر کے وقت سارے لوگ داخل سلسلہ ہونے والے ہیں۔ بیعت کا وقت قریب آ رہا ہے۔ داخل سلسلہ ہونے والے عزیزان و دیگر متوصلین نئے کپڑوں میں ملبوس سر جھکائے ہوئے خراماں خراماں حجرۂ عشق میں جمع ہو رہے ہیں۔ دیگر اہل خانقاہ و مخصوصین کا بھی اچھا خاصا اجتماع ہے صاحب سجادہ خواجہ شاہد حسین پہلے ہی سے خلق و دستار زیب تن کئے ہجرے میں جائے نماز پر بیٹھے ہیں۔ انہوں نے فرداً فرداً بیعت لینا شروع کر دی ہے۔ ابھی ابھی کچھ دیر پہلے جنہیں میں نے گنگا کے پشتے پر دیکھا تھا انہیں ان تبرکات میں ملبوس جائے نماز پر قبلہ رو دو زانو بیٹھے ہوئے دیکھ کر میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اور بہ آوازِ بلند بیعت لینے کے منظر نے مجھ پر جادوئی اثر کیا۔ ان کی آواز سیاسی پلیٹ فارم کی آواز سے بالکل مختلف اور بلند آہنگ ہے۔ وہ جب عہد نامہ لے رہے ہیں تو ایسا لگ رہا ہے کوئی زمین پر حکمراں اتر آیا ہو میرے جسم کے تمام روئیں کھڑے ہو گئے ہیں۔ میری آنکھوں میں بجلیاں کوندر ہی ہیں۔ ناناجان کی آواز کبھی اسمبلی میں بھی سنی گئی ہے مگر یہ آواز بے حد بارعب ہے فضا میں خاموشی چھائی ہے۔ درختوں کے پتے بھی ہوا میں کھڑکھڑا نہیں پا رہے ہیں۔ عہد نامے کے الفاظ مسحور کن اور دل کو چھو لینے والے ہیں۔ میں کبھی کبھی اپنے کو بالکل بے حقیقت سمجھنے لگتا ہوں اور کبھی کبھی ایسا لگتا ہے کہ جو میں ہوں وہ کوئی نہیں۔

مغرب کے بعد مجلس سماع منعقد ہوئی۔ لوگ کیفیت لانے لگے۔ وجد میں کچھ لوگ تھرکنے لگے۔ کچھ لوگ چیخ رہے ہیں کچھ لوگ اپنے جسم کے لباس کو تار تار کر رہے ہیں اور ناناجان کو جب کیفیت آئی تو پھر انہوں نے مجھے معانقہ دیا۔ دیر تک سینے سے لگائے رہے۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ میں میں نہیں ہوں۔ تو تو نہیں ہے۔ ہر چیز گردش میں ہے۔ میرے اندر عجیب عجیب ان دیکھی خلقت ابھر رہی ہے۔ میں بے تحاشا بھاگا جا رہا ہوں۔ گرم گرم ہواؤں کی سرخ آندھیوں سے دور۔ جے پی کے قطب مینار سے آگے بہت آگے۔ اور انقلاب کی چادر کو تار تار کئے بھاگا جا رہا ہوں کہ اچانک ناناجان کا دباؤ ڈھیلا ہوا اور میں قوال کی تان کے ساتھ کنارے پر لڑھک کر پہنچ گیا۔ وہاں سے گنگا صاف صاف دکھائی پڑ رہی ہے۔ گنگا پر بنا عظیم الشان پل سامنے میرا منھ دیکھ رہا ہے۔ گاندھی سیتو گنگا پر بنا نیا نویلا پل ہے۔ میری طرح سے یہ بھی بالکل نیا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ میں داماد کی حیثیت سے نیا ہوں اور وہ بیٹا کی حیثیت سے نیا ہے۔

یہ پل گلزار باغ سے حاجی پور جاتا ہے۔ میں گلزار باغ سے حاجی پور اور حاجی پور سے گلزار باغ کو تال میل کو ملانے لگتا ہوں۔ قوال رکن الدین عشق کی غزل پڑھ رہا ہے۔

چشم میں خلق کے گو مثل حباب آتا ہوں
عین دریا ہوں حقیقت میں بہا جاتا ہوں

میں گلزار باغ سے حاجی پور کی طرف دوڑ جاتا ہوں کہ عین دریا ہوں حقیقت میں بہا جاتا ہوں مگر تھوڑے ہی دور گیا تھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ گیپ ہے اور اتنا گیپ کہ میں چھلانگ نہیں لگا سکتا ہوں۔ ساتھ ہی اندھیرا ابھی میرے اندر دھوم مچا رہا ہے۔ میں مجبوراً گلزار باغ کی طرف لوٹ جاتا ہوں۔ کچھ سوچ کر حاجی پور

کی طرف لوٹ جاتا ہوں۔ کچھ سوچ کر حاجی پور کی طرف لوٹتا ہوں لیکن پھر گلزار باغ اپنی طرف مجھے بلا لیتا ہے یہ سلسلہ کافی دیر تک میرے اندر ہوتا رہتا ہے مگر حاجی پور پہونچ نہیں پاتا ہوں کہ ابھی بہت سارے گیپ ہیں اور بہت سارے پیسیج ہیں اور جگہ جگہ خلا بھی موجود ہے۔ میں شمع خانے سے آہستہ سے اٹھتا ہوں اور پھر گنگا کے کنارے والے پشتے پر بیٹھ جاتا ہوں گنگا سے باتیں کرنے لگتا ہوں اور گنگا تو میرے سر سے کیوں ٹکرا رہی ہے۔ وجہ کچھ تو ضرور ہوگی بتاتی کیوں نہیں۔ کیا ٹکرانا کوئی اچھی بات ہے۔ تو پھر تو نے کیوں ٹکرانے کو اپنا مقدر بنا لیا ہے۔ کاش تو میری طرح آدمی ہوتی تو میں تجھ سے پوچھتا مگر تم نے تو نہیں سمجھنے کو ہی اپنی سمجھ جان لیا ہے۔

مگر گنگا خاموش اسی آن و بان سے بہتی رہی اور میرے سر سے ٹکراتی رہی۔ اب میں اپنے اندر دھیرے دھیرے اترنے لگا ہوں۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ میرے اندر بھی ایک گنگا بہہ رہی ہے۔ اس کے ساحل پر بھی ٹھیک میرے جیسا ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے اور وہ بھی گنگا سے میری طرح ہی سوال کر رہا ہے۔

اے گنگا تو ساحل سے نہیں ٹکرا رہی ہے بلکہ تو میرے سر سے ٹکرا رہی ہے اس میں تجھے کیا مزہ مل رہا ہے۔ تو میرے سر سے ٹکرا رہی ہے۔ ٹکرانا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ مگر ایک زمانے سے ٹکراتے ٹکراتے ٹکرانا تیری عادت بن گئی ہے اور تو نے ٹکرانے کو اپنا عزیز ترین فن جان لیا ہے۔ کاش تو میری طرح ایک آدمی ہوتی تو میں تجھ سے پوچھتا مگر تم نے تو نہیں سمجھنے کو ہی اپنی سمجھ جان لیا ہے۔

میرے اندر کا آدمی بھی وہی کہہ رہا ہے جو میں باہر کی گنگا سے کہہ رہا ہوں۔ چپ چاپ میں اندر سے باہر نکل آتا ہوں۔ باہر آکر گنگا پر کھڑے گاندھی سیتو کو غور سے دیکھتا ہوں۔ جو بارگاہِ عشق سے بہت خوبصورت معلوم پڑتا ہے۔ اور گلزار باغ سے حاجی پور جاتا ہے۔ حاجی پور سے گلزار باغ آتا ہے میں گلزار باغ میں رہتا ہوں اور اپنی سچائیوں کی بھٹی میں جلتا ہوں۔ اسی وقت ایمن آواز دیتے ہیں نوشے بھائی نوشے بھائی۔ باجی اندر آپ کو بلاتی ہیں اور میں گنگا کے کنارے سے اٹھ کر جو رُکا ہوں سے گاندھی سیتو کو دیکھتا ہوں اور اندر حویلی کی جانب سیدھے سر جھکائے چلنے لگتا ہوں۔ جیسے گھوڑے کو لگام کس دی گئی ہو اور پیٹھ پر بیٹھا سوار گھوڑے کو سمت عطا کر رہا ہو۔ میں لگام کسے گھوڑے کی طرح سیدھے بالکل سیدھے اندر حویلی میں داخل ہو جاتا ہوں۔ گو ابھی تک میرا نام ۱۹۸۲ ہے اور تجربہ میرا کام ہے۔

(پٹنہ سے نشر)

وہ اور میں

مناظر عاشق ہرگانوی

وہ ایک خاموشی لیے آتا اور بیٹھ جاتا۔ گھنٹوں بیٹھا رہتا، ساری دنیا کی خاموشی اپنے اندر سمیٹ لاتا ہے اور مسلسل اس کا شکار مجھے بناتا جا رہا ہے۔ میں جب کچھ کہتا، تبھی بولتا۔ کہنے کو بھی کیا ہوتا وہی گھسی پٹی باتیں۔

"کچھ نہیں ساری زندگی کاہلیت اور ایک عجیب قسم کے احساس سے گذر رہی ہے۔" کہتے کہتے وہ ایک بناوٹی چادر اوڑھ لیتا۔ اتنی بناوٹی کہ وہ گرفت میں آسکے۔

"کچھ لکھو۔ آجکل تو بڑی افراتفری پھیلی ہوئی ہے طرح طرح کے اِزم پھیلا کر صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح کے نشاں دیئے جا رہے ہیں۔"

"اسی لیے تو اور نفرت ہوتی ہے۔ ان بے وقوفوں نے بڑی بڑی قطاریں کھڑی کر دی ہیں، پتہ ہی نہیں چلتا کہ کون جینوئن ہے، کون فیک۔"

"یار سگریٹ نہیں ہے۔"

"منگائے دیتا ہوں۔"

"تم نے چھوڑ دیا۔"

"سگریٹ بھی اب فیک قسم کی آنے لگی ہے۔" وہ مسکراتا ہے۔

"سستی سگریٹ پیا کرو۔ ہمیشہ جینوئن رہے گی۔"

"بڑی سخت ہوتی ہے۔"

اس کا منہ لٹک جاتا ہے۔

"ہوتی تو ہے، لیکن اصلیت کا پتہ اس طرح الگ رہ کر تو نہیں چل سکتا۔؟"

مجھے خود بخود ہنسی آجاتی ہے۔ ایسے لمحے میں میں عموماً ہنس دیا کرتا اور وہ اندر ہی اندر جل کر راکھ ہونے لگتا۔ دو ایک بار پی گیا تھا۔ پھر ایک دن کہہ ہی دیا۔

"تم ہمیشہ اصلیت سے کتراتے ہو، ہنس کر ٹال جاتے ہو۔"

میں پھر ہنس پڑا۔ دراصل اس کے کہنے کا لہجہ اتنا نقلی ہوتا ہے کہ اس پر سنجیدگی سے کچھ سوچا یا کہا ہی نہیں جا سکتا۔ وہ غصہ کی حد تک ابل پڑا "بیکار کی ہنسی اچھی نہیں ہوتی۔"

اور میں فوراً باتوں کو موڑ کر رشتے کو ٹوٹنے سے روکنے کی کوشش کرتا۔ ویسے ہمارے رشتے گہرے نہیں تھے، کسی اتفاق سے ہم قریب آئے تھے اور موقع ملتے ہی الگ بھی ہو سکتے تھے لیکن کوشش یہ رہتی تھی کہ یہ موقع ایک دوسرے کو نہ مل سکے۔

"کل نثار ملا تھا۔"

"ڈولٹ ہے وہ۔"

"کہہ رہا تھا۔ اس کی نئی کہانی چھپی ہے۔"

ایسی باتوں پر وہ خاموش رہتا پھر آہستہ سے کہتا۔ "بس ایک سال تک چلے گا۔ اس طرح کے لوگوں کی شخصیت کیلئے وقتی تعریف زہر بن جاتی ہے۔ میں سیکڑوں لکھنے والوں کے نام گنوا سکتا ہوں، جنہوں نے دو ایک سال خوب لکھا خوب چھپے شباب اور شراب کے زور پر۔ پھر جب اینٹ کھسکی تو اب کہیں نہیں دکھائی دیتے۔" وہ کئی نام گنوا جاتا.....!

"تم نے دیکھا؟" وہ جیسے چونکتے ہوئے پوچھا۔

پھر خود بتاتا جیسے کوئی اہم بات ہو۔ "آجکل دو اور سر پھرے ادبی میدان میں آئے ہیں۔" میں اس کی بات سمجھ کر ہنس دیتا۔

"تم پھر ہنس رہے ہو؟ یہ بہت نامعقول حرکت ہے۔ سوچو ایک آدھ کہانی لکھ لینے کے بعد اسی پر انٹرویو چھپوانا کیا خود کو قتل کرنے کے مترادف نہیں ہے؟ وہ نئی نسل کو گمراہ کیے جا رہا ہے نئی نسل کے کچھ ذہن اس کے چنگل میں غیر محسوس طور پر پھنستے جا رہے ہیں۔ کچھ لوگ جان بوجھ کر اس کے قریب گرے پڑ رہے ہیں۔ اس کے پاس ترسیل کا آرگن جو ہے۔"

وہ جب جب میرے پاس آیا ایک عجیب ہیئت لاد کر آیا۔ زندگی کے بے ترتیبی انتشار اور اسے جھیل نہ سکنے کی اپنی مجبوری کو لے کر وہ بڑی دیر تک بکتا رہتا۔ چائے پیتا سگریٹ پھونکتا اور خاموشی سے کھسک جاتا۔ رفتہ رفتہ میں سمجھنے لگا تھا اس کی گہرائی کی تہہ میں بھی پہنچ گیا تھا جس کی وجہ سے وہ میرے قریب آیا تھا۔ اس کو لکھنے کا بھی شوق تھا۔ پڑھنے کی بات میں نہیں جانتا کیونکہ جب کبھی میں نے دوستوں کے بارے میں اس سے باتیں

ں، وہ جھٹ کہتا " بے وقوف ہے۔ الفاظ کا غلاف اوڑھنے
ے کو تم بڑا ادیب کہتے ہو۔" چپ چاپ اندر ہی اندر ہنس دینا
ں عادت ہو گئی تھی اور ادھر تو کھل کر ہنسنے لگا تھا۔ اس دن موسم کچھ
یگا ہوا تھا رہ رہ کر بوندا باندی بھی ہو جاتی۔ ایسے میں وہ آیا۔ منہ
ڑا ہوا تھا۔ ہونٹ سوکھے اور ڈھیلا پینٹ، کمر سے گر پڑتے والا۔

" آج موسم بڑا رومانٹک ہے ..... شیبا چلو۔"

" شیبا؟ نہیں یار بڑا مہنگا ہوٹل ہے۔"

" مہنگا کیا ہے؟ پچاس روپیہ دونوں کے لیے کافی ہے۔"

" پھر بھی۔"

" پھر بھی کیا..... ؟ کچھ پی جائے گی۔ کچھ لیا جائے گا۔
کیبرا بھی دیکھیں گے۔ غضب کی ڈانسر ہے۔"

" تمہیں کیسے معلوم۔"

" سویرے منیجر سے بات کر آیا ہوں، چاہو تو رات بھی گذار
سکتے ہو۔" اس نے ایک آنکھ دبا کر کہا۔ اس کی باتیں میرے حلق سے
س یے نہیں اتر رہی تھیں کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ پھر میں نے
سچی بات کہہ دی۔

" یار پیسے نہیں ہیں۔"

" پیسے؟ دس میں دے دوں گا باقی تم انتظام کرو۔"

اپنے پیسے سے چائے تک نہ پینے والا آدمی اتنا فراخدل
ہو سکتا ہے کہ جھٹ سے دس روپیہ کا نوٹ دینے کو تیار ہو جائے ایسی
حالت میں میرا ارادہ ڈانوا ڈول ہو جانا فطری تھا۔ پھر ادھر میں بھی
کئی دنوں سے خشک زندگی گذار رہا تھا۔ چاروں طرف سے بند۔
گھٹن آلود۔ کہیں سے بھی تازگی نہیں۔ ایک ٹھہراؤ اسٹاؤ۔ ایک عجیب
ٹھنڈا پن۔ ایک رات کی لذت ایک رات کا گرم بستر دونوں نے
مجھے بچ نہ سکنے کی حد تک اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ پڑوس کے
ایک دوست سے پچاس کا انتظام کر کے اس کے ہاتھ پر رکھ دیا
نہ بھی رکھتا تو وہ مانگ لیتا۔ آگے چلنے کی اس کی عادت ہے۔

" تم جھٹ پٹ تیار ہو کر آؤ۔ میں چل رہا ہوں۔ سیٹ بک
کرالوں گا ورنہ پھر کچھ بھی ہاتھ نہیں آئے گا" اور وہ چلا گیا۔

جب تک میں کہوں بھائی میں بھی ساتھ چل رہا ہوں وہ
سڑک پکڑ چکا تھا۔

اس دن شیبا کا گوشہ گوشہ چھان ڈالا تھا مگر

وہ نہیں ملا۔ میں چپ چاپ لوٹ آیا تھا۔ کسی سے کچھ بھی نہیں
کہہ سکتا تھا۔ فائدہ ہی کیا ہوتا؟ ویسے اتنا ضرور محسوس کیا کہ اس
دوستی کی بوجھ سے میں ٹوٹا نہیں تو بکھر ضرور جاؤں گا!

اُس دن گیا ہوا وہ آج آیا۔ پورے دو مہینے کے بعد۔

" کہاں تھے بھائی ؟"

وہ کھڑا کھڑا مسکراتا رہا۔ لباس کافی سلیقے سے پہنے
ہوئے تھا۔ ڈاڑھی بھی کلین شیوڈ تھی۔ اور پان کی خوشبو مجھ تک
پہنچ رہی تھی۔

" یہاں سے اٹھو تو۔"

میں اُٹھ گیا۔

ہوٹل میں چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے وہ بولا
" کام بن گیا۔"

" کیسا کام ؟"

" میری دو تین کہانیاں اِدھر فلاں فلاں بڑے
رسالے میں آرہی ہیں۔"

میں چونکا۔

" تم تو کہتے تھے کہ یہ سب چور ہیں، جاہل ہیں — انھیں
جینوئن لٹریچر کی پہچان نہیں۔ زندگی کی موجودہ ضرورتوں کو نہیں
جانتے۔ نئی نسل کی درد کو جانے بغیر زندگی گذارنے کے عادی
ہو گئے ہیں۔ وغیرہ، وغیرہ۔"

وہ زور سے ہنسا۔" جانتے ہو اس دن شیبا میں
تم سے کیوں نہیں مل سکا۔؟"

" نہیں۔"

" دراصل وہ اس دن آگیا تھا۔ وہ ایک بڑے رسالے
کا ایڈیٹر ہے۔"

میں اندر ہی اندر تڑپ اٹھا۔

وہ کہہ رہا تھا۔" یار۔ اس کے ساتھ وہ رات گذارنی پڑی۔
پچاس روپے کا اور انتظام کرنا پڑا۔ سارا انتظام اپنے کمرے
میں ہی کر لیا تھا۔ یہی بیس اکیس کی عمر تھی۔" مجھے لگ رہا تھا کہ
اس کے منہ سے مسلسل ایک زہریلی بھاپ نکل رہی ہے جو میرے
اردگرد گھوم کر میرا منہ کالا کرتی جا رہی ہے۔

" تم فکر نہ کرو۔ دوستی ہو گئی ہے۔ تمہیں بھی گھسیٹوں گا۔
یار۔ اس چائے سے مزہ نہیں آیا۔ ایک ایک کپ ذرا اسٹرانگ
ٹائپ کا ہو جائے۔"

میرا خون میرے قبضے میں نہیں تھا۔ دماغ میں کہیں
"دھوں دھوں" کر کے قرض کے روپے سلگ رہے تھے۔
دھواں میری آنکھوں کو کاٹ رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میری
ساری خاموشی میرے دل کو نچوڑ کر پھینک دے گی۔

" تم چپ کیوں ہو۔"

وہ بڑی چلبلی باتیں کر رہا تھا۔ قریب سے گذرتی ہوئی
ایک لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا" دیکھ رہے ہو کیا غضب
کی لونڈیا ہے۔"

میرے منہ سے گالی نکلنے والی تھی۔ تبھی وہ ہنستا ہوا بولا۔
" یہ انتشار، فراریت اور سارا کچھ نقلی ہے دراصل آدمی
ان میں جی نہیں رہا ہے، جینے کا بہانہ کیے ہوئے ہے اور تم
جانتے ہو بہانے ہمیشہ جھوٹے ہوا کرتے ہیں۔"

آج وہی لگاتار بولے جا رہا تھا۔ میرے اندر نہ بول سکنے
کا احساس لڑ رہا تھا۔

تم بھی یہ چکر چھوڑ دو۔"

" کیسا چکر ؟" میری آواز میں سختی تھی۔

" کچھ نہیں، تم ابھی نہیں سمجھو گے۔ میں ساری پگڈنڈیاں
چھان چکا ہوں۔ یہاں سب ننگے ہیں۔ جو نہیں ہوتے انھیں
کر دیا جاتا ہے۔"

" اور وہ ہو جاتے ہیں، تم یہی سمجھتے ہو۔"

وہ صرف مجھے دیکھتا رہا تھا۔

" جو ننگے ہونا چاہتے ہیں، لاکھ پردے ڈالو، ہو ہی جائیں
گے کسی کو ننگا نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک ننگا ہو کر منزل کو پا جانے
کی آرزو دماغ میں نہ ہو۔"

وہ ہنسا تھا۔ سگریٹ کا بدبودار دھواں میرے اوپر اگل کر
جیسے تھوک رہا ہو۔ اور مجھے غصہ آگیا۔ میں آپے سے باہر
ہو گیا۔

اس نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر اُٹھ گیا اور تیزی سے اُس
طرف نکل گیا جدھر ہوا کا رُخ تھا۔ مجھے لگا ساری خاموشی جس کا
شکار وہ مجھے بناتا رہا ہے آج ختم ہو گئی ہے۔ خود کو اب میں
کافی ہلکا محسوس کر رہا ہوں۔ گندگی کے صاف ہو جانے سے
ایسا ہی ہوتا ہے۔

ہوا درخت کی چوٹیوں سے ٹنگی رہ گئی ہے۔ بیچ سے
ہو کر نہیں گذر رہی ہے میں ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا اس کے
خلاف چلنے کے لیے جب وہ بیچ سے گذرے گی۔

(آکاشوانی لکھنؤ سے)

عباس انصاری

کیا تکتے ہو دامن کی ہوا کیوں نہیں دیتے
خاکستر پروانہ اڑا کیوں نہیں دیتے

جی بھر کے محبت کی سزا کیوں نہیں دیتے
مٹی مری مٹی میں ملا کیوں نہیں دیتے

کیا دیر ہے ہاتھ اپنا بڑھا کیوں نہیں دیتے
راحت نہ سہی رنج و بلا کیوں نہیں دیتے

روشن جو نہیں کرتی سیہ خانۂ دل کو
اس شمع کو پروانے بجھا کیوں نہیں دیتے

وحشت کی سزا ہم کو دیے جاؤ گے کب تک
گذری ہوئی باتوں کو بھلا کیوں نہیں دیتے

اک دن تو نقابِ مہ و انجم کو الٹ کر
قصہ مری حیرت کا چکا کیوں نہیں دیتے

اندازِ شکایت جو گوارہ نہیں میرا
پھر حوصلۂ حمد و ثنا کیوں نہیں دیتے

اک اور بھی تم سا ہے یہ کیا دیکھ رہا ہوں
آئینہ مقابل سے ہٹا کیوں نہیں دیتے

ثابت قدمی عشق کی مجروح نہ ہوگی
کانٹے مری راہوں میں بچھا کیوں نہیں دیتے

اپنی ہی طلب میں کوئی زخمی تو نہیں ہے
آخر وہ ہمیں حسبِ دعا کیوں نہیں دیتے

(جلگاؤں سے نشر)

افسانہ

لمحے درد کے

سید احمد قادری

خاموش کالی رات کا سینہ چیرتی فضا میں چنگاریاں منتشر کرتی ہوئی ٹرین اپنی منزل کی جانب گامزن تھی۔ اپنی برتھ پر میں کروٹیں بدل رہا تھا۔ میری آنکھوں میں نیند کی بجائے بغل والی برتھ پر نیم خوابی کے عالم میں لیٹی اس حسینہ کا سراپا سمایا ہوا تھا، جس کے حسن اور جس کی اداؤں نے مجھے بے حد متاثر کیا تھا۔ چھلکے گھنے بالوں کے درمیان اس کا گورا اور خوبصورت چہرہ ایسا سماں پیش کر رہا تھا جیسے کسی برف پوش پہاڑی کی چوٹی کو بارش کی ہری کالی گھٹاؤں نے اپنی آغوش میں لے لیا ہو۔

اچانک وہ کروٹ بدلتی ہے، اور ہم دونوں کی نگاہیں ٹکراتی ہیں۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کو دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی صحرا میں کوئی ننھا سا پودا کھل اٹھا ہو۔ اس کی مسکراہٹ کا جواب میں نے بھی مسکراہٹ سے دیا اور اچانک پوچھ بیٹھا۔

"کہاں جا رہی ہیں آپ؟"

"دلّی۔ اور آپ؟"

"میں بھی دلی ہی جا رہا ہوں"

"اوہ خوب، چلیے بوریت کچھ کم ہو گی"

"جی ہاں، میں بھی کافی دیر سے بور ہو رہا ہوں، ٹرین کی اس گھن گرج اور ہچکولے میں مجھے نیند ہی نہیں آتی۔۔۔۔"

ابھی میری بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ ایک اسٹیشن آ گیا اور "چائے گرم، چائے گرم" کی صدائیں گونجنے لگیں۔ میں نے فوراً ہی کھڑکی کے قریب جا کر چائے والے کو آواز دی، ایک چائے اپنی ہم سفر کی جانب بڑھائی، جسے اس نے شکریے کے ساتھ قبول کر لیا اور پھر میں بھی اپنی چائے کا پیالہ لیے ہوئے برتھ پر بیٹھ گیا۔ چائے کے میٹھے اور گرم گرم گھونٹ کے ساتھ ہم دونوں کی باتوں کا سلسلہ شروع ہوا جو کافی دیر تک جاری رہا۔ اس کے بات کرنے کا انداز بے حد پیارا اور سحر انگیز تھا۔ باتیں کرتے وقت وہ اپنے داہنے ہاتھ کو اپنے گلابی گالوں پر اس انداز سے رکھتی کہ کوئی بھی دیکھنے والا مسحور ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ جب بولنے لگتی تو ایسا محسوس ہوتا جیسے آسمان سے بیلا، چمیلی اور جوہی کے پھولوں کی بارش ہو رہی ہے۔ آواز اس کی گالوں میں سا شہد گھولتی۔ وہ عام لڑکیوں سے بھی بالکل مختلف، روحی ذہنیت کی قید و بند سے آزاد اور بے حد بے باک تھی۔

تھوڑی ہی دیر کی اس کی قربت نے میری زندگی میں ہر لمحہ موجود رہنے والا رنج و غم اور سوچ اور فکر کا تناؤ ڈھیلا پڑنے لگا اور مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے دل کے ویران اور اندھیرے گوشے میں رعنائی اور شادابی کے پھول کھل اٹھے ہوں اور ایسے حیات بخش ماحول میں جینے کی آرزو ایک بار پھر انگڑائی لینے لگی۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد نوکری کی جستجو میں ٹھوکریں کھاتے کھاتے میری ہر خواہش ہر تمنا، ہر آرزو دم توڑ چکی تھی۔ میرے خوابوں کا ہر شیش محل حقیقتوں کے چٹانوں سے چکنا چور ہو چکے تھے۔ بچپن میں ہی باپ کے انتقال کے بعد ماں کی موت نے مجھے مزید بے سہارا اور تنہا کر دیا تھا جسے کا ایک واحد سہارا میرا ایک چھوٹا سا بھائی تھا لیکن وہ بھی تیز بخار کے بعد دوا کے بغیر تڑپ تڑپ کر موت کی آغوش میں چلا گیا۔۔۔ میں اسے تڑپتا ہوا، مرتا ہوا دیکھتا رہا۔ کس کس کے دروازے میں نے نہیں کھٹکھٹائے، لیکن ہر طرف سے "آئی ایم سوری" کی سرگوشی گونجی۔ ماں کی آخری خواہش تھی کہ میری نوکری کے بعد کچھ دن آرام اور خوشگوار زندگی گزاریں، لیکن۔۔۔۔ ماں کی موت اور بھائی کا دوا کے بغیر تڑپنا میری آنکھوں کے گرد کئی دنوں تک رقص کرتا رہا، اور پھر ایک جھٹکے کے ساتھ یہ رقص تھم گیا، ایسے جیسے کئی ساز بجتے بجتے یکلخت خاموش ہو جائیں۔

۔۔۔۔ اور پھر میں نے اسی راجیش کا گلا گھونٹ دیا، جس کی نیکی اور ایمانداری مشہور تھی، کچھ ہی عرصہ بعد ایک نئے راجیش نے جنم لیا۔۔۔ اور آج میں ایک بڑا آدمی ہوں، ہر گھر میں، ہر محفل میں مجھے عزت اور احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ لوگ مجھ سے قریب ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ بڑے بڑے گھرانوں کی لڑکیاں شادی کی خواہش مند رہتی ہیں۔ میں نے اس پہلو پر کئی بار غور کیا، لیکن نظروں میں کوئی لڑکی اتری ہی نہیں اور اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ لڑکی کی وجود سے میں ہمیشہ خوف زدہ رہا۔ حسن میری کمزوری تھی، لیکن بے وفائی برداشت کرنے کی قوت مجھ میں نہ تھی۔ میں یوں بھی کئی بار ٹوٹا اور بکھرا ہوں، اور اس ٹوٹنے اور بکھرنے کے عمل میں میں بالکل ریزہ ریزہ ہو گیا ہوں بڑی مشکل سے ادھر میں نے خود کو جوڑنے کی کوشش کی تھی۔

"آپ کہاں کھو گئے؟"

اچانک اس نے مجھے کھویا ہوا دیکھا تو سوال کر دیا۔

"جی کہیں نہیں، ذرا اپنے بزنس کے متعلق سوچنے لگا تھا" میں نے جان بوجھ کر جھوٹ بولا۔ چائے کا پیالہ کب کا خالی ہو چکا تھا اور اب تک میری انگلیوں میں پھنسا تھا۔ شیشہ اٹھا کر اسے باہر پھینکا اور ایک سگریٹ سلگا کر گھڑی دیکھی۔ رات کے ۹ بج چکے تھے۔

"آئیے چلیں کھانا کھائیں" میں کھڑا ہوتا ہوا اسے بھی کھانے کی دعوت دی جسے اس نے بغیر کسی تکلف کے قبول کر لیا اور اپنی ساری درست کرتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔ ڈائننگ کار میں پہنچ کر میں نے کھانے کی ایک لمبی فہرست لکھوائی۔ کھانے کے بعد اس نے شراب کی خواہش ظاہر کی، اس کی خواہش نے مجھے حیرت کے سمندر میں دھکیل دیا۔ لیکن جلد ہی میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ بڑے شہر کی لڑکی ہے۔ کبھی کبھار پی لیتی ہو گی اور اس وقت یوں بھی سفر کی تکان شراب کی خواہش کو ابھار دیتی ہے۔ اس خیال کے تحت میں نے شراب کا آرڈر دے دیا۔

ڈائننگ کار سے واپسی پر وہ جھومنے لگی تھی۔ اس کے جھومنے کا انداز اور اس کی مدہوشی ایسی تھی جس پر ہزار جان سے میں عاشق ہوا جا رہا تھا۔ برتھ تک پہنچتے پہنچتے مجھے کئی بار اس کو سہارا دینا پڑا اور ایسے وقت میں اس کے جوان جسم کا لمس میرے وجود کو مزید نشہ دلا رہا تھا۔ کچھ دیر تک میں اسے دیکھتا رہا۔ اور پھر ایک سگریٹ جلا کر اس کے دھوئیں کے مرغولے میں اس لڑکی کے متعلق سوچنے لگا۔

یہ مس سیما اگروال تو میرے دل و دماغ میں پوری طرح سما گئی ہے۔ چند لمحوں کی ملاقات نے کتنا قریب کر دیا۔ میں اس سے شاید اس لیے بھی زیادہ متاثر ہوا ہوں کہ اس نے پل بھر میں سارے تکلفات کی حد بندیوں کو توڑ دیا تھا اور اپنی بالکل اپنی لگنے لگی تھی۔ اس کا حسن، اس کا انداز، اس کی ادائیں۔۔۔۔۔۔ شاید۔۔۔۔ شاید۔۔۔ میری سوچ کا دائرہ دھوئیں کے مرغولے کی طرح پھیلتا گیا، سگریٹ پر سگریٹ جلتے رہے اور پھر میری سوچ کا نقطہ صرف ایک لفظ پر رک گیا ــــ "شادی"۔

میں اپنے اس اہم اور اچانک فیصلے پر خود حیرت زدہ تھا۔

صبح ہو چکی تھی۔ دن کا سورج آہستہ آہستہ شب کی تاریکیوں کو اپنی مٹھی میں دبائے ایک نئے جوش ولولے اور ایک نئی امنگ کے ساتھ ابھر رہا تھا۔ اور پھر اجالا ہی اجالا ہر طرف روشنی ہی روشنی۔

سات بج گئے اور اب تک وہ سو رہی تھی۔ اس کی
لی کو پکڑ کر میں نے کھینچا، اور وہ جاگ گئی۔

"کیا ارادہ ہے اب ہم لوگ دہلی پہنچنے ہی والے ہیں۔"

"اوہ، اچھا اچھا" اور وہ یہ کہتی ہوئی اٹھی، مجھے غور سے دیکھ کر مسکراتے ہوئے اپنے بیگ سے کچھ سامان نکال کر ...ی جانب بڑھ گئی۔ کچھ دیر بعد وہ واپس آئی تو سفید ساری ...وز اور گھنیری کالی زلفوں میں وہ کوئی اپسرا معلوم ہو رہی ...ئی منٹ تک اس کے حسن کو اپنی آنکھوں میں بساتا ...ا اس وقت جب اس نے مجھے بھی تیار ہونے کی یاد دہانی ...بھی اپنا سامان لے کر باتھ روم میں داخل ہو گیا۔ تیار ...س آیا تو گاڑی دلی کے حدود میں داخل ہو چکی تھی۔ چند ...بعد گاڑی نے اسٹیشن پہنچ کر دم توڑ دیا۔ سامان درست ...کو تاکید کرتے ہوئے ہم دونوں ساتھ ہی اسٹیشن سے ...نظریں میری راجو کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ جس سے ملنے ...ی باتیں کرنے میں آیا تھا۔ کافی دیر تک وہ نہ ملا تو ...یکسی لی، سیما کو بھی اس کے گھر تک چھوڑنے کا وعدہ ...ہوئے بٹھا لیا۔

راستے میں میں نے اسے شام کو شیرین ہوٹل میں ملنے ...مجھے یقین تھا کہ وہ شام میں میری شادی کی خواہش پر ...ے گی اور وہ خود کو یقیناً خوش نصیب سمجھے گی۔

میری بات سن کر اس نے کہا:

"ایسی بھی کیا بات ہے کہ آج ہی ملنا ضروری ہے، ہم لوگ ...مل سکتے ہیں۔"

"نہیں آج ہی، آج میں تمہیں ایک خوشخبری سناؤں گا۔"

"تو ٹھیک ہے، میں ضرور پہنچ جاؤں گی۔"

اور پھر میں مطمئن انداز میں اس اہم فیصلے کے متعلق سوچنے ...ری نظریں ٹیکسی ونڈ اسکرین پر جمی ہوئی تھی، جہاں سے ...ور بالا عمارتیں، بھاگتی اور دوڑتی ہوئی کار، رکشے، اسکوٹر ...ح طرح کے لوگ نظر آ رہے تھے۔ اچانک میری نظر راجو ...ی۔ وہ مجھے اسٹیشن لینے جا رہا تھا۔ ٹیکسی رکوا کر میں نے اسے ...ریب بٹھا لیا۔ "نمستے جی" کہنے کے بعد اس نے غور سے سیما ...ب دیکھا اور پھر مجھے گھور کر دیکھنے لگا۔

میں اس کی ان نظروں کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ وہ اس وقت ...خاموش رہا جب تک کہ سیما اپنے مکان کے قریب نہ ...ی۔ شام کو ضرور ملنے کا وعدہ کر کے وہ تھرٹین اسکوائر روڈ ...ایک مکان کی جانب چل دی۔

راجو، سیما کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا، وہ جب بہت ...ے رہ گئی تو وہ میری طرف مخاطب ہوا۔

"تم اس کے چکر میں کیسے پڑ گئے؟"

"کیوں؟ چکر کیا؟ اچھی خاصی اسمارٹ لڑکی ہے، میں ...اسے شادی کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔"

"کیا——؟" وہ تقریباً چیخ پڑا۔

"ہاں۔"

"تم جانتے ہو، یہ کون ہے؟ یہ دلی کی مشہور کال گرل ...سیما ہے۔"

"نہیں نہیں، یہ نہیں ہو سکتا، تم جھوٹے ہو، تم جھوٹ بکتے ہو۔"

"ایسی بھی کیا بات ہے، تم کسی بھی بڑے ہوٹل کے منیجر سے اس کے بارے میں پوچھ سکتے ہو۔"

اور راجو کی اس بات پر میں نڈھال ہو کر ٹیکسی کے ایک کونے سے لگ کر ہانپنے لگا، میری بے حس اور بے حرکت آنکھیں خلا میں گھور رہی تھیں، میں بار بار ٹوٹ کر بکھر گیا۔

(پٹنہ سے نشر)

سید احمد قادری
اشرف منزل، کریم گنج، گیا۔ (بہار)

نیشنل پروگرام موسیقی

ریتا گنگولی کا گائن: ہفتہ ۲۰ اگست رات ساڑھے نو بجے

ہلکی کلاسیکی موسیقی کی مقبول ترین فنکار ریتا گنگولی کو سدھیشوری دیوی، بیگم اختر اور شمبھو مہاراج جیسے عظیم فنکاروں سے علم موسیقی حاصل کرنے کا شرف مل چکا ہے۔ آج کل آپ ہندوستانی موسیقی کے نمایاں فنکار پنڈت منی رام سے تربیت حاصل کر رہی ہیں۔

گہری اور گونجیلی آواز کے خداداد عطیے کی مالک ریتا گنگولی کے ٹھمری، دادرا، ٹپہ اور غزل گائیکی میں خوشگواری اور موسیقی کی نئی جہتیں ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے گائن میں پورب اور پنجاب انگ کا ایک انفرادی امتزاج ملتا ہے۔

ٹی ایس سنکرن کا بانسری وادن
۲۰ اگست رات ساڑھے نو بجے

ٹی ایس سنکرن نے موسیقاروں کے ایک خاندان میں جنم لیا اور ابتدائی تعلیم اپنے والد سورگیہ ٹی۔ این سمبا سوم سے حاصل کی اور بعد میں ملک کے مشہور بانسری نواز ٹی آر مہالنگم کے زیر تربیت رہ کر فن کو جلا بخشی۔

شری سنکرن کے فن میں انداز کی انفرادیت راگ کی اصل روح کے ساتھ ملتی ہے اور اپنے تخیل اور جمالیاتی حس کے ساتھ وہ بانسری وادن پر لطف بنا دیتے ہیں۔

اپنے فن کا مظاہرہ وہ ملک اور بیرون ملک منعقد موسیقی کی محفلوں میں کر چکے ہیں۔

بقیہ: گھریلو مکھی

منتقل ہوتے رہتے ہیں، جو انسانوں اور جانوروں میں ۶۵ مختلف اقسام کی بیماریاں پیدا کرتے ہیں۔ مکھیوں سے پیدا ہونے والی خاص بیماریاں یہ ہیں۔ ٹائیفائڈ، دست پولیو، جذام، تپ دق وغیرہ۔

مکھیوں کو کنٹرول کرنے کے لیے صفائی نہایت ضروری ہے۔ کوڑا کرکٹ، کھاد وغیرہ کو مکانات سے دور کسی اور مقام پر جمع کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ جراثیم کش دواؤں کا چھڑکاؤ بھی کافی ہے۔ (حیدر آباد سے نشر)

مکان نمبر ۳/ ۲۰۹ - ۴ - ۲۰، محلہ خلوت، حیدر آباد ۵۰۰۰۰۲

اردو سروس

پہلی مجلس میڈیم ویو ۴۲۷.۳۰ میٹر (۷۰۲ کلوہرٹز) ۲۸۰.۱ میٹر (۱۰۷۱ کلوہرٹز)
شارٹ ویو ۴۸.۷۰ میٹر (۶۱۶۰ کلوہرٹز)

صبح
۵-۴۳ سگنیچر ٹیون اور اناؤنسمنٹ
۵-۴۵ صبح گاہی
۶-۱۵ خبریں
۶-۲۵ پرانی فلموں سے
۷-۰۰ شہر صبا
۷-۲۵ شمع فروزاں
۷-۳۰ ساز سنگیت (سازینہ)
۷-۴۵ گزشتہ شب ۹۔۰۰ کی
دوبارہ نشریات
۷-۵۵ پروگراموں کا خلاصہ
۸-۰۰ آپ کی فرمائش (جاری)
بجز اتوار، بدھ اور جمعہ
۸-۳۰ تاریخ ساز (اتوار، بدھ اور جمعہ)
۹-۰۰ آج کی بات (بجز جمعہ اور اتوار)
جمعہ/اتوار: آؤ بچو!
۹-۱۵ لوک گیت (بجز جمعہ/ہفتہ/اتوار)
جمعہ/اتوار: آؤ بچو!
ہفتہ: نغمات وطن
(حب الوطنی کے نغمات)
۹-۳۰ خبروں کا خلاصہ
۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی
(بجز جمعہ/ہفتہ/اتوار)
جمعہ: آپ کے خط آپ کے گیت
ہفتہ: نیم کلاسیکی موسیقی
اتوار: چلتے چلتے
۱۰-۰۰ اختتام

دوسری مجلس میڈیم ویو ۴۲۷.۳ میٹر (۷۰۲ کلوہرٹز) ۲۸۰.۱ میٹر (۱۰۷۱ کلوہرٹز)
شارٹ ویو: ۳۱.۰۱ میٹر (۹۶۷۵ کلوہرٹز)

دوپہر
۱-۵۸ سگنیچر ٹیون اور اناؤنسمنٹ
۲-۰۰ پروگراموں کا خلاصہ
۲-۰۲ خبروں کا خلاصہ
۲-۰۷ اتوار: آپ کا خط ملا
پیر: نغمہ وصدا
فلمی نغمے کچھ مکالمے (I)
نگاہ وانتخاب (V, III)
میری نظر میں (II, III)
منگل: جگمگ گیت (I, III, V)
فلمی قوالیاں (II, IV)
بدھ: سب رس
جمعرات: دھوپ چھاؤں
جمعہ: مشاعرہ (I)
۳۔۰۰ بجے تک
سات سوال (II, IV)
کہانی ایک گیت کی (III, V)
ہفتہ: سب رس (I, III, V)
گیت آپ کے شعر ہمارے
(II, IV)
۲-۳۰ اتوار: کہکشاں (I)
محفل (II)
گیتوں بھری کہانی (III)
غیر فلمی غزلیں (IV)
نئی فلموں سے (V)
پیر: نغمہ وصدا/
نگاہ وانتخاب (جاری)
(V, III, I)
راگ رنگ (II, IV)
منگل: نغمہ وتبسم
بدھ: بزم خواتین
جمعرات: ایک راگ کئی روپ (I)
حرف غزل (II, IV, V)
ڈرامہ (III)
جمعہ: مشاعرہ (جاری) (I)
رنگ و نور (V, III)
یادیں بن گئیں گیت (II, IV)
ہفتہ: بزم خواتین
۳-۰۰ اتوار: فلمی قوالیاں
(I, III)
غیر فلمی قوالیاں (V, IV, II)
پیر: سازینہ
منگل: نئی نسل نئی روشنی
بدھ: فلمی دنیا (II, IV)
رنگا رنگ (II, V)
بات ایک فلم کی (III)
جمعرات: غیر فلمی قوالیاں
(I, V)
ایک فنکار (II, IV)
ڈرامہ (III)
جمعہ: آواز دے کہاں ہے
ہفتہ: پھر سنیے
۳-۳۰ آپ کی پسند
۴-۰۰ جہاں نما (بجز اتوار اور تعطیل)
اتوار: آپ کی پسند (جاری)
۴-۱۰ آپ کی پسند (جاری)
۴-۳۰ تبصرہ/ہفتہ بھر کی پارلیمانی کارروائی
۴-۳۵ آپ کی پسند (جاری)
۴-۵۰ خبریں
۵-۰۰ اختتام

تیسری مجلس میڈیم ویو ۴۲۷.۳ میٹر (۷۰۲ کلوہرٹز)
شارٹ ویو ۹۱.۰۵ میٹر (۳۲۹۵ کلوہرٹز)

رات
۷-۵۸ سگنیچر ٹیون اور اناؤنسمنٹ
۸-۰۰ خبریں
۸-۱۰ پروگراموں کا خلاصہ
۸-۱۵ سازینہ
(منگل، جمعرات، جمعہ)
فلمی دو گانے (II)
ہفتہ اور تعطیل (بجز اتوار)
(جاری)
آہنگ نظم (پیر، ہفتہ، بدھ)
آواز دے کہاں ہے (اتوار)
(گزشتہ جمعہ کی مکرر نشریات)
۸-۲۰ جہاں نما (بجز اتوار و تعطیل)
اتوار: آواز دے کہاں
ہے (جاری)
۸-۳۰ حسن غزل
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ اتوار: کتابوں کی باتیں
(I, III)
صنعت وحرفت (II, IV)
اردو دنیا (V)
پیر: کلام شاعر
منگل: تقریر
بدھ: شہرنامہ (I, III)
دلی ڈائری (II, IV)
شہ پارے (V)
جمعرات: ہم سے پوچھیے
(V, III, I)
حفظان صحت (II, IV)
جمعہ: تقریر
ہفتہ: ریڈیو نیوز ریل
۹-۱۰ آبشار
۹-۳۰ اتوار: گجرے بن گارے
پیر، بدھ، جمعرات: غیر فلمی
قوالیاں
منگل، جمعہ: علاقائی نغمے
(II, IV)
جمعہ: افسانہ (I, III)
صدائے رفتہ (V)
ہفتہ: منظر پس منظر
(اردو اخبارات پر مبنی)
۹-۴۵ خبریں
۹-۵۵ تبصرہ (مکرر نشریات)
۱۰-۰۰ اتوار: ڈرامہ
پیر: فیچر (I)
کہکشاں (III)
دریچہ (IV)
اظہار خیال (II)
منگل: کھیل کے میدان سے
(I, III)
سائنس میگزین (V, II)
مشاعرہ (IV)
بدھ: ریڈیو دوستی
(V, III, I)
کہانی سنگیت کی (II, IV)
جمعرات: ادبی نشست (I)
آئینہ (II, IV)
جمال ہم نشیں (III)
ماضی کے دریار (V)
جمعہ: روبرو
ہفتہ: نئی نسل نئی روشنی
۱۰-۱۵ خدا کے لیے شکریہ
(بدھ، ہفتہ وار)

۱۰-۳۰ تعلیل ارشاد
۱۱-۰۰ خبروں کا خلاصہ
۱۱-۰۵ تعلیل ارشاد (تسلسل)
۱۱-۳۵ شمع فروزاں (مکرر نشریات)
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
۱۲-۰۰ خبریں
۱۲-۳۰ فلمی نغمے
۱۲-۵۸ اگلے دن کے پروگرام
۱-۰۰ اختتام

منگل ۱۶ اگست

صبح
۵-۴۵ صبح گاہی: قوالیاں
۷-۰۰ شہر صبا
چراغ علی: مومن کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
وی۔ جی۔ جوگ: وائلن پر راگ توڑی
۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی
پنڈت منی پرساد: خیال اہیر توڑی

دوپہر
۲-۰۷ جگمگ گیت
۲-۳۰ نغمہ وتبسم
۳-۰۰ نئی نسل نئی روشنی

رات
۸-۱۵ سازینہ
۸-۳۰ حسن غزل
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ تقریر
(۱) ایسا کیوں ہوتا ہے — سنتے ہیں
کرتے ہیں، تقریر از مسرت انیس
(۲) غزل (۳) دستر خوان
۳-۰۰ بات ایک فلم کی

رات
۸-۱۵ آہنگ نظم
۸-۳۰ حسن غزل
دیپاشری موہن: فیض کا کلام
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ شہرنامہ
۹-۳۰ غیر فلمی قوالیاں
۱۰-۰۰ ریڈیو دوستی
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
ستیش پرکاش قمر: شہنائی پر راگ
میرا پی دیشپانڈے: خیال باگیشری
۱۲-۳۰ فلمی نغمے

۹-۳۰ علاقائی نغمے
۱۰-۰۰ کھیل کے میدان سے
۱۱-۰۰ بزم موسیقی
پنڈت منی پرساد: خیال کوشک دھونی
وی۔ جی۔ جوگ: وائلن پر جھنجھوٹی
۱۲-۳۰ فلمی نغمے

بدھ ۱۷ اگست

صبح
۵-۴۵ صبح گاہی
نعت، قوالی اور بھجن
۷-۰۰ شہر صبا
نجب علی، غالب کا کلام
ایس۔ دیپاشری موہن:
شوکت پردیسی اور شاہ سرمدی کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
ستیش پرکاش قمر: شہنائی پر بسیراگی
۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی
میرا پی۔ دیشپانڈے: خیال دیوگری بلاول

دوپہر
۲-۰۷ سب رس
۲-۳۰ بزم خواتین
۲-۰۷ دھوپ چھاؤں
۲-۳۰ ڈرامہ

رات
۸-۱۵ ساز سنگیت
۸-۳۰ حسن غزل
صلاح الدین احمد: اکبر الہ آبادی
اور داغ کا کلام
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ ہم سے پوچھیے
۹-۳۰ غیر فلمی قوالیاں
۱۰-۰۰ جمال ہم نشیں
۱۱-۳۰ بزم موسیقی

جمعرات ۱۸ اگست

صبح
۵-۴۵ صبح گاہی: قوالیاں
۷-۰۰ شہر صبا
ثمینہ یاسمین: ظفر اور غالب کا کلام
صلاح الدین احمد: اختر شیرانی اور
... بانی کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
دیب برت چودھری: ستار پر راگ للت
۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی
نصیر الدین خاں گوبے: خیال اہیر بھیرو

نصیرالدین خاں گوبے ، خیال ہمیر
دیب برت چودھری ، ستار پر ابھوگی
۱۲-۳۰ فلمی نغمے

جمعہ ۱۹ راگست

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی
تلاوت قرآن پاک معہ تشریح از
قاری عبداللہ سلیم
نعت خوانی از بشیر احمد و ساتھی
نعتیہ کلام از پریم قوال
۷-۰۰ شہر صبا
ششی لتا ورک ، خمار اور شفق کا کلام
آسا سنگھ مستانہ ، نظیر اکبرآبادی اور
بی کے پوری کے نغمے
۷-۳۰ ساز سنگیت
امجد علی خاں ، سرود پر راگ للت
۹-۳۲ آپ کے خط آپ کے گیت

دوپہر

۲-۰۷ کہانی ایک گیت کی
۲-۳۰ رنگ نو
۳-۰۰ آواز دے کہاں ہے

رات

۸-۱۵ ساز ینہ
۸-۳۰ حسن غزل
ششی لتا ورک ، مخمور دہلوی اور
فراق کا کلام
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ تقریر
۹-۳۰ افسانہ
۱۰-۰۰ روبرو
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
رسک لال اندھریہ ،
خیال کوشک دھونی
امجد علی خاں ، سرود پر راگ
تلک کامود
۱۲-۳۰ فلمی نغمے

ہفتہ ۲۰ راگست

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی
نعت ، قوالی اور شبد
۷-۰۰ شہر صبا
چندن کمار داس ، ساحر اور
امیر قزلباش کا کلام
نینا دیوی ، جگر کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
استاد شکور خاں مرحوم ؛
سارنگی پر رام کلی
۹-۳۲ ہلکی کلاسیکی موسیقی

دوپہر

۲-۰۷ سب رس
۲-۳۰ بزم موسیقی
(۱) 'یہ بھی ایک نعمت ہے رہائش کی آزادی'
تقریر از عالیہ حسن
(۲) غزل
(۳) خطوں کے جواب
۳-۰۰ بکھرے پتے

رات

۸-۱۵ آہنگ نظم
۸-۳۰ حسن غزل
نینا دیوی ؛ داغ اور سودا کا کلام
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ ریڈیو نیوز ریل
۹-۳۰ منظر و پس منظر
۱۰-۰۰ نئی نسل نئی روشنی
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
نلنی راجورکر ، خیال مالکونس
استاد شکور خاں مرحوم ؛
سارنگی پر راگ مارو بہاگ
۱۲-۳۰ فلمی نغمے

اتوار ۲۱ راگست

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی ، قوالیاں
۷-۰۰ شہر صبا
ملکہ پکھراج ، میر درد ، حفیظ جالندھری
اقبال اور غالب کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
احمد رضا ، وچترو ینا پر راگ جوگیا
۹-۳۲ چلتے چلتے

دوپہر

۲-۰۷ آپ کا خط ملا
۲-۳۰ گیتوں بھری کہانی
۳-۰۰ فلمی قوالیاں

رات

۸-۱۵ آواز دے کہاں ہے
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ کتابوں کی باتیں
۹-۳۰ کجرا بن کارے
لکشمی شنکر ، ساون - تلک کامود
۱۰-۰۰ ڈرامہ
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
لکشمی شنکر ، خیال مارو بہاگ
احمد رضا ، وچترو ینا پر کلاوتی
۱۲-۳۰ فلمی نغمے

پیر ۲۲ راگست

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی
نعت ، قوالی اور شبد
۷-۰۰ شہر صبا
شمیمہ آزاد ، شکیل اور فیض کا کلام
ترلوک کپور ، بشیر بدر کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
شوکمار شرما ، سنطور پر راگ بھٹیار
۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی
سریندر سنگھ ، تیج پال سنگھ ، خیال للت

دوپہر

۲-۰۷ میری نظر میں
۲-۳۰ راگ رنگ
۳-۰۰ سازوں پر موسیقی

رات

۸-۱۵ آہنگ نظم
۸-۳۰ حسن غزل
شمیمہ آزاد ، حسن جعفری اور
جلیل مانک پوری کا کلام
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ کلام شاعر
۹-۳۰ غیر فلمی قوالیاں
۱۰-۰۰ دریچہ
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
سریندر سنگھ ، تیج پال سنگھ ؛
خیال جے جے ونتی
شوکمار شرما ، سنطور پر
راگ کوشک دھونی
۱۲-۳۰ فلمی نغمے

منگل ۲۳ راگست

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی ؛ قوالیاں
۷-۰۰ شہر صبا
برجو مہاراج ، شفق کا کلام
سندر پنڈیر ، جگدیش مہتہ درد کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
سسر کنا دھر چودھری ، وائلن پر
راگ بسنت مکھانی
۹-۳۲ ہلکی کلاسیکی موسیقی
شفیع احمد ، خیال اساوری

دوپہر

۲-۰۷ فلمی قوالیاں
۲-۳۰ غیر فلمی قوالیاں
۳-۰۰ نئی نسل نئی روشنی

رات

۸-۱۵ ساز ینہ
۸-۳۰ حسن غزل
برجو مہاراج ، شمیم جے پوری اور
عرش ملسیانی کا کلام
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ تقریر
۹-۳۰ علاقائی نغمے
۱۰-۰۰ مشاعرہ
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
شفیع احمد ، خیال درباری
سسر کنا دھر چودھری ، وائلن پر
راگ بھوپالی
۱۲-۳۰ فلمی نغمے

بدھ ۲۴ راگست

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی
نعت ، قوالی اور بھجن
۷-۰۰ شہر صبا
کمل ہنسپال ، شاد فدائی کا کلام
ہریش بھاردواج ، ساحر اور
فنا کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
استاد بسم اللہ خاں ، شہنائی پر
ٹھمری بھیروی
۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی
شنو کھورانہ ، خیال گجری توڑی

دوپہر

۲-۰۷ سب رس
۲-۳۰ بزم خواتین
(۱) نئے معاشرے میں عورت کی ذمہ داریاں
'سماجی زندگی میں' مباحثہ
(۲) گیت (۳) کام کی باتیں
۳-۰۰ فلمی دنیا

رات

۸-۱۵ آہنگ نظم

۸-۳۰ حسن غزل
کمل ہنپال، ساغر نظامی اور
سدرشن فاخر کا کلام
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ دلی ڈائری
۹-۳۰ غیر فلمی قوالیاں
۱۰-۰۰ کہانی سنگیت کی
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
شنو کھورانہ، خیال جوگ
استاد بسم اللہ خاں و ساتھی؛
شہنائی پر راگ کیدارہ
۱۲-۳۰ فلمی نغمے

جمعرات ۲۵ راگست

صبح
۵-۴۵ صبح گاہی، قوالیاں
۷-۰۰ شہر صبا
شانتی ہیرانند، قدیر لکھنوی اور
حامد لکھنوی کا کلام
گھنشیام داس، جاں نثار اختر
اور خمار کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
وجے نکمار، ستار پر راگ نٹ بھیروں
۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی
مادھوری مٹو، خیال رام کلی
دوپہر
۲-۰۷ دھوپ چھاؤں
۲-۳۰ حرف غزل
۳-۰۰ ایک فنکار
رات
۸-۱۵ سازینہ
۸-۳۰ حسن غزل
شانتی ہیرانند، غزلیں
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ حفظان صحت
۹-۳۰ غیر فلمی قوالیاں
۱۰-۰۰ آئینہ
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
ملک ارجن منصور، خیال نند
ہنے نکمار، ستار پر راگ جھنجھوٹی
۱۲-۳۰ فلمی نغمے

جمعہ ۲۶ راگست

صبح
۵-۴۵ صبح گاہی

تلاوت قرآن پاک معہ تشریح از
قاری محمد حسام صدیقی
نعت خوانی از عثمان خاں و ساتھی
نعتیہ کلام
۷-۰۰ شہر صبا
راجندر مہتہ، نینا مہتہ، جاں نثار اختر
شکیل بنارسی اور کیفی اعظمی کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
سنیل مکرجی، سرود پر راگ نٹ بھیروں
۹-۳۲ آپ کے خط آپ کے گیت
دوپہر
۲-۰۷ سات سوال
۲-۳۰ یادیں بن گئیں گیت
رات
۸-۱۵ سازینہ
۸-۳۰ حسن غزل
راجندر مہتہ، صبا اور شمیم جے پوری کا کلام
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ تقریر
۹-۳۰ علاقائی نغمے
۱۰-۰۰ روبرو
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
اوما ڈے: خیال راگیشری
سنیل مکرجی، سرود پر
راگ میاں کی ملہار
۱۲-۳۰ فلمی نغمے

ہفتہ ۲۷ راگست

صبح
۵-۴۵ صبح گاہی
نعت، قوالی اور شبد
۷-۰۰ شہر صبا
سیتارام سنگھ، شمیم فاروقی، فیض،
داغ اور غالب کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
گوپال مشرا، سارنگی پر راگ توڑی
۹-۳۲ ہلکی کلاسیکی موسیقی
مالویکا کانن، ٹھمری بھیروی
منور علی خاں، دادرہ بھیروی
دوپہر
۲-۰۷ گیت آپکے شعر ہمارے
۲-۳۰ بزم خواتین
(۱) ان سے ملیے
(۲) غزل (۳) خطوں کے جواب
۳-۰۰ پھر سنیئے

رات
۸-۱۵ آہنگ نظم
۸-۳۰ حسن غزل
شانتا سکینہ، آنند نرائن ملا اور
ساحر بھوپالی کا کلام
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ ریڈیو نیوز ریل
۹-۳۰ منظر در پس منظر
۱۰-۰۰ نئی نسل نئی روشنی
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
منور علی خاں، خیال مالکونس
گوپال مشرا: سارنگی پر مارو بہاگ
۱۲-۳۰ فلمی نغمے

اتوار ۲۸ راگست

صبح
۵-۴۵ صبح گاہی، قوالیاں
۷-۰۰ شہر صبا
محمد حسین، شمیم جے پوری، بشیر بدر اور
قیصر قلندر کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
ضیا محی الدین ڈاگر، وینا پر راگ توڑی
۹-۳۲ چلتے چلتے
دوپہر
۲-۰۷ آپکا خط ملا
۲-۳۰ غیر فلمی غزلیں
۳-۰۰ غیر فلمی قوالیاں
رات
۸-۱۵ آواز دے کہاں ہے
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ صنعت و حرفت
۹-۳۰ گجر بن گائے
افضل حسین: ٹھمری تلک کامود
۱۰-۰۰ ڈرامہ
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
ملک ارجن منصور، خیال جیت کلیان
ضیا محی الدین ڈاگر: وینا پر مالکونس
۱۲-۳۰ فلمی نغمے

پیر ۲۹ راگست

صبح
۵-۴۵ صبح گاہی
نعت، قوالی اور شبد
۷-۰۰ شہر صبا
۷-۳۰ ساز سنگیت

برج بھوشن کابرہ، گٹار پر راگ بلاول
۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی
مانک ورما، خیال اہیر بھیروی
دوپہر
۲-۰۷ نگاہ انتخاب
۳-۰۰ سازوں پر موسیقی
رات
۸-۱۵ آہنگ نظم
۸-۳۰ حسن غزل
پرتپال سنگھ، حفیظ جالندھری
اور ظفر کا کلام
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ کلام شاعر
۹-۳۰ غیر فلمی قوالیاں
۱۰-۰۰ شکریے کے ساتھ
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
مانک ورما، خیال شدھ کلیان
برج بھوشن کابرہ، گٹار پر راگ ایمن
۱۲-۳۰ فلمی نغمے

منگل ۳۰ راگست

صبح
۵-۴۵ صبح گاہی، قوالیاں
۷-۰۰ شہر صبا
گھنشیام داس، شاد فدائی اور
فیض کا کلام
سریندر کور، داغ اور چراغ حسرت
کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
پی ڈی سپت رشی، وائلن پر راگ
بلاسخانی توڑی
۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی
استاد نثار حسین خاں، خیال للت
دوپہر
۲-۰۷ جگتی گیت
۲-۳۰ نغمہ و تبسم
۳-۰۰ نئی نسل نئی روشنی
رات
۸-۱۵ سازینہ
۸-۳۰ حسن غزل
گھنشیام داس، بشیر بدر کا کلام
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ تقریر
۹-۳۰ علاقائی نغمے
(آگے ص ۴۹ پر)

دھلی

میڈیم ویو

دہلی الف ۳۶۶۰۳ میٹر ۸۱۹ کلو ہرٹز

دہلی ب ۲۹۴۰۹ میٹر ۶۶۶ کلو ہرٹز

دہلی ج ۲۱۹۰۳ میٹر ۱۳۶۸ کلو ہرٹز

دہلی د ۲۴۶۰۹ میٹر ۱۲۱۵ کلو ہرٹز

شارٹ ویو

صبح ۰۰۔۰ سے ۸۔۰۰ تک ۱۵۔۸۹ میٹر ۳۳۶۵ کلو ہرٹز

صبح ۱۵۔۸ کے بعد ۴۱۔۱۹ میٹر ۷۱۱۰ کلو ہرٹز

دوپہر ۲۰۔۱ سے شام ۰۰۔۴ / ۴۵۔۵ تک ۹۴۳۰ کلو ہرٹز

شام ۴۵۔۵ تک ۴۲۔۱۹ میٹر ۷۱۱۰ کلو ہرٹز

شام ۰۰۔۶ سے رات تک ۱۵۔۸۹ میٹر ۳۳۶۵ کلو ہرٹز

خبریں

دہلی 'الف': خبریں

ھندی/انگریزی: صبح ۰۰۔۶ (عالمی)

ھندی: صبح ۰۰۔۸، ۰۰۔۱۱ دوپہر ۰۰۔۱، ۱۰۔۲ شام ۰۰۔۵ (صوبائی)

شام ۰۵۔۶، ۵۰۔۷ (علاقائی) رات ۴۵۔۸، ۰۵۔۱۱ (عالمی)

انگریزی: دوپہر ۰۰۔۱۲ سنسکرت: صبح ۰۰۔۷، شام ۱۰۔۶

اردو: صبح ۵۰۔۸، دوپہر ۵۰۔۱ اور رات ۱۵۔۹ (خبریں اور تبصرہ)

پنجابی: دوپہر ۴۰۔۱

دہلی 'ب': ھندی: دوپہر ۴۵۔۲ (دھیمی رفتار سے) انگریزی: صبح ۱۰۔۸، ۰۰۔۱۰

دوپہر ۰۰۔۱، ۲۰۔۲ (دھیمی رفتار سے) شام ۰۰۔۴، ۰۰۔۶، ۰۰۔۹، ۰۰۔۱۱ (عالمی)

پنجابی: صبح ۳۰۔۸ شام ۳۰۔۷ ھندی نیوز لیٹر: صبح ۰۰۔۹ بجے

دہلی 'د': ھندی: شام ۳۰۔۷ انگریزی: رات ۱۵۔۹

کھیل کود: شام ۰۰۔۷ (ہندی) رات ۰۰۔۸ (انگریزی)

روزانہ نشر ہونیوالے پروگرام

دھلی الف

صبح

۵-۵۵ وندے ماترم: منگل دھونی

۶-۰۵ وندنا ۳۰۔۶ کھیتی کی باتیں

۶-۳۵ رام چرت مانس

۶-۵۰ آپ کی صحت

(اتوار، منگل، جمعرات اور ہفتہ)

سائنس کے موضوع پر تقریر

(پیر، بدھ، جمعہ)

۶-۵۵ آج کے پروگرام اور موسم

۷-۱۰ برج مادھوری (سوائے اتوار)

۷-۳۰ آج صبح (اتوار، بدھ، ہفتہ)

۷-۳۵ دلی درشن

(پیر، منگل، جمعرات اور ہفتہ)

۸-۴۰ اردو مجلس (روزانہ)

۹-۰۰ اختتام (سوائے اتوار)

۱۲-۰۲ لوک بھارتی (سوائے اتوار)

۱۲-۱۵ سگم سنگیت (سوائے اتوار)

۱۲-۳۰ بہنوں کا پروگرام

(اتوار، منگل، جمعرات، ہفتہ)

گرامین بہنوں کا پروگرام

(بدھ، جمعہ)

۲-۰۰ ایک ہی کلاکار (روزانہ)

۲-۲۰ چترپٹ سنگیت (روزانہ)

۲-۳۰ موسم اور اختتام (اتوار ۳۰۔۳)

شام

۶-۱۵ مقامی اعلانات اور گمشدہ

لوگوں کے لیے پروگرام

۶-۲۰ گرام سنسار (روزانہ)

۷-۰۰ کرشی جگت

۷-۳۰ پروگراموں کا خلاصہ، موسم

۷-۳۵ سامییکی

۷-۴۵ روزگار سماچار

۱۱-۰۰ وادیہ ورند

۱۱-۱۰ موسم اور اختتام

دھلی ب

صبح

۷-۰۰ وندے ماترم، منگل دھونی

۷-۰۲ انگریزی میں پروگرام (دوبارہ)

۷-۲۰ گیتکا (سوائے پیر)

۷-۲۸ سنگیت سوربھی

۷-۵۰ علاقائی موسیقی

۸-۲۰ اور ۴۰۔۸ پنجابی پروگرام

۹-۳۰ سب رس (اتوار کو یادیں)

۱۰-۰۲ اختتام (اتوار ۰۰۔۱۱)

دوپہر

۱-۰۵ اور ۱۰۔۲ مغربی موسیقی

۳-۱۰ موسم کا حال (انگریزی میں)

شام

۵-۵۰ اخباروں کی رائے

۵-۵۵ آج کا پروگرام اور موسم کا حال

۶-۰۵ فوجی بھائیوں کیلئے پروگرام

۷-۰۰ پنجابی پروگرام

۷-۲۰ ساز سنگیت

۷-۴۵ اردو مجلس

۸-۱۵ سماچار درشن (اتوار، بدھ، جمعہ)

ریڈیو نیوز ریل (منگل، جمعرات، ہفتہ)

نیوز ریل اسپورٹس (پیر)

۸-۲۵ سماچار پتروں سے

۸-۳۰ سور جھنکار

۹-۱۵ اسپاٹ لائٹ

(بعد میں ساز سنگیت)

۹-۲۵ مغربی موسیقی (اتوار کو ۰۰۔۱۰)

۱۱-۰۲ موسم کا حال اور اختتام

دھلی د

یووانی

صبح

۷-۰۰ آج کے پروگرام (ہندی)

۷-۰۵ اور ۲۵۔۷ پھر سنئے

۷-۲۵ وگیان وودھا

۷-۵۰ سگم سنگیت (گائن)

۸-۰۰ شاستریہ لیہ سنگیت

۸-۱۵ شاستریہ سنگیت (گائن)

۸-۳۰ مغربی موسیقی

۹-۰۰ اختتام (اتوار ۰۰۔۱۰)

شام

۶-۵۵ آج کا پروگرام

۷-۰۵ محفل

۷-۵۰ پستک پاٹھ (ہندی)

(پیر سے جمعرات تک)

۸-۰۵ ان دی گروو (پوپ میوزک

۸-۵۰ پاٹھ (انگریزی)

(منگل سے جمعہ)

۹-۰۰ نرجھر ۰۰۔۱۱ اختتام

منگل ۱۶ اراگست

دہلی 'الف'

صبح

۸-۱۰، رات ۰۰۔۹

امرناتھ: بانسری

۱۰-۳۵، سہ پہر ۴۰۔۵

اندرانی چکرورتی: ستار

۱۱-۰۲ دیانند دیوگندھرو: گائن

۱۱-۳۰ سسر گنادھر چودھری:

وائلن پر راگ کومل رشب اساوری

دوپہر

۱۲-۰۲ لوک بھارتی

آسامی لوک گیت

۵-۰۵ گیان وگیان

رات

۸-۰۰ ادیوگ منڈل

۹-۳۰ ناٹک

۱۰-۰۰ منگل شب کی محفل موسیقی

پرکاش سنگیتھ: گائن

دہلی 'ب'

صبح

۷-۳۰ سنگیت سوربھی

استاد فیاض خاں: گائن

۷-۵۰ سگم: بنگلا گیت

۹-۱۰ لوک مادھوری

ہماچلی لوک گیت

دوپہر

۳-۱۵، ۰۲۔۴

سگم سنگیت

۳-۳۰ امرناتھ: گائن

شام

۶-۴۵، ۴۵۔۸

کمل ہنس پال: گیت، بھجن اور غزلیں

۹-۳۰ نیشنل پروگرام: انگریزی تقریر

بدھ ۱۷ اراگست

دہلی 'الف'

صبح

۸-۱۰، ۰۲۔۱۱، رات ۰۰۔۹

احمد رضا خاں: وچترووینا

۱۰-۳۵، سہ پہر ۴۰۔۵

اتل دیسائی: گائن

۱۱-۳۰ سلوچنا برہسپتی: گائن

دوپہر

۱۲-۰۲ لوک بھارتی

گنڑھ لوک گیت

۵-۵۵ گڑھوالی سنگیت

رات

۸-۰۰ جھلکی

۸-۱۵ وگیان آلوک

۹-۰۰ چرچا کا وشیہ ہے

۱۰-۰۰ سنگیت سبھا

سلوچنا برہسپتی: گائن

دہلی ب

صبح

۷-۳۰ سنگیت سوربھی

نرملا ارون: گائن

لکشمی شنکر

۷-۵۰ سگم: گجراتی گیت

۹-۱۰ لوک مادھوری

ہریانوی لوک گیت

دوپہر

۳-۱۵، ۰۲۔۴

سگم سنگیت

۳-۳۰ کرناٹک سنگیت

وسنتھا گوپالا کرشنن: گائن

شام

۶-۴۵، ۴۵۔۸

ترلوک کپور: گیت، بھجن اور غزلیں

جمعرات ۱۸ اراگست

دہلی 'الف'

صبح

۸-۱۰، ۰۲۔۱۱، رات ۰۰۔۹

بے نظیر بیگم: گائن

۱۰-۳۰ گھاسی رام نرمل: جلترنگ

۱۱-۳۰ رئیس خاں: ستار

دوپہر

۱۲-۱۵ لوک بھارتی

بنگلا لوک گیت

۵-۰۵ سنسکرت پاٹھ

۵-۴۰ بال کاریہ کرم

رات

۸-۱۵ ہندی تقریر

۹-۳۰ نیشنل اسپورٹس میگزین

۱۰-۳۰ کرناٹک سنگیت

آر۔ کلپکم اور آر۔ سرسو

گائن

دہلی 'ب'

صبح

۷-۳۲ سنگیت سوربھی
گھاسی رام نرمل : جلترنگ
۷-۵۰ سنگم : مراٹھی گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
برج لوک گیت

دوپہر
۳-۱۵، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۳-۳۰ آر۔ کلپکم، آر۔ سرسوتی، گائن

شام
۶-۴۵، ۸-۴۵
مہندرپال، گیت، بھجن، غزلیں

جمعہ ۱۹ر اگست

دہلی 'الف'

صبح

۸-۱۰، ۱۱-۰۲، رات ۹-۰۰
حفیظ اللہ خاں : سارنگی
۱۰-۳۵، سہ پہر ۵-۴۰
پرمیلا پوری : گائن
۱۱-۳۰ نثار حسین خاں : گائن

دوپہر
۱۲-۰۲ لوک بھارتی
مراٹھی لوک گیت
۵-۵۵ گڑھوالی سنگیت

رات
۸-۰۰ گاندھی چرچا
۸-۱۵ ادلوکن
۹-۳۰ 'ایک اور راجہ'، ناٹک
تحریر : جولیس
ترجمہ : سریندر تیواری
۱۰-۳۰ کرناٹک سنگیت
ڈاکٹر ڈورے سوامی آئینگر : گائن

دہلی 'ب'

صبح

۷-۳۰ سنگیت سوربھی
نثار حسین خاں : گائن
۷-۵۰ سنگم : تامل گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
راجستھانی لوک گیت

دوپہر
۳-۱۵، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۳-۳۰ کرناٹک سنگیت

شام
۶-۴۵، ۸-۴۵
نریندر کور، گیت، پنجابی لوک گیت

ہفتہ ۲۰ر اگست

دہلی 'الف'

صبح

۸-۱۰، ۱۱-۰۲، رات ۹-۰۰
جگن ناتھ : شہنائی
۱۰-۳۵، سہ پہر ۵-۴۰
چتنرا رائے : گائن
۱۱-۳۰ گنگو بائی ہنگل : خیال

دوپہر
۱۲-۰۲ لوک بھارتی
گجراتی لوک گیت

رات
۸-۰۰ سواستھ رکھشا
۸-۱۵ آج کے اتتھی
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : موسیقی
ریتا گنگولی، گائن

دہلی 'الف'

صبح

۷-۳۰ سنگیت سوربھی
پنڈت جسراج : گائن
۷-۵۰ سنگم : ملیالم گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
کشمیری لوک گیت

دوپہر
۳-۱۵، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۳-۳۰ پنڈت جسراج : گائن

شام
۶-۴۵، ۸-۴۵
برسار گیت
۹-۳۰ اور گیسٹ ڈونانٹ

اتوار ۲۱ر اگست

دہلی 'الف'

صبح

۸-۱۰، رات ۹-۰۰
منور علی خاں : گائن
۹-۰۰ بال کاریہ کرم
۱۰-۰۰ فرمائشی شاستریہ سنگیت
۱۱-۰۲ یووا وانی سے

۱۱-۳۰، سہ پہر ۵-۴۰
کرناٹک سنگیت
ایم ایس سدا سوم : گائن

دوپہر
۱۲-۱۵ 'چندر موہنی'، جھلکی
تحریر : امرت کیشپ
۲-۳۰ 'ایک اور راجہ'، ناٹک
تحریر : جولیس
ترجمہ : سریندر تیواری

رات
۸-۰۰ رابندر سنگیت
۸-۱۵ ساہیتکی
۹-۳۰ محفل
۱۰-۰۰ چین

دہلی 'ب'

صبح

۷-۳۰ سنگیت سوربھی
ڈی۔ وی۔ پلسکر : گائن
۷-۵۰ سنگم : اڑیہ گیت
۹-۱۵ اپنی نگری

دوپہر
۳-۱۵، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۳-۳۰ منور علی خاں : گائن

شام
۶-۴۵، ۸-۴۵
گھنشیام داس، گیت، پنجابی لوک گیت
۹-۳۰ کرنٹ افیئرز

پیر ۲۲ر اگست

دہلی 'الف'

صبح

۸-۱۰، ۱۱-۰۲، رات ۹-۰۰
دیوبرت چودھری : ستار
۱۰-۳۵ دیپالی ناگ : گائن
۱۱-۳۰، سہ پہر ۵-۴۰
رادھے راج : گائن

دوپہر
۱۲-۰۲ لوک بھارتی
تامل لوک گیت
۱۲-۳۰ ناٹک

رات
۸-۰۰ سواستھ رکھشا
۸-۱۵ تینما ٹھاکر : گائن
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : ہندی تقریر

۱۰-۰۰ سنگیت سبھا

دہلی 'ب'

صبح

۷-۳۰ سنگیت سوربھی
استاد رجب علی خاں : گائن
۷-۵۰ سنگم : سندھی گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
اودھی لوک گیت

دوپہر
۳-۱۵، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۳-۳۰ سامتا پرساد : طبلہ

شام
۶-۴۵، ۸-۴۵
برمیت کور : گیت، بھجن
۹-۳۰ 'جدید ہندوستان کی عورتیں۔ ہندو'
انگریزی تقریر از دیوکی جین

منگل ۲۳ر اگست

دہلی 'الف'

صبح

۸-۱۰، رات ۹-۰۰
سوم تیواری : گائن
۱۰-۳۵ وجے نگراگروال : ستار
۱۱-۰۲ اوماڈے : گائن
۱۱-۳۰، سہ پہر ۵-۴۰
وجے کمار : بانسری

دوپہر
۱۲-۰۲ لوک بھارتی
اڑیہ لوک گیت
۵-۰۵ گیان وگیان

رات
۸-۰۰ ادیوگ منڈل
۹-۳۰ 'ہائی جیک'
ارون مانڈے کے مراٹھی ناٹک سے ماخوذ
ترجمہ : پرشانت پانڈے
۱۰-۰۰ منگل شب کی محفل موسیقی
دنیش کمار پربھاکر : وائلن

دہلی 'ب'

صبح

۷-۳۰ سنگیت سوربھی
گوبجا دیوی : گائن
۷-۵۰ سنگم : بنگلہ گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
ہماچلی لوک گیت

سوم تیواری : گائن
۸-۴۵
محمد حیات خاں و ساتھی : قوالیاں
نیشنل پروگرام : انگریزی تقریر

بدھ ۲۴ اگست

دہلی 'الف'

۱۱-۰۲ ، رات ۹-۰۰
اتیندر کمار موئترا : سرود
ٹھمری، دادرا
پدماوتی شالگرام : گائن
لوک بھارتی
ملیالم لوک گیت
اکبر حسین : طبلہ
گڑھوالی سنگیت
'چندر موہنی' جھلکی
تحریر : امرت کیتپ
وگیان آلوک
چرچا کا وشیہ ہے
سنگیت سبھا
کمل سہگل، کویتا سہگل : گائن

دہلی 'ب'

صبح
جگدیش پرساد : گائن
سنگم : گڑھوالی گیت
لوک مادھوری
ہریانوی لوک گیت
دوپہر
۴-۰۲
سگم سنگیت
پریما راج تیکھر : گائن
شام
۸-۴۵
رویندر گرور، گیت، بھجن، غزلیں

جمعرات ۲۵ اگست

دہلی 'الف'

صبح
۸ ، ۱۱-۰۲
او۔ پی۔ کپور، ٹھمری، دادرا

۱۰-۳۵ ، رات ۹-۰۰
سعید ظفر خاں : ستار
۱۱-۳۰ بسم اللہ خاں و ساتھی : شہنائی
دوپہر
۱۲-۰۲ لوک بھارتی
بنگلا لوک گیت
۵-۰۵ سنسکرت پاٹھ
۵-۴۰ بال کاریہ کرم
رات
۸-۱۵ ہندی تقریر
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : ناٹک
'گلنار'
سوم ناتھ زتشی کے کشمیری ناٹک سے ماخوذ
اردو ترجمہ : محمد علی لون
۱۰-۳۰ کرناٹک سنگیت
اندرا مورتی : گائن

دہلی 'ب'

صبح
۷-۳۲ سنگیت سوربھی
واسدیو دیش پانڈے : گائن
۷-۵۰ سنگم : مراٹھی گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
برج لوک گیت
دوپہر
۲-۳۰ اندرا مورتی : گائن
شام
۶-۴۵ ، ۸-۴۵
نیلم ساہنی : گیت، بھجن، غزلیں

جمعہ ۲۶ اگست

دہلی 'الف'

صبح
۸-۱۰ ، ۱۱-۰۲ ، رات ۹-۰۰
پرکاش۔ این۔ سکسینہ : بانسری
۱۰-۳۵ ، سہ پہر ۵-۴۰
ضمیر احمد : ٹھمری، دادرا
۱۱-۳۰ اے۔ کانن : گائن
دوپہر
۱۲-۰۲ لوک بھارتی
مراٹھی لوک گیت
۵-۵۵ گڑھوالی سنگیت
رات
۸-۰۰ گاندھی چرچا
۸-۱۵ اولوکن
۹-۳۰ ناٹک

۱۰-۳۰ سی۔ ایچ۔ راما کرشنن ، گائن

دہلی 'ب'

صبح
۷-۳۰ سنگیت سوربھی
استاد مشتاق حسین خاں ، گائن
۷-۵۰ سنگم : تیلگو گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
راجستھانی لوک گیت
دوپہر
۳-۱۵ ، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۳-۳۰ سی ایچ راما کرشنن : گائن
شام
۶-۴۵ ، ۸-۴۵
دنیش کمار پربھاکر : غزلیں

ہفتہ ۲۷ اگست

دہلی 'الف'

صبح
۸-۱۰ ، رات ۹-۰۰
شفیع احمد : گائن
۱۰-۳۵ حمید خاں : سارنگی
۱۱-۰۲ اوشا پرکھی ، گائن
۱۱-۳۰ ، سہ پہر ۵-۴۰
شری کرشن شرما : گٹار
دوپہر
۱۲-۰۲ لوک بھارتی
گجراتی لوک گیت
رات
۸-۰۰ سواستھ رکھشا
۸-۱۵ آج کے اتتھی
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : موسیقی
ٹی۔ ایس۔ سنکرن : بانسری

دہلی 'ب'

صبح
۷-۳۰ سنگیت سوربھی
برکت علی خاں : گائن
۷-۵۰ سنگم : کنڑ گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
گڑھوالی لوک گیت
دوپہر
۳-۳۰ شفیع احمد : گائن
شام
۶-۴۵ ، ۸-۴۵
پرسار گیت

۹-۳۰ اور گیسٹ ٹونائٹ

اتوار ۲۸ اگست

دہلی 'الف'

صبح
۸-۱۰ ، رات ۹-۰۰
بلرام پاٹھک : ستار
۹-۰۰ بال کاریہ کرم
۱۰-۰۰ میرا۔ پی دیش پانڈے ، گائن
۱۱-۰۲ یووا وانی سے
۱۱-۳۰ ، سہ پہر ۵-۳۵
لکشمی راما سوامی ، گائن
دوپہر
۱۲-۱۵ 'پرانا پاٹھ۔ نیا پاٹھ' جھلکی
تحریر : راجکمار داغ
۲-۳۰ ناٹک
رات
۸-۰۰ رابندر سنگیت
۸-۱۵ ساہتیکی
۹-۳۰ مالویکا کانن : گائن
۱۰-۰۰ چین

دہلی 'ب'

صبح
۷-۳۰ سنگیت سوربھی
ٹھمری
۷-۵۰ سنگم : آسامی گیت
۹-۱۵ اپنی نگری
دوپہر
۳-۱۵ ، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۳-۳۰ بلرام پاٹھک : ستار
شام
۶-۴۵ ، ۸-۴۵
گندھرو زندگان
۹-۳۰ کرنٹ افیئرز

پیر ۲۹ اگست

دہلی 'الف'

صبح
۸-۱۰ ، رات ۹-۰۰
شنو کھورانہ ، گائن
۱۰-۳۵ ، رات ۸-۱۵
وشنو پرستا : شہنائی
۱۱-۰۲ جنک راج : گائن
۱۱-۳۰ رام نارائن : سارنگی

دوپہر
۱۲-۰۲ لوک بھارتی
تیلگو لوک گیت
۱۲-۳۰ ہائی جیک، ناٹک
تحریر: ارون مانڈے
ترجمہ: پرسانت پانڈے
۵-۲۰ ترون بھٹاچاریہ: سنتور

رات
۸-۰۰ سواستھ رکھشا
۹-۳۰ نیشنل پروگرام: ہندی تقریر
۱۰-۰۰ سنگیت سبھا

دہلی 'ب'

صبح
۷-۳۰ سنگیت سوربھی
رام نارائن: سارنگی
۷-۵۰ سنگم: سندھی گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
بھوجپوری لوک گیت

دوپہر
۳-۱۵، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۳-۳۰ تنتو کھورانہ: گائن

شام
۶-۴۵، ۸-۴۵
شری رام: غزلیں

منگل ۳۰ اگست

دہلی 'الف'

صبح
۸-۱۰، رات ۹-۰۰
سنیل مکرجی: سرود
۱۰-۳۵، سہ پہر ۵-۴۰
سنیل بوس، ٹھمری، دادرا
۱۱-۰۲ پرتیبھا جے مل: ستار
۱۱-۳۰ بی۔ آر۔ دیودھر: گائن

دوپہر
۱۲-۰۲ لوک بھارتی
آسامی لوک گیت
۵-۰۵ گیان وگیان

رات
۸-۰۰ ادیوگ منڈل
۹-۳۰ شیام بھٹی گھنشام، ناٹک
تحریر: ایف سی ماتھر
۱۰-۰۰ منگل شب کی محفل موسیقی

دہلی 'ب'

صبح
۷-۳۰ سنگیت سوربھی
علی اکبر خاں: سرود
۷-۵۰ سنگم: بنگلا گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
ہماچلی لوک گیت

دوپہر
۳-۳۰ سنیل مکرجی: سرود

شام
۶-۴۵، ۸-۴۵
دینا ناتھ: گیت، بھجن، غزلیں

بدھ ۳۱ اگست

دہلی 'الف'

صبح
۸-۱۰، سہ پہر ۵-۴۰، رات ۹-۰۰
نرنجن پرساد: بانسری
۱۰-۳۵ مادھوری مٹو: گائن
۱۱-۰۲ ڈی۔ آر۔ پاروتیکر، دتاتریہ وینا
۱۱-۳۰ لکشمن پرشاد جے پور والے: گائن

دوپہر
۱۲-۰۲ لوک بھارتی
کمنٹھ لوک گیت

رات
۸-۰۰ 'پرانا پاٹھ ۔ نیا پاٹھ'، جھلکی
تحریر: راجکمار داغ
۸-۱۵ وگیان آلوک
۹-۳۰ چرچا کا وشے ہے
۱۰-۰۰ سنگیت سبھا
مادھوری مٹو: گائن

دہلی 'ب'

صبح
۷-۳۰ سنگیت سوربھی
چتر لال: طبلہ
۷-۵۰ سنگم: مراٹھی گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
ہریانوی لوک گیت

دوپہر
۳-۱۵، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۳-۳۰ ڈی۔ پنچگسن: وائلن

شام
۶-۴۵، ۸-۴۵
سیما شربا: گیت، بھجن

لکھنؤ

میڈیم ویو لکھنؤ 'الف': ۳۰۰.۱۶ میٹر ۷۴۷ کلو ہرٹز لکھنؤ 'ج': ۲۴۱.۳۳ میٹر ۱۲۴۸ کلو ہرٹز
شارٹ ویو لکھنؤ 'ب': ۴۱.۳۰ میٹر ۷۲۶۵ کلو ہرٹز (صبح ۵-۵۵ سے ۹-۳۵ اور شام ۵-۵۵ کے بعد) ۶۱.۸۲ میٹر ۴۸۸۰ کلو ہرٹز؛ ۳۴۰ میٹر ۵۰۱۰ کلو ہرٹز

خبریں

ہندی/انگریزی: صبح ۶-۰۰ (علاقائی)، ہندی: صبح ۹-۰۰، دوپہر ۱-۰۵ اور ۲-۱۰، شام ۶-۰۵، رات ۸-۴۵ اور ۱۱-۰۵ انگریزی: صبح ۸-۱۰، دوپہر ۱-۰۰، رات ۹-۰۰ اور ۱۱-۰۰ سنسکرت: صبح ۷-۰۰، شام ۶-۱۰ اردو: صبح ۸-۵۰، رات ۹-۱۵ نیوز لیٹر (ہندی): صبح ۹-۰۰ ضلع کی چٹھی: صبح ۹-۰۵ علاقائی: دوپہر ۲-۳۰ (اردو)، صبح ۷-۳۰، شام ۷-۲۰ (ہندی)

روزانہ نشر ہونے والے پروگرام

لکھنؤ 'الف'

صبح
۵-۵۵ وندے ماترم/منگل دھونی
۶-۰۵ کرشی چرچا اور موسم کا حال
۶-۳۰ آرادھنا
۶-۴۵ گاندھی چرچا (جمعہ)
۶-۵۰ وچار وندو (جمعہ کے علاوہ)
۶-۵۵ آج کا کاریہ کرم اور موسم کا حال
۷-۰۵ مانس گان
۷-۱۵ روزگار سے متعلق اطلاعات
۷-۳۰ آورتی
۸-۲۱ صبح، شام: لوک گیت
۸-۳۰ اردو پروگرام
۹-۱۰ اس گھوارے کا گیت (اتوار)
۹-۱۵ پتر کے لیے دھنیہ واد
۹-۳۰ گیتکا (دوسرے اور چوتھے اتوار)
انگر (پہلے، تیسرے اور پانچویں اتوار)
۹-۳۵ بال سنگھ (اتوار)
۱۰-۳۰ لوک رنگ (اتوار)
۱۰-۳۵ آئینہ (اتوار)
۱۱-۰۰ سنتوش (اتوار)
۱۱-۳۰ پھر سنیے (اتوار)

دوپہر
۱۲-۰۰ جیوتی پنج (اتوار)
۱۲-۰۵ گیت جنہیں یاد رکھیں (اتوار)
۱۲-۱۰ دیہاتیوں کے لیے (اتوار اور چھٹیوں کے علاوہ)
۱۲-۳۰ کاریہ شیل مہیلاؤں کے لیے (اتوار)
من بھاون (پیر، بدھ، ہفتہ)
سن لگر (منگل)
سنگیت سنواد (جمعرات)
بزم قوالی (جمعہ)
۱-۰۱ آج اتوار ہے، جھلکی (اتوار)
گھر آنگن (پیر، جمعرات)
گرہ لکشمی (منگل، جمعہ)
راگ رنگ (ہفتہ)
۱-۲۵ لوک گیت (اتوار)
۱-۳۰ جوانوں کے لیے
۲-۳۰ وگیان اور کسان
۲-۳۵ آج اور کل کا کاریہ کرم اور موسم کا حال

شام
۴-۳۰ سنسکرت پروگرام (اتوار)
سنسکرت شکشا (پیر، بدھ)
ناٹک شکشا (جمعرات، جمعہ)
رویندر سنگیت (ہفتہ)
۴-۴۵ لوکائن
(اتوار، پیر، منگل، جمعرات، ہفتہ)
آؤ بچو! (بدھ)
بال گوپال (جمعہ)
۵-۱۵ یووانی ۶-۰۰ اطلاعات
۶-۱۵ مزدور منڈل
۶-۴۵ آج اور کل کے کاریہ کرم اور موسم کا حال
۶-۵۰ کسانوں کے لیے
۷-۳۰ بات ایک فلم کی
(ایک ہی فلم کے گیت) جمعہ
یووانس (پیر)
کلا جگت (منگل)
پتر کے لیے دھنیہ واد (بدھ)
وگیان جگت (جمعرات)
کھیل جگت (ہفتہ)
جن جیون (اتوار)

رات
۷-۵۰ بھارت کے سُر (بدھ)
۸-۰۰ اچھوتی (اتوار)
دیس ودیش (پیر)
وارتا کرم (منگل)
ساماجک پرسنگ (بدھ)
سوکتھ وارتائیں (جمعرات)
کرم شیہ/سنسکرت پروگرام (جمعہ)
اس گھوارے کی کہانی (ہفتہ)
۸-۱۵ سگم سنگیت
۸-۳۰ پراویشک سماچار درشن (اتوار)
۹-۳۵ بھارت بھارتی (منگل)
۹-۵۰ پریم ارکلیاں پشتو تری (...)
۱۰-۰۰ سنگیت رس (اتوار)
۱۱-۱۰ موسم کا حال اور اختتام

لکھنؤ 'ب'

صبح
۵-۵۵ لکھنؤ الف کے مطابق
۷-۴۵ اختتام
۸-۰۰ لکھنؤ الف کے مطابق
۹-۳۰ اختتام (اتوار کے علاوہ)

دوپہر
۱۲-۰۰ لکھنؤ الف کے مطابق
۲-۳۵ اختتام

شام
۴-۳۰ لکھنؤ الف کے مطابق
۵-۳۵ اترائن پروگرام (لکھنؤ اور جیب آدی)
۶-۴۵ لکھنؤ الف کے مطابق
۱۱-۱۰ اختتام

منگل ۱۶ اگست

صبح
۷-۴۵ لکشمی بائی راٹھور: گیت
۸-۳۰ اردو پروگرام (میگزین)
(۱) یادوں کا سفر ——
'چستر منزل ۔ تعمیر اب تک'
تقریر از ڈاکٹر نیر مسعود
(۲) کلام شاعر: ڈاکٹر شمیم حنفی
۹-۱۰ اومکار ناتھ ٹھاکر: گائن
۱۲-۰۰، رات ۸-۱۵
افضال حسین خاں نظامی، گیت، ...

رات
۸-۰۰ 'ذمہ دار کون ۔ گھٹیا اور سستا سامان'
تقریر از خری لال شکل
۹-۳۰ 'کیسو کہن بات کا کہیے'
۱۰-۰۰ منگل شب کی محفل موسیقی

بدھ ۱۷ اگست

صبح ۷-۴۵ شوبھا دیکشت، گیت

۸ اردو پروگرام
(آکاشوانی الٰہ آباد سے)

۹، دوپہر ۱۰-۱
دھرم ناتھ مصر : ٹھمری

[دوپ]ہر
۱۲، رات ۱۵-۸
روپالی مکرجی ، گیت ، بھجن

جمعرات ۱۸ اگست

[صب]ح
۔۔، بیلا ساویر : گیت
۸ اردو پروگرام
خط کیلئے شکریہ
رنگ تغزل
۔۹، رات ۳۰-۱۰
گوپال چندر نندی : وائلن

[دو]پہر
۔۱۲، رات ۱۵-۸
شہنا چٹرجی ، گیت ، بھجن

[ر]ات
۸-۰۰ پستک جگت
تحریر : ڈاکٹر سرلا شکل

جمعہ ۱۹ اگست

[صب]ح
۷-۴۵ اوشا اترے : گیت
۸ اردو پروگرام
(۱) 'تعلیم' تقریر از شاہنواز قریشی
(۲) افسانہ از انیس رفیع
۹-۱۰ کاشی ناتھ شنکر بوڈس : گاشن

دوپہر
۱۲-۰۰، رات ۱۵-۸
انجنا بنرجی ، بھجن

رات
۸-۰۰ سنسکرت پروگرام

ہفتہ ۲۰ اگست

صبح
۷-۴۵ سیما شرما ، گیت

۸-۳۰ اردو پروگرام : خواتین کیلئے
'خواتین میں سماجی تبدیلیوں کی ضرورت'
مباحثہ — شرکا : ڈاکٹر شنوبر سعید،
بیگم حامدہ حبیب اللہ اور مرزا عمیر بیگ ڈاکٹر

دوپہر
۱۲-۰۰، رات ۱۵-۸
دیویندر سنگھ و ساتھی : شبد
۴-۳۰ رویندر سنگیت
رات
۸-۰۰ اس پکھواڑے کی کہانی
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : موسیقی

اتوار ۲۱ اگست

صبح
۷-۴۵ ارپنا : گیت
۸-۳۰ اردو پروگرام
'شوکت تھانوی — فن اور شخصیت'
تحریر : ڈاکٹر مرلقا اعجاز
پیشکش : شفاعت علی

رات
۸-۱۵ اگن قوال و ساتھی : قوالی
۱۰-۰۰ سنگیت رس

پیر ۲۲ اگست

صبح
۷-۴۵ نرملا کماری : بھجن
۸-۳۰ اردو پروگرام
ڈاکٹر مظفر جمیل سے اختر یونس قدوائی کی
بات چیت
۹-۱۰، رات ۴۵-۹
مکیش بہاری شرما : سرود

دوپہر
۱۲-۰۰، رات ۴۵-۹
گوپال چکرورتی ، سگم سنگیت

رات
۸-۰۰ دلیش و دلیش
تحریر : چندر دوے دکشت
۱۰-۰۰ 'بدلتے سماج میں پولیس کی بھومیکا'
ہندی مباحثہ

منگل ۲۳ اگست

صبح
۷-۴۵ کے۔ مہابیر ، غزل
۹-۱۰، دوپہر ۱۰-۱۲
شوبھا سینی : خیال

دوپہر
۱۲-۰۰ اقبال عالم ، گیت ، بھجن
۱-۱۰ 'رکھشا بندھن' فیچر

رات
۸-۰۰ 'ذمہ دار کون — اشلیل فلموں کیلئے'
تقریر
۸-۱۵ سنسکرت دوس : ریڈیو رپورٹ
۱۰-۰۰ منگل شب کی محفل موسیقی

بدھ ۲۴ اگست

صبح
۷-۴۵ سرسوتی ورما : گیت
۸-۳۰ اردو پروگرام
(گورکھپور سے)

۹-۱۰، دوپہر ۱۰-۱
رام شنکر داس پاگل داس ، پکھاوج

دوپہر
۱۲-۰۰، رات ۱۵-۸
کنچن چٹرجی ، گیت ، بھجن

رات
۱۰-۳۰ شاستریہ سنگیت

جمعرات ۲۵ اگست

صبح
۷-۴۵ دل راج کور : بھجن
۸-۳۰ اردو پروگرام
خط کیلئے شکریہ
رنگ تغزل
۹-۱۰، رات ۳۰-۱۰
سنتوش کمار مصر : سارنگی

دوپہر
۱۲-۰۰، رات ۱۵-۸
کمل پوری : گیت ، بھجن

رات
۸-۰۰ سکھیا سب سنسار ہے

جمعہ ۲۶ اگست

صبح
۷-۴۵ کرشنا کلّے : گیت
۸-۳۰ اردو پروگرام
پیش رفت 'نئے روزگار'
تقریر از شافع قدوائی
افسانہ از مسیح الحسن رضوی

۹-۱۰، رات ۳۰-۱۰
شمشیر سنگھ : سرود

دوپہر
۱۲-۰۰، رات ۱۵-۸
کلاوتی دیوی ، گیت ، بھجن

رات
۹-۳۰ ڈرامہ

ہفتہ ۲۷ اگست

صبح
۷-۴۵، راجندر مہتہ ، نینا مہتہ ، گیت
۸-۳۰ اردو پروگرام
شعری نشست
شرکا : راجیندر بہادر موج ، والی آسی،
رفیق الزماں اور شاکر جٹولی
۹-۱۰، دوپہر ۱۰-۱
جی۔ این۔ گوسوامی : وائلن

دوپہر
۱۲-۰۰، رات ۱۵-۸
گنگا بنرجی : گیت ، بھجن

رات
۹-۳۰ نیشنل پروگرام ، موسیقی

اتوار ۲۸ اگست

صبح
۷-۴۵ وانی۔ جے رام ، بھجن
۸-۳۰ اردو پروگرام ، بچوں کیلئے
(۱) 'کیا تمہیں معلوم ہے زلزلہ کیوں آتا ہے؟'
تقریر از مشتاق پردیسی
(۲) بچوں کا نغمہ
(۳) 'آؤ کہانی سنائیں' از اوما چکبست

سہ پہر
۴-۳۰ سنسکرت پروگرام
رات
۸-۱۵ کیلاش شرلواستو ، گیت ، بھجن
۱۰-۰۰ سنگیت رس

پیر ۲۹ اگست

صبح
۷-۴۵ روپالی مکرجی : گیت
۸-۰۰ اردو پروگرام
'یہ بستیاں ہماریاں — قصبہ بھدوہی'
بھدوہی کی ادبی اور صنعتی اہمیت کے
بارے میں مقامی لوگوں کی گفتگو پر مبنی فیچر

پیشکش : زاہد فاخری
۹-۱۰، رات ۳۰-۱۰
گنیش پرساد مصر : خیال

دوپہر
۱۲-۰۰ ، رات ۸-۱۵
۵ معراج نشاط ، گیت ، غزل
رات
۹-۴۵ رنگ ناتھ مصر ، طبلہ

منگل ۳۰ اگست

صبح
۷-۴۵ سرجیت سپیقیجہ ، غزل
۸-۳۰ اردو پروگرام
(۱) یادوں کا سفر
'الہ آباد کا قلعہ۔ تعمیر سے اب تک'
تقریر از ضیاءالاسلام
(۲) کلام شاعر
۹-۱۰ شاستریہ سنگیت
دوپہر
۱۲-۰۰ ، رات ۸-۱۵
نرملا سکسینہ ، گیت ، بھجن
رات
۸-۰۰ ذمہ دار کون۔۔۔
سماج میں بڑھتے اپرادھ کیلئے
۱۰-۰۰ منگل شب کی محفل موسیقی

بدھ ۳۱ اگست

صبح
۷-۴۵ انجلی بنرجی ، غزل
۸-۳۰ اردو پروگرام
۹-۱۰ ، دوپہر ۱۲-۱۰
نوین چندر پنت ، ستار
دوپہر
۱۲-۰۰ ، رات ۸-۱۵
مقصود علی ، گیت ، بھجن
۱-۱۰ فیاض احمد ، نیاز احمد ، خیال
رات
۸-۰۰ 'شری کرشن جنم اشٹمی۔کرشن کتھا کے
گانگ ۔ رس کہان'
ہندی تقریر
۱۰-۰۰ شاستریہ سنگیت

آواز میں اشتہار
دیکر اپنی تجارت
کو فروغ دیجئے

رامپور

۳۳۶ میٹر (۸۹۱ کلو ہرٹز)

خبریں

ھندی انگریزی : صبح ۶-۰۰ (مالی) ھندی : ۸-۰۰ دوپہر ۱-۰۵ اور ۲-۱۰ شام ۶-۰۵
رات ۸-۴۵ انگریزی : صبح ۸-۱۰ دوپہر ۲-۰۰ رات ۹-۰۰
اردو : صبح ۸-۵۰ اور رات ۹-۱۵ سماچار پتر ھندی : صبح ۹-۰۰
ضلع کی چٹھی : صبح ۹-۰۵ پرادیشک سماچار : شام ۷-۲۰

روزانہ نشر ہونیوالے پروگرام

پہلی مجلس
صبح
۵-۵۵ وندے ماترم (از بھگ) وگھوشا
منگل دھونی
۶-۳۵ آج کا چنتن (علاوہ جمعہ)
جمعہ : گاندھی چرچا
۶-۴۰ سنو کسانوں
۶-۵۵ پروگراموں کا خلاصہ
۷-۱۵ روزگار سماچار
۷-۳۰ شاستر سنگیت (علاوہ جمعہ / اتوار)
جمعہ : کاوی سور بھر / واتائن
اتوار : آج اتوار ہے
۷-۴۵ سنسکرت پروگرام (ہر جمعرات کو)
دیپ (ہر جمعہ کو)
سگم سنگیت
(صرف پیر ، منگل ، بدھ اور ہفتہ کو)
۸-۲۰ لوک گیت
۸-۳۰ اردو پروگرام (ہر جمعہ کو)
۹-۱۰ تا ۱۰-۰۰
بال جگت (ہر اتوار کو)

دوسری مجلس
دوپہر
۱۲-۳۰ آپ کے لیے (ہر اتوار کو)
فلمی قوالی (ہر پیر کو)
آپ کی پسند
(ہر منگل اور جمعرات کو)
سور سنگم (ہر بدھ کو)
دھنک (ہر جمعہ کو)
ترنگیں (ہر ہفتہ کو)
۱۲-۴۵ آپ کی چٹھی ملی (ہر اتوار کو)
۱-۰۰ پروگراموں کا خلاصہ
۱-۱۰ پریوار جگت (ہر اتوار کو)
ہلا جگت (ہر پیر کو)
دھرتی گاتی ہے
(پہلے تیسرے اور پانچویں منگل کو)
پچھان راگ
(دوسرے اور چوتھے منگل کو)
گرامین مہلاؤں کے لیے
(ہر بدھ کو)
گیتکا (ہر جمعرات کو)
نعت اور قوالی (ہر جمعہ کو)
سواستھ سندیش (ہر ہفتہ کو)
۱-۳۰ جوانوں کے لیے (ہر ہفتہ کو)
۲-۲۰ چترپٹ سنگیت (ایک ہی کلاکار)
۲-۳۵ آس پاس (ہر اتوار)

تیسری مجلس
شام
۶-۰۰ پروگراموں کا خلاصہ
۶-۱۰ علاقائی سوچنائیں
۶-۳۰ یووادانی
۷-۰۰ کرشی جگت
۷-۴۵ پریوار کلیان پرشکشن وارتا (ہر اتوار کو)
اردو پروگرام (ہر پیر کو)
انگریزی تقریر (پہلے اور تیسرے بدھ کو)
آپ نے لکھا ہے
(دوسرے اور چوتھے بدھ کو)
شرکاؤں کے بیچ (پانچویں بدھ کو)
آپ کی چٹھی ملی (ہر جمعرات کو)
بچے پھر سینے (ہر جمعہ کو)
ہندی تقریر (ہر ہفتہ کو)
۸-۰۰ سگم سنگیت (علاوہ اتوار اور منگل)
اتوار : جوئے بار
منگل : سنسکرت پروگرام
۸-۱۵ پرادیشک سماچار درشن
(ہر اتوار کو)
شاستریہ سنگیت
(پیر ، بدھ ، جمعرات اور ہفتہ کو)
۸-۲۰ داویہ ورند (ہر منگل کو)
۸-۳۰ ساز اور آواز
۹-۳۰ چہار بیت (ہر اتوار کو)
ہنگ (ہر جمعہ کو)
۹-۴۵ آپ کی پسند (ہر اتوار کو)
داویہ ورند (پیر اور منگل کو)
۱۰-۰۰ وچار دھارا (ہر دوسرے پیر کو)
نکل (پانچویں پیر کو)

منگل ۱۶ اگست

صبح
۷-۴۵ خالدہ : غزلیں
دوپہر
۱-۱۰ غلام تقی خاں : خیال
شام
۶-۳۰ یووادانی
کاویہ پاٹھ : راجیندر پرساد
پریکرما : منور اللہ خاں

بدھ ۱۷ اگست

صبح
۷-۳۰ سامتا پرساد : طبلہ وادن
۷-۴۵ شیام موہن : سگم سنگیت
دوپہر
۱-۱۰ آنچل
جہیز کی رسم کو دور کرنے میں
عورتوں کا تعاون
۱-۴۰ استاد بڑے غلام علی خاں
گائن
شام
۷-۰۰ کرشی جگت
مکا اور باجرہ کی کامیاب کھیتی
۸-۰۰ شیام موہن ، سگم سنگیت

جمعرات ۱۸ اگست

صبح
۷-۳۰ مانک ورما : گائن
۷-۴۵ ساہتیہ سدھا
سنسکرت پروگرام
پن بورھ اور لوک چیتنا بسود اہم
وارتا
ڈاکٹر کرشنا کانت شکلا
دوپہر
۱-۴۰ سر گنادھر چودھری
وائلن وادن
شام
۶-۳۰ یووادانی
فلم پتریکا : چھایا لوک
۷-۰۰ کرشی جگت
دھان کے کیڑے اور ان کی
روک تھام
۸-۰۰ جوئے بار
جاوید رضا : غزلیں
فیاض احمد نیاز احمد ، گائن

جمعہ ۱۹ اگست

صبح
۷-۳۰ واتاین
کتابیں اور سماج
تقریر : کرشنا پانڈے
ہاتھ کی بنی اور کھادی کی خاصیت
تقریر : رام چندر مشر
۸-۳۰ اردو پروگرام
آہنگ : رفتار ادب
اردو کی ترویج کے ادارے
بہار اردو اکیڈمی : تقریر
صدائے رفتہ
شاعر : خلیل الرحمٰن اعظمی
گلوکار : کانتا دھون
دوپہر
۱-۴۰ استاد امیر خاں : گائن
شام
۸-۱۵ رگھوناتھ سیٹھ
بانسری وادن

ہفتہ ۲۰ اگست

صبح
۷-۳۰ کرنیں
دوپہر
۱-۱۰ سواستھ سندیش
شام
۷-۴۵ اب لونہ سانو

اب نہ سیہوں
بچولیا بن کر ہاسیہ وینگ
تقریر
نرنکار دیو سیوک
۸- مجدد نیازی : غزلیں
۸- غلام مصطفےٰ خاں : گائن

اتوار ۲۱ر اگست

صبح
۹ بچوں کا پروگرام : کلیاں

دوپہر
۱- پریوار جگت
سنواد : کشور اوستھا
ایک سنکرن کال
ڈاکٹر ایس اوجھا ور ماسہاریا

رات
۸- دیش گان : کورس
۹- عبدالقیوم و ساتھی : چہار بیت

پیر ۲۲ر اگست

صبح ۷-۴۵ اور رات ۸-۰۰
محمد احمد خاں قوال و ساتھی
سگم سنگیت

دوپہر
۱- بندیا
کہانی : ونیتا اپادھیائے
رکھشا بندھن : تقریر
۱- جگدیش پرساد : گائن

شام
۷- کرشی جگت
بھنڈارت اناج کی دیکھ بھال
۷- اردو پروگرام
آہنگ
ریشم کی ڈوری
رکھشا بندھن : خلیل محمودی
افسانہ
ڈاکٹر اوورے سرن ارمان

منگل ۲۳ر اگست

صبح
۷- محمد رفیع : بھجن

دوپہر
۱- بسم اللہ خاں : شہنائی وادن

رات
۸- سنسکرت دیوس کا مہتو

سدھاہرن وارتا
منجو رانی شکلا

بدھ ۲۴ر اگست

صبح
۷-۳۰ رام چند بھٹ : طبلہ وادن
۷-۴۵ مکیش : سگم سنگیت

دوپہر
۱-۱۰ آنچل
کھیلوں سے بچوں کا سروانگو رڈھ وکاس
۱-۴۰ پروین سلطانہ : گائن

شام
۷-۰۰ کرشی جگت
گرامین چھیتروں میں لگھو اُدیوگوں سے
استھانیہ وکاس
۸-۰۰ رشمی استھانہ : سگم سنگیت

جمعرات ۲۵ر اگست

صبح ۷-۳۰ نثار حسین خاں : گائن
۷-۴۵ ساہتیہ سدھا
سنسکرت پروگرام
سنسکرت رکول میں لوک پکش
سداہرن وارتا
ڈاکٹر رگھو ویر سہائے شرما

دوپہر
۱-۴۰ روی شنکر : ستار

شام
۷-۰۰ کرشی جگت
کرشک پرشکشن اسکیم سے لابھ
۸-۰۰ جوئے بار
اوشا ٹنڈن : غزلیں
۸-۱۰ مہندر سنگھ : ٹھمری

جمعہ ۲۶ر اگست

صبح
۷-۳۰ کاوے سوربھ
دیویندر پانڈے، نرموہی اور روی للا رسوت
۸-۳۰ اردو پروگرام
آہنگ
پتا پتا بوٹا بوٹا
شاد عظیم آبادی

مصنف : شمیم امروہوی
صنعتی ترقیوں میں بھارت کو دوسرے ملکوں کو دین
تقریر : خان امانت کمال

دوپہر
۱-۴۰ اور رات ۸-۱۰
دیوی رام آریہ
ستار وادن
طبلہ پر سنگت
گسائی دت دالو

ہفتہ ۲۷ر اگست

صبح
۷-۳۰ کرنیں

دوپہر
۱-۳۰ جوانوں کے لیے

رات
۷-۴۵ پرگتی جو ہمارے
جنید بدایوں میں ہوئی
بیس نکاتی سوترکار یہ کرم کے سلسلے میں وارتا
آر۔ کے۔ شرما
۸-۰۰ رنجن بوہرا : گیت، بھجن
۸-۱۰ وی۔ آر۔ پٹوردھن : گائن

اتوار ۲۸ر اگست

صبح
۷-۳۰ آج اتوار ہے

دوپہر
۱-۱۰ پریوار جگت
نشیلی چیزوں کا سواستھ پر پربھاؤ : تقریر
ڈاکٹر پی۔ کے۔ گپتا
اپنے بچوں کو اپنا دوست سمجھیے
تقریر

رات
۸-۰۰ شہلا گلبارڈی
۹-۳۰ کرامت انصاری و ساتھی
چہار بیت

پیر ۲۹ر اگست

صبح
۷-۴۵ اوشا اگروال : سگم سنگیت

رحمت امروہوی

تھک گیا دعا کر کے دستِ بے دعا دیکھوں
قوتِ عمل کیا ہے، یہ بھی آزما دیکھوں
موت ہے کہ محرومی، درد ہے کہ رنجوری
کس نے در پہ دستک دی کون آگیا دیکھوں
وہ بھی راہزن نکلے، یہ بھی راہزن نکلے
کس کو رہ نما سمجھوں کس کا نقشِ پا دیکھوں
رعب زعمِ سلطانی ہیچ ہے مرے آگے
آپ تو ہو مجھ جیسے آپ کو میں کیا دیکھوں
گاؤں کی ہواؤں میں تھی خلوص کی خوشبو
پھر بھی دل نے اکسایا شہر کی ہوا دیکھوں
زندگی کی کچھ سانسیں بچ رہی ہیں اے رحمت
جاؤں ان کے کوچے میں اِن کو بھی لٹا دیکھوں
(احمد آباد سے نشر)

۱-۱۰ بندیا
ہمارا سمودھان اور ناری
پری چرچا
۱-۴۰ علی اکبر خاں : سرود وادن

رات
۷-۴۵ کھیل کے میدان میں
بھارت میں کرکٹ کا معیار
پہلے اور اب : تقریر
کھیل کی خبریں
آلیکھ اور پیش کردہ
افتخار حسین رضوی

منگل ۳۰ر اگست

صبح
۷-۳۰ بنگلہ شکشا
۱-۴۰ نزاکت علی / سلامت علی : گائن

رات
۸-۰۰ اُرمیلا وڈیرا : سگم سنگیت

بدھ ۳۱ر اگست

صبح
۷-۳۰ اشتیاق حسین خاں : خیال
۱-۴۰ و رات ۸-۰۰
بسم اللہ خاں : شہنائی وادن

شام
۰۰- کرشی جگت
وکاس میں سماجک کوریتیاں بادھک

جالندھر چنڈی گڑھ

جالندھر الف ۳۴۳٫۶ میٹر ۸۷۳ کلوہرٹز جالندھر ب ۴۲۷٫۴ میٹر ۷۰۲ کلوہرٹز
چنڈی گڑھ ۲۰۹٫۲ میٹر ۱۴۳۴ کلوہرٹز (شام ۶-۱۰ تا ۶-۳۰ ...)

خبریں

ہندی: صبح ۸-۰۰، دوپہر ۱-۰۵، ۲-۱۰، ۲-۳۵ (دھیمی رفتار سے) شام ۵-۰۵، ۶-۲۰ (پرادیشک سماچار) رات ۸-۴۵، ۱۰-۵۰، ۱۱-۰۵
پنجابی: صبح ۸-۳۰، دوپہر ۱-۳۰، شام ۶-۱۰ (پرادیشک سماچار) شام ۷-۳۰ انگریزی: صبح ۸-۱۰، دوپہر ۱-۰۰، رات ۹-۰۰ اور ۱۱-۰۰
اردو: صبح ۸-۵۰، دوپہر ۱-۵۰، رات ۹-۱۵ (خبریں) ۹-۲۵ تبصرہ روزگار سماچار: شام ۷-۴۰

روزانہ نشر ہونیوالے پروگرام

جالندھر الف
صبح
۵-۵۵ بندے ماترم اور منگل دھونی
۶-۰۵ آرادھنا: بھگتی سنگیت
۶-۳۵ موسم اور کھیتی باڑی
۶-۴۰ پرچے: پروگراموں کا خلاصہ
۶-۴۵ آسا دی وار (اتوار)
۷-۰۵ امرت بودھ
۷-۳۰ رام چرت مانس (اتوار)
۹-۰۵ سامائکی
۱-۰۵ فوجی بھائیوں کے لیے
۲-۰۰ موسم اور آج کی کھیتی
۲-۲۰ سگم سنگیت
شام
۵-۳۰ گوروانی وچار
۶-۰۰ صوبائی خبریں اور پروگراموں کا خلاصہ
۶-۱۰ پرادیشک خبریں (پنجابی)
۶-۲۰ پرادیشک خبریں (ہندی)
۶-۳۰ دیہاتی پروگرام
۷-۳۰ روزگار خبریں
۹-۱۵ اردو میں تبصرہ

جالندھر ب
صبح
۱۰-۱۰ اسکول براڈکاسٹ
شام
۶-۰۰ یووانی پروگرام
۶-۴۵ یونیورسٹی پروگرام
۷-۰۰ پنجابی میں رنگارنگ پروگرام
۸-۰۰ اختتام

منگل ۱۶ اگست

صبح
۶-۴۵ شبد
۷-۳۰ وی این پٹوردھن : خیال
۸-۲۰ اور ۵-۰۵ پنجابی گیت
۸-۵۰ ہنس راج اور ساتھی بھیٹیں
۹-۱۵ جاگرت
دوپہر
۱۲-۰۰ نالے گلاں نالے گیت
پیشکش: سادھو سنگھ گوبند پوری
۱۲-۳۰ دیہی عورتوں کے لیے پروگرام
۲-۳۰ امرجیت سنگھ گورداس پوری
لوک گیت
۵-۱۵ گوردیو سنگھ کومل
لوک گیت
۷-۴۵ یش پال : سبدھ سنگیت
۱۰-۰۰ پرکاش سنگیت : گائن

بدھ ۱۷ اگست

صبح
۶-۴۵ بھجن
۷-۳۰ اور رات ۱۰-۳۰
وزیر چند چترا : ستار وادن
طبلہ پر سنگت : لچھمن سنگھ
۸-۲۰ اور دوپہر ۱۲-۱۵
سروجنی مراٹھے
بھجن اور گیت
۸-۵۰ ہربھجن سنگھ ناہل اور ساتھی
لوک گیت
۹-۱۵ اور شام ۷-۴۵
بھائی درشن سنگھ کومل اور ساتھی
شبد
دوپہر
۱۲-۰۰ لچھمن سنگھ : طبلہ
۲-۳۰ گوردیپ سنگھ : لوک گیت
شام
۵-۰۵ ننھے منے بچوں کے لیے پروگرام
۹-۳۰ سامعین کی فرمائش پر
فلمی سنگیت

جمعرات ۱۸ اگست

صبح
۶-۴۵ شبد
۷-۳۰ دوپہر ۱۲-۰۰ اور رات ۱۰-۳۰
گریش : خیال
۸-۲۰ اور رات ۷-۵۰
مارگریٹ : بھجن اور گیت
۸-۵۰ لکھی رام : لوک گیت
۹-۱۵ اور دوپہر ۱۲-۱۵
سدھیر کوشل : غزلیں
دوپہر
۲-۳۰ موہن سنگھ اور ساتھی
لوک گیت
۵-۱۵ گورمیت کور باوا اور ساتھی
لوک گیت
۱۰-۱۵ جگجیت سنگھ زیروی
لوک گیت

جمعہ ۱۹ اگست

صبح
۶-۴۵ بھجن
۷-۳۰ اور رات ۱۰-۳۰
رتناکر ویاس : سرود
۸-۲۰ اور رات ۷-۴۵
کرشنا چٹرجی : بھجن اور گیت
۸-۵۰ سلیم اقبال، صوفیانہ کلام
۹-۱۵ اور دوپہر ۱۲-۳۰
بھائی کیگ راج سنگھ : شبد
دوپہر
۱۲-۰۰ ریتا گنگولی : ٹھمری اور دادرا
۱۲-۱۵ شیو کمار شرما : سنتور وادن
۲-۳۰ ہرنیک سنگھ رانا
لوک گیت
شام
۵-۱۵ ہردیو سنگھ ڈھاڈی اور ساتھی
واراں
۹-۳۰ ویپی سنہار
سنسکرت ناٹک
۱۰-۱۵ محمد صدیق : لوک گیت

ہفتہ ۲۰ اگست

صبح
۷-۳۰ اور دوپہر ۱۲-۰۰
دیپک چٹرجی : خیال
۷-۴۵ شانتی کمار : بانسری وادن
۸-۲۰ اور رات ۷-۴۵
ست پال سنگھ : شبد
۹-۱۵ اور دوپہر ۱۲-۱۵
پریم جگیاسو : شبد
دوپہر
۱۲-۳۰ لوک سنگیت پروگرام
۲-۳۰ سریندر سنگھ رمتا
لوک گیت
رات
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : م...

اتوار ۲۱ اگست

صبح
۷-۴۵ پرتی بیب
۸-۲۰ مسیحی بھجن
۹-۱۵ بچوں کے لیے پروگرام
۱۰-۰۰ ہفتہ وار زرعی پروگرام
۱۰-۳۰ سامعین کی فرمائش پ...
فلمی سنگیت
دوپہر
۱۲-۰۰ لکشمی شنکر : ٹھمری اور د...
۱۲-۱۵ پشپا ہنس : گیت
۲-۳۰ جسبیر سنگھ خوشدل
لوک گیت
شام
۵-۱۵ جیون سنگھ چندن اور سا...
لوک گیت
۷-۴۵ جاگرت
پنجابی میں پرپوارک پروگرا...
۸-۳۰ پشپا ہنس اور چندر کا...
گیت اور غزل
۱۰-۰۰ شبد گائن
۱۰-۳۰ 'مہان سنگیت کار'
پنڈت وشنو ڈگمبر پلسکر کی
زندگی اور سنگیت کو
ان کی دین سے متعلق خصو...
پروگرام
پیشکش: بلبیر سنگھ کلسی

پیر ۲۲ اگست

صبح
۶-۴۵ بھجن
۷-۳۰ اور دوپہر ۱۲-۳۰
غلام صادق خاں : خیال
۸-۲۰ پرتی بالا : لوک گیت
۸-۴۰ سنسکرت ساہتیہ میں
راشٹریہ ایکتا
از دیوی رام شرما
۹-۱۵ آنکھوں دیکھا حال : جھلکی
تحریر : بلوندر دکی
دوپہر
۱۲-۰۰ سامعین کی فرمائش پر

پنجابی گیت
۲ پورن شاہ کوٹی : لوک گیت

۵ دیہی بچوں کے لیے پروگرام
۸ پاتروں کی شکایت ہے
نیکھک سے بھرت کی گیشو سے
تحریر ترسیم لال ساگر
۹ لہو دے داغ : پنجابی ناٹک
از جی ایس بھلر
۱۰ رنجنا : لوک گیت

منگل ۲۳ اگست

صبح
۷ ہندی کویتا پاٹھ
پریم ابوہری
۷ اور رات ۷-۴۵
اشوک رائے : سرود
۸ پرمیلا پمی : لوک گیت
۹ جاگرت
دوپہر
۱۲ نالے گلاں نالے گیت
۲ منشی خاں : لوک گیت
شام
۵ کرم چند : لوک گیت
۹-۳ ہمارے آرتھک اور سماجک
وکاس میں بادھائیں
شرکا: ڈاکٹر ایچ کے پوری
پی سی چڈھا، ستیہ نند جنسل
اور پروفیسر اشوک نندہ

بدھ ۲۴ اگست

صبح
۷-۱۵ قدم قدم پر ڈا پڑا
۷-۳ دوپہر ۱۲-۰۰ اور رات ۱۰-۳۰
ایل کے پنڈت : خیال
۸-۲۰ اور رات ۷-۴۵
رچھپال کور : بھجن اور گیت
۸-۵۰ نریندر بیبا : لوک گیت
۹-۱۵ اور دوپہر ۱۲-۱۵
کانشی رام اور ساتھی : شبد
۲-۳۰ سوہن لال : لوک گیت
شام
۵-۰۵ ننھے منے بچوں کے لیے پروگرام
۹-۳۰ سامعین کی فرمائش پر
فلمی سنگیت

جمعرات ۲۵ اگست

صبح
۷-۳۰ دوپہر ۱۲-۰۰ اور رات ۱۰-۳۰
پرکاش وڈیرہ : بانسری
۸-۲۰ اور رات ۷-۵۰
کرتار سنگھ : شبد
۸-۵۰ پریم پاٹھک : لوک گیت
۹-۱۵ اور دوپہر ۱۲-۱۵
ودیا ساگر رامپال : بھجن، گیت
۲-۳۰ امرجیت کور پروانہ : لوک گیت
شام
۵-۱۵ لال چند یملاجٹ اور ساتھی
لوک گیت
۹-۳۰ گلنار (کشمیری ناٹک)
ڈرامہ نگار : سومنا تھ زتشی

جمعہ ۲۶ اگست

صبح
۷-۳۰ اور رات ۱۰-۳۰
سوہن سنگھ : خیال
طبلہ پر سنگت : پون کمار ورما
۸-۲۰ اور دوپہر ۱۲-۳۰
اوشا رانی : شبد اور گیت
۸-۵۰ جاگیر محمد : صوفیانہ کلام
۹-۱۵ اور رات ۷-۴۵
پرمود جین : بھجن
دوپہر
۱۲-۰۰ پون کمار ورما : طبلہ
۱۲-۱۵ اجیت سنگھ پنٹیل : سبدھ سنگیت
۲-۳۰ بلدیو سنگھ رندھاوا
لوک گیت
شام
۵-۱۵ جگجیت سنگھ جگا : لوک گیت
۸-۰۰ پستک سمیکشا
از بی۔ آر پدم
۹-۳۰ اکیلے آدمی کی لڑائی
ہندی ناٹک
ڈرامہ نگار : راج کمار
۱۰-۱۵ کشمیر سنگھ سمبھو : لوک گیت

ہفتہ ۲۷ اگست

صبح
۷-۳۰ اور دوپہر ۱۲-۰۰
او۔ پی کپور : ٹھمری اور دادرا

۷-۵۰ چیتن لال : طبلہ وادن
۸-۲۰ اور رات ۷-۴۵
بھائی اقبال سنگھ راگی اور ساتھی
شبد
۹-۱۵ اور دوپہر ۱۲-۱۵
سیتا کوہلی
بھجن، گیت اور غزل
۱۲-۳۰ کرتار سنگھ چانن ڈھاڈی اور
ساتھی : واراں
شام
۵-۱۵ رچھپال سنگھ پال : لوک گیت
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : موسیقی

اتوار ۲۸ اگست

صبح
۷-۴۵ پرتی بمب
۸-۲۰ سیمی بھجن
۹-۱۹ بچوں کے لیے پروگرام
۱۰-۰۰ ہفتہ وار زرعی پروگرام
۱۰-۳۰ سامعین کی فرمائش پر
فلمی سنگیت
دوپہر
۱۲-۰۰ استاد فیاض خاں : گائن
۱۲-۰۵ گوردیپ سنگھ ساجن : گیت
۲-۳۰ ستیش چندر : لوک گیت
شام
۵-۱۵ سورن لال : لوک گیت
۷-۴۵ جاگرت
پنجابی میں پریوارک پروگرام
۱۰-۳۰ گنیش رام چندر بیرے
خیال اور ترانہ (راگ شدھ کلیان)

پیر ۲۹ اگست

صبح
۶-۴۵ بھجن
۷-۳۰ اور رات ۱۰-۳۰
بدھ دیتہ مکرجی : ستار وادن
۸-۲۰ رنجیت کور : لوک گیت
دوپہر
۱۲-۰۰ سامعین کی فرمائش پر
پنجابی گیت
۲-۳۰ پورن چند وڈالی اور ساتھی
لوک گیت
رات
۸-۰۰ دور سنچار سادھن

کاریہ پرنالی اور اُپ یوگتا
ہندی تقریر از
ایچ۔ ایس۔ بھاٹیہ
۹-۳۰ لیلےٰ مجنوں : پنجابی ناٹک
تحریر : پورن چند وڈالی
۱۰-۱۵ رمیش رنگیلا اور ساتھی
لوک گیت

منگل ۳۰ اگست

صبح
۷-۳۰ اور رات ۷-۴۵
ایس ایس اوستھی اور ساتھی
خیال توڑی
۸-۵۰ سنت سنگھ بندرا : لوک گیت
دوپہر
۱۲-۰۰ نالے گلاں نالے گیت
۲-۳۰ چرن سنگھ لنگھن پوری
لوک گیت
شام
۵-۱۵ اکبر علی یودھا : لوک گیت
۸-۱۰ غزلیں
۱۰-۰۰ بتھیکا چوہدری : گائن

بدھ ۳۱ اگست

صبح
۷-۳۰ اور دوپہر ۱۲-۰۰، رات ۱۰-۳۰
سیارام تیواری
الاپ اور دھمار
۸-۵۰ گردھاری لال اور ساتھی
بھینٹیں
۲-۳۰ سوداگر مل کومل اور ساتھی
بھینٹیں
شام
۵-۰۵ ننھے منے بچوں کے لیے پروگرام
۷-۴۵ بھجن
۹-۳۰ سامعین کی فرمائش پر
فلمی سنگیت

روہتک

میٹرم ویو ۳۰۲۰۳ء میٹر ۹۹۳ کلو ہرٹز

خبریں

ہندی: صبح ۰۰-۸ دوپہر ۰۵-۱ شام ۰۵-۶ رات ۴۵-۸
انگریزی: صبح ۱۰-۸ دوپہر ۰۰-۱ شام ۰۰-۷ رات ۰۰-۹

روزانہ نشر ہونیوالے پروگرام

صبح

۳۰-۶ اور ۰۵-۷ شام بھگتی سنگیت
۵۵-۶ کھیتی باڑی
۰۵-۷ پروگراموں کا خلاصہ
۲۵-۷ ڈسٹرکٹ نیوز لیٹر
۲۰-۸ لوک سنگیت (اتوار کو بچوں کیلئے)

۴۰-۸ سب رس

دوپہر

۱۰-۱ فلمی سنگیت
۴۰-۱ اسکول براڈکاسٹ (سوائے ہفتہ، اتوار اور تعطیلات)
۲۰-۲ لوک سنگیت

شام

۳۰-۵ یووا اسنسار
۱۰-۶ علاقائی لوک سنگیت (بدھ کو ننھے منے)
۰۰-۷ گرامین سنسار
۳۰-۷ روزگار سماچار
۱۶-۹ ایک فلم سے / جمعرات کو آپ کا خط ملا

منگل ۱۶ اگست

صبح

۱۰-۷، شام ۴۵-۷
سنتوش بنسل، سگم سنگیت
۲۵-۷ انبالہ ضلع کی چھٹی
۳۰-۷ راجندر رگمار، بانسری
۲۱-۸، دوپہر ۲۰-۲
نام چند اور سنتوش کماری: لوک سنگیت
۴۰-۸ طلبا کیلئے

دوپہر

۳۰-۱۲ لائبریری سے انتخاب
۰۰-۱ ورندگان
۱۰-۱ آپ کی فرمائش پر

شام

۳۰-۵ یووا اسنسار
میری پسند
۱۰-۶ پرادیشک گیت
۳۰-۶ کرشی جگت
۰۰-۷ گرامین سنسار
۰۰-۸ پنجابی کویتا پاٹھ
۳۰-۸ سورمنجری، مناڈے
۱۶-۹ ایک فلم سے 'امراؤ جان'

بدھ ۱۷ اگست

صبح

۱۰-۷، شام ۴۵-۷
معین الدین خاں، سگم سنگیت
۲۵-۷ بھوانی ضلع کی چھٹی
۳۰-۷، رات ۰۰-۱۰
کندن لال شرما، کلاسیکی موسیقی
۲۱-۸، دوپہر ۲۰-۲
جے نند اور رگھوبیر سنگھ سندھو ساتھی لوک سنگیت
۴۰-۸ طلبا کیلئے
۳۰-۱۲ دھرتی کے گیت
۰۰-۱ کیترنیں
۱۰-۱ آپ کی فرمائش

شام

۳۰-۵ یووا اسنسار
۱۰-۶ ننھے منے، گیت، کہانی
۳۰-۶ کرشی جگت
۰۰-۷ گرامین سنسار
۰۰-۸ ہندی تقریر
۳۰-۸ سورمنجری
۱۶-۹ ایک فلم سے 'پریم روگ'
۳۰-۹ چرچا کا وشیہ ہے

جمعرات ۱۸ اگست

صبح

۱۰-۷، شام ۴۵-۷
مدن لال شرما، سگم سنگیت
۲۵-۷ کرنال ضلع کی چھٹی
۳۰-۷ چلتے چلتے
۲۱-۸، دوپہر ۲۰-۲
امید سنگھ و سلطان سنگھ، لوک سنگیت
۴۰-۸ طلبا کیلئے

دوپہر

۳۰-۱۲ ایک رنگ
۰۰-۱ ورندگان
۱۰-۱ آپ کی فرمائش

شام

۳۰-۵ یووا اسنسار
سرگم
۱۰-۶ راگنی سانگوں سے
۳۰-۶ کرشی جگت
۰۰-۷ گرامین سنسار
بالک منڈلی
۰۰-۸ گھر آنگن
۳۰-۸ سورمنجری
۱۶-۹ آپ کا خط ملا
۰۰-۱۰ پرانی فلموں سے

جمعہ ۱۹ اگست

صبح

۱۰-۷، شام ۴۵-۷
غلام حمید صابر، سگم سنگیت
۲۵-۷ گوڑگاؤں ضلع کی چھٹی
۳۰-۷ کلاسیکی موسیقی
۲۱-۸، دوپہر ۲۰-۲
شام لال سانگی اور مدن لال بھارتی؛ لوک سنگیت
۳۰-۸ گاندھی چرچا
۴۰-۸ طلبا کیلئے

دوپہر

۳۰-۱۲ گاتی پنکتی
۰۰-۱ ورندگان

شام

۳۰-۵ یووا اسنسار
۱۰-۶ راگنی سانگوں سے
۳۰-۶ کرشی جگت
۰۰-۷ گرامین سنسار
۰۰-۸ کھیل جگت
۳۰-۸ سورمنجری
۱۶-۹ ایک فلم سے 'نکاح'
۳۰-۹ تیسرے پہر کی دھوپ

ہفتہ ۲۰ اگست

صبح

۱۰-۷، شام ۴۵-۷
کرشن اروڑہ، سگم سنگیت

۲۵-۷ جیند ضلع کی چھٹی
۳۰-۷ لطافت حسین خاں، کلاسیکی...
۲۱-۸، دوپہر ۲۰-۲
سمیر سنگھ آریہ اور کرم سنگھ سانگی و ساتھی، لوک...
۴۰-۸ طلبا کیلئے

دوپہر

۳۰-۱۲ پھر سنئے
۴۰-۱ اساتذہ کیلئے

شام

۳۰-۵ یووا اسنسار
سوال جواب
۱۰-۶ راگنی سانگوں سے
۳۰-۶ کرشی جگت
۰۰-۷ گرامین سنسار
۰۰-۸ ہریانہ درشن
۳۰-۸ سورمنجری
۱۶-۹ ایک فلم سے 'سہاگ رات'

اتوار ۲۱ اگست

صبح

۱۰-۷، شام ۴۵-۷
بریش بھاردواج، سگم سنگیت
۲۵-۷ کوروکشیتر ضلع کی چھٹی
۳۰-۷ کلاسیکی موسیقی
۲۱-۸ بال کنج
۰۵-۹ اس ماس کا گیت

دوپہر

۳۰-۱۲ ناری جگت
۰۰-۱ کھلا آکاش
۱۰-۱ خط آپکے گیت ہمارے

شام

۳۰-۵ یووا اسنسار
نوجوانوں کی پسند
۱۰-۶ پرادیشک گیت
۳۰-۶ کرشی جگت
۰۰-۷ گرامین سنسار
۰۰-۸ آج اتوار ہے
۳۰-۸ سورمنجری
۱۶-۹ ایک فلم سے 'یہ تو کمال ہو گیا'

پیر ۲۲ اگست

صبح

۱۰-۷، شام ۴۵-۷
پشپا پاگدھر، سگم سنگیت

مہندر گڈھ ضلع کی چھٹی
رمیش کمار شرما : کلاسیکی موسیقی
مانگے رام مراثی اور دیا سنگھ سینی :
لوک سنگیت

طلبا کیلئے

دوپہر

ملے جلے گانے
ورندگان

شام

یووا سنسار (انگریزی)
پرادیشک گیت
کرشی جگت
گرامین سنسار
انگریزی تقریر
سور منجری
ایک فلم سے ' وہ دل والا '

منگل ۲۳ اگست

صبح

۱۰-۷، شام ۴۵-۷
مہی پال ناتھ ، سگم سنگیت
۲۵-۷ سونی پت ضلع کی چھٹی
۳۰-۷ مشتاق حسین خاں : کلاسیکی موسیقی
۲۱-۸ ناتھی رام و ساتھی : لوک گیت
۴۰-۸ طلبا کیلئے

دوپہر

۳۰-۱۲ لائبریری سے انتخاب
۰۰-۱ ورندگان

شام

۳۰-۵ یووا سنسار
میری پسند
۱۰-۶ ایک نور تے سب جگ اپجیا
۳۰-۶ کرشی جگت
۰۰-۷ گرامین سنسار
۰۰-۸ ہریانوی کویتا پاٹھ
۳۰-۸ سور منجری
۱۶-۹ ایک فلم سے ' انار کلی '
۰۰-۱۰ پرانی فلموں سے

بدھ ۲۴ اگست

صبح

۱۰-۷، شام ۴۵-۷
دنکر شرما ، سگم سنگیت
۲۵-۷ سرسہ ضلع کی چھٹی
۳۰-۷ وزیر حسین خاں ، سارنگی
۲۱-۸، دوپہر ۲۰-۲
نند کشور اور رتن سنگھ و ساتھی :
لوک سنگیت
۴۰-۸ طلبا کیلئے

دوپہر

۳۰-۱۲ دھرتی کے گیت
۰۰-۱ کسترنیا

شام

۳۰-۵ یووا سنسار
۱۰-۶ ننھے منے ، گیت ، کہانی
۳۰-۶ کرشی جگت
۰۰-۷ گرامین سنسار
سوال جواب
۰۰-۸ ہندی تقریر
۳۰-۸ سور منجری
۱۶-۹ ایک فلم سے ' ارادھنا '
۳۰-۹ چرچا کا وشیہ ہے

جمعرات ۲۵ اگست

صبح

۱۰-۷، شام ۴۵-۷
جی کے گپتا : سگم سنگیت
۲۵-۷ فرید آباد ضلع کی چھٹی
۳۰-۷ چلتے چلتے
۲۱-۸، دوپہر ۲۰-۲
کرشن چندر شرما اور رام پھل شرما :
لوک سنگیت
۴۰-۸ طلبا کیلئے

دوپہر

۳۰-۱۲ ساز اور آواز
۰۰-۱ ورندگان

شام

۳۰-۵ یووا سنسار
سرگم
۱۰-۶ پرادیشک گیت
۳۰-۶ کرشی جگت
۰۰-۷ گرامین سنسار
۰۰-۸ گھر آنگن
۱۶-۹ آپ کا خط ملا

جمعہ ۲۶ اگست

صبح

۱۰-۷، شام ۴۵-۷
جمیل احمد ، سگم سنگیت
۲۵-۷ روہتک ضلع کی چھٹی
۳۰-۷، رات ۰۰-۱۰
ڈی. ایس. رانا : بانسری
۲۱-۸ رام سروپ بھولا اور چندر لال گہلوترہ :
لوک سنگیت
۳۰-۸ گاندھی چرچا

دوپہر

۳۰-۱۲ گاتی پنکتی
۰۰-۱ ورندگان
۱۰-۱ فلمی نغمے

شام

۳۰-۵ یووا سنسار
۱۰-۶ پرادیشک گیت
۳۰-۶ کرشی جگت
۰۰-۷ گرامین سنسار
۰۰-۸ وکاس کلب
۳۰-۸ سور منجری
۱۶-۹ ایک فلم سے ' لیڈر '

ہفتہ ۲۷ اگست

صبح

۱۰-۷، شام ۴۵-۷
ستیش چندر سترہ : سگم سنگیت
۲۵-۷ حصار ضلع کی چھٹی
۳۰-۷ کشوری امونکر : گائن
۲۱-۸، دوپہر ۲۰-۲
رام کمار سبھروال اور
جگدیش چندر چوہان : لوک سنگیت
۴۰-۸ طلبا کیلئے

دوپہر

۳۰-۱۲ پھر سنیئے
۰۰-۱ ورندگان
۱۰-۱ خط آپ کے گیت ہمارے

شام

۳۰-۵ یووا سنسار
نوجوانوں کی پسند
۱۰-۶ پرادیشک گیت
۳۰-۶ کرشی جگت
۰۰-۷ گرامین سنسار
۰۰-۸ ہریانہ درشن
۳۰-۸ سور منجری
۱۶-۹ ایک فلم سے ' بے گناہ قیدی '

اتوار ۲۸ اگست

صبح

۱۰-۷ وندنا واجپئی ، سگم سنگیت
۲۵-۷ انبالہ ضلع کی چھٹی
۳۰-۷ پنڈت اونکار ناتھ ٹھاکر :
کلاسیکی موسیقی
۲۱-۸ بال کنج
۰۵-۹ اس ماس کا گیت

دوپہر

۳۰-۱۲ ناری جگت
۰۰-۱ کھلا آکاش

شام

۳۰-۵ یووا سنسار
نوجوانوں کی پسند
۱۰-۶ پرادیشک گیت
۳۰-۶ کرشی جگت
۰۰-۷ گرامین سنسار
۴۵-۷ وندنا واجپئی ، سگم سنگیت
۴۵-۸ آج اتوار ہے
۳۰-۸ سور منجری
۱۶-۹ ایک فلم سے ' لال چنریا '
۰۰-۱۰ پرانی فلموں سے

پیر ۲۹ اگست

صبح

۱۰-۷، شام ۴۵-۷
مدھو بالا سکسینہ : سگم سنگیت
۲۵-۷ بھوانی ضلع کی چھٹی
۳۰-۷، رات ۰۰-۱۰
رویندر دیو : ستار
۲۰-۸، دوپہر ۲۰-۲
کرتار سنگھ اور رام کمار شرما :
لوک سنگیت

دوپہر

۳۰-۱۲ ملے جلے گانے
۰۰-۱ ورندگان

شام

۳۰-۵ یووا سنسار (انگریزی)
۱۰-۶ پرادیشک گیت
۳۰-۶ کرشی جگت
۰۰-۷ گرامین سنسار
۰۰-۸ انگریزی تقریر
۱۶-۹ ایک فلم سے ' جیو اور جینے دو '

منگل ۳۰ اگست

صبح

۱۰-۷، شام ۴۵-۷
رما سین ، سگم سنگیت

۷-۲۵ ، کرنال ضلع کی چٹھی
۷-۳۰ ، امجد علی خاں ، سرود
۸-۲۱ ، دوپہر ۲-۲۰
جے بھگوان کوشک ،
لوک سنگیت
۸-۴۰ طلبا کیلئے
دوپہر
۱۲-۳۰ لائبریری سے انتخاب
۱-۰۰ ورندگان
۱-۱۰ آپ کی فرمائش
شام
۵-۳۰ یووانسار
میری پسند
۶-۱۰ پرادنشک گیت
۶-۳۰ کرشی جگت
۷-۰۰ گرامین سنسار
۸-۰۰ ہندی کویتا پاٹھ
۸-۳۰ سور منجری
۹-۱۶ ایک فلم سے ، گنگا دھام ،
۱۰-۰۰ پرانی فلموں سے

بدھ ۳۱ اگست

صبح
۷-۱۰ ، شام ۴-۴۵ ،
بربنس لال آہوجہ ، سگم سنگیت
۷-۲۵ کوروکشیتر ضلع کی چٹھی
۷-۳۰ ، رات ۱۰-۰۰
پنڈت منی رام ، کلاسیکی موسیقی
۸-۲۱ ظہور میر اور جے نند ؛
لوک سنگیت
۸-۴۰ طلبا کیلئے
دوپہر
۱۲-۳۰ دھرتی کے گیت
۱-۰۰ کترنیں
شام
۵-۳۰ یووانسار
کھیل سماچار
۶-۱۰ ننھے منے ،
گیت ، کہانی
۶-۳۰ کرشی جگت
۷-۰۰ گرامین سنسار
۸-۰۰ ہندی تقریر
۹-۱۶ ایک فلم سے
'میرے محبوب'
۹-۲۰ چرچا کا وشیہ ہے

شملہ

میڈیم ویو ۳۱۸.۱۶ میٹر ۹۴۳ کلوہرٹز
شارٹ ویو صبح ۵-۴۵/۴-۴۵ سے ۷-۳۰ اور شام ۶-۰۰/۶-۳۰ سے رات ۱۲-۰۰
۹۳.۰۹ میٹر ۳۲۲۳ کلوہرٹز
صبح ۷-۴۵ سے ۹-۳۰ اور ۹-۴۵ سے شام ۴-۴۵/۵-۲۴ اور
شام ۵-۰۰ سے ۶-۱۵ تک ۴۹.۱۳ میٹر ۶۰۳۰ کلوہرٹز

خبریں

ہندی: صبح ۸-۰۰ دوپہر ۱-۰۵/۲-۱۰ شام ۶-۰۵ اور رات ۸-۴۵
انگریزی: صبح ۸-۱۰ دوپہر ۱-۰۰/۲-۰۰ اور رات ۹-۰۰
سنسکرت: صبح ۷-۰۰ اردو: صبح ۸-۵۰

روزانہ نشر ہونیوالے پروگرام

صبح
۶-۲۵ گیان انمول دھنا
۶-۵۵ کھیتی باڑی
۷-۰۵ پروگراموں کا خلاصہ
۷-۱۰ کلاسیکی موسیقی
۷-۲۰ سامائیکی
۷-۲۵ پہاڑی سنگیت
۹-۰۰ ڈاکیہ کی چٹھی ، موسم کا حال
۹-۳۰ اختتام
دوپہر
۱۲-۰۰ اسکول براڈکاسٹ
۱۲-۲۰ اختتام

۱-۱۰ فوجی بھائیوں کے لیے پروگرام
۲-۲۰ سنہری کرنیں
۲-۳۰ سب رنگ
۳-۰۰ اختتام
شام
۵-۰۰ ہماچل پروگرام ([illegible])
(اتوار ، منگل ، جمعہ)
کنری پروگرام (پیر ، جمعرات)
چمبیالی پروگرام (بدھ ، ہفتہ)
۵-۳۰ کلوی پروگرام (اتوار ، بدھ)
جانسوی پروگرام (پیر ، جمعہ)
سرمگوری پروگرام (منگل ، ہفتہ)
پنجوتو (جمعرات)

۶-۰۰ ضلع کی چٹھی ، پہاڑی دھن
۶-۱۵ کانگڑی پروگرام (اتوار ، جمعرات)
منڈیالی پروگرام (پیر ، جمعہ)
بلاسپوری پروگرام (منگل ، ہفتہ)
خواتین کے لیے (بدھ)
۶-۱۰ مقامی اعلانات اور پروگراموں کا خلاصہ
۶-۲۵ علاقائی خبریں
۷-۰۵ کرشی جگت دیہاتی بھائیوں کیلئے
۷-۳۵ گرامین یووان کے لیے
۸-۰۰ دھارا رے گیت
۱۰-۳۰ اختتام (ہفتہ ، منگل کو ۱۱-۰۵ پر)

منگل ۱۶ اگست

صبح
۶-۲۰ اروندو کے خیالات
۷-۱۰ پربھودیو ، گائن
۷-۴۰ پریوار کلیان پر مبنی گیت
۷-۵۵ سمے کی بات
۸-۲۱ سگم سنگیت
۸-۳۵ سیاحوں کیلئے
۹-۰۵ راگ چھایا
رات
۸-۱۵ سگم سنگیت
۸-۲۵ سب رس
۹-۱۶ وکاس یاترا
۹-۴۵ سگم سنگیت
۱۰-۰۰ منگل شب کی محفل موسیقی

بدھ ۱۷ اگست

صبح
۶-۲۰ بھگوت گیتا سے
۷-۳۰ کرناٹک سنگیت
۷-۴۰ جیون جیوتی
'گوسوامی تلسی داس'
۸-۲۱ ٹھمری دادرا
۸-۳۵ امر بھارتی
۹-۰۵ ایک فلم کے گیت
رات
۸-۱۵ سماچار درشن
۸-۲۵ سگم سنگیت
۸-۳۵ ساز سنگیت
۹-۱۶ گھر آنگن
۹-۳۰ چرچا کا وشیہ ہے

جمعرات ۱۸ اگست

صبح
۶-۲۰ مراٹھی سنتوں کی بانی سے
۷-۱۰ پنڈت اونکارناتھ ٹھاکر ، گائن
۷-۴۰ اس ماس کا گیت
۸-۲۱ پنجابی گیت
۸-۳۵ ریڈیو ڈاکٹر
۹-۰۵ ایک کلاکار
رات
۸-۱۵ مہندر سنگھ ، غزلیں
۸-۲۵ پریوار کلیان
۹-۱۶ آپ کا پتر ملا
۹-۳۰ کھیل پتریکا

جمعہ ۱۹ اگست

صبح
۶-۲۰ بھارتیہ درشن سے
۷-۱۰ پرارتھنا سبھا
۷-۵۵ سمے کی بات
۸-۲۱ شوبھا گورٹو ، غزلیں
۸-۳۵ ، رات ۸-۳۵
ساز سنگیت
۹-۱۶ ہندی تقریر
۹-۳۰ ہندی ڈرامہ
۱۰-۰۰ من بھاون

ہفتہ ۲۰ اگست

صبح
۶-۲۰ کشمیری سنتوں کی وانی سے
۷-۱۰ کلاسیکی موسیقی
۷-۴۰ پرکاش کرن
۸-۲۱ علاقائی سنگیت
۹-۰۵ رس دھارا
رات
۸-۱۵ اجیت کور ، سگم سنگیت
۸-۲۵ فلمی سنگیت
۹-۳۰ نیشنل پروگرام ، موسیقی

اتوار ۲۱ اگست

صبح
۶-۲۰ جواہر لال نہرو کے خیالات
۷-۱۰ کلاسیکی موسیقی
۷-۴۰ دلکش گیت
۹-۱۵ ان دنوں
۹-۳۰ بالنس گان
۹-۴۵ وگیان جیون
۱۱-۰۰ ڈرامہ
دوپہر
۱۲-۰۰ کوی گوشٹھی
۱۲-۳۰ بال گوپال
۲-۰۰ ونیتا منڈل
رات
۸-۱۵ سماچار درشن
۸-۲۵ کلاسیکی موسیقی
کمار گندھرو ، گائن
۹-۱۶ قانون اور ونیکتی
۹-۳۰ گیت پہاڑا رے
پہاڑی گیتوں کا پروگرام

پیر ۲۲ اگست

صبح

۶-۲۰ اروندو کے خیالات
۷-۱ سرود وادن
۷-۱ جیون جیوتی
'یوگی اروند'
۸-۲ شبد
۸-۳۰ کلام شاعر
۹-۰ پرانی فلموں سے

رات

۸-۱ نیوز ریل اسپورٹس
۸-۳۰ دلیش گان
۹-۱۶ ہیم ترنگنی
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : ہندی تقریر
۹-۴ سگم سنگیت
۱۰-۰۰ کلاسیکی موسیقی

منگل ۲۳ اگست

صبح

۶-۲۰ اپنشدوں سے
۷-۱۰ گاتش
۷-۵۵ سمے کی بات
۸-۲۱ سگم سنگیت
۸-۲۵ کھیل سمیکشا
۹-۰۵ راگ چھایا

رات

۸-۱۵ سگم سنگیت
۸-۲۵ سب رس
۹-۱۶ ریڈیو ڈاکٹر
۱۰-۰۰ منگل شب کی محفل موسیقی

بدھ ۲۴ اگست

صبح

۶-۲۰ سردار پٹیل کے خیالات
۷-۱۰ کرناٹک سنگیت
۷-۴۰ جیون جیوتی
۸-۲۱ ٹھمری دادرا
۸-۳۵ مہابھارت سے
۹-۰۵ ایک فلم کے گیت

رات

۸-۱۵ سماچار درشن
۸-۲۵ سرلا کپور ، سگم سنگیت
۸-۳۵ ساز سنگیت
۹-۱۶ گھر آنگن

جمعرات ۲۵ اگست

صبح

۶-۲۰ مولانا آزاد کے خیالات
۷-۱۰ کلاسیکی موسیقی
۷-۴۰ اس ماس کا گیت
۸-۲۱ ستیش چند ، پنجابی گیت
۸-۳۵ ریڈیو ڈاکٹر
۹-۰۵ ایک کلاکار

رات

۸-۱۵ غزلیں
۸-۲۵ پریوار کلیان
۸-۳۰ بھگتی سنگیت
۹-۱۶ آپ کا پتر ملا
۹-۳۰ نیشنل پروگرام ، ناٹک

جمعہ ۲۶ اگست

صبح

۶-۲۰ سوامی وویکانند کے خیالات
۷-۱۰ پرارتھنا سبھا
۷-۴۰ ترنگ ، کلام شاعر
۷-۵۵ سمے کی بات
۸-۲۱ ، رات ۸-۲۵ سگم سنگیت
۹-۰۵ محفل

رات

۸-۱۵ سماچار درشن
۸-۳۵ ساز سنگیت
۹-۱۶ ہندی تقریر
۹-۳۰ ہندی ناٹک
۱۰-۰۰ من بھاون
پرانی فلموں سے فرمائشی گیت

ہفتہ ۲۷ اگست

صبح

۶-۲۰ گاندھی جی کے خیالات
۷-۱۰ کلاسیکی موسیقی
۷-۴۰ پرکاش کرن
۸-۲۱ علاقائی سنگیت
۸-۳۰ انگریزی سبق
۹-۰۵ رس دھارا

رات

۸-۱۵ سگم سنگیت
۸-۳۵ ساز سنگیت
۹-۱۶ ہیم درشن

سورج تنویر

راہ منزل کا کہیں کوئی نشاں تک بھی نہیں
کارواں کیا، اب تو گردِ کارواں تک بھی نہیں
ہم کیسے ہم راز سمجھیں اور کس کو ہم خیال
کوئی جب محفل میں اپنا ہم زباں تک بھی نہیں
گیسوؤں کی چھاؤں کے سپنے بہت دیکھے گئے
سر پہ لیکن سایہ ابرِ رواں تک بھی نہیں
انتہائے جبر کہیے یا کمال ضبط ہے
آج مظلوموں کے ہونٹوں پر فغاں تک بھی نہیں
دل ہے کیوں پھر بھی گرفتارِ امیدِ التفات
جبکہ وہ نامہرباں، نامہرباں تک بھی نہیں
آگ بھڑکائیں نہ یوں آتش نوایانِ چمن
ورنہ پھر محفوظ شاخِ آشیاں تک بھی نہیں

جل بجھا تنویرؔ شاید سارا شہرِ آرزو
اب ہے خاکستر ہی خاکستر دھواں تک بھی نہیں

(جالندھر سے نشر)

اتوار ۲۸ اگست

صبح

۶-۲۰ سوامی رام تیرتھ کے خیالات
۷-۱۰ کلاسیکی موسیقی
۷-۴۰ دیش گان
۸-۲۱ آپ کی چٹھی آپ کی فرمائش
۹-۱۵ اِن دنوں
۹-۳۰ مانس گان
۹-۴۵ وگیان اور جیون
۱۰-۰۰ یووا وانی
۱۱-۰۰ پریوار کلیان پر مبنی ڈرامہ

دوپہر

۱۲-۳۰ بال گوپال
۲-۰۰ ونیتا منڈل

رات

۸-۱۵ سماچار درشن
۸-۲۵ کلاسیکی موسیقی
۸-۳۵ ساز سنگیت
۹-۱۶ شرنکوں کیلئے
۹-۳۰ گیت بہاڑ رے

پیر ۲۹ اگست

صبح

۶-۲۰ مہاتما بدھ کے خیالات
۷-۲۵ ریڈیو شروتا کلبوں سے
۸-۲۱ شبد
۸-۲۵ پہاڑی کویتا پاٹھ
۹-۰۵ پرانی فلموں سے

رات

۸-۱۵ نیوز ریل اسپورٹس
۸-۲۵ دیش گان
۹-۱۶ مارچ آف سائنس
۹-۳۰ نیشنل پروگرام ، ہندی تقریر
۹-۴۵ سگم سنگیت
۱۰-۰۰ کلاسیکی موسیقی

منگل ۳۰ اگست

صبح

۶-۲۰ گاندھی جی کے خیالات
۷-۱۰ ساز سنگیت
۷-۴۰ پریوار کلیان پر مبنی گیت
۷-۵۵ سمے کی بات
۸-۲۱ ، رات ۸-۲۵ سگم سنگیت
۹-۰۵ راگ چھایا

رات

۸-۲۵ سب رس
۹-۱۶ بھارت بھارتی
۹-۳۰ نیشنل پروگرام ، انگریزی تقریر
۱۰-۰۰ منگل شب کی محفل موسیقی

بدھ ۳۱ اگست

صبح

۶-۲۰ مہارشی رمن کے خیالات
۷-۱۰ کرناٹک سنگیت
۷-۴۰ جیون جیوتی
۸-۲۱ کلاسیکی موسیقی
۹-۰۵ ایک فلم کے گیت

رات

۸-۱۵ سماچار درشن
۸-۲۵ سگم سنگیت
۸-۳۵ وادیہ ورند
۹-۱۶ جھلکی
۹-۳۰ چرچا کا وشے ہے

جے پور، اجمیر

جے پور الف ۲۰۳/۱ میٹر ۱۴۷۶ کلوہرٹز　جے پور (ب) ۲۲۶/۲ میٹر ۱۳۲۹ کلوہرٹز　اجمیر ۴۹۷/۵ میٹر ۶۰۳ کلوہرٹز

خبریں

ہندی: صبح ۸-۰۰، دوپہر ۱-۰۵، ۲-۱۰، ۳-۴۵ شام ۶-۰۵ رات ۸-۴۵ (پیر، منگل، ہفتہ، اتوار ۱۱-۰۵ بجے)

انگریزی: صبح ۸-۱۰ دوپہر ۱-۰۰، ۲-۰۰ شام ۶-۰۰ رات ۹-۰۰ (پیر، منگل، ہفتہ، اتوار ۱۱-۰۰ بجے)

صوبائی (ہندی) صبح ۹-۰۵ شام ۷-۰۵ (راجستھانی) شام ۷-۱۵

سندھی: صبح ۸-۴۰، شام ۶-۱۵ سنسکرت: صبح ۷-۰۰، شام ۶-۱۰ سماچار پتر (ہندی) صبح ۹-۰۰

روزانہ نشر ہونیوالے پروگرام

صبح

۶-۳۰ منگل دھونی، وندے ماترم

۶-۳۵ وندنا

۷-۰۵ روپ ریکھا اور موسم

۷-۱۰ گرساں ری بات، بازار بھاؤ (وندنا)

۷-۲۰ رامائن پاٹھ

۷-۳۰ سامائکی

۸-۵۰ رس دھارا (سوائے اتوار)

سور گنگا (اتوار)

۱۰-۱۵ اختتام (سوائے ہفتہ، اتوار)

(ہفتہ کو ۱۰-۵۰ اور اتوار ۱۱-۳۰)

دوپہر

۱-۵۰ کرشی لوک اور موسم (سوائے اتوار)

۳-۱۰ اختتام

شام

۵-۰۵ یووا وانی (نوجوانوں کے لیے پروگرام)

۶-۰۰ مقامی اعلانات اور پروگراموں کا خلاصہ

۷-۲۵ ضلع کی چٹھی

۷-۳۰ کرشکوں کیلئے (کسانوں کے لیے پروگرام)

رات

۱۰-۳۰ اختتام (بدھ، جمعرات، جمعہ)

۱۱-۱۰ اختتام (پیر، منگل، ہفتہ، اتوار)

منگل ۱۶ اگست

صبح

۸-۳۰ دیو وانی

سنسکرت میں تقریر

از آر۔ پی شاستری

رات

۸-۰۰ گوشٹھی: کویتا، کہانی

۹-۱۵ کھلا آکاش

انٹرویو پر مبنی پروگرام

۹-۳۰ سندھی پروگرام

بدھ ۱۷ اگست

صبح

۸-۳۰ راجستھلی

راجستھانی میں تقریر

شام

۶-۳۰ سندھی پروگرام

رات

۸-۰۰ سواستھ چرچا

۹-۱۶ کھلا آکاش: بات چیت

از جے۔ این۔ گلر شیٹھ

۱۰-۳۰ راجستھانی گیت

جمعرات ۱۸ اگست

صبح

شام

۶-۳۵ ترجمان کے سور

رات

۸-۰۰ راجستھلی

راجستھانی راس دھارا

جمعہ ۱۹ اگست

صبح

۷-۳۰ شاستریہ سنگیت

شام

۶-۲۵ مرو وانی

راجستھانی کہانی

از پریم لتا پاریک

۱۰-۳۰ شاستریہ سنگیت

ہفتہ ۲۰ اگست

شام

۵-۰۵ یووا وانی

نوجوانوں کے لیے پروگرام

۹-۱۶ کھلا آکاش

اتوار ۲۱ اگست

صبح

۷-۱۰ پرکاش کرن

۹-۱۵ ممکل: بچوں کا پروگرام

دوپہر

۲-۳۰ پریرنا

رات

۱۰-۰۰ راجستھانی پتریکا پروگرام

راجستھانی رو ناٹک ساہتیہ

راجستھانی کاویہ پاٹھ

پیر ۲۲ اگست

صبح

۷-۳۰ راجستھانی گیت

دوپہر

۱-۵۰ کرشی لوک

شام

۶-۳۰ اُدیوگ جگت

نئے آرتھک درشٹی کون

۸-۰۰ راجستھلی

منگل ۲۳ اگست

صبح

۸-۳۰ دیو وانی

دوپہر

۱-۱۰ سہیلیاں ری باڑی

رات

۹-۱۶ کھلا آکاش

لڑکیاں کیوں پڑھیں: مباحثہ

۹-۳۰ سندھی پروگرام

بدھ ۲۴ اگست

صبح

۸-۳۰ راجستھلی

راجستھانی میں تقریر

از بدھی پاریک

دوپہر

۱-۳۰ شاستریہ سنگیت

رات

۸-۰۰ سواستھ چرچا

۹-۱۶ کھلا آکاش

آپ کا روزگار اور بینک

بات چیت

جمعرات ۲۵ اگست

صبح

۷-۳۰ شاستریہ سنگیت

رات

۸-۰۰ راجستھلی: روپک

ہدایت کار سلطان سنگھ

جمعہ ۲۶ اگست

صبح ۷-۳۰ شاستریہ سنگیت

۸-۱۸ ساہتیہ سدھا

۸-۳۰ پرارتھنا سبھا

شام

۶-۲۵ مرو وانی: راجستھانی

۹-۳۰ راجستھانی کوی گوشٹھی

ہفتہ ۲۷ اگست

صبح

۷-۳۰ شاستریہ سنگیت

شام

۵-۰۵ یووا وانی

نوجوانوں کے لیے پروگرام

۸-۰۰ کہکشاں: اردو پروگرام

۹-۱۶ کھلا آکاش

اتوار ۲۸ اگست

صبح

۷-۱۰ پرکاش کرن

۷-۳۰ مانس گان

۱۰-۰۰ سندھی پروگرام

دوپہر

۱۲-۰۰ مہیلا جگت

عورتوں کے لیے پروگرام

رات

۸-۰۰ انگریزی تقریر

۱۰-۰۰ کھیل جگت

۱۰-۳۰ شاستریہ سنگیت

پیر ۲۹ اگست

صبح

۷-۳۰ شاستریہ سنگیت

۹-۱۰ لوک گیت

دوپہر

۱۲-۳۰ اندر دھنش

شام

۶-۳۰ ادیوگ جگت

۸-۰۰ راجستھلی

منگل ۳۰ اگست

صبح

۸-۳۰ دیو وانی

سنسکرت پروگرام

دوپہر

۱-۱۰ سہیلیاں ری باڑی

(آگے ص...)

بھوپال، رائپور، گوالیار، جبلپور

بھوپال الف ۲/۲۰۲ میٹر ۱۴۸۵ کلوہرٹز   بھوپال ب ۲/۳ ۳۳۳ میٹر ۱۳۴۴ کلوہرٹز

شارٹ ویو

صبح ۳-۳۵/ ۵-۴۵ سے ۷-۳۵ — ۳۳۱۵ کلوہرٹز
صبح ۸-۰۰ سے ۹-۳۰/ ۹-۳۵ — ۷۱۸۰ کلوہرٹز
صبح ۹-۴۵ سے شام ۵-۱۵/ ۵-۳۵ — ۹۶۹۰ کلوہرٹز
شام ۵-۳۰ سے رات ۱۲-۰۰ — ۳۳۱۵ کلوہرٹز

رائے پور: ۹/۵-۳۰ میٹر ۹۸۱ کلوہرٹز   گوالیار: ۲۱۶/۳ میٹر ۱۳۸۶ کلوہرٹز   جبلپور ۲۶۵/۲ میٹر ۱۱۳۰ کلوہرٹز

خبریں

ی: صبح ۸-۰۰، ۵-۰۰، ۹ (پرادیشک) دوپہر ۱-۰۵، ۱-۰۰، ۲-۳۵، ۲ شام ۶-۰۵ رات ۸-۴۵ (۵-۰۰، ۱۱ صرف ہفتہ کو)
ی: صبح ۸-۱۰ دوپہر ۱-۰۰ شام ۶-۰۰ رات ۹-۰۰ (۱۱-۰۰ صرف ہفتے کو)

منگل ۱۶ راگست

... ۷، دوپہر ۲-۳۰
جگدیش سنگھ ٹھاکر : لوک گیت
... ۷ جگدیش پرشاد : اپ شاستریہ سنگیت
... ۸ مالا ورما ، سگم سنگیت
... ۸ آئینہ : اردو پروگرام
'اردو ناول ــ ایک جائزہ'، مباحثہ
شرکا، فضل تابش، قاضی عبدالستار
اور حسن ایوبی

دوپہر

... ۱ کاویہ دھارا
نوین چتر ویدی

... ۸ پستک سمیکشا
تحریر : کرشن کملیش

بدھ ۱۷ راگست

صبح

... ۷، دوپہر ۲-۳۰
درگا پرشاد کچھولیے اور ساتھی،
لوک گیت
... ۸، دوپہر ۱-۳۰
بی-ایم-مولے : سگم سنگیت
... ۸، رات ۱۰-۰۰
میرا-وی-راؤ : خیال

رات

۸-۰۰ کاویہ پاٹھ
شری رام تیواری
۹-۲۰ 'حقدار'، جھلکی
تحریر : صولت سعید

جمعرات ۱۸ راگست

صبح

۷-۴۵ حفیظ احمد خاں ، اپ شاستریہ سنگیت
۸-۲۱، دوپہر ۱-۳۰
کیرتی شرما ، سگم سنگیت
۸-۳۰ سیارام تیواری : دھرپد

دوپہر

۲-۳۰ رجنی پروہت : لوک گیت

رات

۱۰-۰۰ اسمعیل دودو خاں : طبلہ

جمعہ ۱۹ راگست

صبح

۸-۲۱ رکشپال ورما ، سگم سنگیت

دوپہر

۲-۳۰ میرا سرائٹھے : لوک گیت

رات

۸-۰۰ کہکشاں : اردو پروگرام
(۱) 'گیتا ـ عمل کا پیغام'، تقریر از
ڈاکٹر چندر پرکاش ورما
(۲) سعادت بن اشرف : کلام غالب
۹-۳۰ 'ترس' : ناٹک
تحریر : کمل جوشی

ہفتہ ۲۰ راگست

صبح

۸-۲۱ نرملا دیولیا ، سگم سنگیت

دوپہر

۱-۲۰ نئی رچنا
کہانی از ہنسا دیپ
۲-۳۰ نانک رام پاسرکر ، لوک گیت

اتوار ۲۱ راگست

صبح

۹-۵۰ سبدھ سنگیت
دیانند دیو گندھرو ، خیال

دوپہر

۲-۳۰ چھوٹے لال بیندرا اور ساتھی ،
لوک گیت

رات

۸-۱۵ انگریزی تقریر از ڈاکٹر ڈی وی لیلے

پیر ۲۲ راگست

صبح

۸-۲۱ سریکھا گندھے : سگم سنگیت

دوپہر

۲-۳۰ دیپا چندر شرما و ساتھی : لوک گیت

رات

۸-۱۵ ہندی تقریر از پربھاکر جوشی
۱۰-۰۰ سرجنا
کہانی از بلراج مینرا

منگل ۲۳ راگست

صبح

۸-۲۱ شہد امیراں ، سگم سنگیت
۸-۳۰ آئینہ : اردو پروگرام
'قصہ چہار درویش'

دوپہر

۱-۲۵ کاویہ دھارا
شلیندر ورما
۲-۳۰ سدھا ماتھر : لوک گیت

رات

۸-۱۵ ہندی تقریر از اکشیہ کمار جین

بدھ ۲۴ راگست

صبح

۸-۲۱ پشپا بھاوے : سگم سنگیت
۸-۳۰ بالاصاحب پونچھوالے : گائن

دوپہر

۲-۳۰ رام سوروپ التونیہ : لوک گیت

رات

۸-۰۰ کہانی از منظور احتشام
۹-۳۰ ترنگ
'گمعر چکرم'، جھلکی
تحریر : اوم اپادھیائے
۱۰-۰۰ روپک از عظیم الدین

جمعرات ۲۵ راگست

صبح

۸-۲۱ ششکلا گپتا ، سگم سنگیت
۸-۳۰ شاردا پرساد بھٹ ، ٹھمری

دوپہر

۲-۳۰ رودر دت دوبے ، لوک گیت

رات

۸-۰۰ ہندی تقریر از آر-پی-سکینہ

جمعہ ۲۶ راگست

صبح

۸-۲۱ انامیکا تیواری ، سگم سنگیت

دوپہر

۲-۳۰ کملا بائی مشرا اور سکھیاں ، لوک گیت

رات

۸-۰۰ کہکشاں ، اردو پروگرام
(۱) 'بھوپال اور افسانہ'، تقریر از
اخلاق اثر
(۲) کلام شاعر، آنند موہن اعجاز
(۳) افسانہ از گلرخ سلطان
۱۰-۳۰ رسک لال اندھریا ، خیال

ہفتہ ۲۷ راگست

صبح

۸-۲۱ کرشن رائے چودھری ، سگم سنگیت

دوپہر

۱-۲۰ نئی رچنا
کاویہ پاٹھ از اشوک وقت
۲-۳۰ جسودا بائی گجریا و سہیلیاں ،
لوک گیت

شام

۷-۴۵ کھلا آکاش از
جعفر بیگ

اتوار ۲۸ راگست

صبح

۱۰-۰۰ مادھو امیڈکر : خیال

دوپہر

۲-۳۰ رام چرن منکیلے ، لوک گیت

رات

۸-۱۵ انگریزی تقریر از
پی آر باجپئی
۹-۳۰ 'من کا میل'، ناٹک
تحریر : رئیس خاں

پیر ۲۹ اگست

صبح

۸-۲۱ جے راج موٹوانی ، سگم سنگیت

۸-۳۰ ارمیداس گپتا ، دادرا

دوپہر

۲-۳۰ موتی رام سہائے اور ساتھی ، لوک گیت

دوپہر

۲-۳۰ گمنام داس ، لوک گیت

رات

۸-۰۰ اوم پرکاش مہرہ ، کاویہ پاٹھ

۹-۳۰ ترنگ

ناٹک از عظیم الدین

۱۰-۰۰ پنالال کوشتھی ، ستار

۱۰-۳۰ ڈاگر بندھو ، دھرپد

منگل ۳۰ اگست

صبح

۸-۳۰ آئینہ ، اردو پروگرام
قصہ چہار درویش

دوپہر

۱-۱۰ 'پرکاش کی اور'
تحریر ، دھنالال شاہ

۱-۳۰ اوشا نامدار ، سگم سنگیت

۲-۳۰ رتن لال کشواہا اور ساتھی ، لوک گیت

رات

۸-۱۵ ہندی تقریر از ڈاکٹر محسن رضوی

بقیہ: جے پور

رات

۸-۰۰ گوشٹھی : کہانی وکویتا

۹-۱۶ کھلا آکاش

بدھ ۳۱ اگست

صبح

۷-۳۰ شاستریہ سنگیت

۸-۳۰ راجستھلی

شام

۶-۳۰ سندھی پروگرام

۸-۰۰ سواستھ چرچا

۹-۱۶ کھلا آکاش

بدھ ۳۱ اگست

صبح

۸-۲۱ جے شری بھٹے ، سگم سنگیت

ناگپور

۵۱۲/۸ میٹر ، ۵۸۵ کلو ہرٹز

خصوصی اردو پروگرام 'محفل'

پیر ۲۲ اگست

رات

۱۰-۳۰ شگوفے
مزاحیہ بات چیت از اسداللہ
میرا پیشہ ، میری زندگی
(معاشی طور پر پسماندہ لوگوں سے انٹرویو)
اردو ڈرامہ
ایک جائزہ : بات چیت
از معزالدین فاروق
سازو نغمہ : غزل

پیر ۲۹ اگست

رات

۱۰-۳۰ بات چیت
بچوں میں جرائم
وجوہات اور روک تھام
از اعجاز شمس
بیت بازی
(شرکاء نوجوان طلباء و طالبات)
سازو نغمہ : غزل

حیدرآباد

حیدرآباد الف [illegible] میٹر [illegible] کلوہرٹز ، حیدرآباد ب [illegible]

ہفتہ وار نشر ہونیوالے اردو پروگرام

اتوار

صبح

۸-۲۵ یووانی
گلدستہ : نوجوانوں پر مبنی پروگرام
فلمی گانے

۹-۳۰ بچوں کے لیے

۲-۳۰ بہنوں کے لیے

شام

۵-۳۰ ترنگ ، ورائٹی پروگرام

۵-۳۰ نیرنگ ، ڈرامہ

پیر

صبح

۸-۳۰ یووانی
قصوں کی دنیا ، فلمی گانے

شام

۵-۳۰ ترنگ ، کھیلوں پر تبصرہ
خطوں کے جواب ، فلمی گانے

۵-۳۰ نیرنگ : کہانی
سازی موسیقی ، کلام شاعر
افسانہ : گیت اور غزلیں

منگل

صبح

۸-۲۵ یووانی : اردو پروگرام
فلمی گانے

شام

۵-۳۰ ترنگ ، ادبی میگزین پروگرام

فلمی گانے

۹-۳۰ کہانی : سازی موسیقی
صنعتی مزدوروں کے لیے
دھولک کے گیت

بدھ

صبح ۸-۲۵ یووانی

شہرنامہ ، فلمی گانے

۲-۳۰ طلباء کے لیے
اسکول طلباء کے لیے

شام

۵-۳۰ ترنگ : اردو پروگرام
فلمی گانے

۹-۳۰ نیرنگ : کہانی
سازی موسیقی
شگوفے ، ہفتہ وار مزاحیہ پروگرام
خطوں کے جواب
افسانہ : غزلیں

جمعرات

صبح

۸-۲۵ یووانی : کلام شاعر
فلمی گانے

۲-۳۰ طلباء کے لیے
اسکول طلباء کے لیے

شام

۵-۳۰ ترنگ ، ورائٹی پروگرام

فلمی گانے

۹-۳۰ نیرنگ ، کہا[نی]
سازی موسیقی
دیہات کی تصو[یر]
گیت اور غز[لیں]

جمعہ

صبح

۷-۳۰ ایشور اللہ ، [illegible]
نعت شریف

۸-۳۰ یووانی ، [illegible]
فلمی گانے

شام

۵-۳۰ ترنگ ، میری [illegible]

۹-۳۰ نیرنگ ، کہانی
سازی موسیقی
گھریلو ڈائری [illegible]
ان کے لیے ، غز[لیں]

ہفتہ

صبح

۸-۲۵ یووانی ، [illegible]
فلمی گانے

شام

۵-۳۰ ترنگ ، ڈرا[مہ]
فلمی گانے

۹-۳۰ نیرنگ ، کہانی
موسیقی ، [illegible]
بھارت بھارتی [illegible]

خلیل املیزی

خوشی کی موج بڑی دل خراش دیکھی ہے
خزاں بدوش بہاروں کی لاش دیکھی ہے
نگارِ صبح کے جلووں کو دیکھنے والو
رُخِ حیات پہ میں نے خراش دیکھی ہے
ہلالِ عید تو دیکھا ہے بار بار تم نے
کسی غریب کے دل کی بھی قاش دیکھی ہے
نئے زمانے کی تہذیبِ نو ارے توبہ
کہ دوشِ مکر پہ ہر فن کی لاش دیکھی ہے
رہِ حیات کی ہر ہر چٹان دنیا نے
مرے بلند عزائم سے پاش دیکھی ہے
عجب معمہ سی ہے منزلِ محبت بھی
تری تلاش میں اپنی تلاش دیکھی ہے
بطرزِ راہبری رہزنی جو کرتی ہے
وہ رہ نمائی بڑی دل خراش دیکھی ہے
خلیلؔ زار مقدر میں ہے نشاطِ الم
پرانے زخم میں تازہ خراش دیکھی ہے

([illegible])

سرینگر

میڈیم ویو: سرینگر الف: ۸۰۱/۲۶۸ میٹر   سرینگر ب: ۲۴۵ میٹر ۱۲۲۳ کلو ہرٹز
شارٹ ویو: ۱۰/۴۹ میٹر ۶۱۱۰ کلو ہرٹز ۹۱/۵۶ میٹر ۳۲۷۷ کلو ہرٹز
پہلی مجلس: صبح ۶-۳۰ سے صبح ۱۰-۰۰ تک   دوسری مجلس دوپہر ۱۱-۳۰ سے
رات ۱۱-۰۵ تک (اتوار کو صبح ۶-۳۰ سے رات ۱۱-۰۵ تک مسلسل)

خبریں

...: صبح ۷-۱۵، شام ۶-۲۵   اردو: صبح ۸-۰۵، دوپہر ۱-۵۰، رات ۹-۱۵
...: صبح ۹-۰۰   سنسکرت: صبح ۷-۰۰   انگریزی: صبح ۸-۱۰، دوپہر ۲-۰۰   شام ۶-۰۰ رات ۹-۰۰ اور ۱۱-۰۰

علاقائی خبریں

اردو: صبح ۹-۲۰ دوپہر ۱۲-۳۰ شام ۴-۰۰ (دھیمی رفتار سے) اور رات ۷-۲۰
کشمیری: صبح ۹-۲۵ دوپہر ۱۲-۳۵ اور رات ۷-۳۰

روزانہ نشر ہونیوالے پروگرام

گاشہ پچھار روشنی
اور صبح گاہی (بھگتی سنگیت)
(روزانہ)
پروگراموں کا خلاصہ (روزانہ)
کشمیری موسیقی (روزانہ)
کاشتکاران بندہ خاطرہ
کاشتکاروں کے لیے پروگرام
روزانہ بغیر جمعہ کے
گاندھی کتھا (ہر جمعہ کو)
زون ڈب: سلسلہ وار فیچر
روزانہ بغیر ہفتہ
صوفی سنت شعرا کا کلام
ہر ہفتہ کو
غزلیں (روزانہ)
گھرانوں کے لیے پروگرام
ہر اتوار کو
صاو مزہ: میگزینوں سے
انتخاب (I-III پیر کو)
ذات بتراتھ (II، IV پیر کو)
زعفران زار
طنز و مزاح کا پروگرام
(I منگل کو)
سنگیت میگزین (II منگل کو)
ثقافت
کلچرل میگزین (III منگل کو)
فلم میگزین (IV منگل کو)
بادھ (عصری ادب)
(V منگل کو)
شش رنگ: ریڈیو ڈائجسٹ
(ہر بدھ کو)
اسش دگاش (ہر جمعرات کو)
گھر بارہ خاطرہ
گھرانوں کے لیے کشمیری پروگرام
(ہر جمعہ)
نوی تخلیق
(V III I ہفتہ کو)
تخلیق نو (II ہفتہ کو)
نو نیکس (IV ہفتہ کو)
۸-۴۵ ہندی میں بات چیت (ہر پیر کو)
حرف حرف (I ہفتہ کو)
موالی شعار (V III II ہفتہ کو)

برانگ (III ہفتہ کو)
۹-۰۵ اسس بیٹھے
ہفتے کے پروگراموں کی جھلک
(ہر اتوار کو)
سنطور
صوفیانہ کلام (ہر پیر کو)
ڈوگری سنگیت (ہر منگل کو)
غزلیں (ہر بدھ کو)
پوسٹ کارڈ افسانہ (ہر جمعرات کو)
اسرگرٹ ان دی پیک وہل
(IV II جمعہ کو)
غزلیں (V III I جمعہ کو)
کاشر ناول
کشمیری ناول (ہر ہفتہ کو)
۹-۳۰ تو ہنز فرمائش
سامعین کی فرمائش پر کشمیری گانے
(روزانہ)
۱۰-۰۰ ریڈیو نیوز ریل (ہر اتوار)
۱۰-۱۵ ہونہار
بچوں کے لیے پروگرام (ہر اتوار کو)
۱۱-۰۰ نو بہ نو
یو وا وانی سے انتخاب (III I اتوار کو)
کہکشاں
یو وا وانی سے انتخاب (II اتوار کو)
محفل موسیقی سے اقتباسات
(IV اتوار)
شوقیہ سنگیت کاروں کا گائن
(V اتوار)
۱۱-۳۰ ڈراموں کا نیشنل پروگرام
(دوبارہ) (I اتوار)
اردو میں کھیل (دوبارہ)
(II اتوار کو)
کشمیری میں کھیل (دوبارہ)
(III اتوار کو)
انتخاب: آرکیو سے انتخاب
(V اتوار کو)
دوپہر
۱۲-۰۰ اسکول براڈکاسٹ
(روزانہ بغیر اتوار)
۱۲-۴۰ بے اگاشش
غیر نصابی تعلیمی پروگرام
(ہر روز بغیر منگل اور جمعہ کے)

بھجن (ہر منگل کو)
نعتیں (ہر جمعہ کو)
۱-۰۰ مغربی موسیقی (ہر اتوار کو)
کشمیری موسیقی
(ہر روز بغیر اتوار)
۱-۳۰ الد ۳-۰۰
فوجی بھائیوں کے لیے پروگرام
(روزانہ)
۲-۱۰ شاستریہ سنگیت (روزانہ)
۲-۳۰ میجرس فورم (ہر اتوار)
موسیقی
(ہر پیر، منگل، بدھ، جمعرات
جمعہ اور ہفتہ کو)
سہ پہر
۴-۰۰ ہی مال
خواتین کے لیے پروگرام
(ہر اتوار کو)
مغربی موسیقی
(روزانہ بغیر اتوار)
۴-۳۰ پنجابی پروگرام
(اتوار، منگل اور جمعہ کو)
کیاری
جموں کشمیر اور لداخ کی موسیقی
(ہر پیر کو)
خوش حال گھرہ
ہوم سائنس کا پروگرام
(ہر ہفتہ کو)
شام
۵-۰۰ گوجری پروگرام
(جموں سے ریلے روزانہ)
۵-۳۵ گوجری پروگرام
(سرینگر سے ریلے روزانہ)
ضلع خبرنامہ (ہر پیر کو)
۶-۱۰ گامی بھایین بندہ خاطرہ پروگرام
۶-۱۵ (روزانہ)
۷-۵۵ روزگار سماچار (روزانہ)
۸-۰۰ وادی کی آواز
پاکستان اور پاکستانی مقبوضہ
کشمیر میں سننے والوں کے لیے
پروگرام (روزانہ)
۸-۳۰ کشمیری موسیقی (روزانہ)
رات
۸-۴۵ توہنز چیٹھی واتھ

کشمیری میں سامعین کے
خطوں کے جواب (ہر اتوار)
اردو میں بات چیت
(ہر پیر کو)
انگریزی میں بات چیت
(ہر منگل کو)
خط کے لیے شکریہ
اردو میں سامعین کے
خطوں کے جواب (ہر بدھ کو)
ہیلتھ فورم (ہر جمعرات کو)
کھیلوں پر جائزہ
(ہر جمعہ کو)
انگریزی میں بات چیت
(ہر ہفتہ کو)
۹-۳۰ سلسلہ وار کھیل (ہر اتوار کو)
کھیل کشمیری/اردو (ہر پیر کو)
وودھا
ہندی میں ادبی پروگرام
(I منگل کو)
سنگرمال (کشمیری میں
ادبی پروگرام)
(IV II منگل کو)
ہم قلم
(اردو میں ادبی پروگرام)
(III منگل کو)
سپنیکا (V منگل کو)
۹-۳۰ شام (دیس حکایات پر مبنی پروگرام)

(III I بدھ کو)
سائنس میگزین پروگرام
کشمیری/اردو
(IV II بدھ کو)
تصویر
ریاستی ترقیاتی پروگراموں
پر مبنی پروگرام
(V بدھ کو)
علاقائی موسیقی کا نیشنل پروگرام
(I جمعرات کو)
فیچروں کا نیشنل پروگرام
(II جمعرات)
گاشہ تارکھ
مشہور شعراء پر کشمیری فیچر
(III جمعرات)
ڈراموں کا نیشنل پروگرام
(IV جمعرات کو)
محفل
۱۰-۳۰ مشہور شخصیتوں سے گفتگو
(V جمعرات کو)
رائے ترائے
کشمیری میں گفتگو (I جمعہ کو)
گفتگو: اردو میں (II جمعہ کو)
بزم شعار (III جمعہ کو)
انگریزی میں فیچر (IV جمعہ کو)
مشاعرہ (اردو V جمعہ کو)

میانی زندگی میون کار
(I ہفتہ کو)
بزم سامعین
کشمیری میں دعو سامعین کے
سوالوں کے جواب
(IV II ہفتہ کو)
محفل موسیقی (III ہفتہ کو)
پتریکا: ہندی میں پروگرام
(V ہفتہ کو)
۱۰-۰۰ آپ کی فرمائش
(بدھ اور اتوار کو)
توہنز فرمائش (ہر منگل کو)
داستان (ہر جمعہ کو)
اسپورٹس میگزین
(II ہفتہ کو)
اپنی دھرتی اپنا دیش
(IV ہفتہ کو)
بزم قوالی (V ہفتہ کو)
۱۰-۳۰ ریڈیو ڈائری (روزانہ بغیر اتوار)
میانی پسند (I پیر کو)
پھر سنیے (ہر جمعہ کو)
تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
(پرانی فلموں کے نغمے)
(V III I ہفتہ کو)
شہر صدا
غزلوں کا پروگرام
(IV II ہفتہ کو)

منگل ۱۶ اگست

صبح
۷-۰۵ کرن کول: کشمیری سنگیت
۸-۰۰، دوپہر ۱۲-۰۰
تارا چکرورتی: غزلیں
۸-۲۱ ثقافت: کشمیری میگزین
(۱) سائنس لوکہ ادلبس منز سماجی شعور،
تقریراز ایم۔ایل۔ساقی
(۲) نیل مت پران اکھ تعارف،
از ایم ڈی ٹھنگ
(۳) امیتا دیو: ڈوگری سنگیت
۱۱-۳۰، دوپہر ۲-۳۰
شیخ عبدالعزیز اور ساتھی:
صوفیانہ موسیقی

دوپہر
۱۲-۴۰ بھجن
۱-۰۰ عبدالخالق کاوا اور ساتھی:
کشمیری لوک سنگیت
۲-۱۰ شاستریہ سنگیت
روشن علی: راگ دیسی، ٹھمری
۴-۳۰ پنجابی پروگرام
شام
۶-۱۰ کرن کول: غزل
۸-۳۰ ہیم لتا اور ماسٹر مدن: غزلیں
۸-۴۵ کشمیری میں بات چیت
۹-۳۰ 'ہم قلم'، اردو ادبی پروگرام

بدھ ۱۷ اگست

صبح
۷-۰۵ نسیم اختر: کشمیری سنگیت
۸-۰۰ احمد حسین، محمد حسین: غزلیں
۸-۲۱ شش رنگ: ریڈیو ڈائجسٹ
(۱) 'سون لباس - تاریخن مختلف
دورمنز'، تقریراز پروفیسر عبدالاحد
(۲) 'یہ تہ اکھ فن - پنن بول بجانس'،
تقریراز محمد شفیع پربتی
۹-۰۵ جمیل احمد: غزلیں
۱۱-۳۰، دوپہر ۲-۳۰، ۴-۳۰
محمد اکبر ڈار و ساتھی اور
غلام حسن صوفی و ساتھی:
کشمیری لوک سنگیت

دوپہر
۱-۰۰ محمد صدیق پانپوری، نسیم اختر:
کشمیری سنگیت
۲-۱۰ شنکر ابھینکر: ستار پر درگا کیشی
شام
۶-۱۰ نسیم اختر: غزل
۸-۴۵ خط کیلئے شکریہ
۹-۳۰ سام

جمعرات ۱۸ اگست

صبح
۷-۰۵ اومکار ناتھ کول: کشمیری سنگیت

۸.۰۰ نسیم اختر، غزلیں
۸.۲۱ آشس تہ گاش
۹.۰۵ پوسٹ کارڈ افسانہ اور سازینہ
۱۱.۳۰ عبدالخالق و ساتھی، صوفیانہ موسیقی

دوپہر
۱.۰۰ زون بیگم و ساتھی، کشمیری لوک سنگیت
۲.۱۰ شاستریہ سنگیت
رجنی کانت ڈیسائی، راگ بھیروی بہار
رسولن بائی، ٹھمری
۴.۳۰ پہاڑی پروگرام

شام
۶.۱۰ اومکار ناتھ کول، غزل
۸.۴۵ ہیلتھ فورم
۹.۳۰ گاشہ تارکھ

جمعہ ۱۹ اگست

صبح
۷.۰۵ راج بیگم: کشمیری سنگیت
۷.۱۵ گاندھی کتھا
۸.۰۰ پریتی چاولہ، غزلیں
۸.۲۱ گھر بارہ خاطرہ
۹.۰۵ سدھارتھ کول، غزلیں
۱۱.۳۰ (۱) محمد رمضان راتھر و ساتھی: کشمیری موسیقی
(۲) عبدالصمد و ساتھی، سرنائی

دوپہر
۱۲.۴۰ نعتیں اور منقبت
۱.۰۰ راج بیگم سدھارتھ کول: غزلیں
۲.۱۰ شاستریہ سنگیت
سنیل مکرجی: سرود وادن
۲.۳۰ محمد رمضان راتھر و ساتھی اور عبدالصمد بٹ و ساتھی، لوک سنگیت
۴.۳۰ پنجابی پروگرام

شام
۶.۱۰ راج بیگم، غزل
۸.۴۵ کھیلوں پر تبصرہ
۹.۳۰ بزم شعر
۱۰.۰۰ داستان
۱۰.۳۰ ریڈیو ڈائری

ہفتہ ۲۰ اگست

صبح
۷.۰۵ راجندر کمار کاچرو، کشمیری سنگیت
۸.۰۰ مہینے کا نغمہ
کرن کول، غزلیں
۸.۲۱ نو تخلیق
غلام محی الدین گوہر کا تازہ کلام
۸.۳۵ پراگ
۹.۰۵ کاشر ناول
۱۱.۳۰، دوپہر ۲.۳۰
ایم۔ اے۔ تبت بقال اور ساتھی، صوفیانہ موسیقی

دوپہر
۱.۰۰ غلام محمد ڈار و ساتھی، کشمیری لوک سنگیت
۲.۱۰ شاستریہ سنگیت
عبدالحلیم جعفر خاں، گائن
۴.۳۰ خوشحال گھرہ

شام
۶.۱۰ راجندر کمار کاچرو: غزل
۸.۴۵ 'نیو ورلڈ آف آرڈر' تقریر از او۔ این۔ کول
۹.۳۰ محفل موسیقی
غلام قادر حافظ اور ساتھی
۱۰.۰۰ ریڈیو ڈائری

اتوار ۲۱ اگست

صبح
۷.۰۵ وجے کمار ملا، کشمیری موسیقی
۸.۰۰ اقبال قریشی، غزلیں
۸.۲۱ گھر والوں کیلئے
'ہندو مت' تقریر از کاشی ناتھ در
۹.۰۵ اس ہفتے
۱۰.۰۰ ریڈیو نیوز ریل
۱۰.۱۵ ہونہار: اردو میں بچوں کیلئے
بچوں کے خطوں کے جواب
بچوں کی پسند ۔ نغمے
مسودہ اور پیشکش:
ماتھر امعصوم ۔ ریاض احمد
۱۱.۰۰ نوبہ نو
۱۱.۳۰ کشمیری میں کھیل

دوپہر
۱۲.۴۰ پراگاش
۱.۰۰ مغربی موسیقی
۲.۱۰ شاستریہ سنگیت
راجن مشرا، ساجن مشرا: گائن
۴.۰۰ ہی مال
۴.۳۰ پنجابی پروگرام

شام
۶.۱۰، ۸.۳۰
وجے کمار ملا، غزلیں
۸.۴۵ تو ہنز چٹھی واژ
۱۰.۰۰ آپکی فرمائش

پیر ۲۲ اگست

صبح
۷.۰۵ نرملا سپرو، کشمیری سنگیت
۸.۰۰ شانتی ہیرانند: غزلیں
۸.۲۱ ذات بترات
تحریر: ایس۔ ایل۔ پردیسی
۸.۳۵ ہندی بات چیت
۹.۰۵ 'سنطور'
استاد رمضان جو اور ساتھی
'مقام اداسی'
۱۱.۳۰، دوپہر ۲.۳۰
محمد سلطان وانی اور ساتھی: کشمیری/لوک موسیقی

دوپہر
۱.۰۰ ہلکی موسیقی (کشمیری)
نرملا سپرو اور رحمت اللہ خاں
۲.۱۰ ستار وادن
۴.۳۰ کیاری
مست فریدی: ڈوگری گیت
لال چند میلا جٹ: پنجابی گیت

شام
۶.۱۰ ضلع خبرنامہ
۸.۳۰ شانتی ہیرانند، غزلیں
۹.۳۰ 'یہ کیوتھ انتقام'، کشمیری کھیل
تحریر: زاہد جلال الدین
۱۰.۳۰ ریڈیو ڈائری، کشمیری موسیقی

منگل ۲۳ اگست

صبح
۷.۰۵ نرملا دیوی: کشمیری موسیقی
۸.۲۱ غلام مصطفےٰ خاں: غزلیں
۹.۰۵ امیتا شرما: ڈوگری سنگیت
۱۱.۳۰، دوپہر ۲.۳۰
غلام محمد ساز نواز اور ساتھی: صوفیانہ موسیقی

دوپہر
۱۲.۳۰ شوبیلا: بھجن
۱.۰۰ علی محمد شیخ اور ساتھی، کشمیری لوک سنگیت
۲.۱۰ شاستریہ سنگیت
جگدیش پرشاد پنڈت، گائن
۴.۳۰ پنجابی پروگرام

شام
۶.۱۰ نرملا دیوی: غزل
۸.۳۰ شوبیلا
۹.۳۰ سنگریال
۱۰.۰۰ تو ہنز فرمائش

بدھ ۲۴ اگست

صبح
۷.۰۵ نسیم اختر: کشمیری موسیقی
۸.۰۰ انجلی بنرجی: غزلیں
۸.۲۱ شش رنگ، ریڈیو ڈائجسٹ
(۱) 'انسانی نقوش' تقریر از محمد یوسف
(۲) مزاحیہ تقریر از بشیر احمد بشیر

دوپہر
۱.۰۰ نسیم اختر اور علی محمد: ہلکے پھلکے کشمیری گیت
۲.۱۰ شاستریہ سنگیت
شرن رانی: سرود پر راگ دربا[ری]
۲.۳۰، ۴.۳۰
محمد سلطان وگے اور ساتھی، لوک سنگیت

شام
۶.۱۰ علی محمد، غزل
۸.۴۵ خط کیلئے شکریہ
۹.۳۰ سائنس میگزین
۱۰.۰۰ آپ کی فرمائش

جمعرات ۲۵ اگست

صبح
۷.۰۵ غلام حسن صوفی، کشمیری موسیقی
۸.۰۰ سندھیا مکرجی، غزلیں
۸.۲۱ آشس تہ گاش
۹.۰۵ پوسٹ کارڈ افسانہ اور سازینہ
۱۱.۳۰، دوپہر ۲.۳۰
ایم۔ اے۔ ستاری اور ساتھی، صوفیانہ موسیقی

دوپہر
۱.۰۰ غلام نبی بلبل اور ساتھی: کشمیری لوک سنگیت
۲.۱۰ شاستریہ سنگیت
شوکمار شرما، سنطور
۴.۳۰ پہاڑی پروگرام

شام
۶.۱۰ غلام حسن صوفی، غزل
۸.۴۵ ہیلتھ فورم

نیشنل پروگرام ، ڈرامہ

جمعہ ۲۶ اگست

ششی چوپڑہ : کشمیری سنگیت
گاندھی کتھا
بٹ علی : غزلیں
گھرباره خاطره
اے گیسٹ ان دی ہیتی ویلی
علی محمد خاں و ساتھی ؛ کشمیری موسیقی
غلام محمد ریکارڈ و ساتھی ، سرنائی

ششی چوپڑہ اور جلال گیلانی ،
شاستریہ سنگیت
شجاعت خاں : ستار وادن
علی محمد خاں و ساتھی ، لوک سنگیت
پنجابی پروگرام
ششی چوپڑہ : غزل
لشن ملہوترہ ،

کھیلوں پر تبصرہ
'انڈیا ۲۰۰۱ء' انگریزی فیچر

ہفتہ ۲۷ اگست

شیمہ دیو : کشمیری سنگیت
ہیپے کا نغمہ
کرن کول : غزلیں
نو نیکھن
مولل شعر
تحریر و پیشکش : رشید نازکی
کاشر ناول
دوپہر ۲.۳۰
ایم۔ اے۔ ستاری اور ساتھی ،
صوفیانہ موسیقی

لیلا کورس
آرتی تکو ، کرن کول و ساتھی ؛
کشمیری لوک سنگیت
شاستریہ سنگیت
کمار گندھرو : گائن
خوشحال گھرہ

شیمہ دیو : غزل
کیلاش مہرہ ، آرتی تکو اور

وی۔ کے۔ ملا ، کشمیری موسیقی
۸.۴۵ انگریزی تقریر از ڈی این کول
۹.۳۰ بزم سامعین
۱۰.۰۰ 'اپنی دھرتی اپنا دیش' فیچر
۱۰.۳۰ ریڈیو ڈائری اور شہر صدا

اتوار ۲۸ اگست

صبح
۷.۰۵ غلام نبی شیخ ، کشمیری موسیقی
۸.۰۰ اے۔ رمیش کمار : غزلیں
۸.۲۱ گھر والوں کیلئے
فیملی کوئیز —
شرکا : شری و شریمتی بنسی پارمو ،
کماری اندو رینہ ، محمد امین اندرابی اور
نزہت اندرابی
کوئیز ماسٹر : رقیہ سعید
۹.۰۵ اس ہفتے
۱۰.۰۰ ریڈیو نیوز ریل
۱۰.۱۵ 'ہونہار' : بچوں کیلئے
(۱) 'الیکٹریسٹی' ، تقریر از ایم کے پارمو
(۲) 'دہلی' فیچر از شمس الحق عثمانی
(۳) بچوں کی زبان سے
(۴) ننھے مہمان
۱۱.۰۰ محفل موسیقی سے اقتباسات

دوپہر
۱۲.۴۰ پراگاش
۱.۰۰ مغربی موسیقی
۲.۱۰ شاستریہ سنگیت
علی اکبر خاں : سرود
۲.۳۰ ٹیچرس فورم
۴.۳۰ پنجابی پروگرام

شام
۶.۱۰ ، ۸.۳۰
غلام نبی شیخ : غزلیں
۸.۴۵ تو ہنزحیثی واژ
۱۰.۰۰ آپ کی فرمائش

پیر ۲۹ اگست

صبح
۷.۰۵ کسم لتا : کشمیری موسیقی
۸.۰۰ بیلا ساویر : غزلیں
۸.۲۱ کشمیری موسیقی
۸.۳۵ ہندی بات چیت
۹.۰۵ 'سنطور'
عبدالخالق و ساتھی ، صوفیانہ موسیقی

منگل ۳۰ اگست

صبح
۷.۰۵ سنیتا کول : کشمیری موسیقی
۸.۰۰ ہربھجن لال : غزلیں
۸.۲۱ 'باوت' ، عصری ادب
۹.۰۵ ولود رازداں ، ڈوگری موسیقی
۱۱.۳۰ ، دوپہر ۲.۳۰
استاد رمضان جو و ساتھی ،
صوفیانہ موسیقی

دوپہر
۱۲.۴۰ بھجن
۱.۰۰ ایم۔ اے۔ تبت بقال و ساتھی ؛
صوفیانہ موسیقی
۲.۱۰ شاستریہ سنگیت
ڈی۔ وی۔ پلسکر : گائن
۴.۳۰ پنجابی پروگرام

شام
۶.۱۰ ، ۸.۳۰
سنیتا کول : غزلیں
۹.۳۰ سنچانیکہ : کوی گوشٹھی

۱۰.۰۰ تو ہنز فرمائش

'مقام راست کشمیری'

۱۱.۳۰ ، دوپہر ۲.۳۰
عبدالخالق بٹ اور ساتھی ؛
کشمیری / لوک سنگیت

دوپہر

۱.۰۰ کسم لتا اور محمد خلیل و ساتھی ؛
کشمیری نغمے
۲.۱۰ شاستریہ سنگیت
ایم۔ ایل۔ تنگلو ، ستار
۴.۳۰ کیاری —
(۱) غلام محمد و ساتھی ، ڈوگری گیت
(۲) لداخی کورس

شام
۶.۱۰ ضلع خبرنامہ
۸.۳۰ موسیقی
۹.۳۰ 'ایک کہانی کا انت' اردو کھیل
تحریر ، جتندر شرما

بقیہ : اردو سروس

۱۰.۰۰ سائنس میگزین
۱۱.۲۰ بزم موسیقی
استاد نثار حسین خاں ، راگ ہیم کلیان
پنڈت سیت رشی ، وائلن پر پوریا کلیان
۱۲.۳۰ فلمی نغمے

بدھ ۳۱ اگست

صبح
۵.۴۵ صبح گاہی
نعت ، قوالی اور بھجن
۷.۰۰ شہر صبا
پی۔ ناز مسانی ، رفعت سروش اور
فیاض جے پوری کا کلام
او۔ پی۔ کپور ، کانتا گرو ور شبنم اور
ساحر بھوپالی کا کلام
۷.۳۰ ساز سنگیت
دیا تنکر و ساتھی ؛ شہنائی پر
راگ اہیر بھیروں
۹.۳۲ کلاسیکی موسیقی
نیاز احمد خاں ، فیاض احمد خاں :
راگ دیسی

دوپہر
۲.۰۷ سب رس
۲.۳۰ بزم خواتین
مشاعرہ
۳.۰۰ رنگا رنگ

رات
۸.۱۵ آہنگ نظم
۸.۳۰ حسن غزل
پی ناز مسانی ، مومن اور غالب کا کلام
۸.۴۵ ساز اور آواز
۹.۰۰ شہ پارے
۹.۳۰ غیر فلمی قوالیاں
۱۰.۰۰ ریڈیو دوستی
۱۱.۳۰ بزم موسیقی
نیاز احمد خاں ، فیاض احمد خاں :
راگ چندر کونس
دیا تنکر و ساتھی ، شہنائی پر
راگ مارو بہاگ
۱۲.۳۰ فلمی نغمے

بدھ ۳۱ اگست

صبح

۷-۰۰ نسیم اختر : کشمیری سنگیت

۸-۰۰ ہریش بھاردواج : غزلیں

۸-۲۱ ششش زنگ : ریڈیو ڈائجسٹ

۹-۰۵ جگجیت سنگھ : غزلیں

۱۱-۳۰ محمد سلطان پرے و ساتھی ؛ کشمیری موسیقی

دوپہر

۱-۰۰ نسیم اختر اور غلام قادر وانی ؛ کشمیری نغمے

۲-۱۰ شاستریہ سنگیت
موہن لال مشرا ؛ گائن

۲-۳۰، ۳۰-۴
محمد سلطان پرے اور ساتھی ؛ لوک سنگیت

شام

۶-۱۰ غلام قادر وانی : غزل

۸-۳۰ آشا کول ؛ کشمیری موسیقی

۸-۴۵ خط کیلئے شکریہ

۹-۳۰ تصویر ؛ اقتصادی ترقی پر مبنی

۱۰-۰۰ جنم اشٹمی پر غنائیہ
تحریر : پی این کول سائل

دوردرشن سرینگر

بینڈ : ۱، ۲۵۱، ۶۲ میگھا ہرٹز (تصویر)
چینل : ۴، ۶۷،۷۵ میگھا ہرٹز (آواز)

روزانہ ٹیلی کاسٹ ہونیوالے پروگرام

شام ۳۰-۷ کشمیری میں خبریں
۸-۳۰ نیشنل پروگرام (دلی) سے براہ راست ریلے
۱۱-۰۰ اردو میں خبریں

ہفتہ وار ٹیلی کاسٹ ہونیوالے پروگرام

اتوار

صبح ۱۰-۳۰ بچوں کے لیے ۱۰-۱۱ ڈرامہ (دوبارہ) ۱۲-۰۰ کشمیری لوک سنگیت / دستاویزی فلم
شام ۴-۰۰ ورلڈ آف اسپورٹس ۵-۰۰ کشمیری لوک سنگیت ۵-۲۰ روزگار خبرنامہ ۵-۳۰ اور ۷-۴۵ ہندی فیچر فلم ۱۰-۰۰ ادبی میگزین پروگرام ۱۰-۳۰ سلسلہ وار فیچر (اردو)

پیر

صبح ۱۱-۰۰ ایجوکیشنل ٹی وی ۱۱-۲۰ اختتام
شام ۶-۳۰ دیہاتی پروگرام ۷-۰۰ لوک سنگیت (کشمیری) ۷-۱۵ ڈوگری پروگرام ۷-۴۲ آپ کی ڈاک (ناظرین کے خطوط) ۸-۰۰ سلسلہ وار کشمیری فیچر ۱۰-۰۰ یوتھ پروگرام (نوجوانوں کے لیے) ۱۰-۳۰ تعمیر و ترقی سے متعلق پروگرام

منگل

شام ۶-۳۰ دیہاتی پروگرام ۷-۰۰ دستاویزی / ہمارے فرائض ۷-۱۰ ایجوکیشنل ٹی وی (دوبارہ) ۷-۴۲ نقش و نغمہ ۱۰-۰۰ صوفی سنتوں سے متعلق پروگرام / ادبی پروگرام ۱۰-۳۰ انٹرویوز

بدھ

شام ۶-۳۰ دیہاتی بھائیوں کے لیے ۷-۰۰ اسپورٹس میگزین پروگرام ۷-۴۲ سائنس میگزین / فن اور فن کار ۸-۰۰ چترہار ۱۰-۰۰ نوجوانوں کے لیے ادبی میگزین ۱۰-۳۰ سلسلہ وار فیچر / انٹرویو

جمعرات

صبح ۱۱-۰۰ ایجوکیشنل ٹی وی ۱۱-۲۰ اختتام
شام ۶-۳۰ زرعی پروگرام ۷-۰۰ کشمیری لوک سنگیت ۷-۱۵ ٹی وی نیوز فیچر ۷-۴۲ ایک گاؤں / ... کی عکس بندی ۸-۰۰ گھرانوں کے لیے
۱۰-۰۰ ڈرامہ (کشمیری) / ڈرامہ دوسرے کیندروں سے

جمعہ

شام ۶-۳۰ کشمیری لوک سنگیت / گجر بھائیوں کے لیے ۷-۰۰ ہلکی پھلکی موسیقی ۷-۱۰ ایجوکیشنل ٹی وی (دوبارہ) ۷-۴۲ خاندانی بہبود / ٹیلی کلبوں سے ۸-۱۰ ہوم سائنس ۱۰-۰۰ ہیلتھ میگزین ۱۰-۳۰ سلسلہ وار فیچر (کشمیری)

ہفتہ

شام ۶-۳۰ بچوں کے لیے ۷-۱۰ کشمیری لوک سنگیت ۷-۴۲ کلاسیکی موسیقی / پنجابی پروگرام ۸-۰۰ حالات حاضرہ ۱۰-۰۰ نقش و نغمہ ۱۰-۳۵ انگریزی میں سلسلہ وار فیچر

دوردرشن بمبئی

بمبئی چینل : ۴ تصویر ۲۵، ۶۲ میگھا ہرٹز بینڈ : ۱ آواز ۶۷،۷۵ میگھا ہرٹز
پونہ چینل : ۵ تصویر ۱۷۵،۲۵ میگھا ہرٹز بینڈ : ۳ آواز ۱۸۰،۷۵ میگھا ہرٹز

روزانہ ٹیلی کاسٹ ہونیوالے پروگرام

شام
۷-۰۰ کل کے پروگرام ، مراٹھی (اتوار ۷-۳۰ پر) ۷-۰۳ مراٹھی میں خبریں ۸-۳۰ سے ۱۰-۰۰ نیشنل پروگرام (دلی دوردرشن سے براہ راست ریلے)

ہفتہ وار ٹیلی کاسٹ ہونیوالے پروگرام

اتوار

صبح ۹-۰۰ پرتیبھا اور پرتیما
۱۰-۰۰ ساپتاہکی (ہفتہ کے پروگراموں کا ہندی میں خلاصہ)
۱۰-۳۰ آؤ ہمارے ساتھ گاؤ ۱۱-۱۵ اختتام
شام ۴-۰۰ دی ورلڈ آف اسپورٹس ۵-۱۵، ۵-۴۵ ہندی فیچر فلم ۷-۳۰ کل کے پروگرام اور گمشدہ لوگوں کا اعلان (مراٹھی) ۷-۴۵ فلم جاری ۹-۳۰ مراٹھی میں خبریں ۱۰-۰۰ پنر بھینٹ (مراٹھی) ۱۰-۴۵ اختتام

پیر

شام ۶-۱۵ سنگم سنگیت (مراٹھی) / لوک سنگیت ۶-۲۷ کھیل (مراٹھی میں بچوں کا پروگرام) ۶-۵۰ آپچی ماتی آپچی مانسے ۷-۳۰ کامگار وشو ۸-۰۰ چتر گیت (مراٹھی) ۱۰-۰۰ ایک ڈوڈھ من (کھیل پروگرام - مراٹھی) ۱۰-۳۲ موکلھا ونگیڑی مانسے / کرنٹ افیئرز (مراٹھی) ۱۰-۴۵ اختتام

منگل

شام ۶-۱۵ رات چتر ۶-۲۷ گھر بیٹھاں (گجراتی) وندن وار (ہندی) ۶-۵۵ ویانڈیپ ۷-۳۰ سپریم نمسکار (خطوں کے مراٹھی میں جواب) / آپ کی رائے (خطوں کے ہندی میں جواب) ۸-۰۰ یووادرشن (ہندی / گجراتی) ۱۰-۰۰ موکھوٹے آنی چہرے / پنچا پچیت ۱۰-۴۵ اختتام

بدھ

شام ۶-۱۵ سنگم سنگیت (گجراتی / ہندی) ۶-۲۷ میجک بمپ (بچوں کا پروگرام / انگریزی) / کھیل کھلونے (بچوں کا پروگرام (ہندی) ۶-۵۵ آپچی ماتی آپچی مانسے ۷-۳۰ ایف ٹی وی فلم (مراٹھی) ۸-۰۰ چترہار ۱۰-۰۰ ڈرونگر سید ہو ۱۰-۳۰ انگریزی فلم سیریل ۱۰-۵۵ اختتام

جمعرات

شام ۶-۱۵ ایف ٹی وی فلم (مراٹھی) ۶-۲۷ شد ر ماجے گھر (مراٹھی) ۶-۵۵ دیانڈیپ ۷-۳۰ کامگار وشو ۸-۰۰ چتر گیت (گجراتی) / پھول کھلے ہیں گلشن گلشن ۱۰-۰۰ ہندی ڈرامہ / مراٹھی ڈرامہ ۱۰-۴۵ اختتام

جمعہ

شام ۶-۱۵ ٹی وی این ایف (سائنس / ترقی) ۶-۳۳ سانتاکوکڈی (گجراتی میں بچوں کا پروگرام) ۶-۵۵ آپچی ماتی آپچی مانسے ۷-۳۰ ہوشیار ۷-۵۰ چھایا گیت ۱۰-۰۰ یووادرشن (مراٹھی) ۱۰-۳۰ اردو پروگرام سائنس رپورٹ ۱۱-۰۰ اختتام

ہفتہ

شام ۵-۰۰ بچوں کی فلم (ہندی) ۶-۰۰ اور ۶-۳۰ مراٹھی فیچر فلم ۱۰-۰۰ مراٹھی سیریل ۱۰-۳۰ پنگ ورڈ فوکس ۱۱-۰۰ اختتام

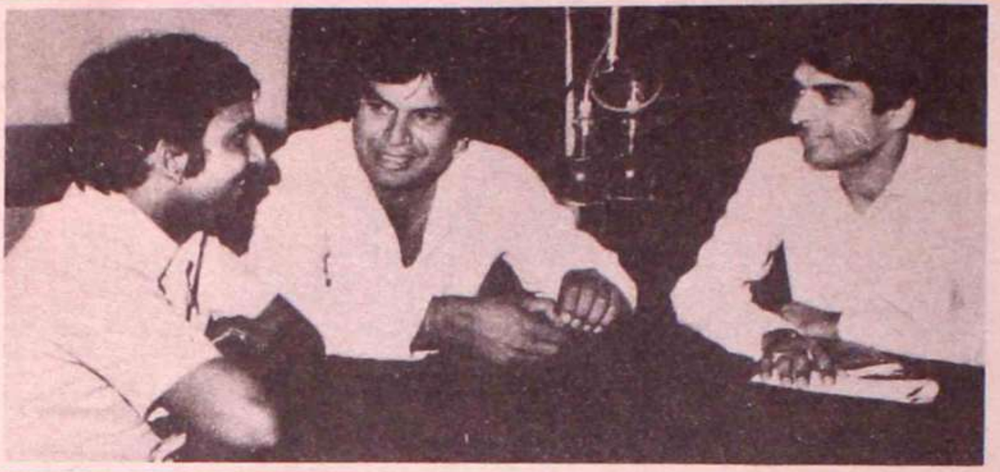

سلم شیر خاں ۔ ہاکی کھلاڑی
ے ساتھ ایک ملاقات
اذ شتہ دنوں
ھیل کے میدان سے'
روگرام میں نشر کی گئی۔
بائیں سے)
راجیش تیواڑی
اسلم شیر خاں اور
برکت الزماں خاں۔

پروفیسر نور الحسن
کے ساتھ
نجمہ ہیبت اللہ کا انٹرویو
'سائنس میگزین' میں نشر ہوا۔

'نئی نسل نئی روشنی' میں نشر
ایک مذاکرے کے شرکار
(دائیں سے) وارث احمد خاں
طارق انور اور مرزا لیاقت علی۔

ڈاکٹر آئی۔ سی۔ وشوریا۔
ڈائریکٹر جنرل سمنٹ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
کے ساتھ
رشید الدین احمد (بائیں)
کا انٹرویو
'سائنس میگزین'
میں نشر ہوا۔

اردو سروس کی جھلکیاں

?d.No.D-(C) 39 Regd. No. RN 14253
16th. August 1983
Licenced (U-23) to post without prepayment at CPSO, New Delhi

ایس ایس ٹھاکر
پروڈیوسر ایمریٹس (بائیں)
کے ساتھ رفعت سروش
کا انٹرویو
آکاشوانی دہلی کی اردو مجلس میں نشر ہوا۔

کویتا کرن ـــــ فلم آرٹسٹ
آکاشوانی بمبئی کی کمرشل براڈکاسٹنگ
سروس سے مراٹھی فلمی گیتوں کا
خصوصی پروگرام "گیت گنگا"
پیش کرتے ہوئے۔

جلیل بازیدپوری۔
فلم کہانی نویس اور صحافی
کے ساتھ شمیم فاروقی (بائیں)
آکاشوانی پٹنہ کے اردو پروگرام میں
فلمی صحافت کے موضوع پر
گفتگو کرتے ہوئے۔

آکاشوانی گورکھپور کے
اردو پروگرام میں نشر
شعری نشست کے شرکاء
ہندی گورکھپوری
جالب نعمانی، شمیم صابری
ڈاکٹر عبدالخالق (ناظم)، قربان انصاری
اور سلیمان سرور۔

Published by the Director General, All India Radio, at the Office of the Chief Editor, Akashvani Group of Journals, PTI Building, II floor Sansad Marg, New Delhi 110001. Printed by the Manager Government of India Photo Litho Press, Faridabad.

۱۶ر سے ۳۰ر ستمبر ۱۹۸۳ء
۲۵ر بھادر سے ۸ر آشون ۱۹۰۵ شاکا

آواز

کا ۴۸واں سال
ت 50 پیسے

اُل انڈیا ریڈیو، دوردرشن کے پروگرام، معلوماتی مضامین، دلچسپ افسانے و منظومات

پیام

یارو جنازہ جس کا اٹھا تھا ابھی ابھی
وہ شخص میرے ساتھ کھڑا تھا ابھی ابھی

یوں آئیں ہچکیوں پہ مجھے ہچکیاں کہ بس
لگتا ہے تم نے یاد کیا تھا ابھی ابھی

تم کر رہے ہو جشنِ چراغاں چمن میں ہے
لیکن کسی کا گھر بھی جلا تھا ابھی ابھی

کس نے کیا تباہ مجھے کچھ پتہ نہیں
اک دوست راستے میں ملا تھا ابھی ابھی

ساحل پہ کتنی بھیڑ تماشائیوں کی ہے
لگتا ہے کوئی ڈوب رہا تھا ابھی ابھی

جلتے ہوئے مکاں میں بھی آئی نہ مجھ پہ آنچ
ہاں میرے ساتھ میرا خدا تھا ابھی ابھی

اچھا تو تم پیام ہو مل کر خوشی ہوئی
میں نے تمہارا ذکر سنا تھا ابھی ابھی

عبداللہ کمال

شہر کا شہر مرے قتل پہ مامور ہوا
میں بھی کیا کرتا اسی بات پہ مجبور ہوا

جسم کو اوڑھ لیا حالتِ پسپائی میں
ایک بے آب و گیاہ دشت میں محصور ہوا

اب یہ عالم ہے کہ میں خود سے بھی چھپ سکتا نہیں
کوئی دشمن سا مری آنکھوں میں مستور ہوا

ٹوٹ کر رہ گیا یوں اس سے تعلق کا طلسم
وہ قریب آیا تو یکلخت بہت دور ہوا

شاہزادے کا سفر آج بھی جاری ہے مگر
قصہ گو خود ہی کوئی قصۂ اسطور ہوا

روز اک تازہ غزل، فصلِ تمنا تیار!
یعنی شاعر نہ ہوا کھیت کا مزدور ہوا

مجھ کو اک نام دیا تو نے یہ سچ ہے لیکن
شہر، تو بھی تو مرے نام سے مشہور ہوا

شمیم عباس

شاکی بدظن آزردہ ہیں مجھ سے میرے بھائی یار
جانے کس جا بھول آیا ہوں رکھ کر میں گویائی یار

خاموشی کے صحرا جنگلی میں آوازوں کے جنگل
کتنی بستی اجڑی ہم سے کتنی ہم نے بسائی یار

دیکھو ناامیدی کو کیسے ٹھینگا دکھلاتے ہیں
اکثر اپنے گھر کی کنڈی خود ہم نے کھٹکائی یار

تنہائی میں اب بھی کوئی بالوں کو سہلاتا ہے
ہاتھ پکڑنا چاہیں تو ٹھٹھا مارے پروائی یار

اچھے بستی اچھا گھر اچھے بچے اچھے حالات
جس کے دیکھو ساتھ لگی ہے اک خواہش آبائی یار

معنی کی دھجی بکھری اور لفظوں کے تانے بانے
رات تخیل نے مستی میں کی ہنگامہ آرائی یار

علی الدین نوید

غم جن آنکھوں کا رکھوالا ہوتا ہے
راتوں میں بھی دن کا اجالا ہوتا ہے
کمرے میں تنہائی لیٹی رہتی ہے
ہاتھوں میں بس ایک رسالہ ہوتا ہے
تعبیریں خود آنکھ بچاتی پھرتی ہیں
دیوانوں کا خواب نرالا ہوتا ہے
خاموشی بھی گویائی کا پرتو ہے
سناٹا بھی بولنے والا ہوتا ہے
میز کتابوں اور قلم کے ساتھ نوید
کمرے میں مکڑی کا جالا ہوتا ہے

اس بار بمبئی سے غزلیں

آواز

آل انڈیا ریڈیو کے پروگرام

چیف ایڈیٹر	اوم پرکاش کھریوال	ٹیلی فون ۳۸۲۲۴۹
ادارت	سراج احمد	۳۸۲۲۵۴
	ہرمہندر سنگھ ووج	
اسسٹنٹ بزنس منیجر	ڈی کے پوری	۳۸۲۳۵۱
تار کا پتہ	LISTENER	

نئی دہلی — ۱۶ ستمبر ۱۹۸۳ء بمطابق ۲۵ بھادر ۱۹۰۵ شاکا — جلد ۴۸، شمارہ ۱۸

اس شمارے میں

حج کی فضیلت ——— مولانا نسیم احمد فریدی امروہی ۳
ہماری آج کی مصوری ——— انیس فاروقی — ۵
غالب، ایک تہذیبی قوت ——— پروفیسر نورالحسن ہاشمی — ۶
ہری چند اختر ——— رام لال نابھوی — ۸
کچھ تخلیق کے بارے میں ——— عمیق حنفی — ۹
علاءالدین مرحوم ——— ظہیر ناصر — ۱۰
پیڑ پودے اور فضائی آلودگی — مجتبیٰ حسین فرحت — ۱۲
ودیاپتی اور ان کی رومانی شاعری — فضل الرحمٰن ہاشمی — ۱۳
تدریس اردو ——— محمد خضر حیات — ۱۴
بچت بہت آرام بہت ——— حامد الظفر — ۱۵
ادبی ترجمے کی روایت اور مسائل — عرفان صدیقی — ۱۶
کسی کی حق تلفی نہ کیجیے ——— شاہد رام نگری — ۱۸
شمع فروزاں ——— سید ضمیر حسن — ۱۹
فارماکولوجی اور نئی دواؤں کے تجربات — سید شمیم شاہ — ۲۰
کبڈی ایک قدیم ہندوستانی کھیل — شاہ جہاں شاہین — ۲۱
امانت ——— مصطفےٰ کمال — ۲۳
اپنی اپنی دنیا کے لوگ ——— احمد یوسف — ۲۴
یہ بلندیاں یہ پستیاں ——— آغا رشید مرزا دہلوی — ۲۶
پیاسے لوگ ——— نعیم کوثر — ۲۷
تیرے میرے دکھ ——— عظیم اقبال — ۲۸
اولاد کا دکھ ——— عتیق مظفر پوری — ۳۰
روشنی ——— بشیر شاہ — ۳۱
نعت شریف — واجد سحری ——— ۴
غزلیات — ظفر گورکھپوری ——— ۶
رضا مظہری ——— ۷
قسیم الحق گیاوی ——— ۱۰
تصور حسین زیدی ——— ۱۷
فضا ابن فیضی ——— ۲۵
مظفر ایرج ——— ۲۸
شوکت علوی ——— ۴۶
شہاب جعفری ——— ۴۹

قیمت

فی کاپی ——— ۵۰ پیسے
سالانہ ——— ۱۰ روپے
دو سال ——— ۱۸ روپے
(اندرون ملک ڈاک خرچ بذمہ ادارہ)

حج کی فضیلت

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

مذہبِ اسلام میں عقائد و عبادات کی بنیاد جن پانچ ارکان پر قائم کی گئی ہے ان میں حج رکنِ اعظم کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ فرائضِ اسلام میں ایک اہم فرض اور عبادات میں افضل ترین عبادت ہے۔ عبادتِ حج کی فضیلت یہ ہے کہ اس کے اعمال و افعال میں تمام ارکان شامل ہو کر فطرتِ اسلام کی اس طرح تکمیل کرتے ہیں کہ دین میں تحریف کے تمام امکانات زائل ہو جاتے ہیں۔ حج ہر عاقل، بالغ، تندرست اور ذی استطاعت مسلمان پر پوری زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ فرضیتِ حج قدیم زمانے سے چلی آتی ہے۔ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ دنیا کے اندر جتنے بھی انبیاءؑ آئے ہیں ان سب پر حج فرض تھا۔ اور وہ بطور فرض اور ان کی اُمتیں بطورِ نفل اس کو ادا کرتی تھیں، اللہ تعالیٰ نے صرف اُمتِ محمدیہ پر حج کو فرض کیا ہے۔ ایک قرآنی آیت میں حج کرنے کا حکم اس طرح آیا ہے، جس کا اردو ترجمہ یہ ہے :-

" اور اللہ کے لیے لوگوں کے اوپر اس مکان یعنی بیت اللہ کا حج فرض ہے۔ یہ حج اس شخص کے ذمّہ ہے جو وہاں جانے کی استطاعت رکھتا ہو —"

صاحبِ استطاعت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان اتنا مالدار ہو کہ سفرِ حج کا خرچہ خوب پورا کر سکے اور اپنے اہل و عیال اور متعلقین کے لیے بھی بقدرِ ضرورت روپیہ چھوڑ جائے۔ سفرِ حج کا کل خرچ حلال اور جائز روپے سے ہونا ضروری ہے۔

مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے مجمع میں خطبہ پڑھا اور فرمایا "اے لوگو! حج تم پر فرض ہے۔" اس لیے اگر ایسے مالدار اور اہلِ استطاعت یعنی جن پر شرعاً حج فرض ہے، اس کی ادائیگی میں سستی اور غفلت برتیں اور وجوہِ معاش اور عیش و آرام کی خاطر یا زوالِ مال کے خوف اور سمندری سفر کے ڈر سے حج کو ترک کر دیں تو ایسے لوگوں کے بارے میں سخت وعید آئی ہے۔ چنانچہ مذکورہ آیت میں آگے آیا ہے کہ :-

"جو اس بات کو نہ مانے یعنی حج نہ کرے تو اسی کا نقصان ہے۔ کیونکہ اللہ تو تمام عالموں سے بے نیاز ہے۔"

ایک حدیث میں جو ابوامامہؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ :-

"جس شخص کو کسی واقعی مجبوری نے یا کسی ظالم بادشاہ نے یا کسی سخت مرض نے حج سے نہ روکا ہو اور وہ

MGIPLP 59/AIR/ND/83-3600

بے حج کیے مر جائے تو اس کو اختیار ہے
خواہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی۔"

خانۂ کعبہ جس کا طواف کیا جاتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم اور وحی کے بعد تعمیر کیا تھا۔ اس کی تعمیر میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اپنے والد بزرگوار کی مدد کی تھی۔ ان دونوں حضرات کے جذبۂ خلوص و ایثار نے اس عبادت گاہ کو وہ مرکزیت، جامعیت اور جاذبیت بخشی کہ اللہ نے اس کو اپنا گھر کہہ کر قیامت تک کے لیے مرکز امن اور سرچشمۂ ہدایت و برکت قرار دے دیا۔ قرآن نے خانۂ کعبہ کو مرجعِ انام اور مقام امن کہا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے آج تک دنیا کے گوشے گوشے سے بے شمار انسان اس کی طرف پروانہ وار کھنچے چلے آتے ہیں۔ ایک سلسلۂ آمد و شد ہے کہ جاری ہے۔ دنیا میں یہ شرف و تقدس کسی اور مقام کو حاصل نہیں ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے خانۂ کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہونے کے بعد اللہ سے دریافت کیا کہ اب کیا ہونا چاہیے تو اللہ نے حکم دیا کہ:۔

"لوگوں میں حج کے فرض ہونے کا اعلان کر دو۔ (اس اعلان سے) لوگ تمہارے پاس چلے آئیں گے، پاؤں چل کر بھی اور ایسی اونٹنیوں پر سوار ہو کر بھی جو دور دراز راستوں سے چل کر آئی ہوں اور (سفر کی وجہ سے) دُبلی ہو گئی ہوں۔ تاکہ یہ آنے والے اپنے منافع حاصل کریں۔"

اس اعلان حج کو سن کر جن لوگوں نے لبیک کہا ہے وہ سعادتِ حج سے ضرور بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔ یہی وہ لبیک ہے جس کو ہر حاجی احرام باندھنے کے بعد شروع کرتا ہے اور جو حج کا شعار بن گیا ہے۔

اسلام نے جتنی عبادات مقرر کی ہیں وہ سب کی سب، نہایت اہم، خیر و برکت والی اور طہارت نفس اور تصفیۂ باطن کا روح پرور نمونہ ہیں۔ مگر حج کے علاوہ تمام عبادات یا تو صرف بدنی ہیں یا صرف مالی —— حج کی ایک خصوصیت جو اسے دوسری عبادتوں سے ممتاز کرتی ہے یہ ہے کہ یہ بدنی اور مالی دونوں طرح کی عبادتوں کا ایک بہترین مجموعہ ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "اعمال میں بہترین عمل اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا، اس کے بعد اللہ کے راستے میں جدوجہد کرنا، اس کے بعد حج مبرور و مقبول ہے۔"

حُجاج کے لیے ضروری ہے کہ وہ حج کی فضیلت کا احساس کرنے کے ساتھ ساتھ حج کے تمام آداب و قواعد کا پورا پورا لحاظ کرتے ہوئے مناسکِ حج کو صحیح طریقہ پر ادا کرنے کی کوشش کریں۔ اس سفر کی غرض و غایت اپنے پچھلے گناہوں سے توبہ کرنا اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کر کے اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنا ہے اس لیے اس سفر میں کوئی دنیوی غرض شامل نہ ہونی چاہیئے اور ریاکاری اور شہرت طلبی کا شائبہ تک نہ ہونا چاہیئے۔

حج کے آداب و احکام میں قرآن حکیم کی ایک آیت ہے جس کا اُردو ترجمہ یہ ہے:۔

"حج کا زمانہ چند مہینے ہیں، جو معلوم ہیں۔ پس جو شخص ان ایام میں اپنے اوپر حج فرض کرلے تو پھر نہ کوئی فحش بات جائز ہے، نہ عدول حکمی درست ہے اور نہ کسی قسم کا جھگڑا اور فساد زیبا ہے۔ یعنی حاجی کو چاہیئے کہ وہ ہر وقت نیک کام میں لگا رہے۔"

حج کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اس سفر میں جو کچھ خرچ کیا جائے اس میں تنگ دلی اور بخل نہ کیا جائے۔ حج میں خرچ کرنا سات سو گنے اضافے کے ساتھ جہاد میں خرچ کرنے کے برابر ہے۔ حج کے راستہ میں جو بھی تکلیف پہنچے یا جانی و مالی نقصان اُٹھانا پڑے اس کو بخوشی برداشت کرے کیونکہ یہ اجرِ عظیم کا موجب ہوگا۔

حدیث میں آیا ہے کہ حج کی خوبی نرم کلام کرنا ہے۔ حاجی کو چاہیئے کہ وہ کسی سے بدکلامی نہ کرے، سختی سے پیش نہ آئے اور کسی پر اعتراض نہ کرے۔ حسن اخلاق کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر کوئی بدی کرے تو اس کا نیکی سے بدلہ دے اور ایسا نہ کر سکے تو تحمل اور بُردباری کو اپنا شعار بنائے۔

حج کے فضائل بے شمار ہیں اور اس کے اندر بہت سے دینی و دنیوی فوائد پوشیدہ ہیں جن کو حاصل کر کے مسلمان صحیح معنی میں دین و دنیا کے مالک بن سکتے ہیں۔

حج کا منشا تمام دنیا کے مسلمانوں کو میدانِ عرفات میں جمع کر کے پیغام محبت پہنچانا اور تمام عالم میں رابطۂ اسلامی کو مضبوط کرنا ہے۔ اسلام کا ایک شاندار اصول مساوات ہے اور حج انسانوں میں مساوات قائم کر کے انسانیت کبریٰ کا بول بالا کرتا ہے۔ حج سے سیر و سیاحت کا تجربہ اور باہم ملاقات سے اکتسابِ معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اور باہمی مصاحبت اور تعاون کے ذریعہ شوکت اسلام قائم ہوتی ہے۔

مقامات حج کے فضائل میں سے چند یہ ہیں: خانۂ کعبہ کو صرف دیکھنا ہی عظیم عبادت ہے۔ بیت اللہ پر روزانہ ۱۲۰ رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ اس مقدس گھر کا سات مرتبہ طواف کر کے دو رکعت نماز پڑھنے والا ایسا ہے جیسے کسی نے ایک غلام آزاد کیا۔ یہ شخص جو قدم اٹھائے گا اور رکھے گا اللہ اس کے لیے ایک نیکی لکھے گا اور ایک گناہ معاف کر کے اس کا درجہ بلند بلند کرے گا۔ حرم محترم میں ایک نماز ادا کرنے سے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور حرم کی ایک نیکی باہر کی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔ سعیٔ صفا و مروہ کا ثواب ستر ہزار غلاموں کو آزاد کرانے کے برابر ہے۔ حج میں یوم عرفہ کی بڑی فضیلت ہے۔ یہ حج کی مقبولیت کے فیصلہ کا دن ہے اور اس دن بے شمار بندے جہنم سے آزادی حاصل کرتے ہیں۔ شیطان عرفہ کے دن سب سے زیادہ ذلیل، مردود، حقیر اور غضبناک ہوتا ہے قیام عرفات حاصل حج ہے۔ میدان عرفات میں ریت کے ذروں، بارش کے قطروں اور سمندر کے جھاگوں کے برابر گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

شیطانوں کو کنکریاں مارنے سے ایک بڑا اور مہلک گناہ معاف ہوتا ہے۔ حج میں قربانی کی بھی بڑی فضیلت ہے۔ اور اس کا بدلہ اللہ کے یہاں ذخیرہ کر دیا گیا ہے۔ احرام سے وقت سر منڈانے کا بھی بڑا ثواب ہے اور ہر بال کے بدلے ایک نیکی اور ایک گناہ کی معافی کا وعدہ ہے۔

حج کرنا چونکہ ایک دشوار ترین عمل ہے اور سخت نفسانی مشقت اٹھانے سے ہی یہ مکمل ہوتا ہے اس لیے اس کو اللہ کے لیے ادا کرنے سے تمام گناہ دور ہو جاتے ہیں اور یہ پچھلی برائیوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جیسے کہ ایمان لانا سابقہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حج مبرور کا بدلہ بس جنت ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حج فقر و افلاس اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتا ہے جس طرح آگ کی بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے میل اور زنگ کو دور کر دیتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حج کرنے والے اللہ کا وفد ہیں۔ اگر وہ دعا مانگیں تو ان کی دعا اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے اور اگر وہ مغفرت چاہیں تو ان کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ حج کے اندر پندرہ مقامات پر خصوصیت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

(اُردو سروس سے نشر)

نعت شریف

واجد سحری

ہم نے کسے پکارا سرکار کے علاوہ
کوئی نہیں ہمارا سرکار کے علاوہ

کون آئے گا مدد کو آخر کسے پکارے
یہ درد و غم کا مارا سرکار کے علاوہ

وحدانیت کی بکھری زلفوں کو کب کسی نے
اس شان سے سنوارا سرکار کے علاوہ

ٹوٹی ہوئی ہے کشتی اور دور ہے کنارا
اب کون دے سہارا سرکار کے علاوہ

خورشید ہیں قمر ہیں پھولوں کی انجمن ہیں
ہے کون جلوہ آرا سرکار کے علاوہ

خوب آپ جانتے ہیں کوئی نہیں جہاں میں
مشکل کشا ہمارا سرکار کے علاوہ

واجد ہے خالی دامن پھر بھی اسے کسی کا
احساں نہیں گوارا سرکار کے علاوہ

(اردو سروس سے)

ہماری آج کی مصوری

انیس فاروقی

ہندستان کے اولین دور تہذیب سے لے کر پچھلی صدی تک اگر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو یہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ مختلف اَدوار میں سماجی اقدار کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ مصوری کے اقدار میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ چودہویں صدی عیسوی تک ہندستانی سماج میں ہندو، بدھ اور جین مذہبی اقدار کے تحت مختلف اسالیب مصوری کا جنم ہوا۔ بنیادی طور سے مصوّری کا مقصد تھا انہیں مذہبی اقدار کو اجاگر کرنا اور اسے مستحکم کرنا۔ ہندستانی قدیم سماج کی فلاح و بہبود کے لیے فن مصوری نے جو عظیم کردار ادا کیا ہے اس کی مثال دنیا کے پردے پر مشکل سے ملتی ہے۔ اس نے اپنے فن سے چین اور جاپان تک کو فیضیاب کیا ہے۔ بدھ مصوری اس بات کی ضامن ہے۔

اسلامی اقتدار کے بعد اس برصغیر میں جب دوسرے اقدار کا فروغ ہوا تو وہ مصوّری جو مذہب کی خدمت انجام دے رہی تھی وہ مسلم حکمرانوں کے دربار کی زینت بن کر نہ صرف پروان چڑھی بلکہ مغل مصوری کے روپ میں دربار کی شان و شوکت بڑھانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہ سلسلہ برٹش انڈیا کمپنی کے دور اقتدار تک جاری رہا۔ یعنی مغل دربار کے ساتھ ساتھ کمپنی بہادر کی خدمات بھی اس نے انجام دیں۔ لیکن ہماری روایتی مصوری فرنگی ذہن کو اپنی تکنیکی اور جمالیاتی فلسفہ سے زیادہ مرعوب نہ کر سکی۔ اہلِ فرنگ نے اسے کتابی اور تجارتی فن سے منسوب کر کے اس کے ارتقائی راستوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ بہر حال فرنگی حکومت نے ہندستانی فن کاروں کو فن مصوری کے اصلی رنگ و روپ اور اس کے معنی بتانے کی غرض سے ایک جامع اسکیم کے تحت مختلف صوبائی مراکز میں اسکول آف آرٹس کھولے جہاں یورپی اساتذہ کی نگرانی میں ہندستانی طلبا کو مغربی فن مصوری کا درس دیا جانے لگا اور جو نسل ان اداروں سے تعلیم پا کر نکلی وہ مصوّر یا شبیہ نگار یا منظر نگار تھے۔ یہ روغنی رنگوں سے کنوس پر تصویر بنانا سیکھ تو گئے تھے لیکن مغربی مزاج پیدا نہ کر سکے لہٰذا ان کی تصاویر کو انگریزی نوآبادیاتی مصوری کا نام دیا جا سکتا ہے۔

سیاسی آزادی کی لہر کے ساتھ ساتھ بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں صوبہ بنگال میں ہندستانی روایتی مصوّری کی تحریک نشاۃ ثانیہ کا بھی آغاز ہوا۔ حالانکہ یہ تحریک جاپانی اسلوب سے کافی حد تک متاثر تھی لیکن اس نے نئے لباس میں بھی اپنی روایتی خوبو کو برقرار رکھا۔ مہاتما گاندھی کی سودیشی تحریک نے خصوصی طور پر فنی نشاۃ ثانیہ تحریک کو اور بھی شہ دی۔ اور عوام نے بلا تامل اسے عزت و توقیر عطا کی۔ یہ تحریک ۴۷ برس تک ہندستان کی طول و عرض میں پھلی پھولی اور اسے قومی اعزاز نصیب رہا۔

اسی دور میں تیسری اور چوتھی دہائی کے دوران حالانکہ باغیانہ روش لیے ہوئے کچھ شخصیتیں ابھریں۔ انھوں نے فرانس کے انقلاب کے بعد یورپی فن مصوری میں جو تبدیلیاں آئیں ان سے خصوصی طور سے فیض حاصل کرنے کی کوشش کی۔ میری مراد رابندر ناتھ ٹیگور، رام کنکر بیج اور بنورے بہاری مکرجی سے ہے۔ لیکن تحریک نشاۃ ثانیہ کچھ اتنی زیادہ قومیت کے جذبے سے سرشار تھی کہ ان باغی مصوروں کے فلسفہ بین الاقوامیت کو اس وقت کوئی فنی مقام حاصل کرنے کا موقع نہ مل سکا۔

لیکن جن روایتی اقدار کو سامنے رکھ کر ہم نے آزادی حاصل کی تھی انھیں پنپنے کا قطعی موقع نہ ملا اور جن اقدار کی سودیشی تحریک میں مخالفت کی گئی تھی انھیں کو تیزی سے بسر و چشم اپنایا جانے لگا۔ جدیدیت اور بین الاقوامیت کے نام پر ہر حربے استعمال کیے جانے لگے۔ فن مصوری کا آزاد ہندستان میں کیا روپ ہونا چاہیے اور اس کا کیا فلسفہ ہو اس سلسلے میں اگر کسی نے سوچا تو اس وقت "السٹریٹیڈ ویکلی" آف انڈیا کے ایڈیٹر تھے اے۔ ایس رمن۔ انھوں نے خبردار کیا تھا کہ اگر ہم نے روایتی مضبوط بنیادوں پر مصوری کی اپنی عمارت نہ کھڑی کی تو وہ دن دور نہیں کہ ہندستان کی مصوری دوبارہ مغرب کا ایک بھونڈا چربہ بن کر رہ جائے گی۔ اسے نہ ہی ہندستانی عوام میں اور نہ بین الاقوامی سطح پر کوئی عزت و توقیر مل سکے گی۔ ابھی اسی سال ۱۹۸۲ء میں اگست و ستمبر کے مہینے میں ہماری آج کی مصوری کی ایک نمائندہ نمائش اسمتھ سونین انسٹی ٹیوشن کے ہرش ہارن میوزیم و اسکلپچر گارڈن۔ واشنگٹن ڈی۔ سی میں منعقد کی گئی تھی۔ اس میں ۴۷ مصوّروں کی ۵۰ تصاویر تھیں۔ یہ مصور تھے جو فہرست اوّل میں شمار کیے جاتے ہیں اور ان کے فن کی بہترین نمائندگی کرنے والی تصاویر تھیں۔ امریکی فنی تنقید نگاروں نے مجموعی طور سے وہی کہا جس کا رمن کو ۳۲ سال پہلے خدشہ تھا۔ اور جس کی پیش گوئی انھوں نے قبل از وقت کر دی تھی۔ ہمارے مصوروں نے جب یہ تنقید سنی تو انہوں نے اسے یک طرفہ تنگ نظر، وقتی اور بے لگام تبصرہ کہہ کر خاموش ہو جانا ہی وقت کا تقاضا سمجھا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ امریکی پریس اتنا آزاد اور بے لاگ ہے کہ وہ بذاتِ خود اپنے مصوّروں کی بے راہ روش برداشت نہیں کرتے۔ عام طور سے آرٹسٹ کمیونٹی میں اس تنقید کا خاطر خواہ اثر ہوا ہے اور امید کی جانی چاہیے کہ اس کا ردّ عمل خوش گوار ثابت ہوگا۔

پچھلی تین دہائی سے بمبئی، بڑودہ، دہلی، کلکتہ اور مدراس فنی مراکز میں فنی سرگرمیاں جاری ہیں۔ یوں تو مصوّروں کی نئے پرانے ملا کر ایک خاصی لمبی فہرست ہے لیکن فنی اسلوب کے نقطۂ نظر سے اگر جائزہ لیا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کم و بیش بمبئی سے سند لینے والے مصور جرمن دبستانِ اظہاریت سے متاثر رہے۔ بڑودہ و مدراس نے عام طور سے تجریدیت کو شہ دی۔ کلکتہ اور دہلی نے استعجابیت کو اپنایا۔ اس طرح ہندستانی مصور اپنے فن کو بین الاقوامیت کے دائرے میں لانے میں کوشاں رہے ہیں۔ لیکن کچھ مصور ابتدائی طور سے

فنی مسائل خصوصاً فن قومیت اور روایت کے آپسی تعلق پر غور و خوض کرتے رہے اور اس راستے پر چلنے کی کوشش کی جس سے قومی انفرادیت کا کچھ نہ کچھ پتہ چل سکے۔ کچھ تنقید نگاروں نے اسے نام نہاد "تنتر مصوری" سے منسوب کیا ہے۔

دراصل ہماری آج کی مصوری کسی فنی جوابی یا ردّ عمل کی بنا پر نہیں وجود میں آئی اور نہ ہی یہ کسی فنی معیار کی خاطر زینہ بہ زینہ چڑھی جیسا کہ یورپی جدید مصوری کی تاریخ بتاتی ہے۔ ہماری سماجی ضروریات میں بھی فنی جدوجہد کا بھی کوئی کردار نظر نہیں آتا نہ ہی روایتی خون جگر یا جذباتی شدّت والی بات ہندستانی مصوری سے وابستہ کی جا سکتی ہے۔ ہندستانی مصوروں نے جو عام طور سے غیر ممالک سے تربیت لے کر آئے اپنے مزاج کے مطابق جس بین الاقوامی

اسلوب کو موزوں و مناسب سمجھا اسی سے منسلک ہو کر تجربات کرنے لگے۔

بہر حال ہماری نئی نسل ان سبھی خامیوں سے پوری طرح باخبر ہے۔ تکنیکی طور سے وہ محنت کر رہے ہیں اور مضبوط بنیادوں پر ان کی اختراعی کوششیں جاری ہیں۔ اس فہرست میں چند منتخب فن کار مثلاً منجیت باوا۔ مہندر پٹیل، گنیش پائن، رنویر کالیکا، ایشور سگارا، پالن نمبیار، رامیشور بروٹا اور جگن چودھری قابل ذکر ہیں۔ ان کے موقف میں سادگی۔ برجستگی رنگوں کا امتزاج اور ہم آہنگی سبھی مضبوط اور ترقی پسند بنیادوں پر قائم ہے۔ جگن چودھری نے خصوصاً امریکی پریس میں نمایاں طور پر حال ہی میں داد تحسین حاصل کی ہے۔ منجیت باوا کو بھی ان کی انفرادیت پر اچھے الفاظ کے ساتھ سراہا گیا ہے۔ رامیشور بروٹا۔ ایشور سگارا کالیکا اور مہندر پٹیل تکنیکی نقطہ نگاہ سے بڑے ہونہار ہیں اور میڈیم کے استعمال میں ان کا ماہرانہ رنگ ہے۔ گنیش پائن ٹمپرا رنگوں میں اپنی انفرادیت کو برقرار رکھنے میں مسلسل کوشاں ہیں۔ پالن نمبیار کیرالا کی رسومات کی رمزی کیفیت اور ان سے متعلق تشبیہ اور استعارہ جو سماج میں زیر استعمال ہیں ان کو اپنا مدار بنا کر تخلیق کر رہے ہیں۔ اس طرح وہ روایتی بنیاد پر اپنی فنی عمارت کی تعمیر کی ہے۔

مجھے قوی امید ہے کہ اگر ان نئے فن کاروں کو سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر سرپرستی کی گئی تو ان پر ہم بلاشبہ فخر کر سکیں گے۔

(اردو سروس سے نشر)

ظفر گورکھپوری

میرے بعد کدھر جائے گی تنہائی
میں جو مرا تو مر جائے گی تنہائی

جب میں رو رو کر دریا ہو جاؤں گا
اس دن پار اتر جائے گی تنہائی

تنہائی کو گھر سے رخصت کر تو دوں
سوچو کس کے گھر جائے گی تنہائی

یوں آؤ کہ پاؤں کی بھی آواز نہ ہو
شور ہوا تو مر جائے گی تنہائی

ویرانہ ہوں آبادی سے آیا ہوں
دیکھے گی تو ڈر جائے گی تنہائی

تم نے اپنے گھر میں سپنے بوئے ہیں
ساری کھیتی چر جائے گی تنہائی

یادوں کے سائے بھی شاید رہ نہ سکیں
اتنا تنہا کر جائے گی تنہائی

تم سانسوں کی راہ گذر تک آؤ تو
بن کر پھول بکھر جائے گی تنہائی

ساتھ ظفرؔ اس بت کے قصے جائیں گے
میرے ساتھ جدھر جائے گی تنہائی

(گورکھپور سے)

غالب — ایک تہذیبی قوت

پروفیسر نورالحسن ہاشمی

جب کوئی قوم، کوئی ملک اپنی تہذیب پر فخر کرتا ہے تو وہ دوسری قوموں یا دوسرے ممالک کے سامنے کیا چیزیں پیش کر سکتا ہے۔ اپنا مذہب، اپنا فلسفۂ حیات، اپنا علم، اپنا اخلاق، اپنا طرز معاشرت اور اپنے فنون لطیفہ۔ ادب یا ادبیات فنون لطیفہ کا سب سے زیادہ پائدار اور نمایاں جزو ہے کیونکہ یہ جزو کل کی سب سے زیادہ واضح نمائندگی کرتا ہے یعنی اس میں اپنی تہذیب کے علاوہ نفسیات انسانی کا ہمہ گیر جائزہ ملتا ہے اور بڑے خوبصورت اور دلکش انداز میں ملتا ہے یعنی اس کی اثر اندازی اور دل پذیری زمان و مکان میں محدود ہوتے ہوئے بھی زمان و مکان میں بالکل محدود نہیں ہوتی۔ جب ایسا کوئی ادب پارہ شعر یا نظم عالمی منڈی میں پیش کیا جائے تو وہ اپنا سکہ بٹھا لیتا ہے۔ اردو زبان کے پاس ایسے کئی کھرے سکے ہیں جن کی عالمی بازار میں بڑی قدر ہو سکتی ہے۔ غالب کی شاعری اور خطوط ان میں سب سے زیادہ قیمتی ہیں۔

ہر انسان کے کچھ مذہبی اعتقادات ہوتے ہیں، کچھ فلسفیانہ خیالات، کوئی نظریۂ زندگی، کوئی ضابطۂ اخلاق، کوئی نہ کوئی معیار حسن و عشق۔ غالب نے ان سب ذہنی و قلبی کیفیات زندگی پر ایسے پرکشش انداز میں اپنے خیالات اور محسوسات و تجربات پیش کیے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے دل کی آواز لگتے ہیں۔ ع

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

یعنی مرزا کا کلام ایسا جام جہاں نما ہے جس میں فطرت انسانی کے تمام جلوے نظر آجاتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر عبدالرحمان بجنوری۔

"(دیوان غالب میں) لوح سے تمت تک مشکل سے سو صفحے ہیں لیکن کیا ہے جو یہاں حاضر نہیں۔ کونسا نغمہ ہے جو اس زندگی کے تاروں میں بیدار یا خوابیدہ موجود نہیں۔"

مثلاً فلسفیانہ تصورات کو ہی لے لیجئے۔ ہر ذہین آدمی کا ذہن جب بلوغ کی منزل پر پہنچنے لگتا ہے تو وہ یہ سمجھنا چاہتا ہے کہ میرے ارد گرد یہ سب دنیوی تماشا کیوں اور کیسے ظہور پذیر ہوا ہے غالب بھی جب اس عالم حیرت میں پہنچتے ہیں تو ان کے دل میں بھی اس قسم کے سوالات اٹھتے ہیں ؎

جب کہ تجھ بن کوئی نہیں موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے
یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں
غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے
شکن زلف عنبریں کیوں ہے
نگہ چشم سرمہ سا کیا ہے
لالہ و گل کہاں سے آئے ہیں
ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے

خدا کی تلاش میں وہ بھی تھک کر یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ؎

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے
تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

اسی تلاش میں کوئی حرم میں پناہ ڈھونڈتا ہے کوئی دیر میں۔ اس ناگزینی کو غالب یوں پیش کرتے ہیں ؎

دیر و حرم آئینۂ تکرار تمنا
واماندگی شوق تراشے ہے پناہیں

غالب کے کلام میں اس قسم کے فلسفیانہ مضامین کثرت سے ملتے ہیں لیکن ان کا مقصد کسی خاص فلسفے کو پیش کرنا نہ تھا اس لیے وہ جلد اس ذہنی کیفیت سے گزر گئے۔ اسی طرح صوفیانہ خیالات کا ایک زمانے میں غلبہ ہوا تو اس وقت اس طرح کے اشعار ان کے قلم سے نکلے ؎

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود بیں

دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر
ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے
پرتو سے آفتاب کے ذرے میں جان ہے

اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دو چار ہوتا

ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے
پر تجھ سی تو کوئی شے نہیں ہے

مذہب کے معاملے میں بھی غالبؔ آزاد خیال تھے۔ کٹر مذہبی کبھی نہیں رہے۔ روزہ و نماز سے بھی سروکار نہ رکھا لیکن موحد تھے اور یہ چاہتے تھے کہ خدا اگر کوئی کسی طرح سے بھی یاد کرے، کسی طرح سے اس کی پرستش کرے لیکن اس کی عبادت میں خلوص ہونا چاہیئے ؎

نہیں کچھ سبحہ و زنار کے پھندے میں گیرائی
وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے

اسی خیال کو اپنے ایک عزیز ہندو شاگرد منشی ہرگوپال تفتہؔ کو لکھتے ہیں :-

" بندہ پرور، میں تو بنی آدم کو، مسلمان ہو یا ہندو یا نصرانی، عزیز رکھتا ہوں اور اپنا بھائی گنتا ہوں دوسرا مانے یا نہ مانے۔"

زندگی کی ناپائیداری اور دنیا کی بے ثباتی پر اردو کیا دنیا کے ہر بڑے شاعر نے کچھ نہ کچھ ضرور لکھا ہے اس موضوع پر بھی غالبؔ کا ہی انداز بیان اور سنئے ؎

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

ہاں کھائیو مت فریب ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے

نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیئے
بے صدا ہو جائے گا یہ ساز ہستی ایک دن

غم زندگی میں کس کو نہیں ہوتا اور کیسا کیسا نہیں ہوتا۔ جان اور آبرو برباد دیتا ہے۔ دین و ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ غالبؔ نے بھی دنیا میں بہت تکلیفیں اٹھائیں، بڑے غم سہے، کیسے نہ تڑپ اٹھتے۔ بہت لکھا۔ اور خوب خوب لکھا۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے ؎

جسے نصیب ہو روز سیاہ میرا سا
وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو

میری قسمت میں غم گر اتنا تھا
دل بھی یا رب کئی دیے ہوتے

کیوں گردش مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

کوئی امید بر نہیں آتی
کوئی صورت نظر نہیں آتی

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی
موت آتی ہے پر نہیں آتی

اس قبیل کے بہت سے اشعار کہے ہیں اور پھر یہ کہہ کر خود کو تسکین دینے کی کوشش کرتے ہیں ؎

غم ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

سفینہ جب کہ کنارے پہ آلگا غالبؔ
خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کہیئے

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالبؔ
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

یا پھر یوں کہنے لگتے ہیں ؎

رہیئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

اب آیئے حسن و عشق کے کرشمے دیکھئے۔ یہ بہت وسیع میدان ہے۔ اس میں عشق کے [illegible] کارنامے اور حسن کے رنگ رنگ کے پہلو نظر آتے ہیں یہ موضوع ہر زبان کی شاعری کا عموماً اور اردو کی غزلیہ شاعری کی خصوصاً جان ہوتا ہے۔ اور چونکہ بقول شخصے ؎ زندگی کا عشق کے کوچے سے رستہ جائے ہے۔ ہر شخص اس افتاد سے بخوبی واقف ہوتا ہے۔ اسی لیے جس شاعری میں اس قسم کی چاشنی ہوتی ہے۔ اس سے ہر شخص محظوظ ہوتا ہے۔ غالبؔ نے بھی اپنی جوانی میں عشق کے چرکے سہے تھے۔ اپنی محبوبہ کی وفات پر ایک دلدوز غزل بھی لکھی تھی اس وقت مرزا کی عمر بیس بائیس سال کی تھی۔ اس کے چند شعر ملاحظہ فرمایئے۔

درد سے میرے ہے تجھ کو بے قراری ہائے ہائے
کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہائے ہائے

تیرے دل میں گر نہ تھا آشوب غم کا حوصلہ
تو نے پھر کیوں کی تھی میری غم گساری ہائے ہائے

شرم رسوائی سے جا چھپنا نقاب خاک میں
ختم ہے الفت کی تجھ پر پردہ داری ہائے ہائے

اکیس بیس برس کے سن میں انھوں نے ایک بڑی دل آویز غزل لکھی تھی جس میں اپنی پرشوق امنگوں کی بڑی خوبصورت تصویر کشی کی ہے۔

مانگے ہے پھر کسی کو لب بام پر ہوس
زلف سیاہ رخ پہ پریشاں کیے ہوئے

چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو
سرمے سے تیز دشنہ مژگاں کیے ہوئے

اک نوبہار ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ
چہرہ فروغ مے سے گلستاں کیے ہوئے

غرضیکہ غالبؔ اس عشق کے کوچے سے بخوبی آشنا تھے اور اس کی پرپیچ مگر پرلطف راہوں سے خوب واقف تھے اسی لیے تو وہ کہہ سکے ؎

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزہ پایا
درد کی دوا پائی درد بے دوا پایا

حسن کا ذکر کرتے ہیں تو اپنے محبوب ہزار شیوہ کے ناز و انداز اور اپنی محبت کی کیفیات طرح طرح سے پیش کی ہے۔

نشۂ رنگ سے ہے واشد گل
مست کب بند قبا باندھتے ہیں

سادگی و پرکاری بے خودی و ہشیاری
حسن کو تغافل میں جرأت آزما پایا

دیکھو تو دل فریبی انداز نقش پا
موج خرام ناز بھی کیا گل کتر گئی

نیند اسکی ہے دماغ اسکا ہے راتیں اس کی ہیں
جس کے بازو پر تری زلفیں پریشاں ہو گئیں

قہر ہو یا بلا ہو، جو کچھ ہو
کاش کہ تم مرے لیے ہوتے

غالبؔ کی شاعری ضیافت دل و دماغ ہے۔ آپ نے اس مختصر گفتگو سے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ غالبؔ جنھوں نے زندگی کو ہر رنگ میں دیکھا، پرکھا اور جانچا تھا، ہر کیفیت کو شدت سے محسوس کیا تھا۔ اپنی تخئیل کی رنگ آمیزی کے ساتھ ایسی دلکش لے کے ساتھ پیش کر دیا ہے کہ وہ نوائے سروش معلوم ہونے لگی ہے۔

مغل تہذیب نے ورثے میں کتنی قابل قدر اور قوی اثر نشانیاں اور تحفے ہندوستان کے لیے چھوڑے ہیں۔ اردو زبان اور تاج محل کے علاوہ غالبؔ کی شاعری بھی ایک زندۂ جاوید تحفہ ہے۔ ان کا کلام ملک کا ایسا گراں قدر سرمایہ ہے جسے ہم عالمی ادب کے بازار میں فخر کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں۔

پروفیسر نور الحسن ہاشمی
قطب پور، ڈالی گنج لکھنو

(آکاش وانی لکھنؤ سے نشر)

رضا مظہری

دل کی مضراب سے بجتا ہے جو وہ ساز ہوں میں — اپنی آواز نہیں آپ کی آواز ہوں میں
نہ ہوا ایک بھی گوش شنوا جس کو نصیب — دشت حرماں میں بھٹکتی ہوئی آواز ہوں میں
آج تک مجھ کو خود اپنا پتہ مل نہ سکا — یوں تو کہنے کے لیے محرم صد راز ہوں میں
دور سے مجھ کو صدا دیکے بلانے والے — جستجو میں تری سرگرم تگ و تاز ہوں میں
نہ تو مر جانے کی ہمت ہے نہ جینے کی سکت — کشتۂ نیم نگاہ غلط انداز ہوں میں
آج پھر بزم میں ہے سب کی نظر میری طرف — آپ کے حسن تغافل سے سرفراز ہوں میں

نگہ ناز نے چھیڑا تھا جو افسانہ رضاؔ
اس کا انجام نہیں نقطۂ آغاز ہوں میں

(کلکتہ سے نشر)

ہری چند اختر

ایک باغ و بہار شخصیت

رام لال نابھوی

ہری چند اختر یکم جنوری ۱۹۰۰ء کو صاجبا گاؤں ضلع ہوشیارپور ریاست پنجاب میں ایک دیہاتی اور پرانے رسم ورواج کے پابند براہمنوں کے گھر میں پیدا ہوئے، جن کا ذریعۂ معاش کاشتکاری تھا۔ خاندان بھر میں کوئی پڑھا لکھا نہ تھا۔

جالندھر کے گورنمنٹ اسکول میں زیر تعلیم تھے کہ حفیظ جالندھری سے ملاقات ہوئی۔ گرامی مرحوم کی صحبت مل گئی، شعر کہنے کا شوق پیدا ہوا۔ ہائی اسکول سے فراغت پاکر فارمن کرسچن کالج میں داخل ہوئے۔ بی اے پاس کیا اور پھول اخبار میں نوکری کرلی۔ شروع میں شرما تخلص کرتے تھے۔ پھر اختر کہلانے لگے۔ دوزخی تخلص سے بھی شعر کہتے رہے۔

سال ۱۹۳۹ء سے سال ۱۹۴۱ء تک لاہور میں مقیم رہے۔ لاہور ادبی سرگرمیوں کا مرکز تھا، یہ بھی شامل ہوگئے۔ طبیعت میں ظرافت کا رنگ غالب تھا۔ بے حد ذہین و ورطباع تھے۔ چھیڑ خانی کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ مشاعروں میں شرکت کرنے لگے۔ مضامین شائع ہوتے۔ نظم ونثر دونوں میں عبور حاصل تھا۔ کہیں اداریہ لکھ رہے ہیں، کسی اخبار کا مزاحیہ کالم لکھا جارہا ہے۔ کہیں مشاعرے کے لیے نظم مرتب ہورہی ہے۔

جالندھر میں حفیظ جالندھری اور گرامی مرحوم کی صحبتوں نے فکروفن کو جلا بخشی۔ مولانا تاجور نجیب آبادی نے جب لاہور میں انجمن ارباب علم کی بنیاد رکھی تو اختر اور ان کے ساتھیوں نے مولانا سے اختلاف رائے ہونے کی وجہ سے بزم ادب قائم کی۔ مولانا تاجور جیسے عالم کے مقابلے میں کسی انجمن کے قائم کرنے کا خیال ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ کسی سے مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ وہ بڑے سے بڑے شاعر اور ادیب سے ٹکرا جاتے تھے۔ بات سے بات نکالنا اور نکتہ سے نکتہ پیدا کرلینا اور پھر حسب موقع استعمال کرنا ان کا کمال تھا۔ فی البدیہہ شعر کہنا ان کی طبیعت کا خاصا تھا۔ ان کے ہاتھ سے نہ ظفر علیخان جیسا بھگت بچا۔ نہ منشی راج نرائن ارمان کی مونچھیں بچیں۔ تاجور نجیب آبادی کی توند یا خواجہ حسن نظامی کی تبلیغ، ان کی زد میں آنے سے نہیں بچیں۔ غرضیکہ کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔

لاہور کی ادبی سرگرمیوں میں تاثیر۔ سالک، صوفی تبسم، حفیظ جالندھری، بخاری پطرس، علامہ گرامی، علامہ اقبال، محمد عبدالقادر، راجہ نریندر ناتھ، تاج، وتستہ پرشاد فدا، ظفر علیخاں، کرشن چندر، کنہیالال کپور، کنور سین، یاس یگانہ، دوارکا داس شعلہ، موہن سنگھ دیوانہ، محمود شیرانی، کرم چند، کنور سین، ملک فیروز خاں نون، گوپال متل، غلام محمد، جیسے سخن شناس، سخن ور، سخن گو، حصہ لیتے تھے، زبان اور فن پر بحث ہوتی تھی۔ ادھر ایک نے چھیڑا، ادھر جواب حاضر، پھر کسی نے نکتہ نکالا، کسی نے پھبتی کسی۔ ادھر سے کورا جواب ملا۔ میدان میں سب ڈٹے رہتے۔ صف آرائیاں ہوتیں، چوٹیں ہوتیں، خوش فکری کے جوہر کھلتے، بذلہ سنجی پروان چڑھتی، ہاؤ ہو ہوتی، لطیفے پیدا ہوتے۔ یہی وہ محفلیں تھیں جہاں اختر کے طنز ومزاح کو جلو ملی اور وہ باغ وبہار شخصیت بن گئے۔

کس کی ہمت تھی کہ ظفر علیخاں سے ٹکرا جاتا۔ بڑے بڑے شاعر ان کے نام سے دبکتے تھے، حکومتیں ان سے خوف کھاتی تھیں۔ اختر سے کہیں نوک جھونک چل رہی تھی۔ کہیں ان کے شعر میں تعقید نظر آئی۔ فوراً تعقید لفظی کے سقم پر الجھ پڑے اور آخری فعل کو الگ الگ کرکے یعنی "کون بولے گا" کی جگہ "بولے کون گا" کی زمین میں ظفر علیخاں کی پوری زندگی کا نقشہ مرتب کردیا۔ رنگ ملاحظہ ہو:

پھر ظفر کے بعد گائے ایسے ڈھولے کون گا
پھر سنائے ٹھمریاں "پیٹے"، جو بولے کون گا
اُمت مرحوم کی جیبیں ٹٹولے کون گا
بھر کے لے جائے یونہی چندے کے جھولے کون گا
نبض تک خاموش رہ جاتی ہے رعب حسن سے
حال دل پوچھا اگر اس نے تو بولے کون گا
تو جو مجھ پر کر رہا ہے بے چند مشق کلوخ
چمن کے تیرے واسطے لائے غلولے کون گا
ہے شب وعدہ ادھر مجھ پہ ہے غلبہ نیند کا
وہ اگر آئے تو پھر دروازہ کھولے کون گا
دوزخی صاحب بھی ساحل سے تمش بیٹھے اگر
عشق کے طوفان میں کھائے جھکولے کون گا

اختر کی بذلہ سنجی، رنگینی وشوخی، خوش طبعی وخوش گفتاری، سادگی، پرکاری اور برجستگی اور سب سے بڑھ کر شیریں بیانی انھیں مشاعرے کھینچ لاتی تھی۔ وہ ایک گوشے میں بیٹھ جاتے۔ ان کے مداح ان کے اردگرد، سب کی نظریں شمع پر ہوتیں اور شاعروں کی نظریں اختر پر۔ ادھر کسی نے مصرعہ کہا اور پنڈت جی کی رگ پھڑکی اور اس سے پہلے کہ شاعر دوسرا مصرعہ کہتا، پنڈت جی شعر پورا کر دیتے اور اس طرح کہ ساری محفل زعفران زار ہوجاتی، شاعر سٹپٹا جاتا۔ پنڈت جی کی کبھی نیت ایسی نہیں ہوتی تھی کہ کوئی شاعر اکھڑ جائے لیکن وہ اپنی فطری عادت سے مجبور تھے۔ ان کی بات کا کوئی بُرا نہیں مانتا تھا کیونکہ سب جانتے تھے کہ وہ الماس کی طرح شفاف، آئینے کی طرح آبدار، پھول کی طرح خوش رنگ اور طوطی کی طرح خوش نوا تھے، وہاں نہ بغض وعناد تھا نہ رشک وحسد نہ غرور وتمکنت، نہ خود نمائی اور خودستائی۔ ایک پھلجھڑی چھوڑ دیتے اور مست الست بیٹھے لطف لیتے۔ مشاعرہ میں وہ رنگ بھر دیتے تھے کہ ان کی حاضری مشاعرہ کی کامیابی کا ضامن ہوتی۔ کبھی نچلے نہیں بیٹھتے تھے۔ اگر وہ کسی شعر پر بہت زیادہ داد دیتے تھے تو سامعین سمجھ لیتے تھے کہ یا تو اس شعر میں کوئی سقم ہے یا پھر درحقیقت تعریف کے قابل ہے۔ ایک مشاعرے میں ایک برگزیدہ شاعر اپنی غزل پڑھ رہے تھے، غزل کی زمین تھی "رات کتنی، گھات کتنی"۔ شعر کا پہلا مصرعہ تھا، "یہ دل ہے، یہ جگر ہے یہ کلیجی"۔ پنڈت جی کب چوکنے والے تھے۔ بلند آواز سے دوسرا مصرعہ کہا "قصائی لایا ہے سوغات کتنی"۔ محفل لالہ زار ہوگئی۔ یہ واقعہ اتنا مشہور ہوا کہ آج بھی اس شعر کو لوگ چٹخارے لے لے کر پڑھتے ہیں۔

بقول مرزا جعفر حسین۔ جوش ملیح آبادی کا کہنا ہے کہ ہری چند اختر بے حد زود گو تھے، انھوں نے بے شمار غزلیں، نظمیں کہی تھیں جو بہت بڑی تعداد میں تلف ہوگئیں۔ جو کچھ فراہم ہوسکا وہ ایک مختصر مجموعہ کی صورت میں "کفر وایمان" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اب دیکھیے کہ اختر جوش ملیح آبادی کو بھی نہیں بخشتے تھے اور انھیں ملیح آباد کا ہیڈ مالی کہا کرتے تھے۔

اختر کی طبیعت میں بلا کی جدت، لطافت اور ان کے احساسات میں غضب کی تازگی اور انفرادیت تھی۔ ایک مشاعرے میں شمولیت کے لیے کچھ شاعر جموں جارہے تھے۔ راستے میں پنڈت وتستہ پرشاد فدا نے اختر سے کہا کہ ایک غزل ہوئی ہے مقطع نہیں ہورہا ہے۔ زمین تھی "خدا ہوکر دعا ہوکر"۔ اختر صاحب نے فی البدیہہ فرمایا "مزا جینے کا آخر دل لگانے پر ہی ملتا ہے۔ فدا صاحب کسی پر دیکھ لینا تھا فدا ہوکر"۔ اللہ اللہ۔ شعراء حضرات لوٹ پوٹ ہورہے تھے اور اختر صاحب یوں بیٹھے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں، شعر کی بندش میں ایک تڑپ تھی، ایک چمک تھی، ایک شعلہ تھا

جموں تک اپنی لو دیتا چلا گیا۔

شملہ کا ایک واقعہ سنئے۔ گشتی تھیٹر میں ایک ڈرامہ بہ عنوان ... شام کو ہونے والا تھا۔ ہیروئن نہ آئی اور ڈرامہ نہ ہو سکا۔ پنڈت ... بھلا کب چپ رہتے، بولے ایک شعر ہو گیا ہے

تھی جس پر کامیابی منحصر چل دی وہی لڑکی
تمنا کی جگہ خونِ تمنا دیکھتے جاؤ

... بات سُنی، ادھر ذہن سے کونپل پھوٹی۔ عقل کی ندرت، خیال ... جدت، وزن و آہنگ سے مناسبت اور شعر کے نوک پلک ... نے کی فنی صلاحیت پنڈت جی میں خداداد تھی۔

پنڈت جی نہ شراب پیتے تھے نہ گوشت کھاتے تھے۔ محض ... سگریٹ پیتے تھے جو بعد میں انھوں نے چھوڑ دی تھی۔ یار لوگ ایک بار ... کے پرے گئے۔ شاید سیر کرنے چلے گئے ہوں، طوائف نے جام ... پیش کیا۔ پنڈت جی کہنے لگے۔ بہن جی، میں شراب نہیں پیتا۔ طوائف ... بہن جی، کا لفظ سُن کر کھلکھلا اٹھی اور پورا کوٹھا باغ و بہار بن گیا ... لوگ قہقہوں سے دوہرے ہوئے جا رہے تھے۔ بعد میں مدت ... طوائفوں میں یہ لفظ پھلجھڑیاں چھوڑتا رہا۔

پنڈت جی نڈر اور بیباک تھے۔ موت سے چند ماہ پیشتر کراچی ... یومِ اقبال کے سلسلے میں منعقدہ ایک جلسے میں علامہ اقبال کی ... شاعری پر پرچہ پڑھا۔ اس میں انھوں نے کہا کہ ہر چند کہ اسلامی رنگ ... رنگنے کی مشق جس شدت سے جاری ہے وہ بلآخر نقصان دہ ثابت ... گی۔ ادب اور ادیب، شعر اور شاعری بنی نوعِ انسان کا مشترکہ ... اثہ ہوتا ہے۔ شاعر اور ادیب کو ایک خاص حلقے سے منسوب کرنے ... لے شعر اور ادب کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں۔ علامہ اقبال ... اعر تھے، صرف شاعر۔ آہستہ آہستہ انھیں شاعرِ مشرق کہا جانے ... پھر حکیمِ ملت، پھر شاعرِ پاکستان۔ اور اگر رفتار یہی رہی تو شاعرِ ... مغربی پاکستان بنا دیئے جائیں گے۔ حتیٰ کہ سکڑ کر شاعرِ لاہور ... جائیں گے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ دنیا کی نظروں سے اردو کے ... سے بڑے شاعر کو ٹکسالی دروازے کا شاعر کہا جانے لگے۔ ... کی بازگشت دیر تک سنائی دیتی رہی۔

پنڈت جی کی زندگی تلخیوں سے معمور تھی۔ آنکھ کی بینائی ... سے پریشان رہے۔ صحت خراب رہی۔ پلیگ کے حملے سے بچے تو ... دم تپ نمونیہ ہوا، دردِ ریح، درگردہ کے مریض تھے بڑا لڑکا راجندر ... بسا۔ مالی حالت اچھی نہیں تھی۔ وزیروں گورنروں سے دوستی ... لیکن کبھی کسی سے کچھ طلب نہیں کیا۔ پھر بھی زندگی سے ٹوٹ کر ... گیا۔ ان کے غم کی ترجمانی اس ایک شعر میں موجود ہے ؎

مرے چمن کی خزاں مطمئن رہے کہ یہاں
خدا کے فضل سے اندیشۂ بہار نہیں

پنڈت جی یکم جنوری ۱۹۵۸ء کو چلے گئے۔ ان کے انتقال پر ... ہندوستان، پاکستان میں بڑا ماتم ہوا ؎

جو اُٹھ نہ سکتا تھا بے سہارے
وہ شورِ محشر اٹھا کے اٹھا
ستم ظریفی تو کوئی دیکھے
ہنسانے والا رُلا کے اٹھا

(جالندھر سے نشر)

کچھ تخلیق کے بارے میں

عمیق حنفی

ایک زمانہ تھا جب میرے کسی شعر یا نظم یا ڈرامے کو اگر تخلیق کہا جاتا تو پہلے تو میں شرما جاتا اور پھر جھنجھلا جاتا۔ اس وقت میرا ذہنی شعور جس سطح پر تھا وہاں تخلیق کی صفت صرف خدا کو شوبھا دیتی تھی۔ خاک کے پتلے فانی انسان سے تخلیق کی توقع کرنا کفر تھا۔ میں بھول جاتا تھا کہ فن میں تو کافرانہ شان ملی ہوتی ہے اور ملفوظ اظہار تو ہوتا ہی ہے ایک نعرۂ مستانہ۔ خیر، میری الجھن کو سلجھا دیا خدا کے ہی ایک قول نے کہ خدا احسن الخالقین ہے۔ دماغ میں ایک بلب جل اٹھا۔ خالقین یعنی جمع کا صیغہ اس بات کی دلیل ہے کہ خدا کے علاوہ اور بھی خالق ہو سکتے ہیں! فرق صرف یہ ہے کہ 'نہ کچھ' سے بہت کچھ پیدا کرنے کی قدرت صرف خدا میں ہے۔ انسان چونکہ عقل حواس اور حافظہ رکھتا ہے لہذا وہ دو چیزوں کو ایک نئے تناظر میں پیش کر کے، دیکھنے کا زاویہ بدل کر، ان کے درمیان ایک نیا رشتہ پیدا کر کے انھیں بالکل ہی نئے انداز میں پیش کر سکتا ہے۔ ایک اور فرق ہے جو خدا کی تخلیق اور بندے کی تخلیق کے مابین پایا جاتا ہے۔ خدا اپنی تخلیق کے اسباب سازوسامان، وسیلہ اور جواز بھی خود پیدا کرتا ہے جبکہ بندہ موجودات میں نئے امکانات ڈھونڈ سکتا ہے، خواب دکھا سکتا ہے، ہنسا سکتا ہے، رُلا سکتا ہے، سُلا سکتا ہے۔

انڈے میں سفیدی اور زردی غائب ہو جاتی ہے اور اس کے خول کو معصوم سروں کے ساتھ توڑ کر نکل آتا ہے ایک ننھا سا گول مٹول چمکتا ہوا چوزہ۔ یہ سب ایک لطیف اور پیچیدہ تخلیقی عمل کا نتیجہ ہوتا ہے اور اس عمل پر صرف خدا کو قدرت حاصل ہے۔ حیوانِ ناطق جس عمل کو تخلیقی عمل کہتا ہے وہ محض یہ ہے کہ انڈے میں چوزے اور چوزے میں انڈے کا تصور پیدا کیا جائے اور انسان کا دھیان موجودہ حالت سے ہٹا کر اس حالت پر مرکوز کیا جائے جو آئندہ ہو گی یا جو پہلے تھی۔

کانٹے کی نوک پر چمکتے ہوئے شبنم کے قطرے میں کائنات کا عکس دیکھنا اور دکھانا ایک تخلیقی عمل ہی تو ہے۔ ہاں اگر کوئی اپنی والی پر آ جائے تو کہہ سکتا ہے کہ تخلیق کا ڈھول پیٹنے والے دراصل نظر بندی اور احساس فریبی کا مایا جال بنتے ہیں۔ ایک راہِ فرار پر ڈال کر، احساس و نظر کو فریب دیکر حقیقت سے دور لے جاتے ہیں اور دھوکا دیتے ہیں۔

غور کیا جائے تو تخلیقی اور استعاراتی عمل میں کوئی لمبا چوڑا اور گہرا فرق نہیں ہے۔ دوسری ہی نظر میں دونوں کا شجرہ مل جاتا ہے۔ فن کے تعلق سے تخلیق بذاتِ خود ایک استعارہ ہے۔ ارسطو کے عہد میں فطرت اور زندگی کی عکاسی اور نقالی فن کا وصف تھا۔ رومانی تحریک کے دورِ شباب میں انسان کو بغاوت احتجاج اور انا پرستی کا ڈوز دیا گیا۔ اسی زمانے میں تشکیل، ترکیب، ترتیب، تصنیف، تحریر، کلام جیسے منکسرانہ الفاظ پس پردہ چلے گئے اور تخلیق منظرِ عام پر آ گیا۔ انسان کی ہنرمندی اور کاریگری اور صناعی اور اظہار کو تخلیق کہا جانے لگا۔ ایک حد تک یہ ایک کلمہ استکبار و تعلی تھا اور اس میں استعارے کی خوبی اور قوت تھی۔ مگر کثرتِ استعمال اور زمانے کے گذرنے کے ساتھ ساتھ ایک کلِشے بن کر رہ گیا ہے۔

اظہار کا سفر صنعت سے بدعت اور تشبیہ سے علامت کی طرف ہے۔ سادگی سے بلاغت کی طرف ہے۔ صراحت پر ابہام آتا جا رہا ہے۔ منطق اور محاورے، رسم اور روایت کے بجائے تلازمے اور انسلاکات سوچ کو سفر آمادہ کر رہے ہیں۔ ان حالات میں تخلیق کا استعارہ جملہ انسانی اظہارات پر غالب آ گیا ہے۔ تشبیہ و استعارہ، رمز و کنایہ، تصویر و تمثال سے گذرتے ہوئے آج فن علامت کی منزل پر ہے۔ تشبیہ ابتدا تھی اور علامت انتہا۔

تخلیق کے لیے خرقِ عادت اور فوق فطرت واقعات اور کرداروں کی شرط نہیں، پرواز تخیل بھی درکار نہیں۔ شعور اور احساس کو نئی ڈگر پر ڈالنا اور حقائق کے نئے تناظر کی دریافت تخلیق کی ضروریات ہیں۔ الف لیلہ، طلسم ہوشربا، چہار درویش، میر حسن اور نسیم کی مثنویاں شعور و تحت الشعور کے حقائق کا آمیزہ پیش کرتی ہیں۔ پھر بھی میر اور غالب کے یہاں تخلیقی لطافت اور پیچیدگی زیادہ نظر آتی ہے۔ ان کے یہاں تجربہ، احساس، فکر اور جذبہ یکجان ہو

کر ایک آہنگ میں ناچتا نظر آتا ہے۔

میں نے شروع ہی میں عرض کیا تھا کہ تخلیقی عمل دراصل استعاراتی عمل ہے، استعارہ لفظ و معنی، لفظ و ما فی الضمیر، لفظ و کائنات وغیرہ کے مابین ایسے ایسے رشتے اور تلازمے ڈھونڈ کر ابھاتا ہے کہ منظر ہی بدل جاتا ہے اور بارہا دیکھی ہوئی اور بھوگی ہوئی حقیقتیں بھی کورا برتن بن جاتی ہیں۔ دیکھا جائے تو استعارہ مسمریزم ہے، سحر ہے، طلسم ہے۔ آنکھوں کو کواڑ بنا دینا اور پھر کواڑوں کو بے خوابی کی صفت دیدینا۔ دریا کی خاموش لہروں سے چھیڑ چھاڑ کرنے والی چاندنی کی کرنوں کو گیسوئے یار میں شانہ کرتی ہوئی انگلیوں کو دریافت کرلینا شفق کا لالے کے پھول مارنا یہ سب جادو ہی تو ہے۔

غالبؔ کی نظر میں شاعری کا کمال معنی آفرینی میں تھا اقبالؔ اس عمل کو فن ہی نہیں تسلیم کرتے تھے جس کی حنابندی خونِ جگر سے نہ ہوئی ہو۔ پکاسو اسے فن کا رمانتا ہے جو پیلے دھبے کو سورج بنادے نہ کہ اسے جو سورج کا پیلا دھبا بنا دے۔ تخلیق آمد اور آورد کے خطِ اتصال یا خطِ انفصال پر اپنے گیسو سنوارتی ہے۔ ہر تخلیق کے پیچھے اظہار کی تکنیکی مہارت اور بیان کی قدرت کارفرما ہوتی ہے۔ DRAWING اور DRAFTING پر قدرت اور چابکدستی کے بغیر کوئی تخلیق فنی عظمتوں اور خوبیوں سے ہمکنار نہیں ہوسکتی۔ محض فکر و نظر کی گہرائی اور تجربے کی گیرائی فن پارہ خلق نہیں کرسکتی۔ کاریگری اور ہنرمندی کی اہمیت استعارہ تخلیق کے رومانی تصور سے دبائی نہیں جاسکتی۔ مگر کیا کہنے اس ہنرمندی اور کاریگری کے جو ہنرمندی اور کاریگری نہ معلوم ہو۔ فن وہی ہے جو اخفائے فن کرے۔

حیوانِ ناطق کی تخلیقی جسارت کا مظاہرہ خلا میں نہیں عالمِ موجودات میں ہوتا ہے۔ معلوم اور مجرب موجودات میں نئے امکانات کی جستجو تخلیق کو راہ دیتی ہے۔ امیر خسرو کا ایک انمل ہے۔

کھیر پکائی جتن سے چرخہ دیا جلا
کتا آیا کھا گیا بیٹھی ڈھول بجا

بظاہر لفظی بازیگری ہے۔ اس میں نہ کوئی نفسیاتی نزاکت ہے نہ تجربے کی کوئی ندرت لفظ و معنی کا رشتہ بھی منطق، صرف و نحو، محاورہ، زبان اور روایتِ بیان سے الگ نہیں۔ کوئی چیستاں بھی نہیں پھر بھی یہ ایک بدیہی عمل کا نتیجہ ہے۔ چار پنہاریوں نے ایک ایک لفظ دیا۔ ایک نے کہا کھیر، دوسری نے کہا چرخہ تیسری نے کہا کتا، چوتھی نے کہا ڈھول اور سب ضد پکڑ گئیں کہ انہیں موزوں کرو اور فوراً کرو۔ امیر خسرو نے ان چار بظاہر بے ربط و بے تعلق لفظوں کو ایک معنوی رشتے میں پرو دیا۔ اور موزونیت کا آہنگ بھی دیدیا۔ اسی کمالِ ہنر نے اس انمل میں خواہ کتنے ہی ادنیٰ درجے کی ہو، ایک تخلیقی شان پیدا کردی۔

سڑک پر لکڑی کا ایک بے ہنگم آڑا ترچھا ٹکڑا پڑا ہوا تھا۔ ہزاروں لوگ سڑک سے گزر گئے مگر کسی نے اس ٹکڑے کی جانب توجہ نہ کی۔ مگر ایک شخص آیا، اس کی نظر اس ٹکڑے پر پڑ گئی۔ دائیں سے، بائیں سے، اوپر سے، پہلو سے اس ٹکڑے کو غور سے دیکھا۔ اٹھایا، گرد سے پاک کیا اور اپنے گھر لاکر دیوان خانے کی ایک دیوار سے ایسے زاویے چسپاں کردیا۔ روشنی اور نظر کے زاویے کا کمال دیکھئے کہ لکڑی کا وہی مہمل سا ٹکڑا ایک فریاد کرتا ہوا، کرب سے چیختا ہوا، دعا مانگتا ہوا، شکوہ کرتا ہوا انسان نظر آنے لگا۔ اس میں معنویت اور تاثیر کی پرتیں پیدا ہوگئیں۔ جس فن کار نے اس ٹکڑے میں کوئی صورت دیکھی اور اسے دیوان خانے میں عزت و افتخار کے ساتھ جگہ دی اس نے نہ تو لکڑی کا وہ ٹکڑا بنایا، نہ دیوار اور نہ کیلیں۔ اس نے نہ وہ بلب بنایا جس کی روشنی کا زاویہ اس لکڑی کے ٹکڑے کو معنویت بخش رہا تھا۔ مگر اس کا یہ سارا عمل تخلیقی عمل ہی تو کہلائے گا۔

اساطیر، مذہبی قصے اور جادو اسی تحت الارض چشمے سے آبِ حیات لیتے ہیں۔ جو تخلیقی فنون کی آبیاری کرتا ہے۔ دیومالا، مذہبی قصے اور جادو بھی تو استعارے کے مرہونِ منت ہیں۔ جس نے استعارے کی تھاہ کو پالیا بس سمجھئے کہ اسے تخلیق کے قفلِ ابجد کی کلید حاصل ہوگئی۔

استعارہ اور استعارے کا عمل کیا ہے؟ اس سوال پر گفتگو ختم کر رہا ہوں اور یہ جانتے ہوئے کہ سوال پر گفتگو کو چھوڑنا ناانصافی ہے۔ مگر کیا کروں۔ ایک تو وسیلۂ رسوائی ہے دوسرے میں خود کسی نتیجے پر کہاں پہنچا، تیسرے وقت کی پابندی اور ذمہ داری کا احساس۔ (اردو سروس)

وہ اکثر یاد آتے ہیں

علاء الدین مرحوم

زندگی کی ڈوری کب ٹوٹے اور سانسوں کے موتی کب بکھر جائیں کسے کیا معلوم۔ دھڑکن کب خاموش ہوجائے اور زندگی موت میں بدل جائے کون کیا کہہ سکتا ہے۔ اس وقت میرے ذہن ایک ہندستانی فلم 'سفر' کا ایک مکھڑا:

زندگی کا سفر ہے یہ کیسا سفر
کوئی سمجھا نہیں کوئی جانا نہیں

ایک ایسی ہی شخصیت کی یاد دلا رہا ہے جو آج سے چند روز قبل تک اس دنیائے رنگ و بو کا ایک حصہ تھی مگر آج وہ ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہوچکی ہے۔ جب آل انڈیا ریڈیو کی اردو سروس نے مجھ سے اپنے مستقل عنوان "وہ اکثر یاد آتے ہیں" کے لیے ایک ایسے بزرگ فن کار کے بارے میں لکھنے کے لیے کہا جنہیں ایک دنیا علاء الدین کے نام سے جانتی ہے تو اس وقت مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ تحریر لکھنے سے پہلے ہی علاؤالدین کے نام کے ساتھ لفظ مرحوم بھی جڑ جائے گا۔ اگر علاء الدین کی زندگی ان پر چند دن اور مہربان ہوجاتی تو یہ تحریر و تقریر غالباً ان کے لیے خراجِ تحسین ہوتی مگر اب اسے ان کے لیے خراجِ عقیدت ہی کہا جائے گا۔

علاء الدین ۲۴، مارچ ۱۹۲۴ء کو راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ ابھی اسکول میں زیرِ تعلیم تھے کہ اچانک ان کے والد بینائی سے محروم ہوگئے۔ ننھے منے بچے نے حالات کا سینہ چیرنے کا فیصلہ کیا۔ صبح سویرے علاؤالدین سبزی منڈی جاتے وہاں سے مکئی کے بھٹے خرید کر لاتے۔ خود اسکول چلے جاتے اور اسکول سے آنے کے بعد ماں کے ہاتھ کے ابلے ہوئے بھٹے بیچتے۔ بھٹوں کا موسم نہ ہوتا تو دوسرے پھل کی ٹوکری لے کر سڑک پر بیٹھ جاتے۔

زندگی کمسن علاؤالدین کا امتحان لے رہی تھی مگر اسی کمسن علاؤالدین کے اندر چھپا ہوا فن کار اپنے شوق کی تکمیل کے لیے ماسٹر گوبند رام کے پاس چلا گیا۔ اسے ریڈیو سنگر بننے کا بہت شوق تھا۔ علاؤالدین اسٹیج اور شادی

قسیم الحق گیاوی

آئینہ ہو تو ستاروں کو جبیں پر دیکھو — آسماں والے چلے آئے زمیں پر دیکھو
تم ہو کب حشر کے قائل کہ رکھوں حشر پہ ہیں — ہو تنگ ظرف تو دوزخ بھی یہیں پر دیکھو
بے خودی تم کو ہے مطلوب تو لو زہر پیو — خود کو دو چار گھڑی عرشِ بریں پر دیکھو
اس سے پہلے کہ چلے جاؤ ستاروں کی طرف — کیا گذرتی ہے ذرا اہلِ زمیں پر دیکھو
یہ سمجھ لو کہ کہیں خون کی بارش ہوگی — جب نیا رنگ رُخِ تختِ نشیں پر دیکھو
شوق سے سارے در و بام جلا ڈالو مگر — آنچ آئے نہ مکانوں کے مکیں پر دیکھو

اس سے کہنا کہ قسیمؔ اور بھی کچھ غم ہیں یہاں
محفلِ شعر میں جب اس کو کہیں پر دیکھو

(پٹنہ سے نشر)

ظہیر ناصر

یاد کی تقریبات میں گیت گانے لگے۔ مگر ریڈیو کے ذریعہ فضا میں اپنی آواز کا جادو جگانے کی آرزو ابھی پوری نہیں ہوئی تھی لہٰذا علاؤالدین بمبئی آگئے۔ اور اپنے بھائی کی معرفت مشہور طبلہ نواز اللہ رکھا خاں صاحب سے ملے اس وقت ان کی عمر پندرہ سولہ سال تھی۔ اللہ رکھا خاں صاحب نے علاؤالدین کو موسیقی کی تعلیم دینا شروع کر دی۔ ایک سال تک یہ تربیت چلتی رہی اور پھر ایک دن خاں صاحب علاؤالدین کو ریڈیو اسٹیشن لے گئے ان کی آواز میں پہلا گیت نشر ہوا جس کے بول تھے "یہ رم سندیس ستائے مجھکو کلی کلی پہ زیڈ۔ اے بخاری نے اس نوعمر فن کار کی ہمت بڑھائی اور اس طرح علاؤالدین ریڈیو سنگر بن گئے۔ دس روپے یومیہ کی آمدنی ہونے لگی۔ بخاری صاحب نے ایک ڈرامہ کیا اور علاؤالدین کو ریڈیو کے ایک ڈرامہ میں موقع دیا۔ اب یہ ریڈیو کے مستقل ملازم بن گئے۔

اسی دوران ہندوستانی فلموں میں "پلے بیک" کا سسٹم شروع ہوا۔ نشاط پروڈکشن کے زیر اہتمام پنجابی فلم گڑماہی بننا شروع ہوئی۔ خورشید انور اس فلم کے موسیقار تھے۔ انھوں نے علاؤالدین کی آواز میں گیت ریکارڈ کرایا۔ فلم کے ہدایت کار تھے۔ کے نندہ نے آواز سنی تو گلوکار کو ایکٹر بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ علاؤالدین گلوکار بھی بن گئے اور اداکار بھی۔ فلم بے حد کامیاب رہی تو فلم ساز اے۔ آر۔ کاردار نے انہیں پانچ سو روپے ماہوار پر اپنی فلم ساز کمپنی میں ملازمت دے دی۔

گڑماہی کے گیت کار مدھوک صاحب تھے۔ مدھوک صاحب نے فلموں کے علاوہ ریکارڈز کے لیے غزلیں بھی کمپوز کی تھیں۔ علاؤالدین کی آواز میں غزلیں بھی ریکارڈ ہونے لگیں۔

فلم "نمستے" میں علاؤالدین کو ہیرو کے لیے منتخب کیا گیا مگر عمر کا مسئلہ آڑے آیا اور ہیرو کا رول نرگس کے بھائی انور حسین کو مل گیا۔ علاؤالدین فلموں میں چھوٹے چھوٹے رول ادا کرتے رہے۔ نذیر صاحب ان دنوں لیلیٰ مجنوں بنا رہے تھے۔ علاؤالدین کو اس فلم میں کام کرنے کا موقع ملا۔ نذیر صاحب علاؤالدین کی اداکاری سے اتنے خوش ہوئے کہ انھوں نے علاؤالدین کو اپنی فلم ساز کمپنی میں مستقل ملازمت کی پیش کش کر دی۔ علاؤالدین اے آر کاردار کی اجازت سے نذیر صاحب کے پاس آگئے۔ تنخواہ پانچ سو سے بڑھ کر ۸۰۰ روپے ماہوار ہو گئی۔

اس کے بعد نذیر صاحب نے علاؤالدین کو وامق عذرا' میں پیش کیا۔ ایک اسسٹنٹ فلم 'طلسمی خنجر' میں علاؤالدین ہیرو بنے۔ شریف نیر صاحب کی فلم 'یادگار' میں ولن کی حیثیت سے نظر آئے۔ ایس۔ یوسف نے ہدایت کار کی حیثیت سے 'میلہ' شروع کی اس فلم میں علاؤالدین نے نرگس مرحومہ کے والد اور دلیپ کمار کے اسکول ٹیچر کا رول ادا کیا تھا۔

نرگس کے بارے میں علاؤالدین مرحوم نے اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان کیے تھے۔ "بڑی کمال کی لڑکی تھی اتنی سلجھی ہوئی۔ ویل ایجوکیٹڈ۔ ایسی لڑکی میں نے اپنی لائف میں نہیں دیکھی۔ بیٹھنے کا سلیقہ گفتگو کے انداز۔ نرگس پر اپنی ماں کا اثر تھا اتنے خلوص سے اداکاری کرتی تھی مثلاً دلیپ کمار سے لو سین کر رہی ہے ایسا محسوس ہو کہ سچ مچ کی محبت ہو چکی ہے۔ شاٹ ختم ہوا تو سیٹ سے ایک طرف کتاب لے کر بیٹھ جائے گی۔ ٹافیاں کھاتی رہے گی۔ فلم میلہ میں میں اس کے باپ کا رول ادا کر رہا تھا مجھے ٹافیاں کھلاتی اور شکایت کرتی ڈیڈی آپ تو ہمارے لیے ٹافیاں لاتے نہیں۔ اسی فلم کے ایک سین میں مجھے نرگس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرنا تھا جب شاٹ اوکے ہو چکا تو نرگس نے مجھ سے شکایتی لہجے میں کہا ڈیڈی آپ نے میرے سر پر باپ کی شفقت سے ہاتھ نہیں پھیرا آپ نے میرے بالوں کا خیال رکھا کہ کہیں یہ خراب نہ ہو جائیں۔" نرگس کے مشورے پر یہ شاٹ دوبارہ لیا گیا اور میں نے محسوس کیا واقعی پہلے شاٹ میں میرے طرف سے کمی رہ گئی تھی۔ ایک بار نرگس روس جا رہی تھی۔ کراچی ایئرپورٹ پر اس کا چند منٹ کا قیام تھا اتفاقاً اس سے ملاقات ہوئی میری طرف آئی تو میں نے پوچھا "آپ نے مجھے پہچانا" نرگس نے کہا "بھیا کمال کرتے ہیں۔ میں آپ کو کیسے بھول سکتی ہوں۔ اس کے بعد تاشقند میں نرگس سے ملاقات ہوئی۔ اسٹیج پر آئی تو کیا دھم سے کلیپ ہوئی دو منٹ تک تالیوں سے ہال گونجتا رہا۔

دلیپ کمار کے بارے میں علاؤالدین نے کہا تھا۔ "دلیپ کمار بڑا انسان دوست ہے۔ اس کی صحیح شخصیت کا کسی کو علم نہیں بڑا ڈیپ آدمی ہے کھیلوں سے بے حد دلچسپی ہے۔ دلیپ اور میں ہاکی کے شوقین تھے۔ اکثر بمبئی میں ایک ساتھ ہاکی میچ دیکھتے۔ دلیپ کی اپنی ایک ورتھ ہے۔ اس کا ایک خاص اسٹائل ہے اور میں سمجھتا ہوں اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

میلہ ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی البتہ علاؤالدین مرحوم اپنا کام مکمل کرا چکے تھے ان کو اپنی ماں کی علالت کی خبر ملی۔ علاؤالدین مرحوم اپنی ماں کو دیکھنے پاکستان گئے۔ ان کا خیال تھا کہ ماں کی تیمارداری کے بعد بمبئی واپس آجاؤں گا۔ اپنے پروگرام کے مطابق علاؤالدین بمبئی واپس آرہے تھے کہ نذیر صاحب سے ملنے ان کے اسٹوڈیو گئے۔ جب نذیر صاحب کو معلوم ہوا کہ علاؤالدین واپس بمبئی جا رہے ہیں تو انھوں نے علاؤالدین کو اپنی فلم ساز کمپنی میں پانچ سو روپے ماہوار کی ملازمت آفر کی اور اس طرح بمبئی میں اپنا فلمی سفر شروع کرنے والے علاؤالدین پاکستانی فلم انڈسٹری سے وابستہ ہو گئے۔ پاکستان کی بیشتر فلموں میں کریکٹر آرٹسٹ کی حیثیت سے کام کرنے کے بعد جب علاؤالدین بوڑھے ہوئے تو پاکستانی فلم انڈسٹری نے بھی ان کو نظرانداز کر دیا تھا۔ اپنی یہ شکایت انہوں نے ان الفاظ میں بیان کی تھی۔

"آپ دیکھیں انڈیا میں پرانے آرٹسٹ اب بھی دو دو چار چار سین کا رول کرتے ہیں۔ پچھلے دنوں میں نے انڈین ٹی۔ وی پر ایک فلم میں بلیموریا کو جج کے رول میں دیکھا۔ وہ خاموش اور ناطق فلموں میں ہیرو آتا تھا مطلب یہ کہ وہ پرانے آرٹسٹوں کا خیال رکھتے ہیں۔ مجھے مجبور ہو کر کہنا پڑتا ہے کہ صادق بھی جو پرنس آف منروا کے نام سے مشہور تھا وہ کراچی میں رُل کے مرا۔ اس کی جو حالت تھی خدا کسی دشمن کی بھی وہ حالت نہ کرے۔

روزنامہ جنگ' مورخہ ۱۸ مئی کے فلم سیکشن میں سلیم باسط نے علاؤالدین کے آخری ایام کی عکاسی ان الفاظ میں کی ہے "آخری دنوں میں وہ سرگوشیوں کی سی زبان میں بات کرنے لگے تھے ہر جملے کے ساتھ لگتا تھا ایک

ایک ہوک سی نکل رہی ہے۔ وہ آخری دنوں تک کام کی تلاش میں اسٹوڈیو آتے تھے۔ لوگ عزت سے انھیں بٹھاتے تھے اور ان کے قصے سنتے تھے اور جب دفتر کا وقت ختم ہو جاتا تھا تو ان سے اجازت لے کر دفتر سے باہر چلے جاتے تھے۔ علاؤالدین نے ان میں سے کسی سے کام کو نہیں کہا۔ انہوں نے محمد علی اور ندیم سے یہ بھی نہیں کہا تھا کہ ان کی موت کے بعد تعزیتی پیغامات دیں۔ ہمدردی کا اظہار کریں۔ انہیں ہمدردی کی نہیں کام کی ضرورت تھی۔ اور اب انہیں کام میسر آگیا ہے ان کی بے چین روح کو سکون مل گیا ہے اب اسٹوڈیوز کے ستونوں کے ساتھ ان کا سایہ نظر نہیں آئے گا۔ مگر ان کی خوشبو بہت برسوں تک ان کی روح کے ساتھ ساتھ بکھری رہے گی۔

ہند و پاک کی تقریباً دو سو فلموں میں کام کرنے والے یہ فن کار ۱۳ مئی ۱۹۸۳ء کو ۵۹ سال کی کھٹی میٹھی زندگی گزارنے کے بعد اپنے معبود سے جا ملے۔ خدا مغفرت کرے۔ آمین۔

(اردو سروس)

MGIPLP 59/AIR/ND/83-5600

پیڑ پودے اور فضائی آلودگی

مجتبیٰ حسین فرحت

ہوا جاندار اور پیڑ پودوں کے لیے یکساں اہمیت رکھتی ہے۔ بغیر اس کے زندگی ممکن ہی نہیں ہوا میں موجود کسی بھی طرح کی جمی ہوئی شے چاہے وہ جامد و سیال ہو چاہے زہریلی گیس والی، جس سے نہ صرف جمادات و نباتات ہی اثر انداز ہوتے ہیں بلکہ انسانی زندگی کے ساتھ ساتھ اس کے گرد و پیش کے ماحول کو بھی خطرہ پہنچتا ہے، جسے ہم ہوائی آلودگی کہتے ہیں۔ زندگی ایسے ماحول سے گھری رہتی ہے جس میں زہریلی گیس ضرر رساں ذرات، ریڈیائی عمل کی اشیاء اور گیسوں کے ریکشن سے پیدا ہونے والے سیال اور منجمد ذراتی مادے اچھی مقدار میں موجود رہتے ہیں۔ یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ فصلوں کے لیے کچھ زرعی کیمیائی اجزا کا استعمال اور بایوسائیڈس بھی گیسی آلودہ ذرات و مرکبات کے ماخذ ہیں۔ پچھلی چار پانچ دہائیوں سے نباتات اور پیڑ پودوں کے لیے ہوائی آلودگی کے مضر اثرات کو خاص طور سے محسوس کیا گیا۔ نہ صرف ماہرین نباتات بلکہ ماحولیات جن کی دلچسپی کا خاص موضوع نباتات ہے، انھوں نے بھی اس طرف کارآمد تحقیقی نظریے پیش کیے ہیں۔ مختلف پودے مختلف جگہوں پر مختلف طور پر اثر انداز ہوتے ہیں کچھ پودوں پر ہوائی آلودگی کے مضر اثر اور نقصان کی مقدار کا اندازہ ہم بہ آسانی لگا لیتے ہیں۔

مختلف ضرر رساں ہوا میں آکسائڈ ہوتے ہیں۔ جو آلودگی (Atmospheric Pollution) کے ضامن ہیں۔ پہلا کاربن ڈائی آکسائڈ کوئلے کے جلنے اور تیل پٹرول اور دھوئیں وغیرہ سے اس کی تشکیل ہوتی ہے۔ چونکہ عام ہوا کے دس لاکھ حصے میں ۱۵-۲ حصہ تک کی آلودگی ہوتی ہے، ظاہر ہے اگر اس طرف توجہ نہ دی گئی تو اس کا روز افزوں اضافہ ہوتا رہے گا۔

دوسرا۔ سلفر آکسائیڈس: گندھک میں اگر آکسیجن ملا ہوتا ہے تو اسے سلفر آکسائیڈ کہتے ہیں۔ سلفر ڈائی آکسائیڈ اور سلفر ٹرائی آکسائیڈ اس کے دو اہم جز ہیں۔ سلفر ڈائی آکسائیڈ خصوصی طور پر آلودگی کا واحد جز ہے۔ جو بڑی مقدار میں زمین کے اندر رہتے ہوئے بھی ہمارے لیے کام کی چیز ہے۔ لیکن اس کے نقصانات ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں ہر سال صرف کوئلہ جلنے سے ہی فضا میں تقریباً تیس لاکھ ٹن سلفر آکسائیڈ کا مزید اضافہ ہو رہا ہے۔

تیسرا..... سلیفورک ایسڈ: یہ گندھک کا تیزاب ہے یہ ایسڈ فضا میں دھندلے جامد سیال قطروں کی شکل میں پایا جاتا ہے۔ ان قطرات کا ایک قطر، ایک سے چار مائیکران ایک ملی میٹر کے ایک ہزارویں حصے کے برابر ہوتا ہے، انھیں قطروں کے ایک ہزارویں حصہ میں سلیفورک ایسڈ موجود رہتا ہے۔ یہ نامیاتی مادے کے سڑنے یا گلنے، گندے نالوں کی کیچڑ کی غلاظت یا صنعتوں کے فضلوں سے پیدا ہوتے ہیں۔

چوتھا..... نائیٹروجن آکسائیڈ اور ہائیڈروجن فلورائیڈ: یہ ایک اہم آلودہ گیس ہیں جو خاص طور سے نباتات کو شدید نقصانات پہنچاتے ہیں۔ یہ المونیم، شیشہ اور خزافیات کی صنعتوں کے فضلے سے پیدا ہوتے ہیں۔

معاشی اثرات و نقصانات: ہوائی آلودگی انسان کی بیماری کے علاوہ آہستہ آہستہ موت کا سبب بھی بنتی جا رہی ہے۔ پھیپھڑے، دماغ اور آنکھوں کی روشنی پر بھی اس کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ دوسری طرف یہی آلودگی اپنی مضر اثرات کی وجہ سے کئی طرح کے دھاتوں اور دیگر چیزوں سے بنی اشیاء کو رنگ کے ساتھ گلا کر خراب بھی کر دیتی ہے۔ نباتات پر ہوائی آلودگی کے برے اثرات کو مختلف سائنسدانوں نے بتایا ہے۔ جہاں ایک طرف شہری آبادی کا دھواں ہر طرح سے انسان کے لیے وبال جان اور ناموافق طور پر اثر انداز ہو چکا ہے وہیں دوسری طرف فصلوں کا خراب ہونا، پیڑ پودوں کا مرجھانا، جھاڑی نما پودوں اور جڑی بوٹیوں کے پودوں کا تباہ ہونا معمولی بات نہیں ہے کہ ہم خاموش رہیں۔ پودوں میں آلودگی سے کئی طرح کے نقصانات پائے گئے ہیں جو پودوں کے سبز حصوں کو سفید کر دیتا ہے، جسے ہرامراض بھی کہتے ہیں۔ نسلی اعتبار سے بھی پودوں کی ساخت اور بالیدگی پر بھی آلودگی کا گہرا اثر پڑتا ہے۔ سائنسدانوں نے بتایا ہے کہ دنیا میں جنگلات کے پیڑ پودے نابود ہوتے جا رہے ہیں۔ اس سے ہوئے نقصانات کے بارے میں دریافت کرنا تو مشکل ہے مگر پھر بھی کچھ سائنسدانوں نے بتایا ہے کہ کیلیفورنیا میں ۸۰ لاکھ ڈالر اور مشرقی سمندری خطہ میں تقریباً ایک سو اسی لاکھ نقصان صرف ہرے پودے کی بربادی کے سبب سے ہوا ہے ملک کی بات بھی عجیب ہے۔ کلکتہ میں بالکل اسی طرح کی آلودگی جاتی ہے جیسے ٹوکیو اور گلاسکو میں پائی جاتی ہے۔ قومی ماحولی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ناگپور نے یہ انکشاف کیا ہے کہ ملک کی ریاستوں کی نوراجدھانی میں تقریباً ۶۰ لاکھ افراد ضرر رساں سانس لے رہے ہیں۔ ہمارے ملک کے کچھ شہروں میں کاربن مو کافی تیز رفتار سے بڑھ رہا ہے۔ بمبئی میں چمبور کا علاقہ جو وشاداب ماحول کے لیے مشہور مقام تھا آج ایک گیس میں تبدیل ہو چکا ہے۔ وہاں کئی تیل کے کارخانے اور کئی کیمیا کھاد کے کارخانے ہیں۔ عام طور پر وہاں کے لوگ استھما برونکائٹس کی بیماری کے شکار ہوتے ہیں۔

ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے سائنسدانوں نے مختلف جگہ دورہ کر کے تقریباً ساٹھ پودوں کی ایسے اقسام کو اکٹھا کیا جو گن نالوں، صنعتی کارخانوں، بھٹیوں، سیمنٹ اور مختلف فیکٹریوں گرد و پیش میں افزائش پا رہی تھیں اور جہاں ہوائی آلودگی پا کے سب سے زیادہ امکانات موجود تھے۔ تحقیق سے یہ بات مع ہوا کہ کچھ پودے ایسے بھی ہیں جو ہوائی آلودگی سے متاثر نہیں بلکہ اس آلودگی کو جذب کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ پود کاربن ڈائی آکسائڈ اور دیگر زہریلی گیس کو اپنی بالیدگی کے غذائی صورت میں استعمال کرتے ہیں۔ اس کے بدلے میں ہمیں آکسیجن دیتے ہیں۔ اور آلودگی کو کم کرنے میں یہ پودے نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ دھتورا اور پیپل کے پودوں پر ہوا آلودگی کا کوئی مضر اثر نہیں پایا گیا ہے۔ ان کے علاوہ بھی کئی کیے گئے ہیں جن میں گل مہندی، چولائی اور گیندے کے ایک قسم پودے، روزانہ دو گھنٹے کے لیے ایک گیس خانے میں سائنٹفک میتھڈ کے حساب سے یعنی دس لاکھ حصے ہوا میں ایک حصہ سل ڈائی آکسائڈ گیس بھر دی گئی اسی طرح دو حصہ اور پانچ حصہ گ بھر کر پودوں پر تجربے کیے گئے۔ جوں جوں گل مہندی اور گ کے پودے بڑے ہوتے گئے ان میں ہرامراض، جلن، سڑھا غرضیکہ پودوں کی تشکیل میں واضح طور پر خرابی ہوتی گئی۔ گیند کے پودے میں پھول نکلنے کی صلاحیت پہلے کم ہوئی اور پھر میں بالکل ختم ہو گئی جبکہ چولائی کے پودے میں کسی طرح کا ضر پایا گیا اور اس کی بالیدگی میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

نہایت خوشی کی بات ہے کہ اب ہمارے ملک میں مخت سائنٹفک اداروں میں بڑی سرگرمی سے سائنسدانوں نے تحقیق شروع کر دیا ہے اور اچھے نتائج حاصل کیے ہیں۔ ممکن ہے معاشیاتی، زیبائی اور دیگر پیڑ پودوں پر بھی تجربات کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ امید قوی ہے کہ اس جانب کوئی دوسری نئی کرن سامنے آئے گی جس سے ہندوستان ترقی یافتہ ملکوں طرح سائنسی میدان میں نکل کر آواز بلند کرے گا۔ آیئے ہم سار لوگ ایک ہو کر اس میں چار چاند لگائیں۔ (پٹنہ سے نش

مجتبیٰ حسین فرحت
عبدالقیوم انصاری ہوسٹل
روم نمبر ۶، مہیندرو رانی گھاٹ پٹنہ ۷

ودیاپتی اوران کی رومانی شاعری

فضل الرحمٰن ہاشمی

میتھلی ادب میں ودیاپتی کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ درحقیقت ودیاپتی ودیا کے پتی یعنی مالک تھے۔ انہوں نے اپنی شاعرانہ عظمت کی بدولت میتھلی ادب کے مرغزاروں میں حسین وجمیل پھول کھلائے جس کی دل کشی اور خوشبو ابھی تک باقی ہے اور آئندہ بھی اس کی جاذبیت اور خوشبو قائم ودائم رہے گی۔ اس کی شاعری میں اجتماعیت اور ستھرا ذوق ہر گام پر دیکھنے کو ملتا ہے۔ وہ رومان آفریں شاعر کے ساتھ گوناگوں صلاحیتوں کے مالک تھے۔ انہوں نے میتھلی کے سبک الفاظ کے حسین تصرف کے ذریعہ اپنے کلام میں ہر جگہ رعنائی پیدا کی ہے اور اس وجہ سے زندگی تمام تر رنگینیوں کے ساتھ ان کی شاعری میں جلوہ گر ہے۔ رومان کے ساتھ ساتھ یہ تصوف کا دلدادہ شاعر متھلائی تہذیب اور آراستگی کا سنگ میل ہے۔

ودیاپتی کے سالِ پیدائش کے بارے میں مورخین میں سخت اختلاف ہے۔ مختلف مورخین نے مختلف نظریہ کے تحت ۱۳۴۰ء، ۱۳۵۰ء، ۱۳۶۰ء، ۱۳۷۵ء، اور ۱۳۸۰ء کا تذکرہ کیا ہے۔ میری نظر میں ۱۳۶۰ء زیادہ معتبر ہے اور کرتی سنگھ وشیو سنگھ کی عمر کی مطابقت کی بنیاد پر بھی درست ہے۔

ان کی پیدائش صوبہ بہار میں مدھوبنی ضلع کے بسفی نامی موضع میں ہوئی تھی جو کمتول ریلوے اسٹیشن کے پاس ہے۔ وہ ذات کے برہمن تھے اور ان کے والد کا نام گن پتی ٹھاکر تھا جو راجہ گنیشور رائے کے درباری اور خصوصی مشیر کار تھے۔ ودیاپتی کے استاد متھلا کے جید عالم ہری مصر تھے اور انہیں سے یہ اکتسابِ فن کیا کرتے تھے۔

جب گنیشور رائے کو ملک محمد اسلان نے قتل کر کر ڈالا تو متھلا کی حالت کافی ابتر ہو گئی اور شر پسندی اس درجہ تک پہونچ گئی کہ شریفوں کا جینا تک دوبھر ہو گیا تھا۔ ۱۴۰۲ء میں گنیشور رائے کے خلفِ لائق کرتی سنگھ ودیاپتی کے ساتھ جون پور کے حکمراں ابراہیم شاہ کے دربار میں گئے اور ملک محمد اسلان کے ظلم وستم کی داستان سنائی۔

ابراہیم شاہ کو ملک محمد اسلان کی اس حرکت پر کافی غصہ وقلق ہوا اور انہوں نے اسلان کو شکستِ فاش دے کر متھلا کی حکومت دوبارہ کرتی سنگھ کے حوالہ کر دی۔ کرتی سنگھ کا خاندان تاریخ میں اوئنی خاندان کے نام سے مشہور ہے۔

گنیشور رائے کی کھوئی حکومت کو ابراہیم شاہ کے ذریعہ دوبارہ حاصل ہونے میں ودیاپتی کی شاعرانہ عظمت اور فنی شعور کو بڑا دخل ہے۔

انہوں نے متھلا کے راجہ شیو سنگھ کا بھی دورِ حکومت دیکھا۔ راجہ شیو سنگھ کی ادب نواز اہلیہ لکھیما دیوی ودیاپتی کی قدر داں تھیں۔ اور انہوں نے ہی ودیاپتی کو ابھینو جے دیو کے خطاب سے نوازا تھا۔ راجہ شیو سنگھ کی موت سے شاعر کا دل دنیا سے اچاٹ اور بیزار ہو گیا۔ ان کی موت ۱۴۴۸ء میں ہوئی۔ ودیاپتی کی موت کے بارے میں یہ شعر بہت مشہور اور تحقیق شدہ ہے۔

विद्यापती आयु अवसान
कार्तिक धवल तियोदशी जान ।

ودیاپتی کی تصانیف مختلف زبانوں میں ہیں۔ وہ مجموعہ جس نے انہیں آسمانِ شہرت عطا کیا وہ میتھلی زبان کی پداولی (पदावली) ہے جس پر متھلا کے تقریباً تین کروڑ لوگوں کو بجا فخر ہے۔ پداولی میں ایک طرف فریبِ حسن، بہارِ حسن اور حجابِ حسن ہے تو دوسری طرف تصوف کی وہ باتیں ہیں جو اخلاقیات کو سنوارنے اور صحت مند بنانے میں معاون بنتی ہیں۔ حیات وکائنات کا تجربہ انہوں نے بڑی مستعدی سے کیا ہے۔ کہیں کہیں رنگِ گیت اتنا شوخ اور سرخ بن جاتا ہے کہ قارئین ان کے ادراک کی داد دئے بغیر نہیں رہ پاتے۔

گیت میں کہیں اشارے کہیں کنائے تو کہیں برجستگی کا جوہر عیاں ہے۔ ہر حال میں زبان وبیان پر آپ کی گرفت غایت ومضبوط تر ہے۔ آپ نے مروجہ اسالیب کو عملی جامہ بھی پہنایا ہے تو کہیں کہیں اس سے دور ہٹ کر بھی ایمان داری سے ادب کی خدمت کی ہے۔ ان کی شاعری رومانیت اور تصوف کا حسین امتزاج ہے اور ان کی رومانی شاعری بھی زندگی کا ایک مخصوص نظریہ حیات ہے۔

نمونے کے طور پر ودیاپتی کے دو رومانی گیت پیش کئے جا رہے ہیں جن کا اردو ترجمہ میں نے خود کیا ہے۔ جس میں رعنائی خیال اور جمالیاتی حسن کا بھرپور نظارہ ہے اور معاملاتِ حسن وعشق کو دلفریب انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

گیت نمبر۱

مل گئی طفلی جوانی ایک ساتھ
چشم نے پکڑی ہیں راہیں گوش کی
گفتگو میں مسکراہٹ عقلمندی کا نشاں
چاند سے روشن
زمیں کا ذرہ ذرہ آج ہے
ہاتھ میں لے آئینہ
وہ کر رہی سنگار ہے
پوچھتی ہے یہ سہیلی سے
"بتاؤ تو ذرا
کس طرح صورت یہ میری لگ رہی ہے"
بارہا وہ دیکھتی چھاتی کو خود
دیکھتی ہے اور پھر ہنس دیتی ہے
بیر سے بڑھ کر یہ نارنگی ہوئی
"مالکِ شہوت" نے کر ڈالا کمال
کرشن نے دیکھا نگاہِ ناز سے
مل گئی طفلی جوانی ایک ساتھ
نازنیں سے کہتے ہیں ودیاپتی
"تم ہو ناداں
مل گئی طفلی جوانی
ہو گئی پہچان تم ہو بالغہ۔۔۔۔!"

گیت نمبر۲

آ گئے بچپن، جوانی
آمنے اور سامنے
اس طرح سے چھڑ گئی
دونوں میں جنگ
باندھتی ہے زلف کو
پھر کھول دیتی ہے اسے
جسم ڈھکتی ہے کبھی
آنچل ہٹاتی ہے کبھی
آنکھ چنچل ہو چکی
پستان بھی اب سرخ ہے
چال میں تیزی نزاکت ساتھ ساتھ
شاہِ شہوت کا اثر آنکھوں میں ہے
کہتے ہیں ودیاپتی سنبھلو ذرا
جسم کا ہر رنگ برساتا ہے تیر
دعوتِ رومان دینے کے لئے۔۔۔۔!"

(پٹنہ سے نشر)

تدریس اردو

محمد خضر حیات

اردو زبان کی تاریخ مسلسل ترقی کی داستان ہے۔ ہندوستان کی دھرتی پر تاریخی تقاضوں نے اس زندہ لچک دار اور وسعت پذیر زبان کو جنم دیا۔ اپنے تاریخی آغاز کے سفر میں آج اردو غزل کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ ہندوستان کی شاید ہی کوئی ایسی زبان بھی ہو جس میں غزل کی ہیئت کا استعمال نہ کیا جا رہا ہو۔ اردو کے غزل کے ریکارڈ گھر گھر عام ہو رہے ہیں۔ اور غزل کے متوالے صاحبِ ذوق غیر اردو داں غزل کے رموز و علائم سے براہ راست واقفیت حاصل کرنے کے لیے بے چین ہو رہے ہیں۔ مہاراشٹر میں تو اردو زبان اور اردو غزل سے ایک عام وابستگی کا ماحول بنا ہوا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اردو دنیا کے ذمہ دار حضرات ایک سازگار ماحول سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی طرف متوجہ ہوں اور اردو زبان کی توسیع و ترقی کے لیے معنی خیز کوشش کریں۔

کسی بھی زبان کی تدریس کے تین پہلو ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ مادری زبان کی حیثیت سے سیکھی اور سکھائی جاتی ہے اور سیکھنے والے نو عمر بچے ہوتے ہیں۔ دوسری صورت میں زبان سیکھنے والے ناخواندہ بالغ ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو طالب علمی کی معروف عمر سے گزر چکے ہوتے ہیں اور پہلے سے کسی دوسری زبان کا لکھنا پڑھنا انھیں نہیں آتا۔ تیسری شکل ثانوی زبان کی حیثیت سے کسی زبان کی تدریس ہے۔ اس آخری صورت میں طالب علم مبتدی گو عمر رسیدہ بھی ہو، پہلے سے ایک دو یا زائد زبانیں اچھی طرح جانتا ہے، اس کی مادری زبان کچھ اور ہو اور اب وہ ایک نئی زبان سیکھنے کا آرزومند ہو — یہی وہ تیسری صورت ہے جو زیرِ بحث ہے۔

ثانوی زبان کی حیثیت پڑھے لکھے لوگوں کو اردو سکھانے پڑھانے کے کام پر سائنٹفک منظم طریقے پر بھرپور کوششیں نہیں کی گئی ہیں۔ حالانکہ جدید لسانیات کے بنیادی اصولوں نے ثانوی زبان کی تعلیم و تدریس کے طریقوں کی اصلاح میں نئی راہیں دکھائی ہیں جن سے کام لے کر اردو زبان کی تدریس کو مختصر مدتی دلچسپ اور آسان بنایا جا سکتا ہے۔ جب بھی کوئی طالب علم ثانوی زبان سیکھتا ہے تو وہ اپنی مادری زبان کے سارے صوتی اصولوں کو بھی ادھر منتقل کر دیتا ہے۔ ترتیبِ الفاظ، افعال، آوازوں کا اتار چڑھاؤ اور جملوں کی ساخت وغیرہ نو آموز کی مادری زبان سے ثانوی زبان کی طرف غیر محسوس طریقے پر منتقل ہوتے چلے جاتے ہیں۔

اگر مبتدی کی مادری زبان اور ثانوی زبان میں ہیئت کے اعتبار سے اختلاف ہو، رسم الخط، قواعد اور محاوروں میں اختلاف ہو تب تو تدریسی طریقہ پیچیدہ اور مشکل بن جاتا ہے۔ دونوں زبانوں میں جتنا کم اختلاف ہو اتنا ہی تدریس میں آسانی ہوتی ہے۔ ہندوستان کی بیشتر زبانوں کے جاننے والے لسانی اعتبار سے اردو کے قریب ہیں اور قواعد وغیرہ کی عمومیت تدریسِ اردو میں آسانی کا باعث بنتی ہے۔ صرف رسم الخط کا سکھانا ہی بعض اوقات زبان پر مہارت اور قدرت پیدا کرنے کے مترادف ہوتا ہے اور اردو رسم الخط کے متعلق بلا جھجک یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ یہ دنیا میں مروج خطوں میں آسان ترین خط ہے اور اگر سائنسی طریقۂ تدریس اختیار کیا جائے تو مہینہ بھر سے بھی کم مدت میں اسے سکھایا جا سکتا ہے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہندوستان کی ہر زبان کا اردو زبان سے سائنسی تقابل کر کے ایسے تدریسی طریقے تیار کیے جائیں جن سے اردو کو بہ حیثیت ثانوی زبان کے سیکھنا آسان ہو جائے۔

ناگپور میں گزشتہ چھ برس سے مراٹھی داں مبتدیوں کو ثانوی زبان کی حیثیت سے اردو زبان کی تدریس کا کام ہو رہا ہے۔ اس سلسلے میں سیکھنے والوں کے کچھ مسائل ہیں اور مدرس کے بھی کچھ مسائل ہیں جن کا ایک مختصر تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔

مراٹھی بولنے والوں کو جو اردو سیکھنے کے آرزومند ہیں، عموماً جن مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان میں رسم الخط کے مسئلے سے قطع نظر تلفظ کا مسئلہ سب سے اہم ہے۔ اردو میں چند آوازیں ایسی ہیں جن کا مراٹھی میں کوئی متبادل موجود نہیں ہے ان آوازوں کا صحیح تلفظ سکھانا اردو کے معلموں کے لیے کٹھن اور محنت طلب کام ہے کیونکہ غلط تلفظ غلط املا کی عادت ڈالے گا۔ بعض اوقات غلط تلفظ کی وجہ سے مبتدی خود بھی ہنسی اور مذاق کا شکار ہوتا ہے اور اگر کسی کے نام کا غلط تلفظ کر گیا تو اسے بھی غلط کش مکش میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اردو کے وہ حروف جن کے تلفظ میں مراٹھی داں فرق نہیں کر پاتے تدریسی سلسلے میں مسئلہ بنتے ہیں۔ مثلاً ث۔ س۔ ص کے لیے مراٹھی میں ایک ہی آواز "س" ہے۔ مبتدی کو یہ سمجھانا دشوار ہوتا ہے کہ ثمر کو "ث" سے، سڑک کو "س" سے۔ اور صراحی کو "ص" سے کیوں لکھا گیا ہے۔ یا کب اور کہاں "ث" یا "س" یا "ص" کا استعمال کرنا چاہئے۔

مراٹھی میں عربی فارسی کے بے شمار الفاظ شامل ہو گئے ہیں لیکن وہاں ان کا تلفظ مراٹھی زبان کے صوتی اصولوں کے مطابق ہوا ہے۔ مثلاً سکمت، شاہیر (شاعر)، مکھمل، تمحت۔ ایسی بے شمار مثالیں ہیں۔ عربی فارسی کے بعض الفاظ مراٹھی میں کچھ اور ہی معنوں میں مستعمل ہیں اور مراٹھی داں مبتدی اردو سیکھتے وقت جب اردو میں ان الفاظ کو سیکھتا ہے تو مادری زبان میں مستعمل معانی سے رشتہ جوڑ دیتا ہے۔ معلم اگر دونوں زبانوں پر قدرت رکھتا ہے تو یہ مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ متعلم کے لیے مسلسل مشق پھر بھی ضروری ہے۔

اسی طرح جملوں کی بناوٹ اور ذخیرۂ الفاظ کے تعلق سے بھی کچھ نہ کچھ مسائل سامنے آتے ہیں لیکن ان سب پر پڑھا لکھا مبتدی تھوڑی توجہ اور مشق سے قابو پا لیتا ہے۔ پھر مراٹھی داں مبتدیوں کے لیے یوں بھی اردو سیکھنا آسان ہوتا ہے کہ فلموں اور غزلوں کے ذریعے اکثر وہ اردو کے لسانی مزاج سے آشنا ہوتا ہے۔ مراٹھی میں دخیل بے شمار عربی فارسی کے الفاظ جو اردو میں بھی مستعمل ہیں مزید دلچسپی اور آسانی کا سبب بنتے ہیں۔ اس طرح تدریسِ اردو کا عمل ایک دلچسپ مؤثر اور قلیل المدت عمل کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

مراٹھی داں مبتدیوں میں اردو سکھاتے وقت سب سے زیادہ مسائل کا سامنا مدرس کو کرنا ہوتا ہے۔ سب سے پہلے تو

مراٹھی اور اردو میں اچھی مہارت کا ہونا اس کے لیے ضروری ہے۔ علاوہ ازیں ہندی اور انگریزی کا علم بھی ضروری ہے کیونکہ بہت سے نو آموز ان زبانوں سے بھی واقف ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ مختلف النوع سوالات کرتے ہیں جن کا اطمینان بخش جواب دینا ضروری ہوتا ہے۔ کسی بنیادی درسی کتاب کا نہ ہونا وہ اہم مسئلہ ہے جس سے یہاں مدرس کو سابقہ پڑتا ہے۔ اردو میں خواندہ بالغوں کے لیے ثانوی زبان کی حیثیت سے بنیادی کتابوں کی زبردست کمی ہے۔ جو کتابیں ملتی ہیں وہ عموماً بچوں کے لیے یا ناخواندہ بالغوں کے لیے لکھی گئی ہیں۔ مناسب کتابوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے ان کتابوں سے ہی کام چلانا پڑتا ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ یہ کتابیں بھی بازار میں وقت پر دستیاب نہیں ہوتیں اور اس طرح تدریسی عمل متاثر ہوتا ہے۔

بچت بہت آرام بہت

حامد الظفر

آج کل کی مہنگائی کو دیکھتے ہوئے اکثر دیکھا گیا ہے کہ روز مرہ کی زندگی میں بچت کی بات ہر کوئی کرتا ہے۔ مثلاً پیٹرول، پانی، بجلی کی بچت وغیرہ غرض کہ ہر معاشی وسماجی کاموں کو سر انجام دیتے وقت زیادہ سے زیادہ بچت کو دھیان میں رکھا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر کوئی دن میں ایک مرتبہ بچت کے بارے میں غور کرتا ہے۔ ہر کام کو پورا کرنے کے لیے سرمائے کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ سرمایہ کس طرح بچت کی صورت میں، جمع کیا جائے اس کی غور وفکر ہر کس وناکس کو ہوتی ہے۔

یہ بات یقینی ہے کہ تھوڑے تھوڑے روپے جمع کرکے ہم چند سالوں میں معقول رقم حاصل کر سکتے ہیں۔ جو آپ کی ضروریات کو پوری کرکے خوش حال زندگی کا باعث ہو سکتی ہے۔ مثلاً جمع شدہ رقم سے بچوں کی شادی بیاہ، پلاٹ یا مکان کی خریداری، نیز پنکھا سلائی مشین، سائکل، ریڈیو اور دیگر اشیاء بآسانی خریدی جاسکتی ہے اسی مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے قومی بچت ادارہ جو مرکزی حکومت کا ہی ایک شعبہ ہے۔ ہر شخص کی حیثیت کے مطابق مختلف اسکیمیں پوسٹ آفس بچت بینک کے ذریعہ چلاتا ہے۔ ان اسکیموں میں نیشنل سیونگز سرٹیفکٹ چھٹویں سیریز عوام میں کافی مقبول و موثر ہے۔ جس میں صرف چھ سال کے بعد آپ کی رقم دگنی سے زیادہ واپس ملتی ہے اور ضرورت پڑنے پر اسے تین سال کے بعد کیش کرایا جاسکتا ہے۔ اس اسکیم سے ملنے والا فائدہ بارہ فی صد سالانہ ہے۔ جو اس ملک کے دیگر شعبوں کی بچت اسکیموں سے ہر لحاظ سے بہتر ہے۔

جن حضرات کو روپے جمع کرنے کے بعد چھ ماہ بعد ہی فائدہ کی ضرورت ہو تو ان کے لیے نیشنل سیونگز سرٹیفکٹ ساتویں سیریز مہیا ہے۔ جس میں دس ہزار روپے جمع کرائے جائیں تو چھ ماہ کے وقفے سے مبلغ چھ سو روپے بالترتیب چھ سال تک ملتے ہیں اور چھ سال کی مدت ختم ہونے پر جمع شدہ دس ہزار روپے واپس مل جاتے ہیں ضرورت پڑنے پر تین سال بعد اسے بھی بھنایا جا سکتا ہے۔

۱۹۸۳ء۔ کے مرکزی بجٹ میں ان سرٹیفکٹوں میں اپنی آمدنی کی چالیس ہزار تک جمع کی ہوئی رقم پر انکم ٹیکس کی دفع (سی) ۸۰ کے تحت چھوٹ بھی ملتی ہے۔ جس کا فائدہ انکم ٹیکس ادا کرنے والے حضرات حاصل کر سکتے ہیں اور ان کے لیے مرکزی حکومت نے یہ ایک بہترین موقعہ فراہم کیا ہے اس طرح ان کا انکم ٹیکس بھی بچ سکتا ہے۔ اور چھ سال بعد ان کی رقم بھی بارہ فی صد سالانہ فائدہ کے ساتھ واپس مل سکتی ہے۔

سرکار کی جاری کردہ اسکیموں میں محنت کش عوام کے لیے پوسٹ آفس ریکرنگ ڈپازٹ اسکیم کافی مقبول ہے اس اسکیم کا سرسری جائزہ اس طرح ہے کہ اگر آپ نے پچاس روپے ماہوار کے حساب سے ریکرنگ ڈپازٹ کھاتہ کھولا تو پانچ سال میں آپ کی یہ رقم تین ہزار روپے ہوجائے گی اور سرکار آپ کو اس رقم پر ایک ہزار اڑتیس (۱۰۳۸) روپے منافع دے گی۔ اس طرح بیس روپے ماہوار کے حساب سے آپ کی رقم پانچ سال میں بارہ سو روپے ہو جائے گی اور سرکار کا منافع چار سو پندرہ روپے بیس پیسے ہوگا اسی طرح دس روپے ماہانہ کے حساب سے آپ کی رقم پانچ سال میں چھ سو روپے ہوگی اور منافع دو سو ساٹھ روپے ساٹھ پیسے ہوگا

ابھی بیان کی گئی اسکیموں کو ایک یا دو افراد کے نام پر یا نابالغ کے نام پر یا نابالغ فرد اپنے نام پر حاصل کر سکتے ہیں اور ان اسکیموں میں نامزدگی کی سہولت بھی میسر ہے اور سرٹیفکٹ یا کھاتہ ایک پوسٹ آفس سے دوسرے پوسٹ آفس میں بآسانی تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

ان اسکیموں کی خصوصیت واضح کرنے کے لیے میں آپ کے سامنے ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

"مان لیجئے آپ اپنی بچی جس کی عمر ۴ سال ہے اس کے نام سے پانچ سالہ ریکرنگ ڈپازٹ کا ۵۰ روپے سے کھاتہ کھولا تو جب آپ کی بچی ۱۱ سال کی ہوگی تو آپ کو چار ہزار اڑتیس (۴۰۳۸) روپے کی رقم واپس ملے گی۔ اگر آپ نے اسی رقم کو ۶ سالہ نیشنل سیونگز سرٹیفکٹ میں جمع کردیا تو اس کی دوگنی رقم یعنی ۸۰۸۰ روپے اور آپ کی بچی کی عمر ۱۵ سال کی ہوگی۔ اسی اسکیم کے تحت مزید چھ سال کے لیے جمع کردیں تو یہ رقم تقریباً ۱۶۱۶۰ روپے ہوجا[ئے] گی۔ اس اسکیم سے آپ بچی کی شادی بیاہ کے اخراجات بآسانی پورے کر سکتے ہیں۔

ان اسکیموں کو آپ گھر پر ہی شروع کر سکتے ہیں مانا کہ آپ کے پاس وقت نہیں ہے کہ پوسٹ آفس جاکر آپ کھاتہ کھولیں یا سرٹیفکٹ خریدیں۔ لیکن چھوٹی بچت کے ایجنٹ آپ کے گھر آ کر آپ سے بچت کی رقم لے کر آپ کو سرکاری رسید دے دیں گے یہ ایجنٹ حضرات پوسٹ آفس جاکر آپ کے نام کھاتہ کھولیں گے یا سرٹیفکٹ خریدیں گے اور آپ کی پاس بک یا سرٹیفکٹ آپ کے پاس خود لاکر دیں گے۔ اس طرح پانچ سالہ ریکرنگ ڈپازٹ کھاتہ میں رقم وصولی وکھاتہ جمع کرنے کے لیے وہ ہر ماہ آپ کے گھر آئیں گے اور رقم لے جاکر آپ کے کھاتہ میں جمع کرائیں گے اور جتنی رقم آپ کی پوسٹ آفس میں جمع ہوگی وہ آپ کے پاس بک میں جمع ہوگی اس طرح پانچ سال میں آپ کی کثیر رقم ہوگی اور جمع شدہ رقم سرکار ساڑھے گیارہ فی صد سالانہ کے حساب سے منافع بھی دے گی۔ ایجنٹ حضرات آپ ہی کے گھر پر رقم لاکر دیں گے یا آپ اپنی مرضی سے بھی پوسٹ آفس جاکر یہ رقم حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی طرح ان اسکیموں کے تحت بچت بہت اور آرام بہت۔

(ناگپور سے نشر)

ابتدائی تدریس کی تکمیل کے بعد فطرتاً مبتدی مزید مشق و مطالعہ کا خواہش مند ہوتا ہے۔ یہاں بھی یہی دقت آڑے آتی ہے کہ خواندہ مبتدیوں کے لیے ایسی کتابیں نہ ہونے کے برابر ہیں جو محدود ذخیرہ الفاظ میں خاص ان کے لیے لکھی گئی ہوں۔ انگریزی میں شیکسپیئر کے ڈرامے تک مبتدیوں کے افادے کے لیے محدود ذخیرۂ الفاظ میں لکھے گئے ہیں۔ اردو میں اس طرح کے ادب کی زبردست کمی ہے۔

اسی طرح مختلف کتابوں میں اردو املا کی عدم یکسانیت بھی مدرس کے لیے مسئلہ بنتی ہے۔ ایک اچھی اردو مراٹھی لغت کی ضرورت آج بھی اپنی جگہ برقرار ہے۔

یہ سب مسئلے اپنی جگہ اردو والوں سے اپنا حل مانگتے ہیں۔ ہماری تساہلی اور غفلت کے باوجود اردو کی مقبولیت میں مسلسل اضافہ اردو زبان کی فطری خیز[ی]، لچک اور کشش کا نتیجہ ہے۔ (ناگپور سے نشر)

محمد خضر حیات ایم۔ اے۔ بی۔ ایڈ مومن پورہ ناگپور ۱۸

ادبی ترجمے کی روایت اور مسائل

عرفان صدیقی

ترجمہ علم و دانش کی ترسیل کا ایک بے حد اہم وسیلہ ہے۔ یہ انسانی شعور کے تجربات اور تصورات کو ایک حلقے سے دوسرے حلقے تک منتقل کرنے کا عمل ہے۔ خیالات اور تجربات کا یہ باہم تبادلہ زبانوں کے معنوی دائرے کو بھی زیادہ وسیع کرتا ہے اور ان کے لفظوں اور اصطلاحوں کے ذخیرے میں بھی اضافہ کرتا ہے۔ انسان کے احساسات اور تجربوں کو ان کے اظہار کی زبان جس حصار میں قید کرتی ہے انھیں آزاد کرا کے دوسری فضاؤں میں پہنچانے کی کوشش کرتا ہے اور اس اعتبار سے دیکھیے تو ترجمہ کا عمل نوع انسانی کے اتحاد کے لیے زبردست اہمیت کا حامل بن جاتا ہے کہ اس کے وسیلے سے مختلف زبانوں سے وابستہ معاشرے ایک دوسرے کے انداز تحریر طرز زندگی اقدار کے نظام احساسات اور امنگوں کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ ذہن کو کشادگی دینے اور تعصبات اور تنگ نظری سے نجات حاصل کرنے میں ترجمہ کا کردار اسی لیے انتہائی موثر ہوتا ہے کہ یہ کسی مخصوص لسانی معاشرے یا گروہ کی آگہی اور علم کو ایک عالمی ورثہ بنا دیا ہے۔

ترجمہ کی تاریخ بھی اتنی ہی پرانی ہے جتنی مختلف انسانی تہذیبوں کے باہمی لین دین کی اور آج ہم ترجمہ نگاری کو ایک باقاعدہ فن کے طور پر پہچانتے ہیں جس کے اپنے اصول ضابطے اور آداب ہیں۔ تجزیے کی سہولت کی خاطر ترجمے کو موضوع اور مواد اور ہیئت اور تکنیک کے دو بڑے خانوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ موضوع کے لحاظ سے ترجموں کے چار خاص زمرے مقرر کیے جا سکتے ہیں۔

یعنی علمی، ادبی، تکنیکی اور صحافتی۔ اسی طرح اسلوب اور تکنیک کے اعتبار سے بھی کسی ترجمے کو موٹے طور پر آزاد یا پابند اور سلیس یا دقیق کے ذیل میں رکھا جا سکتا ہے۔ ترجمہ کی تعریف یوں تو مختلف انداز میں کی جاتی رہی ہے لیکن بنیادی حقیقت یہی ہے کہ ترجمہ کا فریضہ کسی زبان میں بیان کیے ہوئے خیالات اور محسوسات کو مفہوم کی زیادہ سے زیادہ ممکن صحت و تکمیل اور بیان کے حسن اور خصوصیات کے ساتھ دوسری زبان میں پیش کرنا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ترجمے کا اصل مقصد معنی اور مفہوم کی ترسیل ہے لیکن اس مقصد کے حصول کا ذریعہ چونکہ زبان ہی ہے اس لیے اصل تخلیق کی زبان اور بیان کے خصائص اور ظاہری خوبیاں جتنی زیادہ ترجمہ کی زبان میں آئیں گی اتنی ہی اس ترجمہ کی قدر و قیمت ایک فن پارے کی حیثیت سے بڑھے گی۔ یہاں علم بیان کی کلاسیکی اصطلاحوں کو استعمال کرتے ہوئے اگر یوں کہا جائے تو بے عمل نہ ہوگا کہ کسی ترجمے کو اعلیٰ درجے کا فن پارہ بنانے کے لیے فصاحت اور بلاغت دونوں ہی ضروری ہیں بلاغت کا تعلق اصل تخلیق کی داخلی و معنوی گہرائی کی دوسری یعنی ترجمہ کی زبان میں ترسیل اور ابلاغ سے ہے تو فصاحت کا رشتہ اصل کے اسلوب اور اس کے محسوس اور خارجی اوصاف کا عکس ترجمہ میں دکھانے کے ساتھ ہے۔ ادبی ترجمے کے سلسلے میں تو یہ بات خاص طور پر ملحوظ رکھی جانی چاہیے کیونکہ کسی ادب پارے کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرتے ہوئے صرف اس کے خیال اور مفہوم کی ترسیل ہی کافی نہیں بلکہ اس کے بیان و اسلوب کی خصوصیات کو بھی ترجمہ میں برقرار رکھنا ضروری ہے ورنہ ترجمہ کی فنی اہمیت ختم ہو جائے گی۔

میں یہاں اپنے اس مختصر جائزے کو اردو میں ادبی ترجمے کے مسائل تک ہی محدود رکھوں گا۔ اس موقع پر نامناسب نہ ہوگا اگر مختصراً اردو میں ادبی ترجمہ نگاری کی روایت اور تاریخ کا بھی ذکر ہو جائے تاکہ اس پس منظر میں اردو ترجمہ نگاری کی کامیابیاں اور اس کے مسائل دونوں واضح ہو سکیں۔ اردو میں مختلف علوم و فنون کے ترجمے کی روایت تو خاصی مستحکم اور پرانی رہی ہے اور اس سلسلے میں قدیم دلّی کالج اور سرسید کی سائنٹفک سوسائٹی کا کام بے حد اہم رہا ہے۔ اور انیسویں صدی کے اختتام سے شروع ہو کر یہ کوششیں بیسویں صدی کے ابتدائی چند دنوں تک بہت ثمر آور ثابت ہو چکی تھیں۔ اردو زبان کو نئے زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی جتنی بھرپور منظم اور ہمہ جہتی کوشش حیدرآباد کے دارالترجمہ عثمانیہ اور مولوی عبدالحق نے کی اس کی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی۔ دارالترجمہ نے اردو کو ایک جدید علمی زبان بنانے کے سلسلے میں تاریخ ساز کام کیا اور وحیدالدین سلیم، طباطبائی، سید حسین بلگرامی، مولانا عبداللہ عمادی، مولانا عبدالماجد دریابادی، الیاس برنی، مطلبی فریدآبادی، مولانا ظفر علی خاں، ہارون خاں شیروانی، ڈاکٹر یوسف حسین خاں اور جوش ملیح آبادی جیسے عالم دانشور اور ادیب اس ادارے سے وابستہ رہے۔ وضع اصطلاحات اور لغت نگاری کے سلسلے میں دارالترجمہ اور انجمن ترقی اردو نے بیش بہا خدمات انجام دیں۔ انیسویں صدی کے آخر سے ہی انگریزی شعر و ادب کے ترجمے کا کام شروع ہو گیا تھا اور شیکسپیئر، گرے، گولڈ اسمتھ، اور ٹینی سن وغیرہ کی تخلیقات کے اردو ترجمے سامنے آنے لگے تھے۔ فکشن میں انگریزی سے ترجموں کی ابتدائی مثالوں میں رینالڈس کے ناولوں کا خاص طور پر ذکر کیا جا سکتا ہے۔ ترجمہ کا یہ سلسلہ بڑھتا گیا لیکن بیسویں صدی کے ابتدائی دو تین دہوں تک ترجموں کا بیشتر کام انگریزی ادب ہی سے متعلق تھا البتہ کتھا سرت ساگر اور پنچ تنتر کے قصوں کے ہندی سے اردو میں ترجموں کی کچھ مثالیں بھی ملتی ہیں۔ ان کے علاوہ ہندی اور سنسکرت سے ہندی لٹریچر بھی اردو میں منتقل ہونے لگا تھا جسے ہم سہولت کی غرض سے علمی ترجموں کے زمرے میں رکھ سکتے ہیں۔ بیسویں صدی کے تیسرے دہے کے آخر سے رفتہ رفتہ انگریزی کے علاوہ دوسری غیر ملکی زبانوں کے ادب پاروں کے اردو میں ترجمے کا کام شروع ہوا اور یلدرم نے ترکی ادب ڈاکٹر ذاکر حسین اور پروفیسر مجیب اور ڈاکٹر عابد حسین وغیرہ نے جرمن زبان سے اردو میں ترجموں کا قابل قدر کام کیا۔ روسی، فرانسیسی، چینی، اور امریکی ادب کے اردو ترجمہ کے سلسلے میں ترقی پسند تحریک اور حلقۂ ارباب ذوق سے وابستہ ادیبوں اور شاعروں نے بڑا کام کیا۔ انجمن ترقی اردو کے علاوہ ہندوستانی اکیڈمی الٰہ آباد اور جامعہ ملیہ دہلی کے زیر اہتمام ادبی و تخلیقی فن پاروں کے تراجم کا وقیع معیار قائم کیا گیا اور منشی پریم چند اور مجنوں گورکھپوری جیسے ادیبوں نے ان ترجمہ کے کام میں سرگرم حصہ لیا۔ سنسکرت، ہندی اور علاقائی زبانوں کے ادب کے تراجم کے سلسلے میں سرور جہان آبادی، چکبست، بشیشور پرساد، منور لکھنوی، اور جگر بریلوی جیسے شاعروں اور ادیبوں کی کاوشیں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ منور لکھنوی نے خصوصاً کالیداس کی اہم تخلیقات کو بڑی ادبی بصیرت کے ساتھ اردو میں منتقل کیا ہے۔ اردو میں عالمی ادب کے ترجموں میں فکشن یا افسانوی ادب کے ترجمے خاص طور پر بے حد وقیع اور جاندار ہیں۔ ٹالسٹائی، چیخوف، پشکن، گورکی، دوستوفسکی، بالزاک، بودلیر، فلابیر، موپاساں، او ہنری، ہارڈی، آسکر وائلڈ، ڈکنس، سمرسٹ ماہم، اروِنگ، کافکا، کامو، بیکٹ وغیرہ دنیا کے ممتاز ادیبوں کی بہترین تخلیقات کے کامیاب ترجمے اردو میں کیے جا چکے ہیں۔ ان کے علاوہ اسرار و سراغ رسی کے موضوع پر کانن ڈائل، ایڈگر ایلن پو، آگاتھا کرسٹی اور رائڈر ہیگرڈ وغیرہ کے ناولوں اور افسانوں کا کثرت سے اردو میں ترجمہ ہوا ہے۔ جنگل کتھا پر مبنی قصے بھی اردو میں آ چکے ہیں۔

ساہتیہ اکاڈمی اور نیشنل بک ٹرسٹ نے ہندوستانی اور غیر ملکی زبانوں کے ادب کے اچھے ترجمے پیش کیے ہیں دوسرے ہندوستانی ادب کے اردو میں منتقل کرنے کے سلسلے میں ٹرسٹ کی آدان پردان اسکیم خاص طور سے قابل ذکر رہی ہے غرضیکہ ان ترجموں کی بدولت اردو کی فکری فضا اور اسلوبیاتی

یکڑوں میں وسعت رنگارنگی اور تازگی آئی ہے نئے تعمیری رجحانات اور نئے فکری رویے پیدا ہوئے ہیں اور انھیں فروغ ملا ہے۔

اس پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے اردو میں ادبی ترجمے کے خاص اور اہم مسائل پر زیادہ اچھی طرح غور کیا جا سکتا ہے۔ بنیادی طور پر ادبی ترجمے کا مسئلہ بھی وہی ہے جو دیگر زمروں کے ترجموں کا مسئلہ ہوتا ہے۔ یعنی اصل متن کو ممکنہ صحت صداقت اور خوبی کے ساتھ ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا البتہ اس مسئلے کے کچھ پہلو یا جنھیں ضمنی مسائل کہیے دوسرے زمروں کی طرح ادبی ترجمے ہی سے مخصوص ہیں ـــ ترجمہ نگاری کا فن مترجم سے متعلقہ دونوں زبانوں پر یکساں قدرت اور بیان کی مہارت کے ساتھ ساتھ متعلقہ زبانوں کے مزاج، لسانی نظام اور زبان کے تدریجی ارتقا، روایات زبان کی مخصوص ساختمانی صورتوں سے پوری آگاہی کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ بات ادبی ترجموں کے ضمن میں اور بھی اہم ہو جاتی ہے کیونکہ کسی ادب پارے کا ترجمہ کرتے ہوئے ایک مخصوص فضا کیفیت اور امیج کو بھی دوسری زبان میں منتقل کرنے کی کوشش کرنی ہوتی ہے۔ ادبی ترجمے کی دونوں اصناف یعنی نثر و نظم مترجم سے زبان کے مزاج اور ساخت کی اس آگاہی اور فضا اور تاثر کی اس ترسیل کا مطالبہ کرتی ہیں۔ نثر میں انشائیہ افسانوی ادب اور تنقید وغیرہ اپنے اپنے مخصوص فارم اور مواد کے حوالے سے اس مطالبہ پر اصرار کرتے ہیں۔ انشائیہ اگر اصل تخلیق کی زبان کے مختلف اظہاری پیرایوں کی باریکیوں سماجی اور ثقافتی روایات اور رویوں، طنز مزاج ذہنی ذکاوت مبالغے اور تکثیر بیان کی نزاکتوں اور گہرائیوں اور اثر انگیزی کے لیے موزوں تراکیب اور الفاظ کے ماہرانہ استعمال کا مطالبہ کرتا ہے تو تنقید متن اور ترجمے دونوں زبانوں کے ارتقا تاریخی پس منظر تہذیبی، علمی اور ادبی حوالوں کی گہری بصیرت لفظوں کے اشتقاقات اور مصادر کے پورے علم کے ساتھ جو مفاہم کے مختلف پہلوؤں کی ترسیل کے لیے ضروری اصطلاحات کے استعمال میں مدد دے سکے۔ ایک خالص تجرباتی اور تنقیدی مزاج کا بھی مطالبہ کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ انشائیہ کے ترجمے کے لیے جو اسلوب اور پیرایۂ اظہار موزوں ہو گا وہ تنقیدی فن پارے کے لیے نہ مناسب ہو گا نہ کافی۔ اسی طرح افسانوی ادب اور تمثیلوں کے ترجمے کے بھی اپنے خاص تقاضے ہوتے ہیں۔ ہر ملک ہر علاقے اور ہر معاشرے کے فکشن کے ساتھ اپنی مخصوص روایات، محاورے، تراکیب امثال، ثقافتی و تمدنی پس منظر اور اسلوب کے سانچے ہوتے ہیں جن سے پوری ہم آہنگی ترجمہ نگار کے لیے لازمی ہے۔ ظاہر ہے کہ ٹالسٹائی، موپاساں او ہنری، فلاسٹیر کافکا جیمس جوائس یا جیک لنڈن یا ال کاک، ڈکنس ورڈ ہاؤس اور البرٹو موراویہ یا ہندی یا ہندوستان کی مختلف علاقائی زبانوں کے فکشن کے ترجمے کے لیے اسی طرح الگ الگ اظہاری پیرایوں اور تفہیمی رویوں کی ضرورت ہو گی جس طرح اردو سے سرشار، شرر، پریم چند، رسوا، نذیر احمد، یا قرۃ العین حیدر، عزیز احمد، منٹو، بیدی، عصمت چغتائی یا غیاث احمد گدی کو اردو سے کسی دوسری زبان میں ترجمہ کرتے ہوئے۔ یہی بات مخصوص علاقوں اور ملکوں سے متعلق تلازمات کے بارے میں صادق آتی ہے۔ مثالیں بے شمار ہیں لیکن میں یہاں صرف ایک معمولی سی مثال ایک ہی لفظ کے متعلق جغرافیائی اور علاقائی مفہوم کی دوں گا۔ ایک لفظ ہے 'بل'۔ جدید امریکی فکشن میں اس کے جو معنی ہیں یعنی کرنسی نوٹ وہ اس لفظ کے برطانوی مفہوم سے بالکل مختلف ہیں۔ افسانوی ترجموں میں ان اختلافات پر نظر رکھنا لازمی ہے۔

اُردو کے ادبی ترجموں کے سلسلے میں ایک بڑا مسئلہ ایک زبان سے براہ راست دوسری زبان میں ترجمے کا ہے۔ غیر ملکی ادبی تراجم بالعموم اور فکشن کا ترجمہ بالخصوص ہمارے یہاں انگریزی کے حوالے سے کیا جاتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اصل اور ترجمے کے درمیان مرحلوں کا فاصلہ حائل ہو جاتا ہے اور ترجمہ نگار کی بہترین کوشش کے باوجود اصل تخلیق اور اس کے ترجمہ کے روپ میں بہت فرق ہو جاتا ہے۔ نظم کے سلسلے میں تو اصل تخلیق کی فنی نزاکتیں، گہرائیاں اور خوبیاں تقریباً معدوم ہو جاتی ہیں۔ اس کی ایک بڑی مثال نیاز فتح پوری کا کیا ہوا گیتانجلی کا ترجمہ عرض نغمہ ہے جو اصل بنگالی تخلیق کی کیفیت اور تاثر سے بہت دور ہے۔ نثر ہو یا نظم ادبی ترجمہ نگار کا بنیادی فرض ہے کہ وہ الفاظ کے مفہوم کے ساتھ ساتھ تخلیق یا تصنیف کی روح اور اس کا مجموعی تاثر یا پوری فضا ترجمے کی زبان میں منتقل کر دے۔

شعری تخلیق کے ترجمے، بالخصوص کسی شعری تخلیق کے منظوم ترجمے کے ضمن میں مترجم کی ذمہ داری اور دشواریاں اور بھی زیادہ ہو جاتی ہیں۔ ایک حلقہ ایسا بھی ہے جس کے خیال میں کسی شعری تخلیق کا ترجمہ ممکن ہی نہیں ہے لیکن یہ ایک انتہا پسندانہ نقطۂ نظر ہے۔ تاہم اس میں شبہ نہیں کہ کسی شعری تخلیق کا بہترین ترجمہ بھی اصل کا محض ایک عکس ہی ہو سکتا ہے۔ اور اس عکس کے خطوط کی اصل سے مماثلت ہی ترجمہ کی کامیابی کا معیار ہوتی ہے۔ شعری فن پارے کے ترجمے کے لیے ترجمہ نگار کو ایک گہری تخلیقی صلاحیت اور قوت کا حامل ہونا لازمی ہے اسی لیے محمد حسن عسکری نے ملارمے کی نظموں کے ترجموں کو میراجی کی جرأت انداز سے تعبیر کیا تھا۔ پال ویلیری نے بڑی پتہ کی بات کہی ہے کہ شعری تخلیق کا ترجمہ دراصل اس فن پارے کی تخلیقی بازیافت ہے۔ اس سلسلے میں ایک مثال میں عرض نغمہ کی دے چکا ہوں، دوسری اہم مثال ٹامس گرے کی

ELEGY WRITTEN IN COUNTR CHURCHYARD

کے کئی منظوم اردو ترجمے ہیں جن میں نظم طبا طبائی کا ترجمہ معروف ترین اور اصل سے بہت قریب ہے۔ شعری فن پارے کا ترجمہ گہری شاعرانہ بصیرت کا تو تقاضا کرتا ہی ہے اس کے ساتھ ہی اصل کی روایات، تہذیبی مزاج اور الفاظ کی روح سے کامل واقفیت بھی چاہتا ہے۔ مثلاً کالیداس کے ترجموں میں اس دور کے اخلاقی اور تہذیبی مزاج اور وسعتوں کا لحاظ لازمی ہے جو مثال کے طور پر ہمارے گناہ و ثواب کے پیمانوں سے خاصا مختلف ہے۔ اسی طرح اس شعری پس منظر کے بعض الفاظ معنوی اعتبار سے اتنے کثیر الجہت ہوتے ہیں کہ ان کے ترجمے کے لیے کوئی ایک لفظ کافی نہیں ہو سکتا۔ میں یہاں کالیداس کی تخلیقات میں سے صرف ایک لفظ کی مثال دوں گا اور یہ لفظ ہے 'کام' جو نہ صرف شہوت ہے نہ محض ہوس ہے۔ نہ فقط جنسی جذبہ ہے۔ بلکہ ان سب مفاہم کا احاطہ بھی کرتا ہے اور ان سے ماورا ایک معنوی جہت بھی رکھتا ہے۔

ادبی ترجموں سے متعلق دو اور خاص مسائل ہیں معیار اور ترجیح کے مسئلے۔ معیار کا مسئلہ ایک تو وہ پہلو رکھتا ہے جس کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا یعنی معنوی اور فنی پہلو۔ معیار کا دوسرا پہلو معاشی اور مالی بھی ہے جو ترجمہ کے فنی معیار کو متاثر کرتا ہے۔ اسی طرح علمی ترجمے کے میدان سے ذرا ہٹ کر ترجمہ کی حکمت عملی یا نظام عمل کے شعبے میں ترجیح کا مسئلہ بھی خاص توجہ کا طالب ہے۔ آج کی تیزی سے بدلتی ہوئی اور نئے تجربات اور حقیقتوں سے دوچار دنیا میں ہمیں ایک بار باضابطہ جائزہ ان شعبوں کا لینا چاہئے جن میں ترجموں کے کام کی خاص اہمیت اور ضرورت ہے اور پھر اسی اعتبار سے اپنی ترجیحات طے کرنی چاہئے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ادبی ترجمہ بالخصوص اپنی معنوی اور فنی تکمیل کے اعتبار سے ایسا ہونا چاہئے کہ اصل تخلیق کا خالق، غالب سے معذرت کے ساتھ ترجمہ نگار سے کہہ سکے۔

دیکھا تحریر کی لذت کہ جو اس نے لکھا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ میرے دل میں ہے

(لکھنؤ سے نشر)

تشنگی

تصور حسین زیدی

میں تشنگی ہوں جو ٹھہرا ہوں صحرا میں
کہ ہوتا موجِ دریا تو بہہ گیا ہوتا

میں اپنے ساتھ لیے جا رہا ہوں دریا کو
کہ میری پیاس کا آخر کوئی گواہ تو ہو

پانی کی ایک بوند پہ لکھی ہوئی سب
ہے کتنی مختصر مری رودادِ تشنگی

(الہ آباد سے نشر)

کسی کی حق تلفی نہ کیجیے

شاہد رام نگری

معاشرے میں عدل اور توازن برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہر شخص ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کرے اور کوئی کسی کی حق تلفی نہ کرے۔ ہر شخص کے کچھ ذاتی اور بنیادی حقوق ہوتے ہیں ان میں سے بعض حقوق کا تعلق سماجی ذمہ داریوں سے ہوتا ہے اور بعض حقوق کا تعلق قانون سے۔ ہر شخص کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ اس کے حقوق کی حفاظت ہو۔ کوئی اس کا حق نہ مارے۔ لیکن انسانی مزاج کی کمزوری یہ ہے کہ وہ اپنے حقوق کا تحفظ اور احترام تو چاہتا ہے لیکن جب معاملہ دوسرے کے حق کا ہو تو اس کا رویہ مختلف ہوتا ہے۔ اس وقت وہ اوّلیت اپنے مفاد کو دیتا ہے۔ اگر دوسرے کے حق کو تسلیم کرنے سے اس کا نقصان ہو رہا ہو تو اس نقصان کو خندہ پیشانی سے گوارہ کر لینے کے بجائے دوسرے کا حق مار لینے پر تیار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی حق تلفی نہ ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ آپ خود بھی دوسرے کے حقوق کا احترام کریں اور اپنے فائدے کے لئے کسی کو اس کے جائز حق سے محروم نہ کریں۔ حقوق اور فرائض ایک ہی گاڑی کے دو پہیے ہیں کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حقوق کا معاملہ یک طرفہ نہیں دو طرفہ ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے کوشاں ہو لیکن آپ پر دوسروں کے جو حق ہیں ان سے غافل اور لاپرواہ رہیں جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے معاشرے میں عدل اور توازن برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہر شخص ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کرے۔ جب لوگ اپنے اپنے حق کی فکر کرتے ہیں اور دوسرے کا حق ادا کرنے کو تیار نہیں ہوتے تو پورا معاشرہ فتنہ و فساد سے بھر جاتا ہے۔ سکون و اطمینان غارت ہو جاتا ہے ہر شخص، ہر گروہ، ہر طبقہ اور ہر جماعت کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے حق کو لڑ جھگڑ کر منوا لے دوسرے کے حق کا خون ہوتا ہے تو ہوا کرے۔

مثال کے طور پر مالک اور مزدور کو لے لیجئے دونوں آپس میں ایک معاہدہ کرتے ہیں۔ مزدور ایک مقررہ وقت کے اندر مقدار میں کام کی ذمہ داری قبول کرتا ہے اور مالک اس کے پورا ہو جانے پر طے شدہ اجرت مزدور کو دینے کا پابند ہوتا ہے۔ معاہدہ طے پا جانے پر مالک کا حق ہے کہ اس کا کام مقررہ وقت میں پورا ہو جائے۔ اگر مزدور ایک دن کا کام دو دن میں پورا کرتا ہے یا ایک دن میں جتنا کام کرنے کی ذمہ داری اس نے لی ہے اس کا آدھا ہی کام کرتا ہے تو گویا وہ مالک کی حق تلفی کرتا ہے۔ اسی طرح اگر مزدور معاہدہ کے تحت مقررہ کام مقررہ وقت کے اندر پورا کر دیتا ہے اور مالک طے شدہ اجرت فوراً ادا کرنے کے بجائے اسے صبح و شام وعدوں پر ٹالتا ہے اور بار بار دوڑاتا ہے تو گویا مالک مزدور کی حق تلفی کرتا ہے دونوں صورتوں میں تلخی اور تکرار ناگزیر ہے۔ اسی لئے اسلام کی تعلیم ہے کہ مزدور اپنا کام پورا کرے تو اس کی اجرت پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دی جائے۔ دوسری طرف وہ یہ بھی تنبیہہ کرتا ہے کہ لوگو اچھے سامان کی قیمت لے کر کسی کو خراب سامان مت دو۔ سامان وزن کرو تو پورا تولو۔ پوری قیمت لے کر کم تولنے والوں کو جہنم کے سخت عذاب کی خبر دی گئی ہے۔ ایک بار خلیفۃ المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بازار سے گذر رہے تھے ایک شخص ڈھیر لگا کر کھجوریں بیچ رہا تھا۔ خشک کھجوریں تو اس نے اوپر رکھی تھیں اور گیلی کھجوریں اس طرح نیچے دبا رکھی تھیں کہ اس پر لوگوں کی نظر نہ پڑے۔ حضرت عمر فاروق نے اس کی یہ حرکت دیکھ لی اور جب اس کی گردن پکڑ کر سرزنش کی تو اس نے اپنی بدنیتی کا اقرار کر لیا آپ نے فرمایا اپنے سامان کو اس طرح رکھو کہ گاہک یہ دیکھ لے کہ وہ کیا چیز خرید رہا ہے۔ آج ہم اپنی روزمرہ زندگی میں برابر اس طرح کا تجربہ اور مشاہدہ کرتے ہیں۔ ہم ایک چیز کی پوری قیمت دے کر گھر لے آتے ہیں۔ اکثر وہ چیز ناقص اور ملاوٹ والی ہوتی ہے یا وزن پورا نہیں ہوتا۔ جب یہ مزاج عام ہو جاتا ہے تو معاشرے کا امن و سکون غارت ہو جاتا ہے۔ لوگوں کے ذہن و دماغ نفرت اور غصے سے ابلنے لگتے ہیں اس کا اظہار مختلف شکلوں میں دیکھنے میں آتا ہے۔

سماجی رشتوں اور تعلقات میں حقوق کا احترام اور زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ ایک ہی آدمی ایک ہی وقت میں کسی باپ کا بیٹا اور کسی بیٹے کا باپ ہوتا ہے ایک ہی وقت میں ایک عورت اس کی ماں ہوتی ہے دوسری عورت اس کی بیوی ہوتی ہے اور تیسری عورت اس کی بہن ہوتی ہے۔ رشتوں کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ حقوق اور فرائض بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں یہ عین ممکن ہے کہ آپ کے گھر میں دولت کی فراوانی ہو اور آپ کے ہمسائے کے گھر میں غربت کے سبب دو وقت چولہا بھی نہ جلتا ہو قانونی طور پر آپ کا غریب ہمسایہ بھلے ہی آپ کی دولت میں کوئی حق نہ رکھتا ہو لیکن اخلاقی طور پر وہ اس بات کا حق رکھتا ہے کہ آپ اپنی دولت سے کم از کم اس کی اتنی مدد ضرور کریں کہ وہ رات کو بھوکا نہ سوئے۔ اگر آپ نے یہ حق ادا نہ کیا اور یہ جانتے ہوئے کہ آپ کے پڑوس میں لوگ فاقے سے ہیں خود پیٹ بھر کھانا کھا کر سو رہے تو آپ نے سنگین اخلاقی جرم کیا اور اس کے لئے آپ سے بازپرس ہوگی۔

اس طرح آپ اگر یہ چاہتے ہیں کہ آپ کا لڑکا نیک سیرت، خدمت گذار اور خوش اخلاق ہو، آپ کی فرماں برداری کرے اور آپ کے کہنے پر چلے تو اس کے لئے اس سے محبت اور اچھی تعلیم ہی کافی نہیں بلکہ آپ کو اپنے والدین کے ساتھ اسی طرح پیش آنا ہوگا جس طرح کے سلوک اور رویّہ کی امید آپ اپنے بیٹے سے کرتے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ آپ اپنے فرائض سے غافل رہیں والدین کا حق ادا نہ کریں اور اپنے بیٹے سے مطالبہ کریں کہ وہ آپ کا حق ادا کرے۔ اسی لئے اسلام نے والدین کی خدمت کو سب سے بڑی عبادت قرار دیا ہے۔

سماج میں ہمسایوں کا بھی ایک دوسرے پر بڑا حق ہوتا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمسایوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی بار بار تاکید فرمائی ہے۔ یہاں تک کہ صحابہ کرام کو شک ہونے لگا کہ ہمسایوں کو جائداد میں حقدار تو نہیں بنایا جائے گا۔ ایک بزرگ کا مشہور واقعہ ہے کہ انہوں نے اپنے ایک دوست کے ساتھ سفرِ حج کا پروگرام بنایا اور اس کے لئے تھوڑی تھوڑی رقم پس انداز کرنے لگے ایک دن جب حج کے ایام قریب تھے۔ انہیں ہمسایہ کے گھر سے گوشت کے پکنے کی خوشبو آئی۔ انہوں نے ہمسائے سے شکایت کی کہ تم نے گوشت پکایا ہمیں نہ پوچھا۔ اس نے افسردگی سے جواب دیا یہ گوشت ہمارے لئے تو حلال ہے

MAHAVIR MELODIES
D-5/5, Jalnidhi, Rangar Nagar, Goregaon (W), Bombay-400 090.

آسام، میگھالیہ، تریپورہ، ارونا چل پردیش، ناگالینڈ، میزورم کی دلکش اور مسحور کن موسیقی اور منی پور کی ملکۂ ترنم شریمتی لیش رام میما کی آواز بمبئی کے عظیم گیت کار فلم رائٹرس ایسوسی ایشن کی مینجنگ کمیٹی کے ممبر اور آکاشوانی کے منظور شدہ فن کار کملا کانت جین کے ہندی گیت جن کو منی پوری دھنوں میں باندھا اور گایا ہے خود ملکۂ ترنم نے ـــ عالم موسیقی میں ایک دھماکہ ـــ ایک مہکتا گلدستہ۔ یقین نہ ہو تو سنکر دیکھیے۔ اس دہے کی عظیم دریافت۔

چاند آگیا بانہوں میں

یہ نغمہ ریز کیسٹ آج ہی اپنے میوزک ڈیلر سے خریدیے ـــ یا مبلغ ۴۸ روپے (بشمول ڈاک خرچ) کا بنک ڈرافٹ / منی آرڈر بھیجکر ہم سے طلب کریں۔

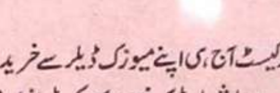

شمع فروزاں

سید ضمیر حسن

مولانا ابوالکلام آزاد رانچی میں نظر بند تھے۔ ان دنوں ان کا علمی کارناموں کا تمام دنیا میں چرچا تھا۔ ایک دن عصر کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلے تو ایک دیہاتی کمبل پوش ان کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ مولانا سمجھے کہ کوئی راہ گیر ہوگا ن جب وہ خاموشی سے تعاقب کرتا رہا تو آپ نے رُک کر اس سے اس کا سبب پوچھا۔ وہ کہنے لگا میں ایک افغانی طالب علم ہوں اور ن حکیم کا کوئی نکتہ سمجھنے کے لیے آپ کی خدمت میں پیدل چل کر حاضر ہوا ہوں۔ مولانا نے اسے وقت دے دیا اور شفقت فرمائی۔ ب وہ اپنے سوالات کا جواب پا چکا تو ایک روز اسی طرح پُراسرار طریقے پر غائب ہوگیا۔ مولانا کہتے ہیں کہ اُس شخص کی لگن سے ت متاثر ہوا اور میں چاہتا تھا کہ واپسی پر اس کی کچھ مدد کروں تاکہ وہ پیدل سفر کرنے کی صعوبت سے بچ جائے لیکن نے اس کا موقعہ نہ دیا۔

واقعی علم ایسی دولت ہے کہ اسے حاصل کرنے کے لیے آدمی کو ہر تکلیف برداشت کرنی چاہیے۔ اسلام نے ہر مرد اور رت پر علم کا حاصل کرنا فرض قرار دیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ علم حاصل کرو خواہ اس کے لیے ہیں چین جیسے دور دراز ملک کا سفر کرنا پڑے۔ علم سے آدمی اپنی ذات کا عرفان پاتا ہے۔ کائنات کے رموز و اسرار علم کی ولت ہم پر کھلتے ہیں۔ علم ایک ایسا سمندر ہے جس کی وسعتوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ آدمی کتنا ہی علم حاصل کرے بہرحال علم کل کے مقابلے میں تھوڑا اور قصیر ہوتا ہے، اسی لیے تو نیوٹن نے کہا تھا کہ وہ علم کے سمندر سے چند سیپیاں ہی نکال پاتا ہے۔ در نایاب پانا توفیق ایزدی پر منحصر ہے۔ بہر صورت جس نے تلاش و جستجو کا راستہ اختیار کیا اس نے پایا۔ جانور اور انسان کے درمیان جو شے ما بہ الامتیاز ہے وہ علم ہے۔ انسان کی پیدائش اور اس کی زندگی پر نظر کی جائے تو حصولِ علم ہی اس کا مقصد قرار پائیگا۔ قرآن حکیم میں واضح اشارے اس امر کے موجود ہیں کہ آسمان اور زمین کے درمیان جو کچھ ہے وہ انسانی آگہی کی گرفت میں آنے کے لیے ہے۔ کائنات پر غور کرنے اور اسے تسخیر کرنے کی تلقین بار بار کی گئی ہے۔ خدا نے جب انسان کی تخلیق کی تو اُسے لوح محفوظ کا جو درس عطا کیا وہ علم کی تحصیل سے تعلق ہے۔ مختصر یہ کہ علم اور انسان لازم و ملزوم ہے۔

پُرانے زمانے کے لوگ علمی تجسس اور تلاش کے لیے زندگی کا ایک حصہ وقف کیا کرتے تھے۔ اس حصہ میں وہ علایق دنیاوی سے مُنہ موڑ کر گوشۂ عافیت میں بیٹھ جاتے اور حقیقتِ ہستی و حقیقت عالم کے متعلق دھیان کیا کرتے تھے۔ ہندوستان کی پرانی تاریخ کشف و اظہار کے ان خزانوں سے بھری پڑی ہے۔ وید و اپنشد پُران سب علمی مہم کی مختلف منزلیں ہیں جن سے انسان کی سرشت ازلی طور پر ایک مناسبت رکھتی ہے۔ مصر کے عجائب خانے میں حضرت مسیح علیہ السلام سے دو ہزار قبل کی ایک تحریر محفوظ ہے جس میں کائنات کے مختلف حقائق پر علمی گفتگو کی گئی ہے۔ آثارِ قدیمہ اور مدفون تہذیبوں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ آدمی پہلے بھی علم کی تلاش میں منہمک رہا ہے اور آج کی سرگرمیاں اس بات کی شاہد ہیں کہ وہ آئندہ بھی یہ سفر جاری رکھے گا۔

(اردو سروس سے)

لیکن آپ کے لئے نہیں۔ اس لئے میں آپ کے یہاں نہیں بھیجا۔ بزرگ بات کو نہیں سمجھے۔ انہوں نے پوچھا بھلا ایسا کون سا گوشت ہوگا۔ جو تمہارے لئے حلال ہو اور میرے لئے حرام۔ ہمسایہ نے جب دیکھا کہ اس پر بدخلقی کا الزام آرہا ہے تو اس نے بڑے پس و پیش کے ساتھ بتایا کہ حضرت ہمارے گھر میں تین دنوں سے فاقہ تھا اس لئے رشتۂ حیات کو باقی رکھنے کے لئے مردار کو اٹھا لائے۔ یہ گوشت اسی کا ہے۔ یہ ہمارے لئے جائز ہے مگر آپ کے لئے نہیں۔ بزرگ یہ سن کر سکتے میں رہ گئے

انہوں نے دل میں سوچا پڑوسی کے گھر میں تین تین دن چولہا نہ چلے اور وہ حج کے لئے رقم پس انداز کر رہے ہیں کون سا منہ لے کر اللہ کے گھر جائیں گے۔ انہوں نے ساری پس انداز رقم جو سفر حج کے لئے جمع کرکے رکھی تھیں لے جاکر پڑوسی کے حوالے کردی اور اپنے دوست سے بہانہ کردی کہ تم اکیلے چلے جاؤ مجھے کچھ معذوری ہوگئی ہے اس لئے میں نہ جا سکوں گا ان کے دوست حج کے سفر سے لوٹے تو بولے تم بڑے جھوٹے ہو۔ تم نے کہا تھا کہ معذوری کے سبب اس

بار نہیں جاؤ گے اور میں نے تم کو ہر جگہ موجود دیکھا اور جب تم سے ملنا چاہا تو لوگوں کے ہجوم میں غائب ہوگئے۔ بزرگ نے دیکھا کہ ان پر جھوٹ بولنے کا الزام آرہا ہے اور دوست کسی طرح ان کی بات باور کرنے کے لئے تیار نہیں ہو رہا ہے تو انہوں نے سارا ماجرا اپنے دوست سے بیان کردیا۔ دوست نے کہا تم خوش نصیب ہو کہ تم نے گھر بیٹھے حج کی سعادت حاصل کرلی۔

تو یہ مرتبہ ہے ہمسائے کے دکھ درد میں شرکت کرنے والوں کا۔ اس سے دنیا ہی نہیں سنورتی۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی اس کا بے حساب اجر عطا ہوتا ہے غرض اگر ہر شخص کو اپنے حقوق کے ساتھ ساتھ اپنے فرائض کا بھی احساس ہو اور وہ ان سے عہدہ برآ ہونے کا عزم کرلے تو یہ دنیا بھی سنور جائے اور آخرت بھی۔ اسی لئے کسی کی حق تلفی نہ کیجئے تاکہ دوسرے لوگ بھی آپ کے حق کا احترام کریں۔

(پٹنہ سے نشر)

MGIPLP 59/AIR/ND/83-3600

فارماکولوجی اور نئی دواؤں کے تجربات

سید شمیم شاہ

جب سے انسان اس دنیا میں آیا شاید تب ہی سے اسے بیماریوں سے دوچار ہونا پڑا اور تب ہی سے دواؤں کی تلاش اور ان کا استعمال بھی شروع ہوا ہوگا۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ دواؤں کی تاریخ انسان کی اپنی ارتقاء کی تاریخ کے دوش بدوش بڑھی، پلی ہے۔

آج سے صدیوں پہلے جب روزمرہ کی زندگی اور معاملات میں سائنس کا عمل دخل نہ تھا تو امراض کے علاج کے لیے جڑی بوٹیوں کا استعمال ہوتا تھا جن کو سالہا سال کے تجربات کی بنیاد پر فائدہ مند پایا گیا تھا دوسری طرف جھاڑ پھونک کے طریقے بھی رائج تھے اور اس میں روحانی علاج یعنی تعویذ گنڈے بیماریوں کا علاج سمجھے جاتے تھے۔

رفتہ رفتہ انسان سائنس کی موجودہ دور میں داخل ہوا جہاں روائتی علاج کے بجائے انسانی ذہن نے تحقیق کی راہ اختیار کی اور عام طریقہ علاج کی جگہ ترقی یافتہ موجودہ علاج کو اپنایا۔

گزشتہ دو سو سالوں میں بیماریوں اور دواؤں کے سلسلے میں زبردست تحقیقی کام ہوئے ہیں۔ دل، جگر، دماغ، پھیپھڑوں، گردوں اور معدہ وغیرہ سے متعلق بیماریوں کی روک تھام کے لیے تحقیقی تجربہ گاہوں میں بڑے کارآمد اور دلچسپ تجربات کئے گئے ہیں۔ فارماکولوجی بھی نئی دواؤں کی تلاش اور تیاری میں ایک خاص اہمیت کی حامل ہے۔ آج کی بات چیت میں ہم یہی سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ فارماکولوجی ہے کیا؟ اور دواؤں کے بنانے میں اور تحقیق میں اس کا کیا مقام اور اہمیت ہے؟

یہ لفظ دو الفاظ فارماکون بمعنی کتاب اور لوگوس بمعنی ادویات سے مل کر بنا ہے۔ جس کا مطلب ہے صحیفۂ ادویات یا دواؤں سے متعلق وہ سائنس جس میں ہم ان کے اجزاء کی تاریخ ذرائع، طبعی اور کیمیاوی خصوصیات کا مطالعہ کرتے ہیں اور یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان دواؤں کا جزوی یا مرکباتی ردعمل انسانوں یا حیوانوں پر کیا ہوگا۔ وہ انسانی جسم کے اندر رطوبات نسوں اور گوشت پوست پر کس طرح گھل مل جاتے ہیں۔ فارماکولوجی کی سائنس اور لیبارٹری کے تجربات سے ہم یہ جانتے ہیں کہ کتنی مقداریں کونسا کیمکل یا دوا جسم میں جاکر کن کن اعضاء پر کس کس طرح اثر انداز ہوتا ہے اور کس دوا کی کونسی مقدار بیماری کو رفع کرکے صحت عطا کرتی ہے۔ یا کس طرح کوئی چیز جسم کے اندر جاکر شفاء کے بجائے عذاب یا بیماری کا باعث بھی ہوسکتی ہے۔

اسی طرح جب ہم فارماکولوجی کی بات کرتے ہیں تو اس میں دواؤں کی تاریخ، ذرائع، طبیعاتی خصوصیات، طبیعاتی اور کیمیاوی اثرات جو اس کی وجہ سے انسانی یا حیوانی جسم کے اندر پیدا ہوسکتے ہیں، کا جائزہ لیتے ہیں۔ یہ سارے کا سارا ایک سائنسی مشغلہ ہے جو جدید ترین فارموکولوجی لیبارٹریز میں انسانی زندگی کو امراض سے محفوظ رکھنے کے لیے کیا جاتا ہے۔

ہم جب جب فارماکولوجی کا ذکر کرتے ہیں تو ساتھ ہی دوا کا بھی ذکر آتا ہے لہٰذا ہمیں یہ بھی سمجھنا ضروری ہے کہ دوا کیا چیز ہے اور اس کا انسانی جسم سے کیا تعلق ہے؟

دوا دراصل وہ کیمیاوی مادہ ہے جو انسانی جسم کے زندہ خلیات پر مختلف طریقوں سے اثر انداز ہوتا ہے۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ یہ کیمیاوی مادے ان گنت تعداد میں ہوتے ہیں اور یہ اکیلے یا دیگر کیمیاوی مادوں کے ساتھ مل کر جسم کے مختلف حصّوں میں موافق یا متضاد اثرات پیدا کرتے ہیں مثلاً کوئی کیمیکل یا دوا تھوڑی مقداریں گردے کے لیے تقویت کا باعث ہوسکتی ہے مگر یہی دوا دوگنی خوراک میں یا کسی دیگر دوا کے ساتھ مرکب بن کر گردے کو نقصان بھی پہنچا سکتی ہے۔ اسی طرح کوئی دوا یعنی کیمیکل مناسب مقدار میں کمزور دل کے لیے راحت کا باعث بنے مگر زیادہ مقداریں نقصان دہ ثابت ہوں۔

جسم کے کس حصے کی، کس بیماری کے لیے کونسی دوا مفرد یا مرکبات کی شکل میں کتنی مقداریں اور کتنی مدت کے لیے دی جائے کہ مفید ثابت ہو یہ بات فارماکولوجی سے ہی معلوم ہوتی ہے اور اس کا تجربہ جانوروں کے اوپر لیبارٹریز میں جسم کے مختلف حصوں پر، مختلف موسمی اندرونی اور خارجی کیفیات پیدا کرکے کیا جاتا ہے۔ دواؤں کا یہ تجربہ جانوروں پر کیوں کیا جاتا ہے اور یہ کہاں تک مناسب اور کارآمد ہے۔ ایک اخلاقی سوال ہے جس کے اہم قانونی مضمرات بھی ہیں لیکن ہم اس وقت اس بحث سے احتراز کریں گے۔

فارماکولوجی کی شاخیں جو دواؤں سے متعلق ہیں مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) **فارماکولوڈائی نمکس** - اس کا مطلب ہے، متحرکات۔ اس میں ہم دوا کا اثر اور دواؤں سے جسم کس طرح متاثر ہے کا مطالعہ کرتے ہیں۔

(۲) **کیموتھیراپی** - کیمو سے مراد دوا ہے اور تھراپی علاج کو کہتے ہیں۔ بقول سائنسداں پال ارلیخ۔ کیموتھراپی کا تعلق ان دواؤں سے ہے یا یہ ان دواؤں کا مطالعہ ہے جن کے اندر یہ صلاحیت ہو کہ وہ جسم کے اندر رہتے ہوئے جسم کو نقصان نہ پہنچائیں مگر جسم کے اندرونی اعضاء پر یلغار کرنے والے بیرونی جراثیم کو ہلاک کردیں۔

(۳) **فارمیسی** - فارمیسی سے مراد ہے دواؤں کی تیاری اور ان کا استعمال۔ آجکل تمامتر دواؤں کی تیاری احتیاط کے ساتھ ناپ تول کرکے تربیت یافتہ سائنسدانوں کی نگرانی میں دوا ساز لیبارٹریوں میں ہی ہوتی ہے۔ یہ شعبہ اس قدر اہم ہوگیا ہے کہ کالجوں میں گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ کے معیار پر اس کی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے۔ دہلی یونیورسٹی کا ہمدرد کالج آف فارمیسی جدید ادویہ سازی کی اعلیٰ تعلیم کا ایک اہم ادارہ ہے۔

(۴) **تھیراپوٹکس** - یہ فارماکولوجی کی چوتھی اہم شاخ یا شعبہ ہے اس میں فن معالجات کا مطالعہ شامل ہے۔ کس بیماری میں کونسی دوا دی جائے، معالجات میں سب سے اہم ہے۔

(۵) **ٹاکسی کولوجی** - تیزاب یا زہر سے متعلق کیمیاوی مادوں کو ٹاکسک کہتے ہیں۔ حیوانی اور انسانی جسم میں مختلف تیزابی مادے ہوتے ہیں اور کیمیکلس یا دواؤں میں بھی مختلف قسم کی تیزابیت یا زہریلے اثرات پائے جاتے ہیں۔ مگر مزے کی بات یہ ہے کہ ہلکی مقداروں میں مفرد یا کبھی کبھی دوسری دواؤں کے ساتھ مختلف مقدار میں یہی تیزاب یا زہریلی دوائیں مختلف بیماریوں کے لیے امرت کا کام کرتی ہیں۔ مگر کبھی براہ راست ان کا جسم کے اندر پہنچنا یا ان کا مسلسل استعمال مہلک ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ ان تیزابوں اور زہروں کے اثرات اور ردعمل کو جانے بغیر دواؤں میں ان کا استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ کلینکل فارماکولوجی میں ٹاکسی کولوجی اسی لیے اہم ہے کہ اس میں مختلف تیزابوں اور سمیات کے ردعمل، ضمنی اثرات اور ان کی شدت کا مطالعہ حیوان اور انسان کے نظام جسمانی پر کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ فارماکولوجی بنیادی طور پر دواؤں کے اثرات جانوروں کی مختلف اقسام پر ہی دیکھنے تک محدود ہے۔ فارماکولوجی میں دواؤں کی آزمائش کے لیے انسان کو تجرباتی نشانہ نہیں بنایا جاتا۔ اس کی قانونی وجوہات بھی ہیں کیونکہ اس میں اس بات کا خدشہ ہے کہ دواؤں کے تجربات مہلک ثابت ہوسکتے ہیں یا وہ انسان یا آئندہ آنے والی نسلیں جزوی یا کلی طور پر تجربات کے نقصانات کا شکار ہوسکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نئی دواؤں کے تجربات خرگوشوں، چوہوں، بلیوں یا بندروں پر ہی کیے جاتے ہیں۔ اور یہ مفروضہ کارگر ثابت ہورہا ہے کہ اگر کوئی دوا بندر، خرگوش اور چوہے کے گردے یا دل کے لیے کارآمد ثابت ہوتی ہے تو زیادہ امکانات اس بات کے ہیں کہ وہ انسانی دل یا گردے کے لیے بھی مفید ثابت ہوگی۔ دوا کو بے ضرر اور با اثر بنانا ہی سارے فارماکولوجی تجربات کی جان ہے۔

نئی دواؤں کی تیاری اور تجربات:۔

آیورویدک، سدھا اور یونانی دواؤں کی تیاری میں خام مال کے طور پر حیوانات اور کچھ معدنیات و نباتات اور ایلوپیتھک میں کیمیاوی اجزا کا استعمال ہوتا ہے۔ دواؤں کے اجزا کو پہلے فارماکوگنوسی اور کیمسٹری لیبارٹری میں صحیح پہچان کرکے یا تو ان کا سفوف بنالیا جاتا ہے یا عرق جو مختلف ذریعی کنسٹریشن کا ہوتا ہے

باقی

کبڈی ایک قدیم ہندوستانی کھیل

شاہ جہاں شاہین

کبڈی کی تاریخ اور پس منظر

کبڈی ایک قدیم ہندوستانی کھیل ہے۔ اس کھیل کی روایت صدیوں پرانی ہے۔ کبڈی کا کھیل ہندوستان کے کونے کونے میں کھیلا جاتا ہے۔ بہار، اتر پردیش، مدھیہ پردیش، پنجاب، آندھرا پردیش، تامل ناڈو، مہاراشٹر، گجرات بلکہ سارے ہندوستان کو ایکتا کی زنجیر میں جوڑنے والا یہ کھیل ہندستان کا دیسی کھیل ہے۔ عہد مہابھارت میں یہ کھیل "ایک شواس" نام سے رائج تھا۔ مہاراشٹر کے مشہور سنت تکارام نے اپنی کتاب میں اس کھیل کو "ابھنگ" کا نام دیا ہے۔

یہ کھیل آسان اور بنا خرچ کا ہے۔ یہ کھیل تفریح سے بھرپور ہے۔ ہر آدمی جس نے کوئی کھیل زندگی میں نہیں کھیلا ہو اس نے بچپن میں یقیناً کبڈی کھیلا ہوگا۔ شہر اور گاؤں ہر جگہ یہ کھیل یکساں طور پر مقبول رہا ہے۔

ڈاکٹروں کے خیال کے مطابق اس کھیل سے انسان کی سانس لینے کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔ دل، پھیپھڑے اور پٹھے کی قوت مضبوط ہوتی ہے۔ اس سے دم نہیں پھولتا اور جسم کے اعضا میں چستی پیدا ہوتی ہے۔ یہ کھیل ایک بھرپور ورزش ہے۔

کبڈی کے مختلف نام

بھارت کے مختلف حصوں میں مختلف ناموں اور شکلوں میں رائج کبڈی ایک قومی کھیل ہے۔ مدھیہ پردیش اور مہاراشٹر میں اس کھیل کو "ہُو تُو تُو" نام سے جانا جاتا ہے بنگال میں ہو ڈو ڈو کہا جاتا ہے اسی طرح تامل ناڈو اور کرناٹک میں "چنڈو گڈو" کے نام سے کھیلا جاتا ہے۔ کہیں اسے "سائی گڈو" کہیں "تاتا تا" کہیں "گھوڑا کبڈی" پڑ کبڈی، گولا کبڈی اور راشٹریہ کبڈی وغیرہ ناموں سے جانا جاتا ہے۔

۱۹۲۰ء میں مہاراشٹر کے ستارا میں کبڈی کے نئے اصولوں اور خدوخال مرتب کئے گئے۔

پھر ۱۹۲۴ء میں دکن جم خانہ نے کبڈی کے اصولوں اور ضابطوں کی کتاب چھپوائی۔ ۱۹۳۵ء میں آل مہاراشٹر فزیکل ٹریننگ بورڈ نے اس مقبول عام کھیل کے جدید اصول وضوابط تیار کئے اور ۱۹۳۸ء میں کبڈی کھیل کا پہلا کل ہند مقابلہ ہوا۔ ۱۹۵۱ء میں "راشٹریہ کبڈی سنگھ" کا قیام عمل میں آیا۔ تب سے آج تک قومی سطح پر کبڈی مقابلہ مسلسل ہوتا رہا ہے۔

قدیم زمانے میں کبڈی صرف مردوں کا کھیل تھا لیکن اب ہندوستانی خواتین بھی اس کھیل کو بہت شوق سے کھیلنے لگی ہیں۔ ہندوستان میں کبڈی تو صدیوں سے کھیلا جاتا ہی رہا ہے لیکن یہ کھیل نیپال، سری لنکا، پاکستان، ملیشیا، انڈونیشیا، برما، کمبوڈیا، تھائی لینڈ اور سنگاپور میں بھی کھیلا جاتا ہے۔

کبڈی کھیلنے کے کچھ قاعدے یہ ہیں

کبڈی کے دونوں ٹیم میں "بارہ" "بارہ" کھلاڑی ہوتے ہیں۔ ایک وقت میں سات کھلاڑی کی ٹیم اترتی ہے۔ جو ٹیم ٹاس جیتتی ہے وہ یا تو اپنی پسند کا کورٹ لے سکتی ہے یا پہلے حملہ کرنے کا موقع حاصل کر سکتی ہے۔ انٹرول کے بعد کورٹ کی تبدیلی ہوتی ہے اور پہلے حملہ وہ ٹیم انٹرول کے بعد کرتی ہے جو شروع میں حملہ کرنے کا موقع حاصل نہیں کر سکی تھی۔ انٹرول کے بعد کھیل جہاں سے رکا تھا اسی اسکور سے آگے بڑھتا ہے۔ میچ کا کل وقت چالیس منٹ ہوتا ہے جو بیس بیس منٹ کے وقفے میں منقسم ہوتا۔ پانچ منٹ کا وقت آرام کے لئے دیا جاتا ہے۔ عورتوں اور بچوں کے لئے وقت پندرہ پندرہ منٹ کا ہوتا ہے۔

اس کھیل میں ایک سانس میں بار بار واضح اور زور سے کبڈی کبڈی یا "تو تو" لفظ پکارتے ہوئے کھلاڑی ایک کے بعد ایک مخالف جماعت کے کورٹ میں جاتے ہیں۔ مخالف ٹیم کے کورٹ میں کبڈی کہتا ہوا جو کھلاڑی جاتا ہے وہ حملہ آور کھلاڑی کہلاتا ہے۔ کبڈی لفظ کا ورد بند کر دینا یا کبڈی بولتے وقت سانس لینا سانس ٹوٹنا کہلاتا ہے۔ کبڈی لفظ مسلسل بغیر کسی ٹھہراؤ کے ایک سانس میں جاری رہنا چاہیئے۔ اگر حملہ آور کھلاڑی اصول کو توڑے بنا مخالف ٹیم کے کھلاڑی کو چھو لیتا ہے یا مخالف کھلاڑی کے جسم کا کوئی حصہ حملہ آور کھلاڑی کے جسم کے کسی حصہ سے چھو جاتا ہے تو ایسی صورت میں مخالف کھلاڑی آؤٹ ہو جاتا ہے۔ اگر مخالف کھلاڑی اصولوں کو توڑے بنا حملہ آور کھلاڑی کو پکڑ لیتے ہیں اور اپنے کورٹ میں اسے کھینچ رکھتے ہیں اور اسے واپس اپنے کورٹ میں نہیں جانے دیتے ہیں جب تک کہ اس کی سانس نہیں ٹوٹ جاتی۔ اسے حملہ آور کھلاڑی کو پکڑ لینا کہتے ہیں۔ اگر حملہ آور کھلاڑی درمیانی لائن کو پار کرنے کے بعد اصولوں کو توڑے بنا اپنے کورٹ کو جسم کے کسی حصہ سے چھو لیتا ہے تو اس کو اپنے کورٹ میں محفوظ طور پر لوٹ آنا کہتے ہیں۔ حملہ آور کھلاڑی کا کبڈی بولتے ہوئے مخالف ٹیم کے کورٹ میں جانا حملہ کہلاتا ہے۔ کامیاب حملہ وہی مانا جاتا ہے جب حملہ آور کھلاڑی بنا سانس توڑے ایک ہی حملہ میں مخالف ٹیم کے کورٹ کی بیک لائن کو کم سے کم ایک بار پار کر لیتا ہے۔ اگر مخالف کھلاڑی باہر ہو [illegible] ہیں تو اس کے لئے بیک لائن پار کرنا ضروری نہیں۔ یہ دھیان رہے کہ پوری طرح بیک لائن کو پار کرنا تبھی مانا جاتا ہے جب حملہ آور کھلاڑی کے جسم کا کوئی حصہ مارچ لائن اور بیک لائن کے بیچ کی زمین سے لگاؤ میں نہیں رہتا ہے۔

اختتامیہ

کبڈی تعاون اور باہمی اشتراک کا کھیل ہے اور کبڈی میں ذاتی اور انفرادی مظاہرہ میں دلچسپی رکھنے والے زیادہ کامیاب کھلاڑی نہیں ہوتے۔ اس کھیل میں خطرناک گرفتاری اور غیر متوقع حالات میں کھلاڑی کی ذاتی سوجھ بوجھ کو بڑا دخل ہوتا ہے اس کے علاوہ فوری اور بروقت فیصلہ اور سوجھ بوجھ ایک کامیاب کھلاڑی کے لئے لازمی شرط ہے۔ اس کھیل میں شریک ہونے والے کے یہاں خود اعتمادی، جرأت اور ذہانت کے علاوہ اس کا صحت مند ہونا بھی لازمی ہے۔

(پٹنہ سے نشر)

اب ان سب کو سب سے پہلے مائکروبیالوجی کی لیباریٹری میں خوردبین کے ذریعہ کیڑوں اور بیکٹیریا پر تجربہ کیا جاتا ہے اور اس کے نتائج کو نوٹ کرتے ہیں مثلاً کسی کیمیکل کے عرق یا کمپاونڈ کے کم تیز گھول سے کیچوا چار گھنٹے یا چار دن میں موٹا ہوا، بے ہوش یا مر گیا۔ اسی طرح خوردبین کے نیچے اسی گھول کا اثر بیکٹیریا پر دیکھ کر اس کے نتائج کو نوٹ کرتے ہیں اور پھر اسی گھول یا دوا کی مختلف خوراک، وقفے، تیزابیت اور دوسری کیفیات کو فارماکولوجی لیباریٹری میں مختلف جانوروں کے جسم کے عضلات پر مشینوں اور دیگر آلہ جات کی مدد سے تجربات کیے جاتے ہیں۔ ان تجربات میں ایک ہی دوا کو بیمار جانور اور صحت مند جانور پر الگ الگ استعمال کیا جاتا ہے یا کبھی کبھی دو صحت مند جانوروں میں ایک پر دوا اور دوسرے پر پانی کا استعمال کرتے ہیں اور پھر نتائج کو نوٹ کرتے ہیں۔ اس طرح مسلسل تجربات سے پتہ چل جاتا ہے کہ نئی دوا کارآمد ہے یا نہیں؟

جب کسی نئی دوا کو مسلسل تجربات کے بعد بے ضرر اور فائدہ مند پایا جاتا ہے تو اس کو مریضوں کے علاج کے لیے اور محدود عرصہ کے تجربہ کے لیے ہسپتال آزمائش کے لیے بھیج دیا جاتا ہے۔

جب ایک مخصوص عرصہ تک ہسپتالوں میں کافی مریضوں پر وہ دوا استعمال ہو چکی ہوتی ہے اور مفید ثابت ہو جاتی ہے تو اس کو ادویہ سازی سے متعلق حکام کی منظوری حاصل کر کے تجارتی سطح پر منظور شدہ دواخانوں میں تیار کیا جاتا ہے اور دواؤں کی دکانوں کے ذریعہ فروخت کیا جاتا ہے۔

یہ تھی نئی دوا کی تیاری کی کہانی اور فارماکولوجی سائنس لیباریٹریز کا اہم رول۔ ایسی ہی ایک فارماکولوجی لیباریٹری انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹری آف میڈیسن اینڈ میڈیکل ریسرچ ہمدرد نگر میں حکیم عبدالحمید صاحب کی نگرانی میں قابل قدر خدمات انجام دے رہی ہے۔ جہاں قابل سائنسدانوں کی ایک ٹیم رات دن نئی دواؤں کی ریسرچ کے کاموں میں مصروف ہے۔ (اردو سروس سے نشر)

اشتہار

ترقی اردو بیورو

کی

چند اہم مطبوعات

(۱) **فرہنگ آصفیہ :** (چار جلدوں میں)
مولف : خانصاحب مولوی سید احمد دہلوی
کل صفحات : ۲۵۳۸
قیمت : =/۱۵۰ روپے

۵۵ ہزار سے زیادہ الفاظ محاورے، روزمرہ ضرب الامثال پر مشتمل مستند لغت چار جلدوں میں دستیاب جس میں زبان و قواعد کی اہم علمی تشریحات و توضیحات بھی شامل ہیں۔

(۲) **مجموعہ نغز :** (تذکرہ شعرائے اردو)
مرتب : محمود شیرانی
صفحات : ۴۵۴
قیمت : =/۵۰ روپے

نامور محقق محمود شیرانی کے مشہور تذکرہ شعرائے اردو کی مرتبہ دو جلدوں کو یکجا کر کے خوب صورت گیٹ اپ کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ تاریخ ادب کے مطالعے کے لیے بے حد مفید ہے۔

(۳) **اردو املا :**
رشید حسین
صفحات : ۷۰۶
قیمت : =/۳۷ روپے

املا کے تمام مسائل پر سیر حاصل بحث، قواعد اور لسانیات کے اہم نکات اور منطقی و علمی استدلال اس کتاب کی خوبیوں میں سے ہے۔

(۴) **دیوان حسرت عظیم آبادی**
مرتبہ : اسما سعیدی
صفحات : ۴۸۴
قیمت : =/۱۸ روپے

عظیم آباد اردو زبان و ادب کا ایک تاریخی مرکز رہا ہے۔ حسرت عظیم آبادی اس کے نمائندہ شاعر تھے۔ ان کے کلام کو ان کے دور کی تاریخی، تہذیبی اور علمی و ادبی پس منظر کیساتھ پیش کیا گیا ہے۔

(۵) **معاشیات کیسے پڑھائیں**
ریاض شاکر خاں
صفحات : ۲۶۲
قیمت : =/۱۴ روپے

معاشیات آج کے اہم علوم میں سے ہے۔ اس کا پڑھنا پڑھانا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ یہ کتاب اس سلسلے کی ایک خاص تصنیف ہے۔

(۶) **ہندستانی معیشت :**
الک گھوش / محمد خلیق
صفحات : ۴۴۹
قیمت : ۲۵/۲۷ روپے

الک گھوش ہمارے ممتاز جدید معاشی مفکرین میں سے ہیں۔ یہ کتاب ان کی اہم تصنیف "انڈین ایکانومی" کا آسان اور سلیس اردو ترجمہ ہے۔

(۷) **قدیم ہندی فلسفہ :**
رائے شیو موہن لعل ماتھر
صفحات : ۳۷۶
قیمت : ۵۰/۱۵ روپے

ہندی فلسفہ دنیا کے فلسفیانہ علوم میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی سماجی اور تہذیبی وسعتوں اور گہرائیوں کو یکجا کرتے ہوئے یہ کتاب تاریخی بصیرت کے ساتھ مرتب کی گئی ہے۔

(۸) **انقلابِ فرانس :**
جے ایم تھامپسن / بی جے سنگھ
صفحات : ۷۵۸
قیمت : ۵۰/۲۵ روپے

دنیا کے انقلابات میں انقلاب فرانس کی اہمیت مسلمہ ہے۔ اس وسیع سماجی اور تہذیبی تناظر میں تاریخی عوامل و محرکات سے بحث کی گئی ہے۔

(۹) **راست اور متبادل کرنٹ :**
عبدالرشید انصاری
صفحات ۲۹۴
قیمت =/۱۵ روپے

ایٹم کے اجزا ترکیبی الیکٹران، پروٹان اور نیوٹران اور اس سے متعلق دیگر سائنسی معلومات سے بھرپور ہے۔ سائنس کے طلبا کے علاوہ عام لوگوں کے لیے بھی مفید معلومات فراہم کرتی ہے۔

(۱۰) **کلیاتِ سراج :**
سراج اورنگ آبادی
صفحات : ۷۳۲
قیمت ڈی لکس : =/۴۸ روپے
عام ایڈیشن : =/۴۴ روپے

سراج اورنگ آبادی دکنی ادب کے اہم شاعروں میں سے ہیں، ان کا کلام عرصے سے دستیاب نہیں تھا۔ ان کے کلیات کو نہایت خوب صورت گیٹ اپ کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔

(۱۱) **بھارت کا آئین :**
صفحات : ۴۰۴
قیمت =/۱۵ روپے

یہ ہندوستان کے دستور کا مستند اردو ترجمہ ہے۔ جو وزارت قانون حکومت ہند کی نگرانی میں مرتب ہوا ہے۔ اس میں یکم جولائی ۱۹۸۲ء تک کی ترمیمات کا بھی خصوصی طور سے احاطہ کیا گیا ہے۔

(۱۲) **شعریات :**
ارسطو / شمس الرحمٰن فاروقی
صفحات : ۹۹
قیمت : ۲۵/۵ روپے

لو طیقا کے یوں تو بہت سے ترجمے ہوئے ہیں مگر یہ ترجمہ ان سب کو سامنے رکھ کر سب سے جامع اور عام فہم انداز میں پوری صحت کے ساتھ کیا گیا ہے۔

(۱۳) **ارضیات کے بنیادی تصورات :**
وی او بروچیف / ڈاکٹر ماجد حسین
صفحات : ۵۶۰
قیمت : =/۲۲ روپے

ارضیات جدید سائنس کا ایک اہم ترین شعبہ ہے۔ اس شعبے سے متعلق علمی تحقیقات اور معلومات پر مبنی یہ کتاب اردو میں اپنے موضوع کے اعتبار سے اولین تصانیف میں سے ہے۔

ملنے کا پتہ

شعبہ فروخت و نمائش، ترقی اردو بیورو۔ ویسٹ بلاک۔ ۸ آر کے پورم، نئی دہلی ۱۱۰۰۶۶

امانت

مصطفیٰ کمال

میں مرن شیا پر ہفتوں سے ایڑیاں رگڑ رہا ہوں نہ جی رہا ہوں، نہ مر رہا ہوں۔ پاس پڑوس رشتے ناطے دار آخری دیدار کے لیے چلے آرہے ہیں۔ میں اپنی تکلیف سے بے حال لوگوں کا چہرہ دیکھ رہا ہوں۔ نہ بول رہا ہوں نہ ہنس پا رہا ہوں۔ کراہ بے جبرِ بے ساختہ میری ذرا سی جنبش پر نکل آتی ہے۔ دل اوب جاتا ہے، زخم رسنے لگتا ہے، خون پیپ بن کر بہہ رہا ہے۔ ہفتوں سے یہی تصور ذہن پر چھایا ہے کہ آخر آج آخری رات ہوگی، آج آخری دن ہوگا۔ پھر بھی دن بڑھتے جا رہے ہیں، رات کٹھن ہوتی جا رہی ہے۔

بال بچے میرے پلنگ کو گھیرے کھڑے ہیں۔ وہ بے بسی اور کسمپرسی کی تصویر بن گئے ہیں۔ بڑا لڑکا دن رات سرہانے کھڑا رہتا ہے۔ بھائی ہے کہ پیر سہلاتا رہتا ہے۔ مجھ میں بات کرنے کی تاب نہیں۔ آنکھوں کے سامنے دھند چھائی ہے۔ تیمارداروں کے چہرہ کو پڑھتا ہوں۔ ان کی رنگت بولتی ہے۔ اس سے اپنی حالت زار کا پتہ بھی لگا لیتا ہوں۔

سوچتا ہوں یہ بال بچے بے یار و مددگار ہو جائیں گے۔ ان کا ماں باپ میں ہی ہوں۔ کس کے سہارے جئیں گے۔ وہ بڑے لڑکے کے آگے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ مزاج پرسی کرنے والوں سے میرے بارے میں پوچھتے ہیں۔ ان کا چہرہ غور سے دیکھتے ہیں۔ ان کی غمگساری انھیں کے الفاظ سے تولتے ہیں۔ میری زندگی کو تولتے ہیں۔ ڈاکٹر نرسوں کو بڑی للچائی نگاہوں سے دیکھتے ہیں ڈاکٹر کی ڈانٹ ڈپٹ سے بچنے کے لیے کمرہ سے باہر چلے جاتے ہیں۔ لیکن شیشہ کی کھڑکیوں سے تاک جھانک کرتے رہتے ہیں۔ اس مسیحا نفس سے ان کی بڑی امیدیں وابستہ ہیں۔ حالانکہ میری امیدیں ان سے ٹوٹ چکی ہیں۔

ہفتوں سے پڑا ایڑیاں رگڑ رہا ہوں لیکن اس کے علاج سے کوئی افاقہ نہیں۔ بہن آئی تھی، جب تک رہی روتی ہی رہی۔ اس کے رونے سے دل دہل گیا۔ بیوی کا دھیان ستانے لگا۔ آنسوؤں میں دنیا ڈوب گئی۔ گھنٹوں بے سدھ پڑا رہا۔ دنیا اجاڑ ہوگئی...... معلوم ہوا۔ چل چلاؤ کا وقت آگیا۔ اٹھ کر چلا گیا، میرے حال کے بارے میں ذرا بھی نہ پوچھا۔

دوسرے دن ماتا دین بھی آیا۔ بڑا اچنبھا ہوا۔ بھائی بڑے زوروں سے چونکا۔ وہ بڑی دیر تک کرید کرید کر میری بیماری کا حال پوچھتا رہا۔ میں ہوں، ہاں کہہ کر چپ ہوگیا۔ بھائی نے بھی ٹال دیا۔ لڑکا ہم سب سے بے نیاز ان کے سوالات کے جوابات دیتا رہا۔ میں اس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھتا رہا۔ بڑا منہ بنا بنا کر سوالات کر رہا تھا۔

وہ چلا گیا تو گاؤں سے بڑے بوڑھوں کی غول بٹ کر آئی۔ مجھے بہت تشویش ہوئی۔ کوئی بات گاؤں میں ضرور ہوئی ہے۔ جس کا میرے تیمارداروں کو کوئی علم نہیں۔ ان لوگوں کے سوالات بھی بے تکے تھے۔ بھائی دوا لینے چلا گیا تھا، لڑکا موجود تھا۔ اس سے سوال پوچھا ہی تھا کہ میں نے ٹوک دیا۔ ہمارے روپئے پیسے کا حال اس کو کیا معلوم....؟ ان کے سوالات سے لڑکے کو بچانا مقصود تھا۔ ارے الگو —— برا کیوں مانتے ہو —— خرچہ تو بہت ہوا ہوگا۔

ہاں.... تب....؟.... مطلب کیا....؟

ارے اس میں جھنوا کا بھی تو ہوگا....؟

کون جھنوا..... کیسا پیسہ.....؟

ارے ہمارا بھتیجا.....

ارے کیسے.....

پتہ تو چلا ہے۔

بڑے بھیدیا ہو۔ پتہ لگاؤ۔

یہ بات مجھے بہت کھٹکی۔ میں نے اپنے دوستوں سے پوچھا...... پتہ چلا کہ گاؤں میں لوگوں کو یقین ہے کہ میں اسپتال میں مر جاؤں گا۔ پیسہ کے بارے میں اسی وقت پوچھ تاچھ نہ کی گئی تو مرنے کے بعد کیسے ملے گا۔ جھنوا بھی اس وقت پردیس میں ہے۔

میں چکرا گیا۔ لوگ کیا کیا سوچتے ہیں۔ میں بستر مرگ پر اس کی امانت کو غصب کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہ سکتا تھا۔ یہ صحیح تھا کہ اس نے روپیہ مجھے دیا تھا، اس تاکید سے کہ گھر کے کسی آدمی کو معلوم نہ ہو۔

لکھ دو، الگو بھیا.... رکھ دو اپنے کھاتہ میں، میں گھر نہیں لے جاؤں گا۔ ساری کمائی یونہی بٹ جائے گی۔ میں ڈرتا تھا بدنامی ضرور ہوگی۔ اس کے گھر والوں کو ذرا بھی بھنک ملی اور آفت آئی۔ ارے کہیں ہماری نیت نہ خراب ہو جائے۔

یہ کیسی بات کہے الگو بھیا۔ تم سے یہ امید ہم نہیں کرتے۔ بچپن کے ساتھ ہے۔ ہم تمہیں اچھی طرح جانتے ہیں۔ تم ایسا نہیں کر سکتے۔

وہ رقم میں نے اس کے سامنے بینک میں جمع کر دی۔ وہ رات بھر میرے پاس رہا۔ کھایا پیا، سویا صبح گاؤں چلا گیا۔

گاؤں میں دو ایک بار بھنک پڑی تھی کہ اس بار کما کر کچھ نہیں لایا۔ اس نے کہیں جمع کیا ہے۔ جھنوا کو کریدتے رہے وہ صاف جھوٹ بول گیا۔ وہ اٹکل لگاتے رہے۔ کان میری طرف تھا۔ گاؤں میں بہت کانا پھوسی ہوئی۔ لیکن کسی کو مجھ سے پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اب مجھے کمزور پایا ہے۔ یہاں تک پوچھنے چلے آرہے ہیں۔ یہ تو ساری کمائی پر پانی پھیر جائے گا۔ یہ سب سوچ کر میری آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔

علاج پر پیسہ بہت خرچ ہوگیا۔ کئی بار لڑکا پیسہ کے لیے کہہ چکا تھا۔ بھائی کا بھی ہاتھ خالی تھا۔ کہاں سے پیسے لاؤں۔ بڑے زور کا بونڈر اٹھا۔ میں چکرا کر رہ گیا۔ کھاتہ میں صرف امانت بچی تھی نرس ہتھیار لیے میرے زخم کی مرہم پٹی کرنے پہنچی۔ دماغ اڑ گیا۔ خوف نے سنسنی سی جسم میں دوڑا دی۔ زخم سے بہت خون گر رہا تھا۔ آج پتہ نہیں کیا حال ہے۔ رات بھر مرتا رہا۔ نیند ایک پل نہ آئی۔ زخم صاف کرنے کی تکلیف کا شدید احساس ذہن کو جھٹکے دینے لگا۔ چاہا زخم نہ دھلائے۔ یونہی مر جاؤں یا اچھا ہو جاؤں....

آہ..... بال بچے۔ سب الگ ہو گئے۔ کس کو بلاؤں گھاؤ کیسا ہے۔ نرس نہ بتائے گی۔ بڑی منہ ٹیڑھی ہے۔ سیدھے منہ بات نہیں کرتی۔ یہاں لین دین کا چکر چلتا ہے۔ جان جائے کہ پیسہ ملے گا۔ تو کتے کی طرح تلوے چاٹنے لگے گی۔

ہم سے بری حالت اسپتال کی ہے۔ یہاں لوگ مرنے کے لیے آتے ہیں، جینے والے تو اپنی قسمت سے جیتے ہیں، میں بھی کسی صورت جئے جا رہا ہوں۔ ڈاکٹر و نرس سے فرصت ملتی ہے تو گھر دوار بال بچوں کی فکر ستاتی ہے۔ رشتہ دار بتا رہا تھا کہ تمہارے بارے میں بڑی چرچا ہے۔ جھنوا کا پیسہ دبا لیا ہے۔ وہ جھنوا کو بلا کر لا رہے ہیں۔ ذرا زخم رسنا بند ہو جائے۔ میں سب سے سمجھ لوں گا۔ ان لوگوں کے پاس ذرا بھی دیا دھرم نہیں۔

گاؤں بہت یاد آرہا ہے۔ گھر والے یاد آرہے ہیں۔ بیوی کی یاد ستا رہی ہے۔ بڑی خدمت کرنے والی تھی۔ رہتی تو جان دیتی اسپتال سے جی اچاٹ ہو رہا ہے۔ اس کمرہ کی سبز رنگت تاریک نظر آنے لگی ہے۔ لال کمبل بھی مٹیالا نظر آرہا ہے۔ سب گل ہوتا نظر آرہا ہے۔ لڑکے کا چہرہ غائب ہے۔ چھوٹی بچی دکھائی بھی نہیں دے رہی ہے۔ دھند ہے جو آنکھوں پر چھاتا جا رہا ہے۔ بچے مریض، سفید نرس سب غائب ہیں۔ کہیں موت کا جھٹکا تو نہیں کہ آنکھیں پتھرا رہی ہوں۔

ہے بھگوان —— میں نے کروٹ بدلنا چاہا۔ میری چیخ نکل گئی۔ کراہ کر چت پڑ گیا۔ سامنے کچھ نہ تھا، دل ڈوبتا نظر آیا——

لڑکا ..... پپا ..... پپا ..... کہہ کر مجھے جھنجھوڑنے لگا۔ میں بے سدھ تھا۔ بھنبھناہٹ سی بہت دور سے آتی معلوم ہو رہی تھی۔ بچے رو رہے تھے۔ موت مجھے گود میں لے چکی تھی۔

آنکھیں کھلی تو گلوکوز کی بوتل خالی ہو چکی تھی۔ مجھے لٹائے کھڑے تھے۔ بھائی گویا مردہ کھڑا ہو۔ بغل میں کچھ اور لوگ کھڑے ہیں جنھیں یہ آنکھیں نہیں پہچان پا رہی تھیں۔ پوچھا نام، سن کر بدن میں بجلی دوڑ گئی۔ جھنوا کے چچا تھے۔ ایسا جھٹکا لگا کہ آنکھیں کھل گئیں۔

پنچ جاننا چاہتے ہیں کہ جھنوا کا پیسہ کہاں ہے۔

کیسا پیسہ ؟ ..... میری آنکھیں پھیل گئیں۔

امانت رکھے ہو .....

ہاں .....

کیسے ملے گا ؟

وہ دے گا۔ میں نے پاس کھڑے لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔

نہیں دیگا۔ وہ کسمسائے۔

پھر ہماری ارتھی سے لینا۔

میرا خون جوش کھانے لگا۔ لڑنے کے لیے مجھ میں زندگی عود کر آئی۔ نرس نے مجھے تعجب سے دیکھا۔ بھائی نے منانے کی کوشش کی۔ میں نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

چلو ہٹو۔ پہلے ہم ان دونوں سے سمجھ لیں۔ یہ مجھے بے ایمان سمجھتے ہیں۔

نہیں ..... الگو ..... ایسا نہ سوچو۔ ٹھیک ہو جاؤ گے۔ بابا کا چکر جانتے ہی ہو ..... ؟

جانتا ہوں جو کچھ جھنوا کما کر لاتا ہے وہ جھاڑ لیتے ہو۔ نوکری پر جاتے ہوئے میرے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے۔

آپ لوگ میرے باپ کو مار ڈالیں گے۔ جائیے ہٹیے۔ لڑکے نے غیر معمولی حالت میں دیکھ کر کہا۔

میں نے اپنے لڑکے کا ہاتھ پکڑ لیا۔ جانے دو، عاقبت نہیں خراب کرنی ہے۔ میں بولا۔

وہ کیا کرے ! بھائی چلایا۔ کہاں سے لا کر دے گا۔

میں نے اس کو بتا دیا ہے۔ بیٹا کہہ دے ..... بیٹا ..... انھیں بتا دے۔

کیا بتاؤں ؟ اس نے بڑی لاپروائی سے کہا۔

کہہ دے۔ بھگوان پر بھروسہ کریں مل جائے گا۔ لڑکے نے مجھے تکیہ پر سلاتے ہوئے کہا۔

بھگوان پر بھروسہ رکھو مل جائے گا۔

میں تکیہ پر بے سدھ پڑ گیا۔ بدن پر لرزہ طاری تھا۔ پر ہل نہ پاتا۔ میری آنکھوں میں دنیا ڈوبتی جا رہی تھی۔ پنچ غائب تھے۔ لڑکے بالوں کا بھی پتہ نہ تھا۔ بھائی بھی نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ میری بینائی مرتی معلوم ہو رہی تھی۔ سینہ پر چڑھا مجھے کوئی آواز دے رہا تھا۔ میرے لب ہل رہے تھے۔ لیکن روح کہیں پرواز کر رہی تھی۔ گویا عالم بالا کی طرف جا رہی ہے۔

(آکاشوانی گورکھپور سے نشر)

مصطفےٰ کمال
اسسٹنٹ لائبریرین گورکھپور یونیورسٹی۔ گورکھپور۔

افسانہ

اپنی اپنی دنیا کے لوگ

احمد یوسف

اس عرصے میں رحمان مجھ سے دو تین بار مل چکا تھا۔ لانڈھی ہمارے یہاں سے کوسوں دور تھا، ایسے میں وہاں سے مہینے میں دو تین بار آ جانا مذاق تو تھا نہیں، لیکن رحمان اپنی وینی لے کر آ جاتا۔ ہر دفعہ میں اس سے کہتا —— "رحمان تم کیا غضب کرتے ہو میرے بھائی۔ سوچو ذرا، تم صرف میری وجہ سے اتنا لمبا سفر طے کرتے ہو، اور اتنا قیمتی پٹرول پھونک دیتے ہو۔"

رحمان پہلے تو مجھے مسکرا کر ٹالنے کی کوشش کرتا، لیکن جب میرے جملے تیز ہونے لگتے، تو وہ سنجیدہ ہو کر کہتا، —— "بھئی کیوں پریشان ہو رہے ہو، ناظم آباد کے اسی علاقے میں مجھے بہت سارے دفتری کام لگے رہتے ہیں۔"

کوئی چار سال پہلے بھی میں یہاں آیا تھا تو رحمان کا یہی وطیرہ تھا۔

میں سوچتا، آخر وہ رحمان کدھر گیا، جس نے کوئی تینتس سال پہلے، رات گئے میرا دروازہ کھٹکھٹایا تھا۔

یا خدا، اتنی رات گئے کون ہو سکتا ہے۔

دروازہ کھولا تو رحمان کھڑا تھا۔

"خیریت ؟"

رحمان نے دو رکشوں کی طرف اشارہ کیا، جو سڑک کے کنارے سامان سے لدے پھندے کھڑے تھے، جن میں ایک پر اس کے باپ کے ساتھ اس کا چھوٹا بھائی بیٹھا تھا اور دوسرے پر برقعے میں اس کی ماں تھی۔

میں نے رحمان سے دریافت کیا —— "کہاں کا قصد ہے ؟"

"پنجاب میل سے امرتسر —— منزل اس سے بھی آگے ہے۔"

حالانکہ رحمان سے بس ایک دن پہلے ملاقات ہو چکی تھی، لیکن اس وقت اس نے اس سفر کے متعلق کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔

تب بجز اس کے کہ میں اس سے بغل گیر ہو کر اسے رخصت کر دوں اور کوئی دوسرا چارہ نہیں تھا۔ میں نے آ[...] بڑھ کر اس کے والد اور اس کے چھوٹے بھائی سے بھی مصافحہ کیا اور "بہ سلامت روی بہ باز آئی" اور اس نوع [...] کچھ رسمی جملے ادا کیے۔

پھر وہ دونوں رکشے آہستہ آہستہ آگے کی طرف بڑھ گئے۔

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنی گرمی رات میں اس طرح مجھ پر غموں کی یلغار ہو گی۔

ان دنوں جانے والے اسی طرح جایا کرتے تھے۔

اور اب وہ رحمان میرے روبرو تھا۔

اس شہر میں جب بھی ہم ملتے تو ہمارا دلچسپ ترین مشغلہ یہ ہوتا کہ ہم ایک بوسیدہ سی بساط بچھا لیتے اور پھر بہت سارے مہرے جانے کہاں کہاں سے اٹھا لاتے [...] عمل میں ہمیں اکثر ایسے مہرے بھی مل جاتے جن کی صورت تک ہم بھول چکے تھے۔

رحمان میرے لیے اپنی یادداشت کے سہارے ا[...] اپنی ڈائری کی مدد سے ایک کاغذ پر پتے نوٹ کر رہا تھا۔ ایک بار جب وہ اپنی ڈائری بند کر کے میز پر رکھنے لگا تو میں نے اسی سے پوچھا —— "رحمان میں تمہاری ڈائری دیکھ سکتا ہوں۔"

ان اوقات میں رحمان میری ہلکی سی سرزنش ضرور کرتا۔

"کیا غیروں جیسی بات کرتے ہو، اس میں پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔"

ذاکر حمید —— یہ شاید وہی ذاکر حمید تھے، [...] کبھی اپنے شہر کی فٹ بال ٹیم میں بڑے نامی گرامی فل بیک ہوا کرتے تھے۔ پتلے دبلے لمبے سے آدمی —— اپنے [...] دور میں ہر درجے میں ذرا جی لگا کر قیام کر چکے تھے۔ سال [...]

کے اندر ہی کسی درجے سے آنکھیں پھیر لینا۔ ان کے خیال میں رسم عاشقی کے خلاف تھا۔ اسکول میں ہم سے کئی فرسنگ آگے تھے۔ لیکن پھر چند برسوں کے اندر ہی ہمیں یہ خبر ملی کہ وہ اب ہم سے کئی فرسنگ پیچھے ہیں، بڑے نامی گرامی فل بیک ہو گئے ہیں اور صوبے کے مختلف شہروں میں پیشہ ور کھلاڑی کی حیثیت سے بلائے جاتے ہیں۔

میں نے رحمان سے دریافت کیا —— "رحمان کیا یہ وہی ذاکر حمید ہیں ؟"

رحمان نے کہا، "ٹھیک سمجھے تم۔"

نام پتہ۔ پتہ —— فون نمبر

داؤد علی خاں۔ غالباً یہ اسکول کا وہی بجھا بجھا سا لڑکا تھا جو پچھلی نشستوں پر بیٹھتا تھا۔ سال بھر وہ داد اور کھجلی سے سخت پریشان رہتا۔ اس کا چہرہ ہمیشہ پسینے سے چپ چپاتا رہتا اور کپڑے گندے رہتے، جن پر جا بجا خون اور پیپ کی گل کاریاں دکھائی دیتیں۔ پچھلی صفوں میں بیٹھنے کا راز یہ تھا کہ غریب کو اپنی سدا بہار بیماری کے سبب ہوم ورک بنانے کی فرصت نہیں ملتی، پھر لڑکوں کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ کھجلی ذرا متعدی مرض ہے، یوں وہ معتوب بنا پیچھے بیٹھا رہتا۔ ٹیچروں نے بھی گویا ناقابل اصلاح سمجھ کر اسے فراموش کر دیا تھا۔ اس طرح وہ پچھلی نشستوں پر بیٹھایا تو اونگھتا رہتا یا ٹکٹکی باندھے چھت کو تکتا رہتا۔

میں نے رحمان سے کہا —— "یار ایک داؤد علی خاں تو ہمارے زمانے میں بھی تھا۔ کیا وہی کھجلی اور داد والا لڑکا ہے ؟"

رحمان نے کہا —— "میاں تم اب اسے پہچان نہیں سکو گے، سوسائٹی میں اس نے دو ہزار گز پر اپنا مکان بنایا ہے اور بڑی لمبی لمبی کاریں رکھتا ہے۔"

میں نے ڈائری میز پر رکھ دی۔

سائڈ ٹیبل پر کسی بریلی ایسوسی ایشن کا کارڈ رکھا تھا۔ وہ لوگ کسی بریلوی ڈاکٹر کا جشن منا رہے تھے۔ میں نے کئی بار کارڈ کا مضمون پڑھا اور پھر اسے الٹ پلٹ کر تپائی پر رکھ دیا۔

رحمان اب بھی سوچ سوچ کر اور گاہے ڈائری میں دیکھ کر پتے اور فون نمبر وغیرہ ایک کاغذ پر اتارتا جا رہا تھا۔

میں نے پھر ڈائری اٹھائی۔ یونہی بیچ سے کھولا تو یٰسین احمد کا نام نکلا۔

میرے استفسار پر رحمان نے کہا —— "یہاں بھی وہ نواب صاحب ہی کہلاتے ہیں۔"

میں نے رحمان کو بتایا —— "وہاں ان کی حویلی بھائیں بھائیں کر رہی ہے۔ تم نے سنا ہوگا، خانہ خامی رادیوی گیرد، جانے کن کن لوگوں نے وہاں اپنے دفتر کھول رکھے ہیں۔ کبھی کسی طرف کی دیوار گر جاتی ہے، کبھی کوئی چھت گرنے کے قریب ہوتی ہے، تو حویلی پر قابض لوگ اس کی تھوپ تھاپ کر دیتے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حویلی کا پھاٹک آپ ہی آپ کھڑا کانپنے لگتا ہے۔"

رحمان نے کہا "ان کے کئی ایک لڑکے باہر ہیں۔ جو یہاں ہیں وہ کسٹم اور بینکوں میں لگے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تمہارے آنے کی خبر میں نے انھیں دے دی تھی۔ کسی دن تمہیں ان کے یہاں لے کر چلیں گے۔"

ڈائری کے ایک صفحے پر ابدالی صاحب بھی ٹکے تھے۔

میں نے رحمان سے پوچھا۔ "یہ یہاں کیا کر رہے ہیں ؟"

"وہی اخبار کا کام۔"

"پھر یہاں کیوں ؟"

رحمان نے قدرے جھنجھلا کر کہا —— "یار مت پوچھو۔ جب آبادیوں میں بھیڑیے نکل آتے ہیں، تو ہر کوئی ناک کی سیدھ بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔"

اس پر میں نے کہا —— "لیکن آخر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔!"

اس سے آگے کچھ کہنے میں رحمان کے زخم کے ٹانکے ٹوٹ جاتے اس لیے میں نے چپ سادھ لینا ہی مناسب سمجھا۔

تب ہی کوک آگئی۔ رحمان نے سر اٹھا کر دیکھا اور بوتل ہاتھ میں لے لی۔ ہم دونوں آہستہ آہستہ کوک پینے لگے۔

"ہاں رحمان تم پروفیسر قادری کو جانتے ہو! —— کل مجھ سے ملے تھے۔" کہہ رہے تھے کہ الٰہ آباد یونیورسٹی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کا ایک جلسہ بلا رہے ہیں۔ آج کل اس کی تیاریوں میں بے طرح مصروف ہیں۔

رحمان نے چپکے سے ہوں کیا۔

کوک پینے کے بعد رحمان پھر پتے اتارنے لگا اور میں دوبارہ ڈائری کے اوراق میں گم ہو گیا۔

بیسوں ہم صورتوں کے درمیان ایک چونکا دینے والا نام ملا۔

"ہمارے سابق ہیڈ ماسٹر۔"

"شمس الحسن صاحب زندہ ہیں ؟"

رحمان نے کہا —— "کافی ضعیف ہو گئے ہیں، لیکن رعب داب کا وہی عالم ہے۔"

۱۰-۳۵ ہو گئے ہیں۔ میں چپکے سے ڈرتے ڈرتے اسکول کے بڑے گیٹ میں داخل ہوتا ہوں۔ سامنے ہیڈ ماسٹر صاحب اپنے دفتر کے آگے بت بنے کھڑے ہیں۔ میرے ساتھ دو ایک لڑکے اور بھی ہیں۔ دور سے ماسٹر صاحب کی شہادت کی انگلی ہمیں بلا رہی ہے۔ جانے اس انگلی میں کونسی مقناطیسی طاقت ہے کہ ہم اس کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں۔

قریب پہنچنے پر ہیڈ ماسٹر صاحب کی آواز گونجتی ہے۔ "کیا وقت ہوا ہے دفتر کی گھڑی دیکھ کر بتاؤ۔"

"سر ۱۰-۳۶ ہوئے ہیں۔"

"اسکول کا وقت ؟"

"جی وہ ۱۰-۳۰۔"

تب کئی ایک چانٹے فضا میں گونجتے اور پھر ہم سب اپنے اپنے گال سہلاتے اپنی کلاسوں کی طرف چل دیتے۔

رحمان کہہ رہا تھا —— "شمس الحسن صاحب آج سراپا لطف و کرم ہیں اور سوچو تو اس وقت بھی در اصل وہ ہمارے اندر وقت کی صحیح قدر قیمت کا احساس جگاتے رہتے ہیں۔"

کئی ناموں کے بعد "عبدل باورچی مغل پورے والا" دکھائی دیا۔ میں نے یہ نام دو ایک بار بلند آواز میں پڑھا۔ معلوم ہوا کہ اس علاقے کے لوگ آج بھی اپنے یہاں کی تقریبات میں عبدل باورچی ہی کو بلاتے ہیں۔

تب ڈائری ایک طرف رکھتے ہوئے میں نے رحمان سے کہا۔

"رحمان تم نے تو یار اپنی ڈائری میں ایک گم شدہ دنیا آباد کر رکھی ہے۔ بھائی میرے آخر تم کس شہر میں رہتے ہو۔"

مجھے مسکراتے دیکھ کر رحمان نے کہا —— "کیوں، بس اسی شہر میں۔"

میں نے کہا "کیا واقعی ؟" (پٹنہ سے لنتر)

فضا ابن فیضی

بجز لاحاصلی کیا اور بام و در پہ رکھا ہے —— دیا بے منظری کا، طاقِ ہر منظر پہ رکھا ہے
لہو میں تیرتا ہے ذائقہ اونچی اڑانوں کا —— ہوا کا بوجھ سارا میرے ہی شہپر پہ رکھا ہے
جنوں کو آگیا ہے راس شہروں کا گھٹا موسم —— بیاباں کا اثاثہ لا کے سب نے گھر پہ رکھا ہے
مقدر ہے ہمارا سایہ سایہ دھوپ میں رہنا —— عجب وہ سائباں ہے جو ہمارے سر پہ رکھا ہے
میں کیا آنکھیں کھلی رکھتا کہ میری آگہی نے بھی —— مدار اپنا اسی اک حرفِ خواب آور پہ رکھا ہے
بہت ہے ہم کو تم کو یہ متاعِ علم لا علمی —— کہ سب کچھ منحصر جہل ہنر پرور پہ رکھا ہے
غنیمت ہے، سحر تجانِ حرف و صوت اتنا بھی —— چراغ اک شب گزیدہ سا ہمارے در پہ رکھا ہے
ہوئے جب شعر، تو احساس کی مٹھیں چمک اٹھیں —— یہ لگتا ہے، قلم نے پاؤں تختِ زر پہ رکھا ہے
یہی بس دیکھنا ہے اب، لہو مقبول ہو کس کا —— سبھوں نے ہاتھ اپنا وقت کے خنجر پہ رکھا ہے
معانی بھی نجات اس کرب سے اب کیا دلائیں گے —— حریر لفظ ہو تہیں جو ابھی پتھر پہ رکھا ہے

قلم کو اے فضاؔ اپنے میں کیوں شاخِ انا سمجھوں
عجب الزام اس نے مجھ سے دانش گر پہ رکھا ہے

(گورکھپور سے لنتر)

یہ بلندیاں یہ پستیاں

آغا رشید مرزا دہلوی

اسی روز مجھے معلوم ہوا کہ ان فلک بوس عمارتوں کی بلندیوں سے پستیوں کے رہنے والے بھی کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ایک روز شہر کی ایک مشہور سڑک پر ایک بلند و بالا عمارت کے آگے بڑا ہجوم تھا بڑے شہروں میں بات بے بات ہجوم، ہجوم سے ہنگامہ ہنگامے سے لاٹھی چارج، آنسو گیس، اور گولیاں اور دستی بمباریاں کوئی بڑی بات نہیں پھر کلکتہ تو جلسہ جلوس کا شہر ہی کہلاتا ہے۔ شہر کے شہری اس شورش کے عادی ہو چکے ہیں۔

آج کل دور اندیشی کا تقاضہ تو یہی ہے کہ دور سے دیکھتے ہی کوئی جلسہ ہو یا جلوس، ہجوم ہو یا ہنگامہ، راستہ ہی بدل دینا چاہیے کہ نجات اور عافیت اسی میں ہے۔

لیکن اس روز معاملہ ہی کچھ اور تھا ہجوم کا حجم بھی زیادہ نہیں تھا اور وہ خود تماشا نہیں تماشائی بنا ایک عمارت کی تیسری چوتھی منزل کی طرف نظریں جمائے بغور دیکھ رہا تھا میں بھی حالات کی نوعیت دیکھ کر ذرا دیر رک گیا جستجو ہوئی کہ یہ ماجرا کیا ہے؟

دریافت کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی اکثر لوگوں کا ہاتھ اوپر اٹھا ہوا انگلی سے عمارت کی اس منزل کی طرف اشارہ کر رہا تھا بھانت بھانت کی بولیاں اور آوازیں کانوں میں آ رہی تھیں کوئی کہتا کہ یہ مداری ہے، کوئی تماشا ابھی دکھانے والا ہے، کوئی کہتا کہ یہ عاشق نامراد ہے عشق کی بازی ہار کر جان کی بازی لگا رہا ہے اور کوئی پورے وثوق کے ساتھ کہتا کہ یہ بے چارہ کوئی پاگل ہے ہمارے یہاں پاگلوں کی بہتات ہے آئے دن ہوڑہ پل کے اوپر پھیلے رو پہلی جالی پر پولیس اور فائر بریگیڈ کے آدمیوں کے ساتھ یہ لوگ آنکھ مچولی کھیلتے نظر آتے ہیں غرض جتنے منہ اتنی باتیں ذرا سی دیر میں یہاں بھی پولیس اور فائر بریگیڈ آموجود ہوئے۔

ان کی ترغیبی کوششیں اور اپیلیں سب بیکار ثابت ہوئیں اس نے کسی ایک کی نہیں سنی۔ شاید وہ اب بلندی سے پستی کی طرف آنا نہیں چاہتا تھا۔ یا شاید وہ کوئی فلسفی تھا جو بلندیوں اور پستیوں کا فاصلہ کسی فلسفہ کی رو سے ناپ رہا تھا یا کوئی نیا لیڈر تھا جو ان بلندیوں پر رہنے والوں اور فٹ پاتھ پر بسنے والوں کا فرق بتانا اور اسے مٹانے کا گر بتانا چاہتا تھا یا اس کی کوئی مانگ ہوتی جسے منوانا چاہتا ہو گا۔

آج کل مانگوں کو منوانے کے لیے بھی تو سب ہی کچھ ہوتا ہے اس نے بھی کوئی نیا طریقہ سوچا ہو گا لیکن ابھی تک کوئی مانگ اس نے پیش نہیں کی تھی۔

اس کی خاموشی سے بھی کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا تھا آخر وہ کیا چاہتا ہے اور کیا کرنا چاہتا ہے۔ مجمع میں سے کچھ لوگ اسے نیچے اتارنے کے لیے طرح طرح کے مشورے دے رہے تھے اس نے اپنی جان اس طرح خطرہ میں کیوں ڈالی ہے اس کی وجہ معلوم کرنے کے لیے طریقے بتا رہے تھے ادھر آہستہ آہستہ اس کا جھکاؤ سڑک کی طرف ہو رہا تھا۔ اس کی ہر حرکت پر مختلف آوازیں مجمع سے بلند ہوتیں اور انگلیاں اٹھنے لگتیں اب وہ بالکنی سے اتر کر اس کے باہر نکلے ہوئے کنگورے پر آ گیا تھا اور اس نے پشت کی طرف دونوں ہاتھ سے جا کر بالکنی کو تھام رکھا تھا۔ اس وقت وہ اس پوزیشن میں تھا جیسے کوئی تیراک پانی میں کودنے سے پہلے بلندی پر کھڑا ہوتا ہے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ تیراک کے ہاتھ آگے کی طرف پھیلے ہوتے ہیں اور اس کے ہاتھ پشت کی طرف تھے۔

وہ پھر کھڑا سوچ رہا تھا۔ کبھی ہجوم کی طرف اور کبھی پتھریلی سڑک کی طرف اس کی نظریں جم جاتیں اگر اس کا ارادہ اوپر سے نیچے گر کر خودکشی کرنے کا ہوتا تو اتنی دیر کیوں کرتا۔ خودکشی کے لیے تو دماغی کیفیت زیادہ مہلت ہی نہیں دیتی۔ معلوم نہیں وہ رہ رہ کر کیا سوچ رہا تھا۔ اس کا دماغ کن خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ ممکن ہے وہ یہ سوچ رہا ہو کہ اس کے بعد اس کے خاندان کا کیا حشر ہو گا۔ لیکن اس کے چہرے پر تو خوف کے آثار نہیں، کوئی گھبراہٹ کوئی بے چینی نہیں۔ وہ پر سکون ہے۔

اور آخر کار ان حالات کے پیش نظر مجمع میں سے بعض لوگوں نے خود ہی فیصلہ کر کے اعلان کر دیا کہ وہ پاگل ہے۔ اور پھر "پاگل ہے، پاگل ہے" کی آوازیں کہیں کہیں سے آنے لگیں۔ ہر نیا راہ گیر جو اس طرف آتا اور تجسس سے دریافت کرتا تو اس کا تعارف پاگل کے لفظ سے ہی ہوتا سب کی ہمدردیاں اس کے ساتھ تھیں لیکن کوئی کیا کر سکتا تھا اور کیا کر سکتا ہے۔ نہ معلوم کتنے پاگل بلند عمارتوں کی چھتوں، بالکنیوں سے کود کر مرتے ہیں، کتنے گلے میں پھانسی کا پھندہ ڈال کر زندگی کے پھندے سے نکلنے کے لیے مرتے ہیں، کتنے خود کو آگ لگا کر مرتے ہیں، کتنے بھوکے پیٹ اور آدھے پیٹ کھا کر آہستہ آہستہ مرتے ہیں لیکن کچھ لوگ ہیں جو آہستہ آہستہ سسک کر مرنا نہیں چاہتے۔

ان کی قوت فیصلہ بڑی تیز ہوتی ہے جب کبھی زندگی انھیں دیدے دکھاتی ہے وہ منٹوں میں زندگی کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دیتے ہیں کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ لوگ بڑے بہادر ہوتے ہیں موت سے نہیں ڈرتے۔ اپنے ہاتھوں اپنی جان دینا معمولی کام نہیں بڑے جی داروں کا کام ہے لیکن کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ بزدل ہوتے ہیں اور دراصل وہ زندگی سے ڈرتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ لوگ دماغی یا اعصابی بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں یا ہو جاتے ہیں۔ بہرحال اس بارے میں ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا ہے کہ یہ لوگ کیا ہوتے ہیں۔ بہادر ہوتے ہیں، بزدل ہوتے ہیں، یا دماغی بیمار ہوتے ہیں اور وہ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ بلڈنگوں کی بلندیوں سے گر کر کیوں مرتے ہیں، پھانسی کے پھندے ڈال کر کیوں مرتے ہیں، خود کو آگ لگا کر کیوں مرتے ہیں، آدھے پیٹ کھا کر بھوکے پیٹ رہ کر آہستہ آہستہ کیوں مرتے ہیں۔

اس بارے میں ابھی تک کوئی ریسرچ نہیں ہوئی ہے، کوئی ادبی مکالمہ، تحقیقی مکالمہ نہیں ہوا ہے۔ سیمینار بھی نہیں ہوا ہے۔ معاملہ ابھی تک پوسٹ مارٹم کی رپورٹ تک ہی محدود ہے البتہ ایک اخباری خبر کے مطابق بمبئی میں ایک مشہور دانشور جرنلسٹ نے کوئی سوسائٹی قائم کی ہے۔ اس کا مقصد ہے جہاں ہمارے ہاں اور ہر طرح کی آزادی ہے مرنے کی بھی آزادی ہونی چاہیے۔ جو شخص کسی وجہ سے جینا نہیں چاہتا اسے اپنی مرضی کے مطابق مرنے کا حق قانوناً ملنا چاہیے۔ اپنے غموں دکھوں سے نجات پانے کے لیے اپنی مشکلات اپنے مسائل کا حل کوئی یوں کرنا چاہے تو اس میں خودکشی کی کیا بات ہے، یہ جرم کیوں ٹھہرے اسے زندہ رہنے کا حق نہ مل سکے تو مرنے کا حق تو مل جانا چاہیے یہ سوسائٹی کامیاب ہو یا نہ ہو لیکن یوں جان دینے اور جان لینے سلسلہ تو کب سے ہے اور کب تک رہے گا۔ اور یہ بیچارہ پاگل بھی تو اسی زنجیر کی کڑی ہے جس سے ہمارا معاشرہ بندھا جکڑا ہوا ہے۔

یکایک مجمع میں شور اٹھا۔ پاگل گر پڑا پاگل گر پڑا۔ نے چاروں سے اسے گھیر لیا۔ ہر شخص اسے تماشے کا انجام کھوں سے دیکھنا چاہتا تھا۔ پولیس نے اس کے گرد بنا دیا تھا چند ہی منٹ میں پاگل کے آخری الفاظ جو نے پولیس کے سامنے بیان میں کہے تھے مجمع میں بکھیر۔ اس نے زخموں سے چور اپنی آخری سانسوں کو پورا تے ہوئے کہا تھا۔ میں نے بے روزگاری سے تنگ جان دی ہے۔ میرے چھوٹے بھائی کو کوئی کام دلوا دینا۔ وہ جو پگلا نہیں تھا بنا دیا گیا تھا بے روزگاری سے ہو کر اس عالم روزگار سے اپنے چھوٹے بھائی کے ایک آرزو دل میں لیے چل بسا۔ اس کے آخری الفاظ آرزو فضا میں پھیل کر کچھ عرصہ کے لیے ایک خاموشی مایوسی کی لہر دوڑا گئی۔ ہر شخص کچھ سوچ رہا تھا، وہ منظر سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔ آخر یہ سب کیوں ہے، یہ کیا ہے کی ذمہ داری کس پر ہے۔ خدا پر ہے یا انساں پر۔ لیکن خدا تو رزق کا وعدہ سب ہی کے لیے کیا ہے۔ تو پھر یہ انسان انسان کا رزق چھینتا ہے۔

پاگل کو لے جایا جا چکا تھا سڑک پر اسی طرح چہل ہو گئی تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ شام کو میں کام کے واپس ہوا تو دیکھا اسی سڑک پر ایک ہجوم لگا ہے۔ شاید کوئی حادثہ پھر کوئی پاگل! مجھے خیال آیا۔ لیکن قریب آنے معلوم ہوا یہ ہجوم دوسری قسم کا ہے۔ ایک کلا محل میں م رقص و موسیقی ہے، فلمی ستاروں، موسیقاروں کی ہے۔ کہتے ہیں سو روپے کا ٹکٹ پانچ سو میں بکا ہے۔ فضا شبو سے مہک رہی ہے۔ یہ دوسری دنیا ہے پولیس یہاں بھی تعنات ہے۔ فلمی ستاروں اور موسیقاروں کو دیکھنے کے لیے مخلوق بیتاب ہے۔ پولیس انھیں روکے ہوئے مقررہ حدود سے آگے نہیں بڑھنے دیتی۔

کچھ دور فاصلے پر ایک دوکان ہے۔ اس کے آگے بھی بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ یہ ٹی۔ وی۔ کی دوکان ہے۔ اس کے شوکیس میں رکھے ہوئے ایک ٹی۔ وی۔ میں ایشیائی کھیلوں کا پروگرام دکھا جا رہا ہے۔ دیکھنے والوں کی دلچسپی اور اسٹیڈیم کی شان و شوکت دیکھنے میں گم ہیں۔ وہ بلند عمارت اسی طرح کھڑی ہے۔ نیچے سڑک کے کنارے وہ بھکارن اسی طرح بیٹھی ہے۔ اس کے آگے ٹوٹا ہوا خالی برتن پڑا ہوا ہے۔ اس کے تین ننگ دھڑنگ بچے تھک کر اس کے پاس سو گئے ہیں۔ بھکارن ہر آنے جانے والے کے چہرے کو دیکھ رہی ہے۔ شاید وہ بھی بھیک مانگتے مانگتے تھک چکی ہے۔ کسی کو معلوم نہیں، کسی کو یاد نہیں آس پاس کے لوگوں دوکانداروں کے ذہن سے بھی یہ بات محو ہو چکی ہے۔ چند گھنٹے پہلے ہی سڑک کسی کے خون سے سرخ ہوئی تھی۔ پاگل کی فریاد، آہیں، آرزوئیں سڑک کی پرشور رونق میں دب کر فضا میں معدوم ہو چکی تھی۔

(کلکتہ سے نشر)

۱۲۱، کانگریس ایگزیبیشن روڈ کلکتہ ۱۷۔۰۰۷۔

افسانہ

پیاسے لوگ

نغیم کوثر

وقت دبے پاؤں اس تیزی سے گذر جاتا ہے کہ اس کا ذرا بھی احساس نہیں ہوتا۔ آج پھر وہ بالکونی میں کھڑی ہوئی خلا میں گھور رہی تھی۔ وہ تنہائی سے اکتا کر یہاں چلی آئی تھی۔ شام کی تاریکی پھیل چکی تھی اور کوری ڈور کا بلب روشن ہو چکا تھا۔ سامنے والے مکان کا وہ دبلا پتلا نوجوان حلوائی کی دکان کے کئی چکر لگا چکا تھا جس کی جوان لڑکیاں کچوریاں تل رہی تھی، نیچے بوڑھی بنگالن روز کی طرح چیخ چیخ کر محلے کے شریر لڑکوں کو گالیاں دے رہی تھی۔

دفعتاً ٹیلیفون کے بزر نے اس کے خیالوں کے تسلسل کو توڑ دیا۔ اس نے بڑھ کر فون اٹھالیا۔

"ہلو مسز کمل اسپیکنگ"

"ہلو شیل، میں کمل بول رہا ہوں۔ شیل، جانتی ہو آج میں تمہارے لئے ایک بہت ہی خوبصورت تحفہ لا رہا ہوں جو تمہاری تنہائی کو دور کر دے گا۔

آنند۔ میرے بچپن کا دوست، ہم لوگوں کے کالج کا ساتھی۔

قریب ایک گھنٹہ گذرا ہوگا، ڈرائنگ روم میں آہٹ سی ہوئی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ زینہ طے کرتی ہوئی جب ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو اس کا دل دھڑک اٹھا۔ سامنے سرمئی رنگ کے سوٹ میں ملبوس آنند مسکراہٹیں بکھیر رہا تھا اور آنند سکتے کے عالم میں ایک ٹک ــــ شیل کو دیکھے جا رہا تھا۔ یک بیک پندرہ سال پہلے کا منظر آنکھوں میں گھوم گیا ــــ گھونگھٹ اٹھاتے ہوئے اس نے کہا تھا ــــ "شیل بھابی، آنکھیں کیوں بند کر رکھی ہیں۔ ذرا ہمیں بھی تو دیکھو ہم بھی بُرے نہیں"

کالج میں کمل اور آنند کی جوڑی چاند ستاروں کی جوڑی تھی۔ کہنے کو کمل اور آنند میں محض دوستی تھی لیکن نہ جانے صورت اتنی ملتی جلتی کیوں تھی۔ ویسے ہی الجھے الجھے بال، وہی دہانہ، ایک جیسی مسحور کن آنکھیں، وہی بات کرنے کا انداز ــــ کالج میں یہ بات بہت مشہور ہو گئی تھی کہ دونوں جڑواں بھائی ہیں۔

آنند اکثر شیل کو چھیڑتا۔ "دیکھنا بھابی اس گھر میں سنبھل کر رہنا۔ کہیں ایک دن دھوکہ نہ ہو جائے۔ میں تو فائدے میں رہوں گا لیکن کمل بچارا ہاتھ ملتا رہ جائے گا"

آج پندرہ برس بعد بھی شیل میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ لپ اسٹک سے دہکتے ہوئے سُرخ ہونٹ، کاجل سے سجی سنوری وہی جھیل جیسی آنکھیں اور گلاب سے تر و تازہ پھولوں سے عارض ــــ شاخ گل کی طرح لچکتا ہوا بدن ــــ آج بھی وہ ہزاروں میں ایک کہی جا سکتی تھی۔ اس کے حسن و شباب کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ اس کی شادی کو پندرہ برس ہو گئے۔

آنند کو یہاں آئے ہوئے مشکل سے چار دن ہوتے تھے لیکن وہ جلد ہی ان لوگوں سے گھل مل گیا۔ دن بھر کیرم کھیلا جاتا، پکنک کا پروگرام بنتا، سیر و تفریح ہوتی اور سینما دیکھا جاتا۔ دن کس طرح گذر جاتے پتہ بھی نہیں چلتا اور بھیگی راتوں تک آنند کے کمرے سے شیل کے نقرئی قہقہے بلند ہوتے رہتے۔

شیل کو آنند بیحد عزیز تھا۔ قدم قدم پر وہ آنند کے آرام کا خیال رکھتی۔ آنند کی ہر فرمائش پوری کرتی۔ آنند کے پسند کی چیزیں خود اپنے ہاتھوں تیار کرتی۔ ذرا آنند کے سر میں درد ہوا شیل بے چین ہو جاتی۔ گھنٹوں آنند کے سر کو اپنے گود میں رکھ کر مالش کرتی ــــ اور کمل کو ان سب باتوں سے کیا مطلب ــــ دن بھر بزنس کے اتار چڑھاؤ میں پھنسا رہتا اور رات گئے تھکا ماندہ گھر لوٹتا تو سو جاتا۔ اسے یہ جان کر بے حد خوشی تھی کہ آنند کے آجانے سے شیل کی تنہائیاں دور ہو گئی تھیں۔

شادی کے بعد کمل اور شیل کی خوشیاں یکساں تھیں دونوں اپنی اپنی جگہ خوش تھے۔ دونوں کی آزادیاں اپنی اپنی جگہ برقرار تھیں۔ بے شمار دولت تھی اور جتنی بھی تھی دونوں

MGIPLP 59/AIR/ND/93-3600

کے لئے تھی۔ جتنا روپیہ ہوتا عیش وعشرت میں خرچ ہوتا لیکن ان خوشیوں اور اس عیش کی زندگی کے درمیان ایک کمی کا احساس برابر ستاتا رہتا۔ شادی کے پندرہ سال بعد بھی وہ باپ نہ بن سکا۔ وہ بہت کوشش کرتا کہ اپنے دماغ سے اس خیال کو نوچ کر پھینک دے لیکن یہ خیال موقع ملتے ہی اس کے ذہن کو پریشان کرنا شروع کر دیتا۔ دن بھر کاروباری جھمیلوں میں تو وہ اس خیال کو بھولا رہتا لیکن رات ہوتے ہی وہ بے قرار ہو اٹھتا۔ ساری ساری رات جاگتا اور اس کا ذہن پریشان رہتا ـــــ اسے ڈاکٹر شیکھر کی پرانی بات ذہن اور دل پر کچوکے لگاتی۔

"مسٹر کمل آپ کبھی باپ نہیں بن سکتے اسلئے کہ....."

"ڈاکٹر" وہ تقریباً چیخ سا پڑا تھا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہو مسٹر کمل" ڈاکٹر کے لہجہ میں ہمدردی تھی۔

"اف بھگوان کن کرموں کی سزا مجھے مل رہی ہے

اسے محسوس ہوتا اس کے جسم میں نہ جانے کتنی چتائیں جل رہی ہیں اور ان ہی چتاؤں میں اس کی روح سلگ رہی ہے۔

اس طرح چھ ماہ گذر گئے۔

شیل آنند سے اس طرح گھل مل گئی جیسے آنند ہی اس کا سب کچھ ہو۔ کبھی کبھی کمل کو محسوس ہوتا شیل اس کی آنکھوں میں دھول جھونک رہی ہے۔ اور یہ آنند خوب دوستی کا حق ادا کر رہا ہے۔ اور اس کے دل میں شک و شبہات کے سوتے پھوٹ پڑتے وہ ایک عجیب سی آگ میں جلتا رہتا۔

پھر ایک دن اس نے بہت اہم فیصلہ کیا اور اس اچانک فیصلہ سے وہ اپنے آپ کو بہت ہلکا محسوس کرنے لگا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک ہلکی سی کرن پھوٹ پڑی۔

ایک رات وہ تقریباً بارہ بجے آفس سے لوٹا تو شیل گھر پر نہ تھی۔

مظفر ایرج

داستانوں کے سبھی کردار آذر ہو گئے
بولنا چاہا مگر الفاظ پتھر ہو گئے

یا مری آنکھیں بجھا دو یا اتارو آفتاب
دوستو سائے مرے قد کے برابر ہو گئے

اپنی خوشیاں بے تکلف بانٹ کر ہم پی لئے
ہم جزیروں کے ثنا خواں تھے سمندر ہو گئے

ہم نے اپنے جسم کے سب زخم گنوائے کہاں
کچھ نمائش کے لئے رکھے تو منظر ہو گئے

کارزارِ زندگی میں دفعتاً تو کب ملا
فاصلے سب طے ہوئے سب معرکے سر ہو گئے

(گورکھپور سے)

اس نے آنند سے پوچھا ـــــ "شیل کہاں ہے؟"

"میجر پال کے یہاں۔ آج ان کے بچے کا جنم دن ہے"

وہ کرسی پر آنند کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"آنند مجھے تم سے بہت ضروری باتیں کرنی ہیں اور آج رات ایک بہت اہم فیصلہ کرنا ہے۔ پہلے وعدہ کرو کہ جو میں کہوں اسے تم پورا کرو گے"

"کمل تم میرے دوست ہی نہیں بھائی بھی ہو اپنی باتیں کہہ جاؤ"

"تم اپنے وعدے سے مکر تو نہیں جاؤ گے آنند!"

"آزمائش شرط ہے میرے بھائی"

"تو ٹھیک ہے آج رات تم کمل بن جاؤ اور میں آنند۔ شیل کو بالکل شک نہ ہوگا اور اس کی برسوں سے ماں بننے کی خواہش پوری ہو جائے گی۔ بولو آنند، شیل اب آتی ہی ہوگی"

"کمل میں ایسا گھور پاپ نہیں کروں گا۔ میں اسکے یقین کو کبھی ٹھیس نہیں لگا سکتا"

"لیکن آنند اس میں شیل اور میرے خاندان.....؟ تم کو جانا ہی ہوگا ورنہ اس پستول کی محض ایک گولی میرا کام تمام کر دے گی" وہ جذباتی ہو گیا۔

آنند نے کمل کی طرف دیکھا اور سر جھکائے ہوئے شیل کے بیڈروم کی طرف چلا گیا۔ کمرے میں اندھیرا تھا، گھُپ اندھیرا۔ قریب آدھ گھنٹہ مشکل سے گذرا ہوگا کہ یکایک اسے اپنے جسم پر بوجھ کا احساس ہوا۔

"کون"

"میں ہوں" یہ شیل کی آواز تھی۔

"اف باہر کیسی سردی پڑ رہی ہے۔ اور یہ کہتے ہوئے وہ بک شیلف میں رکھی ہوئی کتاب کی طرح اس کے جسم سے چمٹ گئی اور اس کے بالوں میں کنگھی کرنے لگی۔

"کیوں جی ناراض ہو گیا؟"

"اوں ہوں"

"پھر اس طرح مجھ سے دور دور کیوں رہتے ہو میں خوب سمجھتی ہوں۔ مجھ سے اب تمہارا دل بھر گیا ہے نا؟"

"اوں ہوں"

"جانتے ہو کمل! اب میں بہت خوش ہوں۔ تم اکثر کہتے تھے شیل تم اداس کیوں رہتی ہو۔ اب میری ساری اداسی دور ہو گئی ہے۔ تم اکثر کہا کرتے تھے کہ ہم لوگوں کو کوئی بچہ نہیں اور تم مایوس بھی ہو چکے تھے لیکن بھگوان نے ہماری سن لی۔ آنند بھی تو ہمارے بچے کی طرح ہے"

اور دوسری صبح سورج کی پہلی کرن کے ساتھ جب شیل نے آنند کے کمرے کا دروازہ کھولا تو وہ چونک سی پڑی ـــــ آنند کا کمرہ خالی تھا اس کی گود کی طرح۔ ایک مرتبہ پھر وہ تنہا ہو چکی تھی۔

(پٹنہ سے نشر)

افسانہ

تیرے میرے دکھ

میرا یقین کرو، پہلے اسکوٹر والے نریندر سے مجھے کوئی دشمنی نہیں ـــــ خوبرو، گھنگھریالے بالوں والے پردیپ سے بھی میں جلتا ہرگز نہیں ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ نریندر نینا کا بڑا بھائی ہے اور نینا تمہاری سب سے پیاری سہیلی ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ پردیپ سودیش کا دوست ہے اور سودیش تمہارا چھوٹا بھائی ہے۔

..... لیکن کسی تپتی دوپہر میں دبے قدموں تم نینا کی غیر موجودگی میں نریندر سے ملنے اس کے کمرے میں جاؤ اور یک بارگی تمہیں کوئی دیکھ لے! پھر آہستگی سے تم اس کے ہونٹوں پر اپنی انگلی رکھ دو! اسے چپ کرا دو! دیواروں کے تو کان ہوتے ہی ہیں، آنکھیں بھی ہوتی ہیں! مس ڈیم فول!

..... گھپ اندھیری رات میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے اور تم بے فکری سی، چکنے چکنے پائے کی اوٹ میں کھڑی ہو۔ پردیپ سے دیر تک سرگوشیاں کرتی رہو..... یہ بھی بھول جاؤ کہ کچھ آنکھیں اندھیرے میں بھی سب کچھ دیکھ سکنے کی اہل ہوتی ہیں..... خاک وشواش کروں کہ وہ تمہیں دیدی کہتا ہے!

اکثر ایسا محسوس ہوا ہے میں کسی سراب کے پیچھے بھاگ رہا ہوں ـــــ

مگر میں نے زندگی سے ہار نہیں مانی تم سے کیسے مان لیتا انیتا!

سبزہ زاروں میں قلانچیں بھرتی ہوئی ہرنیں کسے اچھی نہیں لگتیں! مگر گھائل۔ بے بس ہرنوں کا تڑپنا دیکھا نہیں جاتا!

صبح کی دھوپ پھیلنے کے ترت بعد ہی تم بالکنی میں کھڑی تھیں۔ شاید ابھی نہا کر آئی تھیں۔ بھیگے

عظیم اقبال

...ی کے نیچے کاندھوں پر تولیہ دھرا تھا۔ جھجے کی دیوار
...نیاں لٹکائے اپنی مسکراہٹ کے پھول تم برسا رہی
...ں۔ سامنے کی گلی سے پیلا اسکوٹر سرسراتا ہوا نکلا تو تم
...ی نمایاں ہو کر سامنے آگئیں۔ اچانک مجھ پر تمہاری
...ری۔ سٹپٹائیں۔ بولیں ـــــــ
"ٹھہریے آتی ہوں"

تمہارے لپک لپک کر سیڑھیاں اتر کر آتے تک
...نے کال بیل بجا ڈالی تھی۔ تم ہانپتی ہوئی آئیں۔ تیزی
...ے دروازہ کھولا۔ ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہوگئیں۔
...یں جھکاتے ہوئے میں تمہارے قریب سے گذرا،
...رے بالوں کی بھینی سی خوشبو سرسرائی۔

صوفے پر دیر تک میں نظریں جھکائے بیٹھا رہا
...بار، رسالے الٹتا رہا۔ چھوٹی میز کی دوسری جانب
...یٹھی تھیں۔ سیلنگ فین کی سائیں سائیں کے باوجود
...ہاری چڑھتی اترتی سانسوں کا گمان ہو رہا تھا۔ پہلے
...نے کلائیوں کی چوڑیاں کھنکائیں۔ اپنی کرسی کے ہتھے
...تھپاتے۔ پھر پیر بڑھا کر میز کھسکا دی۔ آخر میں
...پٹ کر میرے ہاتھوں سے اخبار چھین لیا ـــــــ
...ک بارگی میں ابل پڑا ـــــــ
"نادانی مت کیا کرو!"

ایک لمحہ کے لئے تمہارے ہونٹ کپکپائے
...لکیں جھپکیں۔ تمہارے گالوں پر موتی لڑھک پڑے۔ میں
...چل اٹھا۔

سسک سسک کر تم خاموش ہوگئیں۔

تمہارے چہرے پر اندھیرے گھر آئے میری
...نکھوں کے دیے بھی بجھنے لگے۔ میں نے تمہاری ہتھیلی
...تھام لی۔ کہا ـــــــ
"روٹھ گئیں کیا؟"

تم کسمسائیں۔ ہتھیلی چھڑالی۔ دھیرے دھیرے پلکیں اٹھائیں۔ بادل برس برس کر تھم گئے۔

کسی کی ذرا سی بے رخی بھی تمہیں رلا دیتی ہے نا!

جس ڈور میں الجھ جانے کا احساس مجھے بہت بعد میں ہوا اس کا ایک سرا تمہارے ہاتھوں میں ضرور ہی رہا ہوگا تم کھل کر مسکرائیں تو سارے میں کرن ہی کرن بکھر جاتی۔ میری آنکھیں چکاچوندھ ہو جاتیں۔

پلکیں جھپکا بھی لیتا تو نہ جانے کیسے چپکے چپکے تم بند آنکھوں میں بھی در آتیں۔ ایسے کھل کھل کرتیں کہ چونک کر آنکھیں کھول دیتا۔ پھر سامنے تم ہی تم ہوتیں۔

تم جانتی تھیں کندھوں پر لہراتے ہوئے کھلے کھلے بالوں کا نظارہ مجھے بھاتا ہے۔ جب مجھے چپ، اداس دیکھتیں۔ آہستہ آہستہ اپنے سنورے ہوئے بال کھول ڈالتیں، کندھوں پر بکھیر لیتیں۔ میری نظروں میں جھانکنے کی کوشش کرتیں۔ سچ ان آنکھوں کی تاب لانا میرے لئے مشکل بن جاتا۔

بجلیوں کی کڑک سے تھراتی ہوئی شام تمہاری آنکھوں کی ایسی شوخی نے میری بیتابی اتنی بڑھا دی کہ میں نے بے اختیار تمہاری ہتھیلی تھام لی۔ تم ساکت رہیں۔ میں جھکا۔ دھیرے سے تمہاری ہتھیلی کی پشت پر اپنے گیلے ہونٹ رکھ دئے۔ میرے سر اٹھانے تک تم سر جھکائے بیٹھی رہیں۔ تمہاری ٹھوڑی اٹھانے کے لئے میں نے ہاتھ بڑھائے تو تم کھڑی ہوگئیں۔ تم کھڑکی سے باہر نیم کی جھولتی ہوئی ڈالی پر نظریں جمائے ہوئی تھیں۔

چمک کے بعد بجلی کی گرج گونجی تو سہم کر تم نے کھڑکی کے پٹ بند کر دئے تھے۔

جس شام بڑے زوروں کی آندھی اٹھی تھی اولے پڑے تھے، تم خوب سج سنور کر برآمدے میں پائے سے لگ کر کھڑی تھیں۔ بادل چھٹ چکے تھے اور پورے چاند کی پگھلی پگھلی چاندنی بالکنی سے اترتی ہوئی نیچے برآمدے تک آپہنچی تھی۔

چاندنی تمہارے چہرے پر نکھر آئی تھی۔ تمہاری ناک کی چھوٹی سی نتھ چمک رہی تھی۔ تمہارے گداز ہونٹ ذرا سے کھلے تھے اور سفید دانتوں کی لڑی جگمگا رہی تھی۔

کہیں سے اڑتا ہوا ایک جگنو تمہارے سیاہ دوپٹے کے کنارہ سے آچمٹا تھا۔ مسلسل اپنی سبزی ہالہ دمک بکھیر رہا تھا۔ میں نے اسے آہستہ سے پکڑا اور تمہارا دامن سمیٹ کر اس میں ڈال دیا۔ تم سہمتے ہوئے بولیں۔

"ہائے! بیچارہ!"

پائے کی اوٹ میں ہو کر میں نے تمہیں کندھوں سے پکڑا اور تمہارے پھڑکتے ہوئے ہونٹوں پر آہستہ سے جھکا۔ میری باہنوں میں سمٹ کر بھی تم کانپ رہی تھیں ـــــــ

میں نے تمہارے کان کی لووں کو اپنے ہونٹوں سے چھوتے ہوئے سرگوشی کی ـــــــ

"میری زندگی میں آنے والی تم پہلی لڑکی نہیں ہو"

ہلکے اندھیرے میں بھی میں نے تمہاری آنکھوں کی بدلتی رنگت محسوس کی۔ تمہاری ہتھیلیاں میرے ہاتھوں میں کسمسائیں۔

"ممکن ہے آخری لڑکی بن جاؤ!"

تم نے اپنا سر میرے کندھے پر جھکا دیا

"تمہاری زندگی میں کبھی کوئی آیا ـــــــ؟"

ہلکی خاموشی کے بعد بولیں۔

"ہوں!"

"میں نے تمہاری پیٹھ پر آہستہ سے ہاتھ پھیرا۔

"کون؟"

تم نے ہلکے سے میرے پہلو میں چٹکی لی۔

"آپ!"

میں نے تمہیں بھینچ لیا ـــــــ پھر گرفت ڈھیلی کی۔

"اور کوئی نہیں؟ کبھی نہیں؟"

"اونہوں!"

"میری قسم؟"

کپکپاتی ہوئی بولیں

"آپ کی قسم!"

مندر کی مدھر گھنٹیاں کانوں میں رس گھولتی رہیں سامنے جگ مگ کر رہے دئے آنکھوں کی جوت بڑھاتے رہے۔ آرتی اتاری جا رہی تھی۔ بھگتوں کی پیاسی آنکھیں بھگوان کے درشن میں مگن ہوں گی!

اس دم پہلے پہل تمہارے ہاتھوں کی پکڑ پر مجھے کسی اور کے ہاتھوں کا لمس محسوس ہوا اور نہ تمہاری سانسوں میں کسی غیر کے سانسوں کی مہک ہی ملی!

پہلی دفعہ میں نے یہ بھی سوچا کہ یونہی تمہیں تھامے ہوتے پائے کی اوٹ سے باہر آجاؤں۔ برآمدے سے نیچے اتر آؤں۔ صحن سے گذر کر اپنی پھاٹک سے آگے بھی نکل جاؤں۔

..... لیکن میں بڑھا اور تمہارے قدم رک گئے۔

تو؟

کہیں تمہارا دامن لوہے کی سلاخوں میں الجھ کر رہ گیا تو؟

تو پھر اس ایک لمحہ کو کیوں برباد کرتی ہو؟ چاند نے بھی بادلوں کی چادر اوڑھ لی ہے ـــــــ آؤ نا تم بھی میری باہنوں میں چھپ جاؤ!

صبح آئے نہ آئے، یہ رات تو اپنی ہے! اسے کیوں کھو دینے پر تلی ہو ـــــــ انیتا!

(پٹنہ سے نشر)

اولاد کا دکھ

عتیق مظفر پوری

اسے اس گھر کو چھوڑنے کا تصور کر کے بھی دکھ ہوتا تھا۔ اور یہ فطری بات ہے کہ انسان جہاں رہتا ہے اسے اس جگہ سے انسیت ہو جاتی ہے چاہے وہ گلشن ہو یا ویرانہ۔ پھر وہ ایک اچھے خاصے مکان میں رہ رہی ہے جہاں خلوص و محبت کے پیکر میں نوکر نوکرانیاں ہیں ایک پیارا سا مٹھو ہے جس سے وہ تنہائی میں باتیں کرتی ہے ایک وفادار کتا ہے جو اسے دیکھتے ہی دم ہلانے لگتا ہے دوسرے اس گھر کا گوشہ گوشہ اس کا ہمراز ہے۔ اس بھرے ہوئے گھر میں آٹھ سالوں تک اس نے تنہائی کی زندگی گذاری ہے۔ وہ کس طرح ان سب سے رشتہ توڑ کر چلی جائے گی؟۔ کیا یہ سب اسے بے وفا نہیں کہیں گے؟۔ لیکن وہ آج جا رہی ہے۔ پورے سوا مہینے کی ذہنی کشمکش کے بعد آج اس نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس گھر کو چھوڑ کر چلے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ آج اسے اس گھر کو چھوڑتے ہوئے دکھ نہیں بلکہ یہ سوچ کر ایک درجہ مسرت ہو رہی ہے کہ اس نے صرف اپنا ہی نہیں بلکہ اپنی جیسی تمام مظلوم عورتوں کی ذلت و رسوائی کا انتقام لے لیا ہے۔ سوا مہینے کا منا آنکھیں بند کئے کھٹولے پر پڑا ہوا ہے۔ منا اسی کا بیٹا ہے۔ اس کی کوکھ میں نو مہینے تک رہنے والا۔ وہ اس کے جسم کا ہی ایک ٹکڑا ہے لیکن نہ جانے کیوں اسے دیکھ کر اس کی ماں تا بیدار نہیں ہوتی۔ کبھی بھی اسے ٹوٹ کر پیار کرنے کی اس میں خواہش نہیں ہوئی۔ وہ کبھی اتنی دیر تک اس کے پاس بیٹھی بھی نہیں تھی۔ لیکن آج شاید اسے الوداع کہنے کے لئے ہی اس کے قریب بیٹھ کر اس کے کھٹولے کو دھیرے دھیرے ہلا رہی ہے۔ وہ اپنا سامان باندھ چکی تھی۔ اسے صرف راکیش کے لوٹنے کا انتظار تھا۔ اس کی نگاہیں سوئے ہوئے منا پر جمی ہوئی تھیں لیکن اس کا ذہن ماضی کی سنگلاخ وادی میں بھٹک رہا تھا۔ اس گھر میں گذرا ہوا ایک ایک لمحہ کسی فلمی منظر کی طرح اس کے ذہن کے پردے پر ابھر رہا تھا۔ جب وہ دلہن بن کر اس گھر میں آئی تھی تو اس کی ساس نے نویدیوں اور محلے کی عورتوں کی بیچ فخریہ انداز میں کہا تھا کہ میں بہو نہیں لکشمی لائی ہوں لکشمی! اسکے سسر نے کہا تھا کہ بیرسٹر سکینہ نے اپنی بیٹی دے کر ہمارے گھر پہ احسان کیا ہے۔ گھر میں نوکروں کی ایک فوج تھی۔ ساس نے گھر میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ بہو کو اپنے ہاتھ سے لے کر پانی بھی نہ پینے دو۔ سسر گھر کے اندر داخل ہوتے ہی سب سے پہلے اس کی خیریت دریافت کرتے۔ غرضکہ گھر کا ہر فرد اس کی دلجوئی میں لگا رہتا۔

وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔ ماں کا سایہ کم سنی میں ہی اس کے سر سے اٹھ گیا تھا۔ باپ نے اس کی خاطر دوسری شادی نہیں کی دولت کی فراوانی اور باپ کی شفقت نے اسے کبھی ماں کی موت کا شدید احساس نہیں ہونے دیا پھر بھی ہزار دولت ہو لیکن دولت تو ماں بہن اور بھائی کی کمی کا بدل نہیں ہو سکتی۔ شادی کے بعد اسے ایسا لگا جیسے اسے سب کچھ مل گیا ہے۔ ماں کے روپ میں ماں سے بھی زیادہ محبت کرنے والی ساس مل گئی ہے۔ نندوں کی والہانہ محبت نے بہن کی جگہ پر کر دی۔ بھائی کی شکل میں بھگوان نے اسے ایک نہیں دو دو دیور عطا کئے تھے۔ سسر کی شفقت کو دیکھ کر اسے اپنے اوپر فخر ہوتا کہ اس کے سر پر دو باپوں کا سایہ ہے۔ اور سونے پر سہاگہ ٹوٹ کر چاہنے والا شوہر جو شوہروں کے اس گراں زدہ دور میں قسمت والیوں کو ہی ملتا ہے۔ شادی کے بعد اسے سارے جہان کی نعمت مل گئی۔ ایسا لگتا تھا جیسے کل کائنات کی خوشیاں سمٹ کر اس کے آنچل میں آ گئی ہوں۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اس کے اتنے چاہنے والے ہوں گے۔ دن رات لمحے کی طرح گذرنے لگے۔ دو سالوں کا عرصہ خوشیوں کے جھولے میں جھولتا ہوا اس طرح پلک جھپکتے میں گذر گیا کہ اسے احساس بھی نہ ہوا آج جب وہ ان گذرے ہوئے دنوں کے متعلق سوچتی ہے تو وہ سب کچھ ایک خواب کے سوا اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ دو سالوں کے بعد ہی گھر والوں کا رویہ تبدیل ہونے لگا۔ شادی کو صرف دو سال ہوئے تھے کہ گھر والوں کو ابھی تک بچہ نہ ہونے کی فکر لگ گئی۔ اس کے متعلق چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور یہ خیال کیا جانے لگا کہ بچہ نہ ہونے کی وجہ بہو میں ہی کوئی خرابی ہے لیکن اس کے سسر کے مشورے پر کہ بغیر طبی معائنہ کرائے ہوئے کچھ بھی کہنا قبل از وقت ہوگا۔ اس کی ساس اس کا طبی معائنہ کرانے کے لئے اسے ایک لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے گئی۔ وہ ڈاکٹر کے پاس نہیں جانا چاہتی تھی۔ چونکہ شادی کے فوراً بعد ہی اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کی ماں بننے کی خواہش کبھی پوری نہیں ہوگی۔ لیکن گھر والوں کی ضد کے آگے مجبور ہو کر اسے ڈاکٹر کے پاس جانا پڑا۔ ڈاکٹری رپورٹ کے مطابق اس میں ماں بننے کی پوری صلاحیت موجود تھی لیکن گھر والے اس کی ڈاکٹری رپورٹ سے متفق نہیں تھے۔ اسی رات اس نے باتوں ہی باتوں میں راکیش سے بھی کہہ دیا ــ

"راکیش، تم بھی اپنا طبی معائنہ کرا لو" اس کی یہ بات راکیش کو بہت ناگوار لگی تھی اور کئی دنوں تک وہ اس سے ناراض رہا تھا۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد راکیش نے اسے خود ہی بتایا کہ اس نے بھی اپنا طبی معائنہ کرایا ہے اس میں کوئی خرابی نہیں ہے تو فوراً اس نے مخالفت کرتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ رپورٹ غلط ہے تم پھر سے اپنا معائنہ کراؤ"

"تو جہ! تمہاری رپورٹ بھی تو غلط ہو سکتی ہے"

راکیش کے لہجے میں بلا کی سختی تھی۔ اس کے بعد جوں جوں دن گذرتے گئے دونوں میں کشیدگی بڑھتی گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے گھر والوں کے رویے بھی سخت سے سخت ترین ہو گئے سب نے اسے نظروں سے گرا دیا۔ ساس کی زبان جہاں بہو کہتے نہیں تھکتی تھی وہ اب اس کی ہر بات کا ٹیڑھا جواب دینے لگی۔ سسر نے بھی اپنا دستِ شفقت سمیٹ لیا۔ اس کے گرد منڈلانے والی نندیں اس کے سائے سے بھی نفرت کرنے لگیں۔ دیوروں نے اسے نوکروں کی صف میں کھڑا کر دیا۔ آسمان سے تارے نوچ لانے والے پتی نے اسے محبت کی ایک نظر سے بھی محروم کر دیا۔ اس کی ساری خوشیاں آہوں اور آنسوؤں میں ڈھل گئیں۔ کیا کیا خواب سجائے تھے اس نے۔ اس کے سارے حسین خواب پانی کی لکیر کی طرح آنسوؤں میں غرق ہو گئے۔ اسے تو شادی کے فوراً بعد ہی یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ راکیش اس کی گود نہیں بھر سکے گا۔ وہ چاہتی تو اسی وقت اسے چھوڑ کر اپنے دل کی دنیا آباد کر سکتی تھی۔ لیکن اس نے رنگ کو بھنگ نہ ہونے دینے کی خاطر اپنے ارمانوں کا گلا گھونٹ دیا جب، جب اس کی ماں بننے کی خواہش نے اسے گھر چھوڑنے کے لئے اکسایا تو اس نے یہ کہہ کر سمجھا لیا کہ بچے کی آرزو میں اتنے لوگوں

کا پیار ٹھکرانا اچھا نہیں ہے۔ اسے کیا معلوم تھا کہ اس کے سمجھوتہ کر لینے کے بعد ہی حالات اس کے مخالف ہو جائیں گے اب اس کے سامنے اس گھر میں گھٹ گھٹ کر مر جانے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ وہ جہاں بھی جائے گی یہ بانجھ پن کا داغ اسے چین سے جینے نہیں دے گا۔ سہاگنیں اس کی پرچھائیں سے بھی دور رہنے کی کوشش کریں گی۔ دن رات کی اشکباری اور مسلسل سوچنے کی وجہ سے اس کی صحت خراب ہونے لگی تھی۔ اسے کئی دنوں سے بخار لگ رہا تھا۔ اس نے راکیش کا موڈ کچھ ٹھیک دیکھ کر کہا تھا۔

"راکیش، میرا بخار نہیں اتر رہا ہے مجھے ڈاکٹر کے پاس لے چلو۔"

"اب ایسی بھی تو بیمار نہیں ہو کہ گود میں اٹھا کر لے چلیں، صرف بخار ہی ہے، خود ہی چلی جانا، اور پھر مسز ورما تو تمہاری سہیلی ہیں۔

طنز و حقارت کے تیر برساتا ہوا راکیش باہر چلا گیا لیکن یہ سب باتیں تو اس کے لئے عام ہو چکی تھیں۔ اس کے آنسو بھی ختم ہو گئے تھے۔ پھر وہ کس کس بات پر آنسو بہاتے وہ ہمت کرکے اٹھی اور ڈاکٹر کے پاس چلی گئی۔

"آؤ، آؤ تنوجہ آج اکیلے ہی آ گئیں۔" مسز ورما نے اسے اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تم کب تک بیمار پڑتی رہو گی؟"

"جب تک آپ دوا دیتی رہیں گی۔"

"تو ٹھیک ہے آج سے میں تمہیں دوا دینا بند کرتی ہوں۔"

"نہیں، نہیں ڈاکٹر! اب آپ پوری طرح سے میرا علاج کیجئے۔ میں نے آپ کا مشورہ قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ روہانسی ہو گئی۔ مسز ورما نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے تسلی دی کہ سب ٹھیک ہو جائے گا اور پھر واقعی سب کچھ ٹھیک ہو گیا۔ ابھی چھ مہینے بھی نہیں گذرے تھے کہ وہ سب کی نگاہوں کا مرکز بن گئی۔ پہلے سے کہیں زیادہ اب اس کا خیال رکھا جانے لگا۔ جس گھر میں اسے بخار کی دوا کے لئے تڑپنا پڑا تھا۔ اسی گھر میں اس کے لئے قیمتی سے قیمتی ٹونکوں کے انبار لگ گئے اس کے علاوہ گھر کے ہر فرد کو اس کے ماں بننے کی خوشی تھی۔ چونکہ وہ اچھی طرح سمجھتی تھی کہ اس تبدیلی کا سبب وہ نہیں بلکہ اس کا ہونے والا بچہ ہے۔ اس کی یہ خاطر و مدارات اس کی کوکھ میں پلنے والے لوتھڑے کی وجہ سے ہو رہی ہے بچے کی پیدائش کی خوشی میں سارے گھر کو دلہن کی طرح سجایا گیا۔ چھٹی پہ ہزاروں روپے خرچ کئے گئے لیکن وہ خاموش تماشائی کی طرح سب کچھ دیکھتی رہی دراصل وہ اتنا روئی تھی کہ آنسوؤں کے ساتھ اس کی خوشی بھی بہہ گئی تھی۔ وہ نگاہیں جمائے ہوئے منا کو دیکھ رہی تھی کہ راکیش نے پیچھے سے دبے پاؤں آکر اس کی آنکھیں بند کر دی، خیالوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔

"کب آئے؟"

"میں تو کب سے یہیں کھڑا ہوں لیکن اب آپ کو فرصت ہی کہاں ہے۔" راکیش نے اس کی کمر میں چٹکی لیتے ہوئے کہا۔

"راکیش مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔"

"اچھا کہو۔"

"میں جا رہی ہوں۔"

"کہاں؟"

"اپنے میکے۔"

"کیا کوئی ضروری کام ہے۔" راکیش نے ذرا سنجیدگی کے لہجے میں اپنے ہاتھوں کو کمر کے پیچھے باندھ کر جھکتے ہوئے کہا۔ وہ اپنا سامان لیتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"ہاں ضروری کام ہے۔ اور میں کبھی واپس نہ آنے کے لئے جا رہی ہوں۔ تمہیں بچہ چاہئے تھا وہ تمہیں مل گیا لیکن دوسرا بچہ بھی چاہئے اور میں جانتی ہوں راکیش! تم مجھے دوسرا بچہ نہیں دے سکتے۔ اس کے لئے بھی مجھے ٹیوب کا ہی سہارا لینا پڑے گا۔" یہ کہتے ہوئے وہ اپنا ایک پیر چوکھٹ سے باہر رکھ چکی تھی۔

(پٹنہ سے نشر)

عتیق مظفرپوری معرفت: دانش کدہ، دریاپور، پٹنہ ۴

روشنی

بشیر شاہ

کچھ لوگ اس کھوج میں رہتے ہیں کہ زندگی کو بڑے بڑے کاموں کے لئے کام میں لائیں۔ لیکن نہیں جانتے کہ یہاں ایک سب سے بڑا کام خود زندگی ہوئی۔ یعنی زندگی کو ہنسی خوشی گذارنا؟۔ اگر آپ نے بہر حال خوش رہنے کا ہنر سیکھ لیا تو یقین کیجئے آپ نے زندگی بسر کرنے کا گُر پالیا۔

ایک فرانسیسی مفکر کا کہنا ہے کہ ——— "خوش رہنا محض ایک طبعی ضرورت ہی نہیں ایک اخلاقی ذمہ داری بھی ہے۔" ——— یعنی ہماری انفرادی زندگی کا اثر ہم تک ہی محدود نہیں رہتا۔ اس کا اثر دوسروں پر بھی پڑتا ہے ——— ہماری زندگی ایک آئینہ خانہ ہے، یہاں ہر چہرے کا عکس بیک وقت کئی کئی آئینوں میں منعکس ہوتا ہے اگر ایک چہرے پر بھی غبار آجائے تو سیکڑوں چہرے غبار آلود ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ہماری زندگی محض ایک انفرادی واقعہ نہیں پورے معاشرے کے وجود کا ایک حصہ ہے۔ دریا کی سطح پر ایک لہر تنہا اٹھتی ہے لیکن ظاہر ہے کہ ایک لہر کتنی لہروں کو جنم دیتی ہے، پروان چڑھاتی ہے۔ ! مہاتما بدھ کا قول ہے۔ "لوگوں کے دلوں میں خوشی کے پھول کھلانا ہزار تیرتھوں سے بہتر ہے ———" مولانا آزاد اپنی نثری تصنیف غبار خاطر میں لکھتے ہیں ——— "جیسا سورج کی چمکتی ہوئی پیشانی، چاند کا کھلتا ہوا چہرہ، پرندوں کے دلنشیں نغمے، درختوں کا دلنواز رقص، ستاروں کی چشمک، بہتے ہوئے پانیوں کا خرام اور ترنم اور پھولوں کی ادائیں، اپنے اپنے جلوے بکھیرتے ہوں تو ہم سب ایک بجھے ہوئے دل اور افسردہ چہرے کے ساتھ" جگہ" پانے کے قطعاً مستحق نہیں۔ فطرت کے اس بزم نشاط میں وہی زندگی سنورتی ہے جو پہلو میں ایک دہکتا ہوا دل اور چہرے پر چمکتی ہوئی پیشانی رکھتی ہو۔"

انسانی معاشرے کو لمحہ لمحہ اور ہر لمحہ شاداب و شگفتہ رکھنے کا یہی وہ احساس تھا جس کے لئے گرو گرنتھ صاحب میں کہا گیا ہے ——— "بانٹنے سے خوشی اس طرح بٹتی اور بڑھتی ہے جس طرح زمین میں بویا ہوا بیج فصل کی صورت میں لہلہا اٹھتا ہے ———" اور انسان کو خوش رہنے کی ترغیب دیتے ہوئے بھگت کبیر نے کہا تھا۔

"تم خوش رہنا چاہتے ہو تو دوسروں کو خوش دیکھ کر حسد نہ کرو۔" کسی دوسرے انسان سے ملتے ہوئے ہمیں اپنی ذاتی یا نجی پریشانیوں کا ذکر نہیں کرنا چاہئے۔ کسی کو خوش آمدید کہتے ہوئے ہمارے ہونٹوں پر کھیلنے والی مسکراہٹ فضا اور ماحول کو بہت دیر تک جگمگائے رکھ سکتی ہے۔

سوامی دویکا نند کا قول ہے

ہم اگر کسی سے منھ لٹکائے ملیں گے تو اندیشہ ہے کہ اس کی خوشی آدھی رہ جائے گی۔

(سرینگر سے نشر)

نیشنل پروگرام

سری نیلاآئی ٹی وی کرشنا مورتی کا گائن: ۱۷ستمبر رات ساڑھے نو بجے

سری نیلائی ٹی وی کرشنا مورتی کا شمار ملک کے نمایاں گائیکوں میں کیا جاتا ہے۔ انھوں نے محض ۹ برس کی عمر میں ہی اپنے چچا گائیکا سکھامنی ڈاکٹر ایل متھیا بھاگوتار سے موسیقی کی تعلیم حاصل کرنا شروع کردی تھی۔ آپ نے اپنے گرو کی قائم کردہ روایات کو برقرار رکھا ہے۔ اپنے فن کا مظاہرہ سری کرشنا مورتی ملک کی تمام بڑی سنگیت سبھاؤں بشمول میوزک اکیڈمی مدراس میں کرچکے ہیں۔ اس کے علاوہ تیس برس کا طویل عرصہ انھوں نے سری سواتھی تھرونل کالج میں بحیثیت پروفیسر اور پرنسپل کے گذارا ہے۔

علی احمد حسین کا شہنائی وادن: ۲۴ستمبر رات ساڑھے نو بجے

علی احمد حسین نے موسیقی کی تربیت اپنے چچا تدبر حسین اور امداد حسین سے حاصل کی۔ ملک میں سعفد موسیقی کی تمام نمایاں محفلوں میں شریک ہوچکے ہیں ریڈیو سے ان کا تعلق کافی پرانا ہے۔ غیر ممالک میں بھی علی احمد حسین اپنے فن کا مظاہرہ کرچکے ہیں آج کل آپ آل انڈیا ریڈیو کلکتہ کے اسٹاف میں شامل ہیں

منگل شب کی محفل موسیقی ۲۰ستمبر رات دس بجے

ابھے نارائن سنگھ: طبلہ وادن (سولو)

دھرپد گھوش کا سارنگی وادن

دھرپد گھوش جواں نسل کے ابھرتے ہوئے فنکار ہیں۔ موسیقی سے ان کو ابتدائے عمر سے ہی دلچسپی رہی ہے۔ سارنگی وادن کی ابتدائی تربیت کلکتہ کے صغیرالدین خاں سے حاصل کی۔ اس کے علاوہ گائن اور طبلہ وادن کی تعلیم اپنے والد نکھل گھوش سے پائی ہے۔

اپنی سخت محنت اور ریاض سے میدان موسیقی میں اپنا ایک انفرادی مقام بنالیا ہے۔

سریلا بنرجی کا گائن: ۲۷ستمبر رات دس بجے

کلکتہ کی نمایاں گائیکہ سریلا بنرجی نے کلاسیکی موسیقی کی تربیت اپنے والد سنگیت اچاریہ تناپدا چکرورتی سے حاصل کی۔ آل انڈیا ریڈیو کی فنکارہ ہونے کے علاوہ آپ ملک کی متعدد محافل موسیقی میں شرکت کرچکی ہیں۔

اردو سروس

پہلی مجلس
میڈیم ویو : ۳۲۸ء۳ میٹر (۹۰۲ کلو ہرٹز)، ۳۰۰ء۳ میٹر (۱۰۰۰ کلو ہرٹز)
شارٹ ویو : ۴۸ء۴ میٹر (۶۱۹۰ کلو ہرٹز)

دوسری مجلس
میڈیم ویو : ۳۲۸ء۳ میٹر (۹۰۲ کلو ہرٹز)، ۳۰۰ء۳ میٹر (۱۰۰۰ کلو ہرٹز)
شارٹ ویو : ۳۱ء۱۰ میٹر (۹۶۷۵ کلو ہرٹز)

تیسری مجلس
میڈیم ویو : ۳۲۸ء۳ میٹر (۹۰۲ کلو ہرٹز)
شارٹ ویو : ۹۱ء۵ میٹر (۳۲۸۵ کلو ہرٹز)

جمعہ ۱۶ستمبر

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی
(۱) تلاوت کلام پاک معہ تشریح از قاری فرید احمد
(۲) نعت خوانی از بشیر احمد وساتھی
(۳) نعتیہ کلام

۶-۲۵ پرانی فلموں سے

۷-۰۰ شہرِ صبا
پپیہا ملک : مجروح سلطانپوری، مشیر جھنجھانوی اور جاں نثار اختر کا کلام

۷-۳۰ ساز سنگیت
بدھ دیو داس : سرود پر راگ بھیرو بہار

۹-۳۲ آپکے خط آپکے گیت

دوپہر

۲-۰۷ کہانی ایک گیت کی
۳-۰۰ آواز دے کہاں ہے

رات

۸-۱۵ سازینہ
۸-۳۰ حسنِ غزل
شیلا گلواڑی : فراق اور رفعت سروش کا کلام
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ تقریر
۹-۳۰ افسانہ
۱۰-۰۰ روبرو
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
ہیرا بائی بڑودکر : خیال مالکونس
بدھ دیو داس : سرود پر راگ کیدارہ

ہفتہ ۱۷ستمبر

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی
نعت خوانی، قوالی اور شبد

۶-۲۵ پرانی فلموں سے

۷-۰۰ شہرِ صبا
شوبھا جوشی، جگر اور فیض کا کلام

۷-۳۰ ساز سنگیت
رمیش پریم : وچتر وینا پر راگ گن کلی

۹-۳۲ ہلکی کلاسیکی موسیقی
پنا دیوی : ٹھمری، بھیروی اور دادرہ

دوپہر

۲-۰۷ سب رس
۲-۳۰ بزم خواتین
(۱) ایسا کیوں ہوتا ہے 'بچے ڈرتے ہیں' تقریر از ساجدہ نبی
(۲) غزل
(۳) خطوں کے جواب

۳-۰۰ بھر نیٹے

رات

۸-۱۵ آہنگ نظم
۸-۳۰ حسنِ غزل
مقبول حسین، مومن اور غالب کا کلام
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ ریڈیو نیوزریل
۹-۳۰ منظر پس منظر
۱۰-۰۰ نئی نسل نئی روشنی
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
پنڈت حسن لال : خیال جوگ کونس
رمیش پریم : وچتر وینا پر کونسی کانہڑہ

اتوار ۱۸ستمبر

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی
جعفر حسین خاں وساتھی : قوالی
۷-۰۰ شہرِ صبا
عیدالاضحی کے موقع پر خصوصی کورس

(۲) رضا امروہوی، عزیز وارثی اور خضر کا کلام
(۳) بشیر احمد ساتھی : بانی کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
سدھ رام جادو اور ساتھی،
سندری پر بھیروی
۹-۳۲ چلتے چلتے
دوپہر
۲-۰۷ آپ کا خط ملا
۲-۳۰ گیتوں بھری کہانی
۳-۰۰ فلمی قوالیاں
رات
۸-۱۵ آواز دے کہاں ہے
۸-۳۰ حسنِ غزل
منور حسین جمالی : درد اور داغ کا کلام
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ کتابوں کی باتیں
۹-۳۰ گجرے بن کارے
کمل سنگھ، ٹھمری مشر کھماج
۱۰-۰۰ ڈرامہ
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
استاد نزاکت علی خاں : خیال لگن کونس
سدھ رام جادو اور ساتھی :
سندری پر راگ مالکونس اور دھن
۱۲-۳۰ فلمی نغمے

پیر ۱۹ ستمبر

صبح
۵-۴۵ صبح گاہی
نعت خوانی، قوالی اور شبد
۶-۲۵ پرانی فلموں سے
۷-۰۰ شہر صبا
سپرا لوس : میر تقی میر اور
فراق گورکھپوری کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
کرشن شرما، گٹار پر راگ چارو کیشی
۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی
امرناتھ : خیال بلاس خانی توڑی
دوپہر
۲-۰۷ نگاہ انتخاب
۳-۰۰ سازوں پر موسیقی
رات
۸-۱۵ آہنگ نظم
۸-۳۰ حسنِ غزل
ایم۔ایل۔نکرہ : عاشق ٹونکی اور
خلیل ٹونکی کا کلام
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ کلام شاعر
۹-۳۰ غیر فلمی قوالیاں
۱۰-۰۰ کہکشاں
فلم 'آدمی' کی کہانی و نغمے
اسکرپٹ : راشد حسین صدیقی
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
امرناتھ : خیال کونسی کانہڑہ
کرشن شرما، گٹار پر راگ ایمن کلیان
۱۲-۳۰ فلمی نغمے

منگل ۲۰ ستمبر

صبح
۵-۴۵ صبح گاہی
قوالیاں
۶-۲۵ پرانی فلموں سے
۷-۰۰ شہر صبا
پی۔نازمسانی : شمیم جے پوری،
ممتاز راشد اور مومن کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
این۔راجن : وائلن پر دیوگری بلاول
۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی
بینا پانی مشر : خیال چارو کیشی
دوپہر
۲-۰۷ بھکتی گیت
۲-۳۰ نغمہ و تبسم
۳-۰۰ نئی نسل نئی روشنی
رات
۸-۱۵ سازینہ
۸-۳۰ حسنِ غزل
پی۔نازمسانی : رفعت سروش،
اور فیاض جے پوری کا کلام
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ تقریر
۹-۳۰ علاقائی نغمے
۱۰-۰۰ کھیل کے میدان سے
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
بینا پانی مشر : خیال مل گنجی
این۔راجن : وائلن پر راگ بہاگ
۱۲-۳۰ فلمی نغمے

بدھ ۲۱ ستمبر

صبح
۵-۴۵ صبح گاہی
نعت خوانی، قوالی اور شبد
۶-۲۵ پرانی فلموں سے
۷-۰۰ شہر صبا
سبینہ یاسمین : بہادر شاہ ظفر، غالب
اور امیر خسرو کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
ولایت حسین : شہنائی پر راگ بھیروں
۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی
مالتی پانڈے : خیال دیسی
دوپہر
۲-۰۷ سب رس
۲-۳۰ بزم موسیقی
(۱) یہ بھی ایک نعمت ہے
'اپنی پسند کے لوگوں سے ملنے کی آزادی'
تقریر از عارفہ شاہ
(۲) گیت
(۳) دسترخوان
۳-۰۰ بات ایک فلم کی
رات
۸-۱۵ آہنگ نظم
۸-۳۰ حسنِ غزل
مہدی حسن صابری : حسرت موہانی اور
داغ کا کلام
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ شہر نامہ
۹-۳۰ غیر فلمی قوالیاں
۱۰-۰۰ ریڈیو دوستی
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
مالتی پانڈے : خیال کیدارہ
ولایت حسین : شہنائی پر کلاوتی
۱۲-۳۰ فلمی نغمے

جمعرات ۲۲ ستمبر

صبح
۵-۴۵ صبح گاہی
قوالیاں
۶-۲۵ پرانی فلموں سے
۷-۰۰ شہر صبا
سیما شرما : جاں نثار اختر،
امیر قزلباش اور حفیظ جالندھری
کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
سروجیت کور : ستار پر راگ اہیر بھیروں
۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی
اسد امانت علی خاں اور حامد علی خاں
خیال توڑی
دوپہر
۲-۰۷ دھوپ چھاؤں
۲-۳۰ حرف غزل
۳-۰۰ ایک فنکار
رات
۸-۱۵ سازینہ
۸-۳۰ حسنِ غزل
سیما شرما : راجیش کمار اوج اور
بشیر بدر کا کلام
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ حفظانِ صحت
۹-۳۰ غیر فلمی قوالیاں
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
سروجیت کور : ستار پر راگ ابھوگی
اسد امانت علی خاں، حامد علی خاں :
خیال مالکونس
۱۲-۳۰ فلمی نغمے

جمعہ ۲۳ ستمبر

صبح
۵-۴۵ صبح گاہی
(۱) تلاوت قرآن پاک تشریح از عبد الباری
(۲) نعت خوانی از عثمان خاں و ساتھی
(۳) نعتیہ کلام
۶-۲۵ پرانی فلموں سے
۷-۰۰ شہر صبا
راحت علی : قمر قریشی، مشیر جھنجھانوی
اور حسرت موہانی کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
زرین دارو والا : سرود پر راگ شاردا
۹-۳۲ آپکے خط آپکے گیت
دوپہر
۲-۰۷ سات سوال
۲-۳۰ یاد دیں بن گئیں گیت
۳-۰۰ آواز دے کہاں ہے
رات
۸-۱۵ سازینہ
۸-۳۰ حسنِ غزل
مدن بالا سدھو : رضا امروہوی اور
مخمور دہلوی کا کلام
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ تقریر
۹-۳۰ علاقائی نغمے
۱۰-۰۰ روبرو

۱۱-۳۰ بزم موسیقی
بھیم سین جوشی، خیال پوریا کلیان
زرین دارو والا: سرود پر
راگ جوگ کونس

۱۲-۳۰ فلمی نغمے

ہفتہ ۲۴ ستمبر

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی
نعت خوانی، قوالی اور شبد

۶-۲۵ پرانی فلموں سے

۷-۰۰ شہر صبا
وندنا واجپئی، شاد فدائی، جگدیش مہتہ درد اور بشیر بدر کا کلام

۷-۳۰ ساز سنگیت
مصطفیٰ رضا، وچترو ینا پر راگ اسیری

۹-۳۲ ہلکی کلاسیکی موسیقی
نرملا دیوی، ٹھمری بھیروی دادرہ

دوپہر

۲-۰۷ گیت آپکے شعر ہمارے

۲-۳۰ بزم خواتین
'نئے معاشرے میں عورت کی ذمہ داریاں'
۹ مباحثہ کے شرکاء، منجو موہن، کسم متل، شمیم جہاں اور شبانہ یونس

۳-۰۰ پھر سنیے

رات

۸-۱۵ آہنگ نظم

۸-۳۰ حسن غزل
جگدیش سہگل، غلام ربانی تاباں، اور مشیر جھنجھانوی کا کلام

۸-۴۵ ساز اور آواز

۹-۰۰ ریڈیو نیوز ریل

۹-۳۰ منظر و پس منظر

۱۰-۰۰ نئی نسل نئی روشنی

۱۱-۳۰ بزم موسیقی
بڑے غلام علی خاں، خیال جے جے ونتی
مصطفیٰ رضا، وچترو ینا پر راگیشری

۱۲-۳۰ فلمی نغمے

اتوار ۲۵ ستمبر

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی
قوالیاں

۶-۲۵ پرانی فلموں سے

۷-۰۰ شہر صبا
بیگم اختر، جلیل مانک پوری اور شکیل بدایونی کا کلام

۷-۳۰ ساز سنگیت
پرکاش سکینہ، بانسری پر دیوگری بلاول

۹-۳۲ چلتے چلتے

دوپہر

۲-۰۷ آپ کا خط ملا

۲-۳۰ غیر فلمی غزلیں

۳-۰۰ غیر فلمی قوالیاں

رات

۸-۱۵ آواز دے کہاں ہے

۸-۴۵ ساز اور آواز

۹-۳۰ صنعت و حرفت
مہندر سنگھ، ٹھمری تلنگ

۱۰-۰۰ ڈرامہ

۱۱-۳۰ بزم موسیقی
روشن آرا بیگم: خیال زرتابی
پرکاش سکینہ، بانسری پر مدھوکونس

۱۲-۳۰ فلمی نغمے

پیر ۲۶ ستمبر

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی
نعت خوانی، قوالی اور شبد

۶-۲۵ پرانی فلموں سے

۷-۰۰ شہر صبا
نیلم ساہنی، جاں نثار اختر، رفعت سروش اور سیماب کا کلام

۷-۳۰ ساز سنگیت
برج بھوشن لال کابرہ، گٹار پر راگ بلاول

۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی
مشکور علی خاں، خیال رام کلی

دوپہر

۲-۰۷ میری نظر میں

۲-۳۰ راگ رنگ

۳-۰۰ سازوں پر موسیقی

رات

۸-۱۵ آہنگ نظم

۸-۳۰ حسن غزل
محمد یعقوب، پارسا جے پوری اور خمار بارہ بنکوی کا کلام

۸-۴۵ ساز اور آواز

۹-۰۰ کلام شاعر

۹-۳۰ غیر فلمی قوالیاں

۱۰-۰۰ دریچہ

۱۱-۳۰ بزم موسیقی
مشکور علی خاں: خیال کیدارہ
برج بھوشن کابرہ، گٹار پر راگ ایمن

۱۲-۳۰ فلمی نغمے

منگل ۲۷ ستمبر

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی
قوالیاں

۶-۲۵ پرانی فلموں سے

۷-۰۰ شہر صبا
ستیش بترا، غلام ربانی تاباں، حسن کمال اور فراق گورکھپوری کا کلام

۷-۳۰ ساز سنگیت
وی سی راناڈے، وائلن پر بسنت مکھاری

۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی
روما رانی بھٹاچاریہ: خیال للت

دوپہر

۲-۰۷ فلمی قوالیاں

۲-۳۰ نغمہ و تبسم

۳-۰۰ نئی نسل نئی روشنی

رات

۸-۱۵ سازینہ

۸-۳۰ حسن غزل
ہلال احمد: فیض اور حسن کمال کا کلام

۸-۴۵ ساز اور آواز

۹-۰۰ تقریر

۹-۳۰ علاقائی نغمے

۱۰-۰۰ مشاعرہ

۱۱-۳۰ بزم موسیقی
روما رانی بھٹاچاریہ: خیال راگیشری
وی سی راناڈے، وائلن پر راگ جوگ

۱۲-۳۰ فلمی نغمے

بدھ ۲۸ ستمبر

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی
نعت خوانی، قوالی اور شبد

۶-۲۵ پرانی فلموں سے

۷-۰۰ شہر صبا
اقبال بانو، داغ اور فانی کا کلام

۷-۳۰ ساز سنگیت
سکندر حسین و ساتھی، شہنائی پر راگ رام کلی

۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی
ڈاکٹر سمتی مٹاٹکر، خیال میاں کی سارنگ

دوپہر

۲-۰۷ سب رس

۲-۳۰ بزم خواتین
(۱) ان سے ملیے
(۲) گیت
(۳) کام کی باتیں

۳-۰۰ فلمی دنیا

رات

۸-۱۵ آہنگ نظم

۸-۳۰ حسن غزل
نینا دیوی: سودا اور غالب کا کلام

۸-۴۵ ساز اور آواز

۹-۰۰ دلی ڈائری

۹-۳۰ غیر فلمی قوالیاں

۱۰-۰۰ کہانی سنگیت کی

۱۱-۳۰ بزم موسیقی
ڈاکٹر سمتی مٹاٹکر: خیال نرائن
سکندر حسین و ساتھی، شہنائی پر راگ گوری

۱۲-۳۰ فلمی نغمے

جمعرات ۲۹ ستمبر

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی
قوالیاں

۶-۲۵ پرانی فلموں سے

۷-۰۰ شہر صبا
چندر شیکھر چکرورتی، نذیر بنارسی اور نرلیش کمار شاد کا کلام
انجلی بوس: ذوق اور مومن کا کلام

۷-۳۰ ساز سنگیت
رئیس خاں، ستار پر بھیروی

۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی
شیلا دھر: خیال بیراگی بھیروں

دوپہر

۲-۰۷ دھوپ چھاؤں

۲-۳۰ حرف غزل

۳-۰۰ غیر فلمی قوالیاں

رات

۸-۱۵ سازینہ

۸-۳۰ حسن غزل
انجلی بوس: فیض اور شکیل بدایونی کا کلام

۸ ساز اور آواز
۹ ہم سے پوچھیے
اسکرپٹ : پی۔ ایل۔ بھاردواج
۹ غیر فلمی قوالیاں
۱ ماضی کے دیار
۱۱ بزم موسیقی
شیلا دھر ، خیال شاہانہ
رئیس خاں ، ستار پر شام کلیان
۱۲ فلمی نغمے

جمعہ ۳۰ ستمبر

۵ صبح گاہی
(۱) تلاوت قرآن پاک معہ تشریح از
قاری عبداللہ سلیم
(۲) نعت خوانی از
حاجی محمد یاسین خاں
(۳) نعتیہ کلام
۶ پرانی فلموں سے
۷ شہر صبا
پریتی چاولہ : سدرشن فاخر، فراق
اور جگر کا کلام
۷ ساز سنگیت
اشوک رائے : سرود پر
راگ بلاس خانی توڑی
۹ آپکے خط آپکے گیت
۲ کہانی ایک گیت کی
۲ نئی فلموں سے
۳ آواز دے کہاں ہے
۸ سازینہ
۸ حسن غزل
حسین بخش، حسرت موہانی کا کلام
۸ ساز اور آواز
۹ تقریر
۹ صدائے رفتہ
۱۰ روبرو
۱۱ بزم موسیقی
استاد سلامت علی خاں ،
خیال اور ترانہ راگیشری
اشوک رائے ، سرود پر راگ کروانی
۱۲ فلمی نغمے

دہلی

میڈیم ویو

دہلی الف ۳۶۶۶۳ میٹر ۸۱۹ کلو ہرٹز
دہلی ب ۲۹۴۲۹ میٹر ۶۶۶ کلو ہرٹز
دہلی ج ۲۱۹۶۳ میٹر ۱۳۶۸ کلو ہرٹز
دہلی د ۲۴۶۶۹ میٹر ۱۲۱۵ کلو ہرٹز

شارٹ ویو

صبح ۰۰-۸ تک ۸۹۱۵ میٹر ۳۳۶۵ کلو ہرٹز
صبح ۱۵-۸ کے بعد ۱۹۴۴ میٹر ۱۱۰ ۷ کلو ہرٹز
دوپہر ۲۰-۱ سے شام ۰۰-۴ /۴۵-۵ تک ۹۶۳۰ کلو ہرٹز
شام ۴۵-۵ تک ۱۹۴۴ میٹر ۱۱۰ ۷ کلو ہرٹز
شام ۰۰-۶ سے رات تک ۸۹۱۵ میٹر ۳۳۶۵ کلو ہرٹز

خبریں

دہلی 'الف': خبریں

ہندی/انگریزی: صبح ۰۰-۶ (عالمی)
ہندی: صبح ۰۰-۸، ۰۰-۱۱ دوپہر ۰۰-۱، ۱۰-۲ شام ۰۰-۵ (صوبائی)
شام ۰۵-۶، ۵۰-۷ (علاقائی) رات ۴۵-۸، ۰۵-۱۱ (عالمی)
انگریزی: دوپہر ۰۰-۱۲ سنسکرت: صبح ۰۰-۷، شام ۱۰-۶
اردو: صبح ۵۰-۸، دوپہر ۵۰-۱ اور رات ۱۵-۹ (خبریں اور تبصرہ)
پنجابی: دوپہر ۴۰-۱

دہلی 'ب': ہندی: دوپہر ۴۵-۲ (دھیمی رفتار سے) انگریزی: صبح ۱۰-۸، ۰۰-۱۰
دوپہر ۰۰-۱، ۲۰-۲ (دھیمی رفتار سے) شام ۰۰-۴، ۰۰-۶، ۰۰-۹، ۰۰-۱۱ (عالمی)
پنجابی: صبح ۳۰-۸ شام ۳۰-۷ ہندی نیوز لیٹر: صبح ۰۰-۹ بجے

دہلی 'د': ہندی: شام ۳۰-۷ انگریزی: رات ۱۵-۹
کھیل کود: شام ۰۰-۷ (ہندی) رات ۰۰-۸ (انگریزی)

روزانہ نشر ہونیوالے پروگرام

دہلی الف

صبح

۵۵-۵ وندے ماترم: منگل دھونی
۰۵-۶ وندنا ۳۰-۶ کھیتی کی باتیں
۳۵-۶ رام چرت مانس
۵۰-۶ آپ کی صحت
(اتوار، منگل، جمعرات اور ہفتہ)
سائنس کے موضوع پر تقریر
(پیر، بدھ، جمعہ)
۵۵-۶ آج کے پروگرام اور موسم
۱۰-۷ برج مادھوری (سوائے اتوار)
۳۰-۷ آج صبح (اتوار، بدھ، ہفتہ)
۴۵-۷ دلی درشن
(پیر، منگل، جمعرات اور ہفتہ)
۴۰-۸ اردو مجلس (روزانہ)
۰۰-۹ اختتام (سوائے اتوار)
۰۲-۱۲ لوک بھارتی (سوائے اتوار)
۱۵-۱۲ سگم سنگیت (سوائے اتوار)
۳۰-۱۲ بہنوں کا پروگرام
(اتوار، منگل، جمعرات، ہفتہ)
گرامین بہنوں کا پروگرام
(بدھ، جمعہ)
۰۰-۲ ایک ہی کلاکار (روزانہ)
۲۰-۲ چترپٹ سنگیت (روزانہ)
۳۰-۲ موسم اور اختتام (اتوار ۳۰-۳)

شام

۱۵-۶ مقامی اعلانات اور گمشدہ

فوجوں کے لیے پروگرام
۲۰-۶ گرام سنسار (روزانہ)
۰۰-۷ کرشی جگت
۳۰-۷ پروگراموں کا خلاصہ، موسم
۳۵-۷ سامیکی
۴۵-۷ روزگار سماچار
۰۰-۱۱ وادیہ وزند
۱۰-۱۱ موسم اور اختتام

دہلی ب

صبح

۰۰-۷ وندے ماترم: منگل دھونی
۰۲-۷ انگریزی میں پروگرام (دوبارہ)
۲۰-۷ گیتکا (سوائے پیر)
۳۰-۷ سنگیت سوربھی
۵۰-۷ علاقائی موسیقی
۲۰-۸ اور ۴۰-۸ پنجابی پروگرام
۳۰-۹ سب رس (اتوار کو یادیں)
۰۲-۱۰ اختتام (اتوار ۰۰-۱۱)

دوپہر

۰۵-۱ اور ۱۰-۲ مغربی موسیقی
۱۰-۳ موسم کا حال (انگریزی میں)

شام

۵۰-۵ اخباروں کی رائے
۵۵-۵ آج کا پروگرام اور موسم کا حال
۰۵-۶ فوجی بھائیوں کیلئے پروگرام
۰۰-۷ پنجابی پروگرام
۴۰-۷ ساز سنگیت
۴۵-۷ اردو مجلس
۱۵-۸ سماچار درشن (اتوار، بدھ، جمعہ)
۰۰-۹ ترجمہ ۰۰-۱۱ اختتام

ریڈیو نیوز ریل (منگل، جمعرات، ہفتہ)
نیوز ریل اسپورٹس (پیر)
۲۵-۸ سماچار پتروں سے
۳۰-۸ سور جھنکار
۱۵-۹ اسپاٹ لائٹ
(بعد میں ساز سنگیت)
۲۵-۹ مغربی موسیقی (اتوار کو ۰۰-۱۰)
۰۲-۱۱ موسم کا حال اور اختتام

دہلی د

یووا وانی

صبح

۰۰-۷ آج کے پروگرام (ہندی)
۰۵-۷ اور ۲۵-۷ پھر سنئے
۲۵-۷ وگیان وودھا
۵۰-۷ سگم سنگیت (گائن)
۰۰-۸ شاستریہ سنگیت
۱۵-۸ شاستریہ سنگیت (گائن)
۳۰-۸ مغربی موسیقی
۰۰-۹ اختتام (اتوار ۰۰-۱۰)

شام

۵۵-۶ آج کا پروگرام
۰۵-۷ محفل
۵۰-۷ پستک پاٹھ (ہندی)
(پیر سے جمعرات تک)
۰۵-۸ ان دی گروو (پوپ میوزک
۵۰-۸ پاٹھ (انگریزی)
(منگل سے جمعہ)

جمعہ ۱۶ ستمبر

دہلی 'الف'

صبح

۱۰-۸، ۰۲-۱۱، رات ۰۰-۹
روما رانی بھٹا چاریہ: گائن
۲۵-۱۰، سہ پہر ۴۰-۵
آر۔ ایس۔ کمبوج: وچترو وینا
۳۰-۱۱ سدھیر گوتم: سنطور

دوپہر

۰۲-۱۲ لوک بھارتی
مراٹھی لوک گیت
۵۵-۵ گڑھوالی سنگیت

رات

۰۰-۸ گاندھی چرچا
۱۵-۸ ادلوکن
۳۰-۹ 'آئیے گھر آپ کا ہے'، ناٹک
تحریر: مدھوسدن کانیکر
پیشکش: گنگا دھر پرانجپے
۳۰-۱۰ کرناٹک سنگیت
وشالم وینکٹا چلم: وینا

دہلی سے 'ب'

صبح

۳۰-۷ سنگیت سوربھی
روشن آرا بیگم: گائن
۵۰-۷ سگم: تامل گیت
۱۰-۹ لوک مادھوری
راجستھانی لوک گیت

دوپہر

۱۵-۳، ۰۲-۴
سگم سنگیت
۳۰-۳ کرناٹک سنگیت
وشالم وینکٹا چلم: وینا

شام

۴۵-۶، ۴۵-۸
اوشا سیٹھ: گیت، غزل

ہفتہ ۱۷ ستمبر

دہلی سے 'الف'

صبح

۱۰-۸، ۰۲-۱۱، رات ۰۰-۹
اشوک کمار رائے: سرود
۳۵-۱۰ اتل ڈیسائی: گائن
۳۰-۱۱، سہ پہر ۴۰-۵
آرتی رائے چودھری: گائن

دوپہر
۱۲-۰۲ لوک بھارتی
گجراتی لوک گیت

رات
۸-۰۰ سواستھ رکھشا
۸-۱۵ آج کے اتتھی
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : موسیقی
ویلے - ٹی - وی - کرشنا مورتی : گائن

دہلی 'ب'

صبح
۷-۳۰ سنگیت سوربھی
غلام مصطفےٰ خاں : گائن
۷-۵۰ سنگم : ملیالم گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
کشمیری لوک گیت

دوپہر
۱۵-۳، ۲-۰۲-۴
سگم سنگیت
۳-۳۰ انل ڈیسائی : گائن

شام
۶-۴۵، ۴۵-۸
پرسار گیت
۹-۳۰ اور گیسٹ ٹونائٹ

اتوار ۱۸ ستمبر

دہلی 'الف'

صبح
۸-۱۰، رات ۰۰-۹
نینا دیوی : ٹھمری، دادرا
۹-۰۰ بال کاریہ کرم
۱۱-۰۲ یووا وانی سے
۱۱-۳۰، سہ پہر ۳۵-۵
کے۔ کرشنا سوامی : کرناٹک سنگیت

دوپہر
۱۲-۱۵ 'کتترن' جھلکی
تحریر : آر۔ کے۔ شرما
۲-۳۰ 'آئیے گھر آپ کا ہے' ناٹک
تحریر : مدھوسدن کالیکر
پیشکش : گنگا دھر پرانجپے
۵-۲۰ سنسکرت پاٹھ

رات
۸-۰۰ رابندر سنگیت
۸-۱۵ ساہتیکی
۹-۳۰ محفل
۱۰-۰۰ چین

دہلی 'ب'

صبح
۷-۳۰ سنگیت سوربھی
بیگم اختر : گائن
۷-۵۰ سنگم : اڑیہ گیت
۹-۱۵ اپنی نگری

دوپہر
۱۵-۳، ۲-۰۲-۴
سگم سنگیت
۳-۳۰ نینا دیوی : ٹھمری، دادرا

شام
۶-۴۵، ۴۵-۸
شمیمہ آزاد : گیت، غزلیں
۹-۳۰ کرنٹ افیئرز

پیر ۱۹ ستمبر

دہلی 'الف'

صبح
۸-۱۰، ۱۱-۰۲، رات ۰۰-۹
چت دیو برمن : اسراج
۱۰-۳۵ حفیظ احمد خاں : گائن
۱۱-۳۰، سہ پہر ۴۰-۵
کرشن راؤ شنکر پنڈت : گائن

دوپہر
۱۲-۰۲ لوک بھارتی
تامل لوک گیت
۱۲-۳۰ 'ستیہ ہریش چندر' ناٹک
بھارتیندو ہریش چندر کے ناٹک کا ریڈیو
پیشکش : گوبند چاتک

رات
۸-۰۰ سواستھ رکھشا
۸-۱۵ پنڈت منی رام : گائن
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : تقریر
۱۰-۰۰ سنگیت سبھا
حفیظ احمد خاں : گائن

دہلی 'ب'

صبح
۷-۳۲ سنگیت سوربھی
گریجا دیوی : گائن
۷-۵۰ سنگم : سندھی گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
اودھی لوک گیت

دوپہر
۱۵-۳، ۲-۰۲-۴
سگم سنگیت
۳-۳۰ میرا پرساد : ستار

شام
۶-۴۵، ۴۵-۸
چترسین : گیت اور بھجن

منگل ۲۰ ستمبر

دہلی 'الف'

صبح
۸-۱۰، رات ۰۰-۹
برجو مہاراج : ٹھمری، دادرا
۱۰-۳۵ نند لال گھوش : سرود
۱۱-۰۲ کچلو بندھو : گائن
۱۱-۳۰، سہ پہر ۴۰-۵
این۔ این۔ گھوش : ستار

دوپہر
۱۲-۰۲ لوک بھارتی
اڑیہ لوک گیت
۵-۰۵ گیان وگیان

رات
۸-۰۰ ادیوگ منڈل
۹-۳۰ ناٹک
۱۰-۰۰ منگل شب کی محفل موسیقی
دھرو گھوش : سارنگی
ابھے نارائن سنگھ : طبلہ

دہلی 'ب'

صبح
۷-۳۰ سنگیت سوربھی
بسم اللہ خاں و ساتھی : شہنائی
۷-۵۰ سنگم : بنگلہ گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
ہماچلی لوک گیت

دوپہر
۱۵-۳، ۲-۰۲-۴
سگم سنگیت
۳-۳۰ برجو مہاراج : ٹھمری، دادرا

شام
۶-۴۵، ۴۵-۸
پریم ناتھ : گیت، غزلیں

بدھ ۲۱ ستمبر

دہلی 'الف'

صبح
۸-۱۰، ۱۱-۳۰، رات ۰۰-۹
دیوورت چودھری : ستار
۱۰-۳۵ پیارا سنگھ : تار شہنائی
۱۱-۰۲ لکشمی شنکر : گائن

دوپہر
۱۲-۰۲ لوک بھارتی
ملیالم لوک گیت
۵-۳۰ پیارا سنگھ : تار شہنائی
۵-۵۵ گڑھوالی سنگیت

رات
۸-۰۰ 'کتترن' جھلکی
تحریر : آر۔ کے۔ شرما
۹-۳۰ چرچا کا وشیہ ہے
۱۰-۰۰ سنگیت سبھا
راجن مشرا، ساجن مشرا : گائن

دہلی 'ب'

صبح
۷-۳۰ سنگیت سوربھی
بڑے غلام علی خاں : گائن
۷-۵۰ سنگم : گجراتی گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
ہریانوی لوک گیت

دوپہر
۱۵-۳، ۲-۰۲-۴
سگم سنگیت
۳-۳۰ کرناٹک سنگیت :
پربھا راما سوامی : وینا

شام
۶-۴۵، ۴۵-۸
او۔ پی۔ کپور : گیت، بھجن اور غزلیں

جمعرات ۲۲ ستمبر

دہلی 'الف'

صبح
۸-۱۰، ۱۱-۰۲
وجینتی بھٹاچاریہ : گائن
۱۰-۳۵، رات ۰۰-۹
ہری سنگھ و ساتھی : شہنائی
۱۱-۳۰ ہری پرساد چورسیہ : بانسری

دوپہر
۱۲-۰۲ لوک بھارتی
بنگلا لوک گیت
۵-۰۵ سنسکرت پاٹھ
۵-۳۰ بال کاریہ کرم

رات
۸-۱۵ ہندی تقریر
۹-۳۰ نیشنل پروگرام

'ابھی شپت گندھار' ناٹک
تحریر : شنکر شیش
۱۰-۰۰ کرناٹک سنگیت
درگا بالا سبرامنیم : گائن
دہلی 'ب'
صبح
۷-۳۰ سنگیت سوربھی
برج بھوشن کابرہ : گٹار
۷-۵۰ سنگم : مراٹھی گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
برج لوک گیت
دوپہر
۳-۱۵ ، ۴-۰۰-۲
سگم سنگیت
۲-۳۰ کرناٹک سنگیت
درگا بالا سبرامنیم : گائن
شام
۶-۴۵ ، ۸-۴۵
شوبھنا راؤ : گیت، بھجن اور غزلیں

جمعہ ۲۳ ستمبر

دہلی 'الف'
صبح
۸-۱۰ ، ۱۱-۰۲ ، رات ۹-۰۰
ظہور احمد خاں : وائلن
۱۱-۳۰ ، سہ پہر ۵-۴۰
مشتری بیگم : ٹھمری، دادرا
دوپہر
۱۲-۰۲ لوک بھارتی
مراٹھی لوک گیت
۵-۰۵ گڑھوالی سنگیت
رات
۸-۰۰ گاندھی چرچا
۸-۱۵ اولوکن
۹-۳۰ 'ونش ورکش'، ناٹک۔ عکس
ایس۔ ایل۔ بھرپا کے ناول کا ریڈیو
۱۰-۳۰ کرناٹک سنگیت
کے۔ آر۔ جے راما اٹیر : گائن
دہلی 'ب'
صبح
۷-۳۰ سنگیت سوربھی
استاد امیر خاں : گائن
۷-۵۰ سنگم ، تیلگو گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
راجستھانی لوک گیت

دوپہر
۳-۱۵ ، ۲-۰۰-۴
سگم سنگیت
۲-۳۰ کرناٹک سنگیت
کے۔ آر۔ جے راما اٹیر ، گائن
شام
۶-۴۵ ، ۸-۴۵
سریندر کور ، پنجابی گیت
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : فیچر

ہفتہ ۲۴ ستمبر

دہلی 'الف'
صبح
۸-۱۰ سعید الدین ڈاگر : گائن
۱۰-۳۵ جیوتن بھٹاچاریہ : سرود
۱۱-۰۲ پدماوتی شالگرام : گائن
۱۱-۳۰ ، سہ پہر ۵-۴۰
غلام دستگیر خاں : ستار
دوپہر
۱۲-۰۲ لوک بھارتی
گجراتی لوک گیت
رات
۸-۰۰ سواستھ رکھشا
۸-۱۵ آج کے اتتھی
۹-۰۰ توتارام : پکھاوج
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : موسیقی
دہلی 'ب'
صبح
۷-۳۰ سنگیت سوربھی
منور علی خاں : گائن
۷-۵۰ سنگم ، کنڑ گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
گڑھوالی لوک سنگیت
دوپہر
۳-۱۵ ، ۲-۰۰-۴
سگم سنگیت
۲-۳۰ سعید الدین ڈاگر : گائن
شام
۶-۴۵ ، ۸-۴۵
انجلی بنرجی : غزلیں

اتوار ۲۵ ستمبر

دہلی 'الف'
صبح
۸-۱۰ اجیت سنگھ : وچتر وینا

۹-۰۰ بال کاریہ کرم
۱۰-۰۰ غلام صادق خاں ، گائن
۱۱-۰۲ یوواوانی سے
۱۱-۳۰ ، سہ پہر ۵-۳۵
کرناٹک سنگیت
ایس۔ آر۔ چندرو : گائن
دوپہر
۱۲-۱۵ جھلکی
۲-۳۰ ناٹک
۵-۲۰ سنسکرت پاٹھ
رات
۸-۰۰ رابندر سنگیت
۸-۱۵ ساہتیکی
۹-۰۰ سدھ سنگیت
۹-۳۰ کنکنا بنرجی ، گائن
۱۰-۰۰ چین
دہلی 'ب'
صبح
۷-۳۰ سنگیت سوربھی
جگدیش پرشاد : گائن
۷-۵۰ سنگم ، آسامی گیت
۹-۱۵ اپنی نگری
دوپہر
۳-۱۵ ، ۲-۰۰-۴
سگم سنگیت
۲-۳۰ اجیت سنگھ : وچتر وینا
شام
۶-۴۵ ، ۸-۴۵
اسلم صابری قوال و ساتھی : قوالی
۹-۳۰ کرنٹ افیئرز

پیر ۲۶ ستمبر

دہلی 'الف'
صبح
۸-۱۰ ، رات ۹-۰۰
مشتاق حسین خاں : گائن
۱۰-۳۵ ، سہ پہر ۵-۴۰
بھجن لال : سرود
۱۱-۰۲ ، رات ۸-۱۵
دیپالی ناگ : گائن
۱۱-۳۰ شرافت خاں ، ستار
دوپہر
۱۲-۰۲ لوک بھارتی
تیلگو لوک گیت
۱۲-۳۰ ناٹک

رات
۸-۰۰ سواستھ رکھشا
۹-۳۰ نیشنل پروگرام ، تقریر
۱۰-۰۰ سنگیت سبھا
دہلی 'ب'
صبح
۷-۳۰ سنگیت سوربھی
شرافت خاں : ستار
۷-۵۰ سنگم : سندھی گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
بھوجپوری لوک گیت
دوپہر
۳-۱۵ ، ۲-۰۰-۴
سگم سنگیت
۲-۳۰ مشتاق حسین خاں : گائن
شام
۶-۴۵ ، ۸-۴۵
لکشمن داس سندھو : ملتانی کافی
اور غزلیں

منگل ۲۷ ستمبر

دہلی 'الف'
صبح
۸-۱۰ ، رات ۹-۰۰
استاد احمد رضا خاں : وچتر وینا
۱۰-۳۵ ، سہ پہر ۵-۴۰
انیتا رائے : گائن
۱۱-۰۲ آر۔ پی۔ شاستری : وائلن
۱۱-۳۰ بھیکو بھائی بھوسر : گائن
دوپہر
۱۲-۰۲ لوک بھارتی
آسامی لوک گیت
۵-۰۵ گیان وگیان
رات
۹-۳۰ ناٹک
۱۰-۰۰ منگل شب کی محفلِ موسیقی
سریلا بنرجی : گائن
دہلی 'ب'
صبح
۷-۳۰ سنگیت سوربھی
استاد عبدالکریم خاں ، گائن
۷-۵۰ سنگم ، بنگلا گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
ہماچلی لوک گیت

دوپہر

۳-۱۵ ، ۴-۰۲

سگم سنگیت

۳-۳۰ استاد احمد رضا خاں ، وچتروینا

شام

۶-۴۵ ، ۸-۴۵

شانتا سکسینہ ، گیت ، بھجن

۹-۳۰ نیشنل پروگرام : تقریر

بدھ ۲۸ ستمبر

دہلی 'الف'

صبح

۸-۱۰ ، ۱۱-۰۲ ، رات ۹-۰۰

علاؤالدین خاں ، اسراج

۱۰-۳۵ اوما ڈے ، گائن

۱۱-۳۰ ، سہ پہر ۵-۴۰

منجو سندرم ، ٹھمری ، دادرا

دوپہر

۱۲-۰۲ لوک بھارتی

گنگھڑ لوک گیت

۵-۵۵ گڑھوالی سنگیت

رات

۸-۰۰ جھلکی

۸-۱۵ وگیان آلوک

۹-۳۰ چرچا کا وشیہ ہے

۱۰-۰۰ سنگیت سبھا

منی پرساد ، گائن

دہلی 'ب'

صبح

۷-۳۰ سنگیت سوربھی

برکت علی خاں ، گائن

۷-۵۰ سنگم ، گجراتی گیت

۹-۱۰ لوک مادھوری ، ہریانوی لوک گیت

دوپہر

۳-۱۵ ، ۴-۰۲

سگم سنگیت

۳-۳۰ لے - جگن ناتھن ، گائن

شام

۶-۴۵ ، ۸-۴۵

سرلا کپور ، گیت ، غزلیں

جمعرات ۲۹ ستمبر

دہلی 'الف'

صبح

۸-۱۰ مادھوری مٹو ، گائن

۱۰-۳۵ این وی شولاپورکر اور

وی - بی - دیولنکر ، کلارنٹ و شہنائی

۱۱-۰۲ ، رات ۹-۰۰

مادھوری مٹو ، گائن

۱۱-۳۰ سعید خاں ، ستار

دوپہر

۱۲-۰۲ لوک بھارتی

بنگلا لوک گیت

۵-۰۵ سنسکرت پاٹھ

۵-۴۰ بال کاریہ کرم

رات

۸-۱۵ ہندی تقریر

۱۰-۳۰ کرناٹک سنگیت

وی - راما چندرن ، گائن

دہلی 'ب'

صبح

۷-۳۰ سنگیت سوربھی

جوائے لبوا‌س ، ہمانشو لبواس

ستار اور جلترنگ

۷-۵۰ سنگم ، مراٹھی گیت

۹-۱۰ لوک مادھوری

برج لوک گیت

دوپہر

۳-۱۵ ، ۴-۰۲

سگم سنگیت

۳-۳۰ کرناٹک سنگیت

ایس - راجیشوری ، گائن

شام

۶-۴۵ ، ۸-۴۵

گگو ماتھر ، گیت ، بھجن اور

غزلیں

جمعہ ۳۰ ستمبر

دہلی 'الف'

صبح

۸-۱۰ ، ۱۱-۰۲ ، رات ۹-۰۰

امرناتھ ، گائن

۱۰-۳۵ ، سہ پہر ۵-۴۰

پیوش سنوار ، سنتور

۱۱-۳۰ ڈی - آر - پاروتیکر ، دتاتریہ وینا

دوپہر

۱۲-۰۲ لوک بھارتی : مراٹھی لوک گیت

۵-۵۵ گڑھوالی سنگیت

(آگے ص ۱۴۱ پر)

لکھنؤ

میڈیم ویو لکھنؤ 'الف' : ۲۹۶ - ۱۰۶ میٹر ۷۴۷ کلوہرٹز لکھنؤ 'ج' : ۳۳۳ - ۳۷۰ میٹر ۱۲۶۸ کلوہرٹز

شارٹ ویو لکھنؤ 'ب' : ۴۱۹ - ۹۳ میٹر ۵۰۳۰ کلوہرٹز (صبح ۵-۵۵ سے ۳۵-۵ بجے تک اور شام ۵-۱۵ کے بعد) ۸۲ - ۳۸ میٹر ۷۸۰ کلوہرٹز : ۳۲۸ - ۳۱ میٹر ۹۵۰ کلوہرٹز

خبریں

ہندی / انگریزی : صبح ۶-۰۰ (عالمی) ہندی : صبح ۸-۰۰ دوپہر ۱-۰۵ اور ۲-۱۰ شام ۶-۰۵ رات ۸-۴۵ اور ۱۱-۰۵ انگریزی : صبح ۸-۱۰ دوپہر ۱-۰۰ رات ۹-۰۰ اور ۱۱-۰۰ سنسکرت : صبح ۷-۰۰ شام ۶-۱۰ اردو : صبح ۸-۵۰ رات ۹-۱۵ نیوز لیٹر (ہندی) : صبح ۹-۰۰ ضلع کی چٹھی : صبح ۹-۰۵ علاقائی : دوپہر ۲-۳۰ (اردو) : صبح ۷-۳۰ شام ۷-۲۰ (ہندی)

روزانہ نشر ہونیوالے پروگرام

لکھنؤ 'الف'

صبح

۵-۵۵ وندے ماترم / منگل دھونی

۶-۰۵ کرشی چرچا اور موسم کا حال

۶-۲۰ آرادھنا

۶-۴۵ گاندھی چرچا (جمعہ)

۶-۵۰ وچار وندو (جمعہ کے علاوہ)

۶-۵۵ آج کا کاریہ کرم اور موسم کا حال

۷-۰۵ مانس گان

۷-۱۵ روزگار سے متعلق اطلاعات

۷-۳۰ آورتی

۸-۲۱ صبح، شام : لوک گیت

۸-۳۰ اردو پروگرام

۹-۱۰ اسی کھوائے کا گیت (اتوار)

۹-۱۵ پتر کے یے دھنیہ واد

۹-۳۰ گیتکا (دوسرے اور چوتھے اتوار)

انگ (پہلے ، تیسرے اور پانچویں اتوار)

۹-۳۵ بال سنگھ (اتوار)

۱۰-۳۰ لوک رنگ (اتوار)

۱۰-۴۵ آئینہ (اتوار)

۱۱-۰۰ سنتوش (اتوار)

۱۱-۳۰ پھر سنیے (اتوار)

دوپہر

۱۲-۰۰ جیوتی پنج (اتوار)

۱۲-۰۵ گیت جگائیں یادیں (اتوار)

۱۲-۱۰ ودیارتھیوں کے لیے

(اتوار اور چھٹیوں کے علاوہ)

۱۲-۳۰ کاریہ شیل مہیلاؤں

کے لیے (اتوار)

من بھاون (پیر، بدھ، ہفتہ)

حسن نظر (منگل)

سنگیت سنواد (جمعرات)

بزم قوالی (جمعہ)

۱-۰۱ آج اتوار ہے ، جھلکی (اتوار)

گھر آنگن (پیر، جمعرات)

گرہ لکشمی (منگل، جمعہ)

راگ رنگ (ہفتہ)

۱-۲۵ لوک گیت (اتوار)

۱-۴۰ جوانوں کے لیے

۲-۳۰ وگیان اور کسان

۲-۳۵ آج اور کل کا کاریہ کرم اور

موسم کا حال

شام

۴-۳۰ سنسکرت پروگرام (اتوار)

سنسکرت شکشا (پیر، بدھ)

تال شکشا (جمعرات، جمعہ)

رویندر سنگیت (ہفتہ)

۴-۴۵ لوک گائن

(اتوار، پیر، منگل، جمعرات، ہفتہ)

آؤ بچو! (بدھ)

بال گوپال (جمعہ)

۵-۱۵ یوواوانی ۶-۰۰ اطلاعات

۶-۱۵ مزدور منڈل

۶-۴۵ آج اور کل کے کاریہ کرم اور

موسم کا حال

۶-۵۰ کسانوں کے لیے

۷-۳۰ بات ایک فلم کی

(ایک ہی فلم کے گیت) جمعہ

یوواننس (پیر)

کلا جگت (منگل)

پتر کے یے دھنیہ واد (بدھ)

وگیان جگت (جمعرات)

کھیل جگت (ہفتہ)

جن جیون (اتوار)

رات

۷-۵۰ بھارت کے سر (بدھ)

۸-۰۰ انجھوق (اتوار)

دیس ودیش (پیر)

وارتا کرم (منگل)

سامائک پرسنگ (جمعہ)

سوتنتر وارتائیں (جمعرات)

کرشیہ / سنسکرت

پروگرام (جمعہ)

اس چھوارے کی کہانی (ہفتہ)

۸-۱۵ سگم سنگیت

۸-۳۰ پراویٹک سمچار درشن (اتوار)

۹-۲۵ بھارت بھارتی (منگل)

۹-۵۰ پریہ ارکلیاں پشتوزی (بدھ)

۱۰-۰۰ سنگیت رس (اتوار)

۱۱-۱۰ موسم کا حال اور اختتام

لکھنؤ 'ب'

صبح

۵-۵۵ لکھنؤ الف کے مطابق

۷-۳۵ اختتام

۸-۰۰ لکھنؤ الف کے مطابق

۹-۳۰ اختتام (اتوار کے علاوہ)

دوپہر

۱۲-۰۰ لکھنؤ الف کے مطابق

۲-۳۵ اختتام

شام

۴-۳۰ لکھنؤ الف کے مطابق

۵-۳۵ اُتر آنچل پروگرام

(لکھنؤ اور نجیب آباد)

۶-۴۵ لکھنؤ الف کے مطابق

۱۱-۱۰ اختتام

جمعہ ۱۶ ستمبر

صبح

۷-۳۰ آورتی

پستک جگت : از کرشن نارائن ککڑ

۷-۴۵ اپرنا ، مینا زمسانی : سگم سنگیت

۹-۱۰ اور شب ۱۰-۳۰

ستیش چندر : ستار وادن

۱۲-۰۰ اور شب ۸-۱۵

محمد ظفر : گیت اور غزل

ہفتہ ۱۷ ستمبر

صبح

۷-۴۵ شیل نگم : سگم سنگیت

۹-۱۰ اور دوپہر ۱-۱۰

ممتا سین : خیال

۱۲-۰۰ اور شب ۸-۱۵

شپا سین : گیت ، بھجن

شام

۴-۳۰ رویندر سنگیت

۸- اسں پکھوارے کی کہانی
ششی کانت

اتوار ۱۸ر ستمبر

ع

- ۷ مایاراوت ، دیناناتھ: سگم سنگیت

-۴ سنسکرت پروگرام
-۸ ومل سنہا: گیت اور بھجن
۸ پرادیشک سماچار درشن
۱۰ سنگیت رس
سنگیت پریچے پروگرام
کلیان کے وِودھ پرکار

پیر ۱۹ر ستمبر

ع

- ۷ چندر پرکاش مصر، ایم ایچ ڈیوڈ
سگم سنگیت

- ۹ اور دوپہر ۱۰-۱۲
سمترا کماری سنگھ: خیال

پہر
-۱۲ اور رات ۱۵-۸
سرسوتی ورما: گیت اور بھجن

- ۷ یُووا مانس: 'پرتیکریا'
چھاتر سنگھوں کا سوروپ کیسا ہو
پیشکش: کشور نگم
- ۸ دیش ودیش: ویریندر سنگھ
-۱۰ کارتک کمار: ستار وادن

منگل ۲۰ر ستمبر

صبح
- ۷ انجنا چٹرجی ، محمد ظفر: سگم سنگیت
- ۹ بہادر خاں: سرود وادن

دوپہر
-۱۲ اور شب ۱۵-۸
سروری بیگم: غزلیں

شب
- ۸ بکھرتے رشتے
چھاتر - ادھیاپک
ہندی میں بات چیت

بدھ ۲۱ر ستمبر

صبح
۴۵- ۷ ملکشی بائی راٹھور: سگم سنگیت

۱۰- ۹ اور دوپہر ۱۰-۱۲، شب ۳۰-۱۰
کاشی ناتھ شنکر بوڈس: خیال

دوپہر
۰۰- ۱۲ اور شب ۱۵-۸
سپریا شکلا: غزلیں
۱۰- ۱ راگ رنگ
انتخاب عالم اور ساتھی
شہنائی وادن

شب
۰۰- ۱۰ ڈرامہ

جمعرات ۲۲ر ستمبر

صبح
۴۵- ۷ نرملا کماری، مدھو بالا چاولا
سگم سنگیت
۱۰- ۹ اور شب ۳۰-۱۰
شمشیر سنگھ: سرود وادن
۰۰- ۱۲ اور شب ۱۵-۸
نویدِتا رائے: گیت اور بھجن

شب
۰۰- ۸ رام دھاری سنگھ دنکر جینتی
خصوصی پروگرام
از شیوساگر مصر

جمعہ ۲۳ر ستمبر

صبح
۴۵- ۷ کے مہا بیر: سگم سنگیت: کورس
۱۰- ۹ اور شب ۳۰-۱۰
سنتوش ماتھر: خیال

دوپہر
۰۰- ۱۲ اور شب ۱۵-۸
ممتا سین: گیت اور غزل

شب
۰۰- ۸ سنسکرت پروگرام
۳۰- ۹ اب اور کہیں: ڈرامہ
مصنف ڈاکٹر لکشمی نرائن لال

ہفتہ ۲۴ر ستمبر

صبح
۴۵- ۷ گوپال سنہا: سگم سنگیت
۱۰- ۹ دوپہر ۱۰-۱
رام شنکر داس پاگل داس
پکھاوج وادن
۰۰- ۱۲ اور شب ۱۵-۸
انی میش مکھرجی: گیت اور بھجن

شام
۳۰- ۴ رویندر سنگیت
۰۰- ۸ یاترا کتھا

اتوار ۲۵ر ستمبر

صبح
۴۵- ۷ شوبھا دکشت ، مجدد نیازی
سگم سنگیت

دوپہر
۱۰- ۱ آج اتوار ہے
تل اور تاڑ: ڈرامہ
مصنف ڈاکٹر جتندر چندر بھارتی

شام
۳۰- ۴ سنسکرت پروگرام
۱۵- ۸ شیل نگم: گیت اور غزل
۳۰- ۸ پرادیشک سماچار درشن

پیر ۲۶ر ستمبر

صبح
۴۵- ۷ کنیکا مکھرجی، کیلاش سریواستو
سگم سنگیت
۱۰- ۹ اور شب ۴۵-۹
وِدیا کانگڑے: خیال

دوپہر
۰۰- ۱۲ اور شب ۱۵-۸
عظیم اللہ اور ساتھی: نعت

شام
۳۰- ۷ یووا مانس
نیائے دیر سے ملا تو کیا ملا: فیچر
۰۰- ۸ دیش ودیش
چندر ودئے دکشت

منگل ۲۷ر ستمبر

صبح
۴۵- ۷ راجیندر مہتہ ، نینا مہتہ
سگم سنگیت
۱۰- ۹ منّن خاں: طبلہ سولو

دوپہر
۰۰- ۱۲ اور شب ۱۵-۸
انجلی بھٹاچاریہ: گیت اور بھجن
۰۰- ۸ بکھرتے رِشتے
تحریر و پیشکش: راجیش شرما

بدھ ۲۸ر ستمبر

صبح ۴۵- ۷ کرشنا کٹے ، ہری ہرن
سگم سنگیت
۱۰- ۹ افضال حسین نگینہ: ٹھمری

دوپہر
۰۰- ۱۲ اور شب ۱۵-۸
ریتا گنگولی: گیت اور بھجن
۱۰- ۱ افضال حسین نگینہ: ٹھمری
سپربھات پال: سرود وادن

شب
۳۰- ۱۰ سپربھات پال: سرود وادن

جمعرات ۲۹ر ستمبر

صبح
۴۵- ۷ سرسوتی ورما
سگم سنگیت ، کورس
۱۰- ۹ اور شب ۳۰-۱۰
گنیش پرساد مصر: خیال

دوپہر
۰۰- ۱۲ اور شب ۱۵-۸
بی پی رشی: گیت اور بھجن

شب
۰۰- ۸ سارو جنک چھیتر کے سنستھانوں
کی کاریہ کشلتا: بات چیت
ڈاکٹر ایچ جی پی سریواستو

جمعہ ۳۰ر ستمبر

صبح
۴۵- ۷ دلراج کور، شنکر شمبھو قوال
اور ساتھی: سگم سنگیت
۱۰- ۹ اور شب ۳۰-۱۰
معبود حسین: کلارینٹ وادن

دوپہر
۰۰- ۱۲ اور شب ۱۵-۸
بھگونت سنگھ: گیت اور بھجن

شب
۰۰- ۸ سنسکرت پروگرام
۳۰- ۹ سنسکرت پتریکا پروگرام

آجکل میں اشتہار
دیکر اپنی تجارت
کو فروغ دیجئے

رامپور

۳۳۶ء۷ میٹر (۸۹۱ کلو ہرٹز)

خبریں

ہندی/انگریزی: صبح ۶-۰۰ (مالی) ہندی: ۸-۰۰ دوپہر ۱-۰۵ اور ۲-۱۰ شام ۶-۰۵ رات ۸-۴۵ انگریزی: صبح ۸-۱۰ دوپہر ۲-۰۰ رات ۹-۰۰
اردو: صبح ۸-۵۰ اور رات ۹-۱۵ سماچار پترھندی: صبح ۹-۰۰
ضلع کی چٹھی: صبح ۹-۰۵ پرادیشک سماچار: شام ۷-۲۰

روزانہ نشر ہونیوالے پروگرام

پہلی مجلس

صبح

۵-۵۵ وندے ماترم، ارپھک، دھگوشنا منگل دھونی
۶-۳۵ آج کا چنتن (علاوہ جمعہ)
جمعہ: گاندھی چرچا
۶-۴۰ سنو کسانوں
۶-۵۵ پروگراموں کا خلاصہ
۷-۱۵ روزگار سماچار
۷-۳۰ شاستر سنگیت (علاوہ جمعہ، اتوار)
جمعہ: کاویہ سوربھ/واتائن
اتوار: آج اتوار ہے
۷-۴۵ سنسکرت پروگرام (ہر جمعرات کو)
درپن (ہر جمعہ کو)
سگم سنگیت
(صرف پیر، منگل، بدھ اور ہفتہ کو)
۸-۲۰ لوک گیت
۸-۳۰ اردو پروگرام (ہر جمعہ کو)
۹-۱۰ تا ۱۰-۰۰
بال جگت (ہر اتوار کو)

دوسری مجلس

دوپہر

۱۲-۳۰ آپ کے لیے (ہر اتوار کو)
فلمی قوالی (ہر پیر کو)
آپ کی پسند
(ہر منگل اور جمعرات کو)
سور سنگم (ہر بدھ کو)
دھنک (ہر جمعہ کو)
ترنگ (ہر ہفتہ کو)
۱۲-۴۵ آپ کی چٹھی ملی (ہر اتوار کو)
۱-۰۰ پروگراموں کا خلاصہ
۱-۱۰ پریوار جگت (ہر اتوار کو)
مہلا جگت (ہر پیر کو)
دھرتی گاتی ہے
(پہلے تیسرے اور پانچویں منگل کو)
پھلواڑی/راگ
(دوسرے اور چوتھے منگل کو)
گرامین مہلاؤں کے لیے
(ہر بدھ کو)
گلیتکا (ہر جمعرات کو)
نعت اور قوالی (ہر جمعہ کو)
سواستھ سندیش (ہر ہفتہ کو)
۱-۳۰ جوانوں کے لیے (ہر ہفتہ کو)
۲-۲۰ چترپٹ سنگیت (ایک ہی کلاکار)
۲-۳۵ آس پاس (ہر اتوار)

تیسری مجلس

شام

۶-۰۰ پروگراموں کا خلاصہ
۶-۱۰ علاقائی سوچنائیں
۶-۳۰ یو وا وانی
۷-۰۰ کرشی جگت
۷-۴۵ پریوار کلیان پرشن وتری (ہر اتوار کو)
اردو پروگرام (ہر پیر کو)
انگریزی تقریر (پہلے اور تیسرے بدھ کو)
آپ نے لکھا ہے
(دوسرے اور چوتھے بدھ کو)
شرتاؤں کے بیچ (پانچویں بدھ کو)
آپ کی چٹھی ملی (ہر جمعرات کو)
لیجیے پھر سنیے (ہر جمعہ کو)
ہندی تقریر (ہر ہفتہ کو)
۸-۰۰ سگم سنگیت (علاوہ اتوار اور منگل)
اتوار: جوئے بار
منگل: سنسکرت پروگرام
۸-۱۵ پرادیشک سماچار درشن
(ہر اتوار کو)
شاستریہ سنگیت
(پیر، بدھ، جمعرات اور ہفتہ کو)
۸-۳۰ وادیہ ورند (ہر منگل کو)
۸-۳۰ ساز اور آواز
۹-۳۰ چہاربیت (ہر اتوار کو)
ناٹک (ہر جمعہ کو)
۹-۴۵ آپ کی پسند (ہر اتوار کو)
وادیہ ورند (پیر اور منگل کو)
۱۰-۰۰ وچار دھارا (ہر دوسرے پیر کو)
محفل (پانچویں پیر کو)

جمعہ ۱۶ ستمبر

صبح

۷-۳۰ واتائن
'سائنس ۔ انسان کی خدمت کیلئے'
تقریر از ڈاکٹر ڈی سی جوشی
۷-۴۵ درپن
سندیش گیتانجلی
۸-۳۰ آہنگ : اردو پروگرام
'رفتار ادب' میگزین
(۱) اردو کی ترویج کے ادارے
'مہاراشٹر اردو اکیڈمی' تقریر از
خواجہ عبدالغفور
(۲) 'اسرار قرآنی کی تجدید کا دن ۔ عید الفطر'
تقریر از مولوی نفیس احمد

دوپہر

۱-۴۰ پروین سلطانہ : گائن

رات

۸-۱۵ گیان پرکاش اور وی بلارا
ہارمونیم پیانو ٹیگلبندی

ہفتہ ۱۷ ستمبر

صبح

۸-۰۰ نورجہاں : سگم سنگیت
۸-۱۰ نثار حسین : طبلہ وادن

اتوار ۱۸ ستمبر

دوپہر

۱-۱۰ پریوار جگت
(۱) 'دو دالوں کی منوگیانک سمیا' مذاکرہ
(۲) غزلیں

رات

۸-۰۰ جگدیش سنگھ : غزلیں
۹-۳۰ لیاقت حسین وساتھی : چہاربیت

پیر ۱۹ ستمبر

صبح

۷-۴۵ بیگم اختر : غزلیں

دوپہر

۱-۱۰ بندیا
(۱) 'ڈاکٹر اینی بیسنٹ کی بھارتیہ سماج کو دین'
تقریر
(۲) کہانی
(۳) سمسیا سمادھان
(۴) گیت

شام

۷-۴۵ اردو کی نئی کتابوں کی پرتبصرہ
از نظام ہاتف
۸-۰۰ اوشا شنڈے، راحت علی :
سگم سنگیت

منگل ۲۰ ستمبر

صبح

۷-۴۵، رات ۸-۰۰
سشما جوشی : سگم سنگیت
۸-۲۱ پرتبھا پی دیو : لوک گیت

دوپہر

۱-۴۰ نکھل بنرجی : ستار

رات

۸-۱۰ لکشمی شنکر : گائن

بدھ ۲۱ ستمبر

صبح

۷-۳۰، دوپہر ۱-۴۰، رات ۸-۱۰
نثار حسین خاں : گائن
۷-۴۵، رات ۸-۰۰
مجدد نیازی : سگم سنگیت

شام

۷-۴۵ 'میرے خیال میں وشو ودیالیہ کی پڑھائی'
تقریر از جی ایس مشرا

جمعرات ۲۲ ستمبر

صبح

۷-۳۰ سدیپ کمار مترا : گٹار
۷-۴۵ ساہتیہ سدھا، سنسکرت پروگرام
'سنسکرت ناٹک اور بھارت' تقریر

دوپہر

۱-۴۰، رات ۸-۱۰
رگھوناتھ سیٹھ : بانسری

رات

۸-۰۰ جوئے بار
خورشید علی خاں : غزلیں

جمعہ ۲۳ ستمبر

صبح

۷-۳۰ کاویہ سوربھ
گیان وتی سکسینہ اور بانکے لال سارسوت :
کویتا پاٹھ
۷-۴۵ 'منشی کا کا' مزاحیہ فیچر
تحریر : چندر پرکاش
۸-۲۰ (۱) 'پتہ پتہ بوٹا بوٹا'
'منیر شکوہ آبادی'
تحریر : ڈاکٹر لطیف حسین ادیب
(۲) کردار جو یاد رہ گئے 'کھڑک بہادر'
تحریر : مسرت حسین خاں آزاد

دوپہر

۱-۴۰، رات ۸-۱۵
استاد بڑے غلام علی خاں : گائن

ہفتہ ۲۴ ستمبر

رات

۸-۰۰ ارملا دوہرا : سگم سنگیت
۸-۱۰ شیو کمار شرما : سنتور

اتوار ۲۵ ستمبر

دوپہر

۱-۱۰ پریوار جگت
(۱) 'پریاورن، پردوشن اور جن سواستھ'
تقریر
(۲) 'وشیہ اور وشنگیہ ماتا پتا کی بھومیکا'
تقریر

رات

۸-۰۰ سخاوت حسین : غزلیں
۹-۳۰ شاکر حسین وساتھی : چہاربیت

پیر ۲۶ ستمبر

صبح

۷-۴۵ شیلا گلواڑی : سگم سنگیت

دوپہر

۱-۱۰ بندیا

(۱) 'سماجک تبدیلی اور مہلائیں' مباحثہ
(۲) گیت
(۳) 'جب بچے کا من پڑھائی میں نہ لگے' تقریر

بہادر خاں ، سرود

'اس سہ ماہی میں شائع ہونیوالے اردو کے ادبی رسالوں کا جائزہ'
شرکا: حبیب سوز، ہوش نظامی اور سرفراز عثمانی

ورندگان
آکاشوانی رامپور کورل گروپ

منگل ۲۷ ستمبر

اوشا سیٹھ ، سگم سنگیت

رات ۸-۱۰
بھیم سین جوشی ، گائن

آشا بھونسلے ، گیت

بدھ ۲۸ ستمبر

وسنت راؤ دیشپانڈے ، گائن
شوبھا ماتھر ، سگم سنگیت

رات ۸-۱۰
این۔ راجم ، وائلن

رات
۸-۰۰ جوتیکا رائے ، سگم سنگیت

جمعرات ۲۹ ستمبر

صبح
۷-۳۰ رام چندر بھٹ ، طبلہ
۷-۴۵ ساہتیہ سدھا ، سنسکرت پروگرام
'گیتا کا نشکم کرم یوگ'
از مینا ترپاٹھی

دوپہر
۱-۴۰ لطافت حسین خاں ، گائن

رات
۸-۰۰ جوٹے بار
جمیل احمد ، غزلیں
۸-۱۰ پنڈت جسراج ، گائن

جمعہ ۳۰ ستمبر

صبح
۷-۳۰ واتاٹن
'اورجا شکتی اور سمادھان'
تقریر از سوشیل چند جوشی
۷-۴۵ سندیش گیتانجلی
۸-۳۰ آہنگ ، اردو پروگرام
'کیا کیا رنگ محبت کے' فیچر
تحریر ، نفیس صدیقی
پیشکش ، محمد علی موج

دوپہر
۱-۴۰ نبی جان خاں ، کلارنٹ

رات
۸-۱۵ محفوظ علی خاں ، طبلہ

بقیہ:

دہلی

گاندھی چرچا
اولوکن
ناٹک
کرناٹک سنگیت
ڈاکٹر الیس راماناتھن ، گائن
'دہلی ب'
صبح
سنگیت سوربھی
استاد فیاض خاں ، گائن
سگم ، تامل گیت

۹-۱۰ لوک مادھوری
راجستھانی لوک گیت

دوپہر
۳-۱۵ ، ۴-۲۰
سگم سنگیت
۳-۳۰ کرناٹک سنگیت
ڈاکٹر الیس راماناتھن ، گائن

شام
۶-۴۵ ، ۸-۴۵
چندر کانت گندھرو :
ملتانی کافی اور غزلیں

جالندھر چنڈی گڑھ

جالندھر 'الف' ۳۴۳.۶ میٹر، ۸۷۳ کلوہرٹز جالندھر 'ب' ۲۲۴.۳ میٹر، ۱۳۴۰ کلوہرٹز
چنڈی گڑھ ۲۰۹.۷ میٹر ۱۴۳۰ کلوہرٹز (شام ۶-۱۰ تا ۲-۳۰ ۔ ہیمک)

خبریں

ہندی: صبح ۸-۰۰ ، دوپہر ۱-۰۵ ، ۲-۱۰ ، ۲-۴۵ (دھیمی رفتار سے) شام ۶-۰۵ ، ۶-۲۰ (پرادیشک سماچار) رات ۸-۴۵ ، ۸-۵۰ ، ۱۱-۰۰
پنجابی: صبح ۸-۳۰ دوپہر ۱-۴۰ شام ۶-۱۰ (پرادیشک سماچار) شام ۷-۳۰ انگریزی: صبح ۸-۱۰ دوپہر ۱-۰۰ رات ۹-۰۰ اور ۱۱-۰۰
اردو: صبح ۸-۵۰ دوپہر ۱-۵۰ رات ۹-۱۵ (خبریں) ۹-۲۵ تبصرہ روزگار سماچار: شام ۷-۴۰

روزانہ نشر ہونیوالے پروگرام

جالندھر 'الف'
صبح
۵-۵۵ بندے ماترم اور منگل دھونی
۶-۰۵ آرادھنا : بھگتی سنگیت
۶-۳۵ موسم اور کھیتی باڑی
۶-۴۰ پریچے : پروگراموں کا خلاصہ
۶-۴۵ آسادی وار (اتوار)
۷-۰۵ امرت بودھ
۷-۳۰ رام چرت مانس (اتوار)
۹-۰۵ سامائکی
۱-۰۵ فوجی بھائیوں کے لیے
۲-۰۰ موسم اور اتت کھیتی
۲-۲۰ سگم سنگیت
شام
۵-۳۰ گوروانی وچار
۶-۰۰ صوبائی خبریں اور پروگراموں کا خلاصہ
۶-۱۰ پرادیشک خبریں (پنجابی)
۶-۲۰ پرادیشک خبریں (ہندی)
۶-۳۰ دیہاتی پروگرام
۷-۴۰ روزگار خبریں
۹-۱۵ اردو میں تبصرہ
جالندھر 'ب'
صبح
۱۰-۱۰ اسکول براڈکاسٹ
شام
۶-۰۰ یووانی پروگرام
۶-۴۵ یونیورسٹی پروگرام
۷-۰۰ پنجابی میں رنگا رنگ پروگرام
۸-۰۰ اختتام

جمعہ ۱۶ ستمبر

صبح
۷-۱۵ ، دوپہر ۱۲-۰۰ ، رات ۱۰-۳۰
غلام مصطفےٰ خاں : خیال
۸-۵۰ محمد تقی قوال و ساتھی ، صوفیانہ کلام
۹-۱۵ ، دوپہر ۱۲-۳۰ ، شام ۷-۴۵
سلیم اقبال : نعتیں اور کافی

دوپہر
۲-۳۰ ، رات ۱۰-۱۵
طفیل نیازی اور جاوید طفیل :
لوک گیت
۵-۱۵ مول چند بھٹی ، لوک گیت

رات
۸-۰۰ پرگتی کی راہ پر بڑھتے ہمارے قدم
'سواستھ کے چھیتر میں'
ہندی تقریر از ڈاکٹر آر ڈی نار
۹-۳۰ 'ندی پیاسی تھی' ، ہندی ناٹک
تحریر : دھرم ویر بھارتی

ہفتہ ۱۷ ستمبر

صبح
۶-۴۵ شبد
۷-۱۵ کتھا لوک
۷-۳۰ جگموہن سہگل ، ستار
۷-۴۵ شوبھا گرتو : ٹھمری ، دادرا
۸-۲۰ ، دوپہر ۱۲-۱۵
پرمیندر پھل : شبد اور گیت
۹-۱۵ / شام ۷-۴۵
راکیش دیپ : غزلیں

دوپہر
۱۲-۰۰ جگموہن سہگل : ستار
۱۲-۳۰ لوک سنگیت

رات
۸-۱۰ پنجابی گیت
۹-۳۰ نلانی کرشنا مورتی ، گائن

اتوار ۱۸ ستمبر

صبح
۶-۴۵ آسادی وار
۷-۴۵ پرتی بمب
۸-۲۰ مسیحی بھجن
۹-۱۵ بچوں کیلئے
۱۰-۰۰ ہفتہ وار زرعی پروگرام
۱۰-۳۰ فرمائشی فلمی گیت
دوپہر
۱۲-۰۰ ملک ارجن منصور ، گائن
۱۲-۱۵ پشپا ہنس اور چندر کانتا :
گیت اور غزل
۲-۳۰ امریک سنگھ غازی ننگل : لوک گیت

۱۵ - ۵ کرتار سنگھ چانن ڈھاڈی وساتھی،
واراں

رات

۳۰ - ۸ سیما شرما، کویتا دھمن اور
سریندر سنگھ سمن، گیت
۰۰ - ۱۰ شبد گائن
۳۰ - ۱۰ استاد علاؤالدین خاں، سرود

پیر ۱۹ ستمبر

صبح

۴۵ - ۶ بھجن
۳۰ - ۷ 'چتر پنڈت'، پنڈت وی این بھاتکھنڈے
کی زندگی اور فن پر مبنی پروگرام
پیشکش: بلبیر سنگھ کلسی
۲۰ - ۸، رات ۱۵ - ۱۰
گوردیپ سنگھ، لوک گیت
۱۵ - ۹، رات ۱۵ - ۸
سری رام، غزلیں

دوپہر

۰۰ - ۱۲ فرمائشی پنجابی گیت
۳۰ - ۲ سروجیت، لوک گیت
۰۵ - ۵ دیہی بچوں کیلئے

رات ۹

۳۰ - ۹ پنجابی ناٹک
۳۰ - ۱۰ راجن مشرا، ساجن مشرا: گائن

منگل ۲۰ ستمبر

صبح

۴۵ - ۶ شبد
۳۰ - ۷ وی۔ این۔ پٹوردھن: خیال
۲۰ - ۸، سہ پہر ۰۵ - ۵
پنجابی گیت
۵۰ - ۸ امریک سنگھ ہرگوبند پوری: لوک گیت

دوپہر

۰۰ - ۱۲ نالے گلاں نالے گیت
۳۰ - ۲ امرجیت سنگھ گورداسپوری، لوک گیت
۱۵ - ۵ گودھاری لال وساتھی: بھینٹاں

شام

۴۵ - ۷ شریکانت باکرے، سدھ سنگیت
۰۰ - ۱۰ دھروے گھوش، سارنگی وادن
ابھے نارائن: طبلہ سنگت

بدھ ۲۱ ستمبر

صبح

۴۵ - ۶ بھجن
۳۰ - ۷، رات ۳۰ - ۱۰
بلبیر سیٹھ، خیال
۴۵ - ۷، رات ۴۵ - ۱۰
این۔ راجم، وائلن
۵۰ - ۸ ہربجن سنگھ ناہل اور ساتھی،
لوک گیت
۱۵ - ۹، دوپہر ۱۵ - ۱۲، شام ۴۵ - ۷
بھائی دیویندر سنگھ راگی: شبد

دوپہر

۰۰ - ۱۲ حفیظ احمد خاں، خیال
۳۰ - ۲ کرنیل سنگھ گل: لوک گیت
۰۵ - ۵ ننھے منوں کیلئے

رات

۳۰ - ۹ فرمائشی فلمی گانے

جمعرات ۲۲ ستمبر

صبح

۴۵ - ۶ شبد
۳۰ - ۷، دوپہر ۰۰ - ۱۲
بھگوان داس سینی، خیال
۵۰ - ۷ چترلال: طبلہ
۲۰ - ۸ اکبر علی یودھا، لوک گیت
۱۵ - ۹، دوپہر ۱۵ - ۱۲، شام ۵۰ - ۷
راجکمار: بھجن، گیت، غزل
اور کافی

دوپہر

۳۰ - ۲ رنجیت کور: لوک گیت
۱۵ - ۵ محمد صدیق، لوک گیت

رات

۳۰ - ۹ نیشنل پروگرام: ناٹک
۳۰ - ۱۰ پنڈت جسراج: گائن

جمعہ ۲۳ ستمبر

صبح

۳۰ - ۷، دوپہر ۰۰ - ۱۲، رات ۳۰ - ۱۰
علی حسین وساتھی: شہنائی
۲۰ - ۸، دوپہر ۳۰ - ۱۲
گوربچن سنگھ بچن، شبد
۵۰ - ۸ محمد تغق قوال وساتھی، صوفیانہ کلام
۱۵ - ۹، شام ۴۵ - ۷
راجندر سنگھ باوا، غزلیں

دوپہر

۳۰ - ۲ جیون سنگھ چندن اور ساتھی،
لوک گیت
۱۵ - ۵ پرومیلا پمی، لوک گیت

رات

۳۰ - ۹ ہندی ناٹک
۱۵ - ۱۰ لال چند یملا جٹ وساتھی: لوک گیت

ہفتہ ۲۴ ستمبر

صبح

۴۵ - ۶ شبد
۱۵ - ۷ کتھا لوک
۳۰ - ۷، دوپہر ۰۰ - ۱۲
پرشوتم داس مہتہ: ستار
رنجیت سنگھ: طبلہ سنگت
۵۰ - ۷ ڈی وی پلسکر: گائن
۲۰ - ۸ لکھبیر سنگھ: بھجن
۱۵ - ۹، دوپہر ۱۵ - ۱۲
صلاح الدین احمد: غزلیں

دوپہر

۳۰ - ۱۲ جگت رام لکھا وساتھی، لوک گیت
۱۵ - ۵ چرن سنگھ کنگن پوری، لوک گیت

رات

۳۰ - ۹ نیشنل پروگرام، موسیقی
علی احمد حسین: شہنائی

اتوار ۲۵ ستمبر

صبح

۴۵ - ۷ پرتی بمب
۲۰ - ۸ مسیحی بھجن
۱۵ - ۹ بچوں کیلئے
۰۰ - ۱۰ ہفتہ وار زرعی پروگرام
۳۰ - ۱۰ فرمائشی فلمی گیت

دوپہر

۰۰ - ۱۲، رات ۳۰ - ۱۰
استاد بڑے غلام علی خاں،
ٹھمری اور خیال
۱۵ - ۱۲، رات ۳۰ - ۸
دویندر کور: پنجابی گیت
۳۰ - ۲ یگا سنگھ یوگی وساتھی، کاویشری
۱۵ - ۵ موہن سنگھ بھنڈا وساتھی، لوک گیت

رات

۰۰ - ۱۰ شبد گائن

پیر ۲۶ ستمبر

صبح

۴۵ - ۶ بھجن
۳۰ - ۷، رات ۳۰ - ۱۰
اجیت سنگھ پٹیل، خیال
۲۰ - ۸ ملکھی رام، لوک گیت
۱۵ - ۹ پشپا ہنس اور چندر کانتا،
گیت و[illegible]

دوپہر

۰۰ - ۱۲ فرمائشی پنجابی گیت
۳۰ - ۲ پرگن سنگھ تھبی: لوک گیت
۰۵ - ۵ دیہی بچوں کیلئے

شام

۴۵ - ۷ پشپا ہنس: گیت
۳۰ - ۹ پنجابی گیت
۱۵ - ۱۰ نریندر بیبا: لوک گیت

منگل ۲۷ ستمبر

صبح

۳۰ - ۷، شام ۴۵ - ۷
پرکاش وڈھیرو: بانسری
۵۰ - ۸ ہنس راج وساتھی، بھینٹاں
۱۵ - ۹ جاگرت

دوپہر

۰۰ - ۱۲ نالے گلاں نالے گیت
۳۰ - ۲ کشمیر سنگھ شمبھو: لوک گیت
۱۵ - ۵ راجندر سنگھ دردی وساتھی،
لوک گیت

رات

۰۰ - ۱۰ سریلا بنرجی، گائن

بدھ ۲۸ ستمبر

صبح

۴۵ - ۶ بھجن
۳۰ - ۷، رات ۳۰ - ۱۰
سوہن سنگھ: گائن
پورن کمار ورما: طبلہ سنگت
۵۰ - ۸ گورچرن سنگھ گوالواڑ ڈھاڈی وساتھی
واراں
۱۵ - ۹، دوپہر ۱۵ - ۱۲، شام ۴۵ - ۷
بھائی ہربنس سنگھ راگی اور ساتھی،
شبد

دوپہر

۰۰ - ۱۲ پورن کمار ورما: طبلہ وادن
۳۰ - ۲ لکھبیر سنگھ مست اور ساتھی،
کاویشری شہید بھگت سنگھ
۰۵ - ۵ ننھے منوں کیلئے

رات

۳۰ - ۹ فرمائشی فلمی گیت

جمعرات ۲۹ ستمبر

شبد
رات ۱۰-۳۰
بدھ دتیہ مکرجی: ستار وادن
شام ۷-۰۵
ستونت سنگھ: بھجن اور غزلیں
پریتی بالا: لوک گیت

پنڈت اومکارناتھ ٹھاکر: گائن
سہ پہر ۵-۰۵
میرا گاندھی: گیت، پنجابی گیت
ناہر سنگھ پنچھی اور دھرم سنگھ سکھوں: لوک گیت
سورن لتا: لوک گیت

پریم پاٹھک: لوک گیت

جمعہ ۳۰ ستمبر

بھجن
دوپہر ۱۲-۰۰
کمار گندھرو: گائن
دوپہر ۱۲-۳۰
سوشیل ہل: گیت، غزلیں
رات ۱۰-۱۵
پورن شاہکوٹی: صوفیانہ کلام اور لوک گیت
شام ۷-۴۵
بھائی امریک سنگھ امر اور ساتھی: شبد

رنجنا: لوک گیت
غمدور سنگھ امن اور ساتھی: لوک گیت

پنجابی ناٹک
شوکمار شرما: سنطور وادن

روہتک

میڈیم ویو [illegible] کلوہرٹز

خبریں

ہندی: صبح ۸-۰۰، دوپہر ۱-۰۵، شام ۶-۰۵، رات ۸-۲۵
انگریزی: صبح ۸-۱۰، دوپہر ۱-۰۰، شام ۶-۰۰، رات ۹-۰۰

روزانہ نشر ہونے والے پروگرام

صبح
۶-۲۰ اور ۷-۰۵ شام
بھگتی سنگیت
۶-۵۵ کھیتی باڑی
۷-۰۵ پروگراموں کا خلاصہ
۷-۲۵ ڈسٹرکٹ نیوز لیٹر
۸-۰۰ لوک سنگیت (اتوار کو بچوں کیلئے)
۸-۴۰ سب رس
دوپہر
۱-۱۰ فلمی سنگیت
۱-۴۰ اسکول براڈکاسٹ (سوائے ہفتہ، اتوار اور تعطیلات)
۲-۲۰ لوک سنگیت
شام
۵-۳۰ یوواسنسار
۶-۱۰ علاقائی لوک سنگیت (بدھ کو نغمے)
۷-۰۰ گرامین سنسار
۷-۳۰ روزگار سماچار
۹-۱۶ ایک فلم سے / جمعرات کو آپ کا خط ملا

جمعہ ۱۶ ستمبر

صبح
۷-۱۰، شام ۷-۴۵
وید سیٹھی، سگم سنگیت
۷-۲۵ سونی پت ضلع کی چٹھی
۷-۳۰، رات ۱۰-۰۰
شری کانت باکرے: کلاسیکی موسیقی
۸-۲۰ لوک سنگیت
۸-۳۰ گاندھی چرچا
دوپہر
۱۲-۳۰ گاتی پنکتی
۱-۰۰ ورندگان
۲-۲۰ بلبیر سنگھ اور شنکر داس وساتھی؛ لوک سنگیت
شام
۵-۳۰ یوواسنسار
۶-۱۰ راگنی سانگوں سے
۶-۳۰ کرشی جگت
۷-۰۰ گرامین سنسار
۸-۰۰ کھیل جگت
۸-۳۰ سورمنجری
۹-۱۶ ایک فلم سے 'بابی'
۹-۳۰ تیسرے پہر کی دھوپ

ہفتہ ۱۷ ستمبر

صبح
۷-۱۰، شام ۷-۴۵
ساوتری مکرجی: سگم سنگیت
۷-۲۵ سرسہ ضلع کی چٹھی
۷-۳۰ درگا پرساد: کلاسیکی موسیقی
۸-۲۱ لوک سنگیت
دوپہر
۱۲-۳۰ بھیرینیٹے
۱-۰۰ ورندگان
۲-۲۰ رادھے شیام سینی اور ناتھی رام شرما: لوک سنگیت
شام
۵-۳۰ یوواسنسار
۶-۱۰ راگنی سانگوں
۷-۰۰ گرامین سنسار
۸-۰۰ ہریانہ درشن
۸-۳۰ سورمنجری
۹-۱۶ ایک فلم سے 'نذرانہ'
۹-۳۰ نیشنل پروگرام: موسیقی

اتوار ۱۸ ستمبر

صبح
۷-۱۰، شام ۷-۴۵
یش شرما، سگم سنگیت
۷-۲۵ فرید آباد ضلع کی چٹھی
۷-۳۰ وسنت راؤ دیشپانڈے، کلاسیکی موسیقی
۸-۲۱ بال کنج
۹-۰۵ اس ماہ کا گیت
دوپہر
۱۲-۳۰ ناری جگت
۱-۰۰ کھلا آکاش
۲-۲۰ مانگے رام مراثی اور شیر سنگھ: لوک سنگیت
شام
۵-۳۰ یوواسنسار
۶-۱۰ پنجابی گیت
۶-۳۰ کرشی جگت
۷-۰۰ گرامین سنسار
۸-۰۰ آج اتوار ہے
۸-۳۰ سورمنجری
۹-۱۶ ایک فلم سے 'ساتھی'
۱۰-۰۰ پرانی فلموں سے

پیر ۱۹ ستمبر

صبح
۷-۱۰، شام ۷-۴۵
اسلم صابری وساتھی: سگم سنگیت
۷-۲۵ روہتک ضلع کی چٹھی
۷-۳۰، رات ۱۰-۰۰
پی-ایل-گوہکر: کلاسیکی موسیقی
۸-۲۱ لوک سنگیت
دوپہر
۱۲-۳۰ ملے جلے گانے
۱-۰۰ ورندگان
۲-۲۰ منپھول سنگھ اور پریم سنگھ، لوک سنگیت
شام
۵-۳۰ یوواسنسار (انگریزی)
۶-۱۰ سندھی گیت
۶-۳۰ کرشی جگت
۷-۰۰ گرامین سنسار
۸-۰۰ انگریزی تقریر
۸-۳۰ سورمنجری
۹-۱۶ ایک فلم سے 'صاحب بی بی اور غلام'

منگل ۲۰ ستمبر

صبح
۷-۱۰، شام ۷-۴۵
بلبیر سوہتی: سگم سنگیت
۷-۲۵ حصار ضلع کی چٹھی
۷-۳۰، ہری پرساد چورسیا: بانسری
۸-۲۱ لوک سنگیت
دوپہر
۱۲-۳۰ لائبریری سے انتخاب
۱-۰۰ ورندگان
۲-۲۰ سنیتا گریوال، دریاؤ سنگھ، چندر لال اور چھوٹے لال، لوک سنگیت

شام

۵-۳۰ یووا سنسار

میری پسند

۶-۱۰ ڈوگری گیت

۶-۳۰ کرشی جگت

۷-۰۰ گرامین سنسار

۸-۰۰ پنجابی کویتا پاٹھ

۸-۳۰ سور منجری

۹-۱۶ ایک فلم سے 'بے وفا'

۱۰-۰۰ پرانی فلموں سے

بدھ ۲۱ ستمبر

صبح

۷-۱۰، شام ۷-۴۵

سریندر سنگھ بیدی ؛ سگم سنگیت

۷-۲۵ انبالہ ضلع کی چٹھی

۷-۳۰ سنگھ بندھو ؛ راگ توڑی

۸-۲۱ لوک سنگیت

دوپہر

۱۲-۳۰ دھرتی کے گیت

۱-۰۰ کیرتن

۲-۲۰ شام لال مراثی اور سمیر سنگھ راکھی ؛ لوک سنگیت

شام

۵-۳۰ یووا سنسار

۶-۱۰ ننھے منے ؛ گیت، کہانی

۶-۳۰ کرشی جگت

۷-۰۰ گرامین سنسار

۸-۰۰ ہندی تقریر

۸-۳۰ سور منجری

۹-۱۶ ایک فلم سے

۱۰-۰۰ سنگھ بندھو ؛ راگ کلاوتی

جمعرات ۲۲ ستمبر

صبح

۷-۱۰، شام ۷-۴۵

شیلا کپور ؛ سگم سنگیت

۷-۲۵ بھوانی ضلع کی چٹھی

۷-۳۰ چلتے چلتے

۸-۲۱ لوک سنگیت

دوپہر

۱۲-۳۰ ساز اور آواز

۱-۰۰ ورندگان

۲-۲۰ کرن سنگھ سبھروال اور ٹھیکا رام ؛ لوک سنگیت

شام

۵-۳۰ یووا سنسار

سرگم

۶-۱۰ راگنی سانگوں سے

۶-۳۰ کرشی جگت

۷-۰۰ گرامین سنسار

بال منڈلی

۸-۰۰ گھر آنگن

۸-۳۰ سور منجری

۹-۱۶ آپ کا خط ملا

جمعہ ۲۳ ستمبر

صبح

۷-۱۰، شام ۷-۴۵

آشا اگروال ، سگم سنگیت

۷-۲۵ کرنال ضلع کی چٹھی

۷-۳۰ پنا لال سونگی ، کلاسیکی موسیقی

۸-۲۱ لوک سنگیت

۸-۳۰ گاندھی چرچا

دوپہر

۱۲-۳۰ گاتی پنکتی

۱-۰۰ ورندگان

۲-۲۰ ادم پرکاش اور منگت ناتھ وساتھی ؛ لوک سنگیت

شام

۵-۳۰ یووا سنسار

پتریکا

۶-۱۰ راگنی سانگوں سے

۶-۳۰ کرشی جگت

۷-۰۰ گرامین سنسار

لوک سنگیت

۸-۰۰ وکاس کلب

۸-۳۰ سور منجری

۹-۱۶ ایک فلم سے 'بے قصور'

۹-۳۰ ہلیتھ میگزین

ہفتہ ۲۴ ستمبر

صبح

۷-۱۰، شام ۷-۴۵

او. پی. کپور ، سگم سنگیت

۷-۲۵ گوڑگاؤں ضلع کی چٹھی

۷-۳۰ نکھل بنرجی ، کلاسیکی موسیقی

۸-۲۱ لوک سنگیت

دوپہر

۱۲-۳۰ پھر سنیے

۱-۰۰ ورندگان

۲-۲۰ وے نکمل اور ٹیگ چند چوہان ؛ لوک سنگیت

شام

۵-۳۰ یووا سنسار

سوال جواب

۶-۱۰ راگنی سانگوں سے

۶-۳۰ کرشی جگت

۷-۰۰ گرامین سنسار

۸-۰۰ ہریانہ درشن

۸-۳۰ سور منجری

۹-۱۶ ایک فلم سے 'آس پاس'

۹-۳۰ نیشنل پروگرام ، موسیقی

اتوار ۲۵ ستمبر

صبح

۷-۱۰، شام ۷-۴۵

پامیلا سنگھ ، سگم سنگیت

۷-۲۵ جیند ضلع کی چٹھی

۷-۳۰ استاد منور علی خاں ، راگ گجری توڑی اور سندھی بھیروں

۸-۲۱ بال کنج

۹-۰۵ اس ماہ کا گیت

دوپہر

۱۲-۳۰ ناری جگت

۱-۰۰ کھلا آکاش

۲-۲۰ پریم لتا ڈاگر اور شری پال سنگھ ؛ لوک سنگیت

شام

۵-۳۰ یووا سنسار

نوجوانوں کی پسند

۶-۱۰ پنجابی گیت

۶-۳۰ کرشی جگت

۷-۰۰ گرامین سنسار

آپ کی پسند

۸-۰۰ آج اتوار ہے

۸-۳۰ سور منجری

۹-۱۶ ایک فلم سے 'ساجن کی سہیلی'

۱۰-۰۰ پرانی فلموں سے

پیر ۲۶ ستمبر

صبح

۷-۱۰، شام ۷-۴۵

لکشمن داس سندھو ، سگم سنگیت

۷-۲۵ کورکشیتر ضلع کی چٹھی

۷-۳۰ کلاسیکی موسیقی

۸-۲۱ لوک سنگیت

دوپہر

۱۲-۳۰ ملے جلے گانے

۱-۰۰ ورندگان

۲-۲۰ رام مہر سنگھ اور کملا… لوک سنگیت

شام

۵-۳۰ یووا سنسار (انگریزی)

۶-۱۰ سندھی گیت

۶-۳۰ کرشی جگت

۸-۰۰ انگریزی میں تقریر

۸-۳۰ سور منجری

۹-۱۶ ایک فلم سے 'ساونگ کو آ…'

۹-۳۰ نیشنل پروگرام : ہندی…

منگل ۲۷ ستمبر

صبح

۷-۱۰، شام ۷-۴۵

رما ڈونگرے ، سگم سنگیت

۷-۲۵ مہندر گڑھ ضلع کی چٹھی

۷-۳۰ عبدالحلیم جعفر خاں ، کلاسیکی…

۸-۲۱ لوک سنگیت

دوپہر

۱۲-۳۰ لائبریری سے انتخاب

۱-۰۰ ورندگان

۲-۲۰ منشی رام سانگی اور سنیتا… لوک سنگیت

شام

۵-۳۰ یووا سنسار

میری پسند

۶-۱۰ ایک نور تے سب جگ اپجیا

۶-۳۰ کرشی جگت

۷-۰۰ گرامین سنسار

۸-۰۰ ہریانوی کویتا پاٹھ

۸-۳۰ سور منجری

۹-۱۶ ایک فلم سے 'سنینا'

۱۰-۰۰ پرانی فلموں سے

بدھ ۲۸ ستمبر

صبح

۷-۱۰، شام ۷-۴۵

رمیش کمار ، سگم سنگیت

۷-۲۵ سونی پت ضلع کی چٹھی

۷-۳۰ غلام علی پرویز ، کلاسیکی موسیقی

لوک سنگیت ۸ - …

دوپہر

۱۲ - … دھرتی کے گیت

۱ - … کتھ زنیں

۲ - … دھرم پال بیدی اور لیلورام سانگی ؛ لوک سنگیت

شام

۵ - … یووا سنسار

۶ - … ننھے منے : گیت، کہانی

۶ - … کرشی جگت

۷ - … گرامین سنسار

سوال جواب

۸ - … ہندی تقریر

۸ - … سورمنجری

۹ - … ایک فلم سے ' انصاف کا ترازو '

۹ - … چرچا کا وشیہ ہے

جمعرات ۲۹ ستمبر

صبح

… - ۷، شام ۷-۴۵

محمد سعید صابری ، سگم سنگیت

۷ - … سر سر ضلع کی چھٹی

۷ - … چلتے چلتے

۸ - … لوک سنگیت

دوپہر

۱۲ - … ایک رنگ

۱ - … ورندگان

۲ - … اندر سنگھ سانگی اور رام کرشن ورما و ساتھی ؛ لوک سنگیت

شام

۵ - … یووا سنسار

سرگم

۶ - … راگنی سانگوں سے

۶ - … کرشی جگت

۷ - … گرامین سنہار

بالک منڈلی

۸ - … گھر آنگن

۸ - … سورمنجری

۹ - … آدان پردان

۱۰ - … پرانی فلموں سے

جمعہ ۳۰ ستمبر

صبح

… - ۷، شام ۷-۴۵

(آگے ص ۴۶ پر)

شملہ

میڈیم ویو ۳۸۸٫۶ میٹر ۷۷۲ کلوہرٹز

شارٹ ویو صبح ۵-۴۵/۶-۴۵ سے ۷-۳۰ اور شام ۶-۰۰/۶-۳۰ سے رات ۱۲-۰۰

۹۳٫۰۹ میٹر ۳۲۲۳ کلوہرٹز

صبح ۷-۴۵ سے ۹-۳۰ اور ۹-۳۵ سے شام ۴-۳۵/۵-۳۵ اور

شام ۵-۰۰ سے ۶-۱۵ تک ۴۹٫۸۳ میٹر ۶٫۰۳ کلوہرٹز

خبریں

ہندی: صبح ۸-۰۰ دوپہر ۱-۰۵، ۲-۱۰ شام ۶-۰۵ اور رات ۸-۴۵

انگریزی: صبح ۸-۱۰ دوپہر ۱-۰۰، ۲-۰۰ اور رات ۹-۰۰

سنسکرت: صبح ۷-۰۰ اردو: صبح ۸-۵۰

روزانہ نشر ہونیوالے پروگرام

صبح

۶-۲۵ گیان امرت اور وندنا

۶-۵۰ کھیتی باڑی

۷-۰۵ پروگراموں کا خلاصہ

۷-۱۰ کلاسیکی موسیقی

۷-۲۰ سامائیکی

۷-۲۵ پہاڑی سنگیت

۹-۰۰ راجیہ کی چٹھی ، موسم کا حال

۹-۳۰ اختتام

دوپہر

۱۲-۰۰ اسکول براڈکاسٹ

۱۲-۲۰ اختتام

۱-۱۰ فوجی بھائیوں کے لیے پروگرام

۲-۲۰ سنہری کرنیں

۲-۳۰ سب رنگ

۳-۰۰ اختتام

شام

۵-۰۰ ہماچل پروگرام : لاہول سپتی (اتوار، منگل، جمعہ)

کنری پروگرام (پیر، جمعرات)

چمبا پانگی پروگرام (بدھ، ہفتہ)

۵-۳۰ کلوی پروگرام (اتوار، بدھ)

مہاسوی پروگرام (پیر، جمعہ)

سرمودی پروگرام (منگل، ہفتہ)

چنتو متو (جمعرات)

۶-۰۰ ضلع کی چٹھی ، پہاڑی دھن

۶-۱۵ کانگڑی پروگرام (اتوار، جمعرات)

منڈیالی پروگرام (پیر، جمعہ)

بلاسپوری پروگرام (منگل، ہفتہ)

خواتین کے لیے (بدھ)

۶-۱۰ مقامی اعلانات اور پروگراموں کا خلاصہ

۶-۴۵ علاقائی خبریں

۷-۰۵ کرشی جگت / دیہاتی ، بڈیو گوشٹھی

۷-۲۵ گرامین یووان کے لیے

۸-۰۰ دھارا رے گیت

۱۰-۳۰ اختتام (ہفتہ، منگل کو ۱۱-۰۵ بجے)

جمعہ ۱۶ ستمبر

صبح

۷-۱۰ پرارتھنا سبھا

۷-۴۰ ترنگ : کلام شاعر

۸-۲۱ سگم سنگیت

۸-۳۵ کیرتی بائی کیسر : گائن

للت توڑی

۹-۰۵ محفل

رات

۸-۱۵ سماچار درشن

۸-۲۵ سگم سنگیت

۸-۳۵ ساز سنگیت

۹-۱۶ ہندی تقریر

۹-۳۰ ڈرامہ

۱۰-۰۰ من بھاون

ہفتہ ۱۷ ستمبر

صبح

۷-۱۰ سندا پٹنایک : گائن ، جونپوری

۷-۴۰ پرکاش کرن

۸-۳۰ انگریزی سبق

۹-۰۵ رس دھارا

رات

۸-۱۵ ترلوک کپور : گیت، غزل

۹-۲۵ فلمی سنگیت

۹-۱۶ ہم درشن ہندی ہیں

علاقائی ریڈیو نیوز ریل

۹-۳۰ سنگیت کا نیشنل پروگرام

اتوار ۱۸ ستمبر

صبح

۷-۱۰ ساز سنگیت : طبلہ

۷-۴۰ دیش گان

۸-۲۱ آپ کی چٹھی آپ کی فرمائش

۹-۱۵ اِن دنوں

بھینٹ وارتاؤں پر مبنی پروگرام

۹-۳۰ ماس گان

۹-۴۵ وگیان اور جیون

۱۰-۰۰ یووا وانی

۱۱-۰۰ ڈرامہ

۱۲-۰۰ مشاعرہ

۱۲-۳۰ بال گوپال

۳-۰۰ ونیتا منڈل

رات

۸-۱۵ سماچار درشن

۸-۲۵ نیاز احمد ، فیاض احمد : گائن

۹-۱۶ قانون اور ویکتی

۹-۳۰ گیت پہاڑا رے

فرمائشی پہاڑی گانوں کا پروگرام

پیر ۱۹ ستمبر

صبح

۷-۱۰ پروین سلطانہ : گائن

۷-۴۰ جیون جوتی

۸-۲۱ شبد

۸-۳۵ آج کا بھارتیہ ناٹک

۹-۰۵ پرانی فلموں سے

رات

۸-۱۵ نیوز ریل اسپورٹس

۸-۳۰ دیش گان

۹-۱۶ ہم ترنگنی

۹-۳۰ ہندی تقریروں کا نیشنل پروگرام

۹-۴۵ ہریش بھاردواج : گیت، غزل

۱۰-۰۰ ایل کے پنڈت : گائن، بھوپالی

منگل ۲۰ ستمبر

صبح

۷-۱۰ ساز سنگیت

۷-۴۰ سنگیت

پریوار کلیان پر مبنی گیت

۷-۵۵ سمے کی بات

۸-۲۱ آرتی چٹرجی : گیت اور بھجن

۸-۳۵ گلو وادی

۹-۰۵ راگ چھایا

رات

۸-۱۵ صلاح الدین : غزلیں

۸-۲۵ سب رس

۹-۱۶ وکاس یاترا

۹-۳۰ انگریزی تقریروں کا نیشنل پروگرام

۹-۴۵ آرتی چٹرجی

۱۰-۰۰ منگل شب کی محفل موسیقی

بدھ ۲۱ ستمبر

صبح

۷-۱۰ کرناٹک سنگیت

۷-۴۰ جیون جیوتی

۸-۲۱ ٹھمری ، دادرا

۸-۳۵ امر بھارتی

۹-۰۵ ایک فلم کے گیت

رات

۸-۱۵ سماچار درشن
۸-۲۵ کمل ہنس پال: غزلیں
۸-۳۵ چھوٹے خاں: سارنگی
۹-۱۶ گھر آنگن
۹-۳۰ چرچا کا وشے ہے

جمعرات ۲۲ ستمبر

صبح

۷-۱۰ گجانن راؤ جوشی: گائن
۷-۴۰ اس ماس کا گیت
۸-۲۱ پنجابی گیت
۸-۳۵ ریڈیو ڈاکٹر: بات چیت
۹-۰۵ ایک کلاکار

رات

۸-۱۵ مدھو بالا چاولہ: غزلیں
۸-۲۵ پریوار کلیان
۸-۳۵ بھکتی سنگیت
۹-۱۶ آپ کا پتر ملا
۹-۳۰ کھیل پتریکا
۱۰-۰۰ بات چیت

جمعہ ۲۳ ستمبر

صبح

۷-۱۰ پرارتھنا سبھا
۷-۲۵ ریڈیو شروتا کلبوں سے
۷-۴۰ ترنگ: کلام شاعر
۷-۵۵ سمے کی بات
۸-۲۱ اقبال احمد صدیقی: گیت، غزل
۸-۳۵ ساز سنگیت: کلارینٹ
۹-۰۵ محفل

رات

۸-۱۵ سماچار درشن
۸-۲۵ گیت، غزل اور بھجن
۸-۳۵ ساز سنگیت: طبلہ
۹-۱۶ ہماچل پردیش کا ہوٹل اُدیوگ
۹-۳۰ ہندی ڈرامہ
۱۰-۰۰ من بھاون، فرمائشی فلمی گانے

ہفتہ ۲۴ ستمبر

صبح

۷-۱۰ گائن
۷-۴۰ پرکاش کرن
۸-۲۱ علاقائی سنگیت
۸-۳۰ انگریزی سبق

۹-۰۵ رس دھارا

رات

۸-۱۵ کاجل بنرجی: غزلیں
۸-۲۵ فلمی سنگیت
۹-۱۶ ہم درشن
ہندی میں علاقائی ریڈیو نیوز ریل
۹-۳۰ سنگیت کا نیشنل پروگرام
۹-۴۵ ساز سنگیت، شہنائی

اتوار ۲۵ ستمبر

صبح

۷-۱۰ ڈاکٹر این راجم: وائلن
۷-۴۰ دیش گیت
۸-۲۱ آپ کی چٹھی آپ کی فرمائش
۹-۱۵ اِن دنوں
۹-۳۰ مانس گان
۹-۴۵ وگیان اور جیون
۱۰-۰۰ یووا وانی
۱۱-۰۰ ڈرامہ

دوپہر

۱۲-۳۰ بال گوپال
۳-۰۰ ونیتا منڈل

رات

۸-۱۵ سماچار درشن
۸-۲۵ گائن
۹-۱۶ شرمکوں کے لیے
۹-۳۰ گیت پہاڑا رے
فرمائشی پہاڑی گانوں کا پروگرام

پیر ۲۶ ستمبر

صبح

۷-۱۰ گائن
۷-۴۰ جیون جیوتی
۸-۲۱ شبد
۸-۳۵ ہندی کویتا پاٹھ
۹-۰۵ پرانی فلموں سے

رات

۸-۱۵ نیوز ریل اسپورٹس
۸-۲۵ دیش گان
۹-۱۶ انگریزی تقریر
۹-۳۰ ہندی تقریروں کا نیشنل پروگرام
۹-۴۵ اوشا سیٹھ: غزلیں
۱۰-۰۰ گائن

منگل ۲۷ ستمبر

صبح

۷-۱۰ ساز سنگیت: ستار
۷-۴۰ سنگیت
۸-۲۱ سگم سنگیت
۸-۳۵ کھیل سمکشا
۹-۰۵ راگ چھایا

رات

۸-۱۵ مدھرما: غزلیں
۸-۲۵ سب رس
۹-۱۶ پریوار کلیان پروگرام
۹-۳۰ انگریزی تقریروں کا
نیشنل پروگرام
۹-۴۵ سگم سنگیت
۱۰-۰۰ منگل شب کی محفل موسیقی

بدھ ۲۸ ستمبر

صبح

۷-۱۰ کرناٹک سنگیت
۷-۴۰ جیون جیوتی
۸-۲۱ ٹھمری، دادرا
۸-۳۵ شاشوت وانی
۹-۰۵ ایک فلم کے گیت

رات

۸-۱۵ سماچار درشن
۸-۲۵ سگم سنگیت
۸-۳۵ وادیہ ورند
۹-۱۶ گھر آنگن
۹-۳۰ چرچا کا وشے ہے
۱۰-۰۰ آپ کے انورودھ پر

فرمائشی گانے

جمعرات ۲۹ ستمبر

صبح

۷-۱۰ گائن
۷-۴۰ اس ماس کا گیت
۸-۲۱ پنجابی گیت
۸-۳۵ ریڈیو ڈاکٹر: بات چیت
۹-۰۵ ایک کلاکار

رات

۸-۱۵ غزلیں
۸-۳۵ بھکتی سنگیت
۹-۱۶ آپ کا پتر ملا
۱۰-۰۰ مباحثہ

جمعہ ۳۰ ستمبر

صبح

۷-۱۰ پرارتھنا سبھا
۷-۲۵ ریڈیو شروتا کلبوں سے
۷-۴۰ ترنگ: کلام شاعر
۷-۵۵ سمے کی بات
۸-۲۱ سگم سنگیت
۹-۰۵ محفل

رات

۸-۱۵ سماچار درشن
۸-۲۵ سگم سنگت
۸-۳۵ ساز سنگیت: بانسری
۹-۱۶ بڑھتے قدم: بات چیت
۹-۳۰ روپک
۱۰-۰۰ من بھاون: فرمائشی گانے

بقیہ:

روہتک

جمیل شمسی قوال و ساتھی، سگم سنگیت
۷-۲۵ فرید آباد ضلع کی چٹھی
۷-۳۰، رات ۱۰-۰۰
پنڈت منی رام: کلاسیکی موسیقی
۸-۲۱ مہر سنگھ، لوک سنگیت
۸-۳۰ گاندھی چرچا

دوپہر

۱۲-۳۰ گاتی پنکتی
۱-۰۰ ورندگان
۲-۲۰ مہر سنگھ اور چتر سنگھ مراثی،
لوک سنگیت

شام

۵-۳۰ یووا سنسار
پتریکا
۶-۱۰ راگنی سانگوں سے
۶-۳۰ کرشی جگت
۷-۰۰ گرامین سنسار
۸-۳۰ سور منجری
۹-۱۶ ایک فلم سے 'پیارا دشمن'
۹-۳۰ ناٹک

ھوپال، رائپور، گوالیار، جبلپور

بھوپال الف ۱۲۰۲/۲۰۰ میٹر ۱۵۰۳ کلوہرٹز   بھوپال ب ۲۳۳۰۳ میٹر ۱۳۳۳ کلوہرٹز

شارٹ ویو

صبح ۳-۲۵/۵-۲۵ سے ۷-۳۵   ۳۳۱۵ کلوہرٹز
صبح ۸-۰۰ سے ۹-۳۰/۹-۳۵   ۷۱۸۰ کلوہرٹز
صبح ۹-۰۵ سے شام ۵-۱۵/۵-۳۵   ۹۶۹۰ کلوہرٹز
شام ۵-۳۰ سے رات ۱۲-۰۰   ۳۳۱۵ کلوہرٹز

رائے پور: ۹۰۵/۳۰۰ میٹر ۹۹۰ کلوہرٹز   گوالیار: ۲۱۶/۳ میٹر ۱۳۸۶ کلوہرٹز   جبلپور: ۲۰۳ میٹر ۱۴۷۸ کلوہرٹز

خبریں

...: صبح ۸-۰۰، ۹-۰۵ (پرادیشک) دوپہر ۱-۰۵، ۲-۱۰، ۲-۳۵، ۳ شام ۶-۰۵   رات ۸-۴۵ (۱۱-۰۵ صرف ہفتے کو)
...: صبح ۸-۱۰ دوپہر ۱-۰۰ شام ۶-۰۰ رات ۹-۰۰ (۱۱-۰۰ صرف ہفتے کو)

جمعہ ۱۶ ستمبر

... سورترنگنی
ہیرا دیوی مشر : گائن
۸... ، دوپہر ۱-۳۰
رودردت دوبے : سگم سنگیت
۹... اسکول براڈکاسٹ

۸... کہکشاں : اردو پروگرام
'جاں نثار اختر کا گھر آنگن'، تقریر
۹... 'سورما کا جنم'، ناٹک
تحریر : اشوک کمار سداما
۱۰... مہاشویتا بنرجی : ستار
۱۰... ہیرا دیوی مشر : گائن

ہفتہ ۱۷ ستمبر

صبح
۶... سورترنگنی
کے ایل سود : جلترنگ
۸... ، دوپہر ۱-۳۰
منجوشری مشرا : سگم سنگیت
۸... وی ڈی بروے : خیال
۹... اسکول براڈکاسٹ
دوپہر
۱... نئی رچنا
کہانی از نین ترپاٹھی
شام
۷-۴۵ کھلا آکاش
'آؤ کچھ کریں'، تقریر از
ڈاکٹر آر۔ بی۔ کٹھوریا
۹... نیشنل پروگرام : موسیقی

اتوار ۱۸ ستمبر

صبح
۶-۳۵ سورترنگنی
ایم ایس گرتسنن : وائلن
۷-۴۵ گت سپتاہ نگریں
۹-۴۰ اس ماس کا گیت
۹-۵۰ بدھ سنگیت
سشما سنگھ : گائن
۱۰-۰۰ ششو لوک
۱۰-۳۰ نیشنل پروگرام : ناٹک
دوپہر
۱-۴۰ راگداری
سشما سنگھ : خیال
۲-۱۰ کسانوں کیلئے
رات
۸-۳۰ یہ جیون ہے

پیر ۱۹ ستمبر

صبح
۶-۳۵ سورترنگنی
راجن مشرا، ساجن مشرا : گائن
۸-۲۱ راگھویندر نارائن شرما : سگم سنگیت
رحمت علی خاں : سرود
دوپہر
۱-۱۰ درپن
سامعین کے خطوں کے جواب
۲-۱۰ کسانوں کیلئے
رات
۹-۴۵ اس ماس کا گیت
۱۰-۰۰ رحمت علی خاں : سرود
۱۰-۳۰ مشر بندھو : خیال

منگل ۲۰ ستمبر

صبح
۶-۳۵ بدھ دیو داس گپتا : سرود
۷-۴۵ مالنی راجورکر : اپ شاستریہ سنگیت
۸-۲۱ سندھیا ناٹیر : سگم سنگیت
۸-۳۰ آئینہ : اردو پروگرام
'میرامن دہلوی کی باغ و بہار' پانچواں حصہ
دوپہر
۱-۲۰ کاویہ دھارا
لکشمن نارائن شوبھن
۱-۳۰ سندھیا ناٹیر : سگم سنگیت
۲-۱۰ کسانوں کیلئے
رات
۸-۱۵ ہندی تقریر
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : تقریر
۱۰-۰۰ منگل شب کی محفل موسیقی

بدھ ۲۱ ستمبر

صبح
۶-۳۵ سورترنگنی
دیوورت چودھری : ستار
۸-۳۰ نوروتی بواسرناٹیک : خیال
۹-۱۰ اسکول براڈکاسٹ
دوپہر
۱-۳۰ ضمیر خاں : سگم سنگیت
رات
۸-۰۰ مادھیم
اندرا مشرا : کاویہ پاٹھ
۹-۳۰ ترنگ
'سمجھوتہ'، جھلکی
تحریر : ایس۔ آر۔ سلوجہ
۱۰-۰۰ نوروتی بواسرناٹیک : خیال
۱۰-۳۰ دیوورت چودھری : ستار

جمعرات ۲۲ ستمبر

صبح
۶-۳۵ سورترنگنی
ایم۔ آر۔ گوتم
۷-۴۵ گریجا دیوی : اپ شاستریہ سنگیت
۸-۲۱ ، دوپہر ۱-۳۰
میرا پکھراج : سگم سنگیت
۸-۳۰ پدمانند گلوار : ستار
کرن دلیشپانڈے : خیال
۹-۱۰ اسکول براڈکاسٹ

دوپہر
۱-۱۰ پرکاش کی اور
۱-۴۰ اسکول براڈکاسٹ
رات
۸-۰۰ 'ون جیون اور ون سنسار'
تقریر از ڈاکٹر سریش مشرا
۱۰-۳۰ نیلا کرگرے : خیال
کرن دلیشپانڈے : طبلہ

جمعہ ۲۳ ستمبر

صبح
۶-۳۵ سورترنگنی
کمار گندھرو : خیال
۸-۲۱ ، دوپہر ۱-۳۰
ونود رنجن اپادھیائے : سگم سنگیت
۹-۱۰ اسکول براڈکاسٹ
رات
۸-۰۰ کہکشاں : اردو پروگرام
'اردو شاعری میں ریختی'، تقریر
۱۰-۰۰ اسمٰعیل دادو خاں : طبلہ
۱۰-۳۰ کمار گندھرو : خیال

ہفتہ ۲۴ ستمبر

صبح
۸-۲۱ ، دوپہر ۱-۳۰
اومارانی دیولیا : سگم سنگیت
۸-۳۰ سجن لال بھٹ : خیال
۹-۱۰ اسکول براڈکاسٹ
دوپہر
۱۲-۳۰ مہلا سبھا
۱-۲۰ نئی رچنا
کہانی از کے کے شرما
شام
۷-۴۵ کھلا آکاش
تقریر از ماکھن لال چترویدی

اتوار ۲۵ ستمبر

صبح
۶-۳۵ سورترنگنی
رام چتر ملک : گائن
۷-۴۵ گت سپتاہ نگریں
۹-۴۵ اس ماس کا گیت
۱۰-۰۰ ششو لوک
۱۰-۲۰ ، دوپہر ۱-۴۰
گم نگریا : ستار وادن

فیاض احمد ، طبلہ سنگت

دوپہر

۳-۱۰ کسانوں کیلئے

رات

۸-۳۰ 'ہمارا گھر' ، سلسلہ وار پروگرام

پیر ۲۶ ستمبر

صبح

۶-۳۵ سور ترنگنی

پروین سلطانہ : خیال

۷-۴۵ نگر کی باتیں

۸-۲۱ بلرام ناگدیو ، سگم سنگیت

۸-۳۰ عبدالصمد خاں ، سارنگی

۹-۱۰ اسکول براڈ کاسٹ

دوپہر

۱-۱۰ درپن

سامعین کے خطوں کے جواب

۲-۱۰ کسانوں کیلئے

رات

۸-۱۵ 'وچار جگت کے دیپ استمبھ کارل مارکس'

تقریر از وجے بہادر سنگھ

۱۰-۳۰ پروین سلطانہ ؛ خیال

منگل ۲۷ ستمبر

صبح

۶-۳۵ سور ترنگنی

ٹی۔ڈی۔ مالونیکر ، خیال

۷-۴۵ نرملا دیوی ؛ گائن

۸-۲۱ ، دوپہر ۱-۳۰

وجے رنجن اپادھیائے ، سگم سنگیت

۸-۳۰ آئینہ ؛ اردو پروگرام

'میرامن دہلوی کی باغ و بہار' آخری حصّہ

دوپہر

۱-۲۰ کاویہ دھارا

وکرم سنگھ

رات

۸-۱۵ 'سرجناتمک آلوچنا میری درشٹی میں'

تقریر از ڈاکٹر پون کمار مشرا

بدھ ۲۸ ستمبر

صبح

۶-۳۵ سور ترنگنی

سدھ رام جادھو

۸-۲۱ اوشانا ٹیر ، سگم سنگیت

۹-۱۰ اسکول براڈ کاسٹ

دوپہر

۱-۳۰ اوشانا ٹیر ، سگم سنگیت

رات

۸-۰۰ مادھیم

کہانی از ستین کمار

ترنگ

۹-۳۰ 'پانچواں کتا' مزاحیہ ناٹک

۹-۴۵ وشو ودیالیہ کاریہ کرم

ہندی تقریر از ڈاکٹر رنگ تیواری

۱۰-۳۰ سپتو خاں ، طبلہ

جمعرات ۲۹ ستمبر

صبح

۸-۳۰ است کمار بنرجی ، ستار

۹-۱۰ اسکول براڈ کاسٹ

دوپہر

۱-۳۰ مینا منج ، سگم سنگیت

رات

۸-۰۰ 'کوئی کوی بن جائے مہنگائی دیکھ کر'

ہندی تقریر از لکشمی کانت وشنو

۱۰-۰۰ است کمار بنرجی ، ستار

بھوگی رام ، طبلہ

۱۰-۳۰ شانتی ہیرانند ؛ گائن

جمعہ ۳۰ ستمبر

صبح

۶-۳۵ سور ترنگنی

مادھو گڈی

۸-۲۱ سریتا لال ، سگم سنگیت

۹-۱۰ اسکول براڈ کاسٹ

دوپہر

۱-۳۰ سریتا لال ، سگم سنگیت

رات

۸-۰۰ 'کہکشاں' اردو پروگرام

(۱) 'ہماری فلموں میں نئی لہر اور نئے تجربے' ، مذاکرہ

شرکا : شفیقہ فرحت اور محمد علی

(۲) 'کامیڈی اور ہمارا تھیٹر'

تقریر

۱۰-۳۰ وی۔آر۔ شیرنیکر ، وائلن

حیدرآباد

حیدرآباد الف ۵۰۰٫۲ میٹر [illegible] حیدرآباد ب [illegible] حیدرآباد ج [illegible]

ہفتہ وار نشر ہونیوالے اردو پروگرام

اتوار

صبح

۸-۲۵ یووادانی

گلدستہ : نوجوانوں پر مبنی پروگرام

فلمی گانے

۹-۳۰ بچوں کے لیے

۲-۳۰ بہنوں کے لیے

شام

۵-۳۰ ترنگ ؛ ورائٹی پروگرام

۹-۳۰ نیرنگ ؛ ڈرامہ

پیر

صبح

۸-۳۰ یووادانی

نغموں کی دنیا : فلمی گانے

شام

۵-۳۰ ترنگ ؛ کھیلوں پر تبصرہ

خطوں کے جواب : فلمی گانے

۹-۳۰ نیرنگ ؛ کہانی

سازی موسیقی : کلام شاعر

افسانہ : گیت اور غزلیں

منگل

صبح

۸-۲۵ یووادانی ؛ اردو پروگرام

فلمی گانے

شام

۵-۳۰ ترنگ ؛ ادبی میگزین پروگرام

فلمی گانے

۹-۳۰ کہانی ؛ سازی موسیقی

صنعتی مزدوروں کے لیے

دھولک کے گیت

بدھ

صبح ۸-۲۵ یووادانی

شبنامہ ؛ فلمی گانے

۲-۳۰ طلبا کے لیے

اسکول طلبا کے لیے

شام

۵-۳۰ ترنگ ؛ اردو پروگرام

فلمی گانے

۹-۳۰ نیرنگ ؛ کہانی

سازی موسیقی

شگوفے : ہفتہ وار مزاحیہ پروگرام

خطوں کے جواب

افسانہ ؛ غزلیں

جمعرات

صبح

۸-۲۵ یووادانی ؛ کلام شاعر

فلمی گانے

۲-۳۰ طلبا کے لیے

اسکول طلبا کے لیے

شام

۵-۳۰ ترنگ ؛ ورائٹی پروگرام

فلمی گانے

۹-۳۰ نیرنگ ؛ کہانی

سازی موسیقی

دیہات کی تصویر

گیت اور غزلیں

جمعہ

صبح

۷-۳۰ ایشور اللہ ؛ قرات کلام پاک

نعت شریف

۸-۴۰ یووادانی ؛ تقریر

فلمی گانے

شام

۵-۳۰ ترنگ ؛ میری پسند

۹-۳۰ نیرنگ ؛ کہانی

سازی موسیقی

گل ڈائری پروگرام

ان سے ملیے ؛ غزلیں

ہفتہ

صبح

۸-۲۵ یووادانی ؛ تقریر

فلمی گانے

شام

۵-۳۰ ترنگ ؛ ڈرامہ

فلمی گانے

۹-۳۰ نیرنگ ؛ کہانی

موسیقی ؛ لطیفے ہی لطیفے

بھارت بھارتی ؛ غزلیں

ناگپور

۵۱۲/۸ میٹر ۔ ۵۸۵ کلو ہرٹز

خصوصی اردو پروگرام 'محفل'

پیر ۱۹ ستمبر

رات

۱۰-۳۰ شگوفے

مزاحیہ بات چیت از عزیزہ سراج

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں

رنگ : بات چیت

از ریحانہ جاوید

ساز و نغمہ : غزل

پیر ۲۶ ستمبر

رات

۱۰-۳۰ بزم سخن

شرکاء : جبار سحر

گلشن بیابانی ، جہانگیر جوہر

مس جعفر جبیں ، مدحت الاختر

بیکانیر

میڈیم ویو ۲۱۵۰۰ ۱۳۹۵ کلو ہرٹز

عہ ۱۶ ستمبر

شاستریہ سنگیت
پرارتھنا سبھا
فلمی بھجن
ور دوپہر ۱-۳۰
سونی دیوی: لوک گیت
ور دوپہر ۲-۲۰
ودھیالیہ پرسارن
سور نگم
سونندا پٹنایک: شاستریہ گائن
یوواوانی
کاویہ پاٹھ: کماری سوربندر کور
سگم سنگیت
دھرتی را گیت
ہندی میں تقریر
فلمی قوالیاں
ناٹک
مروگاتھا

ھفتہ ۱۷ ستمبر

شاستریہ سنگیت
رس دھارا
۹ اور دوپہر ۱-۳۰
فتح کماری ویاس: لوک گیت
۹ اور دوپہر ۲-۲۰
ودھیالیہ پرسارن
بھولے بسرے گیت
پنڈت روی شنکر: ستار وادن
۵ یوواوانی
بری عادتیں اور ان کا پربھاؤ
تقریر از مان من سونی
کویتا پاٹھ: کماری سمن ماتھر
آج کے سنگیت کلاکار
کماری الکا ماتھر
۶-۳۰ سہیلیاں دی باڑی
۹-۱۶ شیرسک سنگیت
۹-۳۰ موسیقی کا نیشنل پروگرام

انوار ۱۸ ستمبر

صبح
۷-۳۰ اور رات ۱۰-۳۰
شاستریہ سنگیت
۸-۲۱ سگم سنگیت
۸-۱۵ مرکل کاریہ کرم
۱۰-۳۰ ناٹک
دوپہر
۱۲-۰۰ مہیلا جگت
۱۲-۳۰ جھلکی
۱-۱۰ آپ کے لیے
۲-۲۰ بجے جوان
سینکوں کے لیے فلم سنگیت
شام
۵-۰۵ یوواوانی: نوترنگ
شکایت بیجا تو نہیں
تقریر از کُمد بھٹناگر
۶-۲۵ مرودھر گاوے
۸-۰۰ ہندی میں تقریر
۸-۲۵ ایک ہی کلاکار
۹-۱۶ پتر ملا

پیر ۱۹ ستمبر

صبح
۷-۳۰ شاستریہ سنگیت
۸-۲۱ رس دھارا
۹-۱۰ اور ۱-۳۰
پشپا سینی: لوک گیت
۹-۲۵ اور ۲-۲۰
ودھیالیہ پرسارن
دوپہر
۱۲-۳۰ گیتاں ری لڑی
۱۲-۴۵ بگل گان
۱-۱۰ جگدیش پرساد: شاستریہ گائن
شام
۵-۰۵ یوواوانی
پرشن منچ
شرکار: انی روگھو سنگھ اومٹ
لوگ راج سنگھ، اجیت سنگھ
کماری موہندر کور
۶-۲۵ پروین سلطانہ: شاستریہ گائن
۸-۰۰ ہندی میں تقریر
۹-۳۰ نیشنل پروگرام: تقریر
۹-۴۵ پرادیشک سنگیت
۱۰-۰۰ سنگیت سبھا

منگل ۲۰ ستمبر

صبح
۷-۳۰ شاستریہ سنگیت
۸-۲۱ رس دھارا
۹-۱۰ اور ۱-۴۰
سربتا گوسوامی: لوک گیت
۹-۲۵ اور ۲-۲۰
ودھیالیہ پرسارن
دوپہر
۱۲-۳۰ راگ رس
۱-۱۰ سہیلیاں ری باڑی
شام
۵-۰۵ یوواوانی
یوواؤں کے لیے
آپ کی چٹھی ملی
ڈاکٹر سوشیل کانت سنہا
۶-۲۵ گودھولی
۸-۰۰ کوڑھ را کارن اور بچاؤ
راجستھانی تقریر
ڈاکٹر مہیش ویاس
۹-۱۶ فلم سنگت
۹-۳۰ سندھی کاریہ کرم
۱۰-۰۰ منگل شب کی محفل موسیقی

بدھ ۲۱ ستمبر

صبح
۷-۳۰ شاستریہ سنگیت
۸-۲۱ رس دھارا
۹-۱۰ اور ۱-۳۰
ہنومان رانا: لوک گیت
۹-۲۵ اور ۲-۲۰
ودھیالیہ پرسارن
دوپہر
۱۲-۳۰ سور سریتا
۱-۱۰ مالویکا کانن: شاستریہ گائن
شام
۵-۰۵ یوواوانی: کھیل کھلاڑی
قوالیاں
۶-۲۵ آج کی شام
۸-۰۰ ہندی میں تقریر
۹-۱۶ آؤ اپنی ڈگر بنائیں
۹-۳۰ ناٹک

جمعرات ۲۲ ستمبر

صبح
۷-۳۰ شاستریہ سنگیت
۸-۲۱ رس دھارا
۹-۱۰ اور ۱-۴۰
دیال پنوار: لوک گیت
۹-۲۵ اور ۲-۲۰
ودھیالیہ پرسارن
دوپہر
۱۲-۳۰ گیت سُدھا
۱-۱۰ مہیلا جگت
۵-۰۵ یوواوانی
آج کے سنگیت کلاکار نصیر محمد مدنی
سگم سنگیت
۶-۲۵ مروتھلی: وارتا
بیلی کرشن رمنی را پر بیتا
جہاکوی پرتھوی راج راٹھور
نئی سرجنا کہانیاں
امرت لال جوشی
۶-۴۵ پُورنما پنڈت: سگم سنگیت
۸-۰۰ میری رچنا
۸-۱۵ سگم سنگیت
۹-۱۶ فلم سنگیت
۹-۳۰ کھیل پتریکا
۱۰-۳۰ رجنی گندھا

جمعہ ۲۳ ستمبر

صبح
۷-۳۰ اور رات ۱۰-۳۰

شاستریہ سنگیت
۸-۲۱ پرارتھنا سبھا
۸-۳۰ فلمی بھجن
۹-۱۰ اور ۱-۳۰
فاطمہ: لوک گیت
۹-۲۵ اور ۲-۲۰
ودھیالیہ پرسارن

دوپہر
۱۲-۳۰ سور سنگم
۱-۱۰ نزاکت علی سلامت علی
شاستریہ گائن

شام
۵-۰۵ یووا وانی
عین کارونگ ہیومن ویوز اینڈ
یوتھ: شرکار
کماری نجمہ عزیز، کماری عزیز چوہان
کماری ممتا اروڑا، کماری مینا شا ویاس
۶-۲۵ مسرو گاتھا
۸-۰۰ ہندی میں تقریر
۹-۱۶ فلمی قوالیاں
۹-۳۰ ناٹک
۱۰-۰۰ دھرتی راگیت

ہفتہ ۲۴ ستمبر

صبح
۷-۳۰ شاستریہ سنگیت
۸-۲۱ رس دھارا
۹-۱۰ اور ۱-۳۰
ہنومان داس پارٹی
لوک گیت
۹-۲۵ اور ۲-۲۰
ودھیالیہ پرسارن

دوپہر
۱۲-۳۰ بھولے بسرے گیت
۱-۱۰ شاستریہ سنگیت
اروند پاریکھ: ستار

شام
۵-۰۵ یووا وانی
آج کے سنگیت کلاکار
کماری کرن چاننا
ستار وادن
۶-۲۵ لوک دھن
۶-۳۰ بال گوپال
۸-۰۰ کہہ کتھا
۹-۱۶ شبد سنگیت

۹-۳۰ موسیقی کا نیشنل پروگرام

اتوار ۲۵ ستمبر

صبح
۷-۳۰ اور دوپہر ۱۰-۳۰/ رات ۱۰-۳۰
شاستریہ سنگیت
۸-۲۱ سگم سنگیت
۹-۱۵ منگل کاریہ کرم
۱۰-۰۰ سندھی کاریہ کرم

دوپہر
۱۲-۰۰ مہیلا جگت
۱۲-۳۰ جھلکی
۱-۱۰ آپ کے لیے
۲-۳۰ جے جوان
سینکوں کے لیے فلم سنگیت

شام
۵-۰۵ یووا وانی
نو ترنگ
شراب سرو ناش ہے
تقریر: لال سنگھ چوہان
۶-۲۵ مسرو دھر گاوے
۸-۰۰ ہندی میں تقریر
۹-۱۶ پتر ملا
۱۰-۰۰ آنگن کی کونج

پیر ۲۶ ستمبر

صبح
۷-۳۰ شاستریہ سنگیت
۸-۲۱ رس دھارا
۹-۱۰ اور ۱-۳۰
امرچند ستھار: لوک گیت
۹-۲۵ اور ۲-۲۰
ودھیالیہ پرسارن

دوپہر
۱۲-۳۰ گیتاں ری لڑی
۱۲-۴۵ بیگل گان
۱-۱۰ پنڈت جسراج، شاستریہ گائن

شام
۵-۰۵ یووا وانی
روپک: پرگتی کا آیام
راجستھانی نہر ری یوجنا
پیش کش
ڈاکٹر شوشیل کانت سنہا
۶-۲۵ گرجا دیوی: شاستریہ گائن
۹-۳۰ نیشنل پروگرام: تقریر

۹-۴۵ پرادیشک سنگیت
۱۰-۰۰ سنگیت سبھا

منگل ۲۷ ستمبر

صبح
۷-۳۰ شاستریہ سنگیت
۸-۲۱ رس دھارا
۹-۱۰ اور ۱-۳۰
غفور خاں: لوک گیت
۹-۲۵ اور ۲-۲۰
ودھیالیہ پرسارن

دوپہر
۱۲-۳۰ راگ رس
۱-۱۰ سہیلیاں ری باڑی

شام
۵-۰۵ یووا وانی
ودھوا وواہ ایک پریشانی
تقریر: راجیشور دیال گپتا
یوواؤں کے لیے
۶-۲۵ گودھولی
۸-۰۰ راجستھانی تقریر
گاواں خاطر پوشک آہار کاریہ کرم
ڈاکٹر گوپال آچاریہ
۹-۱۶ فلم سنگیت
۹-۳۰ سندھی کاریہ کرم
۱۰-۰۰ منگل شب کی محفل موسیقی

بدھ ۲۸ ستمبر

صبح
۷-۳۰ شاستریہ سنگیت
۸-۲۱ رس دھارا
۹-۱۰ اور ۱-۳۰
کرشنا ویاس: لوک گیت
۹-۲۵ اور ۲-۲۰
ودھیالیہ پرسارن

دوپہر
۱۲-۳۰ سور سریتا
۱-۱۰ اشیش خاں: سرود وادن

شام
۵-۰۵ یووا وانی
یووا دایتو اور بلیدان پرم پرائیں
تقریر: گووند جوشی
۶-۲۵ آج کی شام
۸-۰۰ ہندی میں تقریر
۹-۱۶ آؤ اپنی ڈگر بنائیں

غزل

شوکت علوی

کسی کا ملنا اور اس کا بچھڑ کے رہ جا
اور اس کے بعد صداؤں کا دوڑنا پھر
نظر میں پھر وہی خاموشیوں کے جنگل
نظر میں تیرہ خلاؤں کا دوڑنا پھر
مجھے یہ ڈر ہے جھلس دیں نہ پھر کسی گل
یہ آگ بن کے ہواؤں کا دوڑنا پھر
پیاسے کھیت تھے نظریں تھیں آسمان پہ دھ
سمندروں میں گھٹاؤں کا دوڑنا پھر
تپیدہ ریت پہ پاؤں کے آبلے رکھ کر
لہولہان اناؤں کا دوڑنا پھر
وہ اک نظر جو کہانی سی کہہ گئی شوکت
نظر میں اس کی اداؤں کا دوڑنا پھر
(گورکھپور)

۹-۳۰ ناٹک
۱۰-۰۰ آپ کی پسند

جمعرات ۲۹ ستمبر

صبح
۷-۳۰ شاستریہ سنگیت
۸-۲۱ رس دھارا
۹-۱۰ اور ۱-۳۰
بنواری دایوانہ: لوک گیت
۹-۲۵ اور ۲-۲۰
ودھیالیہ پرسارن

دوپہر
۱۲-۳۰ گیت سدھا
۱-۱۰ مہیلا جگت

شام
۵-۰۵ یووا وانی
آج کے سنگیت کلاکار
کماری ونیتا پروہت
لوک گیت
۶-۲۵ مرو تھلی وارتا
دیال داس اروڑا، کھیات
ماگھی داس ویاس
نئی سرجنا
کاویہ پاٹھ: کانتا مہرشی
(آگے ص ۵۴ پر)

سرینگر

میڈیم ویو؛ سرینگر الف: ۲۶۸/۸ ۱۱۲۰ میٹر سرینگر ب: ۲۴۵ میٹر ۱۲۲۴ کلوہرٹز
شارٹ ویو: ۲۹/۱۰ میٹر ۱۱۰/۶ کلوہرٹز ۹۱/۵۶ میٹر ۳۲۷۷ کلوہرٹز
پہلی مجلس: صبح ۶-۳۰ سے صبح ۱۰-۰۰ تک دوسری مجلس دوپہر ۱۱-۳۰ سے
رات ۱۱-۰۵ تک (اتوار کو صبح ۶-۳۰ سے رات ۱۱-۰۵ تک مسلسل)

خبریں

...: صبح ۷-۰۵، شام ۶-۲۵ اردو: صبح ۸-۰۵، دوپہر ۱-۵۰، رات ۹-۱۵
...: صبح ۹-۰۰ سنسکرت: صبح ۷-۰۰ انگریزی: صبح ۸-۱۰، دوپہر ۲-۰۰ شام ۶-۰۰ رات ۹-۰۰ اور ۱۱-۰۰

علاقائی خبریں

اردو: صبح ۹-۲۰ دوپہر ۱۲-۳۰ شام ۳-۰۰ (دھیمی رفتار سے) اور رات ۷-۴۰
کشمیری: صبح ۹-۲۵ دوپہر ۱۲-۳۵ اور رات ۷-۳۰

روزانہ نشر ہونیوالے پروگرام

گاشراپچھ روشنی
اور صبح گاہی (بھگتی سنگیت)
(روزانہ)
پروگراموں کا خلاصہ (روزانہ)
کشمیری موسیقی (روزانہ)
کاشتکاران ہندہ خاطرہ
کاشتکاروں کے لیے پروگرام
روزانہ بغیر جمعہ کے
گاندھی کتھا (ہر جمعہ کو)
زون ڈب: سلسلہ وار فیچر
روزانہ بغیر ہفتہ
صوفی سنت شعرا کا کلام
ہر ہفتہ کو
غزلیں (روزانہ)
گھرانوں کے لیے پروگرام
ہر اتوار کو
ساو منزہ: میگزینوں سے
انتخاب (III۔I پیر کو)
ذات بتراتھ (IV۔II پیر کو)
زعفران زار
طنز و مزاح کا پروگرام
(I منگل کو)
سنگیت میگزین (II منگل کو)
ثقافت
کلچرل میگزین (III منگل کو)
فلم میگزین (IV منگل کو)
باوتھ (عصری ادب)
(V منگل کو)
شش رنگ: ریڈیو ڈائجسٹ
(ہر بدھ کو)
دانش یگاش (ہر جمعرات کو)
گھر بارہ خاطرہ
گھرانوں کے لیے کشمیری پروگرام
(ہر جمعہ)
نوی تخلیق
(V III I ہفتہ کو)
تخلیق نو (II ہفتہ کو)
نو لیکھن (IV ہفتہ کو)
ہندی میں بات چیت (ہر پیر کو)
حرف حرف (I ہفتہ کو)
سوال شعار (V III II ہفتہ کو)

پراگ (II ہفتہ کو)
۹-۰۵ اس ہفتے
ہفتے کے پروگراموں کی جھلک
(ہر اتوار کو)
سنتور
صوفیانہ کلام (ہر پیر کو)
ڈوگری سنگیت (ہر منگل کو)
غزلیں (ہر بدھ کو)
پوسٹ کارڈ افسانہ (ہر جمعرات کو)
اسٹیگرٹ ان دی یک دہلی
(IV II جمعہ کو)
غزلیں (V III I جمعہ کو)
کاشر ناول
کشمیری ناول (ہر ہفتہ کو)
۹-۳۰ تو ہنز فرمائش
سامعین کی فرمائش پر کشمیری گانے
(روزانہ)
۱۰-۰۰ ریڈیو نیوز ریل (ہر اتوار)
۱۰-۱۵ ہونہار
بچوں کے لیے پروگرام (ہر اتوار کو)
۱۱-۰۰ نوبہ نو
یو واوانی سے انتخاب (III I اتوار کو)
کہکشاں
یو واوانی سے انتخاب (II اتوار کو)
محفل موسیقی سے اقتباسات
(IV اتوار)
شوقیہ سنگیت کاروں کا گائن
(V اتوار)
۱۱-۳۰ ڈراموں کا نیشنل پروگرام
(دوبارہ) (I اتوار)
اردو میں کھیل (دوبارہ)
(II اتوار کو)
کشمیری میں کھیل (دوبارہ)
(III اتوار کو)
انتخاب: آرکیو سے انتخاب
(V اتوار کو)
دوپہر
۱۲-۰۰ اسکول براڈکاسٹ
(روزانہ بغیر اتوار)
۱۲-۳۰ پراگاش
غیر نصابی تعلیمی پروگرام
(ہر روز بغیر منگل اور جمعے)

بھجن (ہر منگل کو)
نعتیں (ہر جمعہ کو)
۱-۰۰ مغربی موسیقی (ہر اتوار کو)
کشمیری موسیقی
(ہر روز بغیر اتوار)
۱-۳۰ اور ۳-۰۰
فوجی بھائیوں کے لیے پروگرام
(روزانہ)
۲-۱۰ شاستریہ سنگیت (روزانہ)
۲-۳۰ میجرس فورم (ہر اتوار)
موسیقی
(ہر پیر، منگل، بدھ، جمعرات
جمعہ اور ہفتہ کو)
سہ پہر
۴-۰۰ ہی مال
خواتین کے لیے پروگرام
(ہر اتوار کو)
مغربی موسیقی
(روزانہ بغیر اتوار)
۴-۳۰ پنجابی پروگرام
(اتوار، منگل اور جمعہ کو)
کیاری
جموں کشمیر اور لداخ کی موسیقی
(ہر پیر کو)
خوش حال گھرہ
ہوم سائنس کا پروگرام
(ہر ہفتہ کو)
شام
۵-۰۰ گوجری پروگرام
(جموں سے پہلے روزانہ)
۵-۳۵ گوجری پروگرام
(سرینگر سے پہلے روزانہ)
۶-۱۰ ضلع خبرنامہ (ہر پیر کو)
۶-۱۵ گامی بھاین ہندہ خاطرہ پروگرام
(روزانہ)
۷-۵۵ روزگار سماچار (روزانہ)
۸-۰۰ وادی کی آواز
پاکستان اور پاکستانی مقبوضہ
کشمیر میں سننے والوں کے لیے
پروگرام (روزانہ)
۸-۳۰ کشمیری موسیقی (روزانہ)
رات
۸-۴۵ تو ہنز چٹھی واتہ

کشمیری میں سامعین کے
خطوط کے جواب (ہر اتوار)
اردو میں بات چیت
(ہر پیر کو)
انگریزی میں بات چیت
(ہر منگل کو)
خط کے لیے شکریہ
اردو میں سامعین کے
خطوں کے جواب (ہر بدھ کو)
ہیلتھ فورم (ہر جمعرات کو)
کھیلوں پر جائزہ
(ہر جمعہ کو)
انگریزی میں بات چیت
(ہر ہفتہ کو)
۹-۳۰ سلسلہ وار کھیل (ہر اتوار کو)
کھیل کشمیری/اردو (ہر پیر کو)
وودھا
ہندی میں ادبی پروگرام
(I منگل کو)
سنگرمال (کشمیری میں
ادبی پروگرام)
(IV II منگل کو)
ہم قلم
(اردو میں ادبی پروگرام)
(III منگل کو)
سپتیکا (V منگل کو)
۹-۳۰ شام (بیس نکات پر مبنی پروگرام)

(III بدھ کو)
سائنس میگزین پروگرام
کشمیری/اردو
(IV II بدھ کو)
تصویر
ریاستی ترقیاتی پروگراموں
پر مبنی پروگرام
(V بدھ کو)
علاقائی موسیقی کا نیشنل پروگرام
(I جمعرات کو)
فیچروں کا نیشنل پروگرام
(II جمعرات)
نگاشہ تارکھ
مشہور شعرا پر کشمیری فیچر
(III جمعرات)
ڈراموں کا نیشنل پروگرام
(IV جمعرات کو)
محفل
۱۰-۳۰ مشہور شخصیتوں سے گفتگو
(V جمعرات کو)
رائے ترائے
کشمیری میں گفتگو (I جمعہ کو)
گفتگو: اردو میں (II جمعہ کو)
بزم شعار (III جمعہ کو)
انگریزی میں فیچر (IV جمعہ کو)
مشاعرہ (اردو V جمعہ کو)

میانی زندگی میون کار
(I ہفتہ کو)
بزم سامعین
کشمیری میں دعو سامعین کے
سوالوں کے جواب
(IV II ہفتہ کو)
محفل موسیقی (III ہفتہ کو)
پتریکا: ہندی میں پروگرام
(V ہفتہ کو)
۱۰-۰۰ آپ کی فرمائش
(بدھ اور اتوار کو)
تو ہنز فرمائش (ہر منگل کو)
داستان (ہر جمعہ کو)
اسپورٹس میگزین
(II ہفتہ کو)
اپنی دھرتی اپنا دیش
(IV ہفتہ کو)
بزم قوالی (V ہفتہ کو)
۱۰-۳۰ ریڈیو ڈائری (روزانہ بغیر اتوار)
میانی پسند (I پیر کو)
پھر سنیے (ہر جمعہ کو)
تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
(پرانی فلموں کے نغمے)
(V III I ہفتہ کو)
شہر صدا
غزلوں کا پروگرام
(IV II ہفتہ کو)

جمعہ ۱۶ ستمبر

صبح
۷-۰۵ آرتی تنکو: کشمیری موسیقی
۷-۱۵ گاندھی کتھا
(۱) گاندھی سمرن:
'گاندھی جی کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا خراج
عقیدت'
(۲) بھگتی سنگیت
(۳) گاندھی جی چھ و نان
۸-۰۵ اندرانی رضوی: غزلیں
۸-۲۱ گھر بارہ خاطر
۹-۰۵ وشوپران در: غزلیں
دوپہر
۱۲-۰۲ اسکول براڈکاسٹ
'کیمیکل بونڈنگ' انگریزی تقریر
۱۲-۴۰ نعتیں اور منقبت
۱-۰۰ آرتی تنکو اور سدھارتھ کول:
کشمیری غزلیں
۲-۱۰ شاستریہ سنگیت
سجاراؤ تیواری: گائن
۴-۳۰ پنجابی پروگرام
رات
۸-۴۵ کھیلوں پر تبصرہ
۹-۳۰ بزم شعر
۱۰-۰۰ داستان
۱۰-۳۰ ریڈیو ڈائری اور پھر سنیے

ہفتہ ۱۷ ستمبر

صبح
۷-۰۵ نسیم اختر: کشمیری موسیقی
۷-۳۰ کبیر کا کلام
۸-۰۰ مہینے کا نغمہ
جی۔ ایم۔ صوفی: غزلیں
۸-۳۵ پراگ
۱۱-۳۰، دوپہر ۲-۳۰
غلام محمد بافت اور ساتھی:
صوفیانہ موسیقی
دوپہر
۱۲-۰۰ اسکول براڈکاسٹ
۱۲-۴۰ پراگاش
'انج شیچھ۔ تیارتہ قربانی'
محمد بٹرھ کے ساتھ کشمیری میں گفتگو
۲-۱۰ شاستریہ سنگیت
۴-۳۰ خوشحال گھرہ
۵-۳۵ گوجری پروگرام
(۱) 'رج تے قربانی' تقریر از
مولوی عبدالعزیز
(۲) ترپتا بھاٹیہ: گیت
شام
۷-۵۵ نسیم اختر: غزلیں
۸-۴۵ انگریزی تقریر از سی ایل گنجو
۹-۳۰ محفل موسیقی
۱۰-۳۰ تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

اتوار ۱۸ ستمبر

صبح

۷-۰۵ نرملا دیوی : کشمیری موسیقی
۷-۳۰ زونہ ڈب
۸-۰۰ مناڈے : غزلیں
۸-۲۱ گھرانوں کیلئے
'قدیم لباس' تقریر از مبینہ امام
۹-۰۵ اس ہفتے
۱۰-۰۰ ریڈیو نیوز ریل
۱۰-۱۵ ہونہار
۱۱-۰۰ نوبہ نو

دوپہر

۱۲-۴۰ پراگاش
۱-۰۰ مغربی موسیقی
۲-۱۰ شاستریہ سنگیت
شوبھا گرتو : گائن
۲-۳۰ پنجابی پروگرام
۵-۳۵ گوجری پروگرام

رات

۸-۴۵ توہنز چھٹی واژ
۹-۳۰ کشمیری میں غنائیہ
تحریر : مرغوب بانہالی

پیر ۱۹ ستمبر

صبح

۷-۰۵ راج بیگم : کشمیری موسیقی
۷-۳۰ زونہ ڈب
۸-۰۰ طلعت عزیز : غزلیں
۸-۲۱ رسالو منزہ
۸-۳۵ ہندی بات چیت
۹-۰۵ 'سنطور
صوفیانہ موسیقی 'مقام بیت'

دوپہر

۱۲-۴۰ پراگاش
'سون جسم - دلچ دُہرائے'
ڈاکٹر ایم ایم اشرف سے گفتگو
۲-۱۰ بہادر خاں : سرود وادن
۴-۳۰ کیاری
۵-۳۵ گوجری پروگرام

شام

۶-۱۰ ضلع نامہ
۸-۴۵ اردو تقریر
۹-۳۰ اردو کھیل
۱۰-۳۰ عبدالغفار ڈار و ساتھی : چھکری و روف

منگل ۲۰ ستمبر

صبح

۷-۰۵ مہاراج کشن پنڈتا : کشمیری موسیقی
۸-۰۰ منہر : غزلیں
۸-۲۱ ثقافت
۹-۰۵ سیما شریا : ڈوگری سنگیت
۱۱-۳۰، دوپہر ۲-۳۰
غلام محمد ساز نواز اور ساتھی :
صوفیانہ موسیقی

دوپہر

۱۲-۰۰ اسکول براڈ کاسٹ
۱۲-۴۰ بھجن
۲-۱۰ شاستریہ سنگیت
استاد علاؤالدین خاں : سرود
۴-۳۰ پنجابی پروگرام
۵-۳۵ گوجری پروگرام

رات

۸-۴۵ 'ملاقات'
ایس کے رینہ سے بات چیت
۹-۳۰ ہم قلم
اردو میں ادبی پروگرام
۱۰-۰۰ توہنز فرمائش

بدھ ۲۱ ستمبر

صبح

۷-۰۵ آشا کول : کشمیری موسیقی
۸-۰۰ راجندر مہتہ، نینا مہتہ : غزلیں
۸-۲۱ شش رنگ : ریڈیو ڈائجسٹ
(۱) 'کیشر ہند کتب خانہ' تقریر از
پنڈت رامچندر در
(۲) 'شرین ذہنی بیمار' تقریر از
اے۔ اے۔ بیگ
۹-۰۵ غزلیں

دوپہر

۱۲-۰۰ اسکول براڈ کاسٹ
۱۲-۴۰ پراگاش
۱-۰۰ آشا کول، حمزہ داس : گیت
۲-۱۰ لکشمی شنکر : شاستریہ سنگیت
۵-۳۵ گوجری پروگرام

رات

۸-۴۵ خط کیلئے شکریہ
۹-۳۰ 'سام'
بیس نکاتی اقتصادی پروگرام پر عملدرآمد
۱۰-۰۰ آپ کی فرمائش

جمعرات ۲۲ ستمبر

صبح

۷-۰۵ نسیم اختر : کشمیری موسیقی
۸-۰۰ پرویز مسانی : غزلیں
۸-۲۱ آش تہ گاش
۹-۰۵ پوسٹ کارڈ افسانہ اور
سازینہ
۱۱-۳۰، دوپہر ۲-۳۰
شیخ عبدالعزیز اور ساتھی :
صوفیانہ موسیقی

دوپہر

۱۲-۰۰ اسکول براڈ کاسٹ
۱۲-۴۰ پراگاش
سون وطن ۔ کھادی ہندی کارخانہ'
آر۔ ایل۔ کوتوال سے کشمیری میں گفتگو
۲-۱۰ شاستریہ سنگیت
۴-۳۰ پہاڑی پروگرام
۵-۳۵ گوجری پروگرام —

رات

۸-۴۵ ہیلتھ فورم
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : ڈرامہ
۱۰-۳۰ شیخ عبدالعزیز و ساتھی : کشمیری موسیقی

جمعہ ۲۳ ستمبر

صبح

۷-۰۵ غلام محمد راہ : کشمیری موسیقی
۷-۱۵ گاندھی کتھا
۸-۰۰ بیگم اختر : غزلیں
۸-۲۱ گھر بارہ خاطرہ
۹-۰۵ اے گیسٹ ان دی ایپی ویلے

دوپہر

۱۲-۰۰ اسکول براڈ کاسٹ
۱۲-۴۰ نعتیں اور منقبت
۱-۰۰ غلام محمد راہ اور کسم لتا :
غزلیں
۲-۱۰ شاستریہ سنگیت
موہن لال مسکین : گائن
۴-۳۰ پنجابی پروگرام
۵-۴۵ گوجری پروگرام

رات

۸-۴۵ کھیلوں پر تبصرہ
۹-۳۰ 'انڈیا ۲۰۰۱ اے ڈی' فیچر
۱۰-۰۰ داستان
۱۰-۳۰ ریڈیو ڈائری اور پھر سنیے

ہفتہ ۲۴ ستمبر

صبح

۷-۰۵ غلام محمد میر : کشمیری موسیقی
۷-۳۰ نیرا کا کلام
۸-۰۰ غلام حسن صوفی : غزلیں
۸-۲۱ نو لیکھن
۸-۳۵ مونل شعار : ایم وی ٹینگ
۱۱-۳۰ محمد عبداللہ ستاری و ساتھی :
صوفیانہ موسیقی

دوپہر

۱۲-۰۰ اسکول براڈ کاسٹ
۱۲-۴۰ پراگاش
۲-۱۰ شاستریہ سنگیت
ہری پرساد چورسیا : بانسری وادن
۲-۳۰ صوفیانہ موسیقی
۵-۳۵ گوجری پروگرام

رات

۸-۴۵ انگریزی تقریر
۹-۳۰ بزم سامعین
۱۰-۰۰ اپنی دھرتی اپنا دیش
۱۰-۳۰ ریڈیو ڈائری اور
'شہر صدا'

اتوار ۲۵ ستمبر

صبح

۷-۰۵ غلام حسن صوفی : کشمیری موسیقی
۷-۳۰ زونہ ڈب
۸-۰۰ دلراج کور : غزلیں
۸-۲۱ گھرانوں کیلئے
۹-۰۵ اس ہفتے
۱۰-۰۰ ریڈیو نیوز ریل
۱۰-۱۵ ہونہار
۱۱-۰۰ محفل موسیقی سے اقتباسات

دوپہر

۱۲-۴۰ پراگاش
توھ چھا زمینس
۱-۰۰ مغربی موسیقی
۲-۱۰ شاستریہ سنگیت
رمیش کمار : ٹھمری
۲-۳۰ ٹیچرس فورم
۴-۳۰ پنجابی پروگرام
۵-۳۵ گوجری پروگرام

رات

۸-۴۵ توہنز چھٹی واژ

پیر ۲۶ر ستمبر

۷ کرن کول، کشمیری موسیقی
۸ یونس ملک ؛ غزلیں
۸ ذات بترات
'تاپربٹن'، از رشید نازکی
۸ ہندی بات چیت
۹ 'سنطور'
صوفیانہ کلام ــ 'مقام نوا'

۱۲ اسکول براڈکاسٹ
۱۲ پراگاش
'ساتھی ریاست' (تاپربٹن)
نشاط انصاری سے کشمیری میں گفتگو
۱ اسداللہ اور جلال گیلانی، کشمیری گیت
۲ شاستریہ سنگیت
ممتاز علی خاں ؛ ستار
۴ کیاری
۵ گوجری پروگرام

۶ ضلع نامہ
۱۰ فقیر احمد راہ و ساتھی، کشمیری کورس

منگل ۲۷ر ستمبر

صبح
۷ اومکار ناتھ کول ؛ کشمیری موسیقی
۸ محمد رفیع ؛ غزلیں
۸ فلمی میگزین (کشمیری)
۱۱، دوپہر ۳۰-۲
محمد عبداللہ تبت بقال و ساتھی ؛
کشمیری موسیقی

دوپہر
۱۲ اسکول براڈکاسٹ
۱۲ نعتیں اور منقبت
۲ شاستریہ سنگیت
منور علی خاں ؛ گائن
۴ پنجابی پروگرام
۵ گوجری پروگرام

رات
۸ کشمیری میں بات چیت از
ڈاکٹر ٹی این گنجو
۹ سنگرمال
کشمیری میں ادبی پروگرام
۱۰ توہنز فرمائش

بدھ ۲۸ر ستمبر

صبح
۷-۰۵ جتندر کمار کا چرو ؛ کشمیری موسیقی
۸-۰۰ ماسٹر مدن اور طلعت محمود ؛
غزلیں
۸-۲۱ شش رنگ ؛ ریڈیو ڈائجسٹ

دوپہر
۱۲-۰۰ اسکول براڈکاسٹ
۱۲-۴۰ پراگاش
'ساتھی کتھ ــ راج ترنگنی'،
کشمیری میں گفتگو
۱-۰۰ راجندر کمار کا چرو، نرملا پرو ؛
کشمیری گیت
۲-۱۰ شاستریہ سنگیت
اوم پرکاش چورسیہ ؛ سنطور
۵-۳۵ گوجری پروگرام

رات
۹-۳۰ سائنس میگزین (کشمیری)
'دمچھن متعلق خبرداری'، تقریر از
ڈاکٹر غلام نبی
'اسہ اوند پوکھ'، از ڈاکٹر اشونی وانگنو
۱۰-۰۰ آپ کی فرمائش

جمعرات ۲۹ر ستمبر

صبح
۷-۰۵ ششی چوپڑہ، کشمیری غزل
۸-۰۰ آشا بھونسلے ؛ غزلیں
۸-۲۱ آتش تہ گاش
۹-۰۵ پوسٹ کارڈ افسانہ اور سازینہ
۱۱-۳۰ استاد رمضان جو اور ساتھی ؛
صوفیانہ موسیقی

دوپہر
۱۲-۰۰ اسکول براڈکاسٹ
۱۲-۴۰ پراگاش
پروفیسر حبیب اللہ سے کشمیری میں گفتگو
۲-۱۰ شاستریہ سنگیت
نصیر امین الدین خاں ڈاگر ؛ گائن
۲-۳۰ صوفیانہ موسیقی
۴-۳۰ پہاڑی پروگرام
۵-۳۵ گوجری پروگرام
۹-۳۰ محفل
۱۰-۳۰ ریڈیو ڈائری اور
استاد رمضان جو اور ساتھی ؛
کشمیری موسیقی

جمعہ ۳۰ر ستمبر

صبح
۷-۰۵ راج بیگم ؛ کشمیری موسیقی
۷-۱۵ گاندھی کتھا
ڈاروتھی ہیڈ کننز کا گاندھی جی کو خراج
عقیدت اور بھگتی سنگیت (کشمیری)
۸-۰۰ خالد ؛ غزلیں
۸-۲۱ گھر بارہ خاطرہ
۹-۰۵ غزلیں

دوپہر
۱۲-۴۰ نعتیں اور منقبت
۱-۰۰ محمد صدیق پانپوری اور راج بیگم ؛
کشمیری غزلیں
۲-۱۰ شاستریہ سنگیت
پرکاش ورما ؛ بانسری
۴-۳۰ پنجابی پروگرام
۵-۳۵ گوجری پروگرام

رات
۹-۲۰ مشاعرہ (اردو)
۱۰-۰۰ داستان
۱۰-۳۰ ریڈیو ڈائری ــ پھر سنیئے

غزل

شہاب جعفری

ضربِ تیشہ کی صدائیں کیا اٹھا کر لے گئے
ٹوٹتے پتھر سے ہم صحرا اٹھا کر لے گئے
بے خودی کو جانتے کیا ہم خودی خوانِ جنوں
قطرے کی تمہید میں دریا اٹھا کر لے گئے
پاؤں جب سمٹے تو رستے بھی ہوئے تکیہ نشیں
بوریا جب تہہ کیا دنیا اٹھا کر لے گئے
ہر جگہ لگتا رہا یوں ہی کہ لٹ جائیں نہ ہم
ہم تو ہر دھرتی سے گھر اپنا اٹھا کر لے گئے
اس سفر میں ساتھ کون آتا صدا تو سب کو دی
زندگی کا بوجھ تھا تنہا اٹھا کر لے گئے
ہیں پر اتنے بھی نہیں شائستۂ تشنہ لبی
ہم سے گر شبنم چھنی دریا اٹھا کر لے گئے
سربلند اتنا لہو تھا سرنگوں قاتل کی تیغ
ہم ہتھیلی پر جو سر اپنا اٹھا کر لے گئے
دشت در دشت اک صدائے بازگشت اپنی شہابؔ
سارے پتھر اپنا سناٹا اٹھا کر لے گئے

(پٹنہ سے نشر)

دوردرشن سرینگر

بینڈ : ۱، ۲۵۱، ۶۲ میگھا ہرٹز (تصویر)
چینل : ۴، ۱۷۵۴، ۶۷ میگھا ہرٹز (آواز)

روزانہ ٹیلی کاسٹ ہونیوالے پروگرام

شام ۳۰-۷ کشمیری میں خبریں
۳۰-۸ نیشنل پروگرام (دلی سے براہ راست ریلے)
۰۰-۱۱ اردو میں خبریں

ہفتہ وار ٹیلی کاسٹ ہونیوالے پروگرام

اتوار

صبح ۳۰-۱۰ بچوں کے لیے ۱۰-۱۱ ڈرامہ (دوبارہ)
۰۰-۱۲ کشمیری لوک سنگیت / دستاویزی فلم
شام ۰۰-۴ ورلڈ آف اسپورٹس ۰۰-۵ کشمیری لوک سنگیت ۲۰-۵ روزگار خبرنامہ ۳۰-۵ اور ۳۵-۷ ہندی فیچر فلم ۰۰-۱۰ ادبی میگزین پروگرام / ایک کہانی
۳۰-۱۰ سلسلہ وار فیچر (اردو)

پیر

صبح ۰۰-۱۱ ایجوکیشنل ٹی وی ۳۰-۱۱ اختتام
شام ۳۰-۶ دیہاتی پروگرام ۰۰-۷ لوک سنگیت (کشمیری) ۱۵-۷ ڈوگری پروگرام ۴۲-۷ آپ کی ڈاک (ناظرین کے خطوط) ۰۰-۸ سلسلہ وار کشمیری فیچر ۰۰-۱۰ یوتھ پروگرام (نوجوانوں کے لیے)
۳۰-۱۰ تعمیر و ترقی سے متعلق پروگرام

منگل

شام ۳۰-۶ دیہاتی پروگرام ۰۰-۷ دستاویزی فلم / ہمارے فرائض ۱۰-۷ ایجوکیشنل ٹی وی (دوبارہ)
۴۲-۷ نقش و نغمہ ۰۰-۱۰ صوفی سنتوں سے متعلق پروگرام / ادبی پروگرام ۳۰-۱۰ انٹرویوز

بدھ

شام ۳۰-۶ دیہاتی بھائیوں کے لیے ۰۰-۷ اسپورٹس میگزین پروگرام ۴۲-۷ سائنس میگزین / فن اور فن کار / ٹیلی ویژن نیوز فیچر
۰۰-۸ چترہار ۰۰-۱۰ نوجوانوں کے لیے / ادبی میگزین ۳۰-۱۰ سلسلہ وار فیچر / انٹرویو

جمعرات

صبح ۰۰-۱۱ ایجوکیشنل ٹی وی ۳۰-۱۱ اختتام
شام ۳۰-۶ زرعی پروگرام ۰۰-۷ کشمیری لوک سنگیت ۱۵-۷ ٹی وی نیوز فیچر ۴۲-۷ ایک گاؤں / نظم کی عکس بندی ۰۰-۸ گھرانوں کے لیے
۰۰-۱۰ ڈرامہ (کشمیری) / ڈرامہ دوسرے کیندروں سے انتخاب

جمعہ

شام ۳۰-۶ کشمیری لوک سنگیت / گجر بھائیوں کے لیے پروگرام / کشمیر کا لوک تھیٹر
۰۰-۷ ہلکی پھلکی موسیقی ۱۰-۷ ایجوکیشنل ٹی وی (دوبارہ)
۴۲-۷ خاندانی بہبود / ٹیلی کلبوں سے ۱۰-۸ ہوم سائنس
۰۰-۱۰ ہیلتھ میگزین ۳۰-۱۰ سلسلہ وار فیچر (کشمیری)

ہفتہ

شام ۳۰-۶ بچوں کے لیے ۱۰-۷ کشمیری لوک سنگیت
۴۲-۷ کلاسیکی موسیقی / پنجابی پروگرام ۰۰-۸ حالات حاضرہ ۰۰-۱۰ نقش و نغمہ
۳۵-۱۰ انگریزی میں سلسلہ وار فیچر

دوردرشن کلکتہ

چینل : ۴ تصویر ۶۲٫۲۵ میگھا ہرٹز بینڈ : ۱ آواز ۶۷٫۲۷ میگھا ہرٹز

روزانہ ٹیلی کاسٹ ہونیوالے پروگرام

شام ۶-۳۰ : پروگراموں کا خلاصہ ۶-۳۲ مختصر خبریں (سوائے اتوار) ۷-۳۰ بنگالی میں خبریں ۸-۲۵ پروگراموں کا خلاصہ (سوائے اتوار)
۸-۳۰ نیشنل ٹیلی کاسٹ (دلّی سے ریلے) ۱۰-۳۰ اختتام

ہفتہ وار ٹیلی کاسٹ ہونیوالے پروگرام

اتوار

شام ۴-۰۰ ورلڈ آف اسپورٹس (دلّی سے ریلے)
۵-۳۰ اور ۷-۴۵ ہندی فیچر فلم (دلّی سے ریلے)
۷-۲۵ سپنا ہیکی

پیر

شام ۶-۳۴ بچوں کے لیے ۷-۰۰ بجنن پر اسنگے
۷-۴۰ سنواد پربھا ۷-۵۵ ساہتیہ سنسکرتی

منگل

شام ۶-۳۴ ٹیلی اسکوپ / ہرے کرا کبا ۷-۰۰ اور ۷-۴۰ بنگالی میں ڈرامہ (۷-۰۰ سلسلے وار ڈرامہ ۷-۴۰ یوتھ ٹائیم)
۸-۰۰ ہیلتھ سے متعلق پروگرام ۸-۱۰ موسیقی

بدھ

شام ۶-۳۴ پالی کتھا (زرعی پروگرام) ۷-۰۰ سلسلہ وار انگریزی فلم ۷-۴۰ ویورز فورم (سامعین کی رائے اور خطوں کے جواب ۸-۰۰ چترہار (دلّی سے ریلے)

جمعرات

شام ۶-۳۴ انڈسٹریل پروگرام ۶-۵۰ ہندی پروگرام گھرے بارے ۷-۱۰ پارلیمنٹ ریویو / اکتو بھیے دیکھن / فوٹو فیچر ۷-۱۵ ایکاتان (قومی یک جہتی سے متعلق پروگرام) / موسیقی ۷-۴۰ درشتی کون / چترمالا (بنگالی فلموں کے گا...
۸-۰۰ موسیقی

جمعہ

شام ۶-۳۴ بچوں کے لیے (بنگالی / ہندی) ۶-۴۵ موسیـ...
۶-۵۵ ترن درجینے (بنگالی میں نوجوانوں کے لیے پروگرا...
۷-۴۰ اسپورٹس راؤنڈ اپ ۸-۱۰ رابندر سنگیت

ہفتہ

شام ۵-۱۹ موسیقی ۵-۳۰ اور ۷-۴۰ بنگالی فیچر ف...
۸-۱۰ ٹی وی این ایف اینویشن / ترن درجینے (بنگالی... نوجوانوں کے لیے پروگرام)

دوردرشن بمبئی

بمبئی چینل : ۴ تصویر ۶۲٫۲۵ میگھا ہرٹز بینڈ : ۱ آواز ۶۷٫۷۵ میگھا ہرٹز
پونہ چینل : ۵ تصویر ۱۷۵٫۲۵ میگھا ہرٹز بینڈ ۳ : آواز ۱۸۰٫۷۵ میگھا ہرٹز

روزانہ ٹیلی کاسٹ ہونیوالے پروگرام

شام
۷-۰۰ کل کے پروگرام . مراٹھی (اتوار ۶-۳۰ پر) ۷-۳۰ مراٹھی میں خبریں . ۸-۳۰ سے ۱۰-۰۰ نیشنل پروگرام (دلی دوردرشن سے براہ راست ریلے)

ہفتہ وار ٹیلی کاسٹ ہونیوالے پروگرام

اتوار

صبح ۹-۰۰ پرتبھا انی پرتیما
۱۰-۰۰ ساپتاہیکی (ہفتہ کے پروگراموں کا ہندی میں خلاصہ)
۱۰-۳۰ آؤ ہمارے ساتھ رنگوا . ۱۱-۱۵ اختتام .
شام ۴-۰۰ دی ورلڈ آف اسپورٹس ۵-۱۵، ۷-۴۵ ہندی فیچر فلم . ۶-۳۰ کل کے پروگرام اور گم شدہ لوگوں کا اعلان (مراٹھی) ۶-۴۵ فلم جاری ۷-۳۰ مراٹھی میں خبریں ۱۰-۰۰ پرزینٹ (مراٹھی) ۱۰-۴۵ اختتام

پیر

شام ۶-۰۵ سگم سنگیت (مراٹھی / روک سنگیت ۶-۲۷ کھیل (مراٹھی میں بچوں کا پروگرام) ۶-۵۰ آپلی ماتی آپلی مانسے ۷-۳۰ کامگار ویشو ۸-۰۰ چترگیت (مراٹھی)
۱۰-۰۰ ایگریڈا تھن (کھیل پروگرام . مراٹھی) ۱۰-۲ مولکھا ویگروی مانسے / کرنٹ افیئرز (مراٹھی) ۱۰-۵۰ اختتام

منگل

شام ۶-۱۵ ورت چترہ ۶-۲۷ گھپر بیٹھاں (گجراتی) / وندن وار (ہندی) ۶-۵۷ ویانڈیپ ۷-۴۰ سپریم نمسکار (خطوں کے مراٹھی میں جواب) آپ کی رائے . خطوں کے ہندی میں جواب . ۸-۰۰ یوواد رشن (ہندی / گجراتی) ۱۰-۰۰ موکھوٹے آنی چہرے / پریکچات ۱۰-۴۵ اختتام .

بدھ

شام ۶-۱۵ سگم سنگیت (گجراتی / ہندی) ۶-۲۷ میجیک بمپ (بچوں کا پروگرام / انگریزی) / کھیل کھلونے بچوں کا پروگرام (ہندی) ۶-۵۷ آپلی ماتی آپلی مانسے ۷-۴۰ ایف ڈی فلم (مراٹھی) ۷-۵۰ چترہار ۱۰-۰۰ آروگیہ سمپدا ۱۰-۳۰ انگریزی فلم سیریل ۱۰-۵۰ اختتام

جمعرات

شام ۶-۱۵ ایف ڈی فلم (مراٹھی) ۶-۲۷ سندر ماجھے گھر (مراٹھی) ۶-۵۷ دیانڈیپ ۷-۳۰ کامگار ویشو ۸-۰۰ چترگیت (گجراتی) / پھول کھلے ہیں گلشن گلشن ۱۰-۰۰ ہندی ڈرامہ / مراٹھی ڈرامہ ۱۰-۴۵ اختتام .

جمعہ

شام ۶-۱۵ ٹی وی این ایف (سائنس / ترقی) ۶-۳۳ سانا کوکڈی (گجراتی میں بچوں کا پروگرام) ۶-۵۷ آپلی ماتی آپلی مانسے ۷-۴۰ ہوشیار . ۷-۵۰ چھایا گیت ۱۰-۰۰ یوواد رشن (مراٹھی) ۱۰-۳۰ اردو پروگرام / سائنس رپورٹ ۱۱-۰۰ اختتام .

ہفتہ

شام ۵-۰۰ بچوں کی فلم (ہندی) ۶-۰۰ اور ۷-۳۰ مراٹھی فیچر فلم ۱۰-۰۰ مراٹھی سیریل ۱۰-۳۰ پنگ ورڈ فوکس ۱۱-۰۰ اختتام

بقیہ :-

بیکانیر

۶-۴۵ انور احمد : سگم سنگیت
۸-۰۰ میری رچنا
۹-۱۶ فلم سنگیت
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : ناٹک
۱۰-۳۰ رجنی گندھا

جمعہ ۳۰ ستمبر

صبح
۷-۳۰ شاستریہ سنگیت
۸-۲۱ پرارتھنا سبھا
۸-۳۰ فلمی بھجن
۹-۱۰ اور ۱-۳۰ غلام رسول : لوک گیت
۹-۲۵ اور ۲-۲۰ ودھالیہ پرسارن

دوپہر
۱۲-۳۰ سور سنگم
۱-۱۰ کیسر بائی کیرکر : شاستریہ سنگیـ...

شام
۵-۰۵ یوواوانی
اندر دھنش کاریہ کرم
یووا جگت سماچار
۶-۲۵ مرو گاتھا
۸-۰۰ ہندی میں تقریر
۹-۱۶ فلمی قوالیاں
۹-۳۰ ناٹک
۱۰-۰۰ دھرتی گیت
۱۰-۳۰ شاستریہ سنگیت

شوانی رامپور کی جانب سے گذشتہ دنوں آکاشوانی کے سبزہ زار پر
کل ہند مشاعرے کا انعقاد ہوا، راج ماتا رفعت زمانی بیگم نے مشاعرے کا افتتاح کیا۔
مشاعرے میں جن شعرا حضرات نے شرکت فرمائی اُن کے اسمائے گرامی ہیں۔
بیر بدر۔ یہ کمار پاشی۔ حسن نعیم۔ ارمان شہابی۔ مخمور سعیدی۔ اظہر عنایتی
تناد رامپوری۔ وسیم بریلوی۔ قاضی سلیم۔ قمر مرادآبادی۔
خانقاہی نازش پرتاپ گڑھی۔ ڈاکٹر وحید اختر۔ جمیلہ بانو۔
بدہ زیدی۔ خمار بارہ بنکوی پریم کمار نظر۔ والی آسی۔
مق جونپوری۔ ندا فاضلی۔
ورو ہیلہ (پاکستان) شہریار۔
بال رامپوری خلیل نعمانی۔
یر آغا قزلباش۔

زبیر رضوی۔
ناظم مشاعرہ

راج ماتا
رفعت زمانی بیگم

قمر مرادآبادی

وحید اختر

پرتو روہیلہ (پاکستان)
اور مدعو سامعین

No.D-(C) 39 Regd. No. RN 14253

AWAZ

16th. September 1983

Licenced (U-23) to post without prepayment at CPSO, New Delhi

اردو سروس کے
فلمی دنیا پروگرام میں
فلم ساز اداکار سنیل دت (درمیان)
سے بات چیت کرتے ہوئے
فلمی صحافی ادریس دہلوی (بائیں) اور
برکت الزماں خاں پروگرام آفیسر۔

انوپ جلوٹا ـــ
آکاشوانی راجکوٹ سے
سگم سنگیت پیش کرتے ہوئے۔

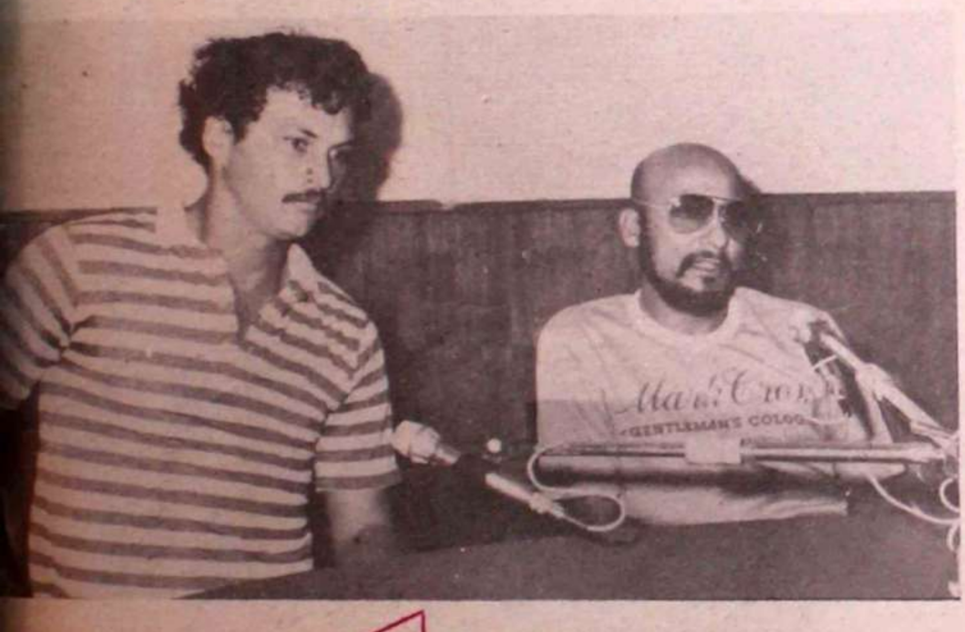

نامور ٹسٹ کرکٹ کھلاڑی
سید کرمانی (دائیں) اور
رود جر بنی
جن کے ساتھ ایک انٹرویو گذشتہ دنوں
آکاشوانی بنگلور سے نشر ہوا۔

"سماج میں بڑھتے ہوئے جرائم اور انکی روک تھام"
کے موضوع پر آکاشوانی پٹنہ کے اردو پروگرام میں
نشر مباحثے کے شرکاء ـــ
(دائیں سے) ریاض عظیم آبادی، شمیم فاروقی
اور جی نارائن۔

Published by the Director General, All India Radio, at the Office of the Chief Editor, Akashvani Group of Journals, PTI Building, II floor Sansad Marg, New Delhi 110001. Printed by the Manager Government of India Photo Litho Press, Faridabad.

یکم سے ۱۵ نومبر ۱۹۸۳ء
۱۰ سے ۲۴ کارتک ۱۹۰۵ شاکا

آواز

عت کا ۴۸ واں سال
ت 50 پیسے

آل انڈیا ریڈیو کے پروگرام، معلوماتی مضامین، دلچسپ افسانے و منظومات

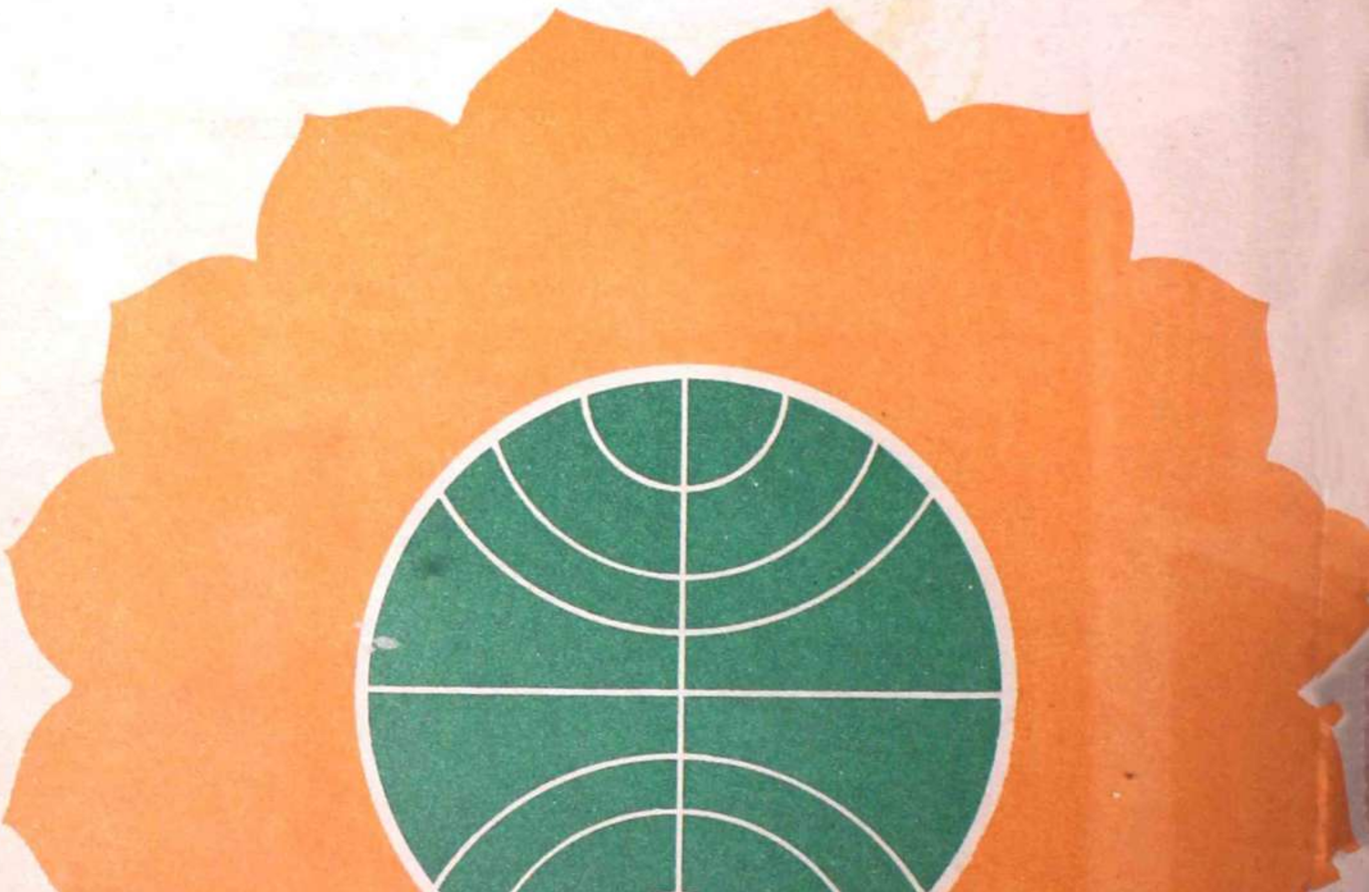

یسرا وشو ہندی سمیلن ۔ نئی دہلی

اس بار طرحی غزلیں اردو مجلس (دہلی) سے

مصرعۂ طرح:
"ٹک دیکھ لیں چمن کو چلو لالہ زار تک"
(سودا)

صغیر احمد صوفی

پہنچا دے کوئی یہ میرا پیغام یار تک
دیتا نہیں ہے ساتھ، دلِ بے قرار تک
ایسا دھواں کہ وسعتِ پرواز تنگ ہے
دھندلا گیا ہے آئینۂ بے غبار تک
خوش فہمیوں کے پھول بھی مرجھا گئے سبھی
مجھ کو نہ راس آیا غمِ روزگار تک
اب کے ہر ایک شاخ کی پوشاک زرد ہے
پھیکا چمن میں آج ہے رنگِ بہار تک
افراد میرے گھر کے حق دشمناں میں تھے
پہنچی یہ بات کیسے غریب الدیار تک
امید کی نظر سے اُسے دیکھتا رہا
لیکن بڑھا نہ ہاتھ طلب کے حصار تک
پیراہنِ شرر کا سماں دلفریب ہے
ٹک دیکھ لیں چمن کو چلو لالہ زار تک
صوفی کہاں گئے وہ رفیقانِ دیدہ ور
میں ڈھونڈ آیا ان کو غموں کے دیار تک

اندر سروپ دت نادان

اہلِ کمال رہ گئے نقش و نگار تک
ان کی نظر کہاں گئی دل کے غبار تک

نیچا مچان، اونچے ارادوں کی موت تھا
پہنچا نہ ایک تیر بھی اپنے شکار تک

لکھی ہیں اپنے نام یہ اندھی مسافتیں
ہے روشنی کا دائرہ گرتے سوار تک

اترے گا کون جلتی ہوئی آگ میں یہاں
محدود ہیں محبتیں رقصِ شرار تک

جانے وہ گل کھلائے گا کیا دشتِ یاس میں
ہے دوڑ اعتقاد کی جس گل عذار تک

نادآں یہ جوئے یار حریفِ انا تو ہے
جینا ہے پھر بھی آمدِ ابرِ بہار تک

محسن زیدی

ٹک دیکھ لیں چمن کو چلو لالہ زار تک
جیتا ہے کون آمدِ فصلِ بہار تک
بڑھ کر اٹھا لو اب بھی جو اوراقِ گل ملیں
جلدی کرو کہ پھر نہ ملے گا غبار تک
یہ سوچ لو لہو کا سمندر ہے درمیاں
اس دشتِ بے شجر سے گلوں کے دیار تک
اے چشمِ ناز پھر بھی ترا شکریہ بہت
تیرے کرم کے ہم نہ تھے امیدوار تک
دل کا زیاں نہیں ہے جو مطلوب تو یہاں
رکھے تعلقات کو بس کاروبار تک
کیا جانے صحنِ باغ میں کیسی ہوا چلی
اب کے کسی شجر پہ نہیں برگ و بار تک
گرتے تھے برگِ گل بھی کبھی اب یہ حال ہے
چبھتی نہیں ہے دل میں کوئی نوکِ خار تک
محسن چلو یہاں سے کہ وہ اب نہ آئے گا
کرتے ہیں انتظار، حدِ انتظار تک

رام کرشن مضطر

مٹ جائیں گے یہ زیست کے نقش و نگار تک
دنیا حسیں ہے زندگیٔ مستعار تک

یہ فصلِ گل، یہ جوشِ جنوں یہ جوانیاں
رقصاں ہیں میرے پیرہن تار تار تک

یہ چاندنی، یہ حسن، یہ کلیوں کا رنگ روپ
سب کچھ ہے میرے دیدۂ شب زندہ دار تک

تیری نظر کے ساتھ زمانہ بدل گیا
بدلی ہوئی ہے گردشِ لیل و نہار تک

غارتگرانِ دل کو نہ آیا کسی پہ رحم
اس راہ لٹے ہیں غریب الدیار تک

کیا جانے اور کتنی بلاؤں کا ہو نزول
ہنگامِ صبح و ختمِ شبِ انتظار تک

کس کو ہوئی نصیب یہ معراجِ بندگی
سجدوں کے کچھ نشاں ہیں تری رہگذار تک

رندانِ بادہ خوار تو پھر بادہ خوار ہیں
دیکھے ہیں ان کی بزم میں پرہیزگار تک

مضطر یہ اشک روک کہ اب التفات پر
مجبور ہے وہ چشمِ تغافل شعار تک

آواز

آل انڈیا ریڈیو کے پروگرام

		ٹیلی فون
چیف ایڈیٹر	اوم پرکاش بجری وال	۳۸۲۲۴۹
ادارت		
	سراج احمد	۳۸۲۲۵۴
	هرمہندر سنگھ وج	
اسسٹنٹ بزنس منیجر	ڈی کے پوری	۳۸۲۳۵۱
تار کا پتہ۔	Listener	

ئی دھلی - یکم نومبر ۱۹۸۳ء بمطابق ۱۰ رکارتک ۱۹۰۵ شاکا - جلد ۴۸، شمارہ ۲۱

اس شمارے میں

اردو کا لسانی رشتہ	ڈاکٹر اصغر وجاہت	۳
سرائیل تعلقات	جمیل مہدی	۵
ت جتی، تاریخ کے آئینے میں	ڈاکٹر قیام الدین احمد	۶
ناول کے دس سال	ابوالکلام قاسمی	۸
ں اسٹیج، ایک تعارف	یونس اگاسکر	۱۲
ں اشیا کے استعمال کا شوق	رضوانہ جمال	۱۳
ں نقطہ نظر	م ع باسط	۱۴
ت بھی کیا چیز ہے	یوسف ناظم	۱۷
ہ خورشید انور	دھرم ویر	۱۸
لطیفہ گوئی	آزاد گلاٹی	۱۹
ر کا ماحول اور بچے	عالیہ حسن	۲۰
ن مت	موتی لال ساقی	۲۲
ں ملکوں سے بھارت کے روابط	اشرف علی	۲۳
	سراج انور	۲۴
ناس	فخرالدین عارفی	۲۵
ہ	معین الدین عثمانی	۲۶
سوس کا بوجھ	شہاب دائروی	۲۸
غزلیات		
ک لکھنوی		۹
نت قادری		۱۱
شر نقوی		۲۷
عصوم تاجپوری		۳۶
یس نجیب آبادی		۴۸
ناہد کلیم		۵۰

قیمت

فی کاپی	۵۰ پیسے
سالانہ	۱۰ روپے
دو سال	۱۹ روپے

(اندرون ملک ڈاک خرچ بذمہ ادارہ)

هندی اردو کا لسانی رشتہ

ڈاکٹر اصغر وجاہت

ہندی اور اردو شاید دنیا کی دو سب سے قریب ترین زبانیں ہیں۔ ان کے ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہونے کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ دونوں کی بنیاد قواعد ایک ہی ہے۔ اس قربت کی وجہ سے عام طور پر علم لسانیات کی تعریف اور حدود میں محدود رہ کر غور و فکر کرنے والے ماہرین لسانیات یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہندی اور اردو دو زبانیں نہیں ہیں بلکہ ایک زبان ہے۔ ہندوستانی آئین کے مطابق ہندی اور اردو دو زبانیں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں زبانوں کے مابین اتنا کم فرق ہے جو عموماً نظر نہیں آتا ہے۔ قواعد اور اپنے سرمایہ الفاظ میں بھی دنیا کی سب سے قریب تر زبانیں ہوتے ہوئے بھی ہندی، اردو کا خاص مزاج، اپنی مخصوص تہذیبی وراثت ہے۔ دونوں میں بہت گہرا رشتہ ہے، جسے سمجھے بغیر دونوں میں سے کسی بھی ایک کو زبان و ادب کا مطالعہ نامکمل رہ جائے گا۔

یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ ہم ہندی اور اردو کا جن معنوں میں آج استعمال کرتے ہیں وہ بہت قدیم نہیں ہے۔ ۱۹ویں صدی میں غالب اپنی شاعری کو 'ہندی کلام' کہہ کر یاد کرتے تھے۔ اور ان سے قبل کے تو کسی بھی اردو شاعر نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ اردو میں لکھتا ہے۔ میر تقی میر بھی اپنی زبان کو ہندی کہتے ہیں اور ایسے الفاظ کے استعمال سے گریز کرتے ہیں جو 'ہندی زبان کے بیچ' نہیں ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہندی اردو کا جن معنوں میں ہم استعمال کرتے ہیں، وہ ۱۹ویں صدی کے اواخر اور ۲۰ویں صدی کے اوائل کے دوران علیحدگی پسند اور احیا پرست رجحانات کی ہی دین ہے۔ حقیقتاً دونوں زبانوں کا ادب ۱۹ویں صدی سے بھی قدیم ہے۔ اسے ہندی اردو کی حد بندی میں محدود کر کے پڑھنے کا مطلب دونوں زبانوں کی روایت سے انکار کرنا سمجھا جائے گا۔

ہندی ادب کے طالب علم کے سامنے ہندی شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک بہت ہی اہم سوال سامنے آتا ہے۔ جدید ہندی ادب کے بابائے آدم بھارتیندو ہریش چندر کے وقت سے ہی کھڑی بولی ہندی میں شاعری کرنا ناممکن نہیں تو مشکل تصور کیا جاتا تھا۔ اور کھڑی بولی کی شاعری کی نہ کوئی ادبی شکل و صورت بن سکی تھی اور نہ اسے کسی طرح مقبولیت حاصل ہو سکی تھی۔ جس کی وجہ شاید یہ تھی کہ کھڑی بولی ہندی میں شاعری کی کوئی مربوط اور باقاعدہ روایت نہیں تھی۔ بہت طویل عرصہ تک ہندی کی نصابی کتابوں میں نثر کھڑی بولی ہندی میں لکھتے تھے اور نظم کے لیے برج بھاشا کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ لندن سے شائع کھڑی بولی پد کی بھومیکا میں ہندی کے خیر خواہ پنکاٹ صاحب نے لکھا تھا کہ دور دراز ملک میں بیٹھے لندن کے باشندے شاید نثر و نظم کی الگ الگ زبانوں کی وجہ سے ہندی ادب کی خستہ حالی اور اس کے قارئین کی مشکلات کا اندازہ نہ کر سکیں، لیکن ہمارے انگریزی ادب میں اگر نثر

کو ہو بہو رہنے دیا جائے لیکن نظم کو دوسری کی بولی میں کر دیا جائے تو ذہنی پریشانی اور مشکلیں پیدا ہوں گی۔ یہی صورت حال ہندی کی ہر ہندی نظم کی تقریباً پچیس سالوں تک ایسی ہی حالت رہی۔ ایک طرف برج بھاشا کی شاعری کے حامی اس بات پر راضی نہیں تھے کہ کھڑی بولی ہندی میں شاعری لکھی جائے، دوسری طرف خود کھڑی بولی ہندی کے خیر خواہوں کو اس کوشش میں کامیابی حاصل نہیں ہو رہی تھی۔ ۱۹۰۱ء میں 'سرسوتی' کے ایڈیٹر نے لکھا تھا کہ ہندی کی مزاحمت کی ایک دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کی دو طرح کی زبانیں ہیں۔ ایک نثر کی اور دوسری نظم کی۔ آخرکار چھایہ وادی شاعری نے ہی اس اختلاف کو ۲۰ویں صدی کی پہلی دہائی میں ختم کیا۔ یعنی ۲۰ویں صدی کی ابتدا میں کھڑی بولی کی ہندی شاعری کو ادبی حیثیت حاصل ہوئی۔ قابلِ غور سوال یہ ہے کہ ہندی ادب میں نثر کو نظم سے پہلے عروج حاصل ہوا۔ جبکہ دنیا کی تقریباً سبھی زبانوں میں نظم کے بعد نثر کی ترقی ہوئی ہے۔ ہندی میں صورتِ حال اس کے برعکس رہی ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کے اسباب اردو شاعری کے پس منظر میں ہی واضح ہوں گے۔

کھڑی بولی اردو شاعری کی برگزیدہ روایت ۱۶ویں صدی سے شروع ہوتی ہے۔ قلی قطب شاہ، ولی دکنی، سراج اورنگ آبادی، میر تقی میرؔ، اور ۱۹ویں صدی میں غالبؔ تک آتے آتے کھڑی بولی کی اردو شاعری دنیا کی اعلیٰ شاعری کے مماثل پہنچ چکی تھی۔ اگر اس روایت کو ہندی شاعری کی روایت تسلیم کر لیا جائے تو یہ پہیلی سلجھ جاتی ہے۔ دراصل کھڑی بولی کی فارسی رسم الخط میں لکھی جانے والی شاعری کو رسم الخط کی بنیاد پر قبول نہ کرنا مناسب نہیں ہے۔ رسم الخط چاہے فارسی کا رہا ہو لیکن اس رسم الخط میں لکھی جانے والی شاعری کھڑی بولی کی ہے۔ اگر فارسی رسم الخط میں لکھی گئی کھڑی بولی کی شاعری کو ہندی شاعری تسلیم کر لیا جائے تو یہ واضح ہے کہ کھڑی بولی نظم کو نثر سے پہلے فروغ حاصل ہو چکا تھا۔ کھڑی بولی ہندی میں نظم سے پہلے نثر نے فروغ کیوں پایا اور نظم کو فروغ کیوں نہ حاصل ہو سکا۔ کھڑی بولی شاعری کی تحریک کے ایک قابلِ قدر حامی ایودھیا پرساد کھتری نے میر تقی میرؔ، نظیر اکبر آبادی اور حالیؔ کو کھڑی بولی ہندی کا شاعر تسلیم کر کے اس روایت کو آگے بڑھانے کی بات کی تھی۔ لیکن ان کی بات پر اس وقت دھیان نہیں دیا گیا۔

دراصل رسم الخط زبان نہیں ہے۔ اور فارسی رسم الخط میں لکھی گئی کھڑی بولی کی شاعری کو ہندی ادب کی امانت تسلیم کرنے میں کسی طرح کی پریشانی نہ ہونی چاہیئے۔ اس روایت کو ایودھیا پرساد نے تسلیم کیا تھا۔ اور ہندی شاعری کے پانچ اسالیب —— (۱) ٹھیٹھ ہندی، (۲) پنڈت ہندی، (۳) منشی ہندی، (۴) مولوی ہندی، اور (۵) یوریشین ہندی، میں سے منشی ہندی کے اسلوب کو 'آدرش' سمجھا تھا۔ اس اسلوب کے دائرے میں انھوں نے ہریش چندر کی 'دشرتھ وِلاپ' 'بسنت' وغیرہ نظموں اور الطاف حسین حالیؔ کی 'بیوہ کی مناجات' کو شامل کر لیا تھا۔ اس منشی اسٹائل (یعنی ایسی کھڑی بولی کی شاعری جو فارسی رسم الخط یا ناگری دونوں میں ہو سکتی ہے لیکن اعلیٰ شعری روایت، زندگی اور احساسات میں رچی بسی ہو) کو اگر بحیثیت ہندی کھڑی بولی شاعری کے تسلیم کر لیا جاتا تو ہندی اردو شاعری پر دوررس اثرات مرتسم ہوتے۔ ہندی شاعری کو کھڑی بولی

اردو شاعری کی نہ صرف ایک بڑی روایت ملی تھی بلکہ غزل جیسی اہم صنف بھی ملی تھی۔ جو آجکل ہندی شاعری کی توجہ کا مرکز بنی رہتی ہے۔ لیکن غزل کی مکمل روایت سے وابستہ نہ ہونے کی وجہ سے انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کھڑی بولی اردو کی شعری روایت کو قبول کرنے کے بعد ہندی شاعری ایک ایسے نقطۂ نظر سے اپنا سفر شروع کر سکتی تھی جہاں پہنچ کر کسی بھی زبان کی شاعری ایام شباب میں ہوتی ہے۔

اردو شاعری خصوصاً اردو غزل جو اردو شاعری کی آبرو کہی جاتی ہے کے متعلق یا معنی تنقید۔ یہی ہے کہ اس کے حلقہ رجحان اور دائرے میں مصروف اعلیٰ یا متوسط شہری طبقہ کے افراد ہی شامل رہے ہیں۔ جہاں سے اسے تحریک حاصل ہوتی رہی ہے اور انھیں بھی تحریک دیتی رہی ہے۔ غزل کا تعلق ہندوستانی گاؤں کی جنتا، اس کے مسائل اور اس کی زندگی سے کیا کچھ نہیں رہا ہے۔ یہ تسلیم کرنے میں کوئی اعتراض بھی نہیں ہونا چاہئے کہ غزل کا دائرہ ان معنوں میں محدود رہا ہے۔ کچھ کوششوں کے ماسوا غزل کی آواز شہری تہذیب کی آواز رہی ہے۔ اگر ہندی شاعروں نے ۱۹ویں صدی میں غزل کی روایت کو ہندی شاعری تسلیم کر کے اسے دیوناگری میں لکھا ہوتا تو غزل عوامی زندگی کی طرف ضرور متوجہ ہوتی۔ اور غزل کا ایک نیا رنگ و روپ بھی سامنے آتا۔ بھارتیندو ہریش چندر غزل کہتے اور 'رسا' تخلص کرتے تھے۔ لیکن ان کی غزلوں میں بھی اردو غزل کی عام خوبیاں اور خرابیاں ہیں۔ انھوں نے یا ان کے ہمعصر ہندی کے دوسرے شاعروں نے غزل کو کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا کہ وہ نئے سانچے میں ڈھل پاتی۔ بہت بعد میں اس طرح کے تجربے ضرور کیے گئے لیکن باقاعدہ روایت نہیں بن سکی۔

اردو شاعری کا شرفا کی طرف زیادہ جھکاؤ اور گاؤں کی زندگی سے اس کی بے اعتنائی کی وجہ سے ہی جدید دور میں ترقی پسند تحریک کے دوران اردو شاعروں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ترقی پسند تحریک (جس کا رجحان عوامی زندگی کی طرف مائل تھا اور جس کا مقصد گاؤں کی جنتا اور شہر کے پس ماندہ طبقوں کو ایک نقطۂ نظر کے تحت سامنے لانا تھا) کے دوران اردو کے شاعروں نے جب لکھنے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ وہ عناصر ان کی روایت کا حصہ ہی نہ تھے۔ جن کی طرف وہ جانا چاہتے تھے۔ تلاش و جستجو کے بعد نظیر اکبر آبادی کو آدرش مانا گیا۔ لیکن نظیر کا ادب میرؔ اور غالبؔ جیسی روایت نہ قائم کر سکا تھا۔ وہ ایک انفرادی کوشش تھی۔ نظیر کے بعد طویل عرصے تک اس طرح کی عوامی شاعری کی طرف کوئی متوجہ نہ ہوا۔ شرفا اور اعلیٰ طبقہ کی طرف اردو شاعری کے جھکاؤ کی وجہ سے اور اس کی مخالفت کرنے کے لیے ہی ترقی پسند تحریک نے غزل کو بورژوا صنف قرار دیدیا تھا۔ یہ فیصلہ غلط تو تھا ہی ساتھ ساتھ اس بات کا آئینہ دار بھی کہ نئے شاعر نئے چیلنج کے سامنے کتنے مجبور ہو گئے تھے۔ ان کی یہ مجبوری کہیں کہیں ترقی پسند تحریک کے دوران لکھے گئے ان کے کلام میں نمایاں ہے۔ پرولتاریت پر لکھنے کا کوئی خاص علم نہ تھا اس لیے ان کی شاعری میں ذہنی ہمدردی کے ماسوا اور شاید ہی کچھ ملتا ہو۔ تحریک کے دوران ایک دو ایسے شاعر ضرور سامنے آگئے جنھوں نے 'عوامی گیتوں' کے اسلوب کو اپنایا اور بہت مقبول ہوئے۔ مثلاً مطلبی فرید آبادی، لیکن اس زمانہ میں اردو کے نمائندہ اور بڑے شاعر

گاؤں کی حقیقت کا اظہار پوری سنجیدگی، گہرائی اور فنی بصیرت کے ساتھ نہیں کر سکے۔ نہ ہی مزدوروں اور کسانوں کے شاعر بن پائے بلکہ دانشوروں کے شاعر ضرور بن گئے۔ چونکہ ان کے پاس اردو اور فارسی کی صحت مند روایت تھی اور نظم لکھنے کے سبھی اوزاروں سے مسلح تھے۔ اس لیے اچھی شاعری بھی کر سکے۔ لیکن عوامی شاعری خصوصاً کسانوں کی شاعری نہ لکھ سکے۔

ہندی زبان اور ادب پر اس کے برعکس ۱۹ویں صدی سے ہی یہ الزام عائد کیا جاتا رہا ہے کہ گنوار بھاشا ہے۔ ہندی والے یہ ثابت کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے کہ یہ گنوارو نہیں ہے۔ اور ثبوت پیش کرنے کے لیے سنسکرت کا سہارا لے رہے تھے۔ لیکن چونکہ ہندی کے بیشتر حمایتی ادیبوں کا تعلق اردو کے ادبا و شعرا کی بہ نسبت گاؤں سے زیادہ تھا اس لیے وہ اپنے گنوارپن کو جھٹک کر الگ تو نہیں کر سکتے تھے۔ یہ سلسلہ چلا اور چھایاواد نے گنوارپن کی چھاپ کو بڑی مشکل سے صاف کیا تو ترقی پسند تحریک کے دوران پانسہ الٹا ہو گیا۔ پہلے جو سب سے بڑی خوبی تسلیم کی جاتی تھی وہ سب سے بڑی خرابی ہو گئی۔ عوامی رجحان

MAHAVIR MELODIES

آسام، میگھالیہ، تریپورہ، اروناچل پردیش، ناگالینڈ، میزورم کی دلکش اور مسحور کن موسیقی اور منی پور کی ملکۂ ترنم شریمتی لیشن رام سیما کی آواز جیسی عظیم گیت کار فلم رائٹرس ایسوسی ایشن کی مینجنگ کمیٹی کے ممبر اور آکاش وانی کے منظور شدہ فن کار کملا کانت جین کے ہندی گیت جن کو منی پوری دھنوں میں باندھا اور گایا ہے خود ملکۂ ترنم نے —— عالمِ موسیقی میں ایک دھماکہ ایک مہکتا گلدستہ۔ یقین نہ ہو تو سن کر دیکھیے۔ اس دہے کی عظیم دریافت

چاند آگیا بانہوں میں

یہ نغمہ ریز کیسٹ آج ہی اپنے میوزک ڈیلر سے خریدیے —— مبلغ ۴۸ روپے (بشمول ڈاک خرچ) کا بنک ڈرافٹ / منی آرڈر بھیج کر ہم سے طلب کریں۔

یہ کوئی مشکل کام نہ تھا اور انھوں نے اس سلسلے میں کامیابی حاصل کی۔ ناگارجن، تری لوچن وغیرہ کی ... زندہ ہوا اٹھا۔ لیکن شہر کے متوسط طبقہ تک وہ نہ پہنچ سکے جیسے اردو کے شاعر پہنچ گئے تھے۔ دراصل ... کے دوران کی شاعری اس بات کا بہتر ثبوت ہو ... ہندی کے شاعر باہمی طور پر ایک دوسرے سے ... ہیں۔

... ی کے میدان میں ہندی اور اردو کا رشتہ ۱۹ ویں صدی ... تھا۔ لیکن نثر کے میدان میں یہ رشتہ فورٹ ولیم کالج کے ... شروع ہوگیا تھا۔ رانی کیتکی کی کہانی (۱۸۰۸ء) لکھتے ... ہاں انشا، اور باغ و بہار (۱۸۰۱ء ــ ۱۸۰۲ء) لکھتے ... کوشش یہی تھی کہ عام بول چال کی زبان میں نثر لکھی ... کوئی کہانی ایسی لکھنی چاہتے تھے جس میں ہندی چھٹ ... پٹ نہ ملے۔ تو میرامن 'باغ و بہار' کو ٹھیٹھ ہندوستانی ... اردو کے لوگ ہندو مسلمان، عورت مرد، لڑکے بالے ... چاہتے تھے۔ اس طرح رسم الخط کے فرق نے نثر کے میدان ... نہیں کیا جو شاعری کے میدان میں ادا کیا۔ اس کی ... وجہ یہ تھی کہ شاعری میں فارسی صنف ادب یعنی غزل نے ... تسلط قائم کر رکھا تھا اور ہندی کے ادیبوں کو جس طرح ... کی ایسی صورت حال نثر میں نہیں تھی۔ دونوں زبانوں کی ... ایک وقت میں، ایک ساتھ اتنا مل جل کر شروع ہوا کہ ... اردو کی تخلیقی نثر کو ایک دوسرے سے جدا کر کے ... ارتقائی سفر کو نہیں سمجھا جا سکتا اور رسم الخط اختلاف کا ... بنتا۔

ہندی ادب کے بابائے نثر پریم چند پہلے اردو میں ... اور ان پر اردو ادب کے ان سے پہلے کے ادیبوں مثلاً ... ین آزاد، الطاف حسین حالی، نذیر احمد، مولانا شبلی نعمانی، ... تھ سرشار، مولانا عبدالحلیم شرر، مرزا ہادی رسوا، وغیرہ ... اثرات تھے بلکہ انھوں نے ٹکسالی نثر کی روایت کو جذب کر لیا ... د کو اردو نثر کی روایت کا مطالعہ کیے بغیر سمجھ پانا مشکل ہے۔ ... نے چندر کانت سنتی کے بعد نہیں بلکہ نذیر احمد، سرشار ... کے بعد اپنا سفر شروع کیا تھا ان پر ان لوگوں کے اثرات ... ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ایک خاص حد تک یہ اثرات ان ... کے بعد اس سے بری ہو گئے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ... عظیم ادب کی تخلیق ہرگز نہ کر پاتے۔ سچ کہا جائے تو پریم چند ... اردو کے باہمی ادبی لین دین کی علامت ہیں۔ اور ان کی ... کا ایک بہت بڑا راز اسی میں پنہاں ہے۔ آج اس بات ... ضرورت ہے کہ ہندی اردو ادب کے امداد باہمی کے ... فروغ دیں۔ اور ایک دوسرے سے وہ سیکھیں جو ... زبانوں کے ادب کی ترقی کے لیے ضروری ہے۔ جیسا کہ ... چکا ہے یہ دونوں زبانیں ایک دوسرے سے اس حد تک ... ہیں کہ ان کی الگ الگ نہ کوئی تاریخ ہے اور نہ وجود ہے۔

وجاہت
... ندی
... تعلیمیہ اسلامیہ۔ جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

عرب اسرائیل تعلقات

جمیل مہدی

اس دنیا میں آج سے زیادہ علم کبھی نہیں تھا، آج سے زیادہ آبادی کبھی نہیں تھی، آج سے زیادہ ترقی اور خوشحالی کے امکانات کبھی نہیں تھے۔ نسل انسانی کے عروج اور اسرار فطرت کی کھوج اور کامیابیوں کی توقعات کبھی نہیں تھیں۔ اس اعتبار سے ہماری آج کی دنیا اتنی وسیع و عریض ہوگئی ہے اور علوم و فنون اور انسانی آبادی کے گوشوں سے اتنی پھیل گئی ہے جس کی کوئی مثال اس سے پہلے کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔

دوسری طرف یہ صورت ہے کہ سائنس اور اس کی نت نئی ایجادوں نے فاصلے کم کر دئے ہیں۔ ان ولولہ انگیز ایجادوں کی مدد سے انسان اس دنیا کو اپنے حوصلوں کے مقابلہ کم اور تنگ پا کر نت نئی دنیاؤں کی تلاش میں خلائے بسیط کے چکر لگا رہا ہے اور ستاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے انسانی ذہن کی رسائی اس درجہ تک پہونچ گئی ہے کہ زمین کے دور افتادہ گوشے اپنی طنابیں توڑ کر ایک دوسرے سے آملے ہیں۔ کسی ایک جگہ پتہ کھڑکتا ہے تو اس کی آواز دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اس طرح سنائی دیتی ہے جیسے یہ واقعہ گھر کے صحن میں پیش آیا ہو۔ اس اعتبار سے یہ دنیا سکڑ کر اتنی مختصر اور اتنی چھوٹی ہوگئی ہے کہ اس کی بھی کوئی دوسری مثال اس سے پہلے کی تاریخ میں موجود نہیں۔

ان متضاد عوامل اور اس مختلف صورت حال کی بدولت اب جنگ و امن اور ملکوں کے محدود مسائل نہیں رہے، ساری دنیا کے ساتھ مربوط اور مشترک ہو گئے ہیں، زمانے کے نئے انداز نے جو نئے راگ اور نئے ساز پیدا کئے ہیں ان کی بدولت اس دنیا کا مستقبل، فنا اور بقا زندگی اور موت، نسل انسانی کی بے مثال ترقی اور نابودگی کے فیصلہ کن مرحلہ پر آ کھڑا ہوا ہے۔ جنگ اور امن کے محدود رقبہ تک محدود نہ رہ کر ساری دنیا سے متعلق ہو جانے کے بعد اب اس بات پر یقین کرنے کا سوال ہی ختم ہوگیا ہے کہ کسی دور افتادہ خطہ میں جنگ اور تصادم جنگل کی آگ کی طرح ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں نہ لے لے گا۔ جوں جوں دنیا آگے بڑھتی گئی ہے اور ترقی کرتی گئی ہے نئے نئے تباہ کن آلات اور اسلحہ جات کی ایجاد کرتی گئی ہے۔ اس اعتبار سے جنگوں کے اثرات ہلاکتوں کی تعداد اور نقصانات اور تباہی کی تعداد بڑھتی چلی گئی ہے۔ گذشتہ سالوں میں دو عالمگیر جنگوں کے تجربے نے اس دنیا کو جو سبق سکھایا ہے اس کے پیش نظر نسل انسانی کے مکمل طور پر نیست و نابود ہونے کا خطرہ مول لے کر ہی کسی تیسری عالم گیر جنگ کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔ جوں جوں جنگ کی ہولناکی اور دہشت بڑھتی جاتی ہے امن کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور قیام امن کی ضرورت ناگزیر ہوتی جاتی ہے۔

گذشتہ جنگ عالمگیر میں جواب سے ۳۸ برس پہلے ختم ہوئی تھی۔ چار کروڑ کے قریب آدمی مارے گئے تھے دس کروڑ کے قریب زخمی ہوئے تھے۔ بمباری اور گولہ باری سے اتنے شہر ملبے کے ڈھیر میں تبدیل ہوئے تھے کہ ایک ہزار نئے شہر جدید ساز و سامان کے ساتھ اس دولت سے تعمیر کئے جا سکتے تھے جو بارود اور دھوئیں کی آگ سے جھلس کر خاک ہو گئے اور خوفناک ہلاکت اور دہشتناک تباہی کی یہ حالت اس وقت ہوئی تھی جبکہ دنیا میں ایٹم بم نہیں بنا تھا۔ آج دنیا میں نیوکلیائی بموں کے جتنے ذخیرے ہیں، اگر ان کا استعمال ہو تو اس دنیا کی موجودہ آبادی کو تین بار زندہ کر کے تین بار تباہ کیا جا سکتا ہے۔ ایسی خوفناک صورت حال میں جہاں کہیں صف آرائی ہوتی ہے تصادم کا خطرہ ہوتا ہے، امن کی خرابی اور جنگ کی چنگاریوں کا اندیشہ جاگتا ہے تو ساری دنیا عاقبت اور انجام کے خوف سے کانپنے لگتی ہے۔ ایسی نازک فضا اور ایسے فیصلہ کن ماحول میں سب سے زیادہ خطرہ غیر ذمہ دار ملکوں سے ہے، اور ایسی قوموں سے ہے، جو تشدد جنگ اور دہشت پسندی کے ذریعہ

مسائل کے حل کرنے پر یقین رکھتے ہیں اور ایسے ملکوں میں مشرقِ وسطیٰ کا نوزائیدہ ملک اسرائیل ایک نمایاں اور ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔

ایک ایسے خطّہ میں جہاں یہودی آبادی کا تناسب تقریباً دو فیصدی تھا اور ایک ایسے علاقے میں جہاں عربوں کی ایک قوم کے سوا دوسری کوئی قوم تک موجود نہ تھی اسرائیل کی ریاست کا قیام ساری دنیا کے لئے شاید سب سے بڑے عجوبہ کی نوعیت رکھتا ہے۔ اس ترقی یافتہ دنیا کے اصول جہاں بانی اور سیاست رانی اور حکمتِ عملی کا اس سے بڑا کوئی ثبوت نہیں کہ کسی علاقہ کو فتح کئے بغیر کسی علاقہ کے لوگوں کی مرضی تک معلوم کئے بغیر کسی کسی علاقے کی پوری کی پوری آبادی کی مخالفت کی پرواہ کئے بغیر اس علاقے میں اسرائیل کی ایسی سلطنت محض ڈپلومیسی اور بین الاقوامی چالوں کی بنا پر قائم کرائی گئی جو اپنے قیام کے پہلے دن سے اب تک اس علاقے میں امن کے بجائے جنگ کی چنگاریاں بکھیر رہی ہے۔

حالانکہ اسرائیل کی سلطنت ہندوستان کی آزادی سے بھی ۵ مہینے پہلے قائم ہو چکی تھی، لیکن ہندوستان نے اس کی مخالفت میں قوموں کی خود مختاری کے اصول کے تحت آواز بلند کی تھی اور گاندھی جی ان لوگوں میں ایک تھے جنہوں نے بین الاقوامی ڈپلومیسی کی بدولت عرب قوم کے بیچوں بیچ ایک اجنبی قوم کو لا کر بسا دینے اور اسے ایک باقاعدہ سلطنت کے طور پر قائم کرنے کے اقدام کی صاف الفاظ میں مخالفت اور مذمت کی تھی۔ لیکن قوموں کی آزادی، خود مختاری اور اندرونی معاملات میں دخل نہ دینے کے اصولوں کو وضع کرنے والی ان بڑی قوموں نے جو دوسری عالمگیر جنگ کے فاتحین کی حیثیت سے اس دنیا کی زمامِ اقتدار سنبھالنے کا اپنے آپ کو مستحق سمجھ رہی تھیں، نہ صرف اسرائیل کی سلطنت کو عرب علاقے کے قلب میں تعمیر کیا بلکہ اس کے وجود کی بقا اور اس کے تحفظ کی ذمہ داری بھی اپنے ہاتھ میں لے لی۔

اور اب اسرائیل عرب علاقے میں اس حالت میں بیٹھا ہے کہ چاروں طرف پھیلے ہوئے عرب ملکوں میں کوئی ملک اس سے محفوظ نہیں۔ ایک ایسی قوم اور ایک ایسے ملک کی حیثیت سے اس نے دنیا میں اپنا تشخص اور انفرادیت قائم کی ہے جو دہشت پسندی، تشدد اور جنگ اور رانچیزوں کے استعمال سے اپنی حدود میں توسیع کرتے چلے جانے کی دھن میں روزِ اوّل سے لگا ہوا ہے۔ اسرائیل کی طرف سے بغیر کسی اشتعال کے عراق کے ایٹمی کارخانے اور شطیلہ میں ان فلسطینی پناہ گزینوں کا قتلِ عام کیا گیا جنہیں نئی حکومت کی حدوں سے خود اسرائیل نے دہشت انگیزی کے ذریعہ یہودی آبادی کے لئے زیادہ جگہ فراہم کرنے کی غرض سے باہر نکال دیا تھا۔

تشویش ناک بات یہ ہے کہ اسرائیل اپنی موجودہ سرحدوں پر بھی قانع نہیں ہے بلکہ نیل سے فرات تک کے علاقہ پر قبضے کا منصوبہ علی الاعلان ظاہر کرتا رہا ہے اور اس سے بھی زیادہ تشویش ناک بات یہ ہے کہ اسرائیل کی تشدد پسندی اور جنگجویانہ رویّہ کی بدولت ایسے علاقے میں جنگ اور تصادم کا خطرہ ہر وقت لگا رہتا ہے۔ جو دنیا کے سب سے زیادہ پٹرول پیدا کرنے والا علاقہ ہے اور پٹرول کی وجہ سے اس علاقہ میں نہ صرف عرب اور اسرائیل کے متحارب فریقوں بلکہ بین الاقوامی سیاست کی رقیب اور فریق بڑی عالمی طاقتوں کے مفاد میں زبردست ٹکراؤ موجود ہے اور اس ٹکراؤ کی بدولت ریشہ دوانیوں کا سب سے بڑا مرکز بن گیا ہے اور عرب اور اسرائیل کی حکومتوں کی حیثیت شطرنج کے مہروں کی ہو کر رہ گئی ہے یوں تو دنیا میں ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ میں درجنوں ایسے حساس علاقے ہیں جہاں جنگ اور تصادم کی حالت اور اس حالت میں نتیجہ میں تصادم کا خطرہ اور تصادم کی صورت میں دنیا کی بڑی قوتوں کے آپس میں ٹکرا جانے کا خوف اندیشہ موجود ہے، اور گذشتہ بیس برسوں میں کئی بار کئی جگہ ایسے سنگین اور خوفناک مراحل سے گذر چکی ہے۔ مثال کے طور پر کوریا اور کیوبا میں۔ کہ اس دنیا میں تیسری جنگ کا آغاز۔ اور ایٹمی جنگ۔ بس دنوں اور گھنٹوں میں معلوم ہونے لگی تھی، لیکن بنی نوعِ انسان اور خود اپنی عاقبت کے خیال سے بڑی طاقتوں کے مدبّر اس جنگ کو ٹال دینے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن مشرقِ وسطیٰ میں یہ خطرہ زیادہ تشویش انگیز اور زیادہ خوفناک اس لئے ہے کہ اسرائیل کے لیڈر علاقائی اور عالمی امن کے مقابلہ میں اپنے قومی مفاد اور توسیع پسندی سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ اور کسی بھی طرح غیر ذمہ دارانہ اقدامات سے دریغ نہیں کرتے۔ ان کے اس بے یقین روئیے اور ناقابلِ اعتبار طرزِ عمل کی بدولت مشرق وسطیٰ کا علاقہ دنیا کا سب سے خطرناک اور حساس علاقہ بن گیا ہے۔ اور ایسا معلوم ہونے لگا ہے کہ اس دنیا کی سلامتی اور نسلِ انسانی کی بقا ہی اس سوال پر منحصر ہو کر رہ گئی ہے کہ یہاں مستقل امن قائم ہو سکتا ہے یا نہیں۔

جمیل مہدی (آکاشوانی لکھنؤ سے نشر)
ایڈیٹر روزنامہ عزائم لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸

عزیز سامعین

طباعت، کاغذ اور دیگر متعلقہ اخراجات میں مجموعی طور پر اضافے کے سبب ہم اپنے پندرہ روزہ جریدے آواز کی قیمت میں اضافہ کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ یکم دسمبر ۱۹۸۳ء کے آواز کے شمارے کے ساتھ آئندہ ایک کاپی کی قیمت ایک روپیہ ہوگی۔ بادی النظر میں بے شک یہ اضافہ صد فیصد محسوس ہوتا ہے لیکن بازار میں مہیا دیگر رسالوں اور اخبار کے مقابلے ایک روپیہ قیمت نہایت کم ہے۔

ہمیں امید ہے آپ کا تعاون ہمیں حسبِ سابق ملتا رہے گا اور بہتر سے بہتر مواد آپ تک پہنچانے کے لیے ہم ہمیشہ کوشاں رہیں گے۔ شکریہ۔

سالانہ قیمت

ایک سال ــــ ۲۰ روپے ◎ دو سال ــــ ۳۵ روپے

قومی یکجہتی
تاریخ کے آئینے میں

ہندوستان کی طویل تاریخ کے د
مختلف نسلوں اور قبی
لوگ اس ملک کی سرحد میں داخل ہوتے رہے
اس کے علاقوں میں آباد ہوتے رہے۔ یہ سلسل
عیسوی کی ابتدا سے قبل شروع ہوا اور مختل
مدتوں کے وقفوں کے ساتھ جاری رہا۔ با
لوگوں کی آمد فوجی حملوں یا قبائیلی ہجرت دونوں
پر ہوئی۔ مگر عموماً اس طرح کی نقل آبادی کلیل
ہوا کرتی تھی۔ کسی خاص علاقے میں بسنے والے
کی ہجرت کے بعد یہ سلسلہ بند ہو جاتا اور با
ہوئے یہ افراد اپنے قدیم مرکز سے بالکل کٹ کر

اس سلسلے کی ایک اہم کڑی اس ملک
مسلمانوں کی آمد تھی۔ ابتدائے اسلام سے ق
عربوں کے ساتھ ہندوستان کے تجارتی تعل
تھے۔ بعد میں تاجروں، سیاحوں اور صوفی
آمد انفرادی طور پر ہوتی رہی۔ آٹھویں صدی
میں سندھ پر عربوں کا حملہ ایک دوسری نوع
واقعہ تھا۔ اس سے ہندوستان میں عرب مس
کی حکومت اور اسلامی تہذیبی اثرات کا آ
بعض مورخین کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ
بے معنی اور بے اثر فتح تھی۔

پھر بھی یہ صحیح ہے کہ سیاسی اعتبار
کے اثرات محدود رہے۔

۱۲ ویں صدی کے اواخر میں بیرونی حم
ایک نیا دور شروع ہوا جس میں وسط ایشیا
قبیلے پیش پیش تھے اور جس کے نتیجے میں دہلی
کا قیام ۱۲۰۶ میں ہوا۔ شمالی ہندوستان
پھر بعد میں جنوبی ہندوستان میں ترک ا
مسلم شاہی خاندانوں نے حکومت کی جڑیں
کیں۔ اس وقت تک اسلامی اقتدار اور ا

ڈاکٹر قیام الدین احمد

۔ اپنے تعمیری عہد کو پار کر چکی تھی۔ ہندوستان
سانوں کا یہ نیا حکمراں طبقہ اپنے مذہبی عقائد
اشرے کی تنظیم کے اعتبار سے بہت حد تک
تھا۔ دوسری جانب ہندوستان کی اپنی ایک
ر ترقی یافتہ تہذیب تھی۔ ان دونوں ترقی یافتہ
ں کا باہمی تعلق اور ایک دوسرے سے اثر پذیری
ں دلچسپ اور سبق آموز موضوع ہے۔ سیاسی سطح
ہوتا رہا ہے اور جنگیں ہوتی رہی ہیں مگر متعدد دیگر
ں پر باہمی اثرات پذیری کا عمل بھی جاری رہا گرچہ
ہ ظاہر اور نمایاں نہیں ہوتا۔ باہر سے آئے مسلمان
س گئے۔ یہاں کے رسم و رواج کو قبول کیا۔ مقامی
مے کے بہت سارے پہلوؤں سے متاثر ہوئے اور
ے مداح بن گئے۔ اس کا ثبوت اس دور کے مصنفین
ہین کی تحریروں، صوفیاء کے ملفوظات و مکتوبات
وفن اور طرزِ تعمیر کے نمونوں میں ملتا ہے۔
اسلامی معاشرہ اور تہذیب عالمی نوعیت کی ہے
ں سیاسی تنظیم یعنی خلافت بھی عالمگیر تھی۔ بعد میں جب
یاستحکام منتشر ہوگیا اور عالمِ اسلام میں مختلف
تیں قائم ہو گئیں ـــــ جن میں دہلی سلطنت بھی ایک
ـــــ تب بھی ان سلطنتوں کی بنیاد الگ الگ
ں خاندانوں پر قائم تھی۔ قومیت کے نظریے پر نہیں۔
یت کے نظریے کی ابتدا ۱۹ویں صدی میں مغربی یوروپ
میں ہونے کی۔ قومیت کے اس تصور کے تحت ایک
وص جغرافیائی علاقے اور ماحول میں رہنے والے
، زبان کے بولنے والے اور ایک مشترکہ ثقافت اور
ایات کے حامی۔ ایک قوم کے افراد مانے جاتے ہیں اور
کی بقا اور اظہار کے لئے ایک علیحدہ سیاسی تنظیم، ایک
یا ریاست، ضروری سمجھی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ قومیت کا
ستور اسلامی عالمی تہذیب اور اقدار سے بالکل مختلف
۔ شاید یہی وجہ ہے انگریزی لفظ [illegible]

کا صحیح عربی متبادل لفظ نہیں ملتا۔ بہر حال ۱۹ویں صدی کے دوران قومیت کی لہر عالمِ اسلام میں بھی پھیلی اور دیگر اسباب کے ساتھ مسلم قومی ریاستوں کی تشکیل کا ایک سبب بنی۔ موجودہ دنیا کے زیادہ تر ممالک قومی ریاستوں کے طور پر بنے ہیں۔ پھر بھی دنیا کا سیاسی نقشہ مکمل طور پر قومی سرحدوں کے مطابق نہیں بن سکا ہے۔ بعض ممالک میں نسلی، مذہبی اور لسانی اقلیتیں سیاسی علیحدگی کا دعویٰ کر رہی ہیں۔ پھر کچھ بڑے ممالک ایسے ہیں جہاں دو یا اس سے زیادہ مختلف معاشرے اور مذاہب والے لوگ آباد ہیں۔ ایسے معاشروں کو PLURAL SOCIETIES کہتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی یہ صورت پائی جاتی ہے۔ بڑی تعداد کی اقلیتوں والے ایسے ممالک میں قومی اور تہذیبی یکجہتی ایک اہم مسئلہ ہے۔

باہمی تہذیبی اثرات کے عمل کے متعلق پہلے اکثر ماہرینِ سماجیات کا خیال تھا کہ یہ عمل بہت حد تک یک طرفہ ہوتا ہے اور قوی، ترقی یافتہ، معاشرہ، کمزور، ترقی پذیر معاشرے کو متاثر کرتا ہے۔ یہ لوگ یعنی پھیلاؤ اور نفوذ کے نظریے کے قائل تھے، مگر اب اس رجحان میں تبدیلی آئی ہے اور اس بات پر زور دیا جا رہا ہے کہ اثر پذیری کا یہ عمل لازمی طور پر یک طرفہ نہیں ہوتا۔ ناپ تول کر یہ کہا نہیں جا سکتا کہ کس نے زیادہ دیا اور کس نے زیادہ قبول کیا مگر یہ ضرور ہے کہ لین دین دونوں جانب سے ہوتا ہے۔

ہندوستان کی تاریخ میں ہمیں اس بات کے واضح نشانات ملتے ہیں۔ میں نے ابھی ذکر کیا کہ عہدِ وسطیٰ کے ہندوستان کی تحریروں، پوشاک و خوراک رہن سہن کے طریقوں، فن و ادب اور طرزِ تعمیر کے نمونوں میں یہ عمل صاف ظاہر ہوتا ہے۔ تفصیلات کا یہ موقع نہیں، مگر مختلف میدانوں میں مجموعی طور پر اس کی نشان دہی کی جا سکتی ہے۔

امیر خسرو ہندوستان اور ہندوستانیوں کی تعریف میں زورِ قلم دکھاتے ہیں۔ صوفیاء کرام اپنی مجلسوں میں سوالات کے جواب میں اس بات پر زور دیتے ہیں کہ مقامی رسم و رواج اور طور طریقوں کو قبول کرنے میں کوئی مذہبی قباحت محسوس نہیں کرنی چاہئے۔ دوسری جانب بھکتی تحریک کی ابتدا اور اس سے متعلق بعض ممتاز شخصیتوں خصوصاً کبیر اور گرونانک کے افکار میں اسلامی اثرات بہت نمایاں ہیں۔ عہدِ وسطیٰ کے راجپوت اور دیگر ہندو شاہی گھرانوں کی طرزِ رہائش، عمارات اور انتظامیہ میں مغل سلطنت کے اثرات واضح ہیں۔

اس عہد کی طرزِ تعمیر کے لئے ہند اسلامی طرزِ تعمیر کی اصطلاح سے ہی یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس طرز میں مقامی اور بیرونی اثرات کا ایک متناسب اور حسین امتزاج ہے۔ اسلامی فنِ تعمیر سے متعلق خصوصیات مثلاً گنبدوں، محرابوں اور میناروں کی تعمیر اور ہندوستانی فنِ نقاشی ـــــ پتھروں، اینٹوں اور چونے کی پلاسٹر شدہ سطحوں پر پھول پتیوں، اقلیدسی شکلوں اور جالیوں کا بکثرت استعمال۔ یہ چیزیں اس دور کی عمارتوں میں اب بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔

اردو زبان اور ہندوستانی سنگیت کا ارتقاء باہمی اثرات کے اس عمل کا ایک اہم اور جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ جس سے ہم آج بھی فیض یاب اور لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ سلسلہ جاری رہا اور نتیجے کے طور پر ایک مشترکہ تہذیب پروان چڑھی بعض مورخین اس بات کے قائل نہیں کہ ایسی کوئی مشترکہ تہذیب واقعی تشکیل پذیر ہوئی، لیکن جو چند مثالیں سرسری طور پر پیش کی گئیں، اُن کی بنا پر یہ اعتراض زیادہ قابلِ قبول نہیں معلوم ہوتا۔

تہذیبی یکجہتی اور مقامی اثرات کی قبولیت کی ایک عمدہ مثال ہمیں بابر اور بہادر شاہ ظفر کی زندگیوں میں ملتی ہے۔ سلطنت مغلیہ کے بانی، بابر نے اپنی زندگی کا تقریباً سارا حصہ وسط ایشیا میں گذارا تھا اور صرف آخری چند سال ہندوستان میں۔ اگرچہ وہ ہندوستان کی بعض باتوں، مثلاً موسم برسات کا لطف اور یہاں کے کاریگروں کی ہنرمندی وغیرہ کی تعریف کرتا ہے۔ مگر اپنی خود نوشت ڈائری "توزک بابری" میں وہ اکثر اپنے آبائی ملک اور مانوس معاشرے کو یاد کرتا ہے اور اپنے وطن لوٹ جانے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔ بابر کے ہی خاندان کا ۳۰۰ سالوں بعد کا ایک فرد اور سلطنتِ مغلیہ کا آخری تاجدار، بہادر شاہ ظفر تھا، جو ۱۸۵۷ کی جنگِ آزادی کے بعد رنگون جلاوطن کر دیا گیا اور مرنے کے بعد وہیں دفن ہوا۔ اس کا وہ مشہور شعر آپ سب نے سنا ہوگا جس میں وہ خاکِ وطن میں جگہ نہ پائے پر اپنی بدنصیبی پر اظہارِ افسوس کرتا ہے۔

کتنا ہے بدنصیب ظفر دفن کے لئے
دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

بابر اور بہادر شاہ ظفر کے احساس کے یہ دو نمونے تہذیبی اور قومی یکجہتی کے طویل اور مسلسل عمل کو بہت خوبصورت اور موثر طور پر پیش کرتے ہیں۔

(پٹنہ سے نشر)

ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی

ماجھی ہمت ہار نہ دینا، کر تو ذرا پتوار بلند
عزم کے آگے طوفاں کیا شے، کشتی سے کب دھار بلند

فن محدود نہیں ہے یارو، رنگوں اور لکیروں میں
دل کے لہو کی آمیزش سے ہوتا ہے فن کار بلند

(اردو سروس سے)

اردو ناول کے دس سال

ابوالکلام قاسمی

دس سال کا عرصہ کسی ادبی صنف کے جائزے کے لئے قابلِ لحاظ مدت اس اعتبار سے ہے کہ اس عرصہ میں کسی مخصوص صنف کی رفتار اور اس کے رجحانات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور ناقابلِ لحاظ اور ناکافی عرصۂ وقت یہ اسلئے ہے کہ اتنی کم مدت میں لکھے جانے والے ادب پارے ادبی ارتقاء کا صحیح پس منظر فراہم نہیں کر سکتے ——— اردو ناول کے دس سالہ جائزے میں میری کوشش یہ ہوگی کہ اس زمانے میں شائع ہونے والے ایسے ناولوں کو ضرور زیرِ بحث لایا جائے جو فنی اور ادبی قدر و قیمت کے اعتبار سے ناول کی تاریخ میں کسی اہمیت کے حامل ہیں۔

دنیا کی بیشتر زبانوں میں ایسے ہزارہا ناول لکھے جاتے ہیں جو ادبی اہمیت نہ رکھنے کے باوجود عوام میں مقبول ہوتے ہیں اور مختلف انسانی طبیعتوں کے تفنن کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ چنانچہ اردو میں بھی جاسوسی، تفریحی، بازاری اور عام معنوں میں رومانی ناولوں کی اشاعت شب و روز عمل میں آتی ہے مگر اس جائزے میں ان انواع و اقسام کے ناول ہمارے دائرۂ بحث سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ اس لئے آیئے ہم ادبی اور فنی قدر و قیمت کے حامل ناولوں پر ایک نظر ڈالیں اور اندازہ لگائیں کہ گذشتہ دہائی میں شائع ہونے والے ناول، ناول نگاری کے کن رجحانات کی عکاسی کرتے ہیں۔

اردو ناول کے دس سال پر نظر ڈالتے ہوئے ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ پچھلی دو تین دہائیوں میں ہمارے یہاں آگ کا دریا، ٹیڑھی لکیر، میرے بھی صنم خانے، ایسی بلندی ایسی پستی، اداس نسلیں، آنگن، خدا کی بستی، خون جگر ہونے تک، علی پور کا ایلی، شام اودھ، تلاش بہاراں، آبلہ پا، انتظارِ موسمِ گل، شب گزیدہ، اور سنگم جیسے مختلف انداز اور متنوع رجحانات رکھنے والے ناول شائع ہو چکے ہیں۔ ان ناولوں کا ذکر اس لئے بھی ضروری ہے کہ ہمیں یہ معلوم ہو سکے کہ آیا پچھلے دس برسوں میں شائع ہونے والے ناول صرف روایتی میلانات کا تتبع ہیں یا اس روایت سے انحراف اور اس کو توسیع کی صورتیں بھی ناول نگاری کے ہی مرحلے پر نمودار ہوتی ہیں ——— یہاں یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ مذکورہ ناولوں کے بیشتر ناول نگاروں نے پچھلے دس برسوں میں اپنے گذشتہ ناول پر کوئی خاص اضافہ نہیں کیا۔ البتہ صفِ اوّل کے ناول نگاروں میں صرف ایک ناول نگار نے اپنے تخلیقی سفر کو اسی شان اور سطح سے جاری رکھا جو اس کے پہلے ناولوں سے قائم ہوئی تھی۔ میری مراد آگ کا دریا سفینۂ غم اور میرے بھی صنم خانے کی مصنفہ قرۃ العین حیدر سے ہے کہ اس دہائی میں آخرِ شب کے ہمسفر، اور کارِ جہاں دراز ہے، کے نام سے موصوفہ کے دو ناول شائع ہوئے ہیں ——— عبداللہ حسین جو اداس نسلیں کیساتھ خاصی آن بان اور چونکا دینے والے انداز کے ساتھ اردو کے ادبی منظر نامے پر نمودار ہوئے تھے، عرصے تک خاموش رہے، پچھلے دنوں "باگھ" کی اشاعت کے ساتھ ان کی خاموشی ٹوٹی ہے مگر اس طرح کہ باگھ میں نہ تو اداس نسلیں کی سطح برقرار رہ پائی اور نہ اسے کسی اور نقطۂ نظر سے اہمیت حاصل ہوتا نظر آتا ہے ——— اداس نسلیں میں ظاہر ہونے والا سماجی شعور، دانشورانہ انہماک اور سیاسی اور تمدنی بصیرت باگھ میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتی اس کے برخلاف رضیہ فصیح احمد، جمیلہ ہاشمی اور عصمت چغتائی نے اپنا سفر جاری رکھا ہے اور کم و بیش اپنے معیار اور اعتبار کو برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے ——— عصمت چغتائی کا امتیاز پہلے بھی زبان و بیان میں مضمر تھا اور ان کے نسبتاً نئے ناول "ایک قطرۂ خون" میں بھی موصوفہ کا یہ امتیاز ہی نمایاں نظر آتا ہے۔ عصمت چغتائی نے ہر چند کہ "ایک قطرۂ خون" کی کہانی کی بنیاد واقعۂ کربلا پر رکھی ہے مگر انیس کے مرثیوں سے استفادہ

کرنے کے باوجود کربلا کے حادثے کو صحیح معنو[...] ایک بڑے ناول کا روپ دینے میں ناکام رہی [...] لکھتی ہیں کہ ———

"یہ ان بہتر انسانوں کی کہانی ہے جنہوں [...] انسانی حقوق کی خاطر سامراج [...] ٹکر لی ——— یہ چودہ سو سا[...] پرانی کہانی آج کی کہانی ہے، کہ آج [...] انسان کا سب سے بڑا دشمن انسان [...] ہے ——— آج بھی اجالا اندھیر[...] سے برسرپیکار ہے۔"

پیش لفظ کا یہ حصہ اپنے اندر غیر معمو[...] کا حامل ہے جو توقعات ناول سے پوری نہیں [...] جمیلہ ہاشمی کا ناول روحی اور چہرہ بہ چہرہ رو[...] بہاراں سے اگلی منزلوں کا سراغ دیتا ہے [...] روحی موضوعاتی اور فنی حیثیتوں سے ایک مکمل [...] ناول ہے وہاں چہرہ بہ چہرہ، روبرو، مصنف[...] اور موضوع کو اپنے مخصوص انداز سے برتنے [...] بن گیا ہے کہ اس موضوع پر پہلے سے عزیز احم[...] زرّیں تاج' موجود ہے اور جمیلہ ہاشمی کو یہاں [...] ہوئے موضوع کو نیا سیاق و سباق فراہم کرنا [...] ناول ایران کی دانشور خاتون شاعرہ قرۃ العی[...] کی زندگی اور شخصیت کو آج کے ایران کے تنا[...] کرتا ہے ——— رضیہ فصیح احمد کا نیا نا[...] "آزارِ عشق" ایک نیم رومانی اور نیم مزاحیہ ناو[...] جو خوشگوار بیان اور محبت کے موضوع کو [...] دلچسپ پلاٹ میں ڈھال کر اپنی انفرادیت کے [...] پیش کرنے کے سبب ایک قابلِ ذکر ناول قرار د[...] سکتا ہے۔

گذشتہ دس سالوں کے چند اہم ترین [...] ذکر آگے آئے گا۔ بردست یہ دیکھا جائے کہ [...] عرصے میں کچھ ایسے ناول نگار بھی ہمارے سامنے [...] جو اپنے پہلے ہی ناول سے ناول نگاری کی تاریخ [...] مخصوص رہ سکتے ہیں۔ اس ضمن میں کئی نام [...] مگر نثار عزیز بٹ، مستنصر حسین تارڑ، فاروق خالد [...] کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس سلسلے میں بعض [...] نگاروں کا شمار بھی ہونا چاہیئے جو افسانہ نگاری حیثیت [...] بہت اہم ہوتے ہوئے پہلی بار اپنے اہم ناولوں [...] ناول نگار کی حیثیت سے سامنے آئے ہیں۔ [...] انور سجاد اور غیاث احمد گدی کے ناول بالترتیب [...] خوشیوں کا باغ اور پیکن نے کئی جہتوں سے ہمیں [...] توجہ مبذول کرنے پر مجبور کیا ہے ——— تارڑ کا ناول پہلا پیار کا شہر، بظاہر ایک پاپولر [...] ہے مگر سفرنامے اور ناول کی تکنیک کی آمیز[...] ناول کا دائرہ عمل بہت وسیع ہو گیا ہے جب [...] کا ناول، نئے چراغ نہ گلے، میں عصرِ حاضر کی [...]

ے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ اس ناول میں آزادی اور سول نافرمانی کی تحریک کے ساتھ برِّ صغیر کی مرحلے تک بعض ایسے مقامات کو ناول کا موضوع ہے جو تاریخی اہمیت کے ساتھ ادبی وقعت کے ن گئے ہیں۔ فاروق خالد کا ناول 'سیاہ آئینے' نئی پڑنے والی افتاد اور روایت سے کٹے ہوئے روداد سامنے لاتا ہے۔ یہ ناول اس لئے بھی اہم ہے مصنف پاکستان کی اس نسل کا نمائندہ ہے جو کے بعد وجود میں آئی ہے اور جس کا تجربہ پچھلے ے مختلف اور بڑی حد تک منفرد ہے ——— ب کا ناول 'رات'، شاعری اور فکشن کی حد بندیوں رتا ہے ——— اس نوع کے بعض اور ناول ھے گئے ہیں۔ صلاح الدین پرویز کا ناول 'نمرتا' کا شمار قسم کے ناولوں میں ہونا چاہئے کہ نمرتا شیو، نیل کنٹھ تا کے اساطیری وجود کو شعری تخلیق کے ساتھ ہم عصر میں پیش کرتا ہے ——— پرویز کا دوسرا ناول ے دن کا تھکا ہوا پرش، 'نمرتا' کے برخلاف بیانیہ میں لکھا گیا ہے مگر اس کا نقص ناول نگاری کو ثانوی دینے اور مکتوب نگاری کو غالب رجحان بنا کر پیش کرنے میں پوشیدہ اور یہی اس کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔

انتظار حسین نے یوں تو کئی ناولٹ لکھے ہیں مگر 'بستی' کا پہلا مکمل ناول ہے۔ 'دن'، 'داستان' اور 'گھوڑے دا' کے عنوان سے انتظار حسین کے ناولٹ شائع ہو چکے 'بستی'، ان کے افسانوں اور ناولٹ کی توسیع ہے۔ مگر سیع تکنیک کی کم اور موضوع کی زیادہ ہے۔ 'بستی' میں ر اور صابرہ کے مرکزی کردار ہیں مگر خاندان کے دوسرے اد بھی منظر نامے پر آتے رہتے ہیں۔ انتظار حسین کی دار نگاری کا کمال ذاکر میں کم اور صابرہ کی کردار نگاری نہایت فنکاری سے نقطۂ عروج پر پہنچتا ہے۔ برطانیہ کے خلاف جنگِ آزادی، تقسیمِ ہند، فسادات، برِّ صغیر کی لمیں اور سقوطِ ڈھاکہ تک کو غیر مروّجہ پلاٹ اور اپنی بدلی ہوئی یک میں ناول کا روپ دیا گیا ہے۔ تکنیک کے نئے پن کے سب 'بستی' پر بعض حلقوں کی طرف سے اعتراضات بھی ئے مگر ساتھ ہی ادبی حلقوں میں اسے وہ پذیرائی بھی ی جو اس کا جائز حق تھا۔ اس ناول کے نقطۂ ارتکاز کا اندازہ لگانے کے لئے یہ بتلانا ضروری ہے کہ مصنف نے اس کی ہانی روپ نگر کا قصہ کے نام سے پیش کی ہے۔

"میں اس شہر کے لئے اور کچھ نہیں کر سکتا۔ دعا کر سکتا ہوں سو کرتا ہوں۔ یہ میرے تصوّر میں آباد روپ نگر کے لئے بھی دعا ہے کہ اسے میں اس شہر سے الگ کر کے تصوّر میں نہیں لا سکتا روپ نگر اور یہ شہر میرے اندر گھل مل کر ایک بستی بن گئے ہیں ———"

خوشبوؤں کا باغ اس دہائی کا اہم ناول ہے۔ یہ نام مشہور مصوّر ہائرانیمس بوش کی مشہورِ زمانہ پینٹنگ GARDEN OF DELIGHTS سے مستعار لیا گیا ہے اور ناول کی بنیاد اس پینٹنگ کے تیسرے پینل 'موسیقی کا جہنم' پہ استوار کی گئی ہے۔ یہ بنیادی طور پر ایک احتجاجی ناول ہے جس میں احتجاج، بغاوت، طنز اور ردِّ عمل کی لَے اتنی شدید ہے کہ استعاراتی بیان کو اختیار کر کے ہی ناول کو سپاٹ بیان اور صحافت سے الگ کیا جا سکتا تھا۔ انور سجّاد نے اپنی اس ذمّہ داری سے بڑی حد تک عہدہ برآ ہونے کی کوشش کی ہے ——— اس ناول میں کبھی واحد متکلم اپنی حرکات و سکنات سے اپنے شدید جذبے کا اظہار کرتا ہے کبھی تقریر سے اور کبھی مکالمات سے ——— کہیں کہیں طنز یہ اور نیم مزاحیہ پیرایہ اپنایا گیا ہے کہ یہ پیرائے بھی غم و غصہ کا مہذب اظہار بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں ——— انور سجاد کے ناول کو اس کے بیان کی روشنی میں زیادہ بہتر طور پر دیکھا اور پرکھا جا سکتا ہے ———

"میرا مسئلہ شاید بالکل ذاتی نوعیت کا ہے کہ بدلتی ہوئی حقیقتوں کے ادراک کی کوشش میں نئی صورتِ حال کے توسط سے نفسِ مضمون اور ہیئت کے درمیان جمالیاتی اعتبار سے وہ توازن کیسے قائم رکھا جائے کہ جس کا ایک پلڑا شمہ برابر بھی جھک جائے تو فن کا سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے میں اپنی کہانیوں میں اس مسئلے سے نبرد آزما ہونے کی کوشش کرتا ہوں۔ یہ ناول بھی اس نبرد آزمائی سے مستثنیٰ نہیں ———"

(انور سجاد)

جہاں تک ناول کے موضوع اور ہیئت کی ہم آہنگی کا سوال ہے تو شاعری کسی اور حد تک فنونِ لطیفہ کے بیشتر مظاہر میں ہیئت اور وسیلۂ اظہار کی قوت کے بل بوتے پر مواد کے طاقتور ہونے کا تاثر دیا جا سکتا ہے مگر عام فکشن میں بالعموم اور ناول میں بالخصوص بنیادی موضوع، مواد اور زندگی کے بارے میں لکھنے والے کا نقطۂ نظر بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ ایسی صورت میں تکنیک اور ہیئت سے اس نقطۂ نظر کے اظہار کا کام تو لیا جا سکتا ہے پردہ پوشی اور التباس آفرینی کا کام نہیں لیا جا سکتا۔ اس زاویۂ نظر سے اگر کسی ناول نگار کے ناول موضوعی اور فنی دونوں اعتبارات سے عظمت کا احساس دلاتے ہیں تو وہ ناول نگار قرۃ العین حیدر ہیں۔ موجودہ دہائی میں قرۃ العین حیدر کے دو ناول شائع ہوئے۔ 'کارِ جہاں دراز ہے' اور 'آخرِ شب کے ہم سفر' ——— 'کارِ جہاں دراز ہے' ایک خود سوانحی ناول ہے جسے موضوع کے اعتبار سے مصنفہ کے خاندانی پس منظر میں لکھی ہوئی ذاتی سرگذشت کہا جا سکتا ہے مگر اپنے فنی برتاؤ کے آئینے میں اس ناول کے جیتے جاگتے اور جانے پہچانے کردار بھی برِّ صغیر کی تاریخ، تہذیب اور اقتدار کے متحرک پیکر بن کر نمودار ہوتے ہیں۔ زندگی اور کائنات کے حقائق اپنے متضاد اور متخالف رجحانات اور قوتوں کے ساتھ انسانی ارتقاء کی داستان کی کڑیاں بن جاتی ہیں۔ اس ناول میں انسانی تاریخ اور تہذیب ایک ایسی تعمیم کیساتھ زیرِ بحث آتی ہیں کہ ایک خاندان، ایک معاشرہ اور ایک فرد کی سرگذشت روئے زمین پر کھیلے جانے والے ڈرامے کے نشیب و فراز کا حصہ بن جاتی ہے۔

آخرِ شب کے ہم سفر، قرۃ العین حیدر کا دوسرا ناول ہے جو اس دہائی میں منظرِ عام پر آیا ہے۔ یہ ناول (مصنفہ کے الفاظ میں) بنگال کی دہشت پسند اور انقلابی تحریک ۱۹۴۲ء کا آندولن، مطالبۂ پاکستان، تقسیمِ ہند اور قیامِ بنگلہ دیش کے تناظر میں لکھا گیا ہے ——— اس ناول میں قرۃ العین حیدر کے دوسرے ناولوں کی طرح ان کا تہذیبی، سیاسی اور تاریخی شعور بروئے عمل آیا ہے ——— 'آخرِ شب کے ہم سفر' پر گفتگو کرتے وقت یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اس کی مصنفہ نے آگ کا دریا جیسا ناول لکھا ہے ——— ظاہر ہے کہ اس پائے کا کوئی ناول لکھنے کے بعد اپنے آپ کو دہرانے اور اپنے اسلوب کا اسیر ہو جانے کا خطرہ بہر حال برقرار رہتا ہے ——— شاید کوئی اور مصنف ہوتا تو اس کے لئے یہ مرحلہ بہت صبر آزما ہوتا۔ مگر قرۃ العین حیدر نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو کسی بھی اعتبار سے دہراتی نہیں بلکہ اپنے اسلوب کو ہر بار ایک نئے اچھوتے اور تازہ کار ذائقے سے آشنا کرتی ہیں۔ برِّ صغیر کی تاریخ کے سلسلے میں بعض مراحل ان کے کئی ناولوں اور افسانوں میں ایک جیسی صورتِ حال کا اشتباہ پیدا کرتے ہیں۔ مگر ہر جگہ مصنفہ کی اسلوبیاتی تازگی ہمیں ایک نئی دنیا اور نئی کیفیات کا سراغ دیتی ہے

سالک لکھنوی

کچھ ایسی باتیں کوئی کرے جو سب کے من کو بھا جائیں
کوئی تو ایسا گیت چھیڑے وہ جس کو سنیں اور آ جائیں

بے تال ہے یہ کیسی سرگم بے لہرا پنچم سے ہے مدھم
جو راگ ہے دیپک اس من میں اس راگ کو کیسے گا جائیں

سب لوٹ لیا سب پھونک دیا پھر اپنے بن کر آئے ہو
اب اتنے مورکھ ہم تو نہیں پھر اور بھی دھوکے کھا جائیں

اب چلنا ہے تو چلنا ہے، کیا پاؤں کے چھالوں کو دیکھیں
یہ دھرتی اپنی دھرتی ہے کوئی تو ٹھکانا پا جائیں

دکھ کی دھوپ میں چلتے چلتے کتنے ہی پھول بنے ہیں کانٹے
پھر سینچیں ہوئے پھلواری، پھر کلیاں نہ اب مرجھا جائیں

یہ میرا لہو، وہ تیرا لہو، یہ میرا گھر، وہ تیرا گھر
جو آگ لگی ہے دونوں میں اب مرتے مرتے بجھا جائیں

یہ ڈھیر نہیں ہے مٹی کا، اک سالک تھک کر سویا ہے
کچھ اوس گرا دو پلکوں سے، کچھ پھول یہاں لہرا جائیں

(اردو سروس سے نشر)

'آخرشب کے ہم سفر' جس طرح باغیوں، انقلابیوں اور سربکف جاں فروشوں کو وقت کے ساتھ مفاہمت کرتے اور اپنے رویوں پر نظر ثانی کرتے دکھلایا گیا ہے۔ وہ بہت سے موقعوں پر انقلاب اور بغاوت پر سے ایقان کو متزلزل بھی کرتا ہے اور عبرت بھی بخشتا ہے۔ اس ناول سے بعض نام نہاد انقلابیوں اور روشن خیال ادیبوں کی شکایت اور اپنے جیبوں کی اصل شکل دیکھ کر آئینہ سے خفا ہونے کی مترادف ہے۔ دیپالی سرکار اور ریحان الدین احمد کے درمیان سمجھوتہ کرنے اور اصولوں پر قائم رہنے کی اندرونی کشمکش کرداروں کے اجتماعی المیوں اور طربیوں کی شکل میں انسان کی ازلی اور ابدی تقدیر میں بدل جاتی ہے۔

ناول بدلتے معاشرے اور بدل جانے والے انسانوں کا نباض اور ترجمان کیونکر ہوتا ہے؟ اس کا اندازہ قرۃ العین حیدر کے ناول 'آخرشب کے ہم سفر' کے اس حصّے کو سن کر لگائیے جہاں ایک نے مصلحت اور دنیا سے مفاہمت کا رویّہ اپنا رکھا ہے اور دوسرا کردار اب تک اپنے اصولوں پر مصر ہے:

" ریحان نے بھی نظریں اٹھا کر جہاں آرا کے کمرے کے دریچے کو دیکھا۔ دیپالی پر نظریں ڈالی اور آنکھیں جھکائیں کاش ہم ایک دوسرے کی بات سمجھ سکتے۔

دیپالی، جہاں آرا، یاسمین مجید —— تین موتیوں میں سے دو بری طرح ٹوٹیں۔ دیپالی نے وکرم آدتیہ کے سنگھاسن کی ایک مورتی پر ہاتھ رکھ کر دل میں کہا۔

—— دیپالی! میں نے آج سے پینتیس ۳۵ سال پہلے تم سے آخری بار گانا سنا تھا۔ چندر کنج کے پھاٹک پر۔ اسی طرح گھر دھونے کے وقت۔

" —— سنا ہوگا۔ مجھے یاد نہیں۔ ریحان تم نے اتنے شرمناک سمجھوتے کیسے کر لئے۔ کلکتے میں بھی اور یہاں بھی:" وہ غصّے سے جھنجھلا گئی۔

" —— سمجھوتہ، کیا تم نے نہیں کیا؟ کیا تم نے پورٹ آف اسپین میں سمجھوتا نہیں کیا؟

" —— میں نے اپنا ضمیر نہیں بیچا —— "

" —— یہ بات تم کہہ سکتی ہو:" (وہ بھی جھنجھلا گیا) عمر رسیدہ لوگوں میں قوتِ برداشت کم ہو جاتی ہے ——"

" —— اچھا چلاؤ نہیں۔ لوگ سنیں گے تو کہیں گے وہ جھکّی بڈھے بڑھیا کیوں لڑ رہے ہیں —— ریحان نے تلملا کر سگریٹ اپنے بوٹ کے نیچے کچلا۔

"یہاں اتنی خون ریزی ہوئی اور نتیجہ کیا نکلا؟ مغربی پاکستان سے آئی ہوئی بورژوازی کو نکال کر ایک نئی بورژوازی نے اس کی جگہ لے لی۔

" —— شٹ اپ —— یو آر اے سلی اولڈ وومن۔ یہاں کے حالات سے واقف نہیں، آ جاتی ہیں امریکہ سے نصیحت کرنے ——" ریحان نے جھلا کر کہا۔

پھر وہ مرحلہ آتا ہے جب اپنے اصولوں پر قائم رہنے والی دیپالی سرکار اپنے آپ کو ایک شکست خوردہ انسان سمجھنے پر مجبور رہے۔ نئی نسل پچھلی نسل کی قربانیوں کو بھول رہی ہے اور خود قربانی دینے والے —— اسٹبلشمنٹ کا حصہ بن گئے ہیں۔ ہر شخص اپنے مفادات کے تحفظ میں مبتلا ہے۔

" وہ جھنجلا کر سامنے دیکھنے لگی جہاں آرکسٹرا بج رہا تھا اور فلور پر ریحان الدین احمد کا کیمرج پلٹ بیٹا فرقان برطانوی سفارت خانے کی ایک لڑکی کے ساتھ مصروفِ رقص تھا۔ اس لڑکے کی تازہ ترین تربیت جدید عصری مغرب کی نوجوان نسل کے ذہنی رویوں نے کی تھی —— وہ برطانیہ اور فرانس کے نیولفٹ اور طارق علی کے دور کے بعد کی پروڈکٹ تھا —— کیا امن پرست انٹلکچول فرقان احمد کو معلوم ہے کہ ایک زمانہ میں انقلابی نظمیں لکھنے کی سزا کالا پانی تھی؟ کیا ہم پر تاریخ کے دروازے بند کر دئے جائیں گے۔ میرے چچا دنیش چندر پھانسی کے تختے پر کیوں لٹک گئے؟ ان کا نام اب کسے یاد ہے؟ یا اشفاق اللہ کا؟ اور اس باغی نجم السحر کا کیا ہوگا؟۔ ناصرہ کب تک باغی رہ پائے گی جب انقلابی مسلسل ایک دوسرے کو REVISIONIST کہہ رہے ہیں! جب خود انقلابی اعتدال پسندوں کو انتہا پسند ایک ESTH- BLISHMENT کہہ کر پکارنا شروع کر دیتے ہیں —— اور جب لیڈروں کے ذاتی کرداروں اور ان تعصبات کمزوریوں اور ان کے مزاجوں اور اعصابی کنفیوژن کا اثر ان کی رہبری پر پڑتا ہے؟ پائلٹ جو مسافر بردار طیارہ اڑاتا ہے۔ اس کی صحت اور اعصاب کا برابر معائنہ کیا جاتا ہے —— مگر لیڈر کی ذہنی اور اعصابی صحت کو بالکل نظرانداز کیا جاتا ہے ——

اب ایسا لگتا ہے کہ ہم لوگ ہچ ہائیکر تھے راستے کے کنارے کھڑے انگوٹھے دکھا رہے تھے۔ ایک کار رکی، اس نے لفٹ دے کر ماسکو پہنچا دیا۔ دوسری کار رکی اس نے واشنگٹن —— کچھ لوگ اونٹ پر بیٹھ کر مکّہ مدینہ واپس گئے —— کچھ بیل گاڑی پر بیٹھ کر بنارس —— میرے لئے جو کار رکی وہ ذرا آگے جا کر ہی فیل ہو گئی ——"

آخرشب کے ہم سفر کا اختتام امید حوصلہ اور رجائیت کے ساتھ —— مگر رجائیت اور قنوطیت کا ساتھ کون روک سکتا ہے۔

اپنی ساری بدی اور رذالت اور کمینگی کے باوجود دنیا بڑی سہانی جگہ ہے۔ قابلِ قدر —— آخرشب کی بے کراں تاریکی میں بوئنگ جٹ فضائے بسیط میں تیر کی طرح نکلتا چلا گیا۔ پھر اس کی جگ مگ کرتی روشنیوں کو گھپ اندھیرے نے نگل لیا۔ تاریکی اور آسمان میں گھرے اس فولادی پنجرے میں کئی سو اجنبی آتماؤں کے ساتھ محصور غیر اہم بے معنی دیپالی سین نے غیر اہم بے معنی بلمونٹ کی ڈائری ٹٹولی۔ جو اس کے بیگ میں محفوظ تھی۔ اسے میں واپس لے آئی۔ کس کو دوں، کوئی اس کا وارث نہیں۔ خود میرا دیپالی سین کا کوئی وارث
نہیں۔ ہر انسان اپنا آغاز اور انجام خود ہے لیکن
یاسمین بلمونٹ کی ایک وارث موجود ہے ——
ناصرہ نجم السحر قادری —— شاید ——
نیچے بحیرۂ چین کی موجیں مچھلی چاندی مع
تھیں —— رفتہ رفتہ اجالا پھیلا ——
سوریہ ٹھاکر سنہرا نوہ ماسک پہنے جاپان کے اوپر
ہو رہے تھے —— لاکھوں برس سے سور
طرح طلوع ہوتا ہے اور غروب ہوتا ہے اور طلو

انتظار حسین کا ناول بستی ہمیں تصور
ایک اور ہی دنیا کی سیر کراتا ہے مگر اس دنیا کے
آغاز کائنات اور ماضی کے دیاروں سے جڑے ہ
کہ حال بھی تو ماضی کا ہی حصہ ہے:

" جب دنیا ابھی نئی نئی تھی۔ جب آسما
تھا اور زمین ابھی میلی نہیں ہوئی تھی۔ جب در
صدیوں میں سانس لیتے تھے اور پرندوں کی آوا
جگ بولتے تھے۔ کتنا حیران ہوتا تھا وہ ارد گ
کر کہ ہر چیز کتنی نئی تھی اور کتنی قدیم نظر آتی تھی۔
لٹ بڑھیا، مور، فاختہ، گلہری، طوطے جیسے
اس کے سنگ پیدا ہوئے تھے۔ جیسے سب جگنو
بھید سنگ لئے پھرتے تھے۔ مور کی جھنکار لگتا ک
کے جنگل سے نہیں بِرندابن سے آ رہی ہے اور جب
گلہری منڈیر پر دوڑتے دوڑتے اچانک دُم
ہو کے چک چک کرتی تو وہ اسے تکنے لگتا اور حیر
سوچتا کہ اس کی پیٹھ پر پڑی یہ کالی دھاریاں
جی کی انگلیوں کے نشان ہیں اور ہاتھی تو حیرت
جہان تھا ——"

حیرت اور تجسّس کا اگلا مرحلہ داخل او
کی دنیاؤں کا ایک ساتھ دیدار کرنا ہے۔ اور کہ
اور اندر کے مناظر کا فرق مٹ جاتا ہے۔ اگر ایس
تو ہر نقش میں خونِ جگر کی آمیزش کہاں ہو پائے

" بیٹھے اس کے اندر ٹوٹ کے برسا تھ
کی بدلیاں کہاں کہاں سے گھر کر آئی تھیں۔ آ
اب دھلا دھلا اور نرم نرم تھا۔ کوئی کوئی بد
آسودگی کے ساتھ تیرتی رہ گئی تھی۔ کوئی اجلا
کوئی نرم سی مسکراہٹ، وہ اس وقت اپنے آپ
مگن تھا۔ باہر کی دنیا اس کے لئے اپنا مفہوم کھ
ناشتے کی میز پر بیٹھے بیٹھے اس نے اخبار کی سرخ
بے تعلقانہ سی نظر ڈالی اور اسے ابا جان کی طر
سرکا دیا ——"

ماضی کی تخلیق نو کی بہت سی صورتیں
انتظار حسین کا ماضی ان کے حال کی شناخت
ہے۔ سو بستی کا مرکزی کردار بیتے دنوں کے اور
اس طرح پلٹتا ہے کہ وہ سرا اس کے ہاتھ آجا
جس کو پا کر وہ خود کو دریافت کر سکتا ہے۔

" اس نے غسل کیا اور آئینہ دیکھا اور

کے سر کے بال کہ گھر سے نکلتے وقت سارے
اب سارے سفید ہو چکے ہیں۔ یہ اس دیار
پہلا دن تھا۔ اور میرا پہلا دن؟ بیتے دن
ریں ہجوم کرتے چلے گئے۔ مگر مجھے تو اس
نے پہلے دن کی تلاش ہے۔ وہ ہجوم کو
ار رہا تھا کہ دھندلی دھندلی یاد کی صورت ایک
کے سامنے آکھڑا ہوا۔ انارکلی کا بازار کچھ کھلا
—— جہاں تہاں کوئی دکان کھلی ہوئی، باقیوں
پڑے ہوئے —— ہجوم بہت، خریدار
وہ وہاں سے نکل کر سڑک پر آیا ——
ر قامت شخص، پہ چوڑی چکلی کاٹھی، سر پہ طرّے
ی، ٹانگوں میں بڑے گھیر والی شلوار۔ لمبے ڈگ
ں کے برابر سے گذرا۔ اس نے حیرت سے اسے
—— پھر کتنے ہی اس قد کاٹھ والے ایسا لباس
ے اپنے آس پاس چلتے پھرتے نظر آئے۔ یہ شکلیں
لئے نئی تھیں۔ اس کے لئے سارا ارد گرد ہی نیا
تے ہونے لگے۔ رہا تھا کہ وہ کسی نئی زمین پر
ہے —— اسے اس نئی زمین پر چلنے میں
یت مل رہی تھی۔ ایک سڑک سے دوسری سڑک
سری سڑک سے تیسری سڑک پر۔ جانے وہ کتنی
ار رہا، مگر ذرا جو تھکا ہو۔ کتنے زمانے بعد وہ آزادا
تھا۔ اس اندیشے کے بغیر کہ ابھی کوئی برابر سے
تے ہوئے چھرا اس کے اندر اتار دے گا ——
چلتے نظر دیوار پر گئی جہاں ایک بڑا اشتہار لگا تھا۔
ے پہ سوار، ہاتھ میں تلوار، صورت خونخوار، یہ
یا یہ تیرے پُر اسرار بندے —— اس پر
ردِ عمل نہیں ہوا کہ اب وہ تصویر بھی مردہ تھی اور
بھی —— اگلے نکڑ پر وہی اشتہار، وہی تصویر
لفظ —— مردہ تصویر، مردہ لفظ ——

خوشیوں کا باغ ایک ایسا ناول ہے جس کا بنیاد
حتجاج اور شدید ردِ عمل پر ہے۔ یہ ردِ عمل اور
تجاج کبھی کبھی اور کہیں کہیں ناول میں خطیبانہ انداز
اور بعض اوقات مضحکہ خیزی کے ساتھ ظاہر ہوا ہے۔
ار اور بیان کے کیا کیا اسالیب آج کے ناولوں میں
ئے جا رہے ہیں ان کا ایک نمونہ آپ بھی ملاحظہ کیجئے
یہ ہجو ملیح بھی ہے اور بھرپور طنز بھی ——

" صاحبان، مہربان، قدر دان، میرے ہم وطنو۔
سلام علیکم۔ تیل دیکھئے، تیل کی دھار دیکھئے۔ تیل آپ
ات ہے کہ وہ جس کی تلاش میں سکندر نکلا تھا اور مارا گیا۔
ب زمانہ تھا کہ کہاں راجہ بھوج تھا اور کہاں گنگو تیلی تھا
ب نو من تیل پر رادھا نہیں ناچتی، بلکہ کروڑوں بیرل تیل
دز انہ پر بھی دو ٹھمکے لگاتی ہے —— صاحبان،
ہربان۔ یہ تو چند جملانِ معترضان تھے کہ بات کو بات سے
نکلنے روکا نہیں جا سکتا کیونکہ ذکر جب چھڑ جاتا ہے
جوانی کا تو بات پہنچ جاتی ہے قیامت تک۔ اور جان لو کہ
قیامت بھی شاید جلد آجائے —— تو صاحبان، آپ صاحبان کو آج یہاں آنے کی تکلیف اس لئے دی گئی ہے کہ آپ سب قدر دان سِول اینڈ ملٹری گزٹ ہیں۔ ملک اور قوم پر آپ کے بے حساب احسانات ہیں۔ اور حکّامِ بالا کی طرف سے یہ سرفرازی مجھے عطا کی گئی کہ میں آپ کی خدمات کے صلے میں آپ کے لئے تفریح کا بہترین سامان پیش کروں —— اور بھئی بچہ لوگ آگے نہ آئیں۔ ہاں تو بچہ جمورا بول شاباش، پیٹ کیا مانگتا ہے؟ تخت نہیں مانگتا؟ تاج نہیں مانگتا؟ تو پھر بول کیا مانگتا ہے
ہیں؟ روٹی؟ اوئے تیرے پہ خدا کی مار یہ لفظ واپس لے جلد، نہیں تو کافر ہو جائے گا، غدّار ہو جائے گا، سنگسار ہو جائے گا۔ صاحبان، مہربان، جمورے کو معاف کر دیں بچہ ہے، بڑا ہو جائے گا تو سمجھ جائے گا کہ روٹی کا لفظ زبان پر نہیں آنا چاہئے بلکہ پیٹ میں رہنا چاہئے —— ہاں تو قدر دان، یہ ہیچ مدان آپ کو یقین دلاتا ہے کہ ملک کے اس حصے میں کوئی گڑبڑی نہیں ہے۔ سب ایک ہی رشتے میں بندھے ہیں اور مذہب کے رشتے سے مضبوط اور کوئی رشتہ نہیں اپنی تاریخ کا مطالعہ اگر آپ نے کیا ہے تو آپ نے دیکھا ہو گا کہ اپنے بادشاہوں نے اپنی رعایا کو کوڑے لگوائے، زنجیروں میں ڈالا، ہاتھیوں سے روندوا ڈالا لیکن انہوں نے اُف تک نہیں کی۔ کیوں؟ مذہب کا رشتہ کہ آپس میں مذہبی بھائی بھائی تھے —— ہاں اتنا ضرور ہے کہ بعض بے صبروں نے اپنے اپنے بادشاہوں کو چھوڑ دیا اور اپنا ملک چھوڑ کر چلے گئے لیکن ایمان پر قائم رہے —— وہ جو بہت ہی بے صبر تھے وہ کم بخت شر پسند نکلے، باغی نکلے، دشمنوں کے ایجنٹ نکلے، ملحق، زندیق، منافق، کافر نکلے۔ اپنے مذہبی بھائی جسے اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا سایہ بنا کر بھیجا، اس کا ذرا سا قہر اور جبر برداشت نہ کر سکے "

دس سالہ ناول نگاری کے جائزے میں نمائندہ ترین ناولوں کے چند اقتباسات سے ناول میں اظہار و بیان اور اسالیب کے مختلف اور متنوع پیرایوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ناول تسلسل کے ساتھ اپنی کہانی بیان کرتا ہے اور اس کا ہر حصہ اپنے ماقبل اور مابعد کی کڑیوں سے اس طرح جُڑا ہوتا ہے کہ کسی حصے کو اکائی کی شکل نہیں دی جا سکتی۔ تاہم کسی بھی ناول کے مختلف مراحل کے بیان سے اس ناول کے موضوع مواد اور تکنیک کا اندازہ ضرور لگایا جا سکتا ہے۔

وہ لوگ جو اردو ناول کو عالمی ناول نگاری کے تناظر میں دیکھتے ہیں انہیں اردو ناول کی صورت حال بہت مایوس کن معلوم ہوتی ہے مگر حقیقت کچھ اس سے مختلف ہے۔ اردو میں ناول کی تاریخ ہی کم و بیش سو سال کی ہے جب کہ یورپ کی بعض زبانوں میں تین ساڑھے تین سو سال سے ناول لکھے جا رہے ہیں۔ ہمیں اپنی ادبی اصناف کو اپنی زبان اپنی تاریخ اور اپنی صورتِ حال کے پس منظر میں دیکھنا چاہئے۔ اگر اس پس منظر کا خیال رکھا جائے تو یقین کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اردو ناول کا معیار اگر بہت امید افزا نہیں تو زیادہ مایوس کن بھی نہیں ہے۔

ناول کے گذشتہ دس سال اس اعتبار سے اہم ہیں کہ اس عرصے میں دو تین اچھے اور بلند پایہ ناول گئے۔ اگر ہماری ہر دہائی کا کارنامہ اسی رفتار سے سامنے آتا ہے تو بہت جلد اردو ادب کا دامن اہم اور اعلیٰ درجے کے ناولوں سے مالا مال ہو سکتا ہے ——

اخیر میں ہمیں اپنے اس عذر کا اعتراف کر لینا چاہئے کہ ادب اور ادیب کو معاشی اور اقتصادی استحکام حاصل نہ ہونے کے سبب اردو میں عام طور پر ناول نگاری کے لئے انہماک، لگن اور ہمہ وقتی تخلیق کاری کے مواقع نہیں میسر ہیں جن کے طفیل مغرب میں ان گنت اعلیٰ پائے کے ناول لکھے گئے ہیں۔ ان سب باتوں کے باوجود قرۃ العین حیدر عبداللہ حسین، انتظار حسین، انور سجاد، جمیلہ ہاشمی اور چند دوسرے ناول نگاروں کی موجودگی میں آئندہ بھی اعلیٰ درجے کے ناولوں کے لکھے جانے کی توقع کی جا سکتی ہے۔ ویسے کسی دور کو کسی ایک مصنف سے منسوب کیا جا سکتا ہے تو موجودہ دور کو اردو کی مایۂ ناول نگار قرۃ العین حیدر کا دور کہنا ہو گا —— کہ ناول نگاری کی گذشتہ پچیس تیس سال کی تاریخ قرۃ العین حیدر کے ناولوں سے ہی منور نظر آتی ہے، ہر چند کہ اس منظر نامے پر چند دوسرے نام بھی ابھی مخصوص اہمیت رکھتے ہیں جن کے کارناموں کی طرف آج کی گفتگو میں اجمالی اشارے کئے گئے ہیں۔

(اردو سروس سے)

فرحت قادری

وہ لوگ جو بڑے عالی وقار ہوتے ہیں
وہی زیادہ تو ہتم شکار ہوتے ہیں
تھپک تھپک کے سلا دیتے ہیں پرندوں کو
گھنے جو پیڑ ہیں، شب زندہ دار ہوتے ہیں
نہ چھائیں دشت پہ یہ ابر بستیوں میں جائیں
ہمارے حال نیں کیوں اشکبار ہوتے ہیں
شکستِ دل کی تمازت، ارے خدا کی پناہ
یہ شیشے ٹوٹ کے بھی شعلہ زار ہوتے ہیں

جو رہ گئے ہیں نظر کے حدود سے باہر
وہی نظارے نگاہوں پہ بار ہوتے ہیں

قدم بڑھائیں تو احساس کے بھی پر جل جائیں
ہمارے آگے کچھ ایسے حصار ہوتے ہیں

نہ درد اپنا نہ دل اپنا اور نہ سانس اپنی
تمام رشتے یہاں مستعار ہوتے ہیں

(پٹنے)

مراٹھی اسٹیج

ایک تعارف

مہاراشٹر میں بہت قدیم زمانے سے مختلف قسم کے عوامی ناٹکوں اور کھیل تماشوں کا رواج چلا آرہا ہے۔ ان میں کچھ آج بھی خاص خاص موقعوں پر بڑی دلچسپی اور شوق کے ساتھ پیش کیے اور دیکھے جاتے ہیں۔ ان میں للت، کوندھل دشاوتار، بھاروڈ اور تماشا خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ تماشا تو اب مکمل ڈرامہ بن گیا ہے لیکن اس کا روایتی ڈھانچہ ہنوز برقرار ہے عربی کا یہ لفظ "تماشا" مراٹھی میں عوامی ناٹک کی ایک مقبول ترین صنف کے لئے بلاتکلف مستعمل ہے۔ "تماشا" میں زیادہ توجہ موسیقی اور رقص پر دی جاتی ہے اور اس کا مقصد محض تفریح ہوتا ہے۔ اس تمثیلی صنف کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک "وگ" جس میں کہانی اور پلاٹ کو اہمیت حاصل ہوتی ہے اور دوسرا باری جس میں لاونی اور سنگیت پر زور دیا جاتا ہے اس کے دو اہم کردار سوتر دھار اور سونگاڈیا یعنی ودوشک ہوتے ہیں۔ ان دونوں کی آمد سے تماشا کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ سنسکرت ڈراموں کا اثر ہے۔ یہ دونوں کردار رقص و موسیقی کی محفل کا ذکر کرتے ہیں اور پھر "تماشا" دیکھنے چل پڑتے ہیں، یہاں رقاصا عورتوں کی آمد کی گنجائش پیدا ہوجاتی ہے جو رقص کے ساتھ لاونی گاتی ہیں، لاونی شرنگار رس سے بھرپور گیت ہوتا ہے جس میں کافی جنسی اشارے پائے جاتے ہیں۔

سوتر دھار اور سونگاڈیا ان ناچنے والی لڑکیوں سے ہنسی مذاق کرتے اور نت نئے گانے کی فرمائش کرتے جاتے ہیں اس طرح چھیڑ چھاڑ اور نغمہ و رقص کا سلسلہ تادیر چلتا رہتا ہے۔ تماشا یوں تو دیہی علاقوں میں خاصا مقبول ہے لیکن شہروں میں بھی اس کے چاہنے والوں کی کمی نہیں، اس صنف تمثیل میں اب سماجی و سیاسی حقائق کی عکاسی اور طنز کو بھی کافی دخل ہوگیا ہے۔

"تماشا" کے مقابلے میں للت، کوندھل، بھاروڈ اور دشاوتار جیسی تمثیلیں خالص مذہبی نوعیت کی ہوتی ہیں۔ للت عموماً دیوی دیوتاؤں کی تازیا یا نوراتر یعنی دسہرہ کے موقع پر کیا جاتا ہے اس میں بھگوان وشنو کے ایک دو اوتاروں کی لیلاؤں کو اسٹیج کے برائے نام اہتمام کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے اس میں رام لیلا ضروری ہوتی ہے اور رام کے ہاتھوں راون کے ودھ کو خاص طور سے پیش کیا جاتا ہے رات کے وقت چراغوں یا مشعلوں کی روشنی میں کسی کھلی جگہ پر کھادی یا کسی موٹے کپڑے کا رنگین پردہ لٹکا کر بھی یہ تمثیل پیش کی جاتی ہے۔ یہی للت دشاوتار کے نام سے کوکن میں قدرے اہتمام کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں۔

"دشاوتار" سے مراد بھگوان وشنو کے دس اوتار ہیں جن کی لیلاؤں کو اس ناٹک کے ذریعے پیش کیا جاتا ہوگا۔ موجودہ دور میں محض دو یا تین لیلاؤں کو پیش کرنے پر اکتفا کر لیا جاتا ہے۔ "دشاوتار" عموماً نومبر سے فروری تک پیش کیا جاتا ہے اور زیادہ تر جاتراؤں کے موقعوں پر اس کا اہتمام ہوتا ہے اس لئے اسے جاترا بھی کہتے ہیں۔ یہ عوامی ناٹک عموماً مندروں کے آنگن میں کھیلا جاتا ہے۔ اسٹیج بہت مختصر اور تقریباً چاروں طرف سے کھلا ہوتا ہے۔ سامعین ارد گرد گھیرا ڈال کر بیٹھتے ہیں، سارے اداکار مرد ہوتے ہیں۔ عورتوں کا پارٹ بھی مرد ہی کرتے ہیں۔ اکثر ناٹک شروع ہونے سے پہلے گانا بجانا ہوتا رہتا ہے جسے دھمال کہتے ہیں۔

دشاوتار میں بھی سوتر دھار کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ وہ گنیش جی اور دیوی سرسوتی سے ناٹک کی کامیابی کے لئے آشیرواد مانگتا ہے دونوں (کرداروں) کی جانب سے اسے "وردان" ملنے پر سوتر دھار ناٹک کا آغاز کرتا ہے اس عوامی تمثیل میں مکھوٹوں کا استعمال بھی کیا جاتا ہے خاص طور سے شنکھاسر راکشش کا روپ دھارن کرنے والا کردار بڑا بھیانک مکھوٹا چڑھاتا ہے۔ ودوشک کی جگہ یہاں سیوک ہوتا ہے جو نعرے بازی کرکے سامعین کو ہنساتا اور سوتر دھار سے سوال کرکے پیش کی جانے والی لیلا کا

موضوع سامعین تک پہنچاتا ہے۔ دشاوتار کے مخت
حصوں کو آکھیان کہا جاتا ہے۔ کتھا کے مطابق کردار
بدل لیتے ہیں کسی قسم کے اسکرپٹ یا پرامپٹنگ کا وجو
ہوتا البتہ اصل حصے کو غلط رخ ملنے لگے تو سوتر دھ
سنبھال لیتا ہے۔ کوندھل اور بھاروڈ عموماً سوانگ رچ
کیے جاتے ہیں جیسے شمالی ہند میں بھانڈوں کا تماشا ہوتا
کوندھل اور بھاروڈ پیش کرنے والے عموماً شادی بیاہ
موقع پر بلائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ شروع سے اخیر تک
لباس میں رہ کر چہرے کے اتار چڑھاؤ سے اور اعض
وسکنات سے مختلف روپ بھرتے اور اوتاروں
کارناموں کو بیان کرتے جاتے ہیں۔ مگر ان تمثیلوں
اسٹیج یا رنگ بھومی کی نمائندہ کلائیں کہنا مشکل ہے
صحیح معنوں میں مراٹھی اسٹیج یا رنگ بھومی
۱۸۴۳ء میں سانگلی میں ہوا جب مراٹھی اسٹیج کے با
داس بھاوے نے "سیتا سوئمبر" کے نام سے ایک
پیش کی۔ انھوں نے رئیس سانگلی شری چنتامن راؤ
کی فرمائش پر ڈرامہ "سیتا سوئمبر" ترتیب د
پیش کیا تھا اس اولین کوشش سے متعلق شری و
بھاوے کے ذاتی بیان کو اختصار کے ساتھ یوں
کیا جاسکتا ہے۔

"میری عمر اس وقت اٹھارہ ۱۸ انیس ۱۹ سال
اس کے باوجود میں شریمنت (اپا صاحب) کی
پر مصمم ارادے کے ساتھ اس کام میں لگ گیا۔ مجھے
ہی سے گانے بجانے کا شوق تھا پھر اس کام کا آ
کرنے سے قبل میں نے مراٹھی کی بہت سی کتابیں
ڈالیں اور پورانک کتھاؤں کو اچھی طرح ذہن نشی
اس کے بعد ساز و سامان اور اشخاص مہیا کرنے میں
گیا جب ایک اچھی خاصی جماعت تیار ہوگئی تو
"سیتا سوئمبر آکھیان" کو تمثیلی انداز میں پیش کرنے
کرلیا، کچھ محنت کرکے اس آکھیان کو الگ الگ
منظوم کرلیا۔ پھر کردار اور ساز و سامان مہیا کرکے
کیا اور ۱۸۴۳ء میں پہلی مرتبہ شریمنت کے سامنے
وشنو پنت بھاوے نے جس وقت یہ ناٹک
کیا اس وقت عورتوں کا ناٹک میں کام کرنا تو در
کا پارٹ کرنے کے لئے کم سن لڑکوں کا ہاتھ آنا بھی
تھا رئیس سانگلی کے اشارے پر یہ مشکل حل ہو
چند برہمنوں نے ان لڑکوں کو ذات باہر کرنے کی
لیکن شریمنت اپا صاحب نے بڑے بڑے پنڈتو
شاستریوں کے ذریعے اسے مذہباً جائز قرار د
وشنو پنت کا شوق جاری رہا۔ رئیس سانگلی کے
بھاوے کو عوامی شو کرکے اپنی ناٹک منڈلی جاری
اس سلسلے میں انھوں نے پونا اور بمبئی کے دو
ابتدا میں بھاوے کے ناٹک میدانوں
کے نیچے ہوا کرتے تھے۔ داخلے کے لئے ٹکٹ
تھے۔ مقررہ داخلہ فیس وصول کرکے تماشائیوں

یا جاتا تھا۔ بعض شریر النفس بغیر فیس دیئے
تے تھے اور کبھی کبھی کھیل کے دوران گڑبڑ
ا کرتے تھے جس سے کمپنی کو خاصا نقصان
بھاوے نے سب سے پہلے بمبئی میں ۱۴ر
ء کو ٹکٹ لگا کر شو کیا اور دوسرا شو ۹ر مارچ
ش کیا جس کے اختتام پر گورنر کے سکریٹری
بگ اُن سے ملنے آئے اور ناٹک کی تعریف کی۔
پنت بھاوے کے پیش کردہ ناٹک پورانک
ہوتے تھے جن میں عمل یعنی ایکشن پر زیادہ
ان کا ترتیب دیا ہوا اسٹیج بھرت منی کے نائیہ
اصول استوار تھا۔ جس میں پرکاش یعنی
یادہ تمثیل کے روپ یا روح کو زیادہ اہمیت
نی اداکاری، مکالمے، اور پلاٹ پر زور دیا

دور کے مکالمے نہ تو مکمل منظوم ہوتے تھے
تر نثر یہ پورے ڈائیلاگ رٹنے کا رواج نہ تھا۔
سٹیج پر ہمہ وقت موجود رہ کر تمام کرداروں کو
اور انھیں منظوم ہدایتیں دیتا رہتا تھا۔
ان پڑھ ہوتے تھے اس لئے خاص خاص مکالمے
نشین کرانے پر اکتفا کر لیا جاتا تھا نہ تو ڈرامے
تے تھے اور نہ ہی مکالمے لکھ کر دیئے جاتے
کار سوتر دھار کے اشارے پر جو کچھ یاد آتا بولتے
اور وقت پڑنے پر اپنی جانب سے اضافے بھی
تے تھے۔
سٹیج پر صرف دو پردے ہوتے تھے۔ پشت کا پردہ
تا تھا اور سامنے کا پردہ ڈرامہ شروع ہونے سے
یا جاتا تھا۔ ڈرامے کے دوران ڈراپ سین گرنے
یل کرنے کا رواج نہ تھا، ڈرامے کے مختلف
بھا یعنی اجلاس کہا جاتا تھا، سوتر دھار اور وِدُوشک
جلسوں کا انعقاد کرتے تھے، جن کرسیوں پر دیوتا
ح و مشورہ کرتے انھیں پر بعد میں راکششوں کی
تی سوتر دھار اکثر ان کی حرکات کی شرح نظم میں
تھا۔
۱۸۴۳ء سے لے کر ۱۸۹۶ء تک مہاراشٹر میں
ت بھاوے کی ناٹک منڈلی کی تقلید میں تقریباً
یس ناٹک کمپنیاں وجود میں آئیں اور پورانک ناٹک
یں۔ یہ زمانہ مراٹھی اسٹیج کا پورانک دور کہلاتا ہے
ر کی مشہور ترین کمپنی اچل کرنجی کر ناٹک منڈلی سے
ڈرامہ نویس پنڈت باباجی داتار شاستری نے
کتھاؤں میں عصری خیالات سمو کر انھیں عوام
یب تر کر دیا۔ ان کی کوششوں سے ڈراموں کا
فنی درجہ بھی بلند ہو گیا۔
اسی دوران بمبئی میں امرچند واڈی کر کمپنی نے
ا سٹیج پر فارس (FARCE) کی داغ بیل

(آگے ص ۱۶ پر)

غیر ملکی اشیا کے استعمال کا شوق

رضوانہ جمال

شوق کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ مثلاً پڑھنے کا شوق، گھومنے کا شوق، مختلف چیزیں اکٹھا کرنے کا شوق، کڑھائی بنائی کا شوق اور نوابوں کے زمانے میں تو پتنگ اڑانے کا شوق اور بٹیر بازی کا شوق بھی بہت عام تھا۔ اس کے علاوہ شطرنج کھیلنے کا شوق، کبوتر اُڑانے کا شوق، مرغ لڑانے کا شوق وغیرہ۔ اسی طرح بہت سے شوق ہیں اسی میں ایک شوق غیر ملکی اشیاء کے استعمال کا بھی ہے جو دن بہ دن بڑھتا ہی جا رہا ہے یا یوں کہئے کہ بیماری و وبا کی شکل اختیار کرتی جا رہی ہے۔ آجکل ہر گھر میں گفتگو کا موضوع یہی رہتا ہے کہ فلاں گھر میں فلاں چیز باہر کی ہے۔ مثلاً کسی کے گھر میں ٹیپ رکارڈ ہے تو کسی کے گھر میں رکارڈ پلیئر، کسی کے گھر میں ٹرانزسٹر ہے تو کسی کے گھر میں چھوٹی موٹی چیزیں مثلاً چاقو، قینچی، کپڑے، چھتری وغیرہ کسی کے گھر میں کیمرہ ہے تو کسی کے گھر میں ٹوان ون یا تھری ان ون ہے۔ یہاں تک کہ کچھ گھر تو ایسے بھی ہیں جہاں کہ ایک چھوٹی سوئی سے لے کر بڑے سے بڑا سامان غیر ملک کا ہی ہے۔ آج کل لوگوں میں ایک ہوڑ لگی ہوئی ہے غیر ملکی اشیاء کے استعمال کی۔

ابھی کچھ دن قبل میں ایک شادی کی تقریب میں شرکت کے لیے گئی ابھی مجھے وہاں پہنچے ہوئے چند لمحے ہی گزرے ہوں گے کہ اچانک میرے کانوں میں آواز آئی "ارے سنا بہن! راحلہ نے کل ایک ساڑی نیپال سے منگائی ہے۔ اتنی خوبصورت ہے کہ میری تو رال ہی ٹپک گئی۔ خدا جانے کس کپڑے کی ہے یہ میں نہیں کہہ سکتی دیکھو کسی موقع پر میں بھی جنٹ کے پاپا سے کہوں گی کہ مجھے بھی ویسی ہی ساڑی لاکر دیں۔" دوسری نے کہا اے بہن تم نے میرے برتن نہیں دیکھے اتنے اچھے اسٹیل کے ہیں لاکھ رگڑو مانجھو چمک ویسی کی ویسی ہی رہتی ہے۔ سستے الگ ہوتے ہیں اب تو میں جب بھی موقع ملتا ہے باہر سے ہی برتن منگا لیتی ہوں۔ اپنے ملک میں تو وہ چیز ہی نہیں ملتی ہے۔ پھر باہر کی چیزوں کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے کسی دوسرے سے بتانے میں کتنا فخر محسوس ہوتا ہے۔

ابھی سب لوگ محو گفتگو تھے کہ ہال کی سبھی عورتوں کی نظریں دروازے کی جانب اُٹھ گئیں۔ میں تھوڑا گھبرائی کہ آخر بات کیا ہے کیوں سب اتنی پریشان نظروں سے دروازے کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہے ہیں کچھ لوگ گھبرا کر کھڑے ہوئے۔ بھیڑ کی وجہ سے مجھے کچھ نظر نہ آیا تو میں نے اپنے قریب ہی بیٹھی ہوئی ایک صاحبہ سے پوچھا کیا ہوا ہے بہن! کیوں اسقدر لوگ پریشان ہیں؟ انھوں نے بھی سنی ان سنی کر دی۔ کچھ لوگوں کا منھ تو اچنبھے سے کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ میں نے بھی اس بھیڑ میں گھس کر اصلیت کا پتہ لگانے کی کوشش کی تو پتہ چلا کہ ایک بیگم صاحبہ تشریف لا رہی تھیں جو سر سے پیر تک غیر ملکی اشیاء سے لدی ہوئی تھیں۔ بہت ہی آہستہ آہستہ قدم رکھتی ہوئی ہال کی جانب بڑھ رہی تھیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ فرش مخمل پر چل رہی ہوں۔ میرے خیال میں ان کا جسم ہی صرف اپنے ملک کا تھا اور اس کی آرائش و زیبائش کے لیے ساری غیر ملکی اشیا۔ کا سہارا لیا گیا تھا۔ یعنی ان کے سر پر جوڑا جاپان کا تھا، کانٹے ہانگ کانگ کے، لپ اسٹک وہ کوریا کی لگائے تھیں اور لاکٹ بندے کاسٹ پاکستان کا پہنے تھیں۔ جو نہایت قیمتی لگ رہا تھا۔ ساڑی امریکا کی تھی۔ بلاؤز جاپان کا، پرس اور نیل پالش انگلینڈ کی تھی، گھڑی سوئٹزرلینڈ کی اور اب رہی چپل وہ نیپال کی تھی۔ بہت ہی خوبصورت، ایسا لگتا تھا کہ پیروں پر کانچ کا غلاف چڑھا ہو ایڑی کے اندر لگتا تھا کہ بطخیں تیر رہی ہیں۔ دیکھنے میں تو بیگم صاحبہ ایک شوپیس ہی لگ رہی تھیں۔

عورتوں میں آپس میں کھسر پھسر شروع ہو گئی۔ دیکھو تو ذرا ان کی ہر چیز کتنی اعلیٰ قسم کی ہے۔ بیگم صاحبہ پر نظر پڑتے ہی ایسی پھسل رہی ہے کہ مانو برف کی چٹان پر سے کوئی پھسل جائے۔ سبھی للچائی ہوئی نظروں سے انھیں دیکھ رہے تھے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ سبھی لوگ ایک پل میں وہ سب چیزیں حاصل کر لینا چاہتے ہیں جو بیگم صاحبہ سر سے پیروں تک زیب تن کیے ہوئے تھیں۔

تھوڑی دیر کے بعد ہی پورا ہال خوشبو سے معطر و معنبر ہو گیا۔ نظر اٹھی تو پتہ چلا کہ اب بیگم ارشد تشریف لائی ہیں۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ خدا جھوٹ نہ بلائے ایسا لگتا تھا کہ غیر ملکی سینٹ سے نہا کر سیدھی چلی آ رہی ہوں۔ ہال کے سبھی لوگ پرفیوم کی خوشبو سے مدہوش ہو گئے۔ بیگم صاحبہ

ہال کی ایک جانب جاکر بیٹھ گئیں اور کہنا شروع کیا۔ "اُف کس قدر گرمی ہے، چاروں طرف سے پسینے کی بدبوئیں آرہی ہیں۔ بھئی اسی لیے میں جب تک پرفیوم نہ لگاؤں مجھے چین نہیں ملتا ہے۔ یہاں تک کہ بستر پر دراز ہونے سے قبل بھی پرفیوم ضرور لگاتی ہوں۔ اگر نہ لگاؤں تو ساری رات کروٹیں بدلتے بدلتے کٹ جاتی ہے۔ دراصل کچھ لوگوں کو یہ شوق ہوتا ہے کہ لوگ ان کی طرف متوجہ ہوں محفل میں وہ توجہ کا مرکز بنیں۔ اس لیے بھی وہ غیر ملکی اشیاء کا استعمال کرتے ہیں۔

ہال میں ایک طرف کچھ عورتیں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں ان کی باتوں میں بھی غیر ملکی اشیاء کا ہی چرچا تھا۔ انہیں میں سے ایک صاحبہ کہہ رہی تھیں کہ اس بار عید میں میں اپنی عرشیہ کی فراک کاٹھمنڈو سے منگا کر دوں گی اور گڈو کی پینٹ شرٹ کوریا سے منگوا کر رکھی ہوئی ہے ہو سکتا ہے کہ عید تک عرشیہ کے ابی قطر سے آجائیں وہ تو پتہ نہیں کیا کیا سامان لے کر آئیں گے۔ میری ساڑی اور اپنے کپڑے تو وہ قطر سے لائیں گے۔ اس بار ان کو میں نے خط میں لکھا تھا کہ ایک مکسی ایک پرس وی سی آر اور ویڈیو ضرور لے کر آئیں اب دیکھو بہن وہ کیا کیا لے کر آتے ہیں اگر V.C.R. آجاتا تو کیا مزا آتا ہر روز اپنی من پسند پکچر دیکھتی ہیں۔ اپنی عرشیہ کی شادی کرتی تو میں شادی کی ریلیں بنواتی اور جب چاہتی ریلوں کو وی سی آر پر لگا کر عرشیہ کی شادی میں شرکت کر لیتی۔ اگر آگیا وی سی آر تو بہن تمہیں بھی بنواؤں گی۔ ابھی عرشیہ کی امی بات ہی کر رہی تھیں کہ ان کا نوکر بھاگا بھاگا آیا اور کہنے لگا بیگم صاحب جلدی گھر چلئے بڑا غضب ہو گیا۔ کیا کروں، ارے بتا بھی کچھ بیگم صاحب بیگم صاحب کی رٹ لگائے ہوئے ہے۔ کیا بتاؤں بیگم صاحب بڑا ہی غضب ہو گیا۔ تار آیا ہے۔ بول جلدی کیا تار میں لکھا ہے، عرشیہ کے ابو کب آرہے ہیں۔ نہیں بیگم صاحب عرشیہ بٹیا کے ابو آرہے تھے کسٹم پر پکڑ لیے گئے۔ وہ کیوں یہ خبر نہیں۔ پاس بیٹھی ایک عورت نے کہا ضرور وہ کافی سامان بغیر ڈیوٹی ادا کیے چوری سے نکال رہے ہونگے اسی میں پکڑے گئے ہوں گے۔ عرشیہ کی امی زور زور سے چلا کر رونے لگیں کہ ہائے میرے سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔ ارے میں لٹ گئی اب میں کیا کروں۔

اسی طرح کا ایک واقعہ میں آپ کو اور سناتی ہوں۔ کچھ دن قبل میری ایک بہت ہی جگری دوست کی شادی ہوئی جو بہت خوبصورت تھی، لمائکے سے تو وہ بہت ہی غریب تھی کیونکہ اس کے والد ریلوے میں کلرک تھے دو وقت کی روٹی دال بہ مشکل چل پاتی تھی۔ گھر میں ماں بہنیں محنت مزدوری کر کے مہینے بھر کا خرچ چلاتی تھیں لیکن نائلہ کی قسمت خدا نے اپنے ہاتھوں سے ہی لکھی تھی۔ اچانک اس کے لیے ایک رشتہ آیا کہ لڑکا جدہ میں انجینئر ہے ماہانہ آمدنی ۳ ہزار روپیہ ہے اس کو صرف خوبصورت لڑکی کی تلاش ہے۔ لڑکے کے پاس خدا کا دیا سب کچھ تھا۔ سبھی عیش و عشرت کا سامان اس نے مہیا کر رکھا تھا۔ اس لیے جہیز کی کوئی مانگ نہ تھی ماں باپ نائلہ کی شادی کے لیے پریشان تو تھے ہی جھٹ رشتہ منظور کر لیا۔ اس کی شادی بھی ہو گئی۔ جب وہ اپنی سسرال گئی تو پتہ چلا کہ سسرال کی ہر چیز یہاں تک کہ سوئی سے لے کر بڑی سے بڑی مشین تک دوسرے ملک کی تھی۔ نائلہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جس نے غریب ہونے کی وجہ سے کبھی کوئی چیز باہر کی نہ دیکھی ہو اور وہ ایسے گھر میں پہنچ جائے جہاں کی ہر چیز دوسرے ملک کی ہو تو اس کو گھمنڈ ہو جانا لازمی سا ہوتا ہے۔ یہی حال نائلہ کا بھی ہوا جب میں شادی کے بعد اس سے پہلی بار ملی تو نائلہ کو میں نے بالکل بدلا ہوا پایا مجھے یقین نہ ہوا کہ یہ وہی نائلہ ہے جو ہر وقت اتنی عاجزی وانکساری سے ملتی تھی آج گھمنڈ سے گردن اکڑی ہوئی تھی۔ اس کی گفتگو میں گھر کے لوگوں کی باتیں تو کم تھیں سامان کی باتیں زیادہ۔ نائلہ تو باہری سامان دیکھ کر شاید پاگل ہو گئی تھی، جس نے آج تک مٹی کے چولھے پر گیلی لکڑیوں کو پھکنی سے پھونک پھونک کر آنسوؤں سے گوندھ کر روٹی پکائی ہو اس کا اب ہر کام بٹن دباتے ہو جاتا تھا۔ نائلہ خوش ہو ہو کر مجھ سے کہہ رہی تھی کہ بھئی اب تو سارے کپڑے مشین میں ڈال دیتی ہوں ایک بٹن دبانے کی دیر رہتی ہے، سارے کپڑے صاف ہو کر باہر آجاتے ہیں، دوسری مشین میں ڈالتی ہوں تو سب کپڑے سوکھ جاتے ہیں۔ اب تو اگر میں ایک رومال بھی بغیر مشین کے دھوؤں تو ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے ہیں مکسی بغیر میں مصالحہ نہیں پیس پاتی ہوں، مکسی بھی انڈیا میں تو اچھی ملتی نہیں ہے۔ میرے گھر تو باہر کی ہے۔ ہر کام بہت آسان رہتا ہے۔ مجھے تو اب مائکے جانا بھی اچھا نہیں لگتا ہے۔ یہ سمجھ لیجئے کہ غیر ملکی اشیاء کے استعمال کی لالچ نے نائلہ کے دل سے والدین کی محبت بھی ختم کر دی تھی۔

تو بہن یہ ہوتی ہے لالچ غیر ملکی اشیاء کے استعمال کی جو بعض اوقات بہت تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے لوگوں پر باہری اشیاء کے استعمال کرنے کا جو ایک بھوت سوار ہے اس سے لوگ دھوکا بھی کھا جاتے ہیں کیونکہ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ جس چیز پر جہاں کی مہر ہو وہ وہیں کی بنی ہوئی ہو۔ مثلاً انڈیا کا سامان برآمد کیا گیا دوسرے ملک جاکر کوریا کی، جاپان کی، ہانگ کانگ کی مہر لگا دی گئی اور وہ مہنگا بکنے لگا۔ لوگوں نے سوچا یہ سامان تو باہر کا ہے، مہنگے دام پر خوشی خرید لیا بعد میں پتہ چلا کہ بالکل ایسا ہی سامان تو اپنے ملک میں بھی موجود ہے۔ اسی طرح کی دیگر مثالیں دیکھنے کو ملی ہیں۔ غیر ملکی اشیاء کے استعمال سے ہمارے ملک کا اچھا خاصا زرمبادلہ غیر ملک کو چلا جاتا ہے ہماری برآمد میں کمی آتی ہے اور درآمد میں اضافہ ہوتا ہے۔ ٹیکس کی چوری بڑھتی ہے جس سے حکومت کا نقصان ہوتا ہے۔

غیر ملکی اشیاء کے استعمال کا روزمرہ بڑھتا ہوا شوق طرح طرح کی پریشانیاں پیدا کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ غیر ملکی اشیاء قیمتی اور گراں ہوتی ہیں۔ ان کو مہیا کرنے کے لیے زیادہ روپے کی ضرورت ہوتی ہے۔ آمدنی سے زیادہ روپیہ فراہم کرنے کے لیے اکثر لوگوں کو غلط طریقے اپنانے پڑتے ہیں۔ گھروں میں لڑائیاں ہوتی ہیں۔ شوہر اور بیوی کے تعلقات خراب ہوتے ہیں۔ غرضیکہ یہ بظاہر معمولی سا شوق اپنے پیچھے برائیوں کی ایک لمبی قطار لیے رہتا ہے۔

(آکاش وانی لکھنؤ سے نشر)

رضوانہ جمال
امام باڑہ گرلس ڈگری کالج
گورکھپور

سائنسی نقطہ نظ

قبل اس کے کہ میں سائنسی نقطہ نظر ک
میں اپنے خیالات کا اظہار کروں
سمجھتا ہوں کہ اس بات پر روشنی ڈالوں کہ سائنس
آپ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ہمارا موجود
سائنسی دور ہے ۔ سائنس سے ہمارا
زندگی کے ہر مرحلہ پر پڑتا ہے۔ اس دور کا آغاز
ہوا جب سے کہ انسان نے سوچنا اور اپنے ماحول
کے لئے اپنی طاقتور ترین جبلت یعنی تجسس کو بر
کار لانا شروع کیا۔

سائنس ایک عظیم علم ہے۔ ایک ایسا علم
نوعِ انسانی عملی زندگی میں فائدہ اٹھاتی رہی
اٹھاتی رہے گی۔ علم سائنس میں ان حقائق کو باق
پر ترتیب دیا گیا ہے جس کا پتہ سائنسدانوں نے
فطرت کے بارے میں صدیوں تک تحقیق و تفتیش
کے بعد لگایا ہے۔ بعض اہم دریافتیں اتفاقاً بھی
ہیں لیکن بیشتر دریافتیں سائنسدانوں کی مسلسل
کا ثمرہ ہیں۔ ان تمام سیاسی حقائق کی دریافتو
پس پشت انسان کی فطرت میں پایا جانے والا
تجسس کارفرما ہے جس نے اسے ہمیشہ مظاہر
کے بارے میں تحقیق و تفتیش پر مجبور کیا۔ اس
رفتہ رفتہ طبعی علوم کا ایک بہت ہی بڑا اور انمول
سائنس کے قبضہ میں آگیا جس کی دولت حقائق
حقائق کو سائنسدانوں نے باضابطہ طور پر اس
ترتیب دیا ہے کہ ہم ان کے معاملہ کے ذریعہ
کے خواص کے بارے میں معلومات حاصل کر
مظاہرِ فطرت اور کائنات کے رازوں کو
ہیں اور ان عام معلومات کو نوعِ انسانی کی بہ
کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔

سائنس نے قدرتی اشیاء کو دو گروہ
تقسیم کیا ہے۔ ایک گروہ نامیاتی اشیاء کا گروہ

م ع باسط

ر نامیاتی اشیا کا۔ نامیاتی اشیا کے گروہ میں شامل ہیں جنہیں ہم ان جانداروں سے حاصل ں جو نشو ونما اور تولید کی خاصیت رکھتے ہیں طور پر اس گروہ میں لکڑی، صابن، وغیرہ ں۔ صابن کو بھی ہم اس لئے نامیاتی شے کہتے ہیں کہ ت یا جانوروں سے حاصل ہونے والی چربی سے ہے۔ غیر نامیاتی اشیا میں بے جان اشیا جیسے ، لوہا وغیرہ شامل ہیں۔

سائنس کے ابتدائی عہد میں مظاہر فطرت اور قدرتی کے بارے میں سائنسدانوں کو بہت کم معلومات تھیں۔ اسی لئے علم سائنس کو مختلف شعبوں میں رنے کی طرف بہت کم توجہ دی گئی۔ ارسطو کو زمانے کی تمام سائنسی معلومات حاصل تھیں۔ جہاں علم طبیعات پر مقالے لکھے وہیں حیوانات قالے تصنیف کئے۔ لیکن جیسے جیسے سائنسی ت میں اضافہ ہوتا گیا ویسے ویسے سائنسی معلومات میں افہ ہوا اور یہ بات ناممکن ہو گئی کہ کسی فرد واحد کو تمام موضوعات پر جملہ موضوعات معلوم ہو جائیں۔ اسی سی معلومات اور سائنس کی تعلیم میں سہولت پیدا کرنے ے علم سائنس کو مختلف شعبوں میں تقسیم کیا گیا ہے مثلاً ت، کیمیا، حیاتیات وغیرہ۔ مختصر الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے لم سائنس علم کا شعبہ ہے جس میں قدرتی مظاہر اور اشیا ریت اور خاصیت کے بارے میں معلومات اور حقائق ں ڈھنگ سے ترتیب دیا گیا ہے۔ ان حقائق تک سدان مشاہدے استخراج واستنباط اور مختلف تجربات ذریعے پہونچتے ہیں۔ وہ مسلمہ نظریات کو شک وشبہ ظرے دیکھتے ہیں اور ان کے بارے میں از سر نو تحقیقات تے ہیں۔ وہ اس کام کو ہر قسم کی جذباتی سطح سے زرہ کر انجام دیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سائنسداں اپنا م حقیقت پسندی اور غیر جانبداری کے ساتھ کرتے ہیں۔

اس طرح سے جو نقطہ نظر وجود میں آیا ہے اس کی سب سے اہم اور بنیادی خصوصیت حقیقت پسندی اور غیر جانبداری ہے اور یہی نقطہ نظر سائنسی نقطہ نظر کہلاتا ہے۔

گذشتہ چند دہائیوں میں سائنس نے جو غیر معمولی ترقی کی ہے، مادے کو انسانی فلاح وبہبود کے لئے استعمال کرنے کے جو وسائل فراہم کئے ہیں اس سے کوئی بھی بالغ نظر فرد انکار کر نہیں سکتا۔ سائنس کے ہمہ گیر اثرات علم وفن کے دوسرے شعبوں پر بھی پڑتے ہیں مثال کے طور پر ادب میں حقیقت نگاری اور حقیقت بینی دراصل سائنسی رجحان کا نتیجہ ہے۔ سائنس کی تحقیقات اور ایجادات کے ساتھ ساتھ حقیقت نگاری کا رجحان بڑھتا چلا گیا ہے۔ نقاشی کے قدیم شاہکاروں اور سنگ تراشی کے لاجواب نمونوں کی بازیافت اور ان کو ایک عرصۂ دراز تک محفوظ رکھنے کے سلسلے میں سائنس اہم رول ادا کر رہی ہے۔ سائنس کا یہ عمل اصلاح کاری یعنی کہلاتا ہے اس کی عمدہ مثال روم کا سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف ریسٹوریشن ہے جس کی بنیاد اٹلی کے وزارت تعلیم نے ڈالی ہے۔ اس ادارے میں آرٹ کے شاہکاروں کی صفائی اور مرمت کا کام سائنٹفک ڈھنگ پر کیا جاتا ہے۔ سائنس نے تاریخ اور آثار قدیمہ کے میدانوں میں تحقیقات کے نئے نئے دروازے کھول دیئے ہیں۔ تابکار کاربن کی پیدائش کے طریقے، بالائی فضا میں اس کی مقدار، پودوں اور جاندار اجسام میں اس کے داخل ہونے اور جم جانے اور جاندار اشیا میں اس کی متوازن مقدار کی موجودگی کے بارے میں تحقیقات کرکے تابکار کاربن کے ذریعہ تاریخ کے تعین کا طریقہ معلوم کیا ہے جس کے ذریعہ حالیہ برسوں میں تاریخی اور آثار قدیمہ کی مختلف اشیا کی عمر کی پیمائش وسیع پیمانے پر کی گئی ہے۔ اس کے نتیجہ میں تاریخ کے علم میں مقصدیہ اضافہ ہوا ہے۔ تحقیق جرائم کے سلسلے میں بھی سائنس جو رول ادا کر رہی ہے اس کی اہمیت سے سر مو انکار نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا کے مختلف حصوں میں ایسے سائنسی ادارے قائم کئے گئے ہیں جو بہترین سائنسی آلات کی مدد سے جرائم کی مسلسل تحقیقات کرکے جرائم کے خلاف جنگ میں اہم حصہ لے رہے ہیں۔ ہمارے ملک ہندوستان میں بھی ایک سائنسی ادارہ جس کا نام اسٹیٹ فورنسک لیبارٹری ہے جرائم کی تحقیقات میں اہم رول ادا کر رہے ہیں۔ اس نے کئی جرائم کی کامیاب تفتیش کی ہے۔ یہ ادارے جدید ترین آلات کی مدد سے جرائم کی صحیح کھوج کر رہے ہیں۔ مجرموں کو کیفر کردار کو پہنچا رہے ہیں اور بے گناہوں کو قانون کے شکنجے میں پھنسنے سے بچا رہے ہیں۔

علم طب کی ترقی کے نتیجہ میں مختلف دواؤں اور بہتر طریقۂ علاج کے دریافت کی وجہ سے انسانوں کے اوسط عمر میں پہلے کے مقابلے میں اضافہ ہوا ہے۔ بچوں کی اموات کی شرح میں بے حد کمی ہو گئی ہے۔ سائنس نے ٹرانس ڈیوسرس نامی آلات ایجاد کرکے انسان پر اس کے اپنے جسم کی کائنات کے راز منکشف کئے ہیں۔ خلائی جہازوں نے خلا کی اور کائنات کی تسخیر کرکے انسان کو اس کے اندر چھپی ہوئی غیر معمولی قوت سے واقف کروایا ہے اور اسے صحیح معنوں میں یہ احساس دلایا ہے کہ وہ اشرف المخلوقات ہے۔ کائنات کی عظمت اور وسعت کے متعلق معلومات فراہم کرکے اس خالق کی عظمت کو عیاں کیا ہے جس کی یہ کائنات مخلوق ہے۔ مظاہر فطرت کی حقیقت کو عیاں کرکے انسان کو اوہام کے اندھیروں سے باہر نکالا ہے۔ ایک انسان کی حیثیت سے اس میں خود اعتمادی کا جذبہ پیدا کیا ہے۔ حمل و نقل اور اطلاع رسانی کے تیز ترین ذرائع فراہم کرکے دنیا کے انسانوں کو ایک دوسرے کے قریب آنے کے مواقع فراہم کئے ہیں۔ ایک دوسرے کو سمجھنے اور معلومات کا تبادلہ کرنے کی سہولتیں فراہم کرکے انسانی علم میں تیزی سے اضافہ کی راہیں ہموار کی ہیں۔ مختلف قسم کی مشینیں ایجاد کرکے اشیا کے بڑے پیمانے پر تیاری کے وسائل فراہم کئے ہیں۔ اس طرح سائنس نے آج کے انسان کے لئے ضروریات زندگی کی تکمیل کے سلسلے میں اہم اور بنیادی اقدامات کئے ہیں۔ اشیائے ضرورت کی پیداوار میں معتدبہ اضافہ کے باوجود عوام کی قوت خرید میں کمی کی ذمہ داری ہمارے معاشی نظام میں پائی جانے والی معاشی عدم مساوات پر عائد ہوتی ہے۔ سائنس پر نہیں۔ اس لئے ہم یہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ سائنس کا عطا کردہ سائنسی نقطہ نظر نوع انسانی کے مسائل کو حل کرنے کی راہیں کامیابی کے ساتھ ہموار کر سکتا ہے۔

موجودہ زمانے میں ہمارے سماجی، سیاسی، تہذیبی اور معاشی مسائل اس لئے دن بہ دن الجھتے اور پیچیدہ ہوتے جا رہے ہیں کہ ہم ان مسائل کا مطالعہ کرنے اور ان کے حل تک پہنچنے کے سلسلے میں جذبات سے زیادہ عقل اور شعور سے کام لیتے ہیں۔ اس قسم کا جذباتی طرز فکر ہم کو حقائق کی طرف سے جان بوجھ کر چشم پوشی کرنے پر مجبور کر دیتا ہے اور ہم مزید الجھتے چلے جاتے ہیں۔ یہ جذباتی طرز فکر حقیقت پسندی سے انحراف کا نتیجہ ہے۔ حقیقت پسندی سے یہ انحراف اس لئے ہے کہ عوام میں سائنسی نقطہ نظر جو کہ جو کہ حقیقت پسندانہ نقطہ نظر ہے چند در چند وجوہات کی بنا پر مقبول عام نہیں ہو سکا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ گذشتہ برسوں میں کی جانے والی سائنسی تحقیقات کے نتیجہ میں علم طب نے ترقی کی ہے۔ تقریباً سب ہی بیماریوں کی وجوہات کا پتہ چلا لیا گیا ہے۔ بیماریوں کے علاج کے لئے موثر دوائیں ایجاد کی گئی ہیں۔ دنیا کے تقریباً سب ہی حصوں سے متعدی بیماریوں جیسے ہیضہ، پلیگ، چیچک وغیرہ کا مکمل قلع قمع کر دیا گیا ہے۔ لیکن طبی صورتحال پہلے کے مقابلے میں اب کہیں زیادہ سنجیدہ ہو گئی ہے۔ مثال کے طور پر اگرچہ شدید ترین ذیابیطس میں مبتلا مریض بھی صحتیاب ہو سکتے ہیں اور دن میں دو یا تین

بار انسولین کے انجکشن لے کر اس بیماری سے نجات حاصل کر سکتے ہیں لیکن اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ انہیں یہ سکھایا جائے کہ ان کے جسم چند مقررہ اصولوں کے پابند ہیں۔ جس طرح کوئی موٹر کار لبریکیٹنگ آئل کے بغیر چل نہیں سکتی بالکل اسی طرح انسولین کے بغیر ان کے جسم کی مشین اپنا کام انجام نہیں دے سکتی۔ انہیں اس بات کو سمجھائے بغیر ہم ان سے یہ توقع نہیں کر سکتے کہ وہ پابندی سے انسولین کے انجکشن لے کر اس بیماری سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں۔

یہی بات ہوا کے ذریعہ پھیلنے والی بیماریوں کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے۔ انہیں عوام کے تعاون کے بغیر ختم نہیں کیا جا سکتا۔ تعاون کا یہ جذبہ عوام کے دلوں میں صرف اسی وقت پیدا کیا جا سکتا ہے جبکہ انہیں اچھی طرح اس سائنسی حقیقت سے واقف کرا دیا جائے کہ یہ بیماریاں ہوا میں پائے جانے والے جراثیم کی وجہ سے پھیلتی ہیں۔

مختلف امراض کی کارگر دواؤں کی ایجاد اور بیشتر صورتوں میں ماہر ڈاکٹروں کے علاج کے باوجود ہمارے ملک میں مریضوں کو صحت یاب ہونے میں زیادہ عرصہ لگنے کی اہم وجہ یہ ہے کہ عوام امراض کی نوعیت سے قطعی ناواقف ہیں۔ وہ اپنے علاج کے سلسلے میں معالج کے ساتھ وہ تعاون نہیں کر پاتے جو انہیں بحیثیت مریض کرنا چاہئے۔ اگر انہیں سائنٹفک خطوط پر تعلیم دی جائے تو وہ بیماریوں کے متعلق صحیح نظریہ کو اپنا سکیں گے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مشرقی ممالک بطور خاص ہندوستان میں سائنسی نقطہ نظر نے اتنی مقبولیت کیوں حاصل نہیں کی ہے جتنی کہ اسے حاصل ہونی چاہئے۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ان افراد نے پیدا کر رکھی ہے جو علم سماجیات میں اپنے من پسند نظریات کو سائنٹفک نظریات کا نام دے کر پیش کر رہے ہیں۔ بالفاظِ دیگر انہوں نے بعض سائنسی تحقیقات اور نظریات کا اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے استحصال کیا ہے اس استحصال کی واضح مثال ڈارون کے نظریہ کا استحصال ہے۔ ڈارون کی تحقیقات نے حیوانات کی مختلف انواع کے بارے میں علمِ انسانی کے خزانے میں معتد بہ اضافہ کیا لیکن اشتراکی نظریات کے حامیوں نے ڈارون کی تحقیق کو خدا کے عدم وجود کو ثابت کرنے کے لئے استعمال کر کے ان تحقیقات کا بُری طرح استحصال کیا ہے۔ خدا کے وجود اور عدم وجود کے مسائل کا سائنس سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ان مسائل پر بحث و تحقیق کی ذمہ داری کسی سائنسداں پر عائد ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یہ مسائل مابعد الطبیعاتی مسائل ہیں۔ سائنس مادّے سے بحث کرتی ہے اور مادّی وسائل کو انسانوں کے اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کرتی ہے یہی اس کا دائرۂ کار اور دائرۂ عمل ہے۔

اس سلسلے میں میں ایک اور بات بھی کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ چونکہ سائنس کا دائرۂ عمل مادّے اور مادّے کے اندر چھپی ہوئی قوتوں کے استعمال تک محدود ہے اس لئے مذہب کے حامیوں نے سائنس اور سائنسدانوں پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ مادّہ پرست ہیں اور معاشرے میں مادّہ پرستی کو ہوا دیتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سائنس میں مادّے کو اہمیت دی جاتی ہے اور وہ مادّے سے بحث کرتی ہے۔ وہ مادّے کو انسانی فلاح و بہبود کے لئے استعمال کرنے کے امکانات کا جائزہ لیتی ہے اور اس کے لئے راہیں ہموار کرتی ہے لیکن اس مادّہ پرستی کا الزام قطعی بے بنیاد ہے۔ مادّہ پرستی کی اصطلاح "مخالف سائنس مذہب پرستوں" کی من گھڑت ہے۔ بلکہ امرِ واقعہ تو یہ ہے کہ مظاہرِ فطرت اور مادّے کی اصلیت کا انکشاف کر کے سائنس نے نوعِ انسانی کے لئے اوہام پرستی اور مادّہ پرستی سے نجات حاصل کرنے کی راہیں ہموار کی ہیں۔ اس نے اس حقیقت کا انکشاف کیا ہے کہ کائنات کے مختلف مظاہر اس لئے عالمِ وجود میں لائے گئے ہیں کہ انسان ان سے استفادہ کرے۔ ان کی تحقیق و تسخیر کرے۔ مثال کے طور پر ماہرینِ فلکیات نے چاند تاروں، سورج اور سیاروں کی حقیقت کو عیاں کر کے انسان کو اس وہم سے نجات دلائی ہے کہ وہ خدائے برتر کے خدام ہیں یا خداؤں کے اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جن کی پرستش اس کا فرضِ اولین ہے اس طرح سائنس نے انسان کو مادّہ پرستی سے نجات دلائی ہے۔

ہمارے ملک میں سائنس اور سائنسی نقطہ نظر کی اشاعت، ترویج اور ترقی اطمینان بخش طور پر اس لئے نہیں ہو سکی ہے کہ ہندوستانی زبانوں میں کتابوں کی اشاعت کرنے والے اداروں نے معیاری سائنسی کتابوں اور خاص طور پر عام فہم سائنسی کتابوں کی اشاعت کی طرف بے حد کم توجہ کی ہے۔ اردو زبان میں تو اس طرح کی کتابیں کبھی کبھار ہی شائع ہوتی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے ملک میں انگریزی زبان میں بہت سے سائنسی رسائل شائع ہوتے ہیں مثلاً سائنس رپورٹر اور سائنس ٹوڈے وغیرہ۔ انگریزی زبان میں شائع ہونے والے جملہ سائنسی رسائل کی تعداد لگ بھگ پندرہ ہے۔ لیکن اردو زبان میں لے دے کر صرف ایک ہی سائنسی رسالہ "سائنس کی دنیا" شائع ہوتا ہے اور نگ باد سے شائع ہونے والے سہ ماہی رسالۂ المعلم، میں ہر شمارہ میں دو چار سائنسی مضامین بھی ہوتے ہیں۔ کبھی کبھار اردو اخبارات بھی سائنسی مضامین شائع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اردو کے تمام رسائل اپنے ہر شمارے کے ایک چوتھائی حصہ کو سائنسی مضامین کے لئے وقف کریں اور سال میں کم سے کم ایک شمارے کو سائنس نمبر کی شکل میں شائع کریں۔ اشاعتی ادارے زیادہ سے

زیادہ تعداد میں عام فہم سائنسی کتب شائع
یہ ایک خوش آئند بات ہے کہ ہما
لاتعداد سائنٹفک سوسائٹیاں بڑے
ان کی تعداد لگ بھگ دو سو ہے ان میں
بڑے عرصے سے قائم ہیں اور بیحد مشہو
سائنس کانگریس ان میں سے ایک ہے
گذشتہ پچاس سال سے خدمات انجام دے
سوسائٹی کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ
عوام کے درمیان رابطہ قائم کرنے کا کا
اور عوام میں سائنس کو مقبول کرنے اور
کی ترویج و اشاعت کے لئے کوشاں
یہ سوسائٹی سائنس کو عوام تک لے جانے
دے رہی ہے اس کام کو ملک کے مختلف
نمائش دکھا کر سائنس کے مختلف موضوعا
فلموں کی نمائش کر کے اور مدرسوں او
توسیعی لیکچروں کے انعقاد کے ذریعہ
ہے لیکن یہ امر قابل افسوس ہے کہ ارد
ادبی و شعری ذوق کی تسکین اور نشو
میں کئی انجمنیں اور سوسائٹیاں تو قائم ہیں
سائنٹفک سوسائٹی یا انجمن نہیں جو اردو
کی ترویج و اشاعت کرے۔ ان میں سا
پیدا کرے اور ایسی فضا تیار کرے جس
کی نشو و نما ہو۔

(اد

بقیہ : مراٹھی اسٹیج

ڈالی۔ اس مزاحیہ صنف نے آگے چل کر
ڈراموں کے لئے راہ ہموار کی۔ سب سے
نفرت کرداروں کے کیری کیچر پیش کئے
سماجی تمثیلیں وجود میں آئیں۔
۱۸۸۰ء میں انگریزی تعلیم یا
ناٹک کمپنی قائم کر کے مراٹھی میں ش
اسٹیج کرنے شروع کئے ساتھ ہی سا
مشہور ڈرامے بھی مراٹھی اسٹیج پر پیش
اسی کمپنی نے تاریخی و نیم تاریخی حصوں
روپ دینا شروع کیا اور مراٹھی میں
داغ بیل ڈالی۔ ان کے بعد دیگر ناٹک
تاریخی ڈرامے پیش کیے۔ غرض گذ
مراٹھی اسٹیج پر پورانک، مزاحیہ، سماجی
ڈرامے پیش کیے جا چکے تھے اور بیسوں
اسٹیج کی ہمہ جہتی ترقی کے لئے راہیں ہم
مراٹھی اسٹیج کے اس مختصر
صدی کی ترقیوں کو اختصار کے سا
گنجائش نہیں ہے اس لئے اس موضو
لئے اٹھا رکھتا ہوں۔

…ولت بھی کیا چیز ھے

یوسف ناظم

یہ کہنا غلط ہے کہ دنیا سے جاتے وقت کوئی شخص اپنی دولت اپنے ساتھ نہیں لے …آدمی چاہے تو کیا نہیں کرسکتا۔ قارون کی مثال ہمارے سامنے …ہے۔ یہ صاحب جب یہاں سے رخصت ہوئے تھے تو انھوں نے …ب دینار بھی … نہیں چھوڑا تھا۔ حالانکہ اس زمانے میں پیپر …کا رواج نہیں تھا جو بھی دولت تھی بہ شکل معدنیات تھی۔ معدنیات …زنی چیز ہوتی ہے اور اتنی ساری معدنیات کو ساتھ کسی انجانے …پر روانہ ہونا کافی تکلیف دہ کام تھا بلکہ تقریباً ناممکن کام تھا۔ …قارون نے ان دیکھی مشکلات کی پرواہ نہیں کی (مالدار لوگوں …ں چیز کی پرواہ ہوتی بھی کب ہے) اور اپنی ساری دولت …اپنے ساتھ لے گئے۔ ان کے ساتھ البتہ وہ اونٹ نہیں جاسکے …پر موصوف کے خزانے کی کنجیاں لادی جاتی تھیں۔ یہ اونٹ …یہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ یہ تعداد میں ستر تھے اور …ں دو اونٹ شانہ بشانہ نہیں چلتے کیونکہ اونٹ آدمیوں کی طرح …باتیں کرتے ہوئے نہیں چلتے۔ یہ ہمیشہ ایک کے پیچھے ایک ہوکر چلا …تے ہیں اور بہت خوبصورت دکھائی دیتے ہیں۔ قارون کے یہ …ہور و معروف اونٹ جو تعداد میں ستر تھے، جب ایک قطار میں کہیں …گزرتے تو پہلے اور آخری اونٹ کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہوتا …ن دو ملکوں کے درمیان ہوا کرتا ہے۔ لیکن اونٹ میں اس کی گردن …لمبائی کے علاوہ دوسری خرابی یہ ہوتی ہے کہ یہ جانور وفادار نہیں ہوتا …یہ بے یہ لوگ جو تعداد میں ستر تھے، قارون کے آخری سفر میں اس کے …تو نہیں گئے۔ اس زمانے میں چونکہ دُہری کنجیاں رکھنے کا غیر محفوظ …طریقہ رائج نہیں تھا اس لیے قارون کے خزانے کی کنجیوں کے لیے …اونٹ کافی ہو گئے۔ ڈپلی کیٹ کنجیاں ہوتیں تو … اونٹوں کی …اور ٹیم کا انتظام کرنا پڑتا۔ قارون جیسے امیر کبیر شخص کے لیے گو …ی بات ہوتی اور وہ بڑی آسانی کے ساتھ مزید … اونٹ منگوا …تے لیکن ان … لوگوں کی جان پر بن آتی جن کا کام ہی اونٹوں کو …سنا تھا۔ را… تے الگ بند ہو جاتے۔

سچ تو یہ ہے کہ قارون کے زمانے میں کوئی بھی چیز ڈپلی کیٹ …یں ہوا کرتی … تی۔ اب تو چیزیں ایک طرف رہیں خود آدمیوں کو بھی اپنا ایک مثنیٰ تیار رکھنا پڑتا ہے۔ اکثر سربراہانِ ملک ایک ہی وقت میں دو دو جگہ پائے جاتے ہیں اور غلطی سے گولی اس جگہ چلتی ہے جہاں اس کا مثنیٰ ہار پہنے کھڑا رہتا ہے اور اس معمولی سی فروگذاشت کا خمیازہ ملک و قوم کو بھگتنا پڑتا ہے۔ کچھ لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ چند ملکوں میں مثنیٰ ہی حکومت کر رہے ہیں۔ اصل حکمراں تو کب کے قتل ہو چکے۔ پچھلے زمانے میں مثنیٰ ملتے بھی نہیں تھے اور خود بادشاہ سلامت کو بھیس بدل بدل کر بیسیوں کام کرنے پڑتے تھے۔ یوں چھپ کر کسی کے گھر میں جھانکنا، دیوار سے کان لگا کر زن و شوہر کی گفتگو سننا، اور وہ بھی آدھی رات کے وقت، بہت معیوب بات ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ بادشاہوں کو اور ان کے بلند ہیرو زیروں کو کسی ضابطۂ اخلاق کا پابند نہیں کیا جاسکتا۔ یہ رعایت آج بھی ختم نہیں ہوئی ہے بلکہ اب تو یہ سہولت ہے کہ ان کو لباس بدلنے کی بھی ضرورت نہیں رہی۔ اس لیے اب مثنیٰ درباروں سے نکل کر فلموں میں آگئے ہیں۔ ہر بڑے اداکار کا ایک ڈپلی کیٹ ضرور ہوتا ہے اور جب کوئی ویلن کسی وجہ سے ہیرو کو ہنٹروں سے مارتا ہے تو اس وقت ہیرو فلم کی شوٹنگ دیکھنے والے تماشائیوں میں بیٹھا ۱۲۰ نمبر کے تمباکو کا پان کھاتا رہتا ہے اور اس کا ڈپلی کیٹ مار کھاتا رہتا ہے اور کچھ پیسے اسے بھی مل جاتے ہیں جو ہیرو کے معاوضے کی رقم میں سے وضع نہیں کیے جاتے۔

بات قارون کے خزانے کی ہو رہی تھی یہ ڈپلی کیٹ کی بات تو یونہی بیچ میں نکل آئی۔ قارون کا خزانہ بہت بڑا خزانہ ہونے کے علاوہ محفوظ خزانہ بھی تھا اور جب تک وہ بقید حیات رہا اس کا ایک ریال بھی چرایا نہیں جاسکا۔ ہمیں ٹھیک سے معلوم نہیں ہے کہ اس کے پاس ریال تھے یا دینار، ممکن ہے اشرفیاں ہی رہی ہوں کیونکہ اشرفی اس زمانے کا مقبول سکہ تھا اور بادشاہ جسے بھی پسند کرتے تھے اس کا منہ اشرفیوں سے بھر دیتے تھے۔ ریال اور دینار کسی کے منہ میں نہیں رکھے گئے۔ قارون کی رحلت کے بعد تو اس کے ہاں کسی چوری کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا کیونکہ ساری دولت تو وہ ساتھ ہی لیتا گیا۔

اس زمانے میں چوری کی واردات شاید اس لیے نہیں ہوئی کہ قارون کے ہم عصروں میں چور اُچکے تھے ہی نہیں، آبادی مختصر… تو اس میں طرح طرح کے لوگ دستیاب نہیں ہوتے۔ چور و… ڈاکوؤں کی جو بھی کہانیاں ہم نے پڑھی اور سنی ہیں وہ سب قارو… کی وفات کے بعد کے زمانے کی ہیں۔ چور غالباً علی بابا کے زما… میں پیدا ہوتے یا اس سے پہلے الہ دین کے زمانے میں۔ بہر حال یہ قارون کے عہد کے بعد کی ہی پیداوار ہوسکتے ہیں اور وہ بھ… بہت بعد کے کیونکہ ان لوگوں کو چوریوں اور ڈاکوں میں ملتا بھی کیا… دنیا کی ساری دولت تو قارون کے ساتھ منتقل ہو چکی تھی۔

دولت سے متعلق کئی رائیں ہیں۔ صحیح رائیں وہی ہوتی ہیں جو متضاد ہوں اور جن کی تائید اور مخالفت میں بحث و مباحثہ منعق… ہوسکتا ہو۔ کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ دولت کمانا مشکل ہے او… کچھ کی رائے ہے کہ اس کا کمانا اتنا مشکل نہیں جتنا کہ اس کا خر… کرنا۔ قارون کا تعلق اسی دوسرے مکتب خیال سے تھا۔ دولت اس نے کیسے کمائی تاریخ اس معاملے میں کوئی مدد نہیں کرتی… اہم معاملات میں تاریخ کا یہی معمول رہا ہے کہ کوئی معلومات بہم نہیں پہنچاتی۔ تمام مورخین خواہ وہ فرشتہ ہوں یا آدمی، ابن بطوطہ ہوں یا ابن سینا، سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ اہم معامل… میں تاریخ کو خاموش ہی رہنا چاہیے۔ سیاست کی طرح تاریخ بھی مفاد عامہ کو پیش نظر رکھتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ قارون نے دولت کمانے کے لیے کوئی خاص جدوجہد نہ کی ہو اور یہ خود بخود بوقت عقد بصورت نقد اس کے پاس آگئی ہو۔ بہر حال اس نوبت پر جب کہ اس کی حیات و وفات کو صدیاں گذر چکی ہیں اس کے ذریعۂ معاش اور طریقۂ بود و باش کے بارے میں کوئی دو ٹوک بات نہیں کہی جاسکتی۔ رہا دولت خرچ کرنے کا مسئلہ تو کہا جاتا ہے کہ قارون نے طے کر لیا تھا کہ آئندہ وہ دولت خرچ کرے گا۔ چند مدوں کے بارے میں اس نے فیصلہ کر لیا تھا جن میں ایک غالباً فنون لطیفہ کی ترقی کی مد تھی اور اس کا خیال تھا کہ فنون لطیفہ کی ترقی نہ سہی انہیں غیر موزوں لوگوں سے محفوظ رکھنے کے لیے چند ٹرسٹ بنائے جائیں لیکن اس سے پہلے کہ وہ دستاویزات وغیرہ تیار کرواتا اس کا انتقال ہو گیا۔ فنون لطیفہ کو ہر دور میں ایسے صدمے پہنچتے رہے ہیں اور اسی لیے آج بھی یہ فنون وہیں ہیں جہاں پہلے تھے۔ یہ ایک لحاظ سے اچھا ہی ہوا ورنہ ہوسکتا ہے قارون روپیہ خرچ کرنے کی قبیح عادت کا شکار ہو جاتا اور رفتہ رفتہ اس کی یہ حالت ہو جاتی کہ سوائے … اونٹو… کے اس کے پاس کچھ نہ بچتا۔ اونٹوں کی کھلائی پلائی کے لیے ہنڈی پر قرض لیتا، تمسک لکھتا پرا مزری نوٹوں پر دستخط کرتا اور آخر کار ایک عام ہندوستانی کی طرح سارا قرض یونہی چھوڑ کر مر جاتا۔ سوچیے ذرا اس کی کتنی بدنامی ہوتی۔

ویسے ہمارا خیال ہے قارون دنیا کا دولت مند ترین شخص نہیں تھا۔ ترین بننے کے لیے اس سے زیادہ دولت درکار ہوتی ہے اور صحیح مقابلہ اس وقت ہوتا ہے جب ہمسری کے لیے کوئی اور موجود ہو۔ جہاں تک ہمارا حافظہ ساتھ دیتا ہے ہم سمجھتے ہیں شداد کے، ہاں اگرچہ اونٹ نہیں تھے لیکن دولت یقیناً زیادہ تھی کیونکہ شداد لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے خرچ کرتا رہا اور فیاضی کے ساتھ زر کثیر خرچ کرنے کے بعد بھی اس کے پاس بے حساب دولت

(آگے صفحہ ۱۹ پر)

پاپی پپیہارے پی پی نہ بول بیری پی پی نہ بول

آپ نے یہ نغمہ ضرور سُنا ہو گا۔ یہ فلم 'پروانہ' کا ہے۔ اور اس گیت سے بھی لطف اندوز ہوئے ہوں گے :

میرے منڈیر نہ بول کاگا جا — کاگا جا

یہ گیت فلم اشارہ کا ہے۔ کیا آپ اس امر سے واقف ہیں کہ ان مقبول اور دلکش نغمات کی موسیقی کس موسیقار نے مرتب کی تھی۔ آج آپ کو اس ہستی کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ آپ ہیں خواجہ خورشید انور جو گزشتہ ۴۳ برسوں سے فلموں کی موسیقی دے رہے ہیں۔ آپ کے نغمات کی مقبولیت نے ثابت کر دیا ہے کہ آپ آج اس مقام پر کھڑے ہیں جہاں ان کے فن کو ہندوستان اور پاکستان کے کسی بھی ہر دلعزیز موسیقار کے فن کے مقابلہ میں رکھا جا سکتا ہے۔ آپ کی مرتب کردہ دھنوں کی مقبولیت نے ثابت کر دیا ہے کہ آپ کا فن وقت کی رفتار کے ساتھ جوان تر ہوتا جا رہا ہے۔ آپ عمر کے اس حصہ میں پہنچ چکے ہیں جہاں انسان کی زندگی منفرد زاویہ بنا لیتی ہے۔ آپ کی عمر اس وقت ۷۵ برس کے قریب ہے اور آج بھی پاکستانی فلموں کو پاپولر اور مقبول دھنوں سے سجا رہے ہیں۔ آپ نے گزشتہ دنوں ایک انٹرویو میں کہا کہ

وہ اکثر یاد آتے ہیں

خواجہ خورشید انور

دھرم ویر

میں دل سے دھنیں بناتا ہوں اور دل کا تعلق عمر یا سال گننے سے نہیں ہے — اس کے علاوہ آپ مشرق کے واحد فنکار ہیں جو کسی دوسرے ملک میں فلم کی موسیقی مرتب کرنے کے لیے پاسپورٹ اور ویزا لے کر گئے۔ اس کے علاوہ ایسے میوزک ڈائریکٹروں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ جو زیادہ تعلیم یافتہ ہیں اور ان میں خواجہ صاحب کا نام بلندی پر ہے۔

آپ اعلیٰ تعلیم کے زیور سے بھی آراستہ ہیں اور فن کا ریاض بھی بہت ہے۔ آپ نے ہندی اور اردو کی ان گنت فلموں کو موسیقی دے کر غیر فانی بنایا ہے۔ مگر آپ کی فلمی زندگی کا آغاز ایک پنجابی فلم سے ہوا۔ یہ تھی کُڑمائی جسے اے آر کاردار نے ڈائرکٹ کیا تھا۔ یہ ۱۹۴۱ء کا واقعہ ہے۔ اس سے قبل کچھ عرصہ تک آپ آل انڈیا ریڈیو بمبئی سے منسلک رہا۔ وہاں آپ پروگرام پروڈیوسر کے عہدہ پر مامور تھے۔ ترقی کے بھی بہت چانس تھے مگر کچھ اور ہی دُھن سوار تھی۔ اس لیے فلم کُڑمائی میں کام ملتے ہی ریڈیو کی ملازمت ترک کر دی۔ آپ کا شمار ہندوستان اور پاکستان کے ان چند میوزک ڈائریکٹروں میں ہے جنھوں نے دو ملک میں اپنے فن کا مظاہرہ کر کے خراج تحسین حاصل کیا۔ آپ بمبئی میں بھی بے حد مقبول تھے اور آج لاہور میں بھی یہی حالت ہے۔ کُڑمائی فلم کے بعد آپ نے اشارہ نامی فلم کے گیتوں کی موسیقی مرتب کی، یہ فلم جے کے نندہ نے بنائی تھی — اور ۱۹۴۲ء میں ریلیز ہوئی تھی۔ اس فلم کے گیتوں کی ہر دلعزیزی نے برصغیر میں تہلکہ برپا کر دیا اور اس ایک فلم کی بدولت ہی خواجہ صاحب نے ایک کامیاب اور خود مختار موسیقار کی حیثیت سے اپنے لیے بلند مقام بنا لیا۔ جب پروڈیوسر ڈائریکٹر سہراب مہدی نے فلم پرکھ بنائی تو خواجہ صاحب منروا مووی ٹون میں آ گئے۔ اس فلم میں آپ نے کوشلیا نامی ایک ایکٹرس کی آواز میں گیت ریکارڈ کر دیئے۔ اس وقت پلے بیک سسٹم اور ری ریکارڈنگ کا رواج نہ تھا لہٰذا اس طرح گانے ریکارڈ کرانا خواجہ صاحب کی جدت تھی۔ محبوب صاحب نے ایک فلم ڈائرکٹ کی تھی۔ یتیم — اس کے لیے خواجہ صاحب نے ایک گانا محمد رفیع اور جی ایم درانی سے گوایا تھا۔ جب سیٹھ دل سکھ پنچولی لاہور میں فلم گلیڈ نڈی بنانے لگے تو آپ نے اس کی موسیقی مرتب کرنے کے لیے خواجہ صاحب کو بمبئی سے بلوایا۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ اس فلم کے نغمات گانے کے لیے پنچولی صاحب نے اس دور کی مشہور سنگر زینت بیگم کی خدمات حاصل کیں اور چاہتے تھے کہ ان کی دھنیں بھی کوئی بڑا مشہور فن کار ہی مرتب کرے۔ چنانچہ آپ کی نگاہِ انتخاب خواجہ خورشید انور پر پڑی جو کہ ان دنوں بمبئی کے میوزک ڈائریکٹروں میں بلند بھی تھے۔ شاید آپ میں سے اکثر کو اس بات کا علم نہ ہو کہ سربلند پروڈیوسر ڈائریکٹر خواجہ احمد عباس نے آج اور کل نامی ایک فلم بنائی تھی اس کا موضوع سیاست سے تعلق رکھتا تھا۔ اس انقلابی فلم کی انقلابی موسیقی بھی خورشید انور صاحب نے ہی مرتب کی تھی۔ مگر حکومتِ وقت نے اس پر پابندی لگا دی اور فلم ریلیز نہ ہو سکی۔ ایک فلم بنی پروانہ۔ اس میں اس دور کے مشہور فلم اسٹار سنگرز کے ایل سہگل اور ثریا نے کام کیا تھا اور گانے گائے تھے۔ یہ گانے اس وقت بھی مقبول ہوئے اور اب تک بھی سننے میں آتے ہیں۔ ان کی موسیقی آج بھی بھرپور تاثر رکھتی ہے۔ اس کی دھنیں بھی خورشید انور نے ہی مرتب کی تھیں۔ یہ ۱۹۴۷ء کی بات ہے۔ اس کے بعد ایک فلم نشانہ بنی۔ اس میں اشوک کمار اور مدھو بالا نے کام کیا تھا۔ اس کے گانے بھی مقبول ہوئے اور باکس آفس پر بھی کامیاب رہی اس کی دھنیں بھی ان ہی کی مرتب کردہ تھیں۔ ۱۹۴۹ء میں ایک فلم بنی سنگھار اس فلم کی موسیقی کی مقبولیت اور اس کے فن کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس دور کے چوٹی کے موسیقاروں

کی فلموں کے سخت مقابلہ کے بعد انھیں بہترین میوزک
خطاب ملا۔ یہ مقابلہ میوزک ڈائریکٹروں کی انجمن
کی سیاسی آندھی میں بھی آپ بمبئی میں ہی رہے۔ مگر
لاہور چلے گئے۔ اس کے ایک برس بعد بمبئی کی واڈیا
نے ایک فلم بنائی تھی نیلم پری۔ اس فلم کا میوزک کم
لیے خواجہ صاحب کو چھ ہفتوں کے لیے پاسپورٹ پر بمبئی
شاید ہندوستان اور پاکستان کا کوئی اور فنکار اس
نہیں کر سکتا۔ فلم نیلم پری کے گانے بہت پاپولر ہوئے
جی ایم درانی اور گیتا رائے نے گائے تھے۔ اس فلم
کرنے کے بعد آپ مستقل طور پر لاہور آ گئے، اور اب تک
فلموں کو موسیقی دے رہے ہیں۔ ۱۹۵۶ء میں آپ کی
دو فلمیں انتظار اور مرزا جٹ اکٹھی ایک ہی دن ریلیز
کے نغمے اس قدر مقبول ہوئے کہ پاکستان کی فلم انڈسٹری
انقلاب آ گیا۔ میوزک ڈائریکٹر اور فلم ساز محسوس کر
جدت پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ پرانی باتیں اور قدریں
گی۔ تسلیم کرنا پڑے گا کہ پاکستان کی اس فلم نے
کے فلم سازوں اور میوزک ڈائریکٹروں کو بھی چوکنا کر دیا
کو اس کی موسیقی کے لیے پریزیڈنٹ ایوارڈ ملا تھا اور
ریکارڈ قائم کیے جو کہ اب تک توڑے نہیں جا سکے۔
زہر عشق، گھونگھٹ اور چنگاری نامی فلموں کو موسیقی
ان فلموں کا شمار پاکستان کی بہترین فلموں میں ہے
لحاظ سے بھی اور دوسری خوبیوں کے لحاظ سے بھی
فلموں کا نام عزت سے لیا گیا۔ ان فلموں کو کئی ایوارڈ ملے۔
جھومر، ایاز، کوئل، حویلی، سرحد، ہمراز، پنجابی فلم گڈو
مسعود پرویز کی پنجابی فلم ہیر رانجھا کی موسیقی بھی آپ نے
میں سے اکثر فلموں کے گانے بھی آپ ہی کے تحریر کردہ
ان فلموں کے گانے لوک گیتوں کا درجہ اختیار کر گئے ہیں
ہر دلعزیز ہیں۔ اور خواجہ صاحب کو ایک بار پھر بہترین
کا خطاب مل چکا ہے۔ جتنی بھی فلموں میں خواجہ صاحب
دی ان میں سے صرف چار ایسی ہیں جنھیں باکس آفس
نہیں کہا جا سکتا۔ پرائی آگ، خاک و خون، شیریں
اور مزے کی بات یہ ہے کہ ان فلموں کے بھی کئی نغمات
بلکہ فلم حیدر علی کی موسیقی کے لیے ۱۹۷۹ء میں آپ کو
پاکستان کا سب سے بڑا اعزاز۔ پرائڈ آف پرفارمنس
نے مرزا جٹ فلم بنائی۔ یہ بھی خوب کامیاب رہی اور
نغمات کی ہر دلعزیزی نے ایک بار پھر فنی عظمت کا
پاکستان کے فنکاروں میں خواجہ خورشید انور کا نام
اور ان کا نام بطور میوزک ڈائریکٹر ہی نہیں بطور
بھی سدا یاد رہے گا۔ یہ کہنا غلط نہیں کہ ماسٹر غلام حیدر
پاکستان کی دنیائے فلم کو جو نقصان پہنچا تھا، خواجہ
کافی حد تک اس کی تلافی کر دی ہے۔ وہ آج پاکستان
مقبول ہیں جس قدر کہ برسوں قبل بمبئی میں تھے — ان کے
محدود نہیں۔ جہاں آپ نے پکے راگوں راگ راگنیوں
موسیقی میں فوقیت حاصل کی وہاں مغربی موسیقی میں بھی
اور نغمات کو وجد آور بنانے کے لیے مغربی دھنوں سے

جہاں آپ نے ان گنت گانوں کے لیے بالکل قدیم رنگ
کلاسیکی ہندوستانی موسیقی پر مبنی دھنیں مرتب کیں تو کئی
کل مغربی رنگ میں پیش کیا۔ اور بے شمار نغمات کی دھنیں
ہیں دونوں کو ملایا گیا ہے جن میں مشرقی اور مغربی موسیقی
ہے۔ اور یہ خوبی نغمات کو اور بھی مقبول بنانے والی ثابت
یہ تجربہ کامیاب رہا ہے اور دوسرے میوزک ڈائریکٹروں
احوال کو اپنایا ہے۔ جہاں آپ کے فن میں استاد
کا رنگ ہے، وہاں آپ نوشاد کے فن سے بھی متاثر ہیں۔
ہاں نیازی کا رنگ بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ آپ پکے راگ
میں پیش کرنے میں بھی ماہر ہیں۔ اور ہلکے پھلکے گانے
میں بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ آپ نے دوسروں کی تو کیا
کی بھی نقل نہیں کی۔ آپ نے ایک نغمہ کے لیے جو دھن
وہ خواہ کتنی ہی کامیاب ہوئی اسے بھول گئے اور اس حد تک
کہ کسی دوسرے گانے پر شک بھی نہیں گزرتا کہ دھن وہاں
کی گئی ہے۔ ایک اور بات قابل ذکر ہے — نامور میوزک
روشن کو تو آپ جانتے ہی نہیں — باورے نین اور
کی رات وغیرہ کئی کامیاب نغموں کا کامیاب میوزک ڈائریکٹر
کی قابلیت سے کون واقف نہیں۔ مگر آپ شاید اس بات
خبر نہ ہوں کہ مشہور میوزک ڈائریکٹر روشن بھی آپ کے شاگرد
موسیقی کا یہ فن خواجہ صاحب سے ہی سیکھا تھا اور ریاض
تے تھے۔ بمبئی میں خواجہ صاحب کا دولت کدہ فنکاروں سے
تھا اور اب لاہور میں بھی یہی حالت ہے۔ بمبئی میں آپ کے
طور پر ایسی محفلیں جما کرتی تھیں جن میں اس دور کے فن کار
کرتے تھے۔ آج وہ دور نہیں رہا، وہ ماحول نہیں رہا۔ مگر
بھلایا جا سکے یہ ممکن نہیں۔ وہ اکثر یاد آتے ہیں اور یاد آتے
گے۔ وہ فن موسیقی کا سرمایہ ہیں، فن کو ان پر سدا فخر رہے گا۔

(اردو سروس سے)

ایڈیر
ایڈیٹر چترا دیکلی بھگیرت پیلیس۔ دہلی

بقیہ: دولت بھی کیا چیز ہے

اس نے معمولی باغ، مینار یا محل نہیں! بلکہ ایک سالم جنت
کر دی تھی۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا تعمیری پراجکٹ تھا۔ کسی
نے یہ معلوم کرنے کی زحمت نہیں کی کہ شداد کے باغ ارم جیسے
کام پر کتنی دولت صرف ہوئی۔ شداد کی جنت کی اسکیم ناکام بھی
کیونکہ اس جنت میں داخلہ حاصل کرنے کے لیے جن اعمال
ضرورت تھی، بہت کم لوگ ان اعمال کا سلیقہ رکھتے تھے۔ جنت
دن خالی پڑی رہی اور آخر کار اسے بند کر دینا پڑا۔ یہ دنیا
ہی ایسی جگہ۔ شداد کا روپیہ الگ ضائع ہوا۔

قارون اور شداد ان دونوں کی دولت سے ہماری
پسی کسی خود غرضی کی بنا پر نہیں ہے۔ ہم صرف یہ سوچتے ہیں کہ
گر اتنی دولت آج موجود ہوتی تو ہم ۴ یا ۵ سال کے وقفے سے
نہیں، روزانہ ایک الیکشن منعقد کر سکتے تھے۔ خود بھی کھڑے رہتے
نقصان کیا ہوتا، زیادہ سے زیادہ یہی نا کہ ہماری ضمانت ضبط ہو جاتی۔

(اردو سروس سے)

فن لطیفہ گوئی

آزاد گلاٹی

انسان روز ازل سے ہی زندگی کی دو اہم کیفیتوں غم اور خوشی سے دوچار رہا ہے اور جب سے انسان نے بات دوسروں تک پہنچانے کا ہنر سیکھا ہوگا، اس نے اپنا اور دوسروں کا غم غلط کرنے کا راستہ بھی تلاش کئے ہوں گے۔ اس طرح مزاح زندگی کی ایک اہم ضرورت بنتا چلا گیا ہوگا کیونکہ مزاح کے ذریعہ ہی انسان زندگی کی المناکی اور محرومی کی اذیت کی شدت کو کم کرنے کی سعی کر رہا ہے۔ انسان نے مزاح کو اس لئے اپنایا کہ یا تو وہ اپنا غم بھول سکے اور اگر موت سے پہلے غم سے نجات ممکن نہیں، تو کم از کم زندگی کو موت بننے سے اس طرح بچالے کہ غم کو ہنسی میں اڑا کر اس کے گھاؤ کو سہنا قدرے آسان کرلے۔

فرائڈ نے مزاح کی جو چار صورتیں طے کی ہیں ان میں دو بے ضرر لطائف اور افادی لطائف بھی ہیں۔ لطیفوں کے ذریعے انسان ہنسنے کی ضرورت پوری کرتا ہے۔ ویسے بھی انسان واحد جانور ہے جو ہنس سکتا ہے۔ اپنے پر بھی اور دوسروں پر بھی۔ انسان نے اپنی صلاحیت کو بروئے کار لانے کے لئے لطیفوں کا سہارا لیا۔ بقول وزیر آغا "بے ضرر لطائف کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ الفاظ و افکار کی جادوگری سے سامان انبساط بہم پہنچائیں ایسے لطیفے محض اس لئے ہوتے ہیں کہ زندگی کی کثافت کو ہنسی میں تحلیل کر کے ہمارے ذہنی و جذباتی تناؤ کو کم کردیں اور ہمیں ایک ایسی آسودگی سے روشناس کرائیں جس سے ہم چند لمحوں کے لئے ذہنی خلفشار اور جذباتی انتشار سے نجات پاکر فرحت و شادمانی کا احساس کرسکیں۔ وزیر آغا فرائڈ کے اس نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بے ضرر لطائف سے حصول مسرت کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان میں کھو کر انسان واپس اپنے بچپن کے ماحول میں پہنچ جاتا ہے اور ذہنی فکر و استدلال اختیار کرتا ہے۔ یوں عام زندگی بسر کرنے کے لئے جو ضروری قوت درکار ہوتی ہے اس میں ایک بچت یا Economy پیدا ہو جاتی ہے اور یہ ہنسی کی صورت میں بہہ نکلتی ہے"۔ افادی لطائف سے مسرت کے حصول کا نفسیاتی عمل بھی یہی ہے۔ لیکن ایسے لطائف احتیاط کے مواقع فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ ہماری ان خواہشات کو آزاد کرنے میں بھی معاون ثابت ہوتے ہیں جو ہماری روز مرہ زندگی میں ماحول اور سماج میں عدم ہم آہنگی کی صورت میں Suppressed رہتی ہیں۔ ایسے لطائف بقول وزیر آغا ہماری دبی ہوئی جنسی یا تشدد آمیز خواہشات کے لئے تسکین کی ایک ایسی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں جو ہنسی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔

اس طرح لطیفہ دراصل ہمارے اندر کے تناؤ کو کم کر کے ہمیں آسودگی، فرحت، شادابی اور شادمانی کے ان انبساط افروز لمحوں کی سیاحی کرواتا ہے جن میں ہم اپنے رنج و الم بھی بھول جاتے ہیں اور دوسروں کی زندگی میں سرایت کرتے ہوئے لمحوں کا نفسیاتی طور پر مداوا کرنے میں بھی معاون ثابت ہوئے ہیں۔

لطیفہ گوئی ایک لطیف فن ہے گو اس کے کوئی بندھے ٹکے اصول تو نہیں ہیں لیکن چند ایسے لوازمات ضرور ہیں جنہیں نظر انداز کر دینے سے لطیفہ کثیفہ بن جاتا ہے اور لطیفہ سنانے والا دوسروں کو ہنسانے کی بجائے خود اپنے لئے ایک ایسی صورت حال پیدا کر لیتا ہے کہ دوسروں کو اس پر رونا آتا ہے۔ فن لطیفہ گوئی کا انحصار دراصل لطیفہ، لطیفہ گو اور سامع تثلیث پر ہے اور جب تک ان تینوں میں مناسب ہم آہنگی نہ ہو لطیفہ اپنا صحیح تاثر پیدا نہیں کر سکتا۔

لطیفہ میں سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ یہ واقعی لطیفہ ہو — یعنی اس میں اپنے عناصر ہوں جو ایک ایسی فضا خلق کر سکیں جو سننے والوں کو شاداں و فرحاں کر سکے اور جس سے ان کے چہرے سے سنجیدگی کے بادل چھٹ جائیں اور مسکراہٹیں کھل اٹھیں۔ یہ انہیں ایک ایسی کیفیت کی بشارت دے جس سے وہ لطیفہ سے پیدا شدہ فضا میں کھو کر

اپنے اندر بھی اسی شادابی و فرحت کو محسوس کر سکیں جو ان کے چہروں پر تمتما رہی ہو۔

لطیفہ گو کو اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہئے کہ لطیفہ مختصر رہے کیونکہ غیر ضروری طوالت لطیفہ کے لئے سم قاتل ثابت ہوتی ہے۔ اگر ایجاز و اختصار سے کام نہ لیا جائے تو لطیفہ ہوتا چلا جائے گا اور سننے والے اس لمحے کے منتظر رہیں گے جب انہیں ہنسنے کا موزوں موقع فراہم ہو۔ اگر انتظار کی یہ گھڑیاں طویل ہوتی جائیں تو ہنسی کی بیساختگی میں کمی آجانا یقینی ہے۔ خواجہ عبدالغفور کا خیال ہے کہ لطیفہ مختصر ہوگا تو سننے والا ہنس کر فارغ ہو جائے گا اور اگر یہ طویل ہوگا تو اسے اپنے پر رائے زنی کرنے کی مہلت مل جائے گی۔ وہ اس کی بدلی ہوئی شکل میں کوئی لطیفہ سنانے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ اگر لطیفہ سنانے کے بعد کوئی شخص بول اٹھے کہ صاحب یہ لطیفہ یوں ہے تو آپ کے لطیفہ کا لطف اور لطافت دونوں مٹی میں مل جائیں گے۔ اس کے برعکس اگر لطیفہ مختصر ہوگا تو اس کا نتیجہ فوری طور پر ظاہر ہو جائے گا۔ سامع سوچنے کے لئے وقت نہ نکال سکے گا، وہ بے ساختہ مسکرا اٹھے گا —— اور لطیفہ کامیاب رہے گا۔

لطیفہ گوئی کے لئے سلیقہ مندی، چرب زبانی مناسب ڈرامائی کیفیت پیدا کرنے کی صلاحیت کا ہونا بھی لازمی ہے۔ اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب ایک شخص کوئی لطیفہ سناتا ہے تو وہ سپاٹ ہو جاتا ہے لیکن جب کوئی دوسرا وہی لطیفہ انہیں سامعین کو سناتا ہے تو لطیفہ کامیاب رہتا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اچھے لطیفہ گو کے پاس زبان و بیان کا ایک ایسا سلیقہ ہوتا ہے جسے بروئے کار لاکر وہ معمولی سے واقعہ میں بھی غیر معمولی دلچسپی کے سامان پیدا کر سکتا ہے اور اپنے سامعین کو بھی اس دلچسپی میں شریک کر سکتا ہے۔ لطیفہ میں زبان و بیان کی سلاست اور بیان کی حلاوت جادو کا اثر رکھتی ہے۔ مناسب اور موزوں الفاظ کے برمحل استعمال کا فن جاننے والے ڈرامائی عناصر پیدا کرنے کی صلاحیت رکھنے والے اور مناسب SUSPENSE برقرار رکھنے والے لطیفہ گو کا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا۔ اچھے لطیفہ گو کو یہ خیال بھی رکھنا چاہئے کہ لطیفہ کی زبان و بیان عام فہم ہوں اور اس کے معنی میں کسی قسم کا کوئی الجھاؤ نہ ہو، کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے سامعین کو لطیفہ سننے کے بعد ہنسی کے لئے جواز تلاش کرنے کی ضرورت محسوس ہو یا الفاظ کے گورکھ دھندوں سے خود کو آزاد کرنا پڑے۔ اگر سامع کا ذہن ان پیچیدگیوں میں الجھ گیا تو وہ ہنسی کی طرف راغب ہونے کی بجائے یا تو تاخیر سے ہنسے گا یا بالکل نہیں ہنسے گا اور لطیفہ اپنے مقصد یعنی فوری طور پر بے ساختہ مسکراہٹ پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہوگا۔ ایسی صورت میں لطیفہ گو کو کھسیانہ پن کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوگا۔

لطیفہ سنانے سے پہلے کسی قسم کی تمہید بھی لطیفہ کے تاثر کو مجروح کرتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی لطیفہ گو اس عہد سے لطیفہ شروع کرے کہ حضرات یہ لطیفہ شاید آپ پہلے بھی سن چکے ہوں گے تو وہ انہیں ایک ایسی AUTO SUGG- ESTION فراہم کر دے گا جس سے ان کے ذہن میں یہ خیال عود کر آئے گا کہ یہ لطیفہ واقعی ان کا سنا ہوا ہوگا اور وہ اس سے لطف اندوز ہونے کے لئے خود کو مائل نہیں کر سکیں گے۔ کئی بار لطیفہ گو لطیفہ سناتے سناتے یا اسے سنانے کے بعد خود بھی ہنسنے لگتا ہے تو لطیفہ کا اثر زائل ہونے کا احتمال رہتا ہے۔ اگر وہ لطیفہ سنجیدگی سے سنائے اور خود بھی قدرے سنجیدہ رہے تو لطیفے کے تاثیر میں کئی گنا اضافہ ہو سکتا ہے۔

فن لطیفہ گوئی کا تعلق سنانے والے کے ساتھ ساتھ سننے والوں کی کیفیت ذہنی حصار اور موقع محل سے بھی بہت گہرا ہے۔ اس لئے ایک اچھے لطیفہ گو کے لئے نفسیات پر خاطر خواہ دسترس بھی ضروری ہے۔ شیکسپیئر نے اپنے ڈرامہ "رومیو اور جولیٹ" میں لکھا ہے کہ "لطیفہ کی کامیابی سامع کے حسن سماعت پر منحصر ہے۔ سنانے والے کے انداز پر نہیں۔ اس قول کے دوسرے حصے سے اتفاق کرنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا پہلے حصہ سے اتفاق نہ کرنا۔ اگر موقع محل کی مناسبت سے سامعین کے ذہنی قوتِ رسید کو مدِ نظر رکھ کر کوئی موزوں لطیفہ سنایا جائے تو اس کی کامیابی یقینی ہے۔

سامعین میں ایسے حضرات بھی ہوتے ہیں جنہیں ہنسانے کے لئے زیادہ کاوش درکار ہوتی ہے اور ایسے بھی ذرا سا گدگدانے پر بھی ہنسنے لگتے ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی سنجیدگی کے خول میں اس بری طرح سے قید ہوتے ہیں کہ انہیں وہاں سے نکالنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی لطیفہ کا مختلف سننے والوں پر مختلف اثر ہوتا ہے۔ کوئی اسے سن کر ہنستا ہے، کوئی چپ رہتا ہے، کوئی منہ بسورتا ہے اور کسی کا ردِ عمل بیزاری یا بے توجہی کا ہوتا ہے۔ اس سے لطیفہ گو کو مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ اسے یہ کوشش کرنی چاہئے کہ لطیفہ سے زیادہ دلوں میں گدگدی پیدا کر سکے سبھی کو خوش کرنے والا شخص آج تک پیدا نہیں ہوا اگر آج تک پیدا نہیں ہوا —— تو اب کیا ہوگا۔

(آکاشوانی جالندھر سے نشر)

شمس تبریزی

دیکھنا غور سے لکھدے نہ کہیں سناٹے
حاکم وقت نئی نسل کی تقدیروں میں

کام پڑ جائے اور مجھ سے کوئی کم کو شمس
ڈھونڈ لینا یونہی مل جاؤں گا تحریروں میں

(اردو سروس سے)

گھر کا ماحول

"گھر" کتنا خوبصورت لفظ ہے! ہر ان
ایک اچھے، پرسکون اور خوش حال
کی تمنا کرتا ہے۔ ارسطو کے مطابق "انسان ایک سماجی
ہے"۔ سماج کا سب سے پہلا روپ خاندان ہے
خاندان کے لئے گھر چاہئے۔ ہر گھر کے اپنے طور طر
اور چال چلن ہوتے ہیں۔ بڑوں کی عزت اور چھوٹو
پیار کرنا خاندان میں ہی سیکھا جاتا ہے۔ اصولوں کی
بھی خاندان سے سیکھی جاتی ہے۔

گھر کے ماحول سے ہر شخص متاثر ہوتا ہے۔
ہوش سنبھلنے پر جس ماحول میں بڑا ہوتا ہے وہی
ہے۔ گھر کا ماحول بنانے کی ذمہ داری والدین اور د
بزرگ رشتہ داروں پر ہوتی ہے۔ جب مشتر
کنبوں کا رواج تھا تو ماحول بنانے کی ذمہ داری بڑ
بوڑھوں یا خاندان کے مکھیا کی ہوتی تھی۔ آج کل نیو
خاندان ہوتے ہیں تو یہ اہم کام بچوں کے والدین ا
دیتے ہیں۔

ماہر نفسیات انسان کے ایک جملے یا ایک حر
سے اس کا ماحول بتا دیتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی ناشا
زبان کا استعمال کرے یا بات بات میں قسم کھائے
اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس شخص کے گھر میں ایک دو
پر اعتبار کرنے کا ماحول نہیں ہے یا اس کے وال
نے اس کی زبان درست کرنے کی طرف توجہ نہیں د

بہت سے والدین بچوں کو اسکول میں داخ
کر کے اپنی ذمہ داری سے مبرا ہو جاتے ہیں۔ ا
اگر بچے غلط عادتیں سیکھیں یا نالائق ہوں تو اسکول
برا بھلا کہتے ہیں۔ خود کی ان کی زندگی اتنی مصروف
ہوتی ہے کہ پارٹیوں وغیرہ میں جانے یا زیادہ تر گھر
باہر رہنے کی وجہ سے وہ بچوں کی پڑھائی لکھائی ا
تربیت پر دھیان نہیں دیتے۔

بہت سے بچے محلے پڑوس میں لڑائی جھگڑا
گلوچ کرتے پھرتے ہیں اور ماں باپ ناجائز طور
ان کی ہر حرکت کو درست بتلاتے ہیں جس کی وجہ سے آ
چل کر یہ بچے ملک و قوم کے لئے مسئلہ بن سکتے ہیں۔
بچوں کی اچھی تربیت کے لئے گھر کے ماحول

رزوں ہونا ضروری ہے۔ گھر کو صاف ستھرا
ے رکھنا ماحول کو اچھا بناتا ہے۔ اس کے
ب دونوں کو کوشش کرنی چاہئے۔ تب ہی
ائی کی قدر جانیں گے۔ بچوں کو وقت کی
تدر بھی سکھائیے۔ وقت رہنے پر کام کیجئے
یکھے گا۔ "تندرستی ہزار نعمت ہے" کے اصول
صفائی اور صحت کی اہمیت بچوں کو سکھائیے۔
ہر بچے کی اپنی انفرادی شخصیت ہوتی ہے اور
صلاحیت ہوتی ہے۔ ہر بچے کی صلاحیت کو
نے کا موقع دیجئے۔ کبھی ایک بچے کو دوسرے
مقابلے میں کم تر مت بتائیے۔ بلکہ بچے کی کمی کو
ری اور سمجھداری سے دور کرنے کی کوشش

گھر میں تناؤ اور لڑائی کے ماحول کو دو سال کا
سوس کرلیتا ہے۔ اس کے دل و دماغ پر اس کا
ہوتا ہے۔ اگر والدین کے کچھ اختلافات ہیں تو
ی بھی بچوں کے سامنے ظاہر مت کیجئے۔ بچے

ر بچے

عالیہ حسن

ہے ہوں یا اسکول گئے ہوں یا گھومنے گئے ہوں
پنے اختلافات دور کرلیں۔ آپس کے غصے کو بچوں
اتاریں۔

بچوں سے کبھی جھوٹ نہیں بولنا چاہئے یا جھوٹے
دے نہیں کرنے چاہئیں۔ اچھی طرح اور پیار سے
ی کو بات سمجھائی جائے تو ان کی سمجھ میں آجاتی ہے۔
ی قسم کا لالچ دے کر بچوں سے کوئی کام نہیں کروانا
ہئے ورنہ ان کی رشوت کے بغیر کام نہ کرنے کی
ت پڑجاتی ہے۔

گھر میں ڈسپلن سیکھ کر باہر بھی بچے کو ڈسپلن
عادت پڑتی ہے۔ ڈسپلن ڈنڈے کے زور سے نہیں
دنا چاہئے بلکہ آپ خود اصولوں پر چلیں تو بچہ بھی وہی
یکھے گا۔

جہاں تک ہو سکے بچوں کو "یہ مت کرو
وہ مت کرو" کے بجائے "یہ کرو اور وہ کرو" بتانا
ہئے۔ ہر بات کے لئے بچے کو ٹوکنے یا منع کرنے کا
تیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ ضدی ہوجاتا ہے۔

والدین کی حیثیت کے مطابق بچے کو کھانا پینا ملنا چاہئے اور کپڑوں پر بھی یہی اصول لاگو ہونا چاہئے۔ دوسروں کے مقابلے میں یا دکھاوے کے لئے اپنی چادر سے زیادہ پیر پھیلانا عقلمندی نہیں ہے۔

جس خاندان میں لڑکے یا لڑکی میں فرق کیا جاتا ہے یا لڑکی کو سیکنڈ کلاس شہری سمجھا جاتا ہے وہاں ساری عمر کے لئے والدین لڑکی کو دبّو بنا دیتے ہیں یہ قدرت کا کھیل ہے کہ ہر بچہ لڑکا یا ہر بچہ لڑکی نہیں ہوتے دونوں کو برابر سمجھیں۔ دونوں کی تعلیم و تربیت کو برابر اہمیت دیں۔ لڑکی ہونے میں لڑکی کا قصور نہیں ہے۔ آپ کا بھی نہیں ہے اس لئے شوہر کو اپنے برابر کا درجہ بیوی کو دینا چاہئے۔ اگر گھر میں ہی شوہر اپنے آپ کو برتر اور بیوی کو کم تر سمجھے گا تو گھر کے لڑکے شیر ہوجائیں گے۔

بچوں سے کھل کر بات چیت کیجئے۔ ان کو ان کے خیالات کا اظہار کرنے دیجئے۔ بچے جو محسوس کرتے ہیں اور گھٹن بھرے ماحول میں کہہ نہیں سکتے تو ان کی شخصیت پر اس کا غلط اثر پڑتا ہے۔ ان کی پڑھائی لکھائی اور شوق میں دلچسپی لیجئے۔ اسکول کالج میں ان کی مصروفیت کے بارے میں پوچھئے۔ ان باتوں کے لئے وقت نکالئے۔ ہمیشہ مصروف رہنے کا بہانہ مت بنائیے۔

بچوں پر بھروسہ کیجئے اور ان کو والدین پر بھروسہ کرنا سکھائیے۔ گھر کی اور باہر کی چھوٹی چھوٹی ذمہ داریاں بچوں کو دیں۔ گھر کے کام میں نہ صرف لڑکیوں بلکہ لڑکوں کو بھی لگائیے۔ یعنی میز لگانا، میز کی صفائی کرنا، گھر سجانا، اگر باغبانی کرتے ہوں تو باغبانی کروانا وغیرہ۔ کوئی کام گھر کے لئے چھوٹا نہیں ہوتا۔ اور سب کر سکتے ہیں۔

خالی وقت میں بچوں کے ساتھ کھیلنا چاہئے۔ ان کے ساتھ ہلکے پھلکے مذاق کیجئے۔ بڑھتی عمر کے ساتھ ساتھ بچوں کی معلومات ہر طرح سے بڑھائیں کسی بھی بات کو مسئلہ نہ بنائیں۔

عقلمندی سے ہر سوال کا جواب دیں ورنہ وہ باہر سے غلط باتیں سیکھیں گے یہ ذمہ داری ماں باپ دونوں کی ہے کہ بچوں کو احساس کرائیں کہ آپ ان کے دوست اور محافظ ہیں اور وہ آپ سے ہر طرح کی بات کر سکتے ہیں۔

بچوں کی جائز مانگوں کو پورا کرنا چاہئے۔ ساتھ ہی انہیں کفایت شعاری سکھائیے۔ اس کے لئے پہلے نمونہ آپ کو پیش کرنا ہوگا۔

مغربی ملکوں میں ایک بات کو بچوں کی نشو و نما کے لئے اور ماں باپ کے قرب کے لئے اہم مانا جاتا ہے اور وہ ہے "لمس" کا عمل۔ بچے کے اوپر دست شفقت رکھنا یا گال یا کندھا تھپتھپانا یا ہاتھ پکڑ کر بات کرنا وغیرہ سے یا چھوٹے بچے کو کندھے یا پیٹھ پر بٹھا کر سیر کرانے سے بچے کو ماں باپ سے قریب ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ ہم مشرقی لوگ بھی اس میں یقین رکھتے ہیں لیکن مغربی ممالک کے مقابلے میں کم۔

بچوں میں خودداری اور خود اعتمادی بھی جب ہی آئے گی جب آپ ان کو ان کے مواقع دیں گے۔

بچوں کو سوسائٹی میں نکلنا اور اٹھنا بیٹھنا سکھانا چاہئے۔ ہر جگہ نہیں تو کچھ جگہ ضرور انہیں اپنے ساتھ لے جائیں۔ دوستوں اور رشتہ داروں سے بچوں کو ملوائیں۔ گھر میں مہمان آنے پر بچوں کو الگ نہ کریں بلکہ بات چیت کرنے کا موقع دیں۔ بچوں کے دوستوں کو گھر بلائیں اور ان سے ملیں۔ ہو سکے تو ان کے والدین میں سے کچھ کے والدین سے بھی ملاقات کریں بہت سی باتیں بچے دوستوں سے مل کر بھی سیکھتے ہیں۔ اس لئے ماں باپ کا فرض ہے کہ انہیں معلوم ہو کہ بچے کس طرح کے دوست رکھتے ہیں۔ بچوں کو دوستوں کی سالگرہ کی دعوت وغیرہ میں جانے دیں اور انہیں بھی اپنے دوستوں کو بلانے دیں۔ بڑے بچوں کو گروپ میں سینما یا تھیٹر وغیرہ جانے دیں ورنہ وہ جھوٹ بول کر جائیں گے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ آپ کا بچہ کہاں گیا ہے؟ کس کے ساتھ گیا ہے اور کس وقت تک گھر آئے گا۔

کامکس، رسالے، افسانے، اخبار اور عمر کے مطابق کتابیں بچوں کو پڑھنے دیں بلکہ لاکر دیں۔ اگر بیڈمنٹن یا کرکٹ وغیرہ بچے کھیلتے ہوں تو اس کی بھی اجازت دیں لیکن اسکول کی پڑھائی کا حرج کر کے نہیں۔ تھوڑے سمجھدار ہونے پر بچوں کو مناسب جیب خرچ دیں اور کفایت شعاری کے ساتھ ساتھ دوسروں کی مدد کرنا بھی سکھائیں انہیں خود غرض بننے سے بھی روکیں۔

"عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی" کے معنی بچوں کو سمجھا کر عمل کی اہمیت بچوں کو بتلائیں۔ تاکہ ان کی زندگی جہنم نہ بنے اور وہ تقدیر کے بھروسے بیٹھے نہ رہیں اور اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکیں۔

نوکروں یا ماماؤں پر بچوں کی پوری ذمہ داری نہیں چھوڑنی چاہئے اس میں بھی نگرانی کی ضرورت ہے کیونکہ بچے ان کی عادتیں اور زبان سیکھ سکتے ہیں۔

بچوں کی تربیت اور دیکھ بھال میں بہت صبر، ضبط، ہمت اور سمجھداری سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس کے واسطے ماحول کا ہر قسم کے تناؤ سے آزاد ہونا ضروری ہے اور منصوبہ بند کنبہ بھی ضروری ہے۔

اگر ان باتوں کا دھیان رکھا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ بچے شائستہ، خوددار، خود اعتماد، ڈسپلن پسند، ہمدرد، وقت کی قدر کرنے والے، آپ کے دوست اور اعلیٰ شہری نہ بن سکیں۔ آگے چل کر انہیں بھی تو ذمہ داریاں سنبھالنی ہیں۔

(اردو سروس سے)

وون مت ۔ ایک لوک کردار

موتی لال ساقی

ہمارے ادب کا سرمایہ اس قدر زرخیز اور ہمہ جہت ہے کہ غور و فکر سے کام لے کر ہماری سوچ اور تاریخ کی کتنی ہی گرہوں کو کھولا جا سکتا ہے۔ لوک ادب اور لوک جیون کا تجزیہ اگر گہرائی سے کیا جائے تو ہماری روایت اور اساطیر کے پیچھے ایک باقاعدہ تاریخی عمل نظر آ سکتا ہے۔ اسی حقیقت کے پیش نظر شاید سر والٹر لارنس نے لکھا ہے، "اگر کشمیر کی تاریخ نہ بھی لکھی گئی ہوتی تو کوئی مضائقہ نہ تھا کیونکہ لوک حافظے کے سہارے کشمیر کی گذشتہ تاریخ لکھا جانا کوئی مشکل کام نہیں۔" یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کشمیری ادب کے لوک پہلوؤں پر سائنسی، تحقیقی، اور تاریخی بصیرت کے ساتھ کام کیا جانا باقی ہے۔ جو کچھ کیا جا چکا ہے وہ سب کچھ ابتدائی نوعیت کا ہے۔ لوک ادب میں موجود مختلف واقعات، لسانیات، سماجیات وغیرہ علوم کی حدود کا تعین کرنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ ہماری مخلوط تہذیب کی جڑیں لوک ادب کے سینے میں ہی پیوست ہیں۔

کشمیری میں ایسی کہاوتوں، محاوروں، ضرب الامثال، اور قصے کہانیوں کی کوئی کمی نہیں جو تواریخی عمل کی پیداوار ہیں اور جن کا ہماری تاریخ کے ساتھ گہرا رشتہ ہے۔ ایک ضرب المثل "ینہٕ مہرینہٕ ییتہٕ پیٹھ کاسہٕ"، جو دولہن کے نصیب میں نہیں وہ سر منڈا کر کیوں کر مل سکتی ہے۔ یہ مثل جہاں ایک بہت بڑی سماجی ناانصافی کا احاطہ کرتی ہے۔ وہاں یہ مثل زبانِ حال سے کہہ رہی ہے کہ کسی زمانے میں ہمارے یہاں بیوہ کے بال کاٹے جاتے تھے یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا ذکر تاریخ میں کبھی نہیں ملتا۔ خود کلہن نے بھی اس رسم کی طرف کسی جگہ اشارہ نہیں کیا ہے۔ مگر لوگ ادب نے قدیم زمانے میں مروج اس رسم کو ضرب المثل کا روپ دے کر اپنے سینے میں محفوظ رکھا اور ہم تک پہنچایا۔ اس رسم کو اگر لوک ادب کے سائے میں جگہ نہ ملی ہوتی تو شاید ہم لوگ بھی اس مروج رسم کے بارے میں ناآشنا رہتے۔ اسی قسم کی ایک اور مثل ہے "یو ہے چھکھ ہرشہ دیو ہیوہ" "تم تو من وعن ہرش دیو لگتے ہو۔" یہ مختصر مثل راجہ ہرش کے طرز عمل کا بیان ہے۔ ہرش گیارہویں صدی میں کشمیر کا حکمراں تھا وہ پرلے درجے کا عیاش اور اوباش تھا۔ عیش و عشرت میں مست، ہرش کو گانے بجانے اور رقص و سرود کی محفلوں سے کبھی فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔ جو وہ لوگوں کی اور دھیان دیتا۔ عیاشی اور اوباشی کے نتیجے میں خزانہ تک خالی ہو گیا۔ چنانچہ اس راجہ نے سکے ڈھالنے کے لئے مقدس مورتیوں کو توڑنے سے بھی عار نہیں کیا۔ وہ حقیقت جسے بیان کرنے کے لئے کلہن نے صفحوں کے صفحے سیاہ کر دئے ہیں۔ اس حقیقت کو لوک ادب نے اختصار کے ساتھ ایک مثل کی صورت میں محفوظ کر دیا۔ اس راجہ کے دور کے بارے میں ایک اور کہاوت ہے: "روشہٕ نہٕ پسہٕ تہٕ چھے" تمہارے پاس پہننے کو کیا لنگوٹی بھی نہیں ہے۔ میری نظر میں یہی لوک ادب کا اعجاز ہے یہ کہاوت بھی راج ترنگنی کے مطابق حسب حال ہے۔ یہ کہاوتیں اور ضرب الامثال دراصل تلمیحات کے دائرے میں آتی ہیں۔ مگر تاریخی پس منظر معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ان کو کہاوتوں اور ضرب الامثال کے خزانے میں شامل کیا گیا ہے۔ ہمارے لوک ادب کے کئی کردار باقاعدہ تاریخی شخصیتیں ہیں جو لوک روایت کا حصہ بن کر اساطیر کے گھنے جنگل میں اپنے خدوخال گنوا بیٹھی

ہیں۔ مگر ان سے جو کچھ وابستہ یا منسوب ہے وہ کسی
صورت میں موجود ہے۔ اس سلسلے میں اندر کا کردار
توجہ طلب ہے اندر رگ وید کا ایک طاقتور دیوتا
اسے ویدک دیوتاؤں پر ہر لحاظ سے برتری حاصل
رزمیہ دور میں اس کا روپ کچھ دھندلا سا گیا۔ مگر پر
کے دور میں وشنو اور شیو کو اندر پر سبقت حاصل ہو
ویدوں میں اندر خوشحالی، سکھ اور سکون
دیوتا ہے مگر ژند اوستا میں یہی اندر بدی کی علامت
جدید تحقیق نے اس حقیقت کی نشاندہی کی ہے کہ اند
ایک قبیلے کا بہت پہلے سردار رہا ہے۔ وید دور کا اند
ہمارے لوک ادب میں ایک باثر کردار کی صورت
موجود ہے۔ مگر ویدوں کا اندر کشمیر کے لوک ادب
اندر سے بالکل مختلف ہے۔ ہمارے یہاں اندر راگ
رنگ کا دلدادہ راجہ ہے جس کے دربار میں رات د
راس و رنگ کی محفلیں جمی رہتی ہیں۔ وہ سنگیت کار
اور رقاصوں کا سرپرست ہے۔ ہماری صوفی شا
میں اندر کا ایک اور روپ ابھرتا ہے۔ یہاں اند
داخلی مسرت اور سرمستی کی علامت ہے۔

"وون مت"، ہمارے لوک ادب کا ایک
ایسا کردار ہے جو تاریخ کے اوراق سے ہمارے لوک
ادب میں آگیا ہے "وون مت"، جو بنیادی طور پر نا
ہے۔ اب دیوانہ پن، مسخرا پن اور سفاکی کی علامت
موقع اور محل کے اعتبار سے اس لفظ کا استعمال الگ
الگ معنی رکھتا ہے۔ یہ لفظ اب ہمہ جہت بن گیا ہے
نام زبان پر آتے ہی ایک شخص ہمارے سامنے کھڑا ہو
ہے جو سراپا شیطان اور سفاک ہے۔ اس لفظ کا استع
بدی، برائی اور شیطانی صفات کو ظاہر کرنے کے لئے
ہے۔ اکثر اوقات کسی شخص کے پاگل پن، بے مروتی اس
اور سخت دلی کو ظاہر کرنے کے لئے اسے "وون مت
کہا جاتا ہے۔ بڑی بوڑھیاں ہر اس شخص کو "وون مت
کا نام دیتی ہیں جو ان کی نظر میں انسانی صفات اور ا
سے عاری ہوتا ہے۔ شریر اور بات بات پر بھیڑ جا
والے بچوں کو بھی کبھی کبھی وون مت کہا جاتا ہے۔ نئی
کے لوگ اس علامتی نام سے زیادہ مانوس نہیں مگر پر
نسل کے لوگ اس کردار کے خدوخال سے بخوبی واقف
ہیں۔

لوک ادب کا یہ شیطان صفت کردار کوئی او
نہیں کشمیر کا راجہ ہو گذرا ہے۔ جو تاریخ ان مت ونتی
نام سے مشہور ہے۔ وون مت اسی سنسکرت کا
کشمیری روپ ہے۔ لوک روایت کے مطابق جو کچھ
نام کے ساتھ منسوب ہے اس میں ذرہ بھر مبالغہ آرائی
نہیں آتی۔ حق تو یہ ہے تاریخی ان ونتی کا روپ لوک
حافظے میں محفوظ "وون مت" سے ہیبت ناک او
خوفناک نظر آتا ہے۔ کلہن نے اس شخص کو عوام
گناہوں کی انتہا سے تعبیر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ ان

سے بدتر تھا۔

اُن مت چکر درمن کے ۹۳۸ء میں کشمیر کے
پر بیٹھا۔ وہ کل ملاکر دو سال اور سات دن
راں رہا۔ اپنے مختصر دورِ حکومت میں دنیا کا ہر
ترین اور سفاک اس کا دوست تھا۔ اس نے
ھیل کے لوگوں کو وزیروں اور درباریوں کو
القدر عہدوں پر فائز کیا تھا۔ پر نامی ایک شخص جو
قت پر قابض ہونے کے لئے راجہ کا دوست
تھا، ننگا ہو کر راجہ کو خوش کرنے کے لئے دربار میں رقص
تھا۔ راجہ کا مذاق اس قدر پست تھا کہ وہ اس ادچھے
سے مزے لیتا تھا۔ والدین کو اُن مت نے ہر چیز
ہر آسائش سے محروم کر دیا تھا۔ انہوں نے بھکاری
رجے اندروہار میں پناہ لی تھی۔ جہاں وہ بودھ شرمنوں
بھکشا پر گذارا کر لیتے تھے۔ اپنے چھوٹے بھائی شنکر
س اور دوسرے لوگوں کو اس نے نظر بند کر رکھا تھا
کے کھانے پینے کے ذرائع مسدود کر کے راجہ نے ان کو
یاں رگڑ رگڑ کر مر جانے مجبور کر دیا۔ راجہ نے والدین
قتل کرنے کی ٹھان لی۔ رضامندی حاصل کرنے کیلئے
ں نے وزیروں کی دستار بندی بھی کی اور ان سے
نظوری حاصل کی۔ مگر راجہ کے اس اقدام کی منظوری کے
جے میں انہوں نے کئی بے گناہ اور معصوم لوگوں کو پابہ
زنجیر کر دیا۔ راجہ کے احکامات پر ایک رات کو وزیروں،
یروں، تانتریوں اور سرکاری اہلکاروں نے پارتھ اور
ن کی بیوی کا گھیراؤ کیا اور بے رحم چنڈالوں کی طرح ان کو
تل کر دیا۔ والدین کی موت کی خبر سن کر یہ بدقماش راجہ
ہت خوش ہوا اور وزیروں کو لے کر مقتولوں کو دیکھنے
کے لئے گیا۔ اور وہاں وزیروں کے ساتھ ہنسی خوشی
ی مشغول ہو گیا۔

اُن مت نے اس وقت بے شرمی کی حد کر دی
جب ایک وزیر کے بیٹے نے اس کی حاضری میں پارتھ کی
لاش پر چاقو مارا، یہ منظر دیکھ کر اُن مت زور زور سے
ہنسنے لگا۔

" وون مت " لوگوں کو اذیت دے کر خوشی
محسوس کرتا تھا۔ عورتوں کے سینوں میں خنجر ڈبو کر

اور بے گناہ لوگوں کا پیٹ کٹوا کر وہ خوشی سے جھوم جاتا
تھا۔ لوگوں کے بازو کاٹ کر ان کو تڑپتے دیکھنے میں اسے
مسرت ہوتی تھی۔ وون مت نے لوگوں پر ظلم اور ستم کے
جو پہاڑ توڑ دئے ان کا ذکر کرنے سے ہی انسان کانپ
جاتا ہے۔ اس کی حکومت کے دو سال کشمیر کے لوگوں کے
لئے دو صدیاں ثابت ہوتی ہوں گی۔ آخر کار یہ ظالم راجہ
تپ دق کا شکار ہو گیا اور سخت تکلیف میں مبتلا ہو گیا۔ اس
راجہ کے برتاؤ سے اس کی رانیاں تک مطمئن نہیں تھیں
چنانچہ جس وقت وہ درد کی شدت سے کراہتا تھا رانیوں
کے دل کو سکون ہوتا تھا اور وہ خوشی سے پاگل ہو جاتی

تھیں۔ کلہن کے حوالے کے مطابق اُن مت ونتی دسویں
صدی کی چوتھی دہائی میں جہنم کی آگ کا ایندھن بن گیا۔ کشمیر
کی تاریخ میں وون مت ہر کل کے بعد سب سے سفاک
اور ظالم بادشاہ گذرا ہے۔

عوام نے وون مت کی جو صورت اپنے ذہن

عالمی ملکوں سے بھارت کے روابط

اشرف علی

ہندوستان ہمیشہ سے ہی امن اور دوستی کا علمبردار رہا ہے کوئی بھی ملک خصوصاً ہمارے جیسا ترقی پذیر ملک امن کے ماحول کے بغیر ترقی نہیں کر سکتا۔ ہم ہمیشہ اپنے پڑوسی اور دوسرے عالمی ممالک سے دوستانہ تعلقات کے خواہاں رہے ہیں اور ہر جگہ امن کے فروغ کے لیے مستقل کوشش کرتے رہے ہیں۔ آزادیٔ ہند کے بعد عالمی ممالک سے بہتر تعلقات بنانے میں بھارت کا ایک اہم رول رہا ہے۔ ہمارے سیاسی رہنماؤں نے اس زمرے میں کافی غور و خوض کے بعد اپنی بیرونی پالیسی میں نمایاں تبدیلیاں پیش کیں۔ آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی پنچ شیل پالیسی کے تحت عالمی ممالک سے ہر قسم کے تعلقات میں مزید توسیع کی۔ انھوں نے روس سے کئے گئے معاہدہ کے تحت معاشی و ثقافتی تعلقات میں نمایاں کامیابی حاصل کی جس کے نتیجہ میں ۵۶-۱۹۵۵ میں وہ خود روس گئے جہاں ان کا نہایت ہی پر خلوص خیر مقدم کیا گیا۔ بعد میں شری بلگانین اور شری خروشچیف معاہدے میں بندھ گئے آج ہند سوویت دوستی اس بات کی شاہد علامت ہے کہ ہندوستان اور سوویت یونین مختلف سماجی و سیاسی نظام میں امن و استحکام کے لیے کام کر رہے ہیں۔ اسی طرح چین پاکستان اور امریکہ سے بھی مختلف قسم کے تعلقات قائم کئے گئے۔ ۱۹۶۲ میں چین کی جنگ اور ۱۹۶۵ اور ۱۹۷۱ میں پاکستان کے ناخوشگوار واقعات نے البتہ ہماری امیدوں پر پانی پھیرنے کی کوشش کی مگر بعد میں ہماری وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کی ترقی پسند پالیسیوں کے تحت امید افزا حالات پیدا ہو گئے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس وقت ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تعلقات کو معمول کے مطابق لانے تعلقات کو خوشگوار بنانے اور باہمی اشتراک و تعاون کے لیے راہیں تلاش کرنے کا عمل جاری ہے

جہاں تک دونوں ملکوں کے درمیان موجودہ فضا کا تعلق ہے یہ بہت زیادہ خوشگوار نہ ہو الگ بات ہے لیکن تلخی بھی نہیں ہے اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ دونوں ملک اور ان کے رہنما چاہتے ہیں کہ باہمی اشتراک و تعاون کا دائرہ بڑھے اور دونوں ایک دوسرے کے اس طرح قریب آئیں کہ اقتصادی طور پر ایک دوسرے کو فائدہ بھی پہنچا سکیں۔ ہماری وزیر اعظم کا ہمیشہ یہی موقف رہا ہے کہ ہم بڑی مستقل مزاجی کے ساتھ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ بہترین فتح ہے کہ جنگ نہ ہو اور حقیقت میں یہ شریمتی گاندھی کی ہی انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج بھارت کے تعلقات دنیا کے ممالک سے خوشگوار ہوتے جا رہے ہیں۔

حال ہی میں ہند کے مذاکرات بنگلہ دیش کے مارشل لا ایڈمنسٹریٹر سے ہوئے جس سے ہمارے دوستانہ مراسم کو کافی تقویت حاصل ہوئی ہے چین کے ساتھ سرحدی بات چیت میں کافی حد تک کامیابی حاصل ہوئی ہے اور امید کی جاتی ہے کہ آئندہ یہ تعلقات مضبوط تر ہوتے جائینگے۔ جہاں تک بھوٹان۔ نیپال اور شری لنکا کا تعلق ہے ان سے ہمارے تعلقات ہمیشہ سے عمدہ بنے رہے ہیں اور یہ ممالک بھارت کی ہر پالیسی کے پاسبان ہیں۔ علاوہ اس کے اب بھی کچھ ایسے مسائل درپیش ہیں جن کی وجہ سے بھارت فکر مند ہے مثلاً بحر ہند میں بڑی طاقتوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیاں۔ عراق و ایران کی خونریز جنگ اسرائیل کے مظالم اور غلط کارکردگی فلسطینیوں کی پریشانیاں افغانستان کا مسئلہ۔ جنوبی افریقہ کی قومی مخالف پالیسی وغیرہ۔ مگر ان کے حل کی تلاش کے لیے بھی بھارت کوشاں ہے۔ فرانس ویسٹ جرمنی اور انگلینڈ سے بھارت کے تعلقات پہلے سے ہی بہتر ہیں اور انھیں برابر ترقی ہوتی جا رہی ہے

(رامپور ریڈیو سے نشر)

اور کہاوتوں کی صورت میں محفوظ رکھی ہے۔ اس سے
یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ عوام کی عدالت میں ہر کسی کے ساتھ
بھرپور انصاف ہوتا ہے۔ عام لوگ اپنے محسنوں کو دیوتا
اور دشمنوں کو راکشش کے روپ میں پیش کرتے ہیں

(سری نگر سے)

افسانہ

پیاس

سراج انور

کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ ان کا اصل نام کیا تھا ویسے سب انہیں منشی جی کہتے تھے۔ اور یہی جانتے تھے کہ وہ کسی ریت کے ٹھیکیدار کے منشی ہیں اور بانس والے پھاٹک میں رہتے ہیں۔ دیکھنے میں اتنے دُبلے پتلے کہ گلے میں کنّے باندھ کر مثل پتنگ اڑا لیجئے۔ اس پر طرّہ یہ کہ قد بانس کی طرح بے تحاشا لمبا، جیسے چلتا پھرتا قطب مینار ہو!۔ لباس بیحد سادہ تھا، یعنی ململ کا کرتا اور پتلی موری کا پائجامہ کرتے میں سے ان کے جسم کی ایک ایک ہڈی اور جوڑ الگ الگ دکھائی دیتا تھا۔ کئی بار تو ہڈیوں کے ماہر ڈاکٹر انہیں اپنے ساتھ اسپتال لے جاتے اور ان کے جسم کی پسلیوں و ہڈیوں پر انگلی رکھ کر جونیر ڈاکٹروں کو بتایا کرتے کہ کون سا جوڑ کہاں سے شروع ہوتا ہے، کون سی پسلی کس مقام پر پیوست ہوتی ہے اور کون سی ہڈی اگر ٹوٹ جائے تو اسے کہاں اور کیسے جوڑا جا سکتا ہے۔

پھر نہ جانے کس ستم ظریف نے انہیں منشی جی کے بجائے منشی اونٹ کہنا شروع کر دیا۔ شاید محلّے کے بچوں کی کارستانی تھی۔ وہی بار بار چلّا کر انہیں منشی جی کے بجائے منشی اونٹ پکارا کرتے تھے۔ ہوتے ہوتے یہ نام محلّے سے نکل کر سڑکوں پر اور سڑکوں سے پورے شہر میں پھیل گیا۔ جسے دیکھئے وہ ان کو منشی اونٹ کہہ کر چڑا رہا ہے۔ چڑا رہا ہے اور مزے لے رہا ہے۔ اور پھر جواب میں ایسی وزنی گالیوں کی بارش کہ جو بھی سنے کانوں پر ہاتھ دھرے۔

بچوں نے شاید سوچ سمجھ کر انہیں منشی اونٹ کا خطاب عطا کیا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان پر یہ نام جچتا بھی خوب تھا جتنا اونچا ان کا قد تھا اتنی ہی اونچی ان کی گردن تھی۔ گردن کے آخری حد پر ان کا ننھا منا سر جڑا ہوا تھا منہ پھیلا ہوا تھا جس کے ایک کلّے میں ہر وقت پان دبا رہتا۔ پان کو ادھر سے ادھر منتقل کرنے کے لئے انہیں منہ بھی چلانا پڑتا اور تب یوں لگتا کہ گویا جُگالی کر رہے ہوں۔ اونٹ ہی کی طرح وہ چلتے بھی تھے یعنی لمبے لمبے ڈگ بھر کر۔ اور اس طرح ان کا چھوٹا سا سر جسم سے پہلے ہر جگہ پہنچ جاتا تھا۔ طویل قامت ہونے کے باعث وہ اپنا وزن سہار ہی نہ سکتے تھے۔ چونکہ کمر جھک گئی تھی اس لئے پیٹھ پر ایک کوہان سا اٹھ آیا تھا۔ بیٹھنے کے بعد وہ اپنے ٹانگوں کو تہہ کر لیتے اور بیٹھنے کے بعد بھی کھڑے ہوئے لگتے۔

غرض ان میں سبھی خصوصیتیں اونٹ جیسی تھیں۔ اسی لئے منشی اونٹ والا نام ان پر بالکل فٹ بیٹھتا تھا۔ سید صاحب کا بچّہ طارق انہیں سب سے زیادہ چھیڑتا تھا اس چھیڑ چھاڑ سے وہ خود بھی لطف اندوز ہوتے۔ لیکن جب محلّے کے سبھی بچے طارق کا ساتھ دیتے، انہیں منشی اونٹ کہہ کر چڑاتے اور ان کی لمبی سی ٹانگوں کے پُل کے نیچے سے نکل جاتے تب ان کا پیمانۂ صبر لبریز ہو جاتا۔ اس وقت سبھی کی شامت آ جاتی۔ کیا مرد، کیا عورتیں اور کیا بچے۔ سبھی کو صلوٰت سننی پڑتی۔ مرد تو گالیاں سن کر ہنستے ہوئے گذر جاتے، بچے ماؤں کی گود میں پناہ ڈھونڈنے کی کوشش کرتے اور عورتیں منہ میں دوپٹہ ٹھونس کر حلق سے آزاد ہونے والے قہقہوں کو روکتیں۔

ایک دن محلّے کے سبھی لوگ موسم اچھا دیکھ کر سیر سپاٹے کے لئے دریائے جمنا کے ایک تفریحی مقام او کھلا گئے۔ وہاں جا کر سبھی مختلف ٹولیوں میں بٹ گئے۔ ایک ٹولی جب اس جگہ پہنچی جہاں ریت کے عظیم مینار تھے تو سبھی حیرت کے مارے خوشی سے ایک جگہ کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ ریت پر کسی کے پیروں کے نشان نظر آ رہے تھے ہر نشان دوسرے سے تقریباً دو میٹر کے فاصلے پر تھا۔ ابھی سب سوچ ہی رہے تھے کہ نہ جانے یہ کون سی مخلوق کے

نشان ہیں کہ ایک شاعر نے کسی کے شعر میں ترمیم کر

گیا ہے اونٹ کوئی اس طرف سے
پتہ دیتی ہے دوری نقش پا کی

شعر کیا نکلا گویا کسی معمے کا حل نکل آیا۔ فلک شگاف نعرہ لگایا ——— منشی اونٹ ...
منٹ بعد منشی اونٹ ایک پج مچ کے اونٹ پر بیٹھے ... سمت آتے دکھائی دئے۔ اس وقت وہ سچ مچ سمند... بلند تھے۔ بیشتر لوگ حیرت زدہ تھے کہ نہ جانے او... کس طرح بیٹھ گیا۔ غرض منشی اونٹ جیسا بہترین ... کرنے میں بچوں کے ساتھ ساتھ محلّے کے بزرگو... دخل تھا۔ لوگ انہیں گلی میں دیکھتے ہی کھی کھی ... لگتے۔ جب بھی وہ طارق کے مکان کے سامنے ... لیتے اور بل کھاتے ہوئے گذرتے، طارق ا... جو پیچ بنا کر انہیں دکھاتا، تب وہ سبھی کو سنات... لکڑی ہوا میں گھما کر چیختے ——— کم بختو! چھ... ایسے ماروں گا کہ زمین کے برابر کر دوں گا۔ جیسے ... آ جائے گلی میں۔ مار مار کر بھرتہ بنا دوں گا۔

زیادتی تو ہر شے کی بری ہوتی ہے۔ جب... زیادہ چھیڑا تو ایک دن آپے سے باہر ہو گئے لکڑی گھمائی کہ کسی کا بھی خیال نہ کیا۔ لوگوں نے لکڑی ... جس پر بھی بس چلا اسی کی ہاتھوں سے تواضع کر... اچھلتے ہوئے کئی ہاتھ طارق کے بھی لگ گئے اور و... مکان کے اندر چھپ گیا۔ سب کو حیرت تھی کہ نہ جا... کیا ہو گیا ہے۔ کیوں اتنے کٹکھنے ہو گئے ہیں۔ کہ... منہ مار رہے ہیں۔ اگلے ہی دن گویا انقلاب آ گیا... دیکھتے ہی مجمع کائی کی طرح چھٹ گیا۔ بچے انہیں... نظروں سے دیکھتے ہوئے ادھر اُدھر منتشر ہو... ان کے قریب نہ آیا۔ انہوں نے ایک دوسرے ... بات بھی کرنی چاہی مگر سب بچے بری طرح روٹھے ہو... کسی نے بھی انہیں نہ چھیڑا۔ طارق کو بخار آ رہا تھا... وہ منشی جی کو گلی میں کہیں دکھائی نہ دیا۔ انہوں ن... نظروں سے اسے ہر طرف ڈھونڈا، مگر وہ ہوتا تو... آتا۔ یہ بات محسوس کر کے منشی جی کا چہرہ یک لخت ا... مونہہ لٹک گیا اور آنکھوں میں اداسیاں رینگ... انہیں یوں لگا گویا ان کی کوئی عزیز شے کھو گئی ہ... خاموشی سے گردن لٹکائے گلی میں آتے اور چپ ... چلے جاتے۔ جب بچوں کی طرف سے کئے گئے بائیکا... ایک ہفتہ ہو گیا تو ان کی بے تابی اچانک بڑھ گئی۔ خو... ادھر سے ادھر ٹہلنے لگے، آخر جب ضبط نہ ہو سکا... کے گھر کی بیل بجائی۔ سید صاحب باہر آئے اور جب... منشی جی نے یہ بتایا کہ وہ طارق کو دیکھنے آئے ہیں تو... فوراً اندر لے گئے جب وہ کرسی پر بیٹھ گئے اور انہو... طارق کی مزاج پرسی کی تو اس نے فوراً ان کی طرف ... پھیر لیا یہ دیکھ کر منشی جی کی آنکھیں بھر آئیں، رقت ... میں طارق کے والد سے بولے۔

"ان گدھوں نے میری زندگی اجیرن کردی ہے
ب، کوئی نامعقول مجھے نہیں چھیڑتا، کوئی مجھے
کر نہیں دکھاتا! خدا کی قسم حد ہوگئی ہے۔ بڑے
ہیں اس محلّے کے"۔

سید صاحب نے جواب دیا۔" منشی جی آپ نے بچوں کو
ن دیا ہے۔ اچھا کیا جو مارا، بہت سر چڑھ گئے تھے"۔
منشی جی آنسوؤں میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہنے
ہیں نے بچوں کو نہیں خود کو مارا ہے۔ میں ان کے بغیر
ہ گیا ہوں سید صاحب —— میرے محلّے کی
ختم ہوگئی —— بچوں کا شور، ان کے قہقہے اور
ی سب جاتی رہی ہے۔ ان گدھوں نے مجھ سے بہت
تقام لیا ہے۔ بتائیے میں کہاں جاؤں، کیا کروں؟"
سید صاحب بھلا کیا جواب دیتے، خاموش ہوگئے
منشی جی کو آنکھوں کے گوشوں میں سے دیکھ رہا تھا۔
جی اس کا ننھا سا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولے۔
"کیوں بیٹا ایک ہی جھانپڑ میں تارے نظر آگئے
د گیا نا بخار —— اب کیوں نہیں کہتا منشی اونٹ
شی اونٹ"۔

سید صاحب نے ہنس کر کہا۔" نہیں منشی جی، اسے
ل گئی ہے اب یہ منشی اونٹ کہہ کر کبھی نہیں چھیڑے گا"
یہ سنتے ہی وہ بدک گئے، غصّے سے بولے" کیوں
ں کہے گا مجھے منشی اونٹ، اس کے تو باپ کو بھی کہنا پڑے گا
، دو بیٹا طارق، کہہ دو مجھے منشی اونٹ —— شاباش
ری کہہ دو"۔

طارق پہلے تو گھبراتا رہا، جب منشی جی نے ڈھارس
دھائی اور بار بار اصرار کیا تو اس نے توتلی زبان سے کہہ
یا —— منشی اونٹ۔ یہ سنتے ہی ایسا لگا گویا انہیں
دونوں جہان کی دولت مل گئی ہو —— جھک کر
ہوں نے طارق کی پیشانی چوم لی۔ بڑی بیتابی سے
س کے ہاتھوں اور گالوں کے بوسے لئے ——
طارق نے پھر کہا منشی اونٹ، اس بار ایک جھٹکے سے
کھڑے ہوگئے اور چہرے پر مصنوعی غصہ پیدا کر کے
بولے۔

"ابے بدتمیز! اپنے ابا کے سامنے ہی چھیڑتا ہے"

اور تم بھی سید صاحب کھڑے ہوتے دانت نکال
رہے ہو، خبردار اگر اس نے پھر چھیڑا —— چھیڑے گا
تو مارتے مارتے بھر کس نکال دوں گا —— ایسے
ماروں گا کہ زمین کے برابر کر دوں گا —— بتائے
دیتا ہوں —— ہاں۔

آگے پیچھے جھولتے، ڈگمگاتے اور انگوچھے سے
خوشی کے آنسو پونچھتے ہوئے جب وہ باہر جانے لگے
تو ان کی آنکھوں میں قلبی طمانیت صاف جھلک رہی تھی
یوں لگتا تھا جیسے ان کی برسوں کی آگ بجھ گئی ہو

(اردو مجلس دہلی سے نشر)

افسانہ

احساس

فخرالدین عارفی

میں جس شہر میں رہتا ہوں، وہ شہر میری جائے پیدائش بھی ہے۔ اسی شہر میں میرا بچپن گذرا ہے اور میں نے جوانی کی بہاریں دیکھی ہیں۔ ان گنت یادیں ہیں جو اس شہر سے وابستہ ہیں۔ یہاں کی مٹی کی خوشبو شاید مجھے اپنی جان سے بھی پیاری ہے۔ یہاں کے لوگ، یہاں کی گلیاں، بازار اور تہذیب و تمدّن سبھوں سے میں بہت پیار کرتا ہوں۔ یہاں مجھے جو سکون و اطمینان کا احساس ہوتا ہے وہ شاید کہیں اور نصیب نہیں ہو سکتا ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود جانے کیوں ادھر کچھ دنوں سے میں اپنے اندر ایک عجیب طرح کی تبدیلی کا احساس کر رہا ہوں۔ ایک گھٹن زدہ کیفیت سے ہر لمحہ دوچار رہنے لگا ہوں۔ دل کو کسی بھی پل اطمینان نہیں ہے۔ صبح سے شام تک میں سارے شہر کا چکر کاٹتا رہتا ہوں۔ ہوٹلوں میں، بازاروں میں، تفریح گاہوں میں اور جانے کہاں کہاں کی خاک اڑانے کے بعد بھی مجھے کہیں سکون میسّر نہیں آتا ہے۔

ان گنت لوگوں سے روزانہ ملاقاتیں ہوتی ہیں اُن میں بعض قریبی رشتہ دار اور احباب بھی ہوتے ہیں۔ لیکن کسی سے مل کر دل کی ویرانی دور نہیں ہوتی ہے۔ کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ کسی کو اپنا دُکھ سُکھ سناؤں، اس سے کچھ دل کی باتیں سنوں لیکن سارے شہر میں بسیار تلاش کے باوجود بھی مجھے ایک آدمی بھی ایسا نہیں ملتا ہے جس سے ...... ادھر میں اپنے دل میں ایک بھاری بوجھ محسوس کر رہا ہوں اور روزانہ اپنے احباب اور مخلصین کی ایک فہرست ترتیب دے کر گھر سے اس امید میں نکلتا ہوں اور دن بھر مارا مارا پھرتا ہوں کہ کوئی ایک آدمی تو ایسا ملے گا جس کی آنکھوں میں مجھے اپنائیت اور خلوص کی چمک نظر آئے گی اور تب میں اس کو اپنے سینے سے چمٹا کر دو گھڑی دل کی باتیں کہہ اور سن سکوں گا۔ لیکن روز یہی ہوتا ہے کہ صبح سے رات گئے تک کی تلاش و جستجو کے بعد بھی مجھے سارے شہر میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں ملتا ہے۔ اور تب میں تھک ہار کر یہ امید لئے گھر واپس ہو جاتا ہوں کہ شاید آج اپنی بیوی کی آنکھوں میں مجھے وہ چمک نظر آجائے جس کی کھوج میں نگر نگر میں بھٹک رہا ہوں۔

میرے قدم تیزی سے اپنے گھر کی طرف اٹھنے لگتے ہیں۔ راستے میں مجھے اپنی بیوی کا خوبصورت چہرہ یاد آتا ہے۔ دل میں ایک خیال پیدا ہوتا ہے کہ آج میں گھر بہت تاخیر سے لوٹ رہا ہوں یقیناً میری بیوی میری راہ دیکھ رہی ہوگی —— اور اسے بے چین ہونا ہی چاہئے، وہ میری بیوی جو ہے......

اور اس خیال سے مجھے تھوڑی دیر کے لئے ایک سکون کا احساس ہوتا ہے۔ یہ سوچ کر اتنی بڑی دنیا میں کوئی تو ایسا ہے جو میرے لئے بیقرار رہتا ہے۔ ورنہ آج کون کس کی فکر کرتا ہے ——؟

پھر مجھے اپنے بچوں کا خیال آتا ہے وہ لوگ بھی تو مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ کتنا چاہتے ہیں مجھے۔

جب گھر جاتا ہوں پاپا پاپا کہہ کر لپٹ جاتے ہیں

ایک محبت کرنے والی بیوی اور پیارے پیارے بچوں کے سوا مجھے اور کیا چاہئے؟ آج کی دنیا میں اگر کسی کو ایک آدمی بھی ایسا مل جائے جو بے لوث چاہتا ہو سچا پیار کرتا ہو تو وہ انسان دنیا کا خوش قسمت ترین انسان کہا جائے گا۔

میں اور تیز قدموں سے اپنے گھر کی طرف بھاگنا شروع کر دیتا ہوں۔ اور کسی طرح سے بھاگتا دوڑتا ہوا اپنے گھر تک پہونچتا ہوں۔ اس بھاگ دوڑ میں اپنے روزانہ کے معمول کے مطابق میں بچوں کے لئے مٹھائیاں خریدنا بھی بھول جاتا ہوں اور یاد اس وقت آتا ہے جب دروازے پر پہونچتا ہوں۔ اب سوچتا ہوں واپس ہو کر بچوں کی مٹھائیاں خرید لاؤں۔ لیکن چونکہ رات کافی ہو چکی ہے، لہٰذا یہ سوچ کر کہ اس وقت تو بچے سو چکے ہوں گے صبح میں کوئی انتظام کر دوں گا میں قدرے

مطمئن ہو جاتا ہوں اور غیر ارادی طور پر دروازے پر دستک دینے لگتا ہوں۔ آج جانے کیوں مجھے اس بات کا پورا یقین تھا کہ میری بیوی دوڑتی ہوئی آکر دروازہ کھولے گی اور پھر ایک ہی سانس میں مجھ سے انگنت سوال کر بیٹھے گی۔

"کہاں تھے اتنی رات گئے تک ؟ تمہیں اس بات کا احساس بھی ہے کہ گھر میں کوئی تمہاری راہ دیکھ رہا ہوگا" "دیکھو جی میں تمہاری بیوی ہوں، میرا بھی تو کچھ ادھیکار ہے تم پر......" "اچھا چھوڑو ان باتوں کو آؤ پہلے کھانا کھالو، آج میں نے تمہاری پسند کا کھانا بنایا ہے" "دیکھو تو تمہاری شرٹ کیسی میلی ہوگئی ہے۔ لاؤ میں اتار دیتی ہوں"

میں بہت دیر تک ایسے نہ جانے کیسے خیالات میں گم رہا لیکن کوئی دروازہ کھولنے نہیں آیا میری طبیعت بالکل جھلا اٹھی۔ اور میں زور زور سے دروازہ پیٹنے لگا۔

"چھی چھی، یہ بھی کوئی گھر ہے جہاں انسان کو رات کو بھی چین نصیب نہیں ہے۔ ابھی ابھی نیند آئی تھی۔

"ارے کون ہے بھائی ———— ؟"

"کون اتنے زور سے دروازہ پیٹ رہا ہے"

یہ شمیمہ بوا کی آواز تھی۔ میرے گھر کی بہت پرانی دائی۔ ہوش سنبھالنے کے بعد سے ہی میں شمیمہ بوا کو اپنے گھر میں دیکھ رہا ہوں۔

"میں ہوں بوا دروازہ کھولو"

اور شمیمہ بوا نے میری آواز پہچان کر فوراً ہی دروازہ کھول دیا تھا۔

"مسرت کہاں ہیں بوا" میری زبان سے اچانک نکل گیا تھا۔

"ارے بابو! دلہن تو شام ہی سے سوئی ہوئی ہیں، کھانا بنا کر کب کا رکھ دیا ہے کئی مرتبہ اٹھانے جا چکی ہوں"

کہتی ہیں ————

"بہت نیند آرہی ہے بوا، کھانے کی خواہش بھی نہیں ہے، سونے دو ————"

میرے ذہن کو ایک زبردست جھٹکا لگتا ہے سر میں چکر سا محسوس کرتا ہوں اور کسی طرح سے لڑکھڑاتا ہوا اپنے کمرے تک پہونچتا ہوں۔

اچانک مجھے شدید پیاس کا احساس ہوتا ہے اور میں سامنے ہی ٹیبل پر رکھے ہوئے گلاس اور جگ کی طرف لپک پڑتا ہوں، گلاس ہاتھ میں اٹھاتا ہوں، جگ سے پانی ڈھالتا ہوں، اور پینے کے لئے گلاس کو اپنے ہونٹوں کی طرف اٹھاتا ہوں۔ لیکن جانے کیسے ہونٹوں تک گلاس پہونچنے سے پہلے ہی چھناک کی ایک تیز آواز کے ساتھ گلاس میرے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین پر گر کر پاش پاش ہو جاتا ہے اور اس کی کرچیاں سارے کمرے میں پھیل جاتی ہیں۔

میں اپنے دل میں ایک درد سا محسوس کرتا ہوں اور مرکری کی روشنی میں چمکتے ہوئے شیشے کے انگنت ٹکڑوں کو گھورنے لگتا ہوں۔

"پاپا ! مٹھائی پاپا"

اچانک کمرے میں ایک آواز گونجتی ہے۔ اور میں چونک اٹھتا ہوں۔ یہ میری بیٹی شائستہ کی آواز تھی۔ جو گلاس ٹوٹنے کی آواز سے نیند جاگ اٹھی تھی۔ میں لپک کر اس کو اپنی گود میں لے لیتا ہوں۔ سامنے مسہری پر میری بیوی مسرت ابھی تک گہری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"پاپا دیجئے نا مٹھائی ————"

میں پھر اپنی بیٹی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہوں۔ وہ بار بار مجھ سے مٹھائی کا تقاضا کر رہی تھی۔

"آج مٹھائی لانا بھول گیا ہوں، بیٹی صبح میں لاؤں گا" میں بمشکل اتنا کہہ سکا تھا...... اور سنتے ہی وہ بلبلا اٹھی۔

"آپ میرے لئے مٹھائی نہیں لائے ہیں تو ٹھیک ہے میں آپ کی بیٹی نہیں رہوں گی"

اور وہ رونے لگتی ہے اور میری گود سے اتر کر مسہری پر سو رہتی ہے۔

تب اپنے اندر میں ایک عجیب سی بےچینی محسوس کرتا ہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں خود اپنے وجود کو کہیں گم کر چکا ہوں۔ میرا دل بہت گھبرانے لگتا ہے۔ آنکھوں سے بےاختیار آنسو چھلک پڑتے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ واقعی میں مر چکا ہوں۔

میرا دل مجھ سے سوال کرتا ہے اور چند لمحے کے لئے میں خود بھی کوئی فیصلہ نہیں کر پاتا ہوں کہ میں زندہ ہوں۔ میری موت واقع ہو چکی ہے۔؟ تب جیسے کوئی میری رہنمائی کرتا ہے اور میں اپنے ہی ہاتھوں کی انگلیوں سے اپنے سراپا کو بار بار ٹٹول کر اپنے دل کو اپنے زندہ ہونے کا ثبوت فراہم کرتا ہوں۔ پھر اپنی یادداشت پر یہ جاننے کی کوشش کرتا ہوں کہ مجھے کبھی میرے دوستوں، رشتہ داروں اور عزیزوں نے کاندھے دے کر دفن تو نہیں کر دیا ہے۔

لیکن ذہن پر لاکھ زور دینے کی باوجود مجھے ایسے کسی بھی واقعے کی یاد نہیں آتی ہے......

لیکن پھر بھی میرے دل کو میرے زندہ ہونے کا مکمل یقین نہیں ہوتا ہے، اور تب میں بےچین ہو کر دوبارہ گھر سے نکل پڑتا ہوں لیکن وہاں بھی گھنٹوں کی تلاش و جستجو کے بعد میں اپنی قبر کی شناخت یا تلاش میں ناکام ثابت ہوتا ہوں۔ اس لئے گورستان کی ایک ایک قبر کو دیکھ کر مجھے اپنی ہی قبر کا گمان ہوتا ہے۔

شاید اس لئے کہ ساری قبریں ایک جیسی جو ہوتی ہیں......

(پٹنہ سے نشر)

فخرالدین عارفی محمد پور، شاہ گنج، پٹنہ ۸۰۰۰۰۶

افسانہ

گناہ

جگدیش کا تبادلہ ہوئے پورے دو
گذر گئے تھے۔ اس کے
سوالوں نے سر اٹھا رکھا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں
کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے جب اسے لیلا بائی کی
گھر مل گیا تو اس کا سب سے بڑا مسئلہ حل ہو گیا
وہ گھر کہلانے کے لائق تو نہ تھا مگر کوئی دوسرے
دو کمروں کا آسانی کے ساتھ مل جانا بھی غنیمت
پھر وہاں کے آس پاس کے لوگ بھی اچھے تھے۔
سہولتیں وہاں آسانی کے ساتھ مہیا کی جا سکتی
اس لئے زیادہ پریشانی میں نہ پڑتے ہوئے لیلا
کرایہ طے کر کے اپنا سامان وہاں رکھوا دیا۔ اور
کی سانس لی۔

دوسرے دن جب وہ گھر کی صفائی میں
کہ ایک نسوانی آواز سن کر وہ چونک پڑا۔

"ماں نے آپ کے لئے چائے بھیجی ہے
ایک خوبصورت دوشیزہ کھڑی مسکرا رہی تھی۔

"جی ———— جی" اس کی آواز حلق سے
نہ نکل سکی۔

"لیکن آپ کون ہیں ؟" اس نے حیرت
پوچھا۔

"میرا نام سریتا ہے۔ یہ گھر ہمارا ہی
وہ بولی۔

"لیکن آپ نے کیوں تکلیف کی۔ چائے کی
بھی کوئی ضرورت نہ تھی"

پھر انجانے طور پر اس نے چائے کی پیالی
کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ اس کی نظر سریتا سے
وہ سراپا خوبصورتی کا مجسمہ بنی کھڑی مسکرا
جگدیش کے من میں چاہت انگڑائی لینے لگی۔
حیرت زدہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ تبھی لیلا
آگئی اور کہنے لگی۔ اسے اپنا ہی گھر سمجھنا چاہئے

معین الدین عثمانی

ضرورت محسوس ہو تو ضرور کہنا ۔ زندگی میں ایک
ے کے کام آنا ہی تو انسانیت ہے ۔ جگدیش دل ہی
ی خوش ہونے لگا ۔ اتنے کم کرائے کا مکان اور
تنے اچھے لوگ ۔ اسے محسوس ہوا جیسے وہ اپنے ہی
ں آگیا ہے ۔

دیکھتے ہی دیکھتے چار ماہ کا عرصہ گذر گیا ۔ جگدیش
ساس بھی نہ ہو سکا گھر کی ہی طرح کسی چیز کی کمی کو
س نہ کر سکا ۔ سرتیا تو پہلے ہی دن سے اس کے
ں گھر کرتی گئی ۔ جب بھی وہ شام کو آفس سے
سرتیا کے اصرار پر روزانہ سیر کے لئے جاتا ۔ لیلا
ھی سوچتی ۔ ان دونوں کی جوڑی کتنی خوبصورت
ے گی ۔ صرف ایک ہی تو فکر رہ گئی تھی ۔ کوئی اچھا سا
ل جائے تو وہ سرتیا کے ہاتھ پیلے کر سکے ۔ اب
ھی اسے پوری ہوتی نظر آرہی تھی ۔

پھر سرتیا نے بھی ایک دن اپنے من کی بات
ڈالی ۔ جگدیش میں تم سے پیار کرتی ہوں ۔ میں تم سے
اکرنا چاہتی ہوں ۔ تمہارے بغیر اب میں ایک پل بھی زندہ
رہ سکوں گی ۔ اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب سرتیا
منھ سے اس نے ایسی باتیں سنیں ۔ سرتیا نے اس کے
رے جملے چھین لئے تھے ۔ پھر وہ ایک دوسرے کے
ت قریب آگئے ۔

ایک دن جذبات میں بہہ کر اس نے سرتیا کو اپنی
مضبوط بانہوں میں جکڑ لیا اور چھوٹی چھوٹی مونچھوں تلے
ی مسکراہٹ سے اس کا دل بھانے لگا ۔ اس میٹھی مسکراہٹ
ا کر سرتیا نے اپنی زندگی کا قیمتی خزانہ اسے پیش کر دیا
ر امید بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگی ۔ اپنی شادی
ے خوبصورت سپنے سجانے لگی ۔ اسے لگا جیسے وہ دولہن
ا ڈولی میں بیٹھی ہے ۔ جگدیش اسے بیاہ کر لے جا رہا
ہے ۔ اس کی ماں پھوٹ پھوٹ کر رو رہی ہے اور جگدیش
سے کہہ رہی ہے ۔ بیٹا جگدیش سرتیا میری اکلوتی بیٹی ہے

اسے کوئی تکلیف نہ ہونے پائے میں نے اسے بڑے ناز سے پالا ہے ۔ اگر انجانے میں کوئی بھول کر بیٹھے تو معاف کر دینا ۔

اچانک دروازے کی گھنٹی بجی اور وہ چونک پڑی ۔ حسین خوابوں کی لڑی یکلخت ٹوٹ گئی ۔ تیز تیز قدموں سے وہ باہر آئی باہر پوسٹ مین تار لئے کھڑا تھا ۔

"کس کا تار ہے" سرتیا نے پوچھا ۔

"جگدیش بابو کا میم صاحب"

"مگر وہ تو ابھی گھر پر نہیں ہیں"

"کوئی بات نہیں ، وہ جب آئیں تو آپ انہیں دے دیجئے گا"

"ٹھیک ہے"

جگدیش کا آفس چھوٹنے میں ابھی پورے دو گھنٹے باقی تھے ۔ پھر اس سے تو عنقریب شادی بھی ہونے والی تھی ۔ اب ان کے بیچ کوئی راز راز نہ ہونا چاہئے تھا اس خیال کے آتے ہی اس نے بے تکلفی سے تار کو چاک کیا ۔ مگر دوسرے ہی لمحہ اس کی آنکھوں میں اندھیرا سا چھانے لگا ۔ اسے اپنے پیروں تلے کی زمین کھسکتی ہوئی محسوس ہونے لگی ۔ وہ چکرا کر زمین پر گر گئی ۔ ٹیلیگرام کا لفافہ ہوا میں اڑنے لگا ۔ اس پر لکھا چھوٹا سا پیغام چیخ چیخ کر اعلانِ بغاوت کرنے لگا ۔

"منّی بہت بیمار ہے ، جلد آجائیے ، تمہاری رادھا"

اس کی اصلیت کھل گئی ۔ لیلا بائی نے ماتھا پیٹ لیا ۔ اس نے ہمیں دھوکہ دیا ہے شادی شدہ ہونے کے باوجود بھی وہ ہم سے جھوٹ بولا ۔ وہ خون کے آنسو رونے لگی ۔ محلّے کے لوگوں میں بھی بےچینی بڑھ گئی ۔ وہ لیلا بائی کو سمجھانے لگے ۔ آپ صبر کیجئے ایک دھوکے باز آدمی اب ہمارے محلّے میں نہیں رہے گا آج وہ یہاں سے زندہ بچ کر نہیں جا سکتا ۔

اچانک ایک چیخ "نہیں" کی سرتیا کے منھ سے نکل گئی ۔ پھر وہ انجانے طور پر تیز تیز قدموں کے ساتھ گھر سے نکل پڑی ۔ جلدی جلدی بےخودی میں قدم بڑھا رہی تھی کہ راستے میں جگدیش نے اسے دیکھ کر روک لیا وہ چونک پڑی ۔

"جگدیش تمہیں میری قسم ، وہ لوگ تمہیں مار ڈالیں گے ۔ تم بھاگ جاؤ ، تمہاری منّی بہت بیمار ہے تم بھاگ جاؤ ، تمہاری رادھا کا تار آیا ہے"

"سرتیا" اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکا اور آنکھیں پھاڑے اسے دیکھنے لگا ۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرح اپنے گناہ کا اقرار کرے ۔

ٹرین کو پلیٹ فارم چھوڑے ابھی چند ہی لمحے گذرے تھے آہستہ آہستہ وہ پٹریوں میں رینگ رہی تھی کہ اچانک رک گئی ۔ مسافروں میں بےچینی پیدا ہو گئی ۔ معاملہ کی جانچ کے لئے ایک ایک کر کے اترنے لگے ۔ جگدیش بھی بوجھل قدموں سے بھیڑ کی طرف بڑھنے لگا ۔ مگر جوں ہی وہ بھیڑ کے قریب گیا ایک خوفناک چیخ اس کے منھ سے نکل گئی ۔ سامنے سرتیا خون میں بھری پڑی تھی ۔ لوگ اسے ایک طرف ہٹا رہے تھے ۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھ رہا تھا اسے اپنے گناہ کا احساس ہونے لگا ۔ سرتیا کی موت کا وہ اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھنے لگا ۔ رادھا کو جب اس کے ان کارناموں کا علم ہو گا تو اسے کتنا دکھ ہو گا ۔ وہ اسے کبھی معاف نہیں کرے گی ۔ رادھا تو بڑی حسّاس ہے اس کے ساتھ جنم جنم ساتھ نبھانے کے اس نے وعدے بھی کئے ہیں ۔ رادھا جو اس کی ذرا سی تکلیف پر تڑپ اٹھتی تھی ، اس صدمے کو برداشت نہیں کر سکے گی ۔ وہ خودکشی کر لے گی ۔ گناہ کے احساس کا سیلاب اس کے دل میں امڈ پڑا ۔ سیلاب کا پانی آنکھوں کے راستے سے نکل کر میرے چہرے پر آڑی ترچھی لکیریں بنانے لگا ۔

تھوڑی دیر بعد پتہ نہیں کیوں جگدیش زور زور سے ہنسنے لگا قہقہے لگانے لگا ، چیخنے لگا ، چلّانے لگا ۔ رادھا ، سرتیا ، میں آرہا ہوں ۔ لوگ عجیب نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے ۔

(جلگاؤں سے نشر)

معین الدین عثمانی
۲۶۴ شاہو نگر جلگاؤں (مہاراشٹر)

خاشرؔ نقوی

نگاہ عکس کے ہر زاویے میں چھوڑ آیا
کسی کو کھویا ہوا آئینے میں چھوڑ آیا
مرا سکون حقیقی سفر میں مضمر تھا
میں اپنے گھر کو کہاں راستے میں چھوڑ آیا
نسیم صبح کے جھونکو نہ تم مجھے چھیڑو
گذرتے لمحے بڑے فاصلے میں چھوڑ آیا
یہ کون پوچھے سمندر سے جا کے ساحل پر
مسافروں کو کہاں راستے میں چھوڑ آیا
مری نگاہ میں تم جس کو کر رہے ہو تلاش
اسے تو کب کا کسی حادثے میں چھوڑ آیا
جو ساری رات مرے آنسوؤں میں روشن تھا
اس انتظار کو بجھتے دئیے میں چھوڑ آیا
کتابِ زیست کا عنوان کیا رکھوں تابشؔ
میں اس کی یاد کو ہر حاشئے میں چھوڑ آیا

(اردو سروس سے)

افسوس کا بوجھ

شہاب دائروی

اسکا ننھا دماغ شعور کے اجالوں سے بھرا تھا تو اس نے اپنے آپ کو ایک بڑے گھرانے میں مشین کی طرح چلتے ہوئے پایا تھا۔ ہر کام حکم تھا اور اس کا ایک دم ـــــ: پھول کی طرح کومل لیکن وقت کے ہتھوڑے کی چوٹ سے دبا دبا پچکا پچکا سا ـــــ جسکی آنکھوں میں من کی آرزوؤں کے بلکنے پر پل پل آنسو ڈھلک آتے تھے ـــــ وہ لٹو کی طرح زمین پر آسمان پر پھیلے ہوئے ستاروں کی طرح گردش کرتا رہا تھا ـــــ اور اتنی کڑی محنت کرنے کے بعد بھی وہ بیگم کی نگاہوں میں کام چور تھا، حرام خور تھا اور نہ جانے کیا کیا تھا ـــــ جو آخر طیش میں آکر بیگم اس کو کہا کرتی تھیں اور وہ سب کچھ سن سن کر بھی جیتا رہا تھا ـــــ

وہ کون تھا، یہ سوال کیڑوں کی طرح اس کے ذہن پر کلبلایا تھا اور ہر بار وہ صرف اتنا سمجھ پایا تھا کہ وہ رجوا ہے جو نہیں جانتا کہ اس کے ماں باپ کون ہیں کہاں ہیں کیوں اس دنیا میں خدا نے اس کا وجود ضروری تصور کیا تھا اتنے اہم سوال کا جواب اس کے دماغ کے پاس کچھ بھی نہ تھا ویسے تو گھر کے زیادہ تر افراد کوئی نہ کوئی بہانے اس کو جھڑکیوں کا زہر پلاتے ہی رہتے تھے ـــــ اور وہ کڑھ جل کر اس زہر کو پیتا بھی رہا تھا۔ لیکن بیگم جب اس کو کام چور کہہ کر مخاطب کیا کرتی تھیں تو وہ شعلوں کی طرح دہک اٹھتا تھا نہ جانے کیوں اس کو اس لفظ سے الرجی سی ہو گئی تھی ـــــ وجہ بڑی واضح تھی، وہ سب کچھ تھا مگر کام چور ہرگز نہ تھا۔

ایک شب جب وہ افضال میں کے سر میں روغن بادام گھس رہا تھا تو ان کے تجربہ کار دماغ سے ایسی چنگاری پھوٹی تھی جس کی روشنی میں اس کی زندگی اس کو دکھائی دی تھی۔ پر اس زندگی کو پانے کی خاطر اس کو لمبا سفر طے کرنا تھا۔ ایک مشکل راہ سے گذرنا تھی۔ نادان اور بے سہارا تھا وہ ـــــ پہلے تو اس راہ پر چلنے کی خود میں ہمت وہ نہ سمیٹ سکا تھا لیکن ہر رات افضال میاں کے بار بار سمجھانے پر وہ اپنی کم مائگی کے باوجود اس راہ پر چل پڑا تھا ـــــ سفر ٹیڑھا اور کانٹوں سے بھرا تھا ـــــ وہ پگ پگ پر رکا تھا کبھی ہلکان ہوا تھا کبھی اس راہ سے اپنے پاؤں موڑ لینے کا سوچا تھا مگر ہر بار افضال میاں کی باتوں نے اس کو نیا حوصلہ بخش دیا تھا۔ نئی سمت عطا کر دی تھی اور اس کے ٹھہرے ہوئے قدم بڑھتے گئے تھے ـــــ وقت کا لمبا جال دن و سال کو اپنے اندر سمیٹ کر بند کرتا رہا تھا۔ زعفران کے کھیتوں سے ہر سال خوشبو اڑ اڑ کر گاؤں گاؤں اور شہر شہر پھیلتی رہی تھی ـــــ ایک دن صبح سویرے جب میٹرک کے امتحان کا نتیجہ مقامی اخبار میں ہوا تھا اور بیگم کی نگاہیں جب انتہائی تلاش کے بعد بھی اپنے نور نظر کا رول نمبر کہیں نہ پا سکیں تو ان کی گردن افسوس کے بوجھ سے کٹے ہوئے تنے کی طرح جھک گئی تھیں اور اس وقت افضال میاں نے انتہائی خوش ہوتے ہوئے ان سے پوچھا تھا۔

"وہ تصویر تم نے دیکھی بیگم جو اس اخبار کی زینت بنی ہے؟"

"کیا دیکھوں خاک، اخبار دیکھ کر تو من دکھوں سے بھر گیا ہے۔ سوچا تھا کہ میٹرک پاس کرتے ہی انور کو اسی سال انگلینڈ بھیج دوں گی پر میرے دل کی آرزو دل ہی میں گھٹ کر مر گئی ـــــ" بیگم اداس تھیں۔

"اخبار میں رجب کی تصویر شائع ہوئی ہے بیگم"۔ افضال میاں نے انکشاف کیا۔

"رجوا کی ـــــ کیا وہ ہمارے آنے سے پہلے کہیں سے ہاتھ مار کر بھاگا تھا ـــــ" بیگم نے سوال کیا

"میں نے رجب کے لئے تمہارے دل میں رحم کا جذبہ ابھرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا بیگم۔ سنا تھا عورت کا دل موم کی طرح نرم ہوتا ہے، ممتا کے جذبوں سے بھرا رہتا ہے۔ شاید آج کی عورت کل کی عورت سے مختلف

...ل شب کی محفل موسیقی

...پ مارجنی کا بانسری وادن:
...نومبر رات ۱۰ بجے

...پ مارجنی جواں نسل کے ایک ابھرتے ہوئے فن کار
...۔ ان کی فنی مہارت کے اعتراف میں سُرمنی کے خطاب

...ت راجیہ نرتیہ ناٹیہ اکیڈمی کی جانب سے ۱۹۷۸ء میں
...سنگیت میں انعام سے نوازہ گیا ہے۔ آپ ۱۹۷۶ء سے
...یا ریڈیو سے منسلک ہیں۔

...پال کا گائن: ۸ر نومبر رات دس بجے

لیش پال کا تعلق آگرہ گھرانہ سے ہے موسیقی کی تعلیم انھوں نے استاد ولایت حسین خاں صاحب اور استاد یونس حسین خاں سے حاصل کی۔ لیش پال کی آواز کلاسیکی گائکی کے لیے بے حد موزوں ہے۔ آج کل آپ چنڈی گڑھ میں ایم سی ایم ڈی اے وی کالج فار وومن کے شعبہ موسیقی کے صدر ہیں۔

محمود خاں کا سارنگی وادن اور نثار حسین خاں کا طبلہ وادن:
۱۵ر نومبر رات دس بجے

محمود خاں نے موسیقی کی ابتدائی تربیت اپنے والد ابوالحسن

خاں سے حاصل کی جو اپنے دور کے نامور سارنگی نواز تھے۔ محمود خاں کو گائیکی اور تنتر کاری دونوں انگوں پر مہارت حاصل ہے۔

نثار حسین خاں نے طبلہ وادن کی تعلیم اپنے والد مشہور

طبلہ نواز کالے خاں سے حاصل کی۔ آپ نے ملک بھر کی کئی محفلوں میں سولو اور سنگت پیش کیا ہے۔

نیشنل پروگرام

بدھ دیو داس گپتا کا سرود وادن:
۵ر نومبر رات ساڑھے نو بجے

بدھ دیو داس گپتا کا شمار ملک کے صف اول کے سرود نوازوں میں کیا جاتا ہے۔ ان کے فن میں سینیا گھرانہ اور استاد محمد

امیر خاں کے سرود گھرانہ کا امتزاج ملتا ہے۔ روایات پر عمل پیرائی کے ساتھ انھوں نے اپنا ایک انفرادی انداز بھی پیدا کیا ہے۔ جس میں گائیکی اور تانتر کاری انگ ملتے ہیں۔

کرائی کوروچی ارونا چلم کا ناگاسورم وادن:
۱۲ر نومبر رات ساڑھے نو بجے

آنجہانی کے ارونا چلم نے اپنی زندگی میں ابتدائے عمر سے ہی میدان موسیقی میں نام پیدا کر لیا تھا۔ ان کے فن میں ان کے

استاد ناگا سورم وودوان ٹی این آر پلائی اور ان کی اپنی تکنیک کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ ان کی جوان موت نے عالم موسیقی سے ایک عظیم فن کار چھین لیا ہے۔

...ن کے عرق کو اپنے حلق میں انڈیل کر تھرکتا اور ناچتا تھا اور کچھ ...بھی لڑکے تھے جو کالج میں محض اس لئے داخلہ لئے بیٹھے تھے ...کہ خریف کے موسم میں جب کوئی ان کا دام لگائے تو ...عربی نسل کے گھوڑے سے زیادہ قیمت پر بکیں گے لیکن ...ایسے تمام لڑکوں سے خود کو بچا سمیٹ کر تعلیم کے دریا ...کو ڈھونڈتا رہا تھا۔ تلاش کرتا رہا تھا اور اس طرح ...سال بیت جانے پر وہ کچھ پا کر ایک اونچے عہدے ...فائز ہو چکا تھا۔

ایک دن بیگم کے مدقوق ہو کر سینی توریم میں داخل ...نے کی جب اس کو خبر ملی تھی تو وہ اپنے تمام کاموں کو ...چھوڑ چھاڑ کر سنی توریم پہونچ گیا تھا —— اور بیگم پر ...پڑتے ہی وہ کانپ اٹھا تھا —— بیگم بستر پر دراز ...تھیں ان کا چہرہ زرد تھا اور سانس لینے میں انہیں انتہائی تکلیف تھی۔ انہوں نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں کے اندر لے کر پہلی بار ماں کے پیار کی لذت اس کو بخشتی ہوئی بولیں تھیں۔

”مجھے معاف کر دو بیٹے، میں نے تمہارا بہت دل دکھایا ہے“

”نہیں ماں اس وقت تک نہیں جب تک تم اپنے حرام خور بیٹے کی کمائی نہ رانی کی طرح بیٹھ کر نہ کھالوگی، میں آج ہی تمہیں تمہارے علاج کے لئے لندن لے چلوں گا۔“

رجب نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا اور اس کے فیصلہ کو سنتے ہی افضال میاں خوشی میں جھوم اٹھے تھے۔ قدرت نے ان کے اچھے کام کا کتنا اچھا صلہ دیا تھا ——

کیا یہ روشن راہ اتنی خوبصورت نہیں کہ ہم سب اس پر چلنے کا فیصلہ کریں۔ (پٹنہ سے نشر)

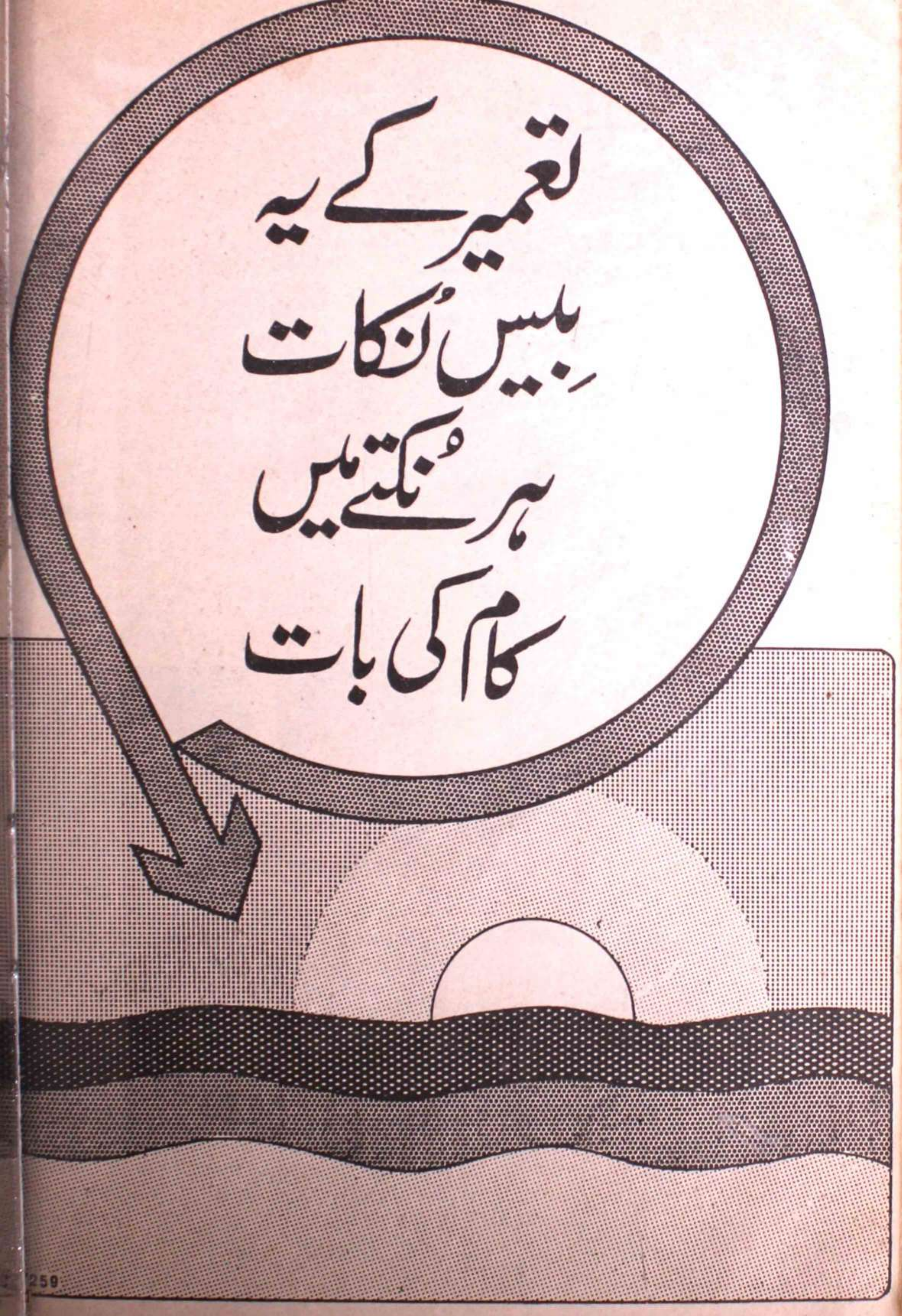
تعمیر کے یہ
بیس نکات
ہر نکتے میں
کام کی بات
259

دوسری سروس

میڈیم ویو : ۴۲۷٫۴۴ میٹر (۷۰۲ کلو ہرٹز) ۲۸۰٫۴۴ میٹر (۱۰۷۱ کلو ہرٹز)
شارٹ ویو : ۴۸٫۷۰ میٹر (۶۱۶۰ کلو ہرٹز)

دوبارہ نشریات
۷-۵۵ پروگراموں کا خلاصہ
۸-۰۰ آپ کی فرمائش (جاری)
بجز اتوار، بدھ اور جمعہ
۸-۳۰ تاریخ ساز (اتوار، بدھ اور جمعہ)
۹-۰۰ آج کی بات (بجز جمعہ اور اتوار)
جمعہ/اتوار : آؤ بچو!
۹-۱۵ لوک گیت (بجز جمعہ/ہفتہ/اتوار)
جمعہ/اتوار : آؤ بچو!

ہفتہ : نغمات وطن
(حب الوطنی کے نغمات)
۹-۳۰ خبروں کا خلاصہ
۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی
(بجز جمعہ/ہفتہ/اتوار)
جمعہ : آپ کے خط آپ کے گیت
ہفتہ : ہلکی کلاسیکی موسیقی
اتوار : چلتے چلتے
۱۰-۰۰ اختتام

مجلس

میڈیم ویو : ۴۲۷٫۴۴ میٹر (۷۰۲ کلو ہرٹز) ۲۸۰٫۴۴ میٹر (۱۰۷۱ کلو ہرٹز)
شارٹ ویو : ۳۱٫۰۱ میٹر (۹۶۷۵ کلو ہرٹز)

محفل (II)
گیتوں بھری کہانی (III)
غیر فلمی غزلیں (IV)
نئی فلموں سے (V)
پیر : نغمہ و صدا (I)
نگاہ انتخاب (جاری)
(V، III)
راگ رنگ (IV، II)
منگل : نغمہ و تبسم
بدھ : بزم خواتین
جمعرات : ایک راگ کئی روپ (I)
حرف غزل (V، IV، II)
ڈرامہ (III)
جمعہ : مشاعرہ (جاری) (I)
رنگ نو (V، III)
یادیں بن گئیں گیت (II، III)
ہفتہ بزم خواتین
۳-۰۰ اتوار : فلمی قوالیاں
(I، III)

غیر فلمی قوالیاں (V، IV، II)
پیر : سازینہ
منگل : نئی نسل نئی روشنی
بدھ : فلمی دنیا (II، IV)
رنگارنگ (V، II)
بات ایک فلم کی (III)
جمعرات : غیر فلمی قوالیاں
(I، V)
ایک فن کار (IV، II)
ڈرامہ (III)
جمعہ : آواز دے کہاں ہے
ہفتہ : پھر سنیے
۳-۳۰ آپ کی پسند
۴-۰۰ جہاں نما (بجز اتوار اور تعطیل)
اتوار : آپ کی پسند (جاری)
۴-۱۰ آپ کی پسند (جاری)
۴-۳۰ تبصرہ/ہفتہ بھر کی پارلیمانی کارروائی
۴-۳۵ آپ کی پسند (جاری)
۴-۵۰ خبریں
۵-۰۰ اختتام

مجلس

میڈیم ویو : ۴۲۷٫۴۴ میٹر (۷۰۲ کلو ہرٹز)
شارٹ ویو : ۹۱٫۰۵ میٹر (۳۲۹۵ کلو ہرٹز)

۹-۰۰ اتوار : کتابوں کی باتیں
(I، III)
صنعت و حرفت (IV، II)
اردو دنیا (V)
پیر : کلام شاعر
منگل : تقریر
بدھ : شہرنامہ (I، III)
دلی ڈائری (IV، II)
شہ پارے (V)
جمعرات : ہم سے پوچھیے
(I، III، V)
حفظان صحت (IV، II)
جمعہ : تقریر
ہفتہ : ریڈیو نیوز ریل
۹-۱۰ آبشار
۹-۳۰ اتوار : گجربن کا دیے

پیر، بدھ، جمعرات : غیر فلمی قوالیاں
منگل : علاقائی نغمے
جمعہ : افسانہ (III، I)
علاقائی نغمے (II، V)
صدائے رفتہ (V)
ہفتہ : منظر پس منظر
(اردو اخبارات پر مبنی)
۹-۴۵ خبریں
۹-۵۵ تبصرہ (مکرر نشریات)
۱۰-۰۰ اتوار : ڈرامہ
پیر : فیچر (I)
گلستاں (III)
دریچہ (IV)
اظہار خیال (II)
منگل : کھیل کے میدان سے

(I، III)
سائنس میگزین (V، II)
مشاعرہ (IV)
بدھ : ریڈیو دوستی
(V، III، I)
کہانی سنگیت کی (IV، II)
جمعرات : ادبی نشست (I)
آئینہ (II، IV)
جمال ہم نشیں (III)

ماضی کے دیار (V)
جمعہ : روبرو
ہفتہ : نئی نسل نئی روشنی
۱۰-۱۵ خط کے لیے شکریہ
(بدھ، ہفتہ وار)
۱۰-۳۰ تعمیل ارشاد
۱۱-۰۰ خبروں کا خلاصہ
۱۱-۰۵ تعمیل ارشاد (تسلسل)
۱۱-۲۵ شمع فروزاں (مکرر نشریات)

۱۱-۳۰ بزم موسیقی
۱۲-۰۰ خبریں
۱۲-۰۵ بزم موسیقی (جاری)
۱۲-۳۰ فلمی نغمے
۱۲-۵۸ اگلے دن کے پروگراموں کا خلاصہ
۱-۰۰ اختتام

منگل یکم نومبر

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی : قوالیاں
۶-۲۵ پرانی فلموں سے
۷-۰۰ شہر صبا
غلام علی : مومن کا کلام
ارملا ناگر : فیض اور ساغر کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
این۔ راجن، وائلن پر دیوگری بلاول
۹-۳۲ ہلکی کلاسیکی موسیقی
میرا کھرواڈکر : خیال بیراگی

دوپہر

۲-۰۷ بھگتی گیت
۲-۳۰ نغمہ و تبسم
۳-۰۰ نئی نسل نئی روشنی

رات

۸-۱۵ سازینہ
۸-۳۰ حسن غزل
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ تقریر
۹-۳۰ علاقائی نغمے
۱۰-۰۰ کھیل کے میدان سے
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
میرا کھرواڈکر، خیال گورکھ کلیان
این۔ راجن، وائلن پر راگ بہاگ
۱۲-۰۵ فلمی نغمے

بدھ ۲ نومبر

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی
نعت، قوالی اور بھجن
۶-۲۵ پرانی فلموں سے
۷-۰۵ شہر صبا
راحت علی : عمر قریشی اور مشیر انصاری کا کلام
اوشا ٹنڈن : شمیم جے پوری اور فیروز نظامی کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
بسم اللہ خاں و ساتھی، شہنائی پر راگ ٹھمری بھیروی
۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی
روما رانی بھٹاچاریہ، خیال للت

دوپہر

۲-۰۷ سب رس
۲-۳۰ بزم خواتین
(۱) افسانہ از رفیعہ منظور الامین
(۲) گیت
(۳) دسترخوان
۳-۰۰ رنگارنگ

رات

۸-۱۵ آہنگ نظم
۸-۳۰ حسن غزل
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ شہرنامہ
۹-۳۰ قوالیاں
۱۰-۰۰ ریڈیو دوستی
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
روما رانی بھٹاچاریہ، خیال راگیشری
بسم اللہ خاں و ساتھی، شہنائی پر راگ کیدارہ

جمعرات ۳ نومبر

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی
قوالیاں
۶-۲۵ پرانی فلموں سے
۷-۰۰ شہر صبا
جمیل احمد، ریاض خیرآبادی اور ذوق کا کلام
اوما گرگ، جاں نثار اختر کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
عبدالحلیم جعفر خاں، ستار پر سندھی بھیروی
۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی
راجن مشرا، ساجن مشرا : خیال جونپوری

دوپہر

۲-۰۷ دھوپ چھاؤں
۲-۳۰ ایک راگ کئی روپ
۳-۰۰ قوالیاں

رات

۸-۱۵ سازینہ
۸-۳۰ حسن غزل
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ ہم سے پوچھیے
۱۰-۰۰ ادبی نشست
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
راجن مشرا، ساجن مشرا؛
خیال گورکھ کلیان
عبدالحلیم جعفر خاں؛ ستار پر ہیم وتی

جمعہ ۴ نومبر

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی
تلاوت قرآن پاک، نعت
نعتیہ کلام
۶-۲۵ پرانی فلموں سے
۷-۰۰ شہر صبا
یونس ملک؛ داغ کا کلام
شانتا سکینہ، جگر کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
امجد علی خاں؛ سرود پر راگ للت
۹-۳۲ آپکے خط آپکے گیت

دوپہر

۲-۰۷ مشاعرہ
۳-۰۰ آواز دے کہاں ہے

رات

۸-۱۵ سازینہ
۸-۳۰ حسن غزل
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۳۰ افسانہ
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
سمتی مٹاتکر، خیال ہیم نٹ
امجد علی خاں، سرود پر تلک کاموِد

ہفتہ ۵ نومبر

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی
نعت قوالی اور شبد
۶-۲۵ پرانی فلموں سے
۷-۰۰ شہر صبا
نینا دیوی؛ حفیظ جالندھری اور
مجاز لکھنوی کا کلام
رمیش کمار؛ غالب کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
منیر خاں؛ سارنگی پر توڑی
۹-۳۲ نغماتِ وطن

دوپہر

۲-۰۷ سب رس
۲-۳۰ بزم خواتین
(۱) "اپنی تو عادت ہے ادھار مانگنے کی"
تقریر از شمیم بیگم
(۲) غزل
(۳) خطوں کے جواب
۳-۰۰ پھر سنیئے

رات

۸-۱۵ آہنگِ نظم
۸-۳۰ حسنِ غزل
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ ریڈیو نیوز ریل
۹-۳۰ منظر و پس منظر
۱۰-۰۰ نئی نسل نئی روشنی
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
کشوری امونکر؛ خیال مالکونس
استاد شکور خاں؛ سارنگی پر بار و بہاگ

اتوار ۶ نومبر

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی، قوالیاں
۶-۲۵ پرانی فلموں سے
۷-۰۰ شہر صبا
شانتی ہیرانند؛ قدیر لکھنوی کا کلام
صلاح الدین احمد؛ اعجاز وارثی
اور بشیر بدر کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
استاد احمد جان تھرکوا؛ طبلے پر ایک تال
۹-۳۲ چلتے چلتے

دوپہر

۲-۰۷ آپ کا خط ملا
۲-۳۰ کہکشاں
۳-۰۰ فلمی قوالیاں

رات

۸-۱۵ آواز دے کہاں ہے
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ کتابوں کی باتیں
۹-۳۰ کجرہ بن کارے
برجو مہاراج؛ دادرہ
۱۰-۰۰ ڈرامہ
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
کمار گندھرو؛ خیال جے جے ونتی
استاد احمد جان تھرکوا؛ طبلے پر تین تال

پیر ۷ نومبر

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی
نعت، قوالی اور شبد
۶-۲۵ پرانی فلموں سے
۷-۰۰ شہر صبا
ایرانظم، جگر اور غالب کا کلام
چندن کمار داس؛ ساحر بھوپالی کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
برج بھوشن کابرہ، گٹار پر راگ بلاول
۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی
لکشمی شنکر؛ خیال اہیر بھیروں

دوپہر

۲-۰۷ نغمہ و صدا
۳-۰۰ سازوں پر موسیقی
دنکر راؤ؛ بانسری پر سلہا سارنگ
فردوس احمد؛ سرود پر مدھ ماد سارنگ

رات

۸-۱۵ آہنگِ نظم
۸-۳۰ حسنِ غزل
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۳۰ غیر فلمی قوالیاں
۱۰-۰۰ فیچر
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
لکشمی شنکر؛ خیال چندر کونس
برج بھوشن کابرہ؛ گٹار پر راگ ایمن

منگل ۸ نومبر

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی، قوالیاں
۶-۲۵ پرانی فلموں سے
۷-۰۰ شہر صبا
صفدر حسین؛ فیض کا کلام
مدھو رانی؛ غالب کا کلا[م]
۷-۳۰ ساز سنگیت
وی جی جوگ، وائلن پر
راگ اہیر بھیر[وں]
۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی
لطافت حسین خاں؛ خیال ا[...]

دوپہر

۲-۰۷ فلمی قوالیاں
۲-۳۰ نغمہ و تبسم
۳-۰۰ نئی نسل نئی روشنی

رات

۸-۱۵ سازینہ
۸-۳۰ حسنِ غزل
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ تقریر
۹-۳۰ علاقائی نغمے، پہاڑی گی[ت]
۱۰-۰۰ سائنس میگزین
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
لطافت حسین خاں، خیال [...]
وی جی جوگ؛ وائلن پر جھنجھ[وٹی]

بدھ ۹ نومبر

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی
نعت، قوالی اور بھجن
۶-۲۵ پرانی فلموں سے
۷-۰۰ شہر صبا
بیگم اختر؛ شکیل کا کلام
مہدی حسن؛ داغ اور غال[ب ...]
۷-۳۰ ساز سنگیت
سکندر حسین و ساتھی؛ شہنا[ئی ...]
۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی
مالویکا کانن؛ خیال دیسی [...]

دوپہر

۲-۰۷ سب رس
۲-۳۰ بزم خواتین
(۱) ایک ملاقات ۔ بیوٹیشین [...]
(۲) گیت

وقت

تصور حسین زیدی

میں ایک لمحے سے زائد ٹھہر نہیں سکتا
احساس وقت حد سے سوا بھی بھلا نہیں

وہ ایک لمحہ بھی شاید گزر گیا ہوگا
صدیوں کی فکر چھوڑیے تو سنبھالیے

(الہ آباد سے [...])

باتیں
نیا
نظم
غزل
اور آواز
ڈائری
فلمی قوالیاں
انی سنگیت کی
موسیقی
سعید اور محمد رشید : خیال باگیشری
ملک رحسین اور ساتھی :
شہنائی پر راگ گوری

جمعرات ۱۰ر نومبر

صبح گاہی ، قوالیاں
رانی فلموں سے
شہر صبا
بینہ یاسمین ، غالب اور ظفر کا کلام
برکمار دیو ، حسرت موہانی کا کلام
ساز سنگیت
دھ دتیہ مکرجی ، ستار پر راگ بسنت مکھاری
کلاسیکی موسیقی

دھوپ چھاؤں
حرفِ غزل
ایک فنکار

سازینہ
حسنِ غزل
ساز اور آواز
حفظانِ صحت
غیر فلمی قوالیاں
تمثیلہ
بزم موسیقی
ملک ارجن منصور ، خیال جیت کلیان
بدھ دتیہ مکرجی ، ستار پر راگ درباری

جمعہ ۱۱ر نومبر

صبح گاہی
تلاوت قرآن پاک
نعتیہ کلام اور نعت خوانی
پرانی فلموں سے

۷-۰۰ شہر صبا
چاند رانے ، داغ اور ظفر کا کلام
سعادت بن اشرف : فیض کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
بدھ دیو داس گپتا ، سرود پر راگ بھیروں بہار
۹-۳۲ آپکے خط آپکے گیت

دوپہر
۲-۰۷ سات سوال
۲-۳۰ یادیں بن گئیں گیت
۳-۰۰ آواز دے کہاں ہے

رات
۸-۱۵ سازینہ
۸-۳۰ حسنِ غزل
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ تقریر
۹-۳۰ علاقائی نغمے
۱۰-۰۰ روبرو
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
منصور علی خاں : خیال مالکونس
علی اکبر خاں : سرود پر راگ دیس

ہفتہ ۱۲ر نومبر

صبح
۵-۴۵ صبح گاہی
نعت ، قوالی اور شبد
۶-۲۵ پرانی فلموں سے
۷-۰۰ شہر صبا
غلام مصطفےٰ خاں : مجاز اور مخدوم کا کلام
انجلی بنرجی ، ساحر اور فیض کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
پنڈت گوپال مشرا : سارنگی پر راگ توڑی
۹-۳۲ ہلکی کلاسیکی موسیقی
گرجا دیوی ، ٹھمری بھیروی ، دادرہ بھیروی

دوپہر
۲-۰۷ گیت آپکے شعر ہمارے
۲-۳۰ بزم خواتین
(۱) جہیز اور سماج ، تقریر از رضیہ محسن
(۲) غزل
(۳) خطوں کے جواب
۳-۰۰ پھر سنیئے

رات
۸-۱۵ آہنگِ نظم
۸-۳۰ حسنِ غزل
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ ریڈیو نیوز ریل
۹-۳۰ منظر پس منظر
۱۰-۰۰ نئی نسل نئی روشنی
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
استاد امیر خاں : خیال جے جے ونتی
پنڈت گوپال مشرا : سارنگی پر بارو بہاگ

اتوار ۱۳ر نومبر

صبح
۵-۴۵ صبح گاہی ، قوالیاں
۶-۲۵ پرانی فلموں سے
۷-۰۰ شہر صبا
پرتی چاولہ ، فیض اور غالب کا کلام
اندر نارائن : جگر مراد آبادی اور زبیر رضوی کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
دنکر راؤ : بانسری پر راگ بلاول
۹-۳۲ چلتے چلتے

دوپہر
۲-۰۷ آپ کا خط ملا
۲-۳۰ محفل
۳-۰۰ غیر فلمی قوالیاں

رات
۸-۱۵ آواز دے کہاں ہے
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ صنعت و حرفت
۹-۳۰ گجرا بن کائے
ہیرا دیوی مشرا : ٹھمری دلیش
۱۰-۰۰ ڈرامہ
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
استاد عبدالوحید خاں : خیال درباری
پنالال گھوش ، بانسری پر راگ پوریا ،

پیر ۱۴ر نومبر

صبح
۵-۴۵ صبح گاہی
نعت ، قوالیاں اور شبد
۶-۲۵ پرانی فلموں سے
۷-۰۰ شہر صبا
شبیر حسین : بشیر بدر اور امیر قزلباش کا کلام
منیر خاتون بیگم ، سراج لکھنوی کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
شوکمار شرما ، سنطور پر راگ بھٹیار
۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی
اسد امانت علی خاں ، حامد علی خاں

دوپہر
۲-۰۷ میری نظر میں
۲-۳۰ راگ رنگ
۳-۰۰ سازوں پر موسیقی
یعقوب علی خاں : سرود پر گوڑ سارنگ
پریم جین ، گٹار پر راگ گوری

رات
۸-۱۵ آہنگ نظم
۸-۳۰ حسن غزل
۸-۴۵ ساز اور آواز
۱۰-۰۰ اظہار خیال
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
بڑے غلام علی خاں ، خیال جے جے ونتی
شوکمار شرما ، سنطور پر کونسی دھونی

منگل ۱۵ر نومبر

صبح
۵-۴۵ صبح گاہی ، قوالیاں
۶-۲۵ پرانی فلموں سے
۷-۰۰ شہر صبا
پروین سلطانہ : شکیل کا کلام
حسین بخش ، شمیم جے پوری کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
این ۔ راجن ، وائلن پر میاں کی توڑی
۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی
بنگاری بائی : خیال دبھاس

دوپہر
۲-۰۷ ہلکی گیت
۲-۳۰ نغمۂ تبسم
۳-۰۰ نئی نسل نئی روشنی

رات
۸-۱۵ سازینہ
۸-۳۰ حسن غزل
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ تقریر
۹-۳۰ علاقائی نغمے
۱۰-۰۰ کھیل کے میدان سے
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
بنگاری بائی ، خیال وبہاس
سسر کنا دھر چودھری ، وائلن پر راگ بھوپالی

دہلی

میڈیم ویو
دہلی الف ۳۶۶-۳ میٹر ۸۱۹ کلوہرٹز
دہلی ب ۵۰۰-۵ میٹر ۶۶۶ کلوہرٹز
دہلی ج ۱۹۰۳-۲ میٹر ۳۶۸ کلوہرٹز
دہلی د ۳۰۹-۲ میٹر ۱۲۵ کلوہرٹز

شارٹ ویو
[illegible]

خبریں

دہلی الف:
ہندی/انگریزی: صبح ۶-۰۰ (عالمی)
ہندی: صبح ۸-۰۰، ۱۱-۰۰ دوپہر ۱-۰۰، ۲-۱۰ شام ۵-۰۰ (صوبائی) شام ۶-۰۵، ۵-۰۰ (علاقائی)
رات ۸-۴۵، ۱۱-۰۵ (عالمی) انگریزی: دوپہر ۱-۰۰ سنسکرت: صبح ۷-۰۰، شام ۶-۱۰
اردو: صبح ۸-۰۵، دوپہر ۱-۰۵ اور رات ۹-۱۵ (خبریں اور تبصرہ) پنجابی: دوپہر ۱-۴۰
دہلی ب: ہندی: دوپہر ۲-۳۵ (دھیمی رفتار سے) انگریزی: صبح ۸-۱۰، ۱۰-۰۰ دوپہر ۱-۰۰، ۲-۳۰ (دھیمی رفتار سے)
شام ۴-۰۰، ۶-۰۰، ۹-۰۰، ۱۱-۰۰ (عالمی) پنجابی: صبح ۸-۳۰ شام ۷-۳۰ ہندی نیوز لیٹر: صبح ۹-۰۰ بجے
دہلی د: ہندی: شام ۷-۳۰ انگریزی: رات ۹-۱۵ کھیل کود: شام ۷-۰۰ (ہندی) رات ۸-۰۰ (انگریزی)

مقررہ پروگراموں کے لیے "آواز" شمارہ ۱۶ رنومبر دیکھیے

منگل یکم نومبر

دہلی 'الف'

صبح

۸-۱۰، رات ۹-۰۰
منوّر علی خاں : گائن
۱۰-۳۰، سہ پہر ۵-۴۰
روبیندر ادیشرا : ستار
۱۱-۰۲ جنگ راج : گائن
۱۱-۳۰ رام نارائن : سارنگی

دوپہر

۱۲-۰۲ لوک بھارتی
اڑیہ لوک گیت
۵-۰۵ گیان وگیان

رات

۸-۰۰ ادیوگ منڈل
۹-۳۰ ناٹک
۱۰-۰۰ منگل شب کی محفل موسیقی
پردیپ مارگنی و دودرا : بانسری

دہلی 'ب'

صبح

۷-۳۰ سنگیت سوربھی
استاد احمد جان تھرکوا : طبلہ
۷-۵۰ سنگم : بنگلا گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
ہماچلی لوک گیت

دوپہر

۳-۱۵، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۳-۳۰ منوّر علی خاں : گائن

شام

۶-۴۵، ۸-۴۵
ستیش ببّر : غزلیں
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : انگریزی تقریر

بدھ ۲ رنومبر

دہلی 'الف'

صبح

۸-۱۰، ۱۱-۰۲، رات ۹-۰۰
گوپال کرشن : وچتر وینا
۱۰-۳۰، سہ پہر ۵-۴۰
نصیر الدین خاں گوبے : گائن
۱۱-۳۰ مالتی گیلانی : گائن

دوپہر

۱۲-۰۲ لوک بھارتی
ملیالم لوک گیت
۵-۵۵ گڑھوالی سنگیت

رات

۸-۰۰ جھلکی
۸-۱۵ وگیان آلوک
۹-۳۰ چرچا کا وشیہ ہے
۱۰-۰۰ آپ کی فرمائش پر شاستریہ سنگیت

دہلی 'ب'

صبح

۷-۳۰ سنگیت سوربھی
بسم اللہ خاں وساتھی : شہنائی
۷-۵۰ سنگم : گجراتی گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
ہریانوی لوک گیت

دوپہر

۳-۱۵، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۳-۳۰ کرناٹک سنگیت
شرینواسن نرسمہامورتی : وائلن

شام

۶-۴۵، ۸-۴۵
راجندر کمار کا چرو : گیت، غزلیں

جمعرات ۳ رنومبر

دہلی 'الف'

صبح

۸-۱۰، ۱۱-۰۲، رات ۹-۰۰
ایرن رائے چوہدری : گائن
۱۰-۳۵ جگدیش موہن : جلترنگ
۱۱-۳۰ ترون بھٹاچاریہ : سنطور

دوپہر

۱۲-۰۲ لوک بھارتی
بنگلا لوک گیت
۵-۰۵ سنسکرت پاٹھ
۵-۴۰ بال کاریہ کرم

رات

۸-۱۵ ہندی تقریر
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : علاقائی سنگیت
۱۰-۳۰ کرناٹک سنگیت
راجی راگھوپتی : گائن

دہلی 'ب'

صبح

۷-۳۰ سنگیت سوربھی
جگدیش موہن : جلترنگ
۷-۵۰ سنگم : مراٹھی گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
برج لوک گیت

دوپہر

۳-۱۵، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۳-۳۰ کرناٹک سنگیت
راجی راگھوپتی : گائن

شام

۶-۴۵، ۸-۴۵
سیما شرما : گیت، غزلیں

جمعہ ۴ رنومبر

دہلی 'الف'

صبح

۸-۱۰، ۱۱-۰۲، رات ۹-۰۰
راجندر پرسنا : بانسری
۱۰-۳۵، سہ پہر ۵-۴۰
الابھونک : گائن
۱۱-۳۰ منورما آہوجہ : گائن

دوپہر

۱۲-۰۲ لوک بھارتی
مراٹھی لوک گیت
۵-۵۵ گڑھوالی سنگیت

رات

۸-۰۰ گاندھی چرچا
۸-۱۵ اولوکن
۹-۳۰ 'دیپالی' : ناٹک
تحریر : ویریندر گومی
۱۰-۳۰ کرناٹک سنگیت
متھوسوامی کشتر کے یوم وفات پر خصوصی

دہلی 'ب'

صبح

۷-۳۰ سنگیت سوربھی
سدیشوری دیوی : ٹھمری، د
۷-۵۰ سنگم : تیلگو گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
راجستھانی لوک گیت

دوپہر

۳-۱۵، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۳-۳۰ کرناٹک سنگیت
متھوسوامی دکشتر کے یوم وفات پر خص

شام

۶-۴۵، ۸-۴۵
شانتا سکینہ : بھجن
۹-۳۰ نیشنل سپورٹس میگزین

ہفتہ ۵ رنومبر

دہلی 'الف'

صبح

۸-۱۰، ۱۱-۰۲، رات ۹-۰۰
غلام تقی خاں : گائن

سہ پہر ۵-۴۰
اندرانی چکرورتی : ستار
دیوبیندر مردیشور : بانسری

لوک بھارتی
گجراتی لوک گیت

سواستھ رکھشا
آج کے اتھتی
نیشنل پروگرام : موسیقی
بدھ دیوداس گپتا : سرود
دہلی 'ب'

سنگیت سوربھی
استاد فیاض خاں : گائن
سنگم : کنڑھ گیت
لوک مادھوری
گڑھوالی لوک گیت

۲، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۳ بیگم اختر : ٹھمری، دادرا

۶، ۸-۴۵
پرسار گیت
۹ اور گیسٹ لوٹاناشٹ

اتوار ۶ نومبر

دہلی 'الف'

صبح
۸ گوہر علی : وائلن
۹ بال کاریہ کرم
۱۰ کرشنا بشٹ بھارتی چکرورتی : گائن
۱۰ یووادانی
۱۱، سہ پہر ۵-۳۵
سی لے وینکٹا چلم : وینا

دوپہر
۱۲ 'چوبارہ' جھلکی
تحریر : چرنجیت
۲ ناٹک
۵ سنسکرت پاٹھ

رات
۸ رابندر سنگیت
۸ ساہتیکی
۹ رادھے شیام : طبلہ

۹ - ۳۰ محفل
۱۰ - ۰۰ چین
دہلی 'ب'

صبح
۷ - ۳۰ سنگیت سوربھی
روشن بیگم : گائن
۷ - ۵۰ سنگم : گجراتی گیت
۹ - ۱۵ اپنی نگری

دوپہر
۳ - ۱۵، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۳ - ۳۰ گوہر علی خاں : وائلن

شام
۶ - ۴۵، ۸-۴۵
پریتا بلبیر سنگھ : گیت، غزلیں
۹ - ۳۰ کرنٹ افیئرز

پیر ۷ نومبر

دہلی 'الف'

صبح
۸ - ۱۰ اجیت سنگھ پینتل : گائن
۱۰ - ۳۵، سہ پہر ۵-۴۰
بسوجیت رائے چوہدری : سرود
۱۱ - ۰۲ کچلو بندھو : گائن
۱۱ - ۳۰ نکھل بنرجی : ستار

دوپہر
۱۲ - ۰۲ لوک بھارتی :
تیلگو لوک گیت
۱۲ - ۳۰ ناٹک

رات
۸ - ۰۰ سواستھ رکھشا
۸ - ۱۵ کنکنا بنرجی : گائن
۹ - ۰۰ ٹھمری
۹ - ۳۰ نیشنل پروگرام : ہندی تقریر
۱۰ - ۰۰ سنگیت سبھا
احمد رضا خاں : وچتروینا
دہلی 'ب'

صبح
۷ - ۳۰ سنگیت سوربھی
شوکمار شرما : سنطور
۷ - ۵۰ سنگم : سندھی گیت
۹ - ۱۰ لوک مادھوری
بھوجپوری لوک گیت

دوپہر
۳ - ۱۵، ۴-۰۲ سگم سنگیت

۳ - ۳۰ اجیت سنگھ پینتل : گائن
شام
۶ - ۴۵، ۸-۴۵
پورنیما داس : گیت، بھجن

منگل ۸ نومبر

دہلی 'الف'

صبح
۸ - ۱۰، رات ۹-۰۰
امرناتھ : بانسری
۱۰ - ۳۵، سہ پہر ۵-۴۰
وجینتی بھٹاچاریہ : گائن
۱۱ - ۰۲ مشتاق علی خاں : ستار
۱۱ - ۳۰ کشوری امونکر : گائن

دوپہر
۱۲ - ۰۲ لوک بھارتی
آسامی لوک گیت
۵ - ۰۵ گیان وگیان

رات
۸ - ۰۰ ادیوگ منڈل
۹ - ۳۰ 'جالی دار پردے' ناٹک
تحریر : جیب تنویر
۱۰ - ۰۰ منگل شب کی محفل موسیقی
لیش پال : گائن
دہلی 'ب'

صبح
۷ - ۳۰ سنگیت سوربھی
پروین سلطانہ : گائن
۷ - ۵۰ سنگم : بنگلا گیت
۹ - ۱۰ لوک مادھوری
ہماچلی لوک گیت

دوپہر
۳ - ۱۵، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۳ - ۳۰ امرناتھ : بانسری

شام
۶ - ۴۵، ۸-۴۵
برلیش بھاردواج : گیت، بھجن
اور غزلیں
۹ - ۳۰ نیشنل پروگرام : انگریزی تقریر

بدھ ۹ نومبر

دہلی 'الف'

صبح
۸ - ۱۰ منی پرساد : گائن

۱۰ - ۳۵ دبیر خاں : بین
۱۱ - ۰۲، سہ پہر ۵-۴۰
منی پرساد : گائن
۱۱ - ۳۰ پنا لال چوریسہ : وائلن

دوپہر
۱۲ - ۰۲ لوک بھارتی
کنڑھ لوک گیت
۵ - ۵۵ گڑھوالی سنگیت

رات
۸ - ۰۰ 'چوبارہ' جھلکی
تحریر : چرنجیت
۸ - ۱۵ وگیان آلوک
۹ - ۰۰ پریم ولبھ : طبلہ
۹ - ۳۰ چرچا کا وشیہ ہے
۱۰ - ۰۰ سنگیت سبھا
پارتھا داس : ستار
دہلی 'ب'

صبح
۷ - ۳۰ سنگیت سوربھی
پنا لال چوریسہ : وائلن
۷ - ۵۰ سنگم : گجراتی گیت
۱۰ - لوک مادھوری
چھتیس گڑھی لوک گیت

دوپہر
۳ - ۱۵، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۳ - ۳۰ کرناٹک سنگیت
سرسوتی شیکھر : گائن

شام
۶ - ۴۵، ۸-۴۵
ودیاناتھ سیٹھ : گیت، بھجن

جمعرات ۱۰ نومبر

دہلی 'الف'

صبح
۸ - ۱۰، ۱۱-۰۲، رات ۹-۰۰
جگن ناتھ وساتھی : شہنائی
۱۰ - ۳۵ امین الدین خاں ڈاگر : گائن
۱۱ - ۳۰ لے۔ رمیش ٹکار : ٹھمری، دادرا

دوپہر
۱۲ - ۰۲ لوک بھارتی
کونکنی لوک گیت
۵ - ۰۵ سنسکرت پاٹھ

رات
۸ - ۱۵ ہندی تقریر

معصوم تاجپوری

کہاں گئے جو زمانے میں آن رکھتے تھے
انہیں کا نام نہیں جو نشان رکھتے تھے
انہیں نصیب ہوا آج پستیوں کا سفر
جو صبح و شام خیالی اڑان رکھتے تھے
شکستہ حال انہیں وقت نے کیا کتنا
جو بات بات میں تیر و کمان رکھتے تھے
ہر ایک تکنے لگا اجنبی سمجھ کر آج
اسی گلی میں کبھی ہم مکان رکھتے تھے
ذلیل و خوار ہوئے جان کر سر محفل
یہ اور بات ہے ہم بھی زبان رکھتے تھے
زمین کھا گئی ان کو بھی ایک دن معصوم
جو شہرتوں کے کئی آسمان رکھتے تھے

(کلکتہ ۔ نثر)

۹-۳۰ نیشنل پروگرام : فیچر
۱۰-۰۰ پنڈت منی رام : گائن
۱۰-۳۰ کرناٹک سنگیت
سرسوتی سنتانم : گائن

دہلی 'ب'

صبح
۷-۳۰ سنگیت سوربھی
اے۔ رمیش کمار ، ٹھمری ، دادرا
۷-۵۰ سنگم ، مراٹھی گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
برج کے لوک گیت

دوپہر
۱-۱۵ ، ۲-۰۲ ، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۲-۳۰ سرسوتی سنتانم : گائن

شام
۶-۴۵ ، ۸-۴۵
آسا سنگھ مستانہ ، گیت ، پنجابی گیت

جمعه ۱۱ نومبر

دہلی 'الف'

صبح
۸-۳۰ ، ۱۱-۰۲ ، رات ۹-۰۰
مشتاق حسین : گائن
۱۰-۳۵ ، سہ پہر ۵-۴۰
وشنو پرستا ، شہنائی
۱۱-۳۰ اوما شنکر مشر ، ستار

دوپہر
۱۲-۰۲ لوک بھارتی
مراٹھی لوک گیت

۵-۵۵ گڑھوالی سنگیت

رات
۸-۰۰ گاندھی چرچا
۸-۱۵ اولوکن
۹-۳۰ 'کوشلیا' تیلگو ناول پر مبنی ناٹک
تحریر ، پنڈت ستیہ نارائن مورتی
ہندی ترجمہ ، پرشانت پانڈے
۱۰-۳۰ کرناٹک سنگیت
او۔ وی۔ سبرامنیم ، گائن

دہلی 'ب'

صبح
۷-۳۰ سنگیت سوربھی
نیاز احمد ، فیاض احمد ، گائن
۷-۵۰ سنگم ، تامل گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
راجستھانی لوک گیت

دوپہر
۳-۱۵ ، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۳-۳۰ کرناٹک سنگیت
او۔ وی۔ سبرامنیم ، گائن

شام
۶-۴۵ ، ۸-۴۵
منوہن پہاڑی ، گیت ، بھجن اور پنجابی گیت

ہفتہ ۱۲ نومبر

دہلی 'الف'

صبح
۸-۱۰ ، ۱۱-۰۲ ، رات ۹-۰۰
میرا بی۔ دیشپانڈے ، گائن
۱۰-۳۵ طبلہ اور پکھاوج
۱۱-۳۰ سدھیر گوتم : سنتور

دوپہر
۱۲-۰۲ لوک بھارتی
گجراتی لوک گیت
۵-۴۰ راجیش سہگل : ستار

رات
۸-۰۰ سوا سنتھر کتھا
۸-۱۵ آج کے اتہتی
۹-۳۰ نیشنل پروگرام ، موسیقی

دہلی 'ب'

صبح
۷-۳۰ سنگیت سوربھی
کمار گندھرو ، گائن
۷-۵۰ سنگم ، ملیالم گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
کشمیری لوک گیت

دوپہر
۳-۱۵ ، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۳-۳۰ بسوراج راجگرو : گائن

شام
۶-۴۵ ، ۸-۴۵
پرسار گیت

اتوار ۱۳ نومبر

دہلی 'الف'

صبح
۸-۱۰ شر شتھا سین ، ستار
۹-۰۰ بال کاریہ کرم
۱۰-۰۰ راجن مشرا ، ساجن مشرا ، گائن
۱۱-۰۲ یووا وانی سے
۱۱-۳۰ ، سہ پہر ۵-۳۵
کرناٹک سنگیت
اکھیلا کرشنن ، گائن

دوپہر
۱۲-۱۵ ' آنے والا ' جھلکی
تحریر ، سراج انور
۲-۳۰ 'کوشلیا' ، پنڈت ستیہ نارائن مورتی کے تیلگو ناول پر مبنی ناٹک
ہندی ترجمہ ، پرشانت پانڈے
۵-۲۰ سنسکرت پاٹھ

رات
۸-۰۰ رابندر سنگیت

۸-۱۵ ساہیتکی
۹-۰۰ شر شتھا سین ،
۹-۳۰ سنگیت پتریکا
۱۰-۰۰ چین
پنڈت گوپال مشرا ،

دہلی 'ب'

صبح
۷-۳۰ سنگیت سوربھی
مالنی راجورکر ،
۷-۵۰ سنگم : اڑیہ گیـ
۹-۱۵ اپنی نگری

دوپہر
۳-۱۵ ، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۳-۳۰ شر شتھا سین ،

شام
۶-۴۵ ، ۸-۴۵
محمد حیات خاں و سا
۹-۳۰ کرنٹ افیئرز

پیر ۱۴ نومبر

دہلی 'الف'

صبح
۸-۱۰ ، رات ۹-۰۰
غلام صادق خاں اور
غلام سراج خاں ،
۱۰-۳۵ رویندر سنگھ : بار
۱۱-۰۲ گریجا دیوی : گا
۱۱-۳۰ ، رات ۸-۱۵
غلام فریدی ڈیسائی

دوپہر
۱۲-۰۲ لوک بھارتی
تامل لوک
۱۲-۳۰ 'جالی دار پردے'
تحریر : جیب
۵-۴۰ سندھیا مکرجی ، گا

رات
۸-۰۰ سوا سنتھر کتھا
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : مبا
۱۰-۰۰ سنگیت سبھا

دہلی 'ب'

صبح
۷-۳۲ سنگیت سوربھی
وجے راگھوراؤ :
۷-۵۰ سنگم : سندھی گ

لوک مادھوری
اودھی لوک گیت

...۲۰-۴
سگم سنگیت
وی جی جوگ : وائلن

...۴۵-۸
اوشا سیٹھ : گیت، بھجن، غزلیں

منگل ۱۵ نومبر

دہلی ’الف‘

...، رات ۰۰-۹
روما رانی بھٹاچاریہ : گائن
۱۰ امرجیت سنگھ : وائلن
۱۱ بھیم شنکر راؤ : گائن
...۱۱، سہ پہر ۴۰-۵
ہری کرشن : ستار

...پہر
...۱۲ لوک بھارتی
اڑیہ لوک گیت
...۵ گیان وگیان
...ت
...۸ ادیوگ منڈل
...۹ منگل شب کی محفل موسیقی
محبوب خاں : سارنگی
نثار حسین : طبلہ

دہلی ’ب‘

...بح
...۷ سنگیت سوربھی
علی اکبر خاں : سرود
...۷ سنگم : بنگلہ گیت
...۹ لوک مادھوری
ہماچلی لوک گیت

دوپہر
...۲-۱۲، ۲۰-۴
سگم سنگیت
۲-۳۰ روما رانی بھٹاچاریہ : گائن
شام
...۶-۴۵، ۴۵-۸
اندرا نلنی سکھ، گیت، بھجن اور غزلیں
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : انگریزی تقریر

لکھنؤ

میڈیم ویو لکھنؤ الف : ۲۰۱/۶ میٹر ۱۴۹۰ کلو ہرٹز
شارٹ ویو لکھنؤ ’ب‘ صبح ۲-۳۵/۵-۴۵ سے ۷-۴۵ ۹۳/۶۰ میٹر ۳۲۰۵ کلو ہرٹز
صبح ۸-۰۰ سے ۹-۳۰ ۴۸/۸۲ میٹر ۶۱۷۰ کلو ہرٹز
صبح ۹-۴۵ سے شام ۵-۱۵/۵-۴۵ ۴۸/۶۱ میٹر ۲۵۰، کلو ہرٹز شام ۵-۳۰ سے رات ۱۲-۰۰ ۹۳/۶۰ میٹر ۳۲۰۵ کلو ہرٹز

خبریں

ہندی/انگریزی: صبح ۶-۰۰ (عالمی) ہندی: صبح ۸-۰۰ بجے/دوپہر ۱-۰۵ اور ۲-۱۰ بجے، شام ۶-۰۵ شب ۸-۴۵ اور ۱۱-۰۵ بجے
انگریزی: صبح ۸-۱۰ دوپہر ۱-۰۰ بجے شب ۹-۰۰ اور ۱۱-۰۰ بجے
سنسکرت: صبح ۷-۰۰ بجے، شام ۶-۱۰ بجے اردو: صبح ۸-۰۵ بجے، شب ۹-۱۵ بجے نیوزلیٹر (ہندی): صبح ۹-۰۰ بجے
ضلع کی چٹھی: صبح ۹-۰۵ بجے علاقائی: دوپہر ۲-۳۰ بجے (اردو)، صبح ۷-۲۰ بجے، شام ۷-۲۰ بجے (ہندی)

روزانہ نشر ہونیوالے پروگرام

لکھنؤ ’الف‘

صبح
۵-۵۵ وندے ماترم/منگل دھونی
۶-۰۵ کرشی چرچا اور موسم کا حال
۶-۲۰ آرادھنا
۶-۴۵ گاندھی چرچا (جمعہ)
۶-۵۰ وچار وندو (جمعہ کے علاوہ)
۶-۵۵ آج کا کاریہ کرم اور موسم کا حال
۷-۰۵ مانس گان
۷-۱۵ روزگار سے متعلق اطلاعات
۷-۳۰ آورتی
۸-۲۱ صبح، شام : لوک گیت
۸-۳۰ اردو پروگرام
۹-۱۰ اسن نگھوارے کا گیت (اتوار)
۹-۱۵ پتر کے لیے دھنیہ واد
۹-۳۰ گیتکا (دوسرے اور چوتھے اتوار)
انکر (پہلے، تیسرے اور پانچویں اتوار)
۹-۳۵ بال سنگھ (اتوار)
۱۰-۳۰ لوک رنگ (اتوار)
۱۰-۳۵ آئینہ (اتوار)
۱۱-۰۰ منجوشا (اتوار)
۱۱-۳۰ پھر سنیے (اتوار)
دوپہر
۱۲-۰۰ جیوتی پنج (اتوار)
۱۲-۰۵ گیت جنگیں یاد ہیں (اتوار)
۱۲-۱۰ ودیارتھیوں کے لیے
(اتوار اور چھٹیوں کے علاوہ)
۱۲-۳۰ کاریہ شیل مہیلاؤں کے لیے (اتوار)
من بھاون (پیر، بدھ، ہفتہ)
حسن نظر (منگل)
سنگیت سنواد (جمعرات)
بزم قوالی (جمعہ)
۱-۰۱ آج اتوار ہے : جھلکی (اتوار)
گھر آنگن (پیر، جمعرات)
گرہ لکشمی (منگل، جمعہ)
راگ رنگ (ہفتہ)
۱-۲۵ لوک گیت (اتوار)
۱-۴۰ جوانوں کے لیے
۲-۳۰ وگیان اور کسان
۲-۳۵ آج اور کل کا کاریہ کرم اور موسم کا حال
شام
۴-۳۰ سنسکرت پروگرام (اتوار)
سنسکرت شکشا (پیر، بدھ)
تامل شکشا (جمعرات، جمعہ)
رویندر سنگیت (ہفتہ)
۴-۴۵ لوکائتن
(اتوار، پیر، منگل، جمعرات، ہفتہ)
آؤ بچو! (بدھ)
بال گوپال (جمعہ)
۵-۱۵ یووادانی
۶-۰۰ اطلاعات
۶-۱۵ مزدور منڈل
۶-۴۵ آج اور کل کے کاریہ کرم اور موسم کا حال
۶-۵۰ کسانوں کے لیے
۷-۳۰ بات ایک فلم کی
(ایک ہی فلم کے گیت)، جمعہ
یووانس (پیر)
کلا جگت (منگل)
پتر کے لیے دھنیہ واد (بدھ)
وگیان جگت (جمعرات)
کھیل جگت (ہفتہ)
جن جیون (اتوار)
رات
۷-۵۰ بجاؤ ناکے سور (بدھ)
۸-۰۰ انبھوتی (اتوار)
دیس ودیش (پیر)
وارتا کرم (منگل)
سامایک پرسنگ (بدھ)
سوتنتروار تائیں (جمعرات)
کرمشیہ/سنسکرت پروگرام (جمعہ)
اس نگھوارے کی کہانی (ہفتہ)
۸-۱۵ سگم سنگیت
۸-۳۰ پرادیشک سماچار درشن (اتوار)
۹-۴۵ بھارت بھارتی (منگل)
۹-۵۰ پریوار کلیان پرشنوتری (بدھ)
۱۰-۰۰ سنگیت رس (اتوار)
۱۱-۱۰ موسم کا حال اور اختتام

لکھنؤ ’ب‘

صبح
۵-۵۵ لکھنؤ الف کے مطابق
۷-۴۵ اختتام
۸-۰۰ لکھنؤ الف کے مطابق
۹-۳۰ اختتام (اتوار کے علاوہ)
دوپہر
۱۲-۰۰ لکھنؤ الف کے مطابق
۲-۳۵ اختتام
شام
۴-۳۰ لکھنؤ الف کے مطابق
۵-۴۵ اترائن پروگرام
(لکھنؤ اور نجیب آباد)
۶-۴۵ لکھنؤ الف کے مطابق
۱۱-۱۰ اختتام

۱۰-۰۰ منگل شب کی محفل موسیقی

منگل یکم نومبر

صبح
۷-۴۵، دوپہر ۱۲-۰۰، رات ۸-۱۵
سگم سنگیت
۸-۳۰ اردو پروگرام : میگزین
۹-۱۰ پروین سلطانہ : خیال
رات
۹-۴۵ بھارت بھارتی

بدھ ۲ نومبر

صبح
۷-۴۵، دوپہر ۱۲-۰۰
سگم سنگیت
۸-۰۰ اردو پروگرام
۹-۱۰، رات ۱۰-۳۰
گنیش پرساد مشر : خیال نٹ بھیرو

رات
۹-۵۰ پریوار کلیان پرشنوتری
۱۰-۰۰ ’میری موت سے پہلے‘ فیچر
تحریر : ڈاکٹر کرشن موہن سکسینہ
پیشکش : کے کے نیتر

جمعرات ۳ نومبر

صبح
۸-۳۰ اردو پروگرام
خط کیلئے شکریہ
رنگ تغزل
۹-۱۰، دوپہر ۱۲-۱۰، رات ۱۰-۳۰
بھگوان داس مشر : سارنگی وادن
رات
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : علاقائی موسیقی

جمعہ ۴ نومبر

صبح
۸-۳۰ اردو پروگرام : میگزین
۹-۱۰، رات ۱۰-۳۰
سیتا سرن سنگھ : خیال
رات
۸-۰۰ سنسکرت پروگرام
۹-۳۰ ’تمسو ما جیوترگمے‘، ناٹک
تحریر : وشنو کمار ترپاٹھی راکیش
۱۰-۰۰ درپن

ہفتہ ۵ نومبر

صبح
۸-۳۰ اردو پروگرام
خواتین کیلئے
۹-۱۰ منے خاں : طبلہ
دوپہر
۱-۱۰ رادھیکا موہن موئترا : سرود
۴-۳۰ رویندر سنگیت
رات
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : موسیقی

اتوار ۶ نومبر

صبح
۷-۴۵ سگم سنگیت
۸-۳۰ اردو پروگرام
۹-۳۰ انکور
دوپہر
۱-۱۰ آج اتوار ہے

'پرموشن' جھلکی
تحریر: شکنتلا سریواستو
۴-۳۰ سنسکرت پروگرام
رات
۱۰-۰۰ سنگیت رس

پیر ۷ نومبر

صبح
۸-۳۰ اردو پروگرام
۹-۱۰، رات ۱۰-۳۰
ولاکول: خیال
دوپہر
۱۲-۱۰ ودیارتھیوں کیلئے
'ودیوت جیون کا ابھن انگ — ودیوت دھارا' بات چیت
رات
۹-۴۵ سسر کنادھر چودھری: وائلن

منگل ۸ نومبر

صبح
۸-۱۰ اردو پروگرام: میگزین
۹-۱۰ سراج الدین خاں: ستار
دوپہر
۱۲-۱۰ ودیارتھیوں کیلئے
'پردیش پرشاسن تنتر — ودھان منڈل' تقریر
رات
۹-۴۵ بھارت بھارتی
۱۰-۰۰ منگل شب کی محفل موسیقی

بدھ ۹ نومبر

صبح
۸-۳۰ اردو پروگرام
۹-۱۰، دوپہر ۱-۱۰
رام شنکر داس پاگل داس: پکھاوج
رات
۹-۵۰ پریوار کلیان پرشنوتری
۱۰-۳۰ لکشمی شنکر: خیال

جمعرات ۱۰ نومبر

صبح
۸-۳۰ اردو پروگرام
خط کیلئے شکریہ — رنگِ تغزل
۹-۱۰، رات ۱۰-۳۰
گنگادھر راؤ تلنگ، خیال

دوپہر
۱۲-۱۰ ودیارتھیوں کیلئے
'کیا، کیوں، کب اور کیسے؟' پرشنوتری
رات
۱۰-۰۰ منی لال ناگ: ستار

جمعہ ۱۱ نومبر

صبح
۸-۳۰ اردو پروگرام: میگزین
۹-۱۰، رات ۱۰-۳۰
افضال حسین خاں نظامی: خیال
رات
۸-۰۰ سنسکرت پروگرام
۹-۳۰ ڈرامہ
۱۰-۰۰ قوالیاں

ہفتہ ۱۲ نومبر

صبح
۸-۳۰ اردو پروگرام
۹-۱۰ ہری پرساد چورسیہ: بانسری
دوپہر
۱۲-۳۰ ودیارتھیوں کیلئے
'بھارت ماں کے سپتر تمہارے نام' (۱)
۱-۱۰ بھیم سین جوشی، گائن
۴-۳۰ رویندر سنگیت
رات
۸-۰۰ پاترا کتھا
۹-۳۰ نیشنل پروگرام: موسیقی

اتوار ۱۳ نومبر

صبح
۸-۳۰ اردو پروگرام
بچوں کیلئے
۹-۱۵ پستر کیلئے دھنیہ واد
دوپہر
۱-۱۰ آج اتوار ہے
۲-۳۰ سنسکرت پروگرام
رات
۸-۱۵ سگم سنگیت
۱۰-۰۰ سنگیت رس

پیر ۱۴ نومبر

صبح
۸-۳۰ اردو پروگرام
'وہ امن کا پیامی' فیچر
تحریر: مہدی نظمی
پیشکش: شفاعت علی
۹-۱۰، رات ۱۰-۳۰
سریندر شنکر اوستھی: خیال
رات
۸-۰۰ دیش ودیش
۱۰-۰۰ ضلع کوی گوشٹھی

منگل ۱۵ نومبر

صبح
۷-۴۵ سگم سنگیت
۸-۳۰ اردو پروگرام
۹-۱۰ اکبر حسین خاں: طبلہ
رات
۸-۱۵ سگم سنگیت
۹-۴۵ بھارت بھارتی
۱۰-۰۰ منگل شب کی محفل مو...

رامپور

۶۶۰۰۳۳ میٹر (۸۹۱ کلو ہرٹز)

خبریں

ہندی/انگریزی: صبح ۶-۰۰ (علاقائی) ہندی: ۸-۰۰ دوپہر ۵-۱۰ اور ۱۰-۲ شام ۶-۰۵
رات ۸-۴۵ انگریزی: صبح ۸-۱۰ دوپہر ۲-۰۰ رات ۹-۰۰
اردو: صبح ۸-۵۰ اور رات ۹-۱۵ سماچار پتر ہندی: صبح ۹-۰۰
ضلع کی چٹھی: صبح ۹-۰۵ پرادیشک سماچار: شام ۷-۲۰

روزانہ نشر ہونیوالے پروگ...

پہلی مجلس
صبح
۵-۵۵ وندے ماترم: ارچنا / دھن گوشٹا
منگل دھونی
۶-۳۵ آج کا چنتن (علاوہ جمعہ)
جمعہ: گاندھی چرچا
۶-۴۰ سنو کسانوں
۶-۵۵ پروگراموں کا خلاصہ
۷-۱۵ روزگار سماچار
۷-۳۰ شاستریہ سنگیت (علاوہ جمعہ/اتوار)
جمعہ: کاویہ سور بھ/ واتائن
اتوار: آج اتوار ہے
۷-۴۵ سنسکرت پروگرام (ہر جمعرات کو)
درپن (ہر جمعہ کو)
سگم سنگیت
(ہر پیر، منگل، بدھ اور ہفتہ کو)
۸-۲۰ لوک گیت
۸-۳۰ اردو پروگرام (ہر جمعہ کو)
۹-۱۰ تا ۱۰-۰۰
بال جگت (ہر اتوار کو)

دوسری مجلس
دوپہر
۱۲-۳۰ آپ کے لیے (ہر اتوار کو)
فلمی قوالی (ہر پیر کو)
آپ کی پسند
(ہر منگل اور جمعرات کو)
سورسنگم (ہر بدھ کو)
دھنک (ہر جمعہ کو)
ترنگ (ہر ہفتہ کو)
۱۲-۴۵ آپ کی چٹھی ملی (ہر اتوار کو)
۱-۰۰ پروگراموں کا خلاصہ
۱-۱۰ پریوار جگت (ہر اتوار کو)
مہیلا جگت (ہر پیر کو)
دھرتی گاتی ہے
(پہلے تیسرے اور پانچویں منگل کو)
پنچان راگ
(دوسرے اور چوتھے منگل کو)
گرامین مہیلاؤں کے لیے
(ہر بدھ کو)
گیتکا (ہر جمعرات کو)
نعت اور قوالی (ہر جمعہ کو)
سواستھ سندیش (ہر ہفتہ کو)
۱-۳۰ جوانوں کے لیے (ہر ہفتہ کو)
۲-۲۰ چترپٹ سنگیت (ایک ہی کلاکار)
۲-۳۵ آس پاس (ہر اتوار)

تیسری مجلس
شام
۶-۰۰ پروگراموں کا خلاصہ
۶-۱۰ علاقائی سوچنائیں
۶-۳۰ یووا وانی

۷-۰۰ کرشی جگت
۷-۳۵ پریوار کلیان پرشنوتری
اردو پروگرام
انگریزی تقریر
آپ نے لکھا ہے
(دوسرے اور...
آپ کی چٹھی ملی
ہندی تقریر
۸-۰۰ سگم سنگیت
اتوار: ...
منگل: ...
۸-۱۵ پرادیشک سماچار
(ہر اتوار کو)
شاستریہ سنگیت
۸-۲۰ ...
۸-۳۰ ساز اور آواز
۹-۳۰ ...
۹-۴۵ آپ کی پسند
۱۰-۰۰ وچار دھارا
محفل (پانچویں...

... میں اشتہار ...
دیکر اپنی تجارت ...
کو فروغ دیجئے ...

شملہ

۳۸۷٫۶ میٹر ۷۷۴ کلوہرٹز
صبح ۴۵-۴/ ۴۵-۵ سے ۳۰-۷ اور شام ۰۰-۶/۳۰-۶ سے رات ۰۰-۱۲
میٹر ۳۲۲۳ کلوہرٹز
صبح ۴۵-۷ سے ۳۰-۹ اور ۴۵-۹ سے شام ۴۵-۴/۴۵-۵ اور
شام ۰۰-۵ سے ۱۵-۶ تک ۴۹٫۸۳ میٹر ۶۰۲۰ کلوہرٹز

خبریں

: صبح ۰۰-۸ دوپہر ۰۵-۱-۱۰-۲ شام ۰۵-۶ اور رات ۴۵-۸
ی: صبح ۱۰-۸ دوپہر ۰۰-۱-۰۰-۲ اور رات ۰۰-۹
ت: صبح ۰۰-۷ اردو: صبح ۵۰-۸

انہ نشر ہونیوالے پروگرام

وندے ماترم، منگل دھونی
گیان، اندو ادرندنا
کھیتی باڑی
پروگراموں کا خلاصہ
کلاسیکی موسیقی
سامائیکی
پہاڑی سنگیت
راجیہ کی چٹھی، موسم کا حال
اختتام

اسکول براڈکاسٹ
اختتام
فوجی بھائیوں کے لیے پروگرام
سنہری کرنیں
سب رنگ ۰۰-۳ اختتام

ہماچل پروگرام: لاہول سپتی)
(اتوار، منگل، جمعہ)

کنری پروگرام (پیر، جمعرات)
چمبا یانگی پروگرام (بدھ، ہفتہ)
۵-۳۰ کلوی پروگرام (اتوار، بدھ)
مہاسوی پروگرام (پیر، جمعہ)
سرموری پروگرام (منگل ہفتہ)
چتو منو (جمعرات)
۶-۰۰ ضلع کی چٹھی، پہاڑی دھن
۶-۱۵ گانگڑی پروگرام (اتوار، جمعرات)
منڈیالی پروگرام (پیر، جمعہ)
بلاسپوری پروگرام (منگل، ہفتہ)
خواتین کے لیے (بدھ)
۶-۱۰ مقامی اعلانات اور پروگراموں کا خلاصہ
۶-۴۵ علاقائی خبریں
۷-۰۵ کرشی جگت/ دیہاتی ریڈیو گوشٹھی
۷-۳۵ گرامین یووان کے لیے
۸-۰۰ دھارا رے گیت
۱۰-۳۰ اختتام (ہفتہ، منگل کو ۰۵-۱۱ بجے)

منگل یکم نومبر

ونیش پرم : وچتر وینا
سمے کی بات
سگم سنگیت
راگ چھایا

اندر نرائن : سگم سنگیت

۸-۲۵ سب رس
۹-۱۶ تعلیم اور قومی ترقی
۹-۳۰ نیشنل پروگرام، انگریزی تقریر
۹-۴۵ کرشنا نعیم سین : سگم سنگیت
۱۰-۰۰ منگل شب کی محفل موسیقی

بدھ ۲ر نومبر

صبح
۷-۱۰ کرناٹک سنگیت

۸-۲۱ سندھیا مکرجی : ٹھمری
۸-۳۵ امر بھارتی
۹-۰۵ ایک فلم کے گیت

رات
۸-۱۵ سماچار درشن
۸-۲۵ ترلوک کپور سگم سنگیت
۸-۳۵ وادیہ ورند
۹-۱۶ گھر آنگن
۹-۳۰ چرچا کا وشیہ ہے
۱۰-۰۰ آپ کے انورودھ پر

جمعرات ۳ر نومبر

صبح
۷-۱۰ تیج پال سنگھ : گائن
۷-۳۰ اس ماس کا گیت
۸-۲۱ سلیم اقبال : پنجابی گیت
۸-۳۵ ریڈیو ڈاکٹر
۹-۰۰ ایک کلاکار

رات
۸-۱۵ شانتی ہیرانند : غزلیں
۸-۲۵ بھگتی سنگیت
۹-۱۶ آپ کا بستر پلا
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : علاقائی موسیقی

جمعہ ۴ر نومبر

صبح
۷-۱۰ پرارتھنا سبھا
۷-۲۵ ریڈیو شروتا کلبوں سے
۷-۳۰ ترنگ، کلام شاعر
۷-۵۵ سمے کی بات
۸-۲۱ رات ۲۵-۸ ،
سگم سنگیت
۹-۰۵ محفل

رات
۸-۳۵ وادیہ ورند
۹-۱۶ من منتھن
۹-۳۰ ہندی ڈرامہ
۱۰-۰۰ من بھاون

ہفتہ ۵ر نومبر

صبح
۷-۱۰ گائن
۷-۳۰ پرکاش کرنیں
۸-۲۱ مراٹھی لوک گیت
۹-۰۰ رس دھارا

رات
۸-۱۵ سیما شرما، سگم سنگیت
۸-۲۵ فلمی سنگیت
۹-۱۵ ہیم درشن
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : موسیقی

اتوار ۶ر نومبر

صبح
۷-۱۰ یش پال : گائن
۷-۳۰ بھارت بھارتی
۸-۲۱ آپ کی چٹھی آپ کی فرمائش
۹-۱۵ ان دنوں
۹-۳۰ مانس گان
۹-۴۵ دگیان اور جیون
۱۰-۰۰ یووا وانی

دوپہر
۱۲-۳۰ بال گوپال
۲-۰۰ ونیتا منڈل

رات
۸-۲۵ سگم سنگیت
۸-۳۵ شہنائی وادن
۱۵- من منتھن
۹-۳۰ گیت پہاڑ ہمارے

پیر ۷ر نومبر

صبح
۷-۱۰ دیال سنگھ رانا : بانسری
۷-۴۰ جیون جیوتی
۸-۲۱ شبد
۸-۳۵ ساہتیہ ویلا
۹-۰۵ پرانی فلموں سے

رات
۸-۱۵ نیوزریل اسپورٹس
۸-۳۰ دیش گان
۹-۱۶ جگیاسا
۹-۴۵ نرملا ارون : سگم سنگیت

منگل ۸ر نومبر

صبح
۸-۱۰ پروین سلطانہ : گائن
۷-۴۰ سنگیت
۷-۵۵ سمے کی بات
۸-۲۱ سگم سنگیت
۸-۳۵ کھیل سمیکشا
۹-۰۵ راگ چھایا

رات

۸-۱۵ کاجل بنرجی ؛ سگم سنگیت

۸-۲۵ سبا رس

۹-۱۶ وگیان جگت

۹-۳۰ نیشنل پروگرام ؛ انگریزی تقریر

۹-۴۵ سگم سنگیت

۱۰-۰۰ منگل شب کی محفل موسیقی

بدھ ۹ر نومبر

صبح

۷-۱۰ کرناٹک سنگیت

۷-۴۰ جیون جیوتی

۸-۲۱ رسولن بائی ؛ ٹھمری، دادرا

۸-۳۵ امر بھارتی

۹-۰۵ ایک فلم کے گیت

رات

۸-۲۵ مدن لال گوسوامی ؛ سگم سنگیت

۸-۳۵ وادیہ ورند

۹-۱۶ گھر آنگن

۹-۳۰ چرچا کا وشیہ ہے

۱۰-۰۰ آپ کے انورودھ پر

جمعرات ۱۰ر نومبر

صبح

۷-۱۰ ساز سنگیت

۷-۴۰ اس ماس کا گیت

۸-۲۱ لال چند یملا جٹ ؛ پنجابی گیت

۸-۳۵ ریڈیو ڈاکٹر

۹-۰۵ ایک کلاکار

رات

۸-۱۵ مدھو بالا چاولہ ؛ غزلیں

۸-۲۵ دیش گان

۸-۳۰ بھگتی سنگیت

۹-۱۶ آپ کا پتر ملا

۹-۳۰ نیشنل پروگرام ؛ ناٹک

جمعہ ۱۱ر نومبر

صبح

۷-۱۰ پرارتھنا سبھا

۷-۲۵ ریڈیو شروتا کابوں سے

۷-۳۰ ترنگ ؛ کلام شاعر

۷-۵۵ سمے کی بات

۸-۲۱، ۸-۰۰، رات ۸-۲۵

سگم سنگیت

۸-۳۵ پوربی مکرجی ؛ گائن

۹-۰۵ محفل

رات

۸-۳۵ وادیہ ورند

[illegible] من منتھن

۹-۳۰ ہندی ناٹک

۱۰-۰۰ من بھاون

ہفتہ ۱۲ر نومبر

صبح

۷-۱۰ سرود وادن

۷-۴۰ پرکاش کرنیں

۸-۲۱ علاقائی موسیقی

۸-۳۰ انگریزی سبق

۹-۰۵ رس دھارا

رات

۸-۱۵ شانتی ماتھر ؛ سگم سنگیت

۸-۲۵ فلمی سنگیت

۹-۱۶ ہیم درشن

۹-۳۰ نیشنل پروگرام ؛ موسیقی

اتوار ۱۳ر نومبر

صبح

۷-۱۰ مانک ورما ؛ گائن

۷-۴۰ بھارت بھارتی

۸-۲۱ آپ کی چٹھی آپ کی فرمائش

۹-۱۵ ان دنوں

۹-۳۰ مانس گان

۹-۴۵ وگیان اور جیون

۱۰-۰۰ یووا وانی

۱۱-۰۰ ڈرامہ

۱۱-۳۰ رنگا رنگ

۱۲-۳۰ بال گوپال

۳-۰۰ ونیتا منڈل

رات

۸-۲۵ ساز سنگیت

۹-۱۶ میرے پستک سنگرہ سے

۹-۳۰ گیت پہاڑہ رے

پیر ۱۴ر نومبر

صبح

۷-۱۰ شہنائی وادن

۷-۴۰ جیون جیوتی

۸-۲۱ ٹھمری دادرا

۸-۳۵ ادبی پروگرام

(آگے ص ۴۸ پر)

جالندھر چنڈی گڑ

جالندھر "الف" ۳۴۳٫۶ میٹر ۸۷۳ کلوہرٹز جالندھر "ب" ۳۲۷٫۳ میٹر ۳۰۰...

چنڈی گڑھ ۲۰۹٫۶ میٹر ۱۴۳۰ کلوہرٹز

خبریں

ہندی : صبح ۸-۰۰، دوپہر ۱-۰۵، ۲-۱۰، ۲-۴۵ (دھیمی رفتار سے

شام ۶-۰۵، ۶-۲۰ (پرادیشک سماچار) رات ۸-۴۵، ۱۱-۰۵

پنجابی : صبح ۸-۳۰ دوپہر ۱-۴۰ شام ۶-۱۰ (پرادیشک سماچار) شا

انگریزی : صبح ۸-۱۰ دوپہر ۱-۰۰، رات ۹-۰۰ اور ۱۱-۰۰

اردو : صبح ۸-۵۰ دوپہر ۱-۵۰ رات ۹-۱۵ (خبریں) ۹-۲۵ ت

روزگار سماچار : شام ۷-۴۰

روزانہ نشر ہونیوالے پروگ

جالندھر "الف"

صبح

۵-۵۵ وندے ماترم اور منگل دھونی

۶-۰۵ بھگتی سنگیت

۶-۳۵ موسم کا حال اور کھیتی باڑی پروگرام

۶-۴۰ پریچے : پروگراموں کا خلاصہ

۶-۴۵ آسا دی وار (اتوار)

۷-۰۵ امرت بودھ

۷-۳۰ رام چرت مانس (اتوار)

۹-۰۵ سامائیکی

دوپہر

۱-۰۵ فوجیوں کے لیے

۲-۰۰ موسم کا حال : انت کھیتی

۲-۳۰ سگم سنگیت

(ساڈے آس پاس، ہفتہ)

شام

۵-۳۰ گوربانی وچار

۶-۰۰ مقامی اعلانات او

پروگراموں کا

۶-۱۰ پرادیشک سماچ

۶-۲۰ پرادیشک سماچ

۶-۳۰ دیہاتی پروگرام

۷-۴۰ روزگار سماچار

۹-۲۵ اردو میں تبص

جالندھر "ب"

شام

۶-۰۰ یووانی پروگرا

۶-۴۵ یونیورسٹی پر

۷-۰۰ پنجابی میں رنگا

۸-۰۰ اختتام

منگل یکم نومبر

صبح

۶-۴۵ شبد

۹-۰۵ ورندگان

۹-۱۰ وی این پٹوردھن ، ترانہ

دوپہر

۱۲-۰۰ نالے گلاں نالے گیت

۱۲-۳۰ دیہی عورتوں کیلئے

۲-۳۰ ارجن سنگھ لکھمن پوری و ساتھی ؛

شام

۵-۱۵ ارجن دلوامر ؛

۱۰-۳۰ پردیپ مرگانی ؛

بدھ ۲ر نو

صبح

۷-۳۰ بھائی دیویندر سنگھ

...بت

۱۲-۰۲...

...تنوری لال : وائلن

...۷

...پندر سنگھ راگی و ساتھی : شبد

...سنگھ گمان پوری و ساتھی :

لوک گیت

...منے بچوں کیلئے

...نشی فلمی گیت

...ل سنگھ اور سریندر سنگھ :

خیال اور ترانہ

...رات ۳ نومبر

...ن

...ن سدھو : لوک گیت

۷-۵۰...

...نور خاں : نعتیں اور کافیاں

...ہر ۰۲-۱۲

...رتن لال دیپک : خیال

...م دی کاما شاستری : سازینہ

...عورتوں کیلئے

...ریک سنگھ ہرگوبند پوری : لوک گیت

...ری پرساد رنگیلا : لوک گیت

...بلدیو سنگھ شوقی : الغوزہ سنگت

...نل پروگرام : علاقائی موسیقی

...چھتیس گڑھ اور بستر کی موسیقی

...برج نارائن : سرود

جمعہ ۴ نومبر

...بھجن

...دوپہر ۰۲-۱۲، رات ۳۰-۱۰

علی حسین و ساتھی : شہنائی

پریوار کلیان پروگرام

امریک سنگھ غازی ننگل : لوک گیت

...۳۰-۱۰

گردھاری لال و ساتھی : بھینٹاں

ہندی ناٹک

۱۰-۱۵ ہنس راج و ساتھی : بھینٹاں

ہفتہ ۵ نومبر

صبح

۶-۴۵ شبد

۷-۳۰، شام ۷-۴۵

بھائی سادھو سنگھ و ساتھی : شبد

۷-۴۵ اجیت کور : لوک گیت

۸-۲۰، دوپہر ۱۲-۰۵

سرون لال : بھجن

۹-۰۵ 'پریم پیا' استاد فیاض خاں کی زندگی اور ان کے فن پر مبنی فیچر

پیشکش : بلبیر سنگھ کلسی

دوپہر

۱۲-۰۲ لکشمن سنگھ : طبلہ

۵-۱۵ کلدیپ مانک : لوک گیت

رات

۸-۱۰ پنجابی گیت

۹-۲۰ نیشنل پروگرام : موسیقی

اتوار ۶ نومبر

صبح

۶-۴۵ آسا دی وار

۷-۴۵ پرتی بمب

۹-۱۵ بچوں کیلئے

۱۰-۰۰ ہفت روزہ زرعی پروگرام

۱۰-۳۰ فرمائشی فلمی گیت

دوپہر

۱۲-۳۰ عورتوں کیلئے

۲-۳۰ منموہن کور : لوک گیت

۵-۱۵ کرتار سنگھ چانن ڈھاڈی و ساتھی : واراں

شام

۷-۴۵ پنجابی میں جھلکی

۱۰-۰۰ شبد گائن

۱۰-۳۰ گنیش رامچندر بہیر لوا : خیال اور ترانہ

پیر ۷ نومبر

صبح

۶-۴۵ بھجن

۷-۴۵ پنجابی میں جھلکی

۸-۲۰، رات ۱۰-۳۰

اندرانی مکرجی : ستار

دوپہر

۱۲-۰۲ فرمائشی پنجابی گیت

۲-۳۰ سادھو سنگھ ہنیکی و ساتھی : لوک گیت

۵-۰۵ دیہی بچوں کیلئے

رات

۹-۳۰ 'سہوترے رنگ' پنجابی ناٹک

تحریر : بی۔ ایس۔ بھلر

۱۰-۴۵ ریتا گنگولی : ٹھمری، دادرا

منگل ۸ نومبر

صبح

۶-۴۵ شبد

۸-۲۰، سہ پہر ۵-۰۵

پنجابی گیت

۹-۱۰ شوکمار شرما : سنتور

دوپہر

۱۲-۰۲ نالے گلاں نالے گیت

۱۲-۳۰ چمن لال گوردا سپوری اور ساتھی : لوک گیت

۵-۱۵ جسبیر سنگھ کملا : لوک گیت

رات

۸-۰۰ اردو تقریر

۹-۲۰ پنجابی میں مباحثہ

۱۰-۳۰ دینش پال : گائن

بدھ ۹ نومبر

صبح

۶-۴۵ بھجن

۷-۳۰، دوپہر ۱۲-۱۵

بھائی کرم سنگھ راگی و ساتھی : شبد

۸-۲۰، شام ۷-۴۵

پنجابی گیت

۹-۰۵، رات ۱۰-۳۰

بہاری لال : کلارنٹ

تلک راج : طبلہ سنگت

دوپہر

۱۲-۰۲ لکشمی شنکر : ٹھمری اور بھجن

۲-۳۰ منوہر سنگھ منوہر : لوک گیت

۵-۰۵ ننھے منوں کیلئے

رات

۹-۳۰ فرمائشی فلمی گیت

جمعرات ۱۰ نومبر

صبح

۶-۴۵ بھجن

۷-۳۰، سہ پہر ۵-۰۵

پنجابی گیت

۷-۴۵ پریم پاٹھک : لوک گیت

۸-۲۰، شام ۷-۵۰

سوامی موہن داس : بھجن

۹-۰۵، دوپہر ۱۲-۰۲

بلبیر سنگھ کلسی : خیال

دوپہر

۱۲-۳۰ عورتوں کیلئے

۲-۳۰ چرن سنگھ گنگن پوری : لوک گیت

۵-۱۵ کشمیر سنگھ شمبھو : لوک گیت

رات

۹-۳۰ نیشنل پروگرام : ناٹک

۱۰-۱۵ جاگیر سنگھ طالب : لوک گیت

۱۰-۳۰ امرناتھ : خیال

جمعہ ۱۱ نومبر

صبح

۶-۴۵ بھجن

۷-۳۰ محمد تقی قوال اور ساتھی : قوالی

۸-۲۰، سہ پہر ۵-۰۵

پنجابی گیت

۹-۰۵، دوپہر ۱۲-۰۲، رات ۱۰-۳۰

بدھ دتیہ مکرجی :

دوپہر

۱۲-۴۵ پریوار کلیان پروگرام

۲-۳۰ پرومیلا پمی : لوک گیت

۵-۱۵ سعیدہ بانو : لوک گیت

رات

۹-۳۰ 'ستیہ ہریش چندر' ناٹک

تحریر : ڈاکٹر گوبند چاتک

۱۰-۱۵ جسبیر سنگھ خوشدل : لوک گیت

ہفتہ ۱۲ نومبر

صبح

۶-۴۵ شبد

۷-۳۰ بھجن

۷-۴۵ سورن باوا : لوک گیت

۸-۲۰، سہ پہر ۵-۰۵

پنجابی گیت

۹-۰۵، دوپہر ۱۲-۰۲

پریم ناتھ ترکھا : خیال

۹-۲۰ برہم سروپ سنگھ : وچتر وینا

دوپہر

۱۲-۳۰ سوندر سنگھ پردیسی : لوک گیت

شام

۵-۱۵ اکبر علی خاں جیداں : لوک گیت

۴۵-۷ چرنجیت کور : گیت اور غزل

اتوار ۱۳ رنومبر

صبح

۴۵-۶ آسادی وار
۲۰-۸ مسیحی بھجن
۱۵-۹ بچوں کیلئے

دوپہر

۳۰-۱۲ عورتوں کیلئے
۳۰-۲ سرب جیت : لوک گیت
۱۵-۵ سوہن سنگھ سیتل ڈھاڈی اور ساتھی ،
واراں مہاراجہ رنجیت سنگھ

رات

۰۰-۱۰ شبد گائن
۳۰-۱۰ مشتاق حسین خاں ، گائن

پیر ۱۴ رنومبر

صبح

۴۵-۶ بھجن
۲۰-۸ رنجیت کور : لوک گیت
۰۵-۹ ، رات ۳۰-۱۰
ایل کے پنڈت : گائن

دوپہر

۳۰-۲ غزلیں
۳۰-۲ کرشن لال پریمی جٹ و ساتھی ، لوک گیت
۰۵-۵ دیہی عورتوں کیلئے

رات

۳۰-۹ 'ہیرے مسکرائے' پنجابی ناٹک
تحریر : پریم جوشی
۱۵-۱۰ محمد صدیق : لوک گیت

منگل ۱۵ رنومبر

صبح

۰۵-۶ شبد
۲۰-۸ سگم سنگیت
۰۵-۹ ورندگان
۱۰-۹ ہری پرساد چورسیا : بانسری

دوپہر

۳۰-۲ رنگا سنگھ مان ، لوک گیت
۱۵-۵ رمیش رنگیلا و ساتھی ، لوک گیت

رات

۰۰-۸ اردو تقریر
۳۰-۹ وگیان جگت
۳۰-۱۰ محمود خاں ، سارنگی
نثار حسین ، طبلہ

روھتک

میڈیم ویو ۲۰۲ / ۳۶۲ میٹر ۱۱۴۳ کلو ہرٹز

خبریں

ہندی میں خبریں : صبح ۰۰-۸ دوپہر ۰۵-۱ شام ۰۵-۶ رات ۴۵-۸
انگریزی میں خبریں : صبح ۱۰-۸ دوپہر ۰۰-۱ شام ۰۰-۶ رات ۰۰-۹

روزانہ نشر ہونیوالے پروگرام

صبح

۲۰-۶ اور ۰۵-۷ شام
بھگتی سنگیت
۵۵-۶ کھیتی باڑی
۰۵-۷ پروگراموں کا خلاصہ
۴۵-۷ ڈسٹرکٹ نیوز لیٹر
۲۱-۸ لوک سنگیت
(اتوار کو بچوں کیلئے)
۴۰-۸ سب رس

دوپہر

۱۰-۱ فلمی سنگیت
۴۰-۱ اسکول براڈ کاسٹ
(سوائے ہفتہ، اتوار اور تعطیلات)
۲۰-۲ لوک سنگیت

شام

۳۰-۵ یووا سنسار
۱۰-۶ علاقائی لوک سنگیت
(بدھ کو ننھے منے)
۳۰-۶ کرشی جگت
۰۰-۷ گرامین سنسار
۳۰-۷ روزگار سماچار
۱۶-۹ ایک فلم سے

منگل یکم نومبر

صبح

۱۰-۷ ، شام ۴۵-۷
سورج پرکاش گرودر : سگم سنگیت
۲۵-۷ کورکشیتر ضلع کی چٹھی
۳۰-۷ استاد امیر خاں : کلاسیکی موسیقی
۲۱-۸ لوک سنگیت

دوپہر

۳۰-۱۲ لائبریری سے انتخاب
۰۰-۱ ورندگان
۲۰-۲ اندر کور اور نفع سنگھ و ساتھی ،
لوک سنگیت

شام

۳۰-۵ یووا سنسار
میری پسند
۱۰-۶ مدھیہ پردیش کے گیت
۳۰-۶ کرشی جگت
۰۰-۷ گرامین سنسار
۰۰-۸ ہندی کویتا پاٹھ
۳۰-۸ سور مجری
۱۶-۹ ایک فلم سے 'شاردا'
۰۰-۱۰ پرانی فلموں سے

بدھ ۲ رنومبر

صبح

۱۰-۷ ، شام ۴۵-۷
بابورام : سگم سنگیت
۲۵-۷ مہندر گڑھ ضلع کی چٹھی
۳۰-۷ ، رات ۰۰-۱۰
مہیش باجپائی : کلاسیکی موسیقی
۲۱-۸ لوک سنگیت

دوپہر

۳۰-۱۲ دھرتی کے گیت
۰۰-۱ کتر نیں
۴۰-۱ طلبا کیلئے
۲۰-۲ راجندر رگمار او بجے سنگھ و ساتھی ،
لوک سنگیت

شام

۳۰-۵ یووا سنسار
۱۰-۶ ننھے منے ; گیت
۳۰-۶ کرشی جگت
۰۰-۷ گرامین سنسار
۰۰-۸ ہندی تقریر
۳۰-۸ سور مجری
۱۶-۹ ایک فلم سے '
۳۰-۹ چرچا کا وشیہ ہے

جمعرات ۳ ر

صبح

۱۰-۷ ، شام ۴۵-۷
احمد حسین ، س
۲۵-۷ سونی پت ضلع ک
۳۰-۷ چلتے چلتے
۲۱-۸ لوک سنگیت

دوپہر

۳۰-۱۲ ساز اور آواز
۰۰-۱ ورندگان
۳۰-۱ طلبا کیلئے
۲۰-۲ لکشمن سنگھ اور م

شام

۳۰-۵ یووا سنسار
۱۰-۶ راگنی سانگوں سے
۳۰-۶ کرشی جگت
۰۰-۷ گرامین سنسار
بالک
۰۰-۸ گھر آنگن
۳۰-۸ سور مجری
۱۶-۹ آپ کا خط ملا

جمعہ ۴ رنو

صبح

۱۰-۷ ، شام ۴۵-۷
سیما شرما ، سگم
۲۵-۷ سرسہ ضلع کی چٹھی
۳۰-۷ ، رات ۰۰-۱۰
استاد مشتاق حسین خ
۲۱-۸ لوک سنگیت
۳۰-۸ گاندھی چرچا

دوپہر

۳۰-۱۲ گاتی پنکتی
۰۰-۱ ورندگان
۴۰-۱ طلبا کیلئے
۲۰-۲ رمنی شرما و ساتھی ، ...

یووانسسار
...اگنی سانگوں سے
...امین سنسار
لوک سنگیت
کھیل جگت
سور منجری
ایک فلم سے 'سویٹی'،

ہفتہ ۵ نومبر

شام ۴۵-۷
بامیلا سنگھ : سگم سنگیت
فرید آباد ضلع کی چٹھی
بھیم سین جوشی : گائن
لوک سنگیت

دوپہر
ورندگان
اساتذہ کیلئے
رتن لال اور چندر بھان :
لوک سنگیت

یووانسسار
سوال جواب
راگنی سانگوں سے
کرشی جگت
گرامین سنسار
ہریانہ درشن
سور منجری
ایک فلم سے 'ہم پانچ'،
نیشنل پروگرام : موسیقی

اتوار ۶ نومبر

۷، شام ۴۵-۷
وندنا واجپائی : سگم سنگیت
۷ روہتک ضلع کی چٹھی
۷ نکھل بنرجی : کلاسیکی موسیقی
۸ بال کنج
۹ اس ماہ کا گیت

دوپہر
۱۲ ناری جگت
۱ کھلا آکاش
۲ لوک سنگیت

شام
۵-۳۰ یووانسسار
۶-۱۰ پنجابی گیت
۶-۳۰ کرشی جگت
لوک گیت
۷-۰۰ گرامین سنسار
آپ کی پسند
۸-۰۰ آج اتوار ہے
۸-۳۰ سور منجری
۹-۱۶ ایک فلم سے 'گیمبلر'
۹-۳۰ جھلکی
۱۰-۰۰ پرانی فلموں سے

پیر ۷ نومبر

صبح
۷-۱۰، شام ۴۵-۷
این۔ کے۔ شرما : سگم سنگیت
۷-۲۵ حصار ضلع کی چٹھی
۷-۳۰، رات ۰۰-۱۰
شری کانت باکرے : کلاسیکی موسیقی
۸-۲۱ لوک سنگیت

دوپہر
۱۲-۳۰ ملے جلے گانے
۱-۰۰ ورندگان
۱-۴۰ طلبا کیلئے
۲-۲۰ بردھیان سنگھ اور رام گوپال کھٹک :
لوک سنگیت

شام
۵-۳۰ یووانسسار (انگریزی)
۶-۱۰ سندھی گیت
۶-۳۰ کرشی جگت
۷-۰۰ گرامین سنسار
۸-۰۰ انگریزی تقریر
۸-۳۰ سور منجری
۹-۱۶ ایک فلم سے 'میرا گاؤں میرا دیش'
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : ہندی تقریر

منگل ۸ نومبر

صبح
۷-۱۰، شام ۴۵-۷
منجو بترہ : سگم سنگیت
۷-۲۵ انبالہ ضلع کی چٹھی
۷-۳۰ اکرام حسین خاں :
کلاسیکی موسیقی
۸-۲۱ لوک سنگیت

دوپہر
۱۲-۳۰ لائبریری سے انتخاب
۱-۰۰ ورندگان
۱-۴۰ طلبا کیلئے
۲-۲۰ لیلا رائے اور کرشن دت شرما :
لوک سنگیت

شام
۵-۳۰ یووانسسار
میری پسند
۶-۱۰ کدرت دے سب بندے
آشا شکلا
۶-۳۰ کرشی جگت
۷-۰۰ گرامین سنسار
۸-۰۰ اردو کلام
۸-۳۰ سور منجری
۹-۱۶ ایک فلم سے 'ناگن'،
۱۰-۰۰ پرانی فلموں سے

بدھ ۹ نومبر

صبح
۷-۱۰، شام ۴۵-۷
وینو راجہ جین : سگم سنگیت
۷-۲۵ بھوانی ضلع کی چٹھی
۷-۳۰، رات ۰۰-۱۰
پی۔ ایل۔ گوبدکر : کلاسیکی موسیقی
۸-۲۱ لوک سنگیت

دوپہر
۱۲-۳۰ دھرتی کے گیت
۱-۰۰ کتھرنیں
۱-۴۰ طلبا کیلئے
۲-۲۰ ظہور پیرا اور پیارے رام جھمن :
لوک سنگیت

شام
۵-۳۰ یووانسسار
۶-۱۰ ننھے منے : گیت، کہانی
۶-۳۰ کرشی جگت
۷-۰۰ گرامین سنسار
۸-۳۰ سور منجری
۹-۱۶ ایک فلم سے 'شاکا'،
۹-۳۰ چرچا کا وشیہ ہے

جمعرات ۱۰ نومبر

صبح
۷-۱۰، شام ۴۵-۷
راجیش کمار : سگم سنگیت
۷-۲۵ کرنال ضلع کی چٹھی
۷-۳۰ چلتے چلتے
۸-۲۱ لوک سنگیت

دوپہر
۱۲-۳۰ ساز اور آواز
۱-۰۰ ورندگان
۱-۴۰ طلبا کیلئے
۲-۲۰ بارو سنگھ و ساتھی اور جھمن لال :
لوک سنگیت

شام
۵-۳۰ یووانسسار
سرگم
۶-۱۰ راگنی سانگوں سے
۶-۳۰ کرشی جگت
۷-۰۰ گرامین سنسار
بالک منڈلی
۸-۰۰ گھر آنگن
۸-۳۰ سور منجری
۹-۱۶ آپ کا خط ملا
۹-۳۰ فیچر
۱۰-۰۰ پرانی فلموں سے

جمعہ ۱۱ نومبر

صبح
۷-۱۰، شام ۴۵-۷
نند کشور : سگم سنگیت
۷-۲۵ گوڑگاؤں ضلع کی چٹھی
۷-۳۰، رات ۰۰-۱۰
پنا لال سونکی : کلاسیکی موسیقی
۸-۲۱ لوک سنگیت
۸-۳۰ گاندھی چرچا

دوپہر
۱۲-۲۰ گاتی پنکتی
۱-۰۰ ورندگان
۱-۴۰ طلبا کیلئے
۲-۲۰ اصغر حسین اور شیر سنگھ و ساتھی :
لوک سنگیت

شام
۵-۳۰ یووانسسار
پتریکا
۶-۱۰ راگنی سانگوں سے
۶-۲۰ کرشی جگت
لوک سنگیت
۷-۰۰ گرامین سنسار
۸-۰۰ وگیان کلب

۸-۳۰ سورمنجری
۹-۱۶ ایک فلم سے 'حقدار'
۹-۳۰ صحت چرچا

ہفتہ ۱۲ر نومبر

صبح
۷-۱۰، شام ۷-۴۵
حمید حسین، سگم سنگیت
۷-۲۵ جیند ضلع کی چٹھی
۷-۳۰ منور علی خاں، کلاسیکی موسیقی
۸-۲۱ لوک سنگیت

دوپہر
۱۲-۳۰ بھرنیے
۱-۰۰ ورندگان
۱-۳۰ اساتذہ کیلئے

شام
۵-۳۰ یووانسنسار
گیتوں بھری کہانی
۶-۱۰ راگنی سانگوں سے
۶-۳۰ کرشی جگت
۷-۰۰ گرامین سنسار
۸-۰۰ ہریانہ درشن
۸-۳۰ سورمنجری
۹-۱۶ ایک فلم سے 'ضرورت'

اتوار ۱۳ر نومبر

صبح
۷-۱۰، شام ۷-۴۵
اوشا اگروال، سگم سنگیت
۷-۲۵ کورکشیتر ضلع کی چٹھی
۷-۳۰ شریف احمد خاں، کلاسیکی موسیقی
۸-۲۱ بال کنج
۹-۰۵ اس ماہ کا گیت

دوپہر
۱۲-۳۰ ناری جگت
۱-۰۰ کھلا آکاش

شام
۵-۳۰ یووانسنسار
۶-۱۰ پنجابی گیت
۶-۳۰ کرشی جگت
۷-۰۰ گرامین سنسار
۸-۰۰ آج اتوار ہے
۸-۳۰ سورمنجری
۹-۱۶ ایک فلم سے 'بلیک میل'
۱۰-۰۰ پرانی فلموں سے

پیر ۱۴ر نومبر

صبح
۷-۱۰، شام ۷-۴۵
ملک راج چاندلہ، سگم سنگیت
۷-۲۵ مہندر گڑھ ضلع کی چٹھی
۷-۳۰ دیال سنگھ رانا، کلاسیکی موسیقی
۸-۲۱ لوک سنگیت

دوپہر
۱۲-۳۰ ملے جلے گانے
۱-۰۰ ورندگان
۱-۴۰ طلبا کیلئے
۲-۲۰ بھیم سنگھ و ساتھی اور
رشمی کمار ناگر، لوک سنگیت

شام
۵-۳۰ یووانسنسار (انگریزی)
۶-۱۰ سندھی گیت
۶-۳۰ کرشی جگت
۷-۰۰ گرامین سنسار
۸-۰۰ انگریزی تقریر
۸-۳۰ سورمنجری
۹-۱۶ ایک فلم سے 'یار دلبر'

منگل ۱۵ر نومبر

صبح
۷-۱۰، ۷-۴۵
جیوتی دلال، سگم سنگیت
۷-۲۵ سونی پت ضلع کی چٹھی
۷-۳۰ درگا پرشاد، طبلہ
۸-۲۱، دوپہر ۲-۲۰
لوک سنگیت

دوپہر
۱۲-۳۰ لائبریری سے انتخاب
۱-۰۰ ورندگان
۱-۴۰ طلبا کیلئے

شام
۵-۳۰ یووانسنسار
میری پسند
۶-۱۰ بھوجپوری گیت
۶-۳۰ کرشی جگت
۷-۰۰ گرامین سنسار
۸-۰۰ پنجابی گیت
۸-۳۰ سورمنجری
۹-۱۶ ایک فلم سے 'مسٹر'
۱۰-۰۰ پرانی فلموں سے

بھوپال، رائپور، گوالیار، جبـ…

بھوپال 'الف' ۲ر۲۰۲ میٹر ۱۴۸۵ کلو ہرٹز — بھوپال 'ب' ۳ر۲۳۳ میٹر …

شارٹ ویو
صبح ۴-۴۵ / ۵-۴۵ سے ۷-۳۵ — ۳۳۱۵ کلو ہرٹز
صبح ۸-۰۰ سے ۹-۳۰ / ۹-۳۵ — ۷۱۸۰ کلو ہرٹز
صبح ۹-۳۵ سے شام ۵-۱۵ / ۵-۴۵ — ۹۶۹۰ کلو ہرٹز
شام ۵-۳۰ سے رات ۱۲-۰۰ — ۳۳۱۵ کلو ہرٹز

رائے پور: ۹ر۳۰۵ میٹر ۹۸۱ کلو ہرٹز — گوالیار: ۴ر۲۱۶ میٹر ۱۳۸۶…
جبلپور ۲ر۲۵۴ میٹر ۱۱۷۹ کلو ہرٹز

خبریں

ہندی: صبح ۸-۰۰، ۹-۰۵ (پرادیشک) دوپہر ۱-۰۵، ۲-۱۰، ۲-۴۵ …
رات ۸-۴۵ (۱۱-۰۵ صرف ہفتے کو)
انگریزی: صبح ۸-۱۰ دوپہر ۱-۰۰ شام ۶-۰۰ رات ۹-۰۰ …

منگل یکم نومبر

صبح
۷-۳۵، دوپہر ۲-۳۰
شکنتلا شریواستو، لوک گیت
۸-۲۱، دوپہر ۱-۳۰
کلپنا پینل کھرے، سگم سنگیت
۸-۳۰ آئینہ، اردو پروگرام
'دق کی روک تھام' تقریر از
عظیم الدین

دوپہر
۱-۲۰ کاویہ دھارا، رام سیوک شرما

رات
۸-۱۵ 'لوک ترتیہ اور شاستر' ہندی تقریر
از مادھو شکل منوج
۹-۳۰ نیشنل پروگرام، انگریزی تقریر

بدھ ۲ر نومبر

صبح
۷-۳۰، دوپہر ۲-۳۰
شیام لال پرجاپتی و ساتھی، لوک گیت
۸-۲۱، دوپہر ۱-۳۰
نرمل کمار پاٹھک، سگم سنگیت
۸-۳۰ مادھوا منڈیکر، خیال
عاشق حسین، طبلہ

شام
۶-۲۰ شرمک جگت

۸-۰۰ مادھیم
کہانی از سبودھ …
۹-۳۰ ترنگ
'لوگرانی' جیکم…
تحریر، گریجا…
۱۰-۰۰ مادھوا منڈیکر …
عاشق حسین …
۱۰-۳۰ منی لال ناگ …

جمعرات ۳ر…

صبح
۷-۳۰ ان دنوں، پریو…
۷-۴۵ شوبھا گرتو، …
۸-۲۱، دوپہر ۱-۴۰
منجولا نچول …
۸-۳۰ اپا صاحب کاگے…

دوپہر
۲-۳۰ سدھا شرما …

شام
۶-۲۰ شرمک جگت
۸-۰۰ 'سانسکرتی دھرو…
ہندی تقریر از
۱۰-۳۰ عبدالصمد خاں

جمعہ ۴ر…

صبح
۸-۳۱ ذوالفقار علی …

یاشرن سنہا ، لوک گیت

ردو پروگرام : اسپورٹس میگزین
قدیم بھوپال کی ہاکی' تقریر
ناٹک
پرادیشک شاستریہ سنگیت سبھا

ہفتہ ۵ ر نومبر

اختر احمد : سگم سنگیت
سنگیتا کٹھالے : خیال

نئی رچنا
یش پال سنگھ سچک : کویتا پاٹھ
چترنجن گھوشال : لوک گیت

سوال جن سادھارن جواب مکھیہ منتری کے

اتوار ۶ ر نومبر

گت سپتاہ نگر میں
اس ماس کا گیت
اینا وی پٹوردھن : گائن

بیجئے پھر سنیئے
راگداری

اوم پرکاش چورسیہ : سنطور
نفیس خاں : طبلہ
اندر سنگھ بگھیلی و ساتھی : لوک گیت

ناٹک

پیر ۷ ر نومبر

۸ منگلا منگیش نانک : سگم سنگیت
۸ ارمیداس گپتا : اپ شاستریہ سنگیت
سردار خاں : سارنگی
۹ اسکول براڈ کاسٹ

۱ درپنا : پیتر لکا
۲ رودر دت دوبے : لوک گیت

۸ 'سنگیت اور سنلویدنا — سگم سنگیت'
ہندی تقریر از سوشیل ترویدی

۹-۴۵ اس ماس کا گیت

منگل ۸ ر نومبر

صبح

۷-۳۰ ، دوپہر ۲-۳۰
موتی رام سہاٹے اور ساتھی ،
لوک گیت
۷-۴۵ لکشمی شنکر : اپ شاستریہ سنگیت
۸-۲۱ ، دوپہر ۱-۳۰
چمن بھارتی : سگم سنگیت
۸-۳۰ آئینہ : اردو پروگرام
بزم سخن

دوپہر
۱-۲۰ کاویہ دھارا : دنیش شریواستو

رات

۸-۰۰ یگ بودھ : پریوار کلیان
۸-۱۵ بگیان اور وگیان ، ہندی تقریر از
برج موہن گپتا
۱۰-۰۰ منگل شب کی محفل موسیقی

بدھ ۹ ر نومبر

صبح

۷-۳۰ ، دوپہر ۲-۳۰
رتن لال کشواہا و ساتھی : لوک گیت
۸-۲۱ ، دوپہر ۱-۳۰

شرمیلا بٹویال : سگم سنگیت
۸-۳۰ اے۔ کانن : خیال

رات

۸-۰۰ مادھیم
کویتا پاٹھ از راجندر انوراگی

۹-۳۰ ترنگ
'ہارٹ ٹریٹ منٹ' ، جھلکی
تحریر : مکیش اروڑا
۱۰-۳۰ رمیش پریم : وچترو بینا

جمعرات ۱۰ ر نومبر

صبح

۷-۳۰ ان دنوں : پریوار کلیان
۷-۴۵ ، رات ۱۰-۳۰
ریتا گنگولی ، اپ شاستریہ سنگیت
۸-۲۱ ، دوپہر ۱-۳۰
ارمیداس گپتا : سگم سنگیت
۸-۳۰ ، رات ۱۰-۰۰

ناگپور

۵۱۲.۸ میٹر ، ۵۸۵ کلوہرٹز

روزانہ نشر ہونیوالے پروگرام

صبح

۶-۳۰ وندے ماترم ، منگل وادیہ
۶-۳۵ بھکتی سنگیت
۶-۵۰ پروگراموں کا خلاصہ
کرشی وانی زراعتی معلومات
۷-۱۵ کلاسیکی موسیقی
اور موسم کا حال (مراٹھی)
۷-۴۵ ہندی سبق (پیر سے جمعہ تک)
سنسکرت سبق (ہفتہ)
سر بھارتی (اتوار)
۸-۲۰ بھاؤ گیت
عوامی پسند کی کہانیاں (جمعرات)
۸-۲۵ ضلع کی چٹھی : مراٹھی خبر نامہ
۸-۴۰ موسم کا حال : روزگار سماچار
(پیر سے ہفتہ تک)
ڈرامہ یا فیچر (اتوار)
۸-۴۵ سگم سنگیت (پیر سے جمعرات تک)
گاندھی اسمرتی (جمعہ)
فلمی موسیقی
فلم سنگیت (ہفتہ)

۹-۰۰ اور ۹-۲۵ نشریات برائے اسکول
(اسکول کے دنوں میں)
۹-۱۵ طلبا کے لیے پروگرام (اتوار)
دوپہر
۱۲-۳۰ پروگرام برائے خواتین
(اتوار اور جمعرات)
۱-۱۰ موسم کا حال برائے صنعتی ملازمین
(بدھ 'مراٹھی' : جمعہ 'ہندی')
۱-۴۰ اور ۲-۵۰
نشریات برائے اسکول

(اسکول کے دنوں میں)
شام
۵-۳۰ کلاسیکی موسیقی (اتوار ، جمعرات)
سگم سنگیت (پیر ، جمعہ)
موسیقی (ساز) (منگل ، بدھ)
علاقائی موسیقی (ہفتہ)
۵-۵۵ مقامی اعلانات
پروگراموں کا خلاصہ : موسم کا حال
۶-۱۵ پروگرام برائے دیہی [illegible]
(پیر اور جمعہ)

نوجوانوں کے لیے (مراٹھی ، اتوار)
طلبا کے لیے پروگرام (بدھ)
۶-۴۵ بازار بھاؤ (پیر سے ہفتہ)
روزگار سماچار (اتوار)
۷-۰۰ تعلیم بالغان ، مراٹھی
(پیر اور جمعہ)
دیہی بچوں کے لیے پروگرام
(ہفتہ)
۷-۲۰ پروگرام برائے دیہی سامعین
۸-۲۵ سماچار پتروں سے
۹-۱۵ مراٹھی میں بات چیت
(اتوار ، منگل)
ہندی میں بات چیت (ہفتہ)
انگریزی میں بات چیت (پیر)
نیوز ریل (پیر)
خطوط کے جواب (بدھ)
۱۰-۰۰ اردو پروگرام 'محفل' (پیر)
۱۰-۳۰ اختتام
۱۱-۱۰ اتوار ، منگل ، ہفتہ کو اختتام

خصوصی اردو پروگرام 'محفل'

پیر ۷ ر نومبر

رات

۱۰-۰۰ ودربھ کی شخصیات : نواب غازی
بات چیت از میر خورشید علی
ساز و نغمہ
بزم یاراں
سامعین کے خطوط
اور ان کے جوابات

پیر ۱۴ ر نومبر

رات

۱۰-۰۰ 'سرخ گلاب'
پنڈت جواہر لال نہرو کی سالگرہ
کے موقعہ پر ایک بات چیت
از پروفیسر فخر الدین فدوی
ساز و نغمہ
رنگِ افسانہ
افسانہ نگار ایس ایس بھاردواج

رحمت علی خاں : سرود
۹-۱۰ اسکول براڈ کاسٹ

دوپہر
۲-۳۰ مینا مراٹھے : لوک گیت

رات

۸-۰۰ 'اتہاس کے واتاین سے — سندی نگر'
تقریر از شنکر تیواری

۸-۱۵ دیکھی سنی : ریڈیو کارٹون

جمعہ ۱۱ ر نومبر

صبح

۸-۲۱ ، دوپہر ۱-۳۰
اودھیش پرشاد ترپاٹھی : سگم سنگیت
۸-۳۰ گھومتے پھرتے
۹-۱۰ اسکول براڈ کاسٹ

دوپہر
۲-۳۰ گھنشام داس پھوندنا

رات
۸-۰۰ اردو پروگرام
(۱) کامیابی کی کہانی
(۲) نیا کورس
۱۰-۳۰ بلرام ناگدیو : خیال
سروج پرانجپے : وائلن

ہفتہ ۱۲ نومبر

صبح
۸-۲۱ ، دوپہر ۱-۳۰
انیتا گپتا ، سگم سنگیت
۸-۳۰ اروند جوشی : ستار
۹-۱۰ اسکول براڈ کاسٹ

دوپہر
۱-۱۰ پرکاش کی اور
۱-۲۰ نئی رچنا
راجندر سونی : کاویہ پاٹھ
۲-۳۰ رجنی پروہت : لوک گیت

رات
۷-۴۵ کھلا آکاش
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : موسیقی

اتوار ۱۳ نومبر

صبح
۷-۴۵ اس سپتاہ نگر میں

دوپہر
۱-۴۰ کے۔آر۔سرنگے : وائلن
کرن دیشپانڈے : طبلہ
۲-۳۰ درگا پرشاد کھوائے وساتھی ،
لوک گیت

رات
۹-۱۰ 'کاٹھ کی ناؤ' ناٹک
تحریر : رشید الدین صدیقی
۱۰-۰۰ آپکی پسند

پیر ۱۴ نومبر

صبح
۷-۳۰ ، دوپہر ۲-۳۰
گنیش پرشاد کشواہا اور ساتھی ؛
لوک گیت
۸-۲۱ شرد آنند بھبل ؛ سگم سنگیت
۸-۳۰ ، رات ۱۰-۰۰
شیام دیویدی ؛ ستار وادن
۹-۱۰ اسکول براڈ کاسٹ

دوپہر
۱-۱۰ درپن : پترلیکا

رات
۸-۱۵ 'واتاورن اور دھونی پردوشن ،'
تقریراز ڈی۔وی۔الیس موری
۱۰-۳۰ رسک لال اندھریا ؛ خیال

منگل ۱۵ نومبر

صبح
۷-۳۰ ، دوپہر ۲-۳۰
شکنتلا تیواری ، لوک گیت
۷-۴۵ کمل سنگھ : اپ شاستریہ سنگیت
۸-۲۱ ، دوپہر ۱-۳۰
رتنا دتہ : سگم سنگیت
۸-۳۰ آئینہ : اردو پروگرام
بزم زندہ دلاں
۹-۱۰ اسکول براڈ کاسٹ

دوپہر
۱-۲۰ کاویہ دھارا
گوردھن راجوریہ وتھت

رات
۸-۰۰ یگ بودھ
پریوار کلیان پروگرام
۸-۱۵ 'برکھا رتو دکھ داتی —
ادھبنی کالونی واسیوں کیلئے ،
تقریراز گیان چترویدی
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : انگریزی تقریر
۱۰-۰۰ منگل شب کی محفل موسیقی

قلمکار حضرات

اپنی تخلیقات براہ کرم ہمیں اشاعت کے لیے ارسال نہ کریں
'آواز' میں صرف وہی تخلیقات شائع کی جاتی ہیں جو نشریہ کے بعد
ہمیں ریڈیو اسٹیشنوں سے موصول ہوتی ہیں۔

بیکانیر

۲۱۵،۰ میٹر ۱۳۹۵ کلو ہرٹز

منگل یکم نومبر

صبح
۷-۳۰ شاستریہ سنگیت
۸-۲۱ رس دھارا
۹-۱۰ ، دوپہر ۱-۴۰
بنواری دیوانہ : لوک گیت

دوپہر
۱۲-۳۰ راگ رس
۱-۱۰ سہیلیاں ری باڑی
۱-۵۰ کرشی لوک
'اس مہینے کرشی کاریہ' ، تقریراز
ڈی سی سکسینہ
۵-۰۵ یووا وانی

شام
۶-۲۵ گودھولی ، راجستھانی گیت
۸-۰۰ 'موتیابند ، بچاؤ را اپاؤ اور اپچار'
تقریراز ڈاکٹر یو۔ کے۔ ستنگی
۸-۲۵ ایک ہی فلم سے

بدھ ۲ نومبر

صبح
۷-۳۰ شاستریہ سنگیت
۸-۲۱ رس دھارا
۹-۱۰ ، دوپہر ۱-۳۰
گنیش ناتھ ، لوک گیت

دوپہر
۱۲-۳۰ سور سریتا
۱-۱۰ پنڈت سیارام تیواری ، راگ باگیشوری
۱-۵۰ کرشی لوک
گیہوں کی بوائی میں ساودھانیاں ،
تقریراز وی کے رائے سنگھانی
۵-۰۵ یووا وانی
۶-۲۵ آج کی شام ۔ فلم سنگیت

رات
۸-۰۰ اپنا اپنا درشٹی کون 'آیوروید کی چکتسا پدھتی'
تقریراز ڈاکٹر بی ایل شرما

۸-۲۵ ایک ہی گیت
۱۰-۰۰ آپکی پسند

جمعرات ۳ ...

صبح
۶-۳۵ وندنا : بھگتی سنگ...
۷-۳۰ شاستریہ سنگیت
۸-۲۱ رس دھارا
۹-۱۰ ، دوپہر ۱-۳۰
اوم پرکاش سرگرا...

دوپہر
۱۲-۳۰ گیت سدھا
۱-۱۰ ہیلا جگت
(۱) 'اپنے ادھیکار پہچا...
مادھو...
(۲) 'سانسکرتک ایکتا کا...
تقریراز بستی پنت
۱-۵۰ کرشی لوک
'سرسوں کی کیڑوں...
تقریراز ستیہ دیو...
۵-۰۵ یووا وانی

شام
۶-۲۵ مروستھلی ۔ سو...
کاویہ پاٹھ از کلپ...
۸-۰۰ میری رچنا
'لوک جھروکے ...
از دین دیال...
۸-۲۵ سور ترنگ
اسد علی خاں ؛ ر...
۹-۱۶ فلم سنگیت
۱۰-۳۰ رجنی گندھا

جمعہ ۴ ...

صبح
۶-۳۵ وندنا ، بھگتی سنگ...
۷-۳۰ شاستریہ سنگیت
۸-۲۱ فلمی بھجن

...ہر ۱-۳۰
...بدالغنی : لوک گیت

...سنگم
...ہارگوتم : گائن
...شی لوک
...واوانی

...شرتی راگیت
...ھی قوالیاں
...ناٹک

...فتہ ۵ نومبر

...وندنا
...شاستریہ سنگیت
...رس دھارا
...پہر ۱-۳۰
ہنومان رانا : لوک گیت

آپکی پسند
شاستریہ سنگیت
استاد فیاض خاں کی پنیہ تتھی
کرشی لوک
'چھنے کی بجائی کرتے سمیہ دھیان دینے یوگیہ باتیں'، تقریر
یوواوانی

...فلم سنگیت
وکاس گیت

اتوار ۶ نومبر

...وندنا
...شاستریہ سنگیت
...مکل : بچوں کیلئے

...مہیلا جگت
'بھائی بہن کے پریم کا پرتیک پرو' بھیادوج'
تقریر از پریم سکینہ
جھلکی
...گیت، غزل
...آپ کے لیے
...جے جوان
...یوواوانی

شام
۶-۲۵ مرودھر گلوے : راجستھانی گیت
۸-۰۰ 'تریکون کا تیسرا کون ـ سمانتر ارتھ ویوستھا'، تقریر
۸-۲۵ ایک ہی کلاکار
۹-۱۶ پتر بلا

پیر ۷ نومبر

صبح
۶-۳۵ وندنا
۷-۳۰، شام ۶-۲۵
شاستریہ سنگیت
۸-۲۱ رس دھارا
۹-۱۰، دوپہر ۱-۳۰
فتح کماری ویاس : لوک گیت

دوپہر
۱۲-۳۰ گیتاں ری لڑی
۱۲-۴۵ لیگل گان
۱-۱۰ پروین سلطانہ : گائن
۱-۵۰ کرشی لوک
'کھجور کی وبھن قسمیں اور انکی وشیشتائیں'
تقریر از مرلی منوہر ماتھر
۵-۰۵ یوواوانی
رات
۸-۰۰ 'یقیناً آدمی بندر کی اولاد ہے' تقریر
۸-۲۵ ایک ہی سنگیت کار

منگل ۸ نومبر

صبح
۷-۳۰ شاستریہ سنگیت
۹-۱۰، دوپہر ۱-۴۰
مالتی وساتھی : لوک گیت

دوپہر
۱۲-۳۰ راگ رس
۱-۵۰ کرشی لوک
شام
۶-۲۵ گودھولی
۸-۰۰ 'وکلانگ ـ سماج را انگ'
تقریر از ڈاکٹر آر۔ این۔ ماتھر

بدھ ۹ نومبر

صبح
۶-۳۵ وندنا
۷-۳۰ شاستریہ سنگیت
۸-۲۱ رس دھارا

حیدرآباد

حیدرآباد الف ۴۰۶،۵ میٹر (۷۳۸ کلوہرٹز) حیدرآباد ب ۸۷،۲۱ میٹر (۱۳۷۷ کلوہرٹز) حیدرآباد ج ۲۵٫۴۴ (۱۱۸۰ کلوہرٹز)

ہفتہ وار نشر ہونیوالے اردو پروگرام

اتوار
صبح
۸-۲۵ یوواوانی
گلدستہ : نوجوانوں پر مبنی پروگرام
فلمی گانے
۹-۳۰ بچوں کے لیے
۲-۳۰ بہنوں کے لیے
شام
۵-۳۰ ترنگ : ورائٹی پروگرام
۹-۳۰ نیرنگ : ڈرامہ

پیر
صبح
۸-۴۰ یوواوانی
نغموں کی دنیا : فلمی گانے
شام
۵-۳۰ ترنگ : کھیلوں پر تبصرہ
خطوں کے جواب : فلمی گانے
۹-۳۰ نیرنگ : کہانی
سازی موسیقی : کلام شاعر
افسانہ : گیت اور غزلیں

منگل
صبح
۸-۲۵ یوواوانی : اردو پروگرام
فلمی گانے
شام
۵-۳۰ ترنگ : ادبی میگزین پروگرام
فلمی گانے
۹-۳۰ کہانی : سازی موسیقی
صنعتی مزدوروں کے لیے
دھولک کے گیت

بدھ
صبح ۸-۲۵ یوواوانی
شہزامہ : فلمی گانے
۲-۳۰ طلبا کے لیے
اسکول طلبا کے لیے
شام
۵-۳۰ ترنگ : اردو پروگرام
فلمی گانے
۹-۳۰ نیرنگ : کہانی
سازی موسیقی
شگوفے : ہفتہ وار مزاحیہ پروگرام
خطوں کے جواب
افسانہ : غزلیں

جمعرات
صبح
۸-۲۵ یوواوانی : کلام شاعر
فلمی گانے
۲-۳۰ طلبا کے لیے
اسکول طلبا کے لیے
شام
۵-۳۰ ترنگ : ورائٹی پروگرام
فلمی گانے
۹-۳۰ نیرنگ : کہانی
سازی موسیقی
دیہات کی تصویر
گیت اور غزلیں

جمعہ
صبح
۶-۴۰ ایشور اللہ : قرات کلام پاک
نعت شریف
۸-۴۰ یوواوانی : تقریر
فلمی گانے
شام
۵-۳۰ ترنگ : میری پسند
۹-۳۰ نیرنگ : کہانی
سازی موسیقی
کچرل ڈائری پروگرام
ان سے ملیے : غزلیں

ہفتہ
صبح
۸-۲۵ یوواوانی : تقریر
فلمی گانے
شام
۵-۳۰ ترنگ : ڈرامہ
فلمی گانے
۹-۳۰ نیرنگ : کہانی
موسیقی : لطیفے ہی لطیفے
بھارت بھارتی : غزلیں

۹-۱۰، دوپہر ۱-۳۰
رجب علی : لوک گیت

دوپہر
۱۲-۳۰ سور سریتا
۱-۱۰ جگدیش پرشاد : خیال باگیشری
۱-۵۰ کرشی لوک
'بھیڑوں سے اچھی اون کیسے لے سکتے ہیں'
تقریر از ڈاکٹر رویندر سنگھ
۵-۰۵ یوواوانی
شام
۶-۲۵ آج کی شام
۸-۰۰ 'پریوار کلیان کا ریہ کرم اور کریالونی کی سمیائیں'، تقریر
۸-۲۵ ایک ہی گیت کار
۱۰-۰۰ آپ کی پسند

جمعرات ۱۰ نومبر

صبح
۶-۳۵ وندنا
۷-۳۰ شاستریہ سنگیت
۸-۲۱ رس دھارا
۹-۱۰، دوپہر ۱-۴۰
شانتا سکینہ : لوک گیت

دوپہر
۱۲-۳۰ گیت سدھا
۱-۱۰ مہیلا جگت
(۱) 'رتن گڑھ انچل میں پرورشنکشا وستار'
تقریر از وینا راجونشی
(۲) 'پراتھمک شکشا ـ ایک سماجک داشتو'
تقریر از کماری ارونا
۱-۵۰ کرشی لوک

تیسری آنکھ کا المیہ

جلیس نجیب آبادی

زندگی کی کڑی دھوپ میں
جھوٹے سپنوں کی پرچھائیاں ہی بہت تھیں
دیکھتا تھا فصیلِ گماں کے ادھر
خواب کے شہر مرقع مرے ساتھ ہے
تیری آنکھوں میں مایوسیوں کا بسیرا نہیں
مرے دل کی وادی میں محرومیوں کے بگولے نہیں

اب سے پہلے میں خود احتسابی کا قائل نہیں تھا
اب مرے سامنے جو بھی ہے آئینے کی طرح ہے
آج میں آگ کو آگ اور زہر کو زہر کہنے پہ مجبور رہوں
بر سچ کے سورج نے تخیّل کے بال و پر پھونک ڈالے
زندگی اب مرے سامنے
برہنہ ہے بالکل برہنہ
کہ اب میرے پاؤں زمیں پر ٹکے ہیں
یہ دن ــــ یہ عذابوں بھرا دن !!
میں خوش فہمیوں کی فصیلیں گرا کر پشیماں ہوں

(نجیب آباد سے نشر)

'کسانوں کو سرکاری امداد کتنی اور کیسے ؟'
تقریر از نیلیما جوہری
۵-۰۵ یوواوانی
شام
۶-۲۵ کہانی از لال منتھل جوشی
۸-۰۰ کاویہ پاٹھ
۸-۲۵ دلال رائے ہمانشو بسواس ؛
بانسری و جلترنگ
۱۰-۳۰ رجنی گندھا

جمعہ ۱۱ نومبر

صبح
۶-۳۵ وندنا
۷-۳۰ شاستریہ سنگیت
۸-۲۱ فلمی بھجن
۹-۱۰ ، دوپہر ۱-۳۰
امرچند ستعار ، لوک گیت
دوپہر
۱۲-۳۰ سور سنگیت
۱-۱۰ لکشمی شنکر نرملا دیوی ؛ ٹھمری
۱-۵۰ کرشی لوک
۵-۰۵ یوواوانی
شام
۶-۲۵ دھرتی راگیت
۸-۰۰ 'راگاتمک سمبندھوں کی ٹوٹن اور آجکا سماج'
۹-۱۶ فلمی قوالیاں
۹-۳۰ بھولے بسرے فلمی گیت

ہفتہ ۱۲ نومبر

صبح
۶-۳۵ وندنا
۷-۳۰ شاستریہ سنگیت
۸-۲۱ رس دھارا
۹-۱۰ ، دوپہر ۱-۳۰
اللہ جلائی بائی ، لوک گیت
دوپہر
۱۲-۳۰ آپکی پسند
۱-۱۰ شاستریہ سنگیت
۱-۵۰ کرشی لوک
'اچھی اون کی پہچان' ، تقریر از
نرنجن سروپ ماتھر
۵-۰۵ یوواوانی
رات
۹-۱۶ شیر شنک فلمی گیت

اتوار ۱۳ نومبر

صبح
۶-۳۵ وندنا
۷-۳۰ شاستریہ سنگیت
۹-۱۵ مکل : بچوں کیلئے
دوپہر
۱۲-۰۰ ہیلا جگت
'وکلانگ بچوں کی دیکھ بھال کیسے کریں ؟'
تقریر از ڈاکٹر ساجی اوم
۱۲-۳۰ جھلکی
۱۲-۴۵ گیت و غزل
۱-۱۰ آپ کے لیے
۲-۲۰ جے جوان
۵-۰۵ یوواوانی
شام
۶-۲۵ مرودھر گاوے
۸-۰۰ 'ترکون کا تیسرا کون ۔ کیندر راجیہ سمبندھ'
ہندی تقریر
۸-۲۵ ایک ہی کلاکار
۹-۱۶ ستر ملا
۱۰-۰۰ آنگن کی گونج

پیر ۱۴ نومبر

صبح
۶-۳۵ وندنا
۷-۳۰ شاستریہ سنگیت
۸-۲۱ رس دھارا
۹-۱۰ ، دوپہر ۱-۳۰
شری نارائن رام نائک ، لوک گیت
دوپہر
۱۲-۳۰ گیتاں ری لڑی
۱۲-۴۵ ییگل گان
۱-۱۰ شاستریہ سنگیت
۱-۵۰ کرشی لوک
'کھجور کے نکھیڑ کیٹ اور انکی روک تھام'
تقریر از للت گوپال
۵-۰۵ یوواوانی
رات
۸-۰۰ 'بھارت کا پنرنرمان اور نہرو' ، تقریر
۸-۲۵ ایک ہی سنگیت کار

منگل ۱۵ نومبر

صبح
۶-۳۵ وندنا

۷-۳۰ شاستریہ سنگیت
۸-۲۱ رس دھارا
۹-۱۰ ، دوپہر ۱-۴۰
جگت نارائن گوسوامی ؛
دوپہر
۱۲-۳۰ راگ رس
۱-۱۰ سہیلیاں ری باڑی
۱-۵۰ کرشی لوک
۵-۰۵ یوواوانی
شام
۶-۲۵ گودھولی
۸-۰۰ 'غریب نے مفت قانونی
راجستھانی میں تقریر
۸-۲۵ ایک ہی فلم سے
۹-۱۶ فلم سنگیت

بقیہ
شملہ

۹-۰۵ پرانی فلموں سے
رات
۸-۱۵ نیوز ریل اسپورٹس
۸-۲۵ دیش گان
۹-۱۶ 'نہرو ہماچل پردیش
تقریر از پروفیسر چند
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : ہندی
۹-۴۵ ارملا ناگر ؛ سگم
۱۰-۰۰ شہنائی وادن

منگل ۱۵ نو

صبح
۷-۱۰ سریندر شنکر اوستی ؛
۷-۴۰ سنگیت
۸-۲۱ سگم سنگیت
۸-۳۵ سیاحوں کیلئے
۹-۰۵ راگ چھایا
رات
۸-۱۵ ہمندر چوپڑہ : غزلیں
۸-۲۵ دیش گان
۹-۱۶ ہماری وکاس یاترا
۹-۳۰ نیشنل پروگرام ، انگر
۱۰-۰۰ منگل شب کی محفل

سرینگر

سرینگر 'الف' : ۲۶۸٫۸ میٹر سرینگر 'ب' : ۲۴۵ میٹر ۱۲۲۴ کلو ہرٹز
۴۹٫۱۰ میٹر ۶۱۱۰ کلو ہرٹز ۵۶٫۹۱ میٹر ۳۲۷۷ کلو ہرٹز
صبح ۶-۳۰ سے صبح ۱۰-۰۰ تک دوسری مجلس : صبح ۱۱-۳۰ سے
۱۱ تک (اتوار کو صبح ۶-۳۰ سے رات ۱۱-۰۵ تک مسلسل)

خبریں

۷-۴۵، شام ۶-۲۵ اردو : صبح ۸-۵۰ دوپہر ۱-۳۰ رات ۹-۱۵
۹-۰۰ سنسکرت : صبح ۷-۰۰ انگریزی : صبح ۸-۱۰ دوپہر ۲-۰۰
شام ۶-۰۰ رات ۹-۰۰ اور ۱۱-۰۰

علاقائی خبریں

دلچسپ خبریں ۹-۲۰ اردو ۹-۲۵ کشمیری دوپہر ۲-۱۰ لداخی
کشمیری ۷-۴۵ اردو

منگل یکم نومبر

علی محمد : کشمیری غزلیں
ہیم لتا : غزلیں
زعفران زار
'شیلڈ مبہ مستس منز سفید وال وچھ'
تقریر از اختر محی الدین
جے آر شرما و ساتھی :
ڈوگری موسیقی
بہادر خاں : سرود
گرجا بنو : ٹھمری
پنجابی پروگرام
علی محمد : کشمیری موسیقی
عکس : ماہانہ تبصرہ
وودھا : ہندی ادبی پروگرام

بدھ ۲ نومبر

اندرا کاچرو : کشمیری غزلیں
محمد رفیع : غزلیں
رنگ
وشنو پرادر : غزلیں
۱۱-۳۰ کشمیری موسیقی
دوپہر
۱۲-۴۰ پراگاش
۱-۰۰ اندرا کاچرو اور عبدالرحمن ریشی : کشمیری گانے
۲-۱۰ مالویکا کانن : گائن
۴-۳۰ لوک سنگیت
شام
۶-۱۰ عبدالرحمن ریشی : غزل
۸-۴۵ خط کیلئے شکریہ
۹-۳۰ 'شام' بیس نکاتی اقتصادی پروگرام
۱۰-۰۰ آپ کی فرمائش

جمعرات ۳ نومبر

صبح
۷-۰۵ غلام قادر وانی : کشمیری غزلیں
۸-۰۰ بیگم اختر : غزلیں
۹-۰۵ پوسٹ کارڈ افسانہ اور سازینہ
۱۱-۳۰، دوپہر ۲-۳۰
غلام محمد ساز نواز و ساتھی : صوفیانہ موسیقی
دوپہر
۲-۱۰ پرکاش وڈھیرہ : بانسری
۴-۳۰ پہاڑی پروگرام
رات
۸-۳۰ کشمیری موسیقی
۸-۴۵ ہیلتھ فورم
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : علاقائی موسیقی
۱۰-۳۰ ریڈیو ڈائری اور کشمیری موسیقی

جمعہ ۴ نومبر

صبح
۷-۰۵ راج بیگم : غزلیں
۸-۰۰ لتا منگیشکر : غزلیں
۸-۲۱ گھر بارہ خاطرہ
۹-۰۵ اقبال کول : غزلیں
۱۱-۳۰، رات ۸-۳۰
کشمیری موسیقی
دوپہر
۱-۰۰ عبدالاحد پرے اور راج بیگم : کشمیری غزلیں
۲-۱۰ موہن لال مشرا : گائن
۴-۳۰ پنجابی پروگرام
شام
۶-۱۰ عبدالاحد پرے : غزل
۸-۴۵ کھیلوں پر تبصرہ
۹-۳۰ رانے ترانے
'ہانز ہندی موجودہ مسئلہ تہ تہذیبی حل'

ہفتہ ۵ نومبر

صبح
۷-۰۵ کاشتکارن ہند خاطرہ
۸-۰۰ ماسٹر مدن اور ببلا ساور : غزلیں
۸-۲۱ نو تخلیق
تحریر : ظفر احمد ظریف
۸-۳۵ حرف حرف
۱۱-۳۰، دوپہر ۲-۳۰
کمال بٹ و ساتھی : صوفیانہ موسیقی
دوپہر
۱۲-۴۰ پراگاش
۲-۱۰ محمود مرزا : ستار وادن
رات
۸-۳۰ غلام محمد راہ : کشمیری موسیقی
۹-۳۰ میانی زندگی میون کار
بی ایل تکو کے ساتھ گفتگو

اتوار ۶ نومبر

صبح
۸-۰۰ اکھ چھ وناں
۸-۲۱ گھرانوں کیلئے
'بڑھتی ہوئی آبادی اور مالی مشکلات' مباحثہ
۱۰-۱۵ ہونہار : بچوں کیلئے اردو پروگرام
(۱) مولانا حسرت موہانی : بات چیت
(۲) سوال جواب
۱۱-۰۰ نو بہ نو
۱۱-۳۰ نیشنل پروگرام : ناٹک (دوبارہ)
دوپہر
۱۲-۴۰ پراگاش
۱-۰۰ مغربی موسیقی
۲-۱۰ پنڈت اومکار ناتھ ٹھاکر : گائن
۴-۰۰ ہی مال
شام
۶-۱۰ غلام حسن صوفی : غزل
۸-۰۰ وادی کی آواز
۸-۴۵ توہنز چھٹی واتز
۹-۳۰ سلسلہ وار کھیل
۱۰-۰۰ آپ کی فرمائش

پیر ۷ نومبر

صبح
۸-۰۰ راجکمار رضوی : غزلیں
۸-۲۱ ذات بترات
۸-۲۵ سندی میں بات چیت
۱۱-۳۰ کشمیری موسیقی
دوپہر
۱۲-۴۰ پراگاش
۱-۰۰ غلام محمد میر اور نسیم اختر : کشمیری گیت
۲-۱۰ بدھ دیو داس گپتا : سرود
۴-۳۰ گیاری
(۱) پشپا دیو و ساتھی : ڈوگری گیت
(۲) لداخی کورس
رات
۸-۳۰ نسیم اختر : کشمیری غزلیں
۸-۴۵ اردو بات چیت
۹-۳۰ اردو کھیل

منگل ۸ نومبر

صبح
۸-۰۰ سرلیش بنچھی : ڈوگری سنگیت
۸-۲۱ سنگیت میگزین
۱۱-۳۰، دوپہر ۲-۳۰
شیخ عبدالعزیز و ساتھی : صوفیانہ موسیقی
دوپہر
۱۲-۴۰ بھجن
۱-۰۰ کشمیری لوک سنگیت

کسی سے کچھ نہ کہا ہونٹ سی لیا ہم نے
تمام عمر اسی طرح جی لیا ہم نے
زمیں کی کوکھ میں پانی کے چند قطرے تھے
سفر کے نام پہ بے وجہ پی لیا ہم نے
گذشتہ رات فقیروں کے صف میں شامل تھے
اٹھا کے اس نے دیا جو وہی لیا ہم نے
وہ اپنا جسم ندی میں بھگو کے آیا تھا
نمی کے نام پہ لمسِ نمی لیا ہم نے
تمہارے واسطے وہ چارہ گر رہا ہوگا
اسی سے تو نمکِ دشمنی لیا ہم نے
چراغِ راہ ہے عرفانِ ذات اے اقبال
تمہارے شعر سے درسِ خودی لیا ہم نے

۲-۱۰ ڈی وی پلسکر : گائن
۴-۳۰ پنجابی پروگرام
شام
۶-۱۰ کنول کشور جالا : غزل
۸-۳۰ آرتی تکو، کشمیری غزلیں
۸-۴۵ 'یم سائنس انگ'، کشمیری میں تقریر
از ایم ایس بھگت
۹-۳۰ 'فاضل سنز گراں گور' کشمیری میں تقریر از
مجروح رشید

بدھ ۹ رنومبر

صبح
۸-۰۰ وجے کمار ڈلو، گیت، غزلیں
۸-۲۱ شش رنگ
۱۱-۳۰ کشمیری موسیقی
دوپہر
۱۲-۴۰ پراگاش
۱-۰۰ حمزہ داس اور آشا کول :
کشمیری گیت
۲-۱۰ بسم اللہ خاں، شہنائی وادن
۴-۳۰ لوک سنگیت
شام
۶-۱۰ آشا کول، غزل
۸-۴۵ خط کیلئے شکریہ
۹-۳۰ سائنس میگزین

جمعرات ۱۰ رنومبر

صبح
۸-۰۰ حسن بخش، غزلیں
۸-۲۱ آش تہ گاش
۱۱-۳۰ محمد عبداللہ تبت بقال و ساتھی ;
صوفیانہ موسیقی
دوپہر
۱۲-۴۰ پراگاش
۲-۱۰ سیارام تیواری، گائن
۲-۳۰ محمد عبداللہ شاری و ساتھی، صوفیانہ موسیقی

شام
۶-۱۰، ۸-۳۰
جلال گیلانی : غزلیں
۸-۴۵ ہلیقہ فورم
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : فیچر

جمعہ ۱۱ رنومبر

صبح
۸-۰۰ منہر، غزلیں
۸-۲۱ گھر بارہ خاطرہ
۱۱-۳۰ کشمیری موسیقی
۱-۰۰ راج بیگم، کشمیری غزلیں
محمد خلیل و ساتھی، قوالی
۲-۱۰ ہری پرساد چورسیہ، بانسری
۲-۳۰ لوک سنگیت
۴-۳۰ پنجابی پروگرام
شام
۶-۱۰ محمد خلیل و ساتھی، قوالی
۸-۳۰ راج بیگم، کشمیری موسیقی
۸-۴۵ کھیلوں پر تبصرہ
۹-۳۰ گفتگو
۱۰-۰۰ داستان

ہفتہ ۱۲ رنومبر

صبح
۸-۰۰ دلیپ لنگو، گیت
۸-۲۱ تخلیق نو
تعارف اور تازہ کلام از
پرتپال سنگھ بیتاب
۸-۳۵ مولل شعر
از شفیع شوق
۱۱-۳۰، دوپہر ۲-۳۰
غلام محمد ساز نواز اور ساتھی ;
صوفیانہ موسیقی

۱۲-۴۰ پراگاش
۲-۱۰ سمریش چودھری : گائن
۴-۳۰ خوشحال گھرہ
شام
۶-۱۰ اومکار ناتھ کول : غزل
۸-۳۰ کلام وہاب کھار
۹-۳۰ بزم سامعین

اتوار ۱۳ رنومبر

صبح
۸-۰۰ لکھ چھ ونان
۸-۲۱ گھرانوں کیلئے
'برے پھنے ٹیلیفون حاصل کرکے'
تقریر از ڈاکٹر ایم زماں آزردہ
۱۰-۱۵ ہونہار : بچوں کیلئے اردو پروگرام
(۱) 'پنچ تنتر سے ایک کہانی' —
از آفاق احمد
(۲) 'جسمانی صحت اور غذا' تقریر از
بلال احمد
۱۱-۰۰ کہکشاں
۱۱-۳۰ اردو کھیل
۱۲-۴۰ پراگاش
۱-۰۰ مغربی موسیقی
۲-۱۰ اسد علی خاں، رودر وینا
۴-۰۰ ہی مال
۴-۳۰ پنجابی پروگرام
شام
۶-۱۰ راجندر کمار کاچرو، غزل
۸-۳۰ سنطور
صوفیانہ کلام - مقام نوحہ
۸-۴۵ توہنز چھی واژ
۹-۳۰ سلسلہ وار کھیل

پیر ۱۴ رنومبر

صبح
۸-۰۰ نتن کیش، غزلیں

۸-۲۱ ذات جبترات ، ...
تحریر ، ایم ایل ...
۸-۳۵ سندی بات چیت
۱۱-۳۰ کشمیری موسیقی
دوپہر
۱۲-۴۰ پراگاش
۱-۰۰ نسیم اختر اور رفعت ...
کشم...
۲-۱۰ امرت حسین خان ...
۲-۳۰ لوک موسیقی
۴-۰۰ مغربی موسیقی
۴-۳۰ کیاری
قطب الدین و ساتھی ...
نورن بی بی ، پنجابی ...
رات
۸-۳۰ نسیم اختر : کشمی...
۸-۴۵ اردو میں بات چیت ...
۹-۳۰ اردو کھیل

منگل ۱۵ رنو...

صبح
۸-۰۰ ونود رازدان : ڈوگر...
۸-۲۱ ثقافت : ادبی میگز...
(۱) تقریر از ایم ایل ک...
(۲) سائنسی شہری تہ سوز...
تقریر از جی این ف...
(۳) آرٹ کو لو منز سے اقت...
از رف...
۱۱-۳۰، دوپہر ۲-۳۰
محمد عبداللہ تبت بقال ...
دوپہر
۱۲-۴۰ بھجن
۲-۱۰ راجن مشرا، ساجن م...
۴-۰۰ مغربی موسیقی
۴-۳۰ پنجابی پروگرام
شام
۶-۱۰، ۸-۳۰
سدھارتھ کول، غ...
۸-۴۵ 'ہندوستانی ثقافت کی ...
نویسی' تقریر از فدا ...
۹-۳۰ ہم قلم : اردو ...
۱۰-۰۰ تو ہنز فرمائش

ری وسادھرا۔
را۔ میڈیسن
ع پر انگریزی تقریر مدراس سے نشر ہوئی۔

▲ نریندر لوتھر — ڈائریکٹر جنرل، پبلک انٹر پرائزز، حیدر آباد۔ اور اردو کے مقبول مزاح نگار ان کے ساتھ مسز بشیر قربان علی کا انٹرویو آکاشوانی حیدر آباد کے نیرنگ پروگرام میں نشر ہوا۔

صابری اور ہمنوا۔
ی پٹنہ کی جانب سے منعقد محفل
الیاں پیش کرتے ہوئے۔

م مصطفٰے خاں۔
اتی جلگاؤں سے
لی گائن پیش کرتے ہوئے۔

اشٹریہ بنک اور وکاس کے نئے کاریہ کرم"
عنوان آکاشوانی روہتک
ر ایک مذاکرے کے شرکار۔

27. Jamshed Quamer

D-(C) 39 Regd. No. RN 14253 AWAZ 1st. November 1983 Licenced (U-23) to post without prepayment at CPSO, New Delhi.

★★★★★★★★★★★★★★★

★★★★★★★★★★★★

وودھ بھارتی

فِلمی گیتوں کا پروگرام

’خصوصی جے مالا‘

پیش کرنے والے ستارے اسٹوڈیو میں

(اوپر دائیں) مہی پال، رنجیت اور جانکی داس۔

(درمیان دائیں سے) موسیقار ندیم، شرون اور تبسم۔

(دائیں) ونود پانڈے۔ فلم پروڈیوسر ڈائریکٹر۔

Published by the Director General, All India Radio, at the Office of the Chief Editor, Akashvani Group of Journals, PTI Building, II floor Sansad Marg, New Delhi 110001.
Printed by the Manager, Government of India Photo Litho Press, Faridabad.

آواز

یکم سے ۱۵ر نومبر ۱۹۸۶ء
۱۰ر سے ۲۴ر کارتک ۱۹۰۸ شاکا

اشاعت کا ۵۱ واں سال
قیمت ایک روپیہ

آل انڈیا ریڈیو و دوردرشن کے پروگرام، معلوماتی مضامین، دلچسپ افسانے و منظومات

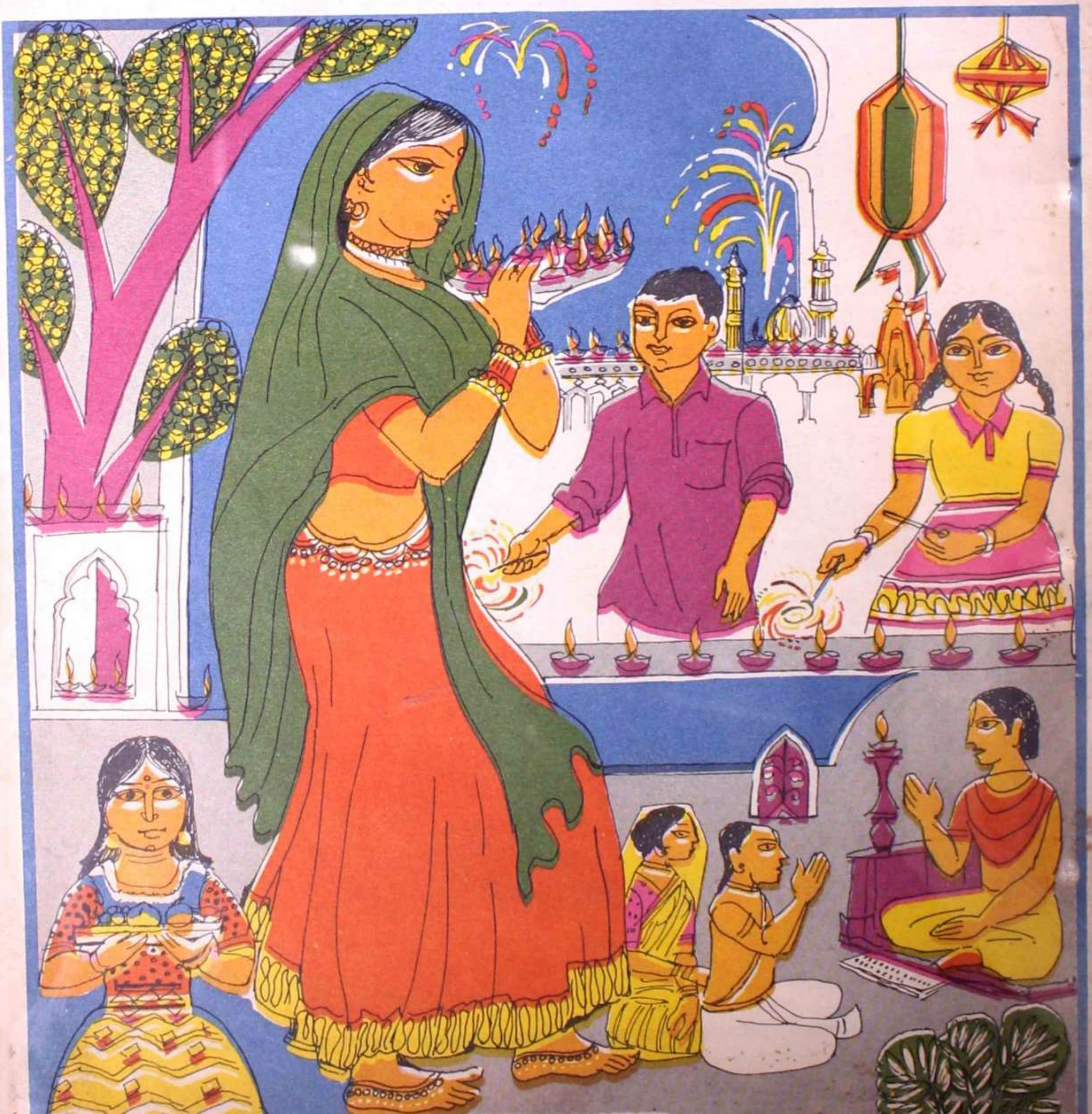

مولانا
ابوالکلام
آزاد
صدی

آواز

آل انڈیا ریڈیو کے پروگرام

جلد ۵۱ شمارہ ۲۱

یکم نومبر ۱۹۸۶ء بمطابق ۱۰ کارتک ۱۹۰۸ شاکا

چیف ایڈیٹر — ایس کے سندر ٹیلی فون ۳۸۲۲۴۹

ادارت

سراج احمد ۳۸۲۲۵۴

ہر مہندر سنگھ وج

اس شمارے میں

مولانا ابوالکلام آزاد ——— آغا محمد غیاث الرحمٰن ۳
طوطیٔ ہند حضرت امیر خسرو دہلوی ——— مولانا ہادی نقشبندی ۷
جمشید سید ——— ابوالکلام قاسمی ۸
حضرت رسول اکرم کا اخلاق ——— مولانا علی احمد بسمل عزیزی ۱۰
روشنی ——— بشیر شاہ ۱۱
مہر کے بابا ——— شرن رانی ۱۲
خواتین اور سماجی اصلاحات ——— صالحہ عابد حسین ۱۳
موجودہ سینما اور نئی ٹیکنالوجی ——— بشیر بڈگامی ۱۵
شیخ جی ——— اکرام الحق ۱۶
جدید اردو شاعری میں علامت نگاری ——— محسن جلگانوی ۱۷
ہمارا ریڈیو ——— قیوم جاوید ۱۸
ہندی فلموں میں گیت سازی ——— شہریار ۲۰
پرتو ——— آمنہ ابوالحسن ۲۱
میرے لیے ——— اکرام جاوید ۲۲
سلاخوں کے پیچھے ——— ہردے کول بھارتی ۲۴
نجات ——— حسن منصور ۲۵
وفا اور وحشت ——— علی محمود ۲۶
لاکٹ ——— ڈاکٹر مسعود عالم ملک ۲۷

غزلیات

(نعت شریف) رئیس آنولوی ——— ۱۰
جلیس نجیب آبادی ——— ۱۴
صادق نوید ——— ۱۸

قیمت

فی کاپی ——— ایک روپیہ
سالانہ ——— ۲۲ روپے
دو سال ——— ۴۲ روپے

ادائیگی بذریعہ چیک / پوسٹل آرڈر / منی آرڈر / بینک ڈرافٹ، بنام چیف ایڈیٹر آکاشوانی گروپ آف جرنلز، آل انڈیا ریڈیو، پی ٹی آئی بلڈنگ، سنسد مارگ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱

Telegram: 'LISTENER' New Delhi

(ایک سال سے کم کا چندہ قابل قبول نہیں ہوگا)

اندرون ملک ڈاک خرچ بذمہ ادارہ

مولانا ابوالکلام آزاد

ایک عظیم شخصیت

آغا محمد غیاث الرحمٰن

مولانا ابوالکلام آزاد کی جامع صفات شخصیت کے ہر پہلو کا احاطہ یہاں دشوار ہے۔ وہ بلند پایہ سیاستداں، جیّد عالم دین، صاحبِ طرز نثر نگار، قادر الکلام شاعر، شعلہ بیان مقرر، عظیم المرتبت صحافی، بے مثال محقق و مورخ اور اعلیٰ صفات انسان تھے۔ کارگہِ حیات میں آپ کی ہمہ گیری اور ہمہ جہتی ہر منصب و موقف پر اپنی عظمت و وقعت کا لوہا منوا چکی ہے۔

مولانا آزاد کا سلسلۂ نسب شیخ جمال الدین دہلوی سے ملتا ہے جو عہدِ اکبری میں نامور عالم و صوفی گزرے ہیں۔ مولانا کے والد ماجد مولانا خیر الدین احمد نے جو ایک عالم دین اور شیخ طریقت تھے۔ ایک زمانہ میں ہجرت کر کے مکۂ معظمہ میں سکونت اختیار کی۔ مدینہ منورہ کے مفتی شیخ محمد طاہر کی بھانجی سے آپ کا عقد ہوا۔ انہی کے بطن سے نومبر ۱۸۸۶ء میں مولانا آزاد پیدا ہوئے۔ آپ کا اصل نام محی الدین احمد تھا۔ آپ کی عمر دس سال کی تھی کہ آپ کے والد نے ہندوستان کی طرف مراجعت کی اور کلکتہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ مولانا آزاد کی تعلیم و تربیت خالص مشرقی اور کٹر اسلامی ماحول میں ہوئی۔ فطری ذہانت، قوت حافظہ اور شوق مطالعہ نے چودہ سال کی عمر ہی میں علوم مشرقیہ سے فارغ کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے جدید علوم و فنون کی طرف توجہ کی اور ان میں بھی دستگاہ حاصل کی۔

مبداءِ فیاض نے مولانا کو ظاہری حسن و وجاہت سے بھی نوازا تھا۔ ان کا وجیہ و شکیل باوقار چہرہ، میانہ قد، متوازن الاعضا جسم اپنی ذات میں ایک عظیم وقار لیے ہوئے تھا۔ مولانا ایک وضعدار انسان تھے، جو لباس زیب تن کیا اسی کو پوری زندگی اختیار کیا۔ شیروانی، ایرانی وضع کی ٹوپی، سیدھا پاجامہ اور کلی دار کرتہ آپ کا مقررہ لباس تھا۔ مولانا روزمرہ کی زندگی میں جو چیزیں استعمال کرتے وہ اعلیٰ درجہ کی ہوتیں۔ اعلیٰ درجہ کی سگریٹ، اعلیٰ قسم کی چائے، اعلیٰ قسم کی غذا۔ آپ کے ذوق بلند کا پتہ دیتی ہے۔

مولانا آزاد نے ۱۹۲۰ء میں عملی طور پر سیاست کے میدان میں قدم رکھا۔ اور بہت جلد ہندوستان کی سیاست پر چھا گئے۔ بیرون ملک سیاسی وفود میں پیش پیش رہے۔ جس سیاسی جماعت میں روزِ اوّل سے شمولیت اختیار کی روزِ آخر تک وفاداری اور بشرطِ استواری اسی جماعت میں شریک رہے۔ آپ کے مشوروں اور عزائم سے ہندوستان کی سیاست آگے بڑھتی گئی۔ ترک موالات کی تحریک سب سے پہلے آپ ہی کے ذہن میں آئی۔ مولانا ہی نے حصول آزادی کی عام تحریک کے ساتھ پارلیمانی تحریک کا آغاز کیا۔ دہلی کے اجلاس میں کانگریس کی صدارت آپ کو تفویض کی گئی۔ ۱۹۲۰ء میں آپ نے سائمن کمیشن کے خلاف بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ۱۹۲۹ء میں آپ دوبارہ کانگریس کے صدر منتخب ہوئے۔ ۱۹۴۶ء میں عبوری حکومت میں آپ کو وزیرِ تعلیم بنایا گیا۔ آپ نے جنگ آزادی کے سلسلے میں دیگر عمائدین ملک کے ساتھ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ مولانا پورے جوش و جذبے کے ساتھ جنگ آزادی میں صفوں کو آراستہ کرتے اور پوری تندہی سے عملی سیاست میں حصہ لیتے۔ لیکن جب جیل میں نظر بند کیے جاتے تب اپنے رشحاتِ قلم تحقیق و تحریر کے دفتر کھول دیتے۔ مولانا کی قیمتی زندگی کے تقریباً سولہ سال قید و بند میں گزرے۔ رانچی میں ۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۰ء تک ٹیگور ولا میں نظر بند رہے۔ اس مدت میں آپ کا مشغلہ تدوین تفسیر و تذکرہ رہا۔ علی پور جیل کلکتہ اور نینی جیل الٰہ آباد میں قرآن مجید کا مطالعہ کرنا اور اس کا درس دینا آپ کا مشغلہ تھا۔ میرٹھ سینٹرل جیل میں ترجمان القرآن کی دوسری جلد مکمل کی۔ ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۵ء تک کبھی گونڈہ، کبھی مراد آباد، کبھی دہلی اور کبھی احمد نگر کی جیلوں میں رہے۔ اردو کی مایۂ ناز تخلیقات "غبار خاطر" اور "کاروانِ خیال" احمد نگر جیل کا عطیہ ہیں۔

(آگے ص ۶ پر)

ریڈیو سنگیت سمیلن ۸۶ء

ہفتہ ۸ر نومبر

رات ۳۰-۹ سے ۰۰-۱۱

ہری پرساد چورسیہ : بانسری وادن
ملہر کلکرنی : بانسری سنگت
اندو چٹرجی : طبلہ
(۴ر اکتوبر کو دہلی میں منعقد محفل موسیقی کی ریکارڈنگ)

اتوار ۹ر نومبر

صبح ۰۰-۱۰ سے ۰۰-۱۱

وی جی جوگ : وائلن
مہا پرش مشرا : طبلہ

صبح ۰۰-۱۱ سے دوپہر ۰۰-۱۲

پنڈت جسراج : گائن
چندر شیکھر سوامی : سنگت گائن
اپا جلگاونکر : ہارمونیم
نندن مہتہ : طبلہ

رات ۰۰-۱۰ سے ۰۰-۱۱

سی سروجا، سی للتا : دوگانہ
کے اوشا : وائلن
شری مشنم وی. راجا راؤ : مردنگم
کے ایم ویدیا ناتھن : گھاٹم
(۵ر اکتوبر کو دہلی میں منعقد محفل موسیقی کی ریکارڈنگ)

پیر ۱۰ر نومبر

رات ۰۰-۱۰ سے ۰۰-۱۱

ضیا معین الدین ڈاگر : بین
لکشمی نارائن پوار : پکھاوج
(۴ر اکتوبر کو احمد آباد میں منعقد محفل موسیقی کی ریکارڈنگ)

منگل ۱۱ر نومبر

رات ۰۰-۱۰ سے ۰۰-۱۱

جی ایس سری کرشنن : بانسری
وی وی سبرامنیم : وائلن
ٹی وی گوپالا کرشنن : مردنگم
ٹی وی واسن : گھاٹم
(۵ر اکتوبر کو کلکتہ میں منعقد محفل موسیقی کی ریکارڈنگ)

بدھ ۱۲ر نومبر

رات ۰۰-۱۰ سے ۰۰-۱۱

شری کانت باکرے : گائن
سجل سر : ہارمونیم
گوپال وڈے گاؤنکر : طبلہ
(۴ر اکتوبر کو پٹنہ میں منعقد محفل موسیقی کی ریکارڈنگ)

جمعہ ۱۴ر نومبر

رات ۰۰-۱۰ سے ۰۰-۱۱

رحمت علی خاں : سرود
اسمٰعیل دادو خاں : طبلہ
(۴ر اکتوبر کو پٹنہ میں منعقد محفل موسیقی کی ریکارڈنگ)

ہفتہ ۱۵ر نومبر

رات ۳۰-۹ سے ۰۰-۱۱

ایم وی سبنتھانم : گائن
ایم ایس راما چندرن : سنگت گائن
ایم چندر شیکھرن : وائلن
ویلور راما بھدرن : مردنگم
(۵ر اکتوبر کو کلکتہ میں منعقد محفل موسیقی کی ریکارڈنگ)

جمعرات ۱۳ر نومبر

رات ۰۰-۱۰ سے ۰۰-۱۱

ایم پی این سیتھورمن اور ایم پی این پنو سوامی و ساتھی : ناگا سورم
ایچ اے کے پلانی ویل : تاویل
(۵ر اکتوبر کو مدراس میں منعقد محفل موسیقی کی ریکارڈنگ)

آئندہ نشریات

اننت لال اور ساتھی	شہنائی	۱۴ر نومبر
حفیظ احمد خاں	گائن	۱۶ر نومبر
ذوالفقار حسین خاں	سنگت	۱۶ر نومبر
گنا کُڈی آر ویدیا ناتھن	وائلن	۱۶ر نومبر
نرملا ارون	گائن (سنگم سنگیت)	۱۷ر نومبر
این۔ سی سوندراولی	گائن	۱۸ر نومبر
اندرا نیل بھٹاچاریہ	ستار	۱۹ر نومبر
ایم۔ ایس بالا سبرامینا سرما	گائن	۲۰ر نومبر
ایس کلیان رمن	گائن	۲۱ر نومبر
جیا لبسواس	ستار	۲۲ر نومبر
ونایک وو ھرا	تار شہنائی	۲۳ر نومبر
نیما شاکر	گائن	۲۳ر نومبر
نیلا کی ٹی وی کرشنا مورتی	گائن	۲۳ر نومبر
نصیر ظہیر الدین ڈاگر اور نصیر فیاض الدین ڈاگر	گائن	۲۴ر نومبر
این روی کرن	گوٹو وادیم	۲۵ر نومبر
دیویندر مردیشور	بانسری	۲۶ر نومبر
پربھا اترے	گائن	۲۷ر نومبر
راجیشوری پدمانابھن	وینا	۲۸ر نومبر
سنگھ بندھو (سریندر سنگھ اور تیج پال سنگھ)	گائن	۲۹ر نومبر
شاہد پرویز	ستار	۳۰ر نومبر
ایل کے پنڈت	گائن	۳۰ر نومبر
سیتا لکشمی وینکٹیشن	گائن	۳۰ر نومبر
کے۔ ایس گوپال کرشنن	بانسری	یکم دسمبر
پربھو دیو سردار	گائن	۲ر دسمبر
این ناگا راجو اور ساتھی	ناگا سورم	۳ر دسمبر
ینا دیوی	گائن (سنگم سنگیت)	۴ر دسمبر
ڈی۔ کے۔ بیتا	گائن	۵ر دسمبر
کے۔ ایس نارائن سوامی	وینا	۶ر دسمبر
بدھ دیو داس گپتا	سرود	۷ر دسمبر
منی پرساد	گائن	۷ر دسمبر
شیو کمار شرما	سنتور	۷ر دسمبر

مزید تفصیلات آواز ۱۶ر نومبر میں ملاحظہ فرمائیں

مولانا نے علمائے حق اور اکابرینِ ملّت کے تعاون سے جمیعتہ العلماء ہند کی تشکیل کی تاکہ مسلمانانِ ہند کی دینی قیادت، تعلیمی و تہذیبی امارت روشن خیال علماء عصر کے ہاتھوں میں رہے ۱۹۲۱ء میں جمیعتہ العلماء ہند کا پہلا اجلاس مولانا کی صدارت میں رامپور میں ہوا۔ قوم نے اس یادگار جلسہ میں آپ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو "امام الہند" کا خطاب تفویض کیا۔

بحیثیت وزیرِ تعلیم مولانا کی خدمات بھی بہت وسیع ہیں۔ آپ نے یونیورسٹی کے نصاب کی جدید تنظیم کی۔ ثانوی تعلیم کا ڈھانچہ بدلا۔ مہاتما گاندھی کی بنیادی تعلیم کو عملی روپ دیا۔ ساہتیہ اکاڈمیاں قائم کیں۔ اور ہندوستان کی تمام بھاشاؤں کو مساوی حیثیت پر لاکر ان کے فروغ کے لیے مختلف تجاویز پیش کیں اور مختلف تدابیر سے ان کو عملی جامہ پہنایا۔

مولانا جادو بیان مقرر اور شعلہ بیان خطیب تھے۔ وہ اپنے اعجازِ بیان اور سحرِ خطابت سے سارے مجمع کو مسحور کر لیتے۔ آزادی سے قبل ایک موقع پر آزاد میدان بمبئی میں ہزاروں کا اجتماع تھا۔ مولانا تقریر کر رہے تھے کہ بارش شروع ہوگئی۔ مولانا نے اپنی تقریر کا رُخ اس بارش کی طرف کیا اور یوں گویا ہوئے:

"آیئے۔ یہ آسمان بھی ہمارا امتحان لینے لگا۔
لیکن جو آزادی کی آگ ہمارے سینوں میں
بھڑک رہی ہے بارش کے یہ معصوم قطرے
اس آگ کو بجھا نہیں سکتے۔"

مجمع مولانا کی تقریر کے دوران اپنی جگہ ساکت و صامت بھیگتا رہا۔ ان جملوں کو سننے کے بعد کسی کی ہمت مجمع سے ہٹنے کی نہیں ہوئی۔

جہاں تک مولانا کی ادبی تخلیقات اور انشا پردازی کا تعلق ہے۔ آپ کی تحریرات اردو ادب کے سرمایہ میں ادب عالیہ کا درجہ رکھتی ہیں۔ آپ کی تحریر میں عقلیت و شعریت کی دلپذیر ہم آہنگی ملتی ہے۔ فصاحت و بلاغت کے ساتھ فکر و نظر کی بلندیاں، تلمیحات و استعارات کی عبارت آرائیاں موقع محل کی مناسبت سے عربی، فارسی اور اردو اشعار کی حسین پیوندکاریاں مولانا کی تحریر میں انفرادی شان پیدا کرتی ہیں۔ ان کی تحریر کا کوئی لفظ یا فقرہ بھی ان کے پیش رو ادیبوں کی طرز نگارش سے میل نہیں کھاتا۔ ان کی تحریر میں کوئی بات ایسی نہیں ملتی جس کا انداز عام انشا پردازی سے مماثلت رکھتا ہو۔ ان کا اندازِ نگارش ان ہی کے لیے مخصوص تھا۔ آج تک کوئی ادیب اس کی تقلید نہ کر سکا۔ لفظوں کی قوت اور جذبات کی بے پناہ روانی کے ساتھ مولانا کا طرزِ تحریر ایک لطیف آرٹ سے کم نہ تھا۔ وہ معمولی بات یا واقعہ کو بھی فصاحت و بلاغت اور لفظوں کی معنویت سے دل و دماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتے تھے۔ مولانا کے ادبی افکار کا بہترین نمونہ "غبارِ خاطر" میں نظر آتا ہے۔ جو ان کے مطالعہ کی گہرائی اور قوتِ فکر کا آئینہ دار ہے۔ اس میں ایک جگہ مولانا نے اپنے مخصوص انداز میں چڑیا چڑے کی کہانی لکھی ہے، جو بظاہر عام اور معمولی بات نظر آتی ہے لیکن حقیقت میں اس کے پس پردہ مولانا نے فلسفۂ حیات بیان کر دیا ہے۔

مولانا کی تحریروں میں علمی و تاریخی مباحث بڑی شگفتگی سے بیان ہوئے ہیں۔ نثر میں اسقدر رنگینی اور اچھوتا پن ہے کہ خشک سے خشک مضامین اور موضوعات بھی پڑھنے والے پر بار نہیں گزرتے اور نہ اس کی طبیعت کی سیری ہی ہوتی ہے۔

آپ کی نثر کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ مربوط ہوتی ہے۔ الفاظ کی بندش اس طرح ہوتی ہے کہ اگر ایک لفظ بھی ادھر ادھر کر دیا جائے تو ساری فصاحت خاک میں مل جائے۔ مولانا کی نثر کو دیکھ کر سیّد سجاد یلدرم کہتے ہیں کہ "میرا عقیدہ ہے کہ اگر قرآن مجید نازل نہ ہوتا تو یا تو مولانا ابوالکلام کی نثر منتخب ہوتی یا اقبال کی نظم۔" حسرت موہانی اپنی شاعری کو مولانا کی نثر کے سامنے بے حقیقت خیال کرتے۔ فرماتے ہیں ؎

جب سے دیکھی ابوالکلام کی نثر
نظمِ حسرت میں بھی مزہ نہ رہا

مولانا کی نثر کی ایک اور خصوصیت طنز و مزاح کا وہ اعلیٰ معیار ہے جو ان کے یہاں ملتا ہے جس کے نمونے "غبارِ خاطر" اور "الہلال" میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ مولانا نے مزاح میں عامیانہ لہجہ یا بد مذاقی کا شائبہ بھی نظر نہیں آتا۔ طنز میں بھی مولانا کا قلم تیر و نشتر اگلتا ہے۔ لیکن تعصب و عناد سے بالاتر ہے۔ شاعرانہ سوز و گداز نے بھی مولانا کی تحریر میں جوش و گرمی پیدا کر دی ہے۔

مولانا کی انفرادیت ہر مقام پر ان کی شخصیت کو ممتاز، بلند اور نمایاں کر دیتی ہے۔ ان ہی محاسن میں ایک خوبی ان کا تنقیدی شعور بھی ہے۔ ان کی سیاسی، مذہبی اور ادبی نگارشات میں ہر جگہ تنقیدی شعور نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ ان کے دلائل اور اخذ کردہ نتائج اتنے مضبوط اور منطقی ہوتے ہیں کہ ان کا غلط ثابت کرنا مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے۔

شعر و شاعری کی طرف بھی مولانا کی طبیعت کا رجحان رہا ہے اور کچھ عرصہ اس کی جلوہ طرازیاں جاری بھی رہیں۔ آپ نے نہ صرف اردو بلکہ فارسی میں بھی شاعری کی۔

صحافت کے میدان میں مولانا نے ایسی روش اختیار کی جو سب سے جداگانہ تھی۔ مولانا نے اس روش کو خود ایجاد کیا، خود اس پر چلے اور ان کے بعد وہ روش خود بخود ختم بھی ہوگئی۔ کوئی دوسرا ان کا تقلید نہ کر سکا۔ مولانا کے "الہلال" نے اردو صحافت کے معیار کو بلند سے بلند تر کر دیا۔ عالمی مسائل پر بصیرت افروز تبصرے، سیاسی احوال و کوائف پر عمیق نظری، علمی و دینی مقالات کی افادیت "الہلال" ہی کے ذریعہ صحافتی دنیا کے سامنے آئی۔ مولانا نے ۱۹۱۲ء میں "الہلال" اور ۱۹۲۱ء میں "البلاغ" جاری کیا۔ کچھ عرصہ "وکیل" اور "الندوہ" سے بھی وابستہ رہے۔ ان کے علاوہ جن رسائل و جرائد کو مولانا کا قلمی تعاون حاصل رہا ان میں "مخزن" لاہور، "خدنگ نظر" لکھنؤ، "دارالسلطنت" کلکتہ، "احسن الاخبار" کلکتہ، نیرنگ عالم احسان، الصدق، خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

مولانا کی تصنیفات کی فہرست حسبِ ذیل ہے:
(۱) ترجمان القرآن، (۲) تذکرہ، (۳) مسلمان عورت، (۴) شہید اعظم، (۵) خون شہادت کے دو قطرے، (۶) سرمد شہید، (۷) انسانیت موت کے دروازے پر، (۸) مسلمان اور کانگریس، (۹) انڈین نیشنل کانگریس، (۱۰) اتحاد اسلامی، (۱۱) لیلتہ القدر، (۱۲) عیدین، (۱۳) ولادت باسعادت، (۱۴) خطبۂ احیاء ملت، (۱۵) مقام دعوت، (۱۶) الحرب فی القرآن، (۱۷) اولیاء اللہ اور اولیاء الشیطان، (۱۸) افسانۂ ہجر و وصال، (۱۹) ہماری آزادی، (۲۰) حجت ابراہیمی، (۲۱) حقیقت الصلوٰۃ، (۲۲) حقیقت الصوم، (۲۳) حقیقت الزکوٰۃ، (۲۴) حقیقت الحج، (۲۵) غبار خاطر، (۲۶) کاروان خیال، (۲۷) مسئلہ خلافت، (۲۸) بائیکاٹ، (۲۹) قول فیصل (۳۰) خطبات آزاد، (۳۱) تقاریر مولانا آزاد، (۳۲) آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی، (۳۳) جامع الشواہد فی دخول غیر المسلم فی المساجد (۳۴) نقش آزاد، (۳۵) میرا عقیدہ۔

مولانا آزاد کی تفسیر "ترجمان القرآن" تفسیری ادب میں ایک وقیع تصنیف ہے۔ ادب کی چاشنی اور اسلوب بیان نے اسے اردو میں تفسیر کا شاہکار بنا دیا ہے۔

مولانا کی ہمہ گیر شخصیت اور ہمہ جہتی زندگی میں قرآن مجید کو موصوف کے قلب و نظر کا مرکز قرار دیا جا سکتا ہے۔ ترجمان القرآن کی تمہید میں مولانا نے اپنی زندگی کے اس رُخ کو اس طرح واضح کیا ہے:

"کامل ستائیس برس سے قرآن میرے شب و روز کے فکر و نظر کا موضوع رہا ہے اور اس کی ایک ایک سورۃ، ایک ایک مقام، ایک ایک آیت، ایک ایک لفظ پر میں نے وادیاں قطع کی ہیں اور مرحلوں پر مرحلے طے کئے ہیں، تفاسیر و کتب کا جتنا مطبوعہ و غیر مطبوعہ ذخیرہ موجود ہے، میں کہہ سکتا ہوں کہ اس کا بڑا حصہ میری نظر سے گزر چکا ہے۔ اور علوم قرآن کے مباحث و مقالات کا کوئی گوشہ نہیں جس کی طرف سے تغافل اور جستجو نے تساہل کیا ہو۔ علم و نظر کی راہوں میں آج کل جدید و قدیم کی تقسیمیں کی جاتی ہیں لیکن میرے لیے یہ تقسیم بھی کوئی تقسیم نہیں۔ جو کچھ قدیم ہے وہ مجھے ورثہ میں ملا اور جو کچھ جدید ہے اس کے لیے اپنی راہیں آپ نکالیں۔ میرے لیے وقت کی جدید راہیں بھی ویسی ہی دیکھی بھالی ہیں جس طرح قدیم راہوں کے چپہ چپہ کا شناسا ہوں۔"

۱۹۵۸ء کو یہ عظیم انسان ہم سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگیا۔

(ناگپور سے نشر)

آغا محمد غیاث الرحمٰن
انڈین پرنٹنگ پریس، محمد علی سرائے
ناگپور ۱۸

طوطیٔ ھند

حضرت امیر خسرو دہلوی

مولانا ھادی نقشبندی

صوفی اور تصوف کی اصطلاحیں عام طور پر مسلمان صوفیوں کے لیے استعمال کی جاتی ہیں لیکن تصوف کا وسیع تر مفہوم جس مسلک، ذہنی رجحان اور انداز فکر کا حامل ہے وہ صرف مسلمانوں سے مخصوص نہیں۔ مختلف مذاہب واقوام اور ممالک میں ایسے رجحانات ومیلانات کے واضح آثار پائے جاتے ہیں جنھیں تصوف کی بنیاد قرار دیا جاسکتا ہے اور ان سب کا لب لباب یہی ہے کہ صوفی معرفت ومحبت سے لبریز ہوتا ہے۔ اس کا علم وعمل، گویائی وسکوت، محبت وعرفان کا آئینہ دار ہے۔ جو پروفیسر نکلسن کے تجزیہ کے مطابق درست معلوم ہوتی ہے کہ "تمام صوفیانہ تجربات بالآخر ایک نقطہ پر پہنچ کر مل جاتے ہیں"۔ لیکن یہ نقطہ صوفی کے مذہب، نسل ومزاج کی مناسبت سے مختلف شکلیں اختیار کرلیتا ہے۔ اور اس نقطہ تک پہنچنے کے لیے جو راہیں اختیار کی جاسکتی ہیں، وہ بجائے خود اتنی متنوع ومختلف ہیں کہ اس مختصر صحبت میں اس کا احاطہ ممکن نہیں۔

فارسی ادب کا سب سے بڑا ونمایاں عنصر تصوف وطریقت ہے جو فارسی شاعری کی جان ہے۔ اور یہ ہندوستان میں غزنویوں کے دم قدم سے آئی، ان ہی کے اثر سے تمام اسلامی دور میں یہاں کی درباری زبان فارسی رہی۔ جب غوریوں کا عروج ہوا اور سلطان معزالدین محمد غوری نے ۱۱۹۲ء میں دہلی واجمیر پر قبضہ کرلیا تو اسلامی تہذیب وتمدن اور فارسی شعر وادب کا سب سے بڑا مرکز دہلی بن گیا۔ ٹھیک اسی زمانہ میں وسط اور مغربی ایشیا کے اسلامی ممالک میں "فتنۂ مغول" کی آندھی اٹھی جس سے بچنے کے لیے مسلمان صوفی، عالم، شاعر وادیب جوق درجوق ہندوستان میں آکر پناہ گزیں ہوئے۔ ہندوستان میں اب شعر وسخن کی زمین تیار تھی، فقط کسی صاحبِ کمال کا انتظار تھا، وہ کمی حضرت امیر خسروؒ نے پوری کردی۔

ہندوستان کا سب سے عظیم صوفی شاعر ابوالحسن ۱۲۵۴ء میں قنوج کے قریب قصبہ پٹیالی ضلع ایٹہ میں پیدا ہوا۔ سات یا نو سال کی عمر تھی کہ والد ماجد امیر سیف الدین محمود شمسی کے سایۂ عاطفت سے جو ترکستان سے آئے تھے محروم ہوگئے۔ جن کی سرپرستی ان کے نانا عماد الملک نے جو دربار دہلی کے بلند مرتبت امیر کبیر تھے، کی زیر کفالت، تعلیم وتربیت ہندوستان کی ملی جلی گنگا جمنی تہذیب میں ہوئی۔ اس لیے یہاں کے اوضاع واطوار سے خوب واقف ہوگئے۔ انتہائی ذہین وفریس تھے۔ مروجہ علوم وفنون کی تحصیل میں ہمہ تن مشغول ہوگئے۔ فہیم وادراک اور حافظہ یہ سب خداداد بچپن سے ملا تھا۔ ان کی رنگارنگ طبیعت، ہمہ جہت شخصی انفرادیت جو بیک وقت صوفی، ادیب، شاعر، مصنف، سپاہی اور مصاحب سبھی کچھ تھے۔ وہیں فقیر وبادشاہ، خانقاہ ودربار، مجلس حال وقال سے میدانِ جنگ وجدال تک یہ تھے طوطیٔ ہند حضرت امیر خسرو دہلویؒ۔

حضرت امیر خسروؒ بچپن ہی سے شعر وشاعری کی طرف مائل تھے۔ ان کے والد نے یہ ذوق وشوق دیکھا اور طبیعت کو طریقہ صوفیت کی طرف مبذول پایا تو حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ کی میں خدمت میں لے چلے۔ جب دروازہ میں داخل ہوئے تو حضرت خسروؒ نے والد ماجد سے عرض کیا کہ پیر کو پسند کرنا میرا کام ہے نہ کہ آپ کا، غرض ان کے والد وہیں انھیں چھوڑ گئے۔ حضرت خسروؒ نے دروازہ میں بیٹھے بیٹھے ہی ایک رباعی موزوں کی اور خیال کیا کہ اگر پیر روشن ضمیر ہے تو اس کا جواب ضرور دے گا اور جواب معقول ہوا تو میں مرید ہوجاؤں گا ورنہ واپس چلا جاؤں گا ؎

تو آں شاہے کہ بہ ایوان قصرت
کبوتر گر نشیند باز گردو
غریب مستندے بردر آمد
بیاید اندرون یا باز گردو

حضرت محبوب الٰہیؒ کو کشف سے تمام حالت معلوم ہوگئی اور ایک خادم کو بلاکر کہا کہ ایک لڑکا دروازہ پر بیٹھا ہے اس کے پاس جاکر یہ رباعی پڑھ دو ؎

بیاید اندرونی مرد حقیقت
کہ باما یک نفس ہمراز گردو
اگر ابلہ بود آں مرد نادان
ازاں راہے کہ آمد باز گردو

جب حضرت خسروؒ نے یہ رباعی سنی تو پھڑک اٹھے، فوراً اندر داخل ہوئے اور حضرت کے قدموں میں سر رکھا اور مرید ہوگئے۔

اگرچہ آپ کی تمام عمر بادشاہوں کے درباروں، امراء و رؤسا کی صحبتوں میں گزری مگر دنیا کی محبت دل میں نہ تھی۔ آپ دن میں درباروں یا رؤسا کے یہاں رہتے اور رات حضرت محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں گزارتے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ کا یہ قاعدہ تھا کہ عشاء کی نماز سویرے سے پڑھ کر خوابگاہ میں تشریف لے جاتے، اس وقت سوائے حضرت خسرو کے کسی اور کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔ جب آپ رات حاضر ہوتے تو حضرت محبوب الٰہیؒ فرمایا کرتے "کہو ترک کیا کیا خبریں ہیں" آپ دن بھر کے تمام واقعات سنایا کرتے پھر ارشاد ہوتا "اپنا تازہ کلام سناؤ" اس اثناء میں آپکی آنکھ لگ جاتی اور حضرت خسروؒ بھی آپ کے قدموں میں سر رکھ کر سوجاتے۔

ہندوستان ایک قدیم ملک ہے جس کے رشیوں، منیوں اور مفکروں کا رجحان ہمیشہ سے صوفیانہ خیالات اور عقائد کی جانب مبذول اور زندگی کے آخری مقصد کو جاننے کے لیے دین دھرم و روحانیت کی طرف مائل رہا ہے۔ ویدانت کا نظریہ تصوف بھی بقا کی بجائے فنا کی تعلیم بن کر خدا کی ذات کے متعلق "نیستی نیستی" رہ گیا۔ اس قسم کے نظریہ حیات سے خیر وشر کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔ جس سے جدوجہد کی قوتیں بھی مفلوج ہوجاتی ہیں۔ لیکن کبیر، نانک جیسے بھگتوں نے انسانوں کو اس غفلت سے بیدار کرتے ہوئے بتایا کہ ایشور، اللہ ہر جگہ اور سب کے اندر موجود ہے۔ حضرت امیر خسروؒ کا شمار بھی ایسے ہی وسیع المشرب صوفیاء میں ہوتا ہے جو وحدت الموجود اور وحدت الشہود کا اقتضاء اسی کو سمجھ کر ہر مذہب وملت کا احترام کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

حضرت امیر خسروؒ کا ذہن بھی سختی سے پابند شریعت ہونے کے باوجود اسی رنگ تصوف میں ڈوبا ہوا تھا ایک پختہ کار مسلمان ہوکر عشق ومحبت میں بت پرستی کو برا نہیں سمجھتے تھے، اختلاف شدید کے باوجود خود کہتے ہیں ؎

کافر عشقم مسلمانی مرا در کار نیست
ہر رگ من تار گشتہ حاجت زنار نیست
خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی می کند
آرے آرے می کنم با خلق وعالم کار نیست

جذبات انسانی میں عشق ومحبت کا جذبہ جس قدر شدید وقوی ہے شاید ہی کوئی دوسرا ہو۔ اس جذبہ کی ہمہ گیری کا یہ عالم ہے کہ انسان دنیا ومافیہا حتیٰ کہ کبھی کبھی اپنے آپ کو بھی بھول جاتا ہے اور ایک ہی یاد کا ہو رہتا ہے، یہی محبت ہے جو اکثر صوفیاء کی رائے میں تصوف کی اساس ایک خودرو پودے کی طرح ہے جو مناسب زمین پاکر پھولتا پھلتا ہے۔ اسلام میں بھی کسی خارجی یا داخلی اثر کے بغیر یہ تحریک خود پیدا ہوئی اور موافق حالات میں ترقی پکڑ گئی۔ نیز تصوف سامی مذہب کے خلاف آریائی دماغ کا ردعمل ہے جو صوفیانہ مسیحی عقائد وافکار کا رہین منت اور یہ تمام اعتقادات فلسفہ یونان کی بازگشت ہیں جو ہمیشہ مابہ بحث رہے ہیں جس کی روشنی میں حضرت امیر خسروؒ نے تصوف میں حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کا دامن تھاما اور رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ؎

من تو شدم تو من شدی، من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں، من دیگرم تو دیگری

حضرت خسروؒ اپنے پیر طریقت کا بے حد احترام کرتے تھے اور پروانہ وار فدا تھے۔ حضرت محبوب الٰہی بھی اپنے تمام مسترشدین اور ارادت مندوں میں سب سے زیادہ انھیں چاہتے اور انہی پر توجہ مبذول فرماتے۔ امیر خسروؒ حضرت کے عاشق صادق

تھے۔ ان کا تمام کلام جو کئی لاکھ ابیات پر مشتمل ہے حضرت ہی کی صوفیانہ تعلیمات کے والہانہ انداز بیان جو اپنی سادگی و پرکاری شگفتگی و روانی، پند و مواعظ کی برجستگی اور شیریں بیانی سے دل گداز جذبات کی ترجمانی کرتا ہے جس کی تاثیر دلوں کو گرما دیتی ہے۔ چونکہ وہ خود ایک صاحب دل تھے، ان کے دل سے جو بات نکلتی سراپا تاثیر بن جاتی اور ہر ایک کو تڑپا دیتی" تزک جہانگیری" اور "داغستانی" میں ایک چشم دید معتبر روایت موجود ہے کہ جہانگیر نے صوفیاء کو مجلس سمع کی دعوت دی، قوال نے حضرت خسروؒ کا یہ شعر گانا شروع کیا ؎

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے
من قبلہ راست کردم ہر سمت کجکلاہے

اس مجلس میں مولانا علی احمد مہر کن جو نشانی تخلص کرتے تھے اسوقت وجد میں آئے، جہانگیر نے اس شعر کا مطلب پوچھا، مولانا اسی طرح رقص کرتے ہوئے جہانگیر کے سامنے گئے اور فرمایا کہ ہنود اپنے کسی تہوار میں جوق در جوق دریا کے کنارے جمع ہو رہے تھے۔ اور غسل میں مشغول تھے، حضرت محبوب الٰہی بھی اس وقت سیر کرتے ہوئے اس طرف سے گزرے، ان لوگوں کے مذہبی جوش کو دیکھ کر حضرت محبوب الٰہیؒ نے امیر خسروؒ کی طرف جو ہم رکاب تھے، اشارہ کرکے فرمایا ؎

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے

اتفاقاً حضرت شیخ المشائخ کے سر مبارک پر ٹوپی کج تھی حضرت خسروؒ نے فوراً دوسرا مصرعہ ؎

من قبلہ راست کردم بر سمت کجکلاہے

یہ کہہ کر شعر پورا کر دیا۔ اس روایت کو ختم کرکے مولانا علی احمد اپنے سر پر ہاتھ لے جانا چاہتے تھے کہ اپنی ٹوپی کو ٹیڑھی کرکے بادشاہ کو دکھلائیں کہ حضرت شیخ المشائخ کی ٹوپی جس طرح تھی، لیکن ہاتھ اٹھاتے ہی وجد کا ایک عالم طاری ہو گیا، اور ایک نعرے کے ساتھ جاں بحق ہو گئے۔

حضرت امیر خسروؒ دین و دنیا کا سنگم تھے۔ آپ کی ذات گوناگوں خصوصیات، متنوع کمالات اور محیر العقول کارناموں سے بھری ہوئی تھی۔ جس میں مختلف تہذیب و تمدن سمو دیئے گئے تھے۔ نیز وہ صاحب دل، دردمند اور حب الوطن من الایمان کی مکمل تصویر اور ہندوستانیت سے لبریز تھے۔ ایک طرف درباری زندگی سے آپ کا ایسا گہرا تعلق تھا۔ جہاں ہمیشہ عزت واحترام اور شان و شوکت سے رہے۔ دوسری طرف صوفی منش اور درویش صفت انسان تھے۔ آپ پر روحانیت و فقر کا ایسا غلبہ تھا جیسے دنیا سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ آٹھ سال کی عمر میں حصول بیعت کے باوجود ۱۳۰۲ء میں اسکی مزید تجدید پر پیر و مرشد نے سلسلہ نظامیہ کی چار گوشہ ٹوپی سے سرفراز فرمایا جس نے دو آتشہ کا کام کیا اور دل پر درد جو نگاہ بلند، سخن دلنواز اور جان پُرسوز کا حامل تھا۔ ان تمام اوصاف اور اصناف سخن پر محیط اور وسعت قلب کے ساتھ شاعری میں نظامیہ صوفیت کا ترجمان بن گیا۔ (ناگپور سے نشر)

مولانا ہادی نقشبندی
سجادہ نشین خانقاہ نقشبندیہ بالاپور، (مہاراشٹر)

بھلائے نہ بنے
مشرق و مغرب کی شہرۂ آفاق تصنیفات
کے ان اہم کرداروں پر اردو سروس کی نشریاتی
تقاریر کا سلسلہ جو قاری کے ذہن پر گہرا نقش چھوڑ جاتے ہیں۔

جمشید سیّد

ابوالکلام قاسمی

ہاؤسنگ سوسائٹی

قرۃ العین حیدر کے نمائندہ ترین افسانوں میں سے ایک ہے، جمشید سید ہاؤسنگ سوسائٹی کا مرکزی کردار ہے، جو اپنی بہت سی انسانی کمزوریوں کے باوجود کردار نگاری کے نقطۂ نظر سے ایک شاہکار کردار کی تخلیق کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ ہاؤسنگ سوسائٹی نام کے اس طویل مختصر افسانے میں جمشید کا کردار غربت و افلاس سے سرمایہ داری، خودداری سے انانیت، اور تکبر اور کمتری کے احساس سے برتری کے اظہار تک کی منزلیں طے کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس افسانے کے بڑے حصے پر جمشید سید کی شان و شوکت، امارت و تونگری کی داستان چھائی ہوئی ہے، مگر جمشید کے کردار کا یہ پیش منظر اپنے ساتھ ایک ایسا پس منظر بھی رکھتا ہے جس سے زیر بحث کردار کے ارتقاء اور دو مختلف صورت حال میں انسانی رویوں کو عبرتناک طور پر سمجھنے کا خاصا مواد موجود ہے۔ ہاؤسنگ سوسائٹی کے اہم کرداروں میں جمشید سید کے علاوہ سلمیٰ مرزا، سلمان مرزا، اور ثریا حسین کے کردار اپنی اپنی جگہ قابل توجہ ہیں۔ افسانے کے ایک ایسے موڑ پر جہاں جمشید سید اپنی مصنوعی شخصیت کو اپنا حقیقی منصب سمجھنے لگا ہے ثریا حسین اس کو اس کا ماضی یاد دلاتی ہے اور یہ جتلانا چاہتی ہے کہ ہم دونوں حقیقی معنوں میں کس حیثیت کے مالک ہیں؟ اور دنیا ہمیں آج جو کچھ سمجھنے لگی ہے اس کے سامنے ہم اپنے ماضی کو فراموش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یا بہ الفاظ دیگر ہم اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ ثریا حسین ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہتی ہے ——" تم اور میں۔ ہم دونوں، اپنے پبلک ریلیشنز ایکسپرٹ کے تخلیق کردہ کردار ہیں ——"، جمشید سید کے کردار کے پہلوؤں پر غور کیجئے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی پوری شخصیت صحیح معنوں میں اسی اجمال کی تفصیل ہے —— اس تفصیل کی جزئیات کا تجزیہ کیجئے تو جمشید سید کے کردار کا پورا ارتقاء آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے ——

ایک بے روزگار باپ کا بیٹا، مفلوک الحالی اور عسرت و تنگدستی کے ہاتھوں برباد سجادہ نشین خاندان کا معمولی اور ناقابل اعتنا لڑکا، جو اپنے خاندانی پس منظر اور پریشاں حالی کے نتیجے میں ذہنی اور جذباتی طور پر اپنے حالات کے سامنے ابتدا سے ہی ہتھیار ڈالے ہوا نظر آتا ہے۔ بچپن میں ہی چچا زاد بہن سے شادی طے ہو چکی ہے اس لیے اس معمولی شکل و صورت کی لڑکی کو اپنا مقدر جانتا ہے۔ چھوٹی بٹیا کے عرفی نام سے موسوم کلکٹر صاحب بہادر کی صاحبزادی کو ہاتھی پر سوار دیکھتا ہے تو حسرت سے اس کو تکتا ہی رہ جاتا ہے۔ چھوٹی بٹیا کے ہاتھ سے چھتری گر جاتی ہے تو اسے واپس کرنے کی غرض سے کلکٹر صاحب کے گھر پہنچتا ہے خیمے کی دراز سے اندر کی شان و شوکت اور پرتکلف دعوت کا منظر اسکی آنکھوں کو خیرہ کرنے لگتا ہے۔ وہاں اس کو چور سمجھ کر پکڑ لیا جاتا ہے۔ مگر وہ نہایت اعتماد سے کہتا ہے کہ" ہم چور اور بے ایمان نہیں ہیں، ہم سید جمشید علی ہیں۔ ہم درگاہ شریف کے شاہ منور علی کے بھتیجے ہیں۔ ہمارے چچا سید منظر علی صبح آپ کو سلام کرنے" پھر جلدی سے الفاظ تبدیل کیے۔ " آپ سے ملنے آئے تھے، مگر آپ نے ان کو باہر ہی سے لوٹا دیا" —— میم صاحب نے اس کی بدلتی رنگت دیکھی۔ انھیں اپنا بیٹا سلمان یاد آیا جو اسی طرح غیور اور خوددار تھا —— " تمہاری نواب شمس آرا بیگم سے قرابت داری ہے نا؟" میم صاحب نے دریافت کیا —— " جی نہیں، چچا ابا ان کی زمین جوتتے ہیں۔ راجاؤں اور نوابوں سے ہماری کوئی قرابت داری نہیں" میم صاحب چونکیں۔ لہجے کی یہ تلخی انھیں بہت مانوس معلوم ہوئی —— اس رات کیمپ سے واپس آکر اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ کانپور لوٹ کر جی توڑ کر محنت کرے گا اور ایک دن اس کے نام کے آگے لکھا جائے گا —— ایس جے، علی آئی سی ایس ——" مگر محنت و جانفشانی کے باوجود اس کی یہ آرزو حالات کی نذر ہو کر حسرت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ البتہ اتنا ضرور ہوتا ہے کہ آئی سی ایس بننے کے خواب کو شرمندۂ تعبیر نہ کر پانے کے باوجود ہمت نہیں ہارتا، ٹیوشن پڑھا پڑھا کر گزر اوقات کرتا رہا۔ اور کسی نہ کسی طرح ایم اے تک کی تعلیم حاصل کر لیتا ہے —— اس درمیان اس کی شادی ہوتی ہے مگر اس میں شادیانے نہیں بجتے

وہ ایک بچی کا باپ بن جاتا ہے مگر اس واقعے کے بعد اس کی بیوی اپنے میکے سے واپس نہیں بلائی جاتی ــــ جمشید کے کاندھوں پر ماں کی بیماری، باپ کی بے روزگاری اور بھائی بہن کی کفالت کا بارِ گراں آن پڑتا ہے اور وہ کسی نہ کسی طرح اپنے اور اپنے گھر والوں کی محرومیوں کا علاج اور درد کا درماں ڈھونڈھنے میں مصروف رہتا ہے۔ "دوسری عالمگیر جنگ شروع ہوئی، تو اسے حولدار کلرک کی ملازمت مل گئی۔ پھر وہ جلد ہی ترقی پا کر چار سو روپے ماہوار کا ملازم ہو گیا" لیکن جنگ کے اختتام کے ساتھ وہ محکمہ ٹوٹ جاتا ہے جس میں جمشید کو ملازمت ملی تھی اور اس طرح ایک بار وہ پھر بیروزگار اور بے دست و پا نظر آنے لگتا ہے ــــ یہاں تک ہم جس جمشید علی سے متعارف ہوتے ہیں، وہ اس کی زندگی کے نشیب و فراز کا صرف ایک رُخ ہے۔ دوسرا رُخ تقسیم ہند کے ساتھ سامنے آتا ہے جب جمشید علی قسمت آزمائی کی غرض سے کراچی چلا جاتا ہے ــــ اس سے پہلے کہ جمشید سید کی تصویر کے دوسرے رُخ کا مطالعہ کیا جائے، اس بات کا اندازہ لگانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ہندوستان میں قیام کے دوران جمشید کا کردار خواہ کسی قدر ذہنی، جذباتی اور معاشی الجھنوں اور مشکلات سے گزرا ہو، لیکن اس کی شخصیت میں عزم و ہمت کی فراوانی اور سخت سے سخت حالات سے نبرد آزما ہونے کی جرأت و ہمت بہت نمایاں ہے۔ قرۃ العین حیدر نے جمشید سید کو پاکستان کے نودولتے طبقے کے ایک اہم اور ممتاز فرد کی حیثیت سے پیش کرنے سے قبل کردار نگاری کے نقطۂ نظر سے اس بات کا پورا خیال رکھا ہے کہ اس کی شخصیت کی نشوونما میں ان عوامل اور محرکات کو بھی واضح کر دیں جن کے لازمی نتیجے کے طور پر جمشید سید دولت و ثروت کی افراط میں اپنی شخصیت کے توازن اور اعتماد کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ چنانچہ پاکستان جانے سے پہلے بھی ہمیں جمشید کے کردار میں ایسے عناصر واضح طور پر ملتے ہیں جن کے سبب، بعد کے حالات میں جمشید کے کردار کا ارتقاء اور نئی صورت حال میں اس کے رویے غیر فطری اور غیر متوقع نہیں معلوم ہوتے۔

قرۃ العین حیدر نے جمشید سید کو پاکستان کی نئی دنیا اور نئی صورت حال میں اس طرح قدم جماتے ہوئے دکھلایا ہے ــــ "کراچی پہنچ کر جمشید نے چند روز کی بھاگ دوڑ کے بعد ایک دوست کے اشتراک سے ایکسپورٹ امپورٹ کا کاروبار شروع کر دیا اور میکلوڈ روڈ پر ایک متروکہ دفتر حاصل کر لیا، وہ ہندو تاجر کے انخلا کا زمانہ تھا۔ اس لیے اسے اپنا کاروبار جمانے میں بہت آسانی رہی۔ جنوری ۴۸ء کے بلوے کے بعد ایک دو منزلہ کوٹھی عامل کولونی میں خالی ہوئی تو اس نے اپنے نام الاٹ کروا لی۔ اس نے بڑی محنت اور توجہ سے اپنا کاروبار پھیلایا اور ڈیڑھ سال کے اندر اندر کراچی کی نئی دنیا میں اس کے قدم مضبوطی سے جم گئے۔"

یہ وہ صورت حال ہے جس میں جمشید سید کی زندگی کے ایک نئے باب کا آغاز ہوتا ہے۔ اب وہ ماضی کی تلخ یادوں کو بھلا دینا چاہتا ہے اور اپنی ذات اور اپنے خاندان کے ناگزیر علائق کو نئے سیاق و سباق میں پیش کرنے کا وسیلہ ڈھونڈھتا ہے۔ وہ اپنے والدین کو ہندوستان سے پاکستان لے آتا ہے۔ ماں کا علاج کراتا ہے اور اپنے بے روزگار اور مایوس باپ کو اپنے کاروباری معاملات میں شامل کر لیتا ہے۔ وہ اپنی بیٹی فرحت النساء کی طرف پدرانہ شفقت سے رجوع کرتا ہے اور اسے کراچی لا کر بہترین جدید طرز کے اسکول میں اس کا داخلہ کرا دیتا ہے۔ اب اس کی بیٹی فرحتیا یا فرحت النساء نہیں بلکہ فیری کے نام سے معروف ہے۔ اس کے والد کراچی کے مشہور وکیلوں میں شمار کیے جاتے ہیں، اور وہ خود اب اپنے ملک کے سربرآوردہ تاجروں میں سے ایک ہے، جس کے پاس عیش و عشرت کے سارے وسائل میسر ہیں، وہ کراچی کی اعلیٰ سوسائٹی میں عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔

خوشحالی اور فارغ البالی کے نقطۂ عروج پر جمشید سید کے ساتھ بعض ایسے اتفاقات پیش آتے ہیں جن کے سبب غیر شعوری طور پر ہی سہی لیکن ایک ساتھ کئی لوگوں کے ساتھ اس کے رابطے کی ایسی صورتیں نکلتی ہیں کہ اپنے آپ اس کے ماضی کے زخموں کے اندمال اور محرومیوں کے ازالے یا انتقام کا انداز پیدا ہو جاتا ہے ــــ وہ چھوٹی بٹیا جس کو اس نے ایک کمسن خوبصورت بچی کی شکل میں ہاتھی کی سواری کرتے دیکھا تھا، اور اس کی چھتری واپس کرنے کے موقع پر اسے سُبکی اٹھانی پڑی تھی ــــ وہی چھوٹی بٹیا اب سلمیٰ مرزا ہے جس کی خوبصورتی اور دیدہ زیبی سے متاثر ہو کر جمشید سید اسے اپنی سوشل سکریٹری کی ملازمت پر رکھ لیتا ہے ــــ سلمیٰ مرزا کے بھائی سلمان مرزا کی محبوبہ ثریا حسین اب جمشید سید کی دوست اور منگیتر ہے ــــ جمشید سید کبھی کبھی اپنے ماضی کو یاد بھی کرتا ہے مگر اس طرح گویا ان میں سوائے تلخی اور احساسِ ندامت کے اور کچھ نہ ہو۔ وہ ایک بار جب پاس کے کمرے سے اپنے والد سید اختر علی کو اپنے دوستوں سے باتیں کرتے سنتا ہے اور اندازہ لگاتا ہے کہ اس کے والد بھی خود اس کی طرح زمانہ شناس اور عیار ہو چکے ہیں تو وہ چند لمحوں کے لیے خود اپنا احتساب کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ مگر یہ احساس یا احتساب صرف لمحاتی حیثیت رکھتا ہے۔

دفعتاً ایک بھیانک انکشاف اس کے ذہن کے دھندلکے میں کوندا۔ اپنے خدا پرست، فقیر منش، توکل پسند باپ کو، اس شخص کو جو ایک زمانے میں سید مظہر علی اور گوسائیں کا اور مولوی محمد حسن کے محدود و معصوم دائرے کا ایک فرد تھا۔ اس بھولے بوڑھے کو جھوٹا، بد دیانت، ریاکار اور جعلساز اس نے خود بنا دیا! Oh, what a dog I am, what a dog! وہ جگہ جگہ اپنے غیر انسانی رویوں کو تنقیدی نگاہوں سے دیکھتا ہوا نظر آتا ہے مگر ترقی، دولت اور مادی مسابقت کی جس دوڑ میں شریک ہے وہ اسے اتنی فرصت نہیں دیتی کہ انسانی اور اخلاقی مسائل کے گورکھ دھندھوں میں وہ اپنا وقت ضائع کرے۔ اس نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے کہ دولت و ثروت کی فراوانی کے بعد عزت، شہرت، نام و نسب اور خاندانی شرافت و وقار سب کچھ متاعِ کوچہ و بازار ہیں۔ ہر چیز جنس بازار کی طرح بکنے کو تیار ہے۔ اور دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جسے پیسے سے خریدا نہ جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی دولت، ثریا حسین کو اپنی محبت فراموش کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ سلمیٰ مرزا جیسی اعلیٰ اور باوقار خاندان کی چشم و چراغ چند سو روپے کی ملازمت کے لیے اس کے اور اس کے کاروباری دوستوں کے لیے سامانِ تفریح سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ جمشید سید لوگوں کی مجبوریوں کا احساس رکھتا ہے اور اسے مجبوریوں کی قیمت لگانا آتی ہے۔ اب وہ سوتے جاگتے اور اٹھتے بیٹھتے صرف تاجر ہے، اس لیے دوستی اور محبت، عزت اور وقار اور نیک نامی یا شہرت جیسی ہر چیز اس کے لیے کاروبار ہے صرف کاروبار ــــ

جمشید سید ایک تاجر یا سماجی شخصیت ہونے کی حیثیت سے بالعموم نارمل آدمی دکھائی دیتا ہے جس کو اپنے منصب اور مقام کا پورا احساس ہے اور وہ نہایت ذہانت اور ہوشیاری سے اپنے فرائض انجام دیتا ہے مگر ہاؤسنگ سوسائٹی میں ہمارا سابقہ بعض ایسے مناظر سے بھی پڑتا ہے جب شراب نوشی اور مدہوشی کے نتیجے میں جمشید کے چہرے پر پڑے ہوئے سارے مکھوٹے یکسر اتر جاتے ہیں، اور وہ بے نقاب ہو کر اپنی تمام کمزوریوں کے ساتھ ہمارے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔ ان ہی مواقع میں سے ایک موقع وہ ہے جب وہ اپنے محل نما نئے مکان کی افتتاحی تقریب میں نشے میں مست تاجر دوستوں کے ہاتھوں اور کچھ اپنی خود رفتگی کے نتیجے میں اپنی شخصیت کی تمامتر کراہتوں اور گھناؤنے پن کے ساتھ بے پردہ ہو جاتا ہے۔ سلمیٰ مرزا کی بے حرمتی کرتا ہے اور اپنے ماضی کے زخموں کا شمار کرنے کی کوشش کرتا ہے ــــ یہ وہ موقع ہے جب ثریا حسین کی غیرت اپنے محسن کی بیٹی سلمیٰ مرزا کی بے حرمتی کے ردِ عمل کے طور پر اسے للکارتی ہے۔ اور وہ اپنے ساتھ سلمیٰ مرزا اور جمشید سید کے خاندانی پس منظر کے بعض چھپے ہوئے گوشوں کو نہایت بے دردی سے بے نقاب کر دیتی ہے ــــ اس مرحلے پر جمشید سید ایک بار پھر اپنا محاسبہ کرتا ہے اور اس محاسبے میں بھی اسے اخلاق، انسانی اور آدرش وادی سارے رویّے لایعنی دکھائی دیتے ہیں، وہ سلمیٰ مرزا اور ثریا سے معافی بھی مانگتا ہے مگر نہایت ہوشیاری اور عاقبت اندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے سلمیٰ مرزا کو ملازمت سے سبکدوش کر دیتا ہے۔

جمشید سید کی شخصیت اور ناقابلِ فراموش کردار کے اس جائزے سے یہ اندازہ بہ آسانی لگایا جا سکتا ہے کہ جمشید صرف ایک کردار یا ایک شخص نہیں بلکہ نودولتے معاشرے کے ایسے مثالی کردار کی حیثیت رکھتا ہے جو اپنی ذات میں ایک خاص طبقے کا عکس اور اس کا نمائندہ کہلانے کا مستحق ہے۔ قرۃ العین حیدر نے جمشید سید کے کردار کی تخلیق میں اپنا یہ امتیاز برقرار رکھا ہے کہ ہاؤسنگ سوسائٹی نام کی کہانی جمشید سید کے بدلتے ہوئے کردار کا صرف بیانیہ نہیں بنتی بلکہ بے روح معاشرے پر ایک بھرپور طنز اور تیکھی تنقید بن جاتی ہے۔

(اُردو سروس سے نشر)

حضرت رسول اکرم کا اخلاق

مولانا علی احمد بسمل عزیزی

انسان کی طبعی خصلتوں اور پیدائشی عادتوں کا نام اخلاق ہے۔ اچھے اخلاق انسان کی عظمت کی دلیل ہیں۔ حسن اخلاق کی وجہ سے رحم وکرم عدل وانصاف، جود وسخا، ایفاءِ عہد، حسن معاملہ، مہمان نوازی، صبر وقناعت، نرم گفتاری، خوش روئی ملنسار تواضع اور خاکساری جیسی بہت سی خوبیاں وجود میں آتی ہیں —— اور بداخلاقی کی وجہ سے ظلم وتشدد، لوٹ مار، تکبر وغرور، کینہ کپٹ، بغض وحسد جیسی برائیاں پیدا ہوتی ہیں چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بے راہ روی کو مٹانے اور سیدھا راستہ دکھانے کے لیے دنیا میں تشریف تھے۔ اس لیے اپنی بہت سی خوبیوں اور کمالات کے ساتھ اچھے اخلاق بھی اپنے ساتھ لائے تھے۔ حضور اکرمؐ نے خود فرمایا کہ میں مکارم اخلاق اور محاسن افعال کی تکمیل ہی کے لیے دنیا میں بھیجا گیا ہوں۔ یہاں تک کہ پروردگار عالم نے اپنے اخلاق حسنہ کو خلق عظیم فرمایا۔ اور ام المومنین حضرت عائشہؓ نے آپؐ کے اخلاق مبارک کو قرآن سے تعبیر فرمایا ہے۔ یعنی حضور اکرمؐ کے اخلاق قرآن کی تعلیمات کے بالکل مطابق ہیں۔ آپ اپنے گھر والوں، پڑوسیوں، رشتہ داروں، احباب واصحاب، اپنوں اور بیگانوں ہر ایک کے ساتھ اتنی خوش اخلاقی اور ملنساری کا برتاؤ فرماتے کہ میں ان میں سے ہر ایک آپ کے اخلاق حسنہ کا گرویدہ اور مداح تھا۔ آپؐ کی پہلی بیوی اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ آپؐ کے اخلاق کے بارے میں فرماتی ہیں کہ آپؐ صلہ رحمی فرمانے والے ناتوانوں اور کمزوروں کا بار گراں اپنی گردن پر اٹھانے والے ہیں۔ محتاجوں کے لیے کماتے ہیں اور مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور خدا کی رضامندی کے کاموں میں مدد کے لیے کمربستہ رہتے ہیں۔

آپ کے مشہور صحابی اور خادم خاص حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ حضور اکرمؐ اخلاق کے اعتبار سے تمام لوگوں میں بہتر تھے۔ آپ مریضوں کی بیمار پُرسی کرتے چاہے وہ مدینہ کے انتہائی حصہ کیوں نہ رہتے ہوں۔ جنازہ کے ساتھ تشریف لے جاتے اور غلام کی دعوت قبول فرمالیتے۔ آپ سے جب کوئی ملتا سلام میں آپ پہل فرماتے اور جب مصافحہ فرماتے تو اپنا ہاتھ اس وقت تک علیحدہ نہ فرماتے جب تک وہ آپ کا ہاتھ خود نہ چھوڑ دیتا —— اور جب تک وہ خود منہ موڑ کر نہ چل آپ اس کی طرف سے منھ نہ موڑتے —— اگر آپ کے کان میں کوئی سرگوشی کرتا تو آپ منہ سے کان اسوقت تک الگ نہ فرماتے جب تک وہ سرگوشی کرتا رہتا۔ بچوں سے شفقت فرماتے، انھیں اپنی گود میں اٹھالیتے۔ اپنے لیے کوئی چیز کل کے لیے جمع کر کے نہ رکھتے تھے۔ فقیروں اور صحابیوں کے ساتھ مل جل کر بیٹھتے۔ امیر وغریب کا امتیاز نہ فرماتے بلکہ ہر ایک کے ساتھ بہترین اخلاق کا برتاؤ فرماتے تھے۔

حضرت جریرؓ فرماتے ہیں کہ جب سے میں اسلام لایا کبھی بھی حضور اکرمؐ نے مجھے پاس آنے سے نہیں روکا۔ اور جسوقت بھی مجھے دیکھتے مسکرا دیتے۔ یہ تمام باتیں آپ کے بلند اخلاق کی کھلی ہوئی دلیل اور آپ کے ماننے والوں کے لیے بہترین مشعل راہ ہیں۔ ان میں محبت والفت اخوت ومساوات مروت وجوانمردی امن اور شانتی کا پیغام موجود ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آٹھ سال کی عمر سے حضور اکرمؐ کی خدمت کی ہے اور مسلسل دس سال تک آپ کی خدمت کرتا رہا ہوں لیکن آپ نے کبھی مجھے اُف بھی نہ فرمایا۔ اور نہ کبھی کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر جواب طلب فرمایا۔ یہاں تک کہ کسی چیز کے ضائع ہونے پر بھی ملامت نہ فرمایا۔ آپ کے گھر والوں میں سے اگر کوئی کچھ کہتا تو آپ اسے بھی منع فرما دیتے —— ایک روز آپ نے کسی کام سے مجھ کو کہیں بھیجنا چاہا۔ میں نے عرض کیا خدا کی قسم میں نہیں جاؤں گا، حالانکہ میرا ارادہ جانے کا تھا۔ میں گھر سے نکلا اور بازار میں کھیلنے والے لڑکوں کے پاس سے گزرا۔ اچانک حضور اکرمؐ نے پیچھے سے آکر میری گدی پکڑلی۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا آپ مسکرا رہے تھے اور فرما رہے تھے کیا تمہارا اُدھر جانے کا ارادہ ہے جدھر میں نے بھیجا ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اب میں جا رہا ہوں۔ یہ تھا غلاموں کے ساتھ حضور اکرمؐ کا اخلاقی برتاؤ۔ کہ حکم کی تعمیل نہ کرنے پر بھی آپ غصہ نہیں فرماتے تھے بلکہ عفو و درگذر شفقت ومحبت سے کام لیتے تھے۔

آپ کی پیاری بیوی ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرمؐ نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ سوائے جہاد کے اور جب آپ کو کوئی تکلیف پہنچائی جاتی تو آپ بدلہ نہ لیتے تھے۔ مگر جب کوئی شخص اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو استعمال کرتا تو آپ اسکی سزا ضرور دیتے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں آپ کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا، آپ اس دن ایک موٹے کنارے والی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ راستہ میں ایک دیہاتی ملا جس نے آپ کی چادر پکڑ کر اسقدر زور سے کھینچا کہ آپ اس کے سینہ کے قریب کھنچ کر آگئے۔ میں نے دیکھا کہ چادر کے کنارے نے آپ کی گردن پر نشان ڈال دیئے تھے۔ پھر اس دیہاتی نے کہا محمد تمہارے پاس مال ہے اس میں سے کچھ مجھ کو دلوا دیتے۔ حضور اکرمؐ نے صرف مسکرا کر دیکھا اور کچھ دیتے جانے کا حکم فرمایا۔

یوں ہی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک غزوہ یعنی جنگ سے تشریف لا رہے تھے۔ راستے میں دوپہر کے وقت آرام کرنے کے لیے لشکر ٹھہرا تو آپ لشکر سے الگ ایک سایہ دار درخت کے نیچے لیٹ گئے اور نیند آگئی۔ دشمنوں نے موقع پا کر غورث بن حارث کو مال کی لالچ دے کر آپ کے قتل کے ارادے سے بھیجا۔ غورث قریب آکر تلوار چلانے کی تیاری ہی کر رہا تھا کہ اتنے میں حضورؐ کی آنکھ کھل گئی۔ غورث نے کہا حضور اسوقت آپ کو میری تلوار سے کون بچائے گا۔ حضور اکرمؐ نے مسکرا کر فرمایا کہ جو ہمیشہ بچاتا رہا ہے وہی اللہ آج بھی تیرے ہاتھ سے بچائیگا اتنا سننا تھا کہ غورث لرزہ براندام ہو گیا اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی۔ حضور اکرمؐ نے اٹھ کر تلوار ہاتھ میں لے لی اور فرمایا بول اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا۔ غورث نے کہا آپ کا اخلاق مجھے بچائے گا۔

حضور اکرمؐ نے اسے معاف فرمایا اور تلوار بھی واپس دیدیا۔ حضور اکرمؐ کا یہ وہ اخلاقی برتاؤ ہے جو اپنوں کے ساتھ نہیں بلکہ جان کے دشمن کے ساتھ برتا جا رہا ہے۔

غورث جب اپنی قوم میں پہنچا تو بولا میں نے ایسا بامروت بااخلاق بزرگ آج تک نہیں دیکھا۔ آپ کے اخلاق حسنہ کی یہ وہ گواہی ہے جو آپ دوست کی زبان سے نہیں بلکہ دشمن کی زبان سے سن رہے ہیں۔

اس طرح کی ایک دو نہیں بلکہ سیکڑوں مثالیں ہیں جو تاریخ کے دامن پر پھیلی پڑی ہیں —— چنانچہ حضور اکرمؐ ایک دن مقام تنعیم میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔ ستر مسلح دشمنوں نے آپ پر بیک وقت حملہ کر دیا۔ لیکن آپ کے صحابہ غافل نہیں

نعت شریف

رئیس نولوی

کوئی کر سکے تو کیسے تیری ہمسری محمد
ہے فلک منور تیری خوش روی محمد
ہے جہاں کا ذرہ ذرہ کوئی چاند کوئی سورج
میری چشم شوق میں ہے وہ تیری گلی محمد
شب در وز کے اجالے تو ہیں اک نظر تک
جو کرے دل کو روشن ہے وہ روشنی محمد
تمہیں ان کی شادمانی تمہیں انکی کامرانی
جو تمہارے ہوگئے ہیں انھیں کیا کمی محمد
نہ ہو جس میں ذکر ان کا وہ کلام کیوں ہو میرا
میری آگہی محمد میری شاعری محمد

تھے ان دشمنوں پر قابو پالیا اور گرفتار کر کے حضور اکرم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ سب کا خیال تھا کہ آج حضور ان کے قتل کا ضرور حکم دیدیں گے۔ لیکن قربان جایئے حضور اکرمؐ کے اخلاق پر مجرموں کی صورت دیکھی اور فرمایا جاؤ ہم نے تمہیں اللہ کے لیے آزاد کر دیا۔

واقعہ کا ظاہر بول رہا ہے کہ حضور اکرمؐ نے انھیں آزاد کر دیا لیکن میرا خیال ہے کہ حضور اکرم نے ان کی جان بخشی کر کے ہمیشہ کے لیے اپنے بلند اخلاق کا قیدی بنا لیا۔

زید ابن حارثہ کو آٹھ برس کی عمر میں ڈاکوؤں نے گرفتار کر کے مکہ میں لا کر بیچ ڈالا ـــــ جس وقت حضور اکرمؐ کا حضرت خدیجہ سے نکاح ہوا، زید بن حارثہ حضرت خدیجہ کی ملکیت میں تھے۔ اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے زید کو حضور اکرمؐ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔

زید کا باپ حارثہ بیٹے کی جدائی میں تڑپتا رہا اور چاروں طرف تلاش کر تھک چکا ہے۔ اچانک ایک قافلہ کے ذریعے اطلاع ملی کہ زید مکہ میں ہے۔ حارثہ اپنے بھائی کعب کے ساتھ مکہ آئے اور حضور اکرمؐ سے زید کی واپسی کے لیے سفارش کی اور کہا حضور گھر میں ماں بہنیں بہت بیقرار ہیں۔ آپ جو قیمت چاہیں لے لیں اور زید کو ہمارے حوالے کر دیں۔ یہ سُن کر حضور کا دل بھر آگیا اور بلاقیمت واپسی کی رضامندی دے دی۔ لیکن زید حضور اکرم کے اخلاقی برتاؤ سے اسقدر متاثر تھے کہ باپ اور چچا کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ باپ نے ڈانٹا کہ بیٹا غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتا ہے اور بہت کچھ سمجھایا مگر زید جانے پر رضامند نہ ہوئے۔ ناچار حارثہ اور کعب دونوں روتے ہوئے واپس چلے گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب زید کی یہ وفاداری دیکھی تو انھیں اپنا بیٹا بنا لیا۔ اور اپنی کنیز ام ایمن سے ان کا نکاح کر دیا۔

آپ کے مبارک اخلاق نے اپنوں اور بیگانوں کے دلوں کو جیت لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تھوڑے ہی دنوں میں ہر چہار جانب آپ کے ماننے والے پائے جانے لگے۔ تیر و تلوار کی طاقت سے زمین تو چھینی جا سکتی ہے مگر کسی کا دل نہیں جیتا جا سکتا دلوں کو ہاتھ میں لینے کے لیے ضرورت ہے حضور اکرم کے اخلاق حسنہ کی۔

ایک دفعہ ایک یہودی نے جس کا آپ پر کچھ قرضہ تھا اپنے پاس آپ کو بٹھا لیا اور کہا آپ کو اب قرض ادا کر کے ہی یہاں سے اٹھنا ہوگا، اور کامل چوبیس گھنٹے تک اپنے پاس بٹھائے رکھا۔ اس بیچ حضور اکرم نماز کے لیے اجازت لیکر مسجد جاتے پھر یہودی کے پاس آکر بیٹھ جاتے۔

آپ کے صحابی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ سُنا تو بہت غضبناک ہوئے اور یہودی پر برس پڑے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو منع فرمایا کہ اے عمر خبردار یہودی کو کچھ کہنے کا تمہیں حق حاصل نہیں ہے کیونکہ میرے ذمہ اس کا قرض ہے اور اسے یہ حق پہنچتا ہے کہ ادائیگی قرض تک مجھے بٹھائے رکھے۔ تمہیں تو مجھے قرض کی ادائیگی کی ترغیب دینی چاہئے تھی نہ کہ یہودی سے الجھنا تھا۔

یہودی نے جب آپ کا یہ بلند اخلاق دیکھا تو بول اٹھا حضور میں نے اپنا قرض معاف کیا، اور میرے پاس جو کچھ ہے یہ بھی آپ ہی کا ہے۔ آپ مجھے اپنی غلامی میں داخل فرمالیجیے۔

عام طور پر جب انسان کے پاس دولت و طاقت کی فراوانی ہوتی ہے تو اس کا اخلاق گر جاتا ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جوں جوں معاشی و سیاسی طاقت حاصل ہوتی گئی آپ کے اخلاق حسنہ پر مزید رنگ چڑھ گیا۔ کون نہیں جانتا کہ فتح مکہ کے وقت وہ تمام اشرار مکہ آپ کے سامنے دم بخود کھڑے تھے جنھوں نے حضور اکرم کو اذیت پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ راستے میں کانٹے بچھانے والے، نماز کی حالت میں آپ کی مقدس گردن پر اونٹوں کی اوجھڑیاں ڈالنے والے، کھانے پینے کی چیزوں پر پابندی لگانے والے آپ کو اپنے وطن عزیز سے نکالنے والے اور قتل کی سازش ناکام کرنے والے سبھی موجود تھے ـــــ ان سے بدلہ لینے کا اچھا موقع تھا لیکن حضور اکرم کے اخلاق نے بدلہ لینا پسند نہ فرمایا اور عام معافی کا اعلان فرما دیا۔

صرف اپنوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ لیکن جان کے دشمنوں اور خون کے پیاسوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنا اور عفو و گزر سے کام لینا یہ ضرور بہت بڑی بات ہے۔

اور یہ وطیرہ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے والوں کا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"انسان کو اچھے اخلاق سے بہتر کوئی چیز نہیں دی گئی۔"

اور فرمایا:

"تم میں اچھے وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں۔"

(گورکھپور سے نشر)

روشنی

بشیر شاہ

"مجھے محبت ہے اُس شخص سے جو اپنی ذات اور حیات کے تجربوں اور مشاہدوں میں دوسروں کو شرکت کی دعوت دیتا ہے ـــــ" یہ بات کہی تھی مشہور جرمن مفکر نیٹشے نے ـــــ واقعی یہ کائنات اور اس کی وسعتیں اسی لیے ہیں کہ ہم ان وسعتوں میں پرندوں کی طرح پرواز کریں اور اپنی ذات کے محدود تجربوں اور حصاروں سے باہر نکل کر تلاش و جستجو کی تازہ ہواؤں کو اپنی سانسوں میں بسا لیں۔ ہم میں سے کئی ایسے ہیں جو زندگی کا صرف تاریک پہلو دیکھتے ہیں اور اس کے روشن پہلو سے آنکھ چراتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ زندگی بڑی خوبصورت ہے اور اس کی خوبصورتی سے چشم پوشی کرنا اپنے فہم پر دانستہ ظلم کرنا ہے۔ بات رویوں کی بھی ہے ہمیں زندگی کو اس شخص کی طرح لینا چاہئے کہ جس کے سامنے پانی کا ایک ادھ بھرا گلاس رکھا گیا اور پوچھنے پر اس نے بتایا کہ آدھا خالی ہے۔ نہ کہ اس شخص کی طرح زندگی کو دیکھنا چاہئے کہ جس نے پانی کے اسی گلاس کو دیکھتے ہوئے کہا کہ صرف آدھا گلاس بھرا ہوا ہے۔ زندگی کا جامد تصور ہم سے حرکت و حیات کا عمل چھین لیتا ہے، ایک مخصوص دائرے میں رہنے کا عمل ہمیں اضطراب کی لہروں سے دور رکھتا ہے۔ اصل میں زندگی کا ہر روز، روز اوّلین ہے، اور ہر دن ایک پوری زندگی کا احاطہ کرتا ہے۔ ہمیں ہر صبح اپنی پوری شخصیت کے ساتھ کچھ اخذ کرنے، کچھ تجربوں سے گزرنے اور زندگی کو کچھ واپس دینے کے لیے تیار رہنا چاہئے۔ ایک دانا حکیم کا قول ہے۔ "پیچھے مڑ کر نہ دیکھو کہ اس سے تمہارا ماضی واپس نہیں مل سکتا اور نہ آنے والے دنوں کے لیے ایسے خواب بُنو کہ جو نا پائدار بھی ہو سکتے ہیں جو موجود ہے اس پر اپنی گرفت مضبوط رکھو کہ آج کا بویا ہوا بیج ہی تم کل فصل کی صورت کاٹ سکو گے ـــــ زندگی ہم سے کشادہ دلی اور وسیع النظری کا مطالبہ اس لیے بھی کرتی ہے کہ اس کے بغیر تعمیر و ترقی کے راستے مسدود ہو جاتے ہیں۔ عقلمندی کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم اپنی ہی آواز سننے کے عادی نہ ہوں۔ باہر کی اور بیرون کی آوازیں سننے کی عادت بھی ہمیں ڈالنی چاہئے۔ اپنی ذات کے صحرا میں بھٹکنے سے بہتر ہے کہ ہم اُس کائنات سے اپنا رشتہ جوڑ دیں جو ہم پر تجربوں مشاہدوں اور تلاش و جستجو کے نئے آفاق روشن کرتی ہے۔ باہر کی دنیا سے لاتعلق ہو کر یہ ممکن ہے کہ ہم اپنے اردگرد ایک خوبصورت حصار قائم کر لیں۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ ایسا کرنے سے ہم محدود ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ہمارے تجربوں کی دنیا سمٹ جاتی ہے۔ مہاتما گاندھی نے بھی معاشرتی زندگی میں کھڑکی، دروازوں کو کھلا رکھنے کی تلقین کی تھی تاکہ تازہ ہواؤں کی تازگی ہمیں حبس اور گھٹن کے ماحول سے باہر نکال سکے زندگی بلاشبہ ہم سے نغمے کی طرح نہ صرف آواز کا حسن طلب کرتی ہے توازن اور آہنگ کے حسین سانچوں میں ڈھل جانے کی تحریک بھی دیتی ہے، بے ربط اور منتشر زندگی کئی مسائل، کئی مشکلات لے کر آتی ہے۔ انتشار سے پُر زندگی ٹیگور کی نگاہ میں اس کشتی کی طرح ہے جسے ہم پتوار کے بغیر ساحل تک لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ کوشش، کوشش ناتمام ہوتی ہے اور بس۔ زندگی کو قوس قزح کے رنگوں میں ڈھالنا مقصود ہو تو اپنے آپ میں نظم پیدا کرنا ضروری ہے۔ ایک مفکر کا قول ہے کہ "اچھی زندگی دو انتہاؤں کے درمیانی راستے پر چلنے کا نام ہے۔"

(سرینگر سے نشر)

میہر کے بابا

شرن رانی

دنیا میں کچھ ایسی شخصیات ہوتی ہیں جن کا نام زبان پر آنے یا ان کا ذکر کرنے سے دل میں ایک ہلچل سی مچ جاتی ہے۔ روح کو ایک نئی تازگی ملتی ہے اور گرتا ہوا انسان ان سے حوصلہ پاکر ایک بار پھر اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

بالکل ایسی ہی شخصیت علاءالدین خاں کی بھی تھی جنھیں ہم پیار سے 'بابا' کہتے تھے۔ شاگردوں کے لیے وہ ایک گرو ہی نہیں بلکہ ایک شفیق باپ تھے۔

بابا محض ایک ماہر موسیقی یا سرود نواز نہیں یا متعدد دشوار سازوں کے فنکار ہی نہیں بلکہ ایک سادھو تھے۔ ایک مفکر تھے۔ سونے کا ایک ایسا مینار تھے جو زندگی بھر تپ کر کندن ہوتی رہی۔

میں بہت چھوٹی تھی اور سنگیت کی دیوانی تھی۔ والدین کا سایہ سر سے اٹھ جانے سے زندگی کا اکیلاپن گھیرے رہتا تھا۔ موسیقی میرے جینے کے لیے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا تھا تب ہی مجھے بابا کے درشن ہوئے۔ ایک چھوٹے قد کا انسان جس کی آنکھوں میں سمندر کی گہرائی تھی بظاہر ایک پرسکون اور سیدھا سادا انسان لیکن اندر سے ایک آتش فشاں۔ بابا نے اپنی زندگی میں اسقدر اتار چڑھاؤ دیکھے تھے کہ دوسرے کا سمجھنے میں انھیں دیر نہیں لگتی تھی۔

بابا نے طویل عمر پائی اور تقریباً سو سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔ جب بھی سکھانے بیٹھتے، آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب رواں رہتا اور یہی کہتے بٹیا زندگی میں کچھ نہیں کر پایا سنگیت تو مجھے آیا ہی نہیں۔ کتنے عظیم تھے یہ لوگ۔ سادھنا، ریاضت اور تپسیا ایسے ہی لوگوں نے کی۔

چھوٹی عمر میں ہی گھر سے بھاگ نکلے۔ سنگیت کی تعلیم پانے کے لیے ایک اچھے گرو کی تلاش تھی۔

جہاں کوئی ساز بجتا نظر آتا، خواہ وہ مندر میں بج رہا ہو یا بینڈ کے ساتھ۔ وہ چھوٹا سا لڑکا علاءالدین اسے سیکھنے پہنچ جاتا۔ دماغ ایسا انوکھا پایا تھا کہ صرف سن کر ہی سیکھ جایا کرتے تھے۔ گرو کی تلاش میں گھر سے بھاگ کر کلکتہ پہنچے۔ فلک بوس عمارتوں اور بھیڑ بھاڑ کا شہر کلکتہ اور اس میں ایک تنہا لڑکا بغل میں گٹھری دبائے۔ اس گٹھری میں ماں کے صندوق میں سے چرائے آٹھ روپے کی رقم۔ گنگا کا پانی پی کر اور تھک ہار کر یہ لڑکا کہیں سوگیا۔ صبح سو کر اٹھا تو دیکھا وہ گٹھری بھی چوری ہوگئی جو اس کی کل کائنات تھی۔ کنگالوں، معذوروں اور بھیک منگوں کے ساتھ لنگر میں بیٹھ کر بھوک کی آگ کو ٹھنڈا کیا۔

بابا سرود سیکھنے کے لیے استاد احمد علی کے پاس رامپور گئے۔ بڑی دشواریوں کے بعد جب استاد نے ان پر نظر کرم کی تو پہلے کھانا بنانا سکھایا۔ بابا ان کا سب کام کرتے ان کے پیسوں کا بھی حساب کتاب رکھتے۔ استاد جب بھی ریاض کرتے بابا اس کو من میں اتار لیتے۔ ایک دن استاد احمد علی گھر پر نہیں تھے۔ بابا جن کی عمر اسوقت سولہ یا سترہ برس تھی، ریاض کر رہے تھے۔ اچانک استاد گھر واپس آئے تو انھوں نے چھپ کر علاءالدین کا ریاض سنا۔ چند دن بعد اس گھر سے بابا کو رخصت کر دیا گیا۔ دکھی من سے بابا اس گھر سے نکل کر اپنی زندگی کو ختم کر دینے کا تہیہ کر چلے لیکن وہاں سے تعلیم کی آس لیے رامپور کے استاد وزیر خاں صاحب کے پاس گئے۔

بے حد مشکلوں کے بعد رامپور میں بابا نے بہت کچھ سیکھا۔ وہ ہر ساز بجالیا کرتے تھے۔ سرود سے تو ان کو خصوصی لگاؤ تھا ساتھ میں وائلن، سرسنگار، طبلہ، پکھاوج، کلارنٹ، ڈھول، شہنائی اور انیک ساز وہ ایسے بجاتے جیسے یہ ساز ان کے لیے ہی بنا ہو۔

رامپور کے بعد مہر کے مہاراجہ کے یہاں وہ آخری وقت تک رہے۔ وہاں انھوں نے سو یتیم بچوں کو لے کر ایک بینڈ پارٹی بنائی۔ کہنے کو تو 'بینڈ' لفظ گھٹیا لگتا ہے لیکن بابا نے انھیں کلاسیکی موسیقی کی تعلیم دی۔ ان کی پرورش کی اور خوبصورت و دشوار بندشیں انھیں سکھائیں۔ آج بھی ان میں سے کچھ زندہ ہیں جنھیں سب کچھ یاد ہے۔ بینڈ سے وادورند کا جنم ہوا۔

ان کے شاگردوں میں روی شنکر نے بے حد شہرت پائی ہے۔ بابا خود بھی بہت سادگی سے رہتے اور اپنے شاگردوں سے بھی یہی توقع رکھتے تھے۔ کبھی کبھی بہت سخت گیر بن جاتے۔ انھیں غصہ بھی آتا تھا لیکن پیار بھی ٹوٹ کر کرتے تھے۔ اپنے بیٹے اور آج کے نامور فنکار استاد علی اکبر خاں کے بجانے سے بہت خوش رہتے۔ باہر سے غصہ دکھاتے اور اندر سے خوش ہوتے تھے۔ بابا نے جس کے سر پر ہاتھ رکھدیا اس نے دنیا میں نام کمایا، شہرت پائی۔

بابا کے دن کی مصروفیات گھڑی کی سوئیوں کی طرح تھیں گھڑی تو چابی نہ ملنے سے رک سکتی تھی لیکن بابا کی مصروفیات میں فرق آجانا ناممکن تھا۔

سچائی، لگن اور محنت۔ یہ وہ تین عناصر تھے جو بابا اپنے شاگردوں میں ہونا ضروری سمجھتے تھے۔ وہ ہمیشہ مہر میں ہی رہے اور اتنی سادگی سے رہے کہ دنیاوی آرام کی چیزوں

جیسے ٹیلی فون، پنکھا، بجلی فرج وغیرہ کا کبھی انھوں نے سہارا نہیں لیا وہ کٹھور تپسوی اور صوفی منش تھے۔ انیک راگوں کی رچنائیں کیں۔ بیشمار راگ تالیں، دھرپد، بندشیں انھیں یاد تھیں۔ ان کی شریک حیات جنھیں سب "ماں" کہتے ان کے لیے طاقت کا منبع تھیں۔ وہ دیوی سمان، سادگی کی مورت اور ہم سب کا دھیان رکھنے والی ماں تھیں۔ جن کا اپنا کوئی جیون نہ تھا۔ ایک جان دو قالب۔ ماں زندگی بھر بابا میں ہی کھوئی رہیں۔ علی اکبر خاں دنیا بھر کا دورہ کرتے اور ماں کی آنکھیں راہ دیکھتے دیکھتے خشک ہوجاتیں۔ بیٹے کی واپسی پر جان لاتیں اور بیٹے کی نظر اتارتیں میں بھونچکی دیکھتی رہتی کہ یہ ماں جو منہ سے کچھ نہیں کہتی اس قدر پیار انڈیلتی ہے۔

بابا اپنے کسی شاگرد سے روپیہ پیسہ نہیں لیتے تھے۔ ودیا دان کرتے اور جس طرح ممکن ہوتا اپنے شاگردوں کی مدد کرتے۔

آج ہمارے کتنے ہی فنکار اپنے فن کا مظاہرہ کرنے غیر ممالک میں جارہے ہیں۔ لیکن ہمارے بابا آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے ہی دنیا بھر میں سنگیت کا جھنڈا لہرا آئے تھے۔ وہ شانتی نکیتن میں گرودیو رابندر ناتھ ٹیگور کے ساتھ بھی رہے۔ سوامی وویکانند سے بھی ان کی ملاقات ہوئی۔ بابا پنج وقتہ نمازی تھے۔ درگا ماں کے بھگت تھے۔ ہر مذہب کی عزت کرتے غریبوں، فقیروں کو گھر لاکر کھانا کھلاتے جانور، بندر کتا زخمی ہوجائے تو ڈاکٹر بن جاتے اور اس کا علاج کرتے جب تک جانور ٹھیک نہ ہوجاتا اپنے ہاتھ سے کھلاتے۔ گھر میں رکھتے اور پھر آزاد کر دیتے۔

پرندوں کے لیے گھر میں کھلی ٹوکریاں لٹکا رکھی تھیں۔ ان میں دانا پانی ڈالتے، چڑیاں آتیں، بے فکر ہوکر ان ٹوکریوں میں انڈے دیتیں۔ بچے ہوتے اور پھر اڑ جاتیں۔ بابا کا آخری وقت آگیا۔ وہ ابدی نیند سو گئے۔ برف پر ان کا جسم رکھا تھا ہزاروں شائقین موسیقی، فقیر، راجہ سادھو سنتوں کی قطار ان کے آخری دیدار کے لیے لگی تھی۔

رخصت کی سب تیاریاں ہوگئی تھیں۔ بابا کو کاندھا دے کر قبر میں اتارا جارہا تھا۔ میں نے کہا میں بھی کاندھا دونگی سب نے کہا عورت کاندھا نہیں دے سکتی۔ یوں لگا عورت یہاں بھی ماری گئی۔ میں کونے میں کھڑی رو رہی تھی کہ ہزاروں کے مجمع میں مولوی صاحب کی آواز آئی۔ شرن رانی کو بلایئے وہ بابا کو مٹی دے گی۔

میں یوں بھاگی جیسے انھیں کچھ کہہ کر واپس بلا لاؤنگی۔ لیکن وہ پرسکون اور ابدی نیند سو رہے تھے۔ میرے ہاتھ میں مٹی تھی جو نہ جانے کب مجھ سے قبر پر ڈلوا دی گئی۔

مجھے لگا میں پھر سے یتیم ہوگئی ہوں۔ میرا باپ پھر سے چلا گیا۔ میں چاہتی ہوں ہم سب ان کی دکھائی راہ پر چلیں۔ ایسے تھے ہمارے بابا۔ وہ امر تھے امر ہیں اور امر رہیں گے۔

(دلی سے نشر)

یکم نومبر ۱۹۸۶ء

خواتین اور سماجی اصلاحات

صالحہ عابد حسین

سماجی اصلاحات کو اگر بہت وسیع پیمانے پر لیجیے تو پھر اس میں ساری دنیا نہیں تو سارا دیس تو آہی سکتا ہے۔ میں تو یہ نہیں کہوں گی کہ اس میں عورتیں کام اور مفید کام نہیں کرسکتیں مگر مردوں کی اس دنیا میں جہاں جنگ و جدل خون خرابا، فسادات، ہنگامے وغیرہ ہیں، عورتیں کہاں تک کامیاب ہوسکتی ہیں یا کوشش کرسکتی ہیں، یہ ذرا غور طلب امر ہے۔ بہر صورت کسی نہ کسی حد تک وہ اس نیک کام میں کہ دنیا میں امن اور شانتی رہے۔ دنیا والے محبت اور پیار سے اپنے اور دنیا کے معاملات صلح اور آشتی سے طے کرنے کی اپنے مردوں سے اپیل کریں، اپنے بچوں کو تربیت دیں، اور اپنے اور رفیقوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا دیں کہ فسادات اور خون خرابے اور ہنگاموں سے آج تک دنیا کے مسئلے حل نہیں ہوئے بلکہ اور زیادہ بڑھے ہیں اور دنیا میں تباہی کے ساتھ نفرت اور تعصب پھیلا ہے۔

عورت جو ماں ہے، بہن ہے، بیوی ہے، بیٹی ہے اور ہر حال میں مردوں کو، ہر زمانے، ہر عمر، ہر حال میں عورت سے واسطہ پڑتا ہے، وہ اس کی تعریف کرسکتی ہے، لیکن اس بڑے کام کے ساتھ سماج کی دوربیں سی اصلاحات ہیں۔ وہ چھوٹی سہی مگر اہمیت سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ خاص کر میں اسوقت ہندوستانی عورت سے مخاطب ہوں۔ وہ سمجھنے کی کوشش کریں اور بیڑا اٹھالیں کہ معاشرہ یا سماج کی بعض اصلاحیں ان کے ہاتھ میں ہیں۔ ان کی ذمہ داری ہیں اور اگر وہ اس کو پورا نہیں کرتیں تو خود بھی دکھ اٹھاتی ہیں اور خدا یا بھگوان کے سامنے بھی ان کو جوابدہ ہونا ہوگا کہ اپنے فرائض سے بے پروائی کیوں برتی۔

سماجی اصلاحات میں خواتین کیا کرسکتی ہیں۔ سماج نام ہے خاندانوں، محلے پڑوسیوں اور ذات پات وغیرہ وغیرہ کے مجموعہ کا۔ اب لیجیے عورت کہ بچہ اس کی کوکھ سے جنم لیتا ہے۔ سماج کی اصلاح کا پہلا قدم کون اٹھا سکتا ہے؟ عورت کہ بچہ اس کی گود میں اچھی بری باتیں سیکھتا ہے۔ سماج نام ہے اس معاشرہ، اس دنیا کا جس میں مرد اور عورت مل کر دنیا بساتے اور اپنے ننھے سے گھر کو سماج کا ایک حصہ بناتے ہیں اور ان ننھے ننھے یونٹوں سے ہی خاندان اور سماج بنتا ہے۔

اچھا اب بڑی بڑی باتیں چھوڑ کر چند چھوٹی مگر آہ کتنی بڑی باتوں کی طرف توجہ دیں جس سے سماجی اصلاح کا کام عورتیں کرسکتی ہیں۔ سب سے پہلے لیجیے خرچ اور آمدنی کا مسئلہ آپ اور ہم سب یہ جانتے ہیں کہ اس دور میں مہنگائی حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے اور بڑھتی جاتی ہے۔ اس وقت غریب ہوں، متوسط درجے کے لوگ ہوں، نوکری پیشہ ہوں، مزدور ہوں۔ غرض سب کو یہ مسئلہ درپیش ہے کہ آخر کسی طرح اس مصیبت سے نبٹا جائے۔ اب دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو مسلسل آمدنی بڑھتی رہے (بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟) اور یا؟

اب اس بات کے کئی جواب ہیں۔ عورتیں بھی کام کریں۔ جو نوکری نہیں کرسکتیں وہ گھر بیٹھ کر دوسرے کام کریں جو گھر بیٹھے خواتین کرسکتی ہیں۔ اور تھوڑی بہت آمدنی بڑھا سکتی ہیں۔ اور کفایت سلیقے اور بجٹ بنا کر گھر کے سب افراد کو ساتھ لے کر سمجھا کر گھر چلائیں۔ مگر یہ سماجی اصلاح کہاں ہوئی گھریلو مصیبت سے نبٹنا ہوا۔ تو— تو پھر سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ دھاندلی اور زبردستی جو قیمتیں بڑھائی جاتی ہیں اس کا بائیکاٹ کریں۔ انھیں ہرگز نہ خریدیں۔ اگر محلے بھر کی عورتیں یہ فیصلہ کرلیں اور مرد دل میں جہد کرنا سیکھ لیں۔ اور روزمرہ کی چیزیں اسی دام پر خریدنے کا فیصلہ کریں جو مناسب ہے۔ دکانداروں کو جتا دیں کہ بڑھے ہوئے داموں اور بلیک سے ہم نہیں خریدیں گے۔ محلے بھر کی عورتیں یہ طے کرلیں تو سبزی پھل سڑیں گے۔ دوسرا سامان خراب ہوگا۔ دالیں گھن لگ جائیں گی۔ کپڑا پڑا رہے گا وغیرہ وغیرہ۔ مگر اس میں تو اتحاد ایکتا چاہیے اور اپنے من کو مارنے کی اور بہت محنت کرنے کی ضرورت ہے ورنہ مرد حضرات ہی آپ کے پیچھے لگ جائیں گے کہ ہم

سے یہ سب نہیں سہا جاتا۔ اور کچھ عرصے آپ یہ کام کر کے دیکھیں تو ضرور اندازہ ہوگا کہ اس کا اثر ہوتا ہے۔

یہ بڑی اصلاح ہے۔ مگر ضرورت صبر کی، برداشت کی، اور ہم رائے ہونے کی ہے اور میں تو کہتی ہوں کہ ان بیوپاریوں کی بیویوں کو بھی سمجھایئے کہ آپ اپنے مردوں کو سمجھایئے کہ اتنی نہ بڑھا مہنگائی کہ کل تو خود بھی اس کی سزا بھگتے۔ پھر دواؤں کا مسئلہ ہے۔ نقلی دوائیں، مہنگی دوائیں، جھوٹی دوائیں، آپ نے خریدیں تو بجائے فائدے کے نقصان ہی تو ہوگا۔ ڈاکٹر عورتیں اور ڈاکٹر مرد بتائیں کہ نقلی دوائیں اور نقلی ڈاکٹر کیا اور کیسے ہوتے ہیں کیونکہ اس میں تو آپ کے بچوں کی، آپ کی اور آپ کے گھر والوں کی جان یا صحت خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ سماجی اصلاح کی یہ دونوں شقیں بہت اہم اور بہت ضروری ہیں۔

اب آیئے سب سے برننگ ٹاپک یہ سب سے زیادہ ذلیل سڑے ہوئے رواج پر سب سے خطرناک سب سے بھیانک انجام جس کا ہوتا ہے اور جو میں کہوں گی کہ تمامتر عورتوں کا کام ہے کہ اس کی اصلاح کریں۔ وہ کیا ہے؟

تلک، جہیز، چڑھاوا، شادی کا لین دین، لڑکے کو خریدنا، لڑکے کو بیچنا، لڑکے کو ذلیل کرنا، اور لڑکی کی جان خطرے میں ڈالنا۔ ویسے ماں جو اپنی بچی کو جدا کرتے وقت اپنی محبت اور پیار کی نشانی تھوڑا بہت اسے ضرور دیتی ہے۔ مگر وہ اپنی خوشی سے دے اپنی حیثیت کے مطابق دے۔ خاموشی سے دے۔ کسی کے اصرار پر یا مجبور کرنے پر لڑکی کو دان نہ دے۔ آپ کی لڑکی سوشل، خوش شکل، پڑھی لکھی، سمجھدار جس کو آپ نے آنکھ کی پتلی بنا کر پالا ہے جو آپ کا جگر گوشہ ہے۔ دھن کا دان کیوں کریں؟ مرد اور عورت گاڑی کے دو پہیئے ہیں۔ دونوں مل کر زندگی کی گاڑی کو کھینچتے ہیں۔ یہ لین دین کی لعنت ایسی تباہ کن ہے اور اتنی بڑھتی جا رہی ہے کہ ہزاروں قیمتی جانیں اس کی بھینٹ چڑھ رہی ہیں، آپ کہیں گے کہ ہم کیا کریں لڑکی کو کیسے بٹھائے رکھیں۔ ہرگز نہ بٹھایئے مگر جب کوئی لڑکا ملے جو لالچی نہ ہو، بیوقوف نہ ہو۔ تب اس کے ہاتھ پیلے کیجئے۔ ماں پر یہ ذمہ داری ہے، ماں کیوں خاندان کی سب خواتین پر کہ جو اس خاندان، اس لڑکے کو صاف منع کر دیں جو اشارتاً بھی لین دین کی بات کرے۔ کتنا بے غیرت ہوگا وہ مرد جو خود کو عورت کے ہاتھ بیچ دے۔ پھر یہی کیا وہ تو اسے مناکر جلا کر، زندگی عذاب کر کے سالوں اس سے جہیز مانگتا رہتا ہے اور جو نہ لا سکے تو اسے جلا ڈالتا ہے، مار ڈالتا ہے یا خودکشی پر مجبور کرتا ہے ورنہ ٹارچر تو کرتا ہی رہتا ہے اور دکھ اور غم۔ اور شرم کی بات یہ ہے کہ اس میں اکثر اس کی ماں جو خود عورت ہے، کبھی کبھی بہن جو خود لڑکی ہے۔ شریک ہوتی ہے۔ چاہے بعد میں پھانسی ہو، یا جیل ہو، یا یہ بھی نہ ہو تو عمر بھر ضمیر کی آگ میں جلتی رہیں۔

چلو، جلاتے سب نہیں مگر ہوس تو بڑھ رہی ہے، اور اب تو ان لوگوں میں جہاں تلک یہ چڑھاوا مانگنا شرمناک سمجھا جاتا ہے، ان پر بھی یہ اثر پڑنا شروع ہو گیا ہے اور وہ بہوؤں کو ستاتے طعنے دیتے، اور زندگی عذاب بناتے ہیں۔ گھر سے کیا لوٹی تھی؟ ماں باوا نے دیا کیا تھا؟ ٹٹ پونجیے گھر کی آئی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اوّل تو آپ بھی لڑکا والے بھی چڑھاوے یا تلک کی مانگ لڑکوں سے ہرگز نہ کریں۔ وہ دیں بھی تو ہرگز نہ لیں۔ دوسرے جہیز ہرگز نہ دیجئے۔ نقد کا تو سوال ہی نہیں۔ شگون دینا ہے تو ایک روپیہ سے بھی پورا ہو سکتا ہے۔ سلامی دینی ہے تو سو پچاس بھی قدر دان سر آنکھوں پر رکھ کرے گا۔

اور اب اپنی نوجوان خواتین سے کہوں گی کہ سماج کی اصلاح دراصل آپ کے ہاتھ ہے۔ کیوں۔ ہم تو بوڑھے ہوئے ماں، نانی، دادی نئی چیزوں کو نئے کاموں کو اس طرح نہ کر سکیں گی جیسے کرنا چاہئے۔ مگر آپ تو کریں گی؟ اوّل تو آپ کے بزرگوں کو آپ کو لکھانا پڑھانا اور اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل بنانا ہے۔ کوئی ہنر ہو، کوئی ہاتھ کا کام ہو، یا علمی، ادبی، سیاسی، دفتری کام ہو، اس کو آپ کو سیکھنا ہے۔ آپ نئے زمانے کی روشن خیال عورت ہیں مگر اس روشن خیالی اور تعلیم کو سنگار بناؤ۔

غلط کاموں مردوں کو رجھانے پر صرف نہ کیجئے بلکہ تعمیری کاموں میں اپنی صلاحیتوں کو لگایئے۔ ملک کی قوم عورتوں کے مسئلوں کی طرف توجہ دیجئے۔ اور سب سے پہلے خود اپنی طرف۔ جو مرد وہ خواہ کتنا ہی اچھا ہو، آپ سے اس شرط پر شادی کرے کہ یہ ملے وہ ملے اور اتنا دیا جائے اور اتنا دیا جائے۔ اس سے آپ ہرگز شادی نہ کیجئے۔ ہرگز کیوں؟ اسی لیے کہ کل وہ آپ کو جلا بھی سکتا ہے طلاق بھی دے سکتا ہے، ستا بھی سکتا ہے، اور پھر کیا آپ کے دل میں اس مرد کی عزت ہوگی جو اپنے قوت بازو پر اپنا گھر نہیں بساتا بیوی کی خیرات پر عیش کرنا چاہتا ہے۔ انتظار کیجئے۔ اچھے اور نیک لڑکوں کی بھی دنیا میں کمی نہیں ہو سکتی ہے۔ آپ کے لیے کوئی اچھا لڑکا خدا نے پیدا کیا ہو۔ اور اگر کوئی نہیں بھی ملتا تو آپ اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکتی ہیں۔ اپنا خود پر بھروسہ رکھ کر زندگی بسر کر سکتی ہیں۔

اور جن مردوں کی جوان بیویاں جلا دی یا مار دی گئی ہیں یا مر گئی ہیں۔ اس مرد سے کوئی لڑکی شادی نہ کرے۔ ہو سکتا ہے کل کو آپ کا بھی یہی انجام ہو۔ گھبرایئے نہیں۔ دس پانچ سال لڑکیوں نے اس قسم کے مردوں کا بائیکاٹ کیا، اور انکو ذلّت کے ساتھ ٹھکرایا تو خود مردوں میں ایسا طبقہ آئے گا۔ جو بیوی کو بیوی کی خاطر قبول کرے، روپے اور جہیز کے لیے نہیں، اسے مار کر دوسری لانے کے لیے نہیں۔

بہنوں، بیٹیوں، تم۔ تم سماج کا ستون ہو۔ تم ان خرابیوں سے خاص کر اس بُرائی سے نبٹ سکتی ہو۔ میں کہونگی مت بھولو بزرگوں کا قول۔ مت کر ساس بُرائی تیرے بھی آگے آئے گی۔ لڑکیوں سے میں کہوں گی انتظار کرو۔ عزت کیساتھ تمہارا ساتھی بننے کے لیے کہیں نہ کہیں سے کوئی آئیگا ہاں اپنی عزت کی حفاظت وقار اور انتظار تمہیں رکھنا پڑے گا۔ مردوں سے میں کہوں گی، آپ باپ ہوں، بھائی ہوں، سسر ہوں، میاں ہوں، بیٹا ہوں۔ یہ نہ بھلایئے کہ گھر عورت سے۔ سماج عورت سے ہے۔ دنیا عورت سے بنتی ہے سدھار کرنا عورت جانتی ہے۔ جو عورت ظالم ہے۔ تنگدل ہے۔ دوسروں کو ستاتی اور بہو بیٹیوں کی موت یا ذلت میں مرد کے ساتھ شرکت کرتی ہے۔ وہ عورت کے ماتھے کا کلنک ہے۔ انسانیت کو رسوا کرنے والی ہے۔

یوں تو ہزاروں اصلاحات ہیں مگر ان دو چار اصلاحوں کو بھی آپ عزم و ہمت، حوصلہ اور پکے ارادوں کے ساتھ کرنے کا فیصلہ کریں تو بہت بڑا حصہ آپ ادا کریں گی، اور خواتین کی نسوانیت کی لاج اور انسانیت کا سر اونچا کرنے کا سہرا آپ کے سر بندھے گا!

(اُردو مجلس، آکاشوانی دلّی سے نشر)

جلیس نجیب آبادی

شاخساروں سے الجھتی تھی ہوا چاروں طرف ۔۔۔ "لوٹ جاؤ" چیختے تھے نقشِ پا چاروں طرف
خاک و خوں کا ڈھیر، خوش اندیشیاں، خوش فہمیاں ۔۔۔ زندگی اور حادثوں کا سلسلہ چاروں طرف
ذرّہ ذرّہ نوحہ خواں میری شکست و ریخت کا ۔۔۔ اِک غبارِ نارسی چھایا ہوا چاروں طرف
کب تلک آخر نہ ٹوٹے گا خیالوں کا طلسم ۔۔۔ گھات میں ہے اک سنگ سلے چاروں طرف
میں بھی نکلوں پھر کسی "کوہِ ندا" کی کھوج میں ۔۔۔ تم بھی ڈھونڈو خوابِ زارِ گمشدہ چاروں طرف
سارے موسم بے مزا بے کیف، ہر منظر اداس ۔۔۔ آپ آجائیں تو چھا جائے نشا چاروں طرف
کر عطا یا رب کسی امید کا ابرِ کرم
دیکھ سورج آگ برساتا ہوا چاروں طرف

(نجیب آباد سے)

موجودہ سینما اور نئی ٹیکنالوجی

بشیر بدؔر گامی

ویڈیو کے میدان میں آجکل نت نئے تجربے ہورہے ہیں اور نئی نئی ایجادات ہو رہی ہیں۔ ان تجربات وایجادات کی رفتار اور ترقی اس قدر تیز ہے کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ان نئی ایجادات سے اکثر لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں لیکن کچھ لوگ جن کا تعلق فلم میڈیم سے ہے کئی خدشات کا اظہار کر رہے ہیں۔ ویڈیو کی ان حیرت انگیز اور نت نئی ایجادات کے آخری اور مستقل اثر کے بارے میں ابھی کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ ہر دن اس میدان میں ایک نئی دریافت، ایک نئی چیز کے آنے کی خبر لاتا ہے۔

فی الحال آیئے ہم دیکھیں کہ ٹیکنالوجی کی حیرت انگیز ترقی سینما پر کہاں تک اثر انداز ہو رہی ہے۔

۱۹۶۰ء میں جب امریکہ میں پہلی بار ویڈیو سینما کے مقابلے میں آیا تو بجائے اس کے کہ یہ فلم صنعت کی تباہی کا باعث بن جاتا، فلم انڈسٹری کے لیے فائدہ مند ثابت ہوا۔ اس نے مختلف طریقوں پر فلم انڈسٹری پر اپنا اثر ڈالا۔ باصلاحیت اور دوراندیش لوگوں نے ویڈیو کو فلم پروڈکشن میں جزوی طور پر استعمال کرنے کے امکانات پر سوچنا شروع کیا۔ پہلے انھوں نے فلم اور ویڈیو کیمروں کو ہم زاویہ کر کے ایک ٹی وی مانیٹر سامنے رکھا اور منظر فلم بندی سے پہلے ہی مکمل طور پر سامنے آیا، اس سے ہدایت کار کے لیے کافی سہولیات پیدا ہوئیں۔ کبھی کبھی وہ ایک اور ویڈیو کیمرہ اگلے شاٹ کے لائن اپ اور کنٹی نیوٹی کے لیے استعمال کرتے تھے۔ یہ طریق کار ٹی وی اسٹیڈیو سے لیا گیا۔

جہاں تک ٹیلی ویژن کا سوال ہے یہ سینما کے لیے کوئی مستقل خطرہ نہیں ہے کیونکہ دیکھنے میں آیا ہے کہ ٹیلی ویژن نے مختلف ممالک میں پہلے پہل سینما ہالوں میں فلم بینوں کی تعداد کو کم کیا، لیکن بعد میں اس حاضری میں اضافہ ہوا۔ اور پھر یہ ایک خاص نکتے پر قائم رہی۔ ٹیلی ویژن کسی بھی صورت میں سینما ہالوں کو بند کرنے اور ان کی جگہ لینے کی پوزیشن میں نہیں آسکتا، اور بڑے اسکرین کی عظمت اور شان وشوکت کبھی فنا نہیں ہوسکتی۔ لیکن جہاں تک ویڈیو کا سوال ہے اس کے حملے کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور فلم والوں کو بھی اس خیالی دنیا سے نکل کر حقیقتوں کا سامنا کرنا ہوگا، اور جدید ٹیکنالوجی کا بہتر استعمال کر کے اسے اپنے فائدے کے لیے استعمال کرنا ہوگا۔

نئی ٹیکنالوجی کا اثر فلم سازی کے لیے فیصلہ کن اور فائدہ مند ثابت ہوگا۔ ایک طرف ویڈیو ایک نیا فلم بین طبقہ پیدا کرے گا، دوسری طرف ویڈیو کے ذریعے نہایت ہی فضول فلمیں مارکیٹ میں آجائیں گی۔ فلم سازی، فلم والوں کے ہاتھ سے نکل کر باہر والوں کے ہاتھ میں آجائے گی۔ فلم سازی ایک طرح کی گھریلو انڈسٹری بن جائے گی، جب ویڈیو عام ہو جائیگا۔

ہر نئی چیز کی مخالفت کرنا اور کوئی اچھا رجحان نہیں ہے۔ فلم اور ویڈیو کی درمیانی دیوار جلد ہی منہدم ہو جائے گی اور اب یہ جلد ہی ممکن ہوگا کہ فلم کو ویڈیو اور ویڈیو کو فلم پر منتقل کیا جائے گا۔ یہ صحیح ہے کہ پرنٹ کوالٹی میں تھوڑا سا فرق ہوگا لیکن ایسا بھی نہیں کہ غیر تسلی بخش ہو۔ اگرچہ فی الحال ویڈیو سے فلم پر تصویر کو تسلی بخش حد تک منتقل کرنا مہنگا ہے، لیکن جاپان میں اس سلسلے میں جو تحقیق ہو رہی ہے اس کے مطابق اگلے تین چار برس میں جاپانی کمپنیاں اس پوزیشن میں ہوں گی کہ وہ ایسے آلات بازار میں لائیں جو ویڈیو کو فلم پر منتقل کرے اور اس کی کوالٹی اتنی ہی اچھی ہوگی جتنی سلولائیڈ فلم پر شوٹ کی جانے والی فلم کی ہوتی ہے۔

اب یہ ممکن ہوگیا ہے کہ آپ اپنے آرٹسٹوں کو پیش منظر میں ایک خاص پوزیشن پہ کھڑا رکھیں اور ایک ملا جلا پس منظر جس میں عجیب وغریب مناظر کا امتزاج ہو، ایک کمپیوٹر کے ذریعے تخلیق کریں۔ یہ بیک گراؤنڈ کارٹون یعنی مشینی بیک گراؤنڈ نہیں بلکہ حقیقی تصاویر پر مبنی بیک گراؤنڈ ہوگا۔

ایک اور تجربہ جو یورپ کی ایک پوسٹ پروڈکشن لائبریری میں کیا گیا ہے، بڑا حیرت انگیز ہے، جہاں امریکی صدر ریگن کی ۴۵ سیکنڈ کی ایک فلم تیار کی گئی جس میں صدر امریکہ ایک ایسی تقریر کر رہے ہیں جو پہلے روسی صدر گورباچیوف نے کی تھی۔ یہ کامیابی صدر ریگن کی سپلٹ سیکنڈ تصاویر جمع کرنے اور ہونٹوں کی مطلوبہ حرکات حاصل کرنے اور بعد میں اسے اصل ساؤنڈ ٹریکٹ کے ساتھ ملاتے سے حاصل کی گئی۔

ماہرین کا خیال ہے کہ جلد ہی وہ وقت بھی آئے گا جب ریکارڈ شدہ مواد میں نہ صرف آرٹسٹ کے کاسٹیوم تبدیل کیے جاسکتے ہیں، بلکہ اس کے چہرے کے تاثرات کو بدل دیا جاسکتا ہے۔

اب یہ بھی ممکنات میں سے ہے کہ آپ اپنے ویڈیو کو ایک دور دراز مقام پر واقع لائبریری سے منسلک کریں جسکے پاس فلم کے ایک ہزار پروگرام ہوں۔ آپ کوئی بھی پروگرام ڈائل کریں جو آپ اپنے ٹی وی سیٹ پر دیکھنا چاہیں گے حتیٰ کہ آپ چاہیں گے تو فلم دیوداس کے تین الگ الگ ورژن جیسے بمل رائے، بروا یا ناگیشور رائے کا دیوداس، اور پھر آپ اپنے ویڈیو سیٹ پر انھیں فریم کے بعد فریم چلا کر ان کا موازنہ کر کے دیکھ سکتے ہیں۔

ویڈیو کے چلن سے نہ صرف فلم بین طبقے میں اضافہ ہوسکتا ہے، بلکہ تقسیم کاری کے دو اور ذریعے بھی نکل آئے ہیں۔ ایک وہ جسے ہم ویڈیو ٹیری ٹوری کہہ سکتے ہیں، دوسرے فلم ٹی ڈی وی کا نیشنل نک پر۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ویڈیو کے بہتر استعمال کے امکانات کا جائزہ لیا جائے اور اسے فلم صنعت کی ترقی اور خوشحالی کے لیے استعمال کیا جائے۔

گزشتہ سال ایک ایسا تجربہ بھی کیا گیا جس کے تحت فلم کی ایڈیٹنگ میں ویڈیو کی مدد لی جاسکتی ہے۔ اس تجربے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ فلم ایڈیٹنگ میں اب اتنا وقت نہیں لگے گا جتنا کہ پہلے لگتا تھا بشرطیکہ یہ تجربہ پوری طرح سے کامیاب اور قابل قبول بن جائے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ فلم پر ریکارڈ شدہ سارے مواد کو ویڈیو ٹیپ پر منتقل کیا جائے اور پھر کمپیوٹر کی مدد سے بنیادی کٹنگ کی جائے اور نگیٹو کٹنگ فلم پر کی جائے اس طریقۂ کار سے ایڈیٹنگ میں مزید بہتری آنے کی توقع ہے۔ اس کے علاوہ ایڈیٹر اصل فلم کو کاٹے بغیر مختلف قسم کے ایڈٹ لگا کر نتائج کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ یقیناً اس تجربے کی مکمل کامیابی اور ضروری سازوسامان کی دستیابی کے بعد ایڈیٹنگ زیادہ سستی اور زیادہ بہتر ہوگی اور وقت کی بھی کافی بچت ہوگی۔

(ریڈیو کشمیر سرینگر سے نشر)

شیخ جی

اکرام الحق

شیخ جی دوبدو سی چیز ہیں، خدانے عجیب تن وتوش عطا فرمایا ہے، "تاڑ" کہلا سکتے ہیں، نہ "پہاڑ"، وہ جو بوٹا سا قد مشہور ہے، انھیں پر صادق آتا ہے۔ بالکل بوٹا بوٹا سا جب بوٹ پہنتے تھے، لوگ انھیں بلند قامت کا طعنہ دیتے، اور جب چپل پر اتر آئے ہیں، غیر مقلدوں کے لیے شامت کہلاتے ہیں۔ کسی زمانے میں سوٹ بھی زیب تن کیا ہوگا، اوراب تو رہبر بنے جارہے ہیں اس لیے کھدر کا کرتہ زینت بنا ہوا ہے، اور کھدر بھی اس لیے کہ انھیں گاندھی جی کی محبت اور اپنے گاؤں کے بنکروں کی حشمت عزیز ہے۔ دھوتی اس لیے کہ یہ ان کی پرم پر پراگت ملبوس ہے اور بھارتی سنسکرتی کی پرتیک بھی۔ ٹوپی چیکا تے کبھی نہیں دیکھے گئے، کہ ماشاءاللہ زلف اب بھی لہراتی ہے اور لوپیا جی کی یاد دلاتی ہے۔

خدا کے نعمت بیکراں کے معترف ہیں اور خوش خوراک ہیں پر قناعت اور استغنا کا یہ عالم ہے کہ اکثر چنا پھانکتے نظر آتے ہیں، اور دوستوں کو بھی چنا چبائی کی دعوت عام ہوتی ہے۔ دعوتیں جہاں کہیں بھی ہوں دعویدار شرکت بن جاتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ داعی حد درجہ تکلف کا ثبوت پیش کرتے ہوئے جھجک جھجک کر پروستے ہیں اور یہ حضرت سراپا تکلف برطرف کا نمونہ پیش کرتے ہوئے اجی بس اجی بس کا نعرۂ مستانہ بلند کرتے ہوئے مشق دہن جاری رکھتے ہیں۔

نہایت پرہیزگار ہیں، آج تک ایں جناب سے کوئی پاپ سرزد نہیں ہوا ہاں باپ بننے کا بہت شوق ہے اور اکثر بنتے ہی رہتے ہیں اور کبھی دُربھاگ سے باپ نہیں بن پاتے تو اس قبیل کی کوئی اور بزرگی ضرور اوڑھ لیتے ہیں۔ داماد تو وہ بہت پہلے ہی سے ہیں کسی کے، پر آج بھی ہر گاؤں کو ان کے سسرال بننے کا سوجاگیہ حاصل ہے۔

سچائی ان کے نام کا ایک جزو ہے۔ دروغ گوئی انکی صفت مصلحت آمیز۔ فیض آباد سے لے کر غازی پور تک اور بلیا سے لے کر بنارس تک لب دریا آباد ہر گاؤں ان کے آباواجداد کا بسایا ہوا ہے۔ اور کسی نہ کسی گاؤں میں ان کے بزرگوں کی دو چند یادگاریں ضرور قائم ودائم ہیں۔ ان گاؤں کے آموں کے بہترین باغات ان کے یا ان کے رشتہ داروں کا ہی ہے پورے اتر پردیش میں لذیذ ترین شہد آگیں آم انھیں کے باغوں کا ہوتا ہے۔ پر آم وہ ہمیشہ دوسروں کے باغوں کا ہی پسند کرتے ہیں۔ پسند کا یہ عالم ہے کہ اگر دل چاہا تو پورے پیڑ پر ہی آندھی چل جائے گی اور آم جھڑ جھڑ کر براہ راست شکم زیب ہوں گے، کیونکہ ان باغات کے مالکین کی دلدہی مطلوب ہوگی اور خدا کی نعمت غیر مترقبہ کا ہزار شکر۔ نیک بخت اتنے کہ شکم سیری میں بھی خدا کا نام لینا نہیں بھولتے۔ ہر آم پر ایک سبحان اللہ چپت کرتے، پورے ننانوے نام ورد کر جائیں گے اور باقیماندہ خوش نصیبوں پر علم الکلام کی تمام نادر کتابوں کے ابواب نچھاور کردیں گے۔

ماشاءاللہ خوش بیان اور خوش لسان ہیں۔ لیکن مجال ہے کہ بلا وجہ زبان ہل جائے۔ زبان کی خاموشی کو قفل لگا ہوا ہے اور تاریخ دانی کا آسیب۔ منطق ان کی لونڈی ہے اور تاویل ان کی دست بستہ باندی۔ بخیہ نہایت ہوشیاری سے اُدھیڑتے ہیں اور کبھی کبھی اسقدر ادھیڑبن کرتے ہیں کہ بال کی کھال صاف نظر آنے لگتی ہے۔

علم و ذہانت کے بحر ذخار ہیں، کوئی کتاب، کوئی واقعہ ان کی نظروں سے بچ کر نہیں جاسکا۔ کتاب ہائے مذاہب ازبر، ادبیاتِ زمانہ زبان زد، جغرافیہ ہائے عالم ذہن نشین۔ جب چاہیں گل افشانی کا نقارہ برپا کردیں اور جب چاہیں نطق زباں کا طلسم باندھیں۔

مجسم لطف واکرام ہیں، گاہ حاتم طائی سا سخی، گاہ قارون سا بخی، رب جمیل نے مسکراہٹوں کو ان کے لبوں کا ہمنوا بنادیا ہے۔ اور لب کشیدگی کو ان کا دوست، تنگ ظرف تو وہ ہرگز نہیں۔ بلکہ فراخ اتنے کہ اس میں کبھی آپ سما جائیں اور کبھی باہر چھلک کر خاک پر گر پڑیں۔ غصہ تو ان کو آتا ہی نہیں، صرف کنکھیوں سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ اور وہ بھی چشم بینا کی طلب گار۔ جب کبھی آتا بھی ہے تو فوراً چلا جاتا ہے اور ساتھ میں شیخ جی کو بھی ساتھ لیتا جاتا ہے، کیونکہ امن عامہ کو وہ بہت عزیز رکھتے ہیں۔

غضب کا مشاہدہ پایا ہے۔ پراچین بھارت سے لیکر آج تک ملک میں جو بھی گھٹنائیں درگھٹنائیں ہو چکی ہیں وہ خود ان کے شاہد رہے ہیں اور اکثر میں ان کی بنانے کا ان کو اعزاز حاصل رہا ہے اور وہ نہیں رہے ہیں تو ان کے آبا ضرور رہے ہیں۔ حضرت رام کے ایودھیا آمد پر جو چراغاں ہوا تھا، انھوں نے اس کو بھی دیکھا تھا، اور جب راون کے قتل حق وناحق پر بڑے بزرگوں میں جو تکرار ہوئی تھی تو بیچ بچاؤ کا پُن بھی انکے آبا ہی نے لوٹا تھا۔ بلکہ رام راجیہ کا پورا پلان اور دستور اساسی انھوں نے ہی تیار کیا تھا۔

ایک دن کہنے لگے میاں اکرام ہماری عظمت وبزرگی اور عوام دوستی کا تم کو کیا علم۔ ہم تو سچ مچ بادشاہ گر اور جمہور باز رہے ہیں۔ بارہہ کے سیدوں کو لوگوں نے خواہ مخواہ سر پر چڑھا رکھا ہے تم کو کیا معلوم کہ حقیقت میں ہم ہی ان کے پیشرو رہے ہیں۔ شیر شاہ کے تابڑ توڑ حملوں اور اپنی مسلسل ہزیمت کا مارا ہمایوں جس وقت غریب بھشتی کے سہارے دریا پار اترا ہمارے ہی چھکڑ دادا حضور نے ان کی پیشوائی کی اور اس طرح اسے دوبارہ ہندوستان کا بادشاہ بننا نصیب ہوا، ورنہ مغلوں کی ہوا اکھڑ چکی تھی۔ یہ تھی ہماری شاہ نوازی اور نمک خواری۔ یہاں تک کہ بھشتی کو جو ایک دن کا شاہ ہند بننے کا شرف اور چمڑے کے سکے جاری کرنے کا ظرف حاصل ہوا وہ ہماری ہی سفارش کا نتیجہ تھا۔

لے میاں چھوڑو پرانی باتوں کو، کل ہی کی بات ہے۔ سورگیہ ڈاکٹر راجندر پرشاد کو صدر ہونا ہم ہی سے نصیب ہوا، اور وہ اس طرح کہ انتخاب ہوا، لیکن وہ ففٹی ففٹی کے شکار ہو گئے۔ اس وقت میری والدہ محترمہ کا واحد ووٹ ہی قول فیصل ثابت ہوا، اور وہ صرف ایک ووٹ کی زیادتی سے صدر بن گئے۔

سیاست جدید میں بھی شیخ جی کو زبردست دخل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ غازی پور کا ہر اندولن ان کا مرہون منت ہے اور ہر جیل ان کے قدموں کی برکت سے مقدس۔ اعلانِ آزادی سے پہلے لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور بھارتی رہنماؤں نے ان سے مشورہ لینا ضروری سمجھا تھا۔

تعلقات اور پہچان غضب کا رکھتے ہیں، بنارس اور گورکھپور میں تعینات ہر اعلیٰ وادنیٰ افسران کا رشتہ دار یا طرفدار، کبھی ان کا کلاس فیلو تو کبھی لنگوٹیا یار۔ اگر وہ براہ راست ان کو نہیں پہچانتے تو بالواسطہ ضرور پہچان لیں گے۔ اور اگر پہچاننے میں دقت ہوگی تو جنم پتری کنسلٹ کرنے میں وہ ہرگز تاخیر سے کام نہ لیں گے۔ اکثر بوڑھا، پوپلا ان کے گودوں

(آگے ص ۲۳ پر)

جدید اردو شاعری میں علامت نگاری

محسن جلگانوی

ماہرینِ لسانیات نے زبان کو ایک صوتی علامیہ قرار دیا ہے اور اس صوتی علامیہ میں علامت' زبان کا ایک ایسا جزو ہے جو زبان کو معانی و مفاہیم کی پوشید دنیا سے آشنائی بخشتا ہے۔ اردو شاعری میں علامت نگاری کا جائزہ لینے سے پہلے عالمی افق پر Symbolist Movement کا اجمالی جائزہ لینا ضروری ہوگا۔ علامتی تحریک کی نشاندہی سب سے ۱۸۸۵ء میں فرانس کے مشہور شاعر بودلیر کی شاعری میں پائی جاتی ہے۔ بودلیر کی ایک نظم "بدی کے پھول" کو علامتی انداز کی اولین تخلیق قرار دیا جاتا ہے۔ اس نظم میں بودلیر نے فطرت کو دوسری حقیقت کے سمبل میں محسوس کیا اور اس سائنٹیفک حقیقت نگاری کے خلاف بغاوت کی ابتدا کی جو اس وقت تک کسی بھی تخلیق کیلئے مشعل راہ ہوا کرتی تھی۔ فرانس میں اس تحریک کی ترویج میں میلارمے، ورلین، ریمبو وغیرہ کے نام سرفہرست آتے ہیں۔ اور آہستہ آہستہ یہی نام تحریک کے اولین اور بڑے علمبرداروں کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ فرانس سے یہ تحریک امریکہ، جرمنی، روس اور انگلینڈ کے علاوہ یورپ کے مختلف ملکوں میں فروغ پاتی رہی۔ امریکہ میں ایمرسن، میل ویل، ویٹ مین، ہاتھارن ــــ انگلستان میں ییٹز، روزویٹی۔ جرمنی میں ریز میریا، ریلکی۔ اور روس میں الگزینڈر بلاک وغیرہ نے اس تحریک کو نہ صرف ہاتھوں ہاتھ لیا بلکہ اس کی ترویج میں بھی قابلِ قدر اضافہ کیا۔ علامتی تحریک نے دنیا کے مختلف ملکوں کے ہمراہ ہندوستانی ادب کو بھی متاثر کیا۔ ہندوستان میں دوسری زبانوں کے ادیبوں اور شاعروں کے علاوہ اردو شاعروں میں میراجی، ن۔م۔ راشد، اور اختر الایمان کے نام سرفہرست نظر آتے ہیں۔

اردو شاعری میں اشاریت ابتدا ہی سے غزل اور نظم کی روح بنی رہی ہے۔ یونگ نے اشاریت اور علامت کا فرق واضح کرتے ہوئے لکھا تھا کہ اشاریت دراصل حقیقی شے کی نمائندگی کرتی ہے جبکہ علامت وسیع تر معنوں کی حامل ہوتی ہے۔ علامت ان نفسیاتی حقائق کی تشکیل بھی کر سکتی ہے جس کی قطعی تشکیل ممکن نہیں اس کے معنی یہ ہوتے کہ اشاریت صرف ظاہری اشیاء کی نشاندہی تک محدود رہتی ہے اور اپنی حدود میں مفہوم کا ابلاغ کر پاتی ہے پھر یہی اشاریت امتداد زمانہ سے ایک جامد حقیقت کا روپ اختیار کر لیتی ہے اور اپنے آپ میں سمٹ جاتی ہے۔ اس کے برخلاف علامت کا عمل غیر محدود، پیچ در پیچ اور تہہ دار ہوتا ہے۔

Wilson Knight کے مطابق علامت کی زبان غیر منقسم اور ایک زندہ حقیقت کی طرح ہوتی ہے۔ جس میں علامتی مفاہیم کی گتھیوں کو سلجھانے کا سلسلہ ابد تک جاری رہ سکتا ہے۔ اردو نظم اور غزل میں علامت کے مترادفات شمع، پروانہ، قفس، صیاد، گل و بلبل، قاتل، بسمل، بہار و خزاں، عاشق، معشوق، فرہاد وغیرہ۔ اشارہ، رمز، کنایہ تشبیہ اور استعارے کی شکل میں کثرت سے استعمال ہوتے رہے ہیں۔ لیکن علامت نگاری کا یہ انداز اردو شاعری میں کبھی شعوری صورت میں کارفرما نہیں رہا بلکہ اس کی رو درونِ خانہ غیر شعوری طور پر اپنا کام کرتی رہی۔

اشاریت کا ایک دوسرا نام استعارہ بھی ہے جس کے بارے میں حالی نے کہا تھا کہ شاعری کی تزئین و ترتیب کیلئے استعارہ ایک رکنِ عظیم ہے اور بلاغت بیان کے لیے اس کی شعری تخلیق میں موجودگی نہایت ضروری ہے۔ حالی نے استعارہ کو شاعری کی روح کے مماثل قرار دیا تھا۔ شاعری میں کنایہ، رمز، تمثیل، اشارہ، تشبیہ کی، احساسات جذبات و اظہارات کی ادائیگی کے لیے بہت اہمیت ہے۔ کیونکہ شاعر کے بہت سے اظہارات ایسے ہوتے ہیں جہاں شاعر کا بیان انھیں ادا کرتے وقت بے بسی محسوس کرنے لگتا ہے لیکن ایسے ہی مرحلوں پر شاعر استعارہ، رمز و کنایہ کی مدد سے اپنے مفہوم کو ادا کر جاتا ہے اور اپنے اسلوب کی اثراندازی میں کامیاب ہو جاتا ہے اردو شاعری میں اشاریت اور ایمائیت کی جڑیں پکڑنے تک استعارے، کنایے، تلمیحات، تشبیہات بڑی فنی مہارت کے ساتھ غزل کی رگ و پے میں بسے رہے ہیں اور کلاسیکی غزل کے رنگ و روپ نکھارتے رہے۔ ان تشبیہات و استعارات نے برسہا برس تک اپنی کیفیتوں سے غزل کے قاری کو مسحور کیا آگے چل کر استعاروں کی ان سال خوردہ کیفیتوں نے نئے مفاہیم تلاشنے شروع کر دیئے جو ان کے اپنے حقیقی معنوں اور برتے ہوئے مطالب سے مختلف تھے چنانچہ اس غیر شعوری شعری برتاؤ میں بھی علامت اپنی اولین صورتوں میں رمز، کنایہ اور اشارہ کی صورت میں برتی ہوئی دکھائی پڑتی ہے مظہر جان جاناں کا یہ شعر:

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو
یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے

اور میر تقی میر کا یہ شعر:

پتہ پتہ بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

ہماری کلاسیکی دور کی شاعری کے نمونے ہیں۔ ان اشعار میں قاتل اور گل علامت کے مترادف کی حیثیت سے استعمال میں آئے ہیں، پھر پتہ پتہ بوٹا بوٹا اور باغ کی لفظیات بھی اپنے اندر رمز و کنایہ کے مفہوم رکھتی ہیں۔ بیسویں صدی میں آتے آتے علامت کی تحریک ترقی پسند تحریک سے متعارف ہوتی ہے اور ترقی پسند شاعری کو اظہار کے نئے پیرائے اور ابعاد ملتے ہیں۔ ترقی پسند شاعری میں کئی ایسی علامتیں استعمال میں لائی گئیں جن کے مفاہیم بہت گہرے اور تہہ داری رکھتے تھے۔ لیکن میراجی اردو کے پہلے شاعر ہیں جنھوں نے Symbolist Movement کا نہ صرف باقاعدہ مطالعہ کیا بلکہ اردو شاعری میں علائم و علامتی ابہام کی شمولیت کو لازمی سمجھا۔ میراجی اس قول پر عمل پیرا تھے کہ "کسی تخلیق کی وضاحت اس کے تین چوتھائی حسن کو زائل کر دیتی ہے" اور غیر وضاحتی تخلیق رفتہ رفتہ مفاہم کی بازیافت کر کے اپنے لطف کو دو آتشہ بناتی چلی جاتی ہے۔ Rainbow کا خیال تھا کہ تخلیق کار کو نامعلوم اشیاء کی تلاش کرنی چاہئے۔ اور اپنے آپ میں پوشیدہ فکری صلاحیتوں کو اظہار کے پیکر میں ڈھال دینا چاہئے۔ رین بو کے اس فکری رویہ کو بعض ناقدین تخلیق کار کے حصار ذات میں مقید ہو جانے کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں۔ لیکن ذات کے حصار میں رہ کر اگر کوئی شاعر ذات کا عرفان حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ دنیا سے بے نیاز ہو چکا ہوتا ہے اسی طرز احساس نے شخصی علامات کو جنم دیا گو کہ ماہر نفسیات فرومّ نے علائم کی تین قسمیں متعین کی تھیں۔ روایتی، اتفاقی اور آفاقی۔

اردو شاعری میں میراجی نے علامتِ اتفاقی کو شخصی مفہوم کی علامت کی شکل میں قبول کیا۔ بعد میں اسی طرز فکر کو اردو شاعری میں برتا گیا۔ میراجی کے بعد فیض، ناصر کاظمی، شکیب جلالی، اختر الایمان، ن۔م۔ راشد، احمد مشتاق، یوسف ظفر، ساقی فاروقی، بانی، بشیر بدر، مخمور سعیدی، شاذ تمکنت، مظفر حنفی اور بہت سے دوسرے شاعروں کے یہاں علامت نگاری اور پیکر تراشی کی بہترین مثالیں پائی جاتی ہیں۔ جدید نظم اور جدید غزل میں علامت نگاری اور پیکر تراشی کا استعمال بعض شاعروں کے یہاں کبھی کبھی شدت بھی اختیار

کرتا رہا ہے اور بعض اردو شاعروں نے علامت پسندی اور امیجری میں شخصی اور ذاتی علامتوں کے ذریعہ شدید ابہام پیدا کیا ہے لیکن غیر شخصی علامت نگاری نے اردو غزل کو مفاہیم و مطالب کے نئے افق سے آشنا بھی کیا ہے۔
اب جدید اردو غزل اور جدید نظم میں اسلوب کا دار و مدار اشاریت اور علامت نگاری پر ہے اس لیے یہ ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ جدید غزل اور نظم میں شامل علامت کی تفہیم کے بغیر جدید شاعری کی تفہیم ممکن نہیں۔ جدید اردو غزل میں علامتوں کے کئی ابعاد ہوتے ہیں۔ شعر میں مستعملہ علامت اپنا ایک مخصوص پیچیدہ اور تہہ دار مفہوم رکھتی ہے اور ہر مفہوم کی گہری تہیں ہوتی ہیں۔ جدید شعر کو سطحی انداز میں آسانی سے سمجھ میں آجانے والی شے سمجھ لینا غلط ہے شعری اور فکری عمل میں اب ابہام ایسی کوئی چیز نہیں ہے بلکہ شعر کا کہنا جہاں شاعر کو ایک تجربہ سے گزارتا ہے شعر کا سمجھنا بھی اس کے قاری کے لیے تجربہ سے گزرنے والا عمل ہے۔ مثال کے طور پر جدید غزل کے یہ چند شعر پیش ہیں:۔

دروازے کو پیٹ رہا ہوں، پیہم چیخ رہا ہوں
اندر آ کر کھل جا سم سم کہنا بھول گیا ہوں

سورج کو چونچ میں لیے مرغا کھڑا رہا
کھڑکی کے پردے کھینچ دیئے رات ہو گئی

نحیف چڑیا کو قربت میں جان کا جوکھم
پڑوسی ناگ سے اچھا نہیں جھگڑنا بھی

سڑک پہ بھیڑ لگی ہے تماش بینوں کی
میں ہوں کہ بجلی کے تاروں پہ الٹا لٹکا ہوں

چھ دنوں تک شہر میں گھوما وہ بچوں کی طرح
ساتویں دن جب وہ گھر پہنچا تو بوڑھا ہو گیا

ان اشعار میں ہر ایک شعر اپنے بطن میں معانی کی تہہ در تہہ گہرائیاں رکھتا ہے۔ ان شعروں میں عصری حسیت، فرد و ذات کی کش مکش، معاشرتی، سیاسی اور انسانی مسائل اور شہری نا آسودگی و المیہ کی داستانیں مخصوص علامتی انداز میں معرض وجود میں آتی ہیں۔ دروازہ، سورج، مرغا، کھڑکی، چڑیا، ناگ، شہر اور سڑک ایسی لفظیات اور مروجہ علامتیں، قاری کے تخلیق کار کے تجربے میں اپنے آپ میں شامل کیے بغیر سریع الفہمی سے سمجھ میں نہیں آسکتیں۔

اس مختصر سے مضمون میں اردو شاعری کی جدید غزل اور نظم کی متعدد مثالیں دینا ممکن نہیں۔ لیکن اس موقع پر ہمارے ایک جدید شاعر کی ایک تازہ نظم "پرندو چلو لوٹ آؤ" کے چند اقتباسات پیش ہیں:

پرندو تمہیں یاد ہوگا کہ اک دن
تم اپنے درختوں کو
جب چھوڑ کر جا رہے تھے تو دریا نے پانی سے
پانی نے دریا سے سرگوشیاں کیں
مگر تم نے تب بھی پلٹ کر نہ دیکھا

اور اس نظم کے آخری حصہ میں:

وہ شاخیں کہ جن پر بسیرا تمہارا کبھی تھا، وہ شاخیں
ہوا کے ذرا تیز جھونکے سے
اک دوسرے پیڑ کی سمت جھکنے لگی ہیں
وہ پودے جنھیں چھوڑ کر تم گئے تھے
وہ اب پیڑ بننے لگے ہیں
وہ کلیاں بھی اب پھول بن کر مہکنے لگی ہیں
وہ بھنورے جنھیں تم نے دیکھا نہیں
ان کے اطراف منڈلا رہے ہیں
وہ غنچے ـــ وہ منظر تمہیں ڈھونڈتا ہے

اس نظم میں شاعر نے اپنے گرد و پیش کے مسائل کو اپنے مشاہدے کی شدت سے محسوس کیا اور ایک سماجی مسئلہ کا علامتی انداز میں تخلیقی جائزہ لیا ہے۔ پرندوں کا درختوں کو چھوڑ کر جانا اور دریا کا پانی سے سرگوشیاں کرنا ان حالات و مسائل کی جانب نشاندہی کرتا ہے جن کی بنا پر پرندے اپنے درختوں کو چھوڑ کر جانے پر مجبور تھے۔ یہاں پرندہ کا لفظ میری دانست میں ایک مخصوص علامت کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ نظم میں آگے چل کر درخت، ریت، شاخیں، پیڑ، ہوا، کلیاں، پھول، بھنورے اور دیگر ایسی لفظیات ایک بڑا تانا بانا بنتی ہیں اور ہر ایک لفظ علامت بن کر ایک منظر نامہ پیش کرتے ہیں جو قاری کو نئی ذہنی فضا اور مفاہیم سے آشنا کرتا ہے۔ غرض جدید اردو شاعری میں علامت نگاری نے زبان و بیان کو نئی امیجری اور حسیت بخشی اور نئے استفہامیوں کے دروازے وا کیے۔

(حیدرآباد سے نشر)

صادق نوید

دل لگی میں کہیں ہنس ہنس کے جلانا نہ شمع
جل گئی ہے تو سر شام بجھانا نہ شمع

بیچ بازار سے ہنستی ہوئی لانا نہ شمع
گھر میں بھڑکے تو کلیجے سے لگانا نہ شمع

پیار کی راہ میں اندھوں کی طرح گزرینگے
راستے میں کوئی دانستہ دکھانا نہ شمع

جن کو آنا ہے بہر حال چلے آئیں گے
اپنے پلکوں کی منڈیروں پہ سجانا نہ شمع

کیوں شب وصل ہتھیلی پہ لئے بیٹھے ہو
کہیں غفلت سے مسہری پہ گرانا نہ شمع

شمع کے ساتھ امر ہوتے ہیں پروانے نوید
ان کی نظروں سے خبردار ہٹانا نہ شمع

(حیدرآباد سے)

ہمارا ریڈیو

فارسی کی ایک کہاوت ہے کہ "جب کوئی غم نہ ہو تو بکری پالو۔" مطلب یہ کہ اگر آپ سکھ چین سے رہتے رہتے اکتا گئے ہیں تو بکری پال لیں آپ کا سارا سکون اور آرام ٹھکانے لگ جائے گا۔ بکری کے دم سے کبھی کوئی چیز شہید ہوگی تو کبھی کوئی ہلاک۔ کبھی پتہ چلے گا کہ کرتے یا شیروانی کا دامن غائب ہے۔ کبھی مصدقہ طور پر آپکو یہ اطلاع ملے گی کہ لائبریری کی قیمتی کتاب بکری صاحبہ نے خاصہ میں تناول فرمالی۔ باورچی خانہ کی سمت اگر بکری کا رخ ہو گیا تو پکی پکائی ہانڈی اور بہت سے برتن کھیت رہے۔ بکری کیا ہوئی آتش داد کا مجموعہ ہوا۔ چند ہی دنوں میں گھر کا سارا ماحول انقلاب زندہ باد ہو جاتا ہے۔

خیر صاحب بکری کے غموں سے تو ہم اس لیے بھی صاف بچ کر نکل سکتے ہیں کہ انھیں پالنے کے جھنجھٹ میں ہی نہ پڑیں لیکن اس نئے اور سائنسی دور کی بکریوں کا کیا علاج ہے جن کا نام، موٹر، موٹر سائیکل، گھڑی یا ریڈیو ہے۔ آپ بھولے سے ان میں سے کوئی بھی پرانی دھرانی چیز خرید لیجئے۔ بس آپ کو بکری پالنے کا مزہ آجائے گا۔ مرحوم پطرس بخاری کی سائیکل اس کا ٹھوس ثبوت ہے۔ آج ہم بھی اپنے ایک عدد برخوردار میاں ریڈیو سلمہٗ کی درد بھری داستان بیان کرنے جا رہے ہیں۔

بات ریڈیو کی طرح پرانی ہے۔ بیس پچیس سال پہلے ہمیں بھی کرکٹ کمینٹری سننے کا مرض اڑ کر لگ گیا۔ یہ بات تو کہنے سے کوئی فائدہ ہی نہیں کہ کمینٹری سننے والوں کی واضح اکثریت انگریزی زبان سے ناواقف ہوتی ہے اور جو شخص جتنا زیادہ ناواقف ہوتا ہے اسقدر توجہ سے وہ کمینٹری سنتا ہوا پایا جاتا ہے۔ ہم بھی اسی اکثریتی فرقہ کے ایک فرد واقع ہوئے تھے۔ جو کمینٹری سنتے سنتے اتنا تو سمجھنے لگے تھے کہ اتنے فار اتنے ہوئے۔ کون گیند پھینک رہا ہے اور کون

قیوم جاوید

ہٹ یعنی اسٹروک لگا رہا ہے۔ کمینٹری سننے کے لیے اس سے زیادہ انگریزی کی علمیت یا قابلیت ضروری بھی نہیں۔

اگر ہم سے کوئی دل کی بات پوچھے تو ہم صاف کہیں گے کہ انگریزی زبان بھی کوئی زبان ہے۔ جب جس حرف کا جو مزاج چاہتا ہے وہی آواز نکالنے لگتا ہے۔ کہیں 'سی' سین کی بولی بول رہا ہے تو کہیں کاف کی۔ اکثر حرفوں کا یہی رویہ ہے۔ بعض حرف جملے میں موجود ہوتے ہوئے بھی پتہ نہیں غریبوں کی طرح کیوں خاموش رہتے ہیں۔ انہی واضح ترین گھپلوں کی وجہ سے ہم نے انگریزی پڑھنے سے اپنی دلچسپیاں بچپن میں ہی واپس لے لیں۔

جیسا کہ بہت لوگ جانتے ہیں کہ پطرس کے ایک دوست نے ان کو ایک تاریخ ساز سائیکل دی تھی ٹھیک اسی طرح ہمارے ایک کرم فرما عزیز نے کرکٹ سے ہماری دلچسپی دیکھتے ہوئے اپنا ایک باڈی بلڈر یعنی بہت بڑے سائز کا ریڈیو سیٹ ہمیں سونپ دیا۔ ہم نے جب پہلی بار اس کو ملاحظہ فرمایا تو ہمیں یقین ہو گیا کہ اس ریڈیو کی پطرس کی سائیکل سے انتہائی قرابت داری اور خون کا رشتہ ہے۔ مادی اور روحانی یکسانیت بھی پائی جاتی تھی اور صوت و صدا کی قدریں بھی مشترک پائی جاتی تھیں۔ آن آف کا سسٹم براہ راست پلگ سے وابستہ تھا۔ ڈائل کے تمام حروف لاپتہ تھے۔ آواز نکالنے کے لیے بھی عقب سے ہاتھ ڈال کر سوئی کا پہیہ گھمانا پڑتا تھا۔ ان تمام باتوں کے باوجود بہرحال وہ بولتا تھا۔ ہرچند کہ اس کی عمر بھی کافی طویل ہو چکی تھی یعنی اس کی گولڈن جبلی منائی جا سکتی تھی یا پچیس سالہ جشن۔

کمینٹری سننے کے شوق اور مفت میں ریڈیو کا مالک بننے کے جوش میں ہم نے اس کی ریپیرنگ میں اپنی حیثیت سے زیادہ پیسے خرچ کر کے اسے میاں مٹھو بھی بنانے کی کوشش کی کہ اب وہ بی بی سی بھیجنے میں تکلیف نہ کریں۔

یکم نومبر ۱۹۸۶ء

چند ہی دن بعد انڈیا اور انگلینڈ کی ٹیسٹ سیریز شروع ہوئی۔ دھندہ اور شوق ساتھ ساتھ چل سکے اس ضرورت سے ریڈیو کو ہم اپنی چھوٹی سی دوکان پر لے آئے۔ ہمیں یہ بات بالکل نہیں معلوم تھی کہ کمینٹری کے زمانے میں لائسنس کی جانچ پڑتال کرنے والے موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے نکل پڑتے ہیں۔ پہلے ہی دن ہم دبوچ لیے گئے اور ہمارا چالان ٹھونک دیا گیا اور پھر ایک نوٹس بھی ہمیں سونپ دیا گیا۔ اس زمانہ میں گھپلا یہ تھا کہ پچھلے تمام سالوں کا بقایا ادا کرنا پڑتا تھا ورنہ ریڈیو کی ضبطی ہو جایا کرتی تھی۔ مرحلہ سخت تھا۔ اور ریڈیو ہم کو عزیز۔ جرمانہ کا خیال آتے ہی کلیجہ منہ کو آتا تھا۔ جتنے کے ڈھول نہیں اتنے سے زیادہ کے منجیرے پھوٹنے کا نازک مقام تھا۔ گھبراہٹ اور مایوسی کی حالت میں بنا فیس لیے مشورہ دینے والے وکلا کی خدمت میں پہنچے۔ سب نے یہی کہا کہ ریڈیو کی جان عزیز ہے تو پیسوں کا منہ نہ دیکھو اور اگر پیسوں کی جان پیاری ہے تو ریڈیو پر فاتحہ پڑھ لو۔ ہمیں کچھ سجھائی نہیں دے رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ہماری دنیا لٹی جا رہی تھی۔ بہرحال اس مایوسی کے عالم میں ایک خضر صورت رہنما نے ہمیں یہ نکتہ بتایا کہ اگر تم نے چالان فارم پر دستخط نہیں کیے ہیں تو صاف مکر جاؤ کہ ہمارا چالان ہی نہیں ہوا۔ تمہارا اور تمہارے ریڈیو کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ اس نکتۂ نجات کو اپنا رہنما بنا کر ہم نے موصولہ نوٹس کا کئی بار کی کاٹ چھانٹ اور قطع برید کے بعد ایک مدلل اور ٹھوس بلکہ منہ توڑ جواب تیار کر کے بھیج دیا۔ جواب یہ تھا۔

"آپ کا نوٹس تاریخ فلاں ... نمبر فلاں ... عنوان فلاں ... ہم کو نصیب ہوا۔ نوٹس نے ہم کو بتایا کہ ہم کسی ایک عدد ریڈیو کے مالک ہیں جس کا کئی برسوں سے لائسنس نہیں بنا ہے۔ اطلاعاً عرض ہے کہ مندرجہ بالا تمام باتیں ہم پر جھوٹا الزام اور غلط قسم کا بہتان ہیں۔ ہم اپنے علم و یقین کی حد تک ایسا سمجھتے ہیں کہ ہماری ملکیت میں کوئی ریڈیو نہیں ہے ... نہ اس سے قبل تھا اور نہ ان شاء اللہ آئندہ بھی کوئی ریڈیو خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اگر محکمۂ نشر و اشاعت کو ہم سے لائسنس کی فیس یا جرمانہ کی رقم وصول کرنے کا ایسا ہی شوق ہے تو اس کی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ذرائع اور وسائل سے پہلے ہمیں ایک ریڈیو فراہم کرے۔ پھر وہ دیکھے کہ ہم فیس اور جرمانہ ادا کرتے ہیں یا نہیں۔"

اس دنداں شکن جواب سے محکمہ کے اعلیٰ افسران پر کیا گزری اس کا ہمیں اب تک کوئی علم نہیں۔ ہاں جس انسپکٹر نے ہمارا چالان کیا تھا وہ ایک دن دوکان کے سامنے کھڑا ہو کر ہمیں بغور دیکھتا رہا۔ ایک یا دو بار ہم نے بھی اسے کنکھیوں سے دیکھا۔ بھولے بھٹکے انکھیاں چار بھی ہو گئیں۔ کچھ یہ صورتحال تھی۔ ع خموشی گفتگو تھی بے زبانی تھی زباں اپنی

یوں تو ہمارے ریڈیو میں بظاہر بہت سی خامیاں تھیں لیکن اس کی ایک خامی بہت پریشان کرنے والی تھی، وہ یہ کہ اس میں شہر کا مقامی ریڈیو اسٹیشن کبھی نہیں بولتا تھا۔ جبکہ لندن، پیرس، جرمن، جاپان اور ماسکو تک اس کی مٹھی میں تھے۔ اور طوطے کی طرح بولتے تھے مگر نہیں بولتا تھا تو مقامی اسٹیشن جبکہ ہمارا مکان ریڈ اسٹیشن سے کچھ زیادہ دور بھی نہیں تھا۔ کافی غور و فکر کے بعد سمجھ میں یہی بات آئی کہ کہیں ریڈیو ساز کمپنی ہمارا مقامی اسٹیشن فٹ کرنا تو نہیں بھول گئی۔

چنانچہ ہم نے اس سلسلہ میں ریڈیو کے ایک ماہر ماسٹر سے رابطہ قائم کیا اور اس پر اپنے شبہ کا اظہار کیا۔ اس انوکھے خیال پر اس نے ایک اچھے شعر سے زیادہ ہمیں داد دی اور ہمارے خیال کو بالکل صحیح بتایا۔ اس کے پاس سے واپسی میں ایک ریڈیو میکانک کی دوکان اور پڑی سوچا تائید مزید اور دوہری شہادت کے لیے اس سے بھی تبادلۂ خیال کر لیا جائے۔ اس نے ہماری یہ داستانِ غم سُنی تو ہمیں کچھ ذہنی طور پر کھسکا ہوا سمجھا اور جلد ہی ہم سے پیچھا چھڑایا۔ اس حادثہ کے بعد ہم نے کچھ دن کے لیے ریڈیو کی اصلاح و تربیت کے پروگرام کو ملتوی کر دیا۔

ایک دن اچانک ہمیں خیال ہوا کہ اس ریڈیو کی پیری فقیری کرالی جائے۔ چنانچہ شہر کے سب سے مستند اور مشہور پیر صاحب کے آستانہ پر حاضری دی۔ ان کے بارے میں مشہور تھا کہ انسان ہوں یا مشینیں سب کے بھوت بھگا دیتے ہیں سینکڑوں موٹر گاڑیاں اور اسکوٹریں وغیرہ ان کے تعویذوں اور جھاڑ پھونک کے نتیجے میں بغیر پٹرول کے دوڑیں لگاتی ہیں۔ ہزارہا ہزار لوگ ملکوں ملکوں سے جوق در جوق آتے ہیں ... اپنی مفلسی دور کرانے اور دشمنوں کو مفلسی اور بدحالی کا شکار بنانے والے تعویذ لے کر کامیاب و بامُراد لوٹتے ہیں۔

صاحب موصوف نے ہمارا ریڈیو کیس ہمدردی اور توجہ سے سُنا۔ پندرہ روپیہ کی ابتدائی ایگزامیشن فیس وصول کرنے کے بعد مریض کا جائزہ لیا اور فرمایا۔ بھائی تمہارے کسی قریبی اور مخلص دشمن نے ریڈیو پر جوگی بٹھا دی ہے آئندہ موٹھ کے حملہ کا اندیشہ بھی ہے اور آسیب کے اثرات بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن اب فکر یا گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ سب ٹھیک کر دوں گا۔ اللہ کے کلام میں بڑا اثر ہے۔ اس کے بعد ایک پرچہ لکھ کر مجھے دیتے ہوئے تاکید کی کہ چاند کی ابتدائی تاریخیں چل رہی ہیں۔ یہ سب سامان جلد سے جلد میرے پاس لے آؤ۔

میں نے وہ پرچا پڑھا تو اس میں روڈ کا ایک مرغ، نصف کلو دیسی گھی یا مکھن، آدھا تولہ اسپین کی زعفران، سات دانے عراقی کھجور۔ میسور کی صندل اگربتی کے علاوہ کچھ اور بھی چٹ پٹ سامان لکھا ہوا تھا۔ غنیمت ہے کہ اس میمورنڈم میں شامی کبابوں کا ذکر رہ گیا تھا۔

انجام کار اس دستاویز کو اپنی جیب میں اور ریڈیو کو معشوق کے جنازہ کی طرح اپنے کاندھوں پر اٹھائے خراماں خراماں اپنے گھر کو لوٹے ..... اور کبھی ہم اپنے ریڈیو کو دیکھتے تھے اور کبھی اپنی جیب کو —!

(بھوپال سے نشر)

ہندی فلموں میں گیت سازی

شہریار

ہندی، اُردو فلموں میں گیت ناگزیر ہیں — نام نہاد آرٹ فلموں میں بھی گیت پائے جاتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ گیت عوام تو کیا خواص کو بھی پسند نہیں آتے۔ ہندوستانی فلموں میں گیت کی روایت بہت پرانی ہے۔ عہدِ حاضر کی فلموں کے گیتوں اور پرانی فلموں کی گیتوں میں صرف اتنا فرق نظر آتا ہے کہ آج کی بیشتر فلموں میں گیت فلم کا ناگزیر حصہ نہیں ہوتے۔ اکثر گیت، مکالموں کی جگہ لیتے ہیں۔ اسی لیے ان کے بول عام معنوں میں شعریت سے عاری ہوتے ہیں۔ ہاں ان میں سرسری شاعری کے عناصر ضرور ہوتے ہیں اسی لیے عوام، اور خاص طور سے بچوں کو بہت پسند آتے ہیں۔ اس طرح کے گیتوں کو ہم جیسے نام نہاد پڑھے لکھے لوگ بڑی حقارت سے دیکھتے ہیں۔ ہمارا یہ رویہ صرف فلم کے گیتوں تک محدود نہیں ہے۔ فنونِ لطیفہ کی تمام موجودہ صورتوں کے سلسلے میں ہم نے یہ رویہ اپنا رکھا ہے۔ عدم مقبولیت کو ہم نے معیار بنالیا ہے۔ یہ دلچسپ بات ہے کہ ترقی پسند حضرات ادب میں مقبولیت اور عوام کی پسند کو معیار مانتے ہیں لیکن یہی لوگ جب فلم کی بات کرتے ہیں یا غلطی یا اتفاق سے فلم بناتے ہیں تو ان کے سامنے ایک محدود، اور محدود طبقہ ہوتا ہے۔ یہ طبقہ ان فلموں کو اس لیے دیکھتا ہے کہ اس طرح اس کا شمار سماج کے باشعور لوگوں میں ہونے لگتا ہے۔

دراصل پچھلے تقریباً بیس سال سے ہم نے زندگی کو دو انتہائی خانوں میں بانٹ دیا ہے۔ ایک سنجیدہ اور دوسرا عوامی۔ ایک خانے کا آدمی دوسرے خانے میں داخل نہیں ہو سکتا اور اگر ہوتا ہے تو چھپ چھپا کر —

فلم میں گیت ساحر لدھیانوی اور شکیل بدایونی نے بھی لکھے ہیں اور آج بھی لکھے جارہے ہیں۔ پہلے زمانے میں زیادہ تر فلموں میں اچھے گیت ہوتے تھے، وہ فلم کا ناگزیر حصہ ہوتے تھے اور فلم سے الگ بھی اپنا وجود رکھتے تھے، اسی لیے ان میں آج بھی تازگی محسوس ہوتی ہے اور ان کا ایک نہایت خوشگوار تاثر ہمارے دل و دماغ پر ہوتا ہے۔ یہ گیت شاعری کی اچھی مثال ہیں۔ ہم نے ان کی ادبی اور شعری خصوصیات پر اب تک دھیان نہیں دیا ہے، اس پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

آج کل فلم میں گانے دو طرح کے ہوتے ہیں ایک، وہ جو اسکرپٹ اور ڈائریکٹر کی ہدایت کی روشنی میں پہلے لکھے جاتے ہیں۔ میوزک ڈائریکٹر سچویشن اور اسکرپٹ اور ڈائریکٹر کی ضروریات کو سامنے رکھ کر ان کی دھنیں تیار کرتا ہے۔ دھن بنانے کے دوران اگر وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ بعض آوازیں یا الفاظ اس کی دھن کی راہ میں حائل ہورہے ہیں تو وہ شاعر کو اس کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ شاعر اس سے تعاون کرتا ہے۔ فلموں سے آج کل جو موسیقار وابستہ ہیں بلکہ جن کا سکہ چل رہا ہے ان میں سے اکثر کا طریقہ دوسرا ہے یعنی وہ دھن پہلے تیار کرتے ہیں اور شاعر سے اس پر گیت لکھواتے ہیں، وہ دھن سناتے وقت ذہن کو واضح کرنے کے لیے کچھ ڈمی مصرعے یا مکھڑے بھی استعمال کرتے ہیں۔ یہ مصرعے یا مکھڑے موسیقی کے وزن کے اعتبار سے صحیح ہوتے ہیں لیکن شاعری کے وزن کے اعتبار سے اکثر ناموزوں ہوتے ہیں۔ بعض کم پڑھے لکھے ڈائریکٹر اور پروڈیوسر ان مصرعوں اور مکھڑوں کو بار بار سننے کی وجہ سے اتنا متاثر ہو جاتے ہیں کہ وہ شاعر سے انھیں کو اپنا لینے کی ضد کرتے ہیں۔ اکثر صورتوں میں شاعر ان کی تجویز قبول کرلیتا ہے۔ بہت سے ڈائریکٹر اور پروڈیوسر آج کل خود گانے لکھنے لگے ہیں۔ یہ گانے کم اور تُک بندی زیادہ ہوتے ہیں۔

میں نے اب تک چار فلموں میں گانے لکھے ہیں، پہلی فلم گمن ہے اس کی دونوں غزلیں پہلے کی لکھی ہوئی ہیں۔ جے دیو جی نے ان کی دھنیں جتنی اچھی بنائی ہیں وہ سب جانتے ہیں۔ دراصل مظفر علی کی فلموں کے اسکرپٹ کچھ اس طرح کے ہوتے ہیں کہ شاعری اس کا ناگزیر حصہ ہوتی ہے۔ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ وہ تھیم کو شاعری کے ذریعہ اُجاگر کرتے ہیں۔ امراؤ جان میں مرکزی کردار کی شخصیت کا گراف شاعری کے ذریعہ بنایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس فلم کے گانے اس کا ناگزیر حصہ بن گئے ہیں مظفر علی کی آنے والی فلم انجمن میں بھی یہی صورت ہے۔ فلم فاصلے میں، میں نے کچھ گانے دھنوں پر لکھے ہیں۔ مجھے دشواری ضرور ہوئی لیکن مجموعی اعتبار سے یہ گانے اگرچہ موضوع کے اعتبار سے مختلف ہیں لیکن کامیاب ہوئے ہیں۔ فلم دامن کے سلسلے میں ایک دلچسپ تجربہ مجھے ہوا، آپ بھی سنئے۔ اسکرپٹ کے اعتبار سے میں نے گیت لکھ دیئے۔ ایک مشہور موسیقار کے سپرد وہ گانے کر دیئے گئے۔ پندرہ دن کے بعد اس نے معذرت کرلی۔ معذرت کرتے وقت اس نے گانوں کے بارے میں کچھ ایسے جملے کہے جس سے تنقیص کا پہلو نکلتا تھا مظفر نے خاصے شدید ردعمل کا اظہار کیا۔ ایک دوسرے موسیقار نے یہ کہہ کر معذرت کرلی کہ گانے تو لکھے جاچکے ہیں اب میں اس میں کیا کرسکتا ہوں یعنی اب انڈسٹری میں چند موسیقاروں کو چھوڑ کر زیادہ تر لوگ دھنیں پہلے بناتے ہیں اور گانے بعد میں لکھے جاتے ہیں، گانے میں مکھڑے کو بنیادی اہمیت دی جاتی ہے۔ اسی لیے آج کل لوگوں کو گانے کے صرف مکھڑے یاد رہ جاتے ہیں۔ لیکن اس سب کے باوجود اچھے گانے بھی لکھے جارہے ہیں اور فلم کے لیے گانوں کے ذریعے عوام میں شاعری کا ذوق پیدا ہورہا ہے۔ مشاعروں کی مقبولیت میں فلم کے گانوں کے رول کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

(ریڈیو کشمیر سرینگر سے نشر)

ترسیل زر کا پتہ
چیف ایڈیٹر
آکاشوانی گروپ آف جرنلز، آل انڈیا ریڈیو
II فلور پی ٹی آئی بلڈنگ، سنسد مارگ، نئی دہلی ۱

افسانہ

پرتو

آمنہ ابوالحسن

"بڑی ماں بڑی ماں آجایئے۔ چھوٹی ماں آپ کو یاد کر رہی ہیں۔"

"آتی ہوں ابھی پانچ منٹ میں۔" مسرت نے کہا۔

ان پانچ منٹوں میں اندر جاکر کام نبٹانے کی بجائے روزی برابر کواڑ پکڑے کھڑی رہیں اور خاصی بے چین رہیں پھر جیسے ہی مسرت آئی روزی نے بلاتاخیر دریافت کیا۔

"اتنی دیر لگا دی آپ نے۔ کیا کر رہی تھیں وہاں؟"

"میں کھانا کھا رہی تھی روزی۔"

"کھانا ۔۔؟ توبہ توبہ ۔" روزی نے اپنے رخسار پیٹے "آپ کو وہاں کھانا نہیں کھانا چاہیے تھا بڑی ماں۔"

"مگر کیوں ۔"

"اس لیے کہ آپ مسلمان ہیں اور وہ لوگ ہندو۔"

"تو کیا ہوتا ہے اس سے۔"

"گناہ ہوتا ہے بڑی ماں۔ اب ممی آ کر کتنا خفا ہوں گی دیکھ لینا خود۔" روزی نے پورے یقین سے کہا۔

"مگر میں کیا کروں روزی۔ ان لوگوں نے اتنے پیار سے روکا اور اتنا اصرار کیا کہ انکار کرنا اچھا نہیں لگا مجھے۔"

"یہی تو گڑبڑ ہے ساری۔ پیار کی آڑ لے کر لوگ سارے کام کر جاتے ہیں۔"

"مطلب ۔۔؟"

"مطلب ۔ یہی کہ آپ نے اپنا مذہب میلا کر لیا بڑی ماں۔ آپ کچھ بھی کہہ کر ٹال سکتی تھیں۔ کوئی بھی بہانہ بنا سکتی تھیں۔"

"بہانہ ۔؟ مگر کیوں۔ کس لیے۔ کیا بہانہ بنانا اچھا لگتا روزی؟"

"لگے نہ لگے بڑی ماں۔"

"چپ کرو روزی۔ اگر ممی خفا ہوں گی تو میں منالوں گی انھیں مگر اب تم خدا کے لیے کچھ مت بولو۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" کچھ کہتے کہتے روزی نے اپنا منہ بند کر لیا۔ اور کام کرتے کرتے روزی ان تمام سوالات کے جوابات اپنے ذہن میں اکٹھے کرنے لگی جو اس ناگاہ صورتحال پر میم صاحب کی طرف سے متوقع تھے۔

اگر میم صاحب یہ کہیں گی تو وہ یہ کہے گی۔ اگر میم صاحب ایسا کہیں گی تو وہ یوں جواب دے گی وغیرہ وغیرہ۔ سوالات اور جوابات کی ایک لمبی فہرست اس کے ذہن میں پوری طرح مرتب تھی۔ اس خوف کے ساتھ ساتھ کہ جوابدہ تو وہی ہے۔ اب اگر بڑی ماں نے وہاں کھانا کھالیا تو میم صاحب تو اسی کو پوچھیں گی اور کہیں گی۔ مسرت تو بچی ہے۔ تم کیا کرتی رہیں۔ گھر کو لک آفٹر کرنے کا یہی طریقہ ہے کیا کہ سب کچھ ہو جانے کے بعد اس پر سوچا جائے۔

کام کرتے کرتے بظاہر روزی اپنے اگلے بالوں میں گھنگر پیدا کرنے کے مختلف طریقوں پر غور کرتی جا رہی تھی مگر بہ باطن ایک ہی خوف اسے پریشان کیے جا رہا تھا کہ ہندوؤں کے گھر ان کا بنایا ہوا کھانا کھانے سے مسلمان مذہب کسی نہ کسی حد تک ضرور آلودہ ہو گیا ہوگا اور مذہب کے معاملے میں روزی بڑی کٹر تھی۔ ہر صبح جاگ کر بستر سے اترے بغیر اپنے سینے پر صلیب بناتی پھر پھرتی سے نہا دھو کر یسوع مسیح کی تصویر کے آگے دلی عقیدت سے نئی موم بتی جلاتی ہر وقت جلتے ہوئے چراغ کو خوب تیل پلاتی تب خوشبودار اگربتیاں سلگا کر ادب سے تصویر کے چوکھٹے کو بوسہ دیتی اس سے اپنا ہاتھ چھواتی تب جھکی نگاہ کے ساتھ من کے پورے دھیان سے دعائیں پڑھتیں جن میں نجات کی دعا اور سب دعاؤں پر حاوی ہوتی جس کے بعد میں وہ دن بھر کے دوسرے کام شروع کرتی۔

"بڑی ماں۔ چھوٹی ماں۔ جاگئے جاگئے۔"

"چائے تیار ہے۔ اٹھ جایئے اب۔"

دونوں لڑکیاں ذرا سی آنا کانا کے بعد اٹھیں۔

"صبح بخیر روزی۔ صبح بخیر۔"

روزی دونوں کے ماتھے چومتی اور چائے ختم ہوتے ہی حکم صادر کرتی۔

"چلئے غسل خانہ انتظار کر رہا ہے۔"

اور جب تک لڑکیاں نہاتیں روزی، صاحب اور میم صاحب کو چائے پہنچاتی، چائے کے ساتھ اخبار اور ڈاک لے جاتی، بچیاں نہا دھو کر ناشتے کی میز تک آتیں تو صاحب کیلئے غسل خانہ خالی ہو جاتا تب تک صاحب کا اخبار بھی ختم ہو جاتا اور وہ اپنی ضروری ڈاک بھی دیکھ لیتے۔

میم صاحب کا چہرہ چڑھتے سورج کی طرح لو دیتا ہوتا پھر اسی لو کی چھوٹ روزی کو بڑی ماں چھوٹی ماں کے چہروں پر نظر آتی۔

جانے کیسی روشنی تھی یہ ۔۔۔؟

ہر رات روزی اپنے کوارٹر لوٹ کر آنکھیں پھیلا پھیلا کر اپنے چہرے کو تکتی مگر کسی دن کسی روز کسی صبح کسی رات وہ جوت وہ تیج اسے اپنے چہرے پر ہرگز نظر آیا۔ جب بچیاں اسکول سے لوٹ کر تھوڑے آرام کے بعد ممی پاپا کے ساتھ شام کی سیر کو جاتیں تو روزی جلدی جلدی میم صاحب کا ڈریسنگ کیبنٹ ٹٹولتی وہاں اسے میک اپ کی ہر ہر چیز مل جاتی مگر کہیں بھی وہ خاص چیز نظر نہ آتی جو چہرے پر روشنی پیدا کرنے کی ذمہ دار تھی۔ شام کے ٹیوشن کے بعد جب ماسٹر صاحب چلے جاتے تو رات کا کھانا کھلاتے کھلاتے روزی بڑی واضح آواز میں سناتی۔

"آج شکر قندی کی کھیر بنی ہے بڑی ماں۔ آپ کو بہت پسند ہے نا؟"

"سچ؟" مسرت خوش ہو جاتی۔

"اور پاپا چاکلیٹ کیک بھی تو لائے ہیں۔ چھوٹی ماں سن رہی ہیں آپ؟" کھاتے کھاتے ہاتھ روک کر اپنی نظر پلیٹ سے ہٹا کر صباح بڑے پیار سے روزی کو دیکھتی۔

"آج چاکلیٹ کیک سہی، دوگی نا روزی۔ بطور سویٹ ڈش کے؟"

"دوں گی دوں گی مگر ایک بات بتایئے پہلے۔ آپ رات میں کونسی چیز منہ پر لگا کر سوتی ہیں؟"

"منہ پر؟ کچھ تو نہیں روزی ۔۔"

"کچھ بھی نہیں روزی ۔" مسرت بھی یقین دلاتی۔

روزی اداس ہو جاتی۔ اسے یہ جواب سراسر جھوٹا لگتا۔ تب ہی چاکلیٹ کیک کا ایک بڑا سا پیس چھوٹی ماں کی پلیٹ میں رکھ کر اور شکر قندی کی کھیر کا پیالہ بڑی ماں کی جانب بڑھا کر گم صم سی کھڑی ہو جاتی۔

"تمہیں کریم چاہیے کیا روزی۔" مسرت پوچھتی۔

"میں لا دوں گی روزی۔" صباح یقین دلاتی۔

"وہی جو ڈریسنگ کیبنٹ پر رکھی ہے؟" روزی پوچھتی۔

"وہی تو ۔۔"

روزی کو زبردست مایوسی ہوتی۔ وہ کریم تو اس نے بھی اکثر اپنے منہ پر ملی تھی۔ جب جب موقع ملا تب تب مگر یہ ہرگز وہ چیز نہیں جس کا روشنی سے رشتہ ہے۔ اور جھوٹے برتن سمیٹتے سمیٹتے روزی سوچتی اپنے چہرے پر میم صاحب

جیسا تیج کس طرح پیدا کرے۔

تو اس دن بھی جب بڑی ماں چھوٹی ماں کو کھیلتا چھوڑ کر وہ اپنے کام میں لگی ہوئی تھی میم صاحب کے آنے پر گھبرا کر چھپنے لگی۔

"روزی۔ روزی" انھوں نے پکارا تو سہمی سہمی گھبرائی گھبرائی روزی آئی۔

کیا بات ہے کہ آج تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے"۔ میم صاحب نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے میم صاحب"۔

"تب کسی نے کچھ کہا۔ مسرت یا صباح نے ستایا ؟"

"جی نہیں"۔

اور اس سے قبل کہ میم صاحب آگے کچھ اور دریافت کرتیں روزی جھپاک سے کمرے سے

جب ممی کھانا کھانے لگیں تو مسرت کو لگا کہ اسے سچ چھپانا نہیں چاہیئے۔ کہدینا چاہئے ممی سے۔

"ممی۔" اس نے کوشش کرکے آواز نکالی مگر وہ پھنس پھنس گئی۔ "سوری ممی۔ بھول ہوگئی ہم سے مگر آگے کبھی نہیں ہوگی۔" مسرت نے شرمندگی سے کہا۔

"ہوا کیا بتاؤ تو۔"

"ہم نے بہت منع کیا ممی وہ لوگ مانے نہیں۔ اپنے ساتھ ہمیں بھی چاول اور سبزی کھلادی۔ میٹھے چاول بھی کھلائے"۔

روزی دروازے کی اوٹ میں کھڑی بار بار اپنے سینے پر صلیب بنا رہی تھی اور مرسی جیسز، مرسی کی خاموش رٹ لگا رہی تھی۔

"کون لوگ ؟" ممی نے پوچھا۔

"پڑوس والی آنٹی شکلا اور ان کے بچے"۔ مسرت نے بتایا۔

"اوہ۔! تو کیا ہوا ؟"

"کیا۔ کچھ نہیں ہوا مگر روزی تو کہتی تھی کہ ان کا بنا ہوا کھانا کھا کر ہم نے اپنا مذہب میلا کرلیا ہے۔"

"پاگل ہے روزی۔ جاؤ بلا لاؤ اسے۔ اسی لیے گھبرا رہی تھی آج ؟"

روزی آئی تو میم صاحب نے پوچھا۔

"کیا کہا تھا تم نے مسرت سے ؟ ایسا نہیں کہتے روزی۔ ایسا نہیں سوچتے۔ بچوں کے ذہن میں غلط باتیں نہیں ٹھونستے۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ مل جل کر رہنا اور ایک دوسرے سے محبت کرنا بھی ایک طرح کی عبادت ہے۔ زندگی کی سب سے بڑی طاقت ہے۔"

روزی سر جھکاتے برتن سمیٹنے لگی۔

"خواہ مخواہ گھبرا دیا تم نے مسرت کو۔ آئندہ ایسا کبھی مت کرنا اور پڑوسی بچوں کی خود بھی خاطر و مدارات کرنا۔ سمجھیں ؟"

"جی میم صاحب"

پھر اگلی چھٹی پر جب مسرت اور صباح اپنے پڑوسی دوستوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں تو باڑھ پر سے پھلانگ کر روزی نے دیکھا اور فوراً گرم گرم چائے کیک پیسٹری کے ساتھ سجا کر بچوں کے درمیان پہنچی۔

"تھینک یو روزی"۔ مسرت اور صباح نے کہا۔

"ارے ارے"۔ مسز شکلا بولیں "تم کیوں اتنی زحمت کررہی ہو۔"

"آنٹی جی۔ آنٹی جی"۔ فہمائشی انداز میں ہاتھ ہلا کر روزی نے کہا۔

"اس طرح نہیں کہتے اپنوں کو۔ بُرا لگتا ہے۔ تکلیف ہوتی ہے۔"

چلو بچو! چائے پینے آجاؤ سب۔"

تمام بچے کھیل چھوڑ کر کیک پیسٹری کی طرف لپکے۔

"دیدی روزی یہ بتائیے آپ مسرت اور صباح کو بڑی ماں اور چھوٹی ماں کیوں کہتی ہیں آخر۔" کیک پیسٹری کھاتے ہوئے بچوں نے مسکرا کر پوچھا۔

"اس لیے بچوں کہ میرے پاپا کہتے ہیں کہ مالکوں کے بچے کتنے بھی چھوٹے سہی ان کی عزت بھی ضروری ہے۔ انھیں نام سے بلانا بدتمیزی ہے۔ اس لیے۔ سمجھ گئے نا ؟"

"اوہو۔" سب بچوں نے مسکرانا بند کردیا۔

"تھینک یو روزی۔" مسرت اور صباح نے پھر کہا۔

روزی نے چپکے سے سینے پر کراس بنا کر من ہی من کہا۔ ہم سب پر مہربانی رکھنا یسوع مسیح۔ ہم سب پر اپنی مہربانی رکھنا۔

اس سے اگلی صبح نہا کر بال بنانے جب روزی آئینے کے سامنے آئی تو یک لخت حیران رہ گئی۔ وہی روشنی وہی تیج جس کی اُسے تلاش تھی آج خود اس کے اپنے چہرے پر موجود تھا۔

اچھا تو یہ پیار کی روشنی ہے۔ روزی نے سوچا اور گھٹنے ٹیک کر یسوع مسیح کے آگے سرنگوں ہوگئی۔ آج کی "پریئر" میں جتنا سکون جتنی آشتی اسے ملی شاید ہی کبھی پہلے ملی تھی۔

(اردو مجلس آکاشوانی دہلی سے نشر)

بقیہ :۔ شیخ جی

کھلایا ہوتا ہے۔ تو کبھی نوخیز بچہ ان کے والد بزرگوار کا ساتھی عمر کے حساب کتاب کے طریقہ ہائے کو بس وہی جانتے ہیں اور دو، دونی پانچ کا پہاڑہ انھیں خوب آتا ہے۔ غریب جواں مرگ راماج بھی اس کلیے کو حل نہ کر پائے تو اب کون مائی کا لال کرسکتا ہے۔

آمد برسر مطلب کے مصداق، راقم الحروف کو وہ بہت عزیز رکھتے ہیں اور لوگ باگ کہتے ہیں یہ بندہ بے قلم ہی ان کا جانشین بننے کا حق رکھتا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے :۔ "حق بہ حقدار رسید"

(آکاشوانی گورکھپور سے نشر)

افسانہ

تیرے لیے

ماضی کی درد بھری یادوں کے درمیان مجھے ایک بہت پرانی حکایت کا خیال آتا ہے۔ ایک بوڑھا کسی باغ میں آم کا ایک پودا لگا رہا تھا۔ کسی راہرو نے اس سے پوچھا "بڑے میاں اس عمر میں تم یہ پودا لگا رہے ہو، کیا تم اس کا پھل کھانے کے لیے زندہ رہ سکو گے ؟"

اور بوڑھے نے جواب دیا "میاں! ہمارے بزرگوں نے جو درخت لگائے تھے ان کے پھل ہم نے کھائے۔ اور یہ درخت جسے ہم لگا رہے ہیں، اس کا پھل ہمارے بچے کھائیں گے۔"

اس حکایت کے ساتھ ہی میری نگاہوں کے آگے سرخ ریتیلی زمین پر پھیلی ہوئی میرے خوبصورت اور تاریخی گاؤں کی وہ سرسبز و شاداب امرائی اُبھر آتی ہے جس کے ہر شجر پر، ڈال ڈال پات پات میرے خاندان اور میرے آبا و اجداد کی تاریخ کندہ تھی۔ ملک بھر کے مشہور اور منتخب آموں کے سیکڑوں درخت تھے۔ اشرفی آم کا درخت میرے جد امجد کی یادگار تھا۔ دودھیا آم کے درخت میرے پڑدادا نے لگائے تھے۔ شاہ پسند کا شجر دادا مرحوم کی سرسبز و شاداب یادگار تھا۔ آمنی، سیندوری، دل پسند، شاہ رُخ، حمایت، ملغوبہ اور بے نشان بے شمار عمدہ آموں کے درخت تھے جو میرے والد مرحوم نے لگائے تھے۔ یہ امرائی بہت قدیم ہے۔ بہت خوبصورت اور مشہور تھی۔ آم کا ہر درخت اپنے لگانے والے کے مزاج، کردار، طرز فکر اور روشِ زندگی کا آئینہ دار تھا۔ میرے اسلاف کی محبت، شرافت، رواداری اور انسان دوستی کی خوشبو سے مہکتی ہوئی اس وسیع و عریض امرائی کے گھنے سایہ دار درختوں میں میرا بچپن گزرا۔ میرے ماں باپ، میرے اجداد اور میرے ماحول نے مجھے محبت اور معصومیت کا سبق پڑھایا۔ حسن پرستی اور احترام انسانیت کے شعلے کو میرے احساس کے فانوس میں روشن کیا۔ مجھے یاد آتا ہے کہ میرے اجداد نے اصولوں اور اقدار کے جو درخت کبھی لگائے تھے ان گھنے

اکرام جاوید

خوبصورت درختوں کے مہربان سائے میں میرے تجربات ہوش و حواس کا آغاز ہوا ـــ!

برسات کی پرسوز چاندنی رات کا کرشمہ ہے کہ ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں کا جادو۔ میرے احساس کے بال و پر کھل گئے ہیں دل میں ایک آتش خاموش سلگ اٹھی ہے۔ میرے قدم خود بخود کمرۂ خاص کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ میرے کمرۂ خاص کے گوشے میں برسوں سے بند پڑی آہنی الماری جیسے خود بخود کھل جاتی ہے۔ سیاہ مخمل کی ایک ٹوپی، ایک رومال، سگریٹ کیس میں دبا ہوا ایک سگریٹ، ایک عینک، چند قلم، کاغذات اور علم و حکمت کی کتابیں۔ یہ اس شخص کی نشانیاں ہیں جو بہت مخلص تھا، بے حد حساس اور خوددار تھا، علم و ادب کا شیدائی، خدا اور اس کی مخلوق سے بے پناہ محبت کرنے والا، سارے جہاں کا ہمدرد، مونس و غمخوار۔ موم کی طرح جل کر اس نے زندگی کے اندھیروں میں اُجالا کیا۔ بیوہ ماں، چھوٹے بھائی بہن، بیوی اور بچے ـــ اور ایک بہت بڑی جائداد اور زمین کے جھگڑے۔ آخری سانس تک اس نے اپنی ذمہ داریوں کی تکمیل

کی۔ وہ میرے اوائل شباب کا زمانہ تھا۔ میرے بھائی بہن ابھی بہت چھوٹے تھے کہ موت نے اس عظیم اور شفیق ہستی کو اچانک جھپٹ لیا۔ چند گھنٹوں کے اندر ایک جیتا جاگتا وجود اپنی سچائیوں اور اچھائیوں کے ساتھ ایک سرد لاش میں تبدیل ہو گیا۔ کچی نیند سے جیسے اچانک کوئی جاگا ہو، میری حالت بس ایسی ہو کر رہ گئی۔ پھر میرے ساتھ بھی وہی ہوا جو میرے مرحوم باپ کے ساتھ ہوا تھا۔ کمزور دھاگوں کی طرح قریبی رشتے ٹوٹے، زر زمین کے جھگڑے طویل مقدمہ بازی میں تبدیل ہو گئے۔ بیوہ ماں اور چھوٹے بھائی بہنوں کی زندگی کے لیے جدوجہد کرتے ہوئے میری روح زخمی ہوئی اور احساس کے بال و پر جل گئے۔ میرے اسلاف کی بے لوث و بیکراں محبت، شرافت اور انسان دوستی کی سرسبز و شاداب یادگار، گاؤں کی وہ عظیم تاریخی امرائی نفرت اور خودغرضی کی آندھیوں کی زد میں آگئی۔ پرانے تناور اور گھنے درخت جڑ سے اُکھڑ گئے۔ اور میں اس قدر چکرایا ہوا، بدحواس اور بے بس رہا کہ اپنے اسلاف کی تاریخ کو کالی آگ کے شعلوں سے نہ بچا سکا۔ اُجڑی ہوئی امرائی کی شعلہ پوش سسکیوں کو سینے میں دبائے گاؤں سے شہر بھاگ آیا۔ از سر نو ایک نئی زندگی کے لیے جدوجہد کی خاطر ـــ!

ماضی کی گہری دھند سے ایک خوبصورت چہرہ ابھرتا ہے وہ حسین و دلربا لڑکی جو خواب کی طرح میری جاگی ہوئی آنکھوں میں آئی اور آنسو بن کر آنکھ سے نکل گئی۔ پہلی محبت کا زخم بڑا کاری تھا۔ کسک اب تک دل میں موجود ہے۔ پھر زندگی نوشابہ، نازنین، نکہت، شیریں، اور نسرین کے نام سے بار بار ملی۔ میری راہوں میں صد ہزار پھول کھلے۔ گلاب کے پھول، جوہی، چنبیلی اور موگرے کے پھول۔ لیکن ہر پھول انگارہ بن گیا۔ کانٹے کی طرح رگ احساس میں پیوست ہو کر رہ گیا۔ اب دل کے زخموں کا، ٹوٹے ہوئے خوابوں اور حسن کی تلاش میں محرومی کا حساب کیا کروں۔ حسن ایک کالی نقاب میں مستور رہا۔ مجھ سے دور بہت دور رہا۔ اور عشق کی آگ میں جل کر میرا سوچنے والا وجود دھوئیں کی ایک لکیر بن گیا۔ فضائے بسیط میں بل کھاتی" معدوم ہوتی ہوئی دھوئیں کی لکیر ـــ اس طرح میری بے حسی اور بے پروائی کے سفر کا آغاز ہوا۔

آج میں ایک کامیاب انسان سمجھا جاتا ہوں۔ دولت شہرت، خوبصورت بیوی اور معصوم اور محبت بھرے بچے۔ دنیا جسے ایک شاندار اور عیش و آرام کی زندگی کہتی ہے وہ زندگی مجھے حاصل ہے۔ شہر کے کاروبار، گاؤں کی زراعت سونے چاندی کی لہلہاتی فصلیں۔ روح کی خوشی اور خون دل کی قیمت پر حاصل ہونے والی یہ زندگی میرے لیے کیا ہے کاش میں بیان کر سکتا ـــ! برسات کی پرسوز چاندنی رات دل میں ایک آتش خوابیدہ کو بیدار کر چکی ہے۔ مجھے اپنی فردوس گم گشتہ کا خیال آتا ہے۔ اگست کے مہینے کی وہ منحوس تاریخ اور وہ سیاہ دن یاد آتا ہے جبکہ عین دوپہر میں میری روح کا فروزاں سورج موت کے گہرے اندھیروں میں ڈوب گیا۔ میرا ننھا معصوم اور خوبصورت بیٹا جس کے معصوم محبت بھرے وجود میں میری محرومی، نارسائی اور آبلہ پائی نے پناہ پائی تھی۔ جو میرے لیے حسن کی محبت کی

ایک زندہ نشانی تھا۔ تین سال دس دن کی رفاقت کے دوران مجھے ایک نئی زندگی دے کر وہ معصوم اور خوبصورت فرشتہ ہنستے مسکراتے ہوئے اچانک موت کی تاریکی میں گم ہو گیا۔ اٹھارہ برس سے آج تک اس کے غم کو بھولنے کی کوشش میں، میں سارے جہاں کو بھول بیٹھا ہوں۔ اور آج اس کی یاد آئی ہے تو بھولے ہوئے زمانے کی ایک بات کا خیال آ رہا ہے۔ اپنے مرحوم لخت جگر کے بارے میں سوچتے ہوئے مجھے پرانی حکایت کا وہ بوڑھا یاد آجاتا ہے جو کسی باغ میں آم کا ایک پودا اپنے بچوں کے لیے لگا رہا تھا۔ اس نیک دل، شریف اور فرض شناس بوڑھے کی طرح میرے خاندان کے، گزرے ہوئے زمانے کے ہر وفا شعار فرد نے اپنی آبائی و موروثی امرائی میں خوشبودار خوش ذائقہ آم کے درخت لگائے اور ایک سرسبز و شاداب امرائی اپنی اولاد کے ورثہ میں چھوڑی۔ ماضی کے محبت بھرے، پرخلوص اور انسان دوست لوگوں کی خوبصورت یادگار گاؤں کی وہ وسیع و عریض اور شاداب امرائی جس کے لذیذ اور خوش ذائقہ آم میں نے کھائے۔ آم کے وہ قدیم تناور اور گھنے درخت جن کے مہربان سائے میں مجھے حسن و محبت کے خواب ملے۔ شعور زیست ملا ـــ گاؤں کی وہ عظیم اور خوبصورت امرائی جسے میں زمانے کی آندھیوں سے بچا نہ سکا۔

اٹھارہ سال بعد میرے پیارے مرحوم بیٹے کا پھول جیسا خوبصورت اور معصوم چہرہ اپنے نقوش کی ہر تفصیل کے ساتھ میری نگاہوں کے آگے اُبھر آیا ہے۔ اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں کی چمک اور نازک لبوں کی روشن مسکراہٹ میں صد ہزار سوال ہیں۔ ماضی کی حکایت والے بوڑھے کے لگائے ہوئے درخت کے آم اس کے بچوں نے کھائے۔ لیکن آج ان بچوں کے بچے خاردار، تلخ اور زہریلے پھل دینے والے درخت لگا رہے ہیں اپنے بچوں کے لیے۔ میرے مرحوم بیٹے کا معصوم چہرہ ایک سوالیہ نشان بن گیا ہے۔

میرا سارا جذباتی" وجود آندھیوں کی زد میں ہے۔ خیالوں کے گونجتے گرجتے طوفان کے درمیان ایک آواز دھیرے دھیرے میرے دل کی گہرائیوں سے ابھر آئی ہے۔

" میں اپنے اسلاف کی موروثی امرائی کو بچاؤں گا۔ اس اس امرائی میں حیات بخش آم کے درخت لگاؤں گا۔ تیرے لیے لخت جگر تیرے لیے ـــ!"

(حیدرآباد سے نشر)

اکرام جاوید
۱۶-۳-۲ ۲۷۴/۲۔ چنچل گوڑہ
حیدرآباد ۵۰۰۰۲۴

بقیہ :- سلاخوں کے بیچ سے

کر دیتے ہیں۔ میں دُبک کر بیٹھ جاتا ہوں سہما سہما، ڈرا ڈرا۔

بوڑھا پریس والا ٹھیک ہی کہتا تھا ـــ آج کرفیو ہے مضبوط سلاخیں لگی کھڑکی سے جھانک کر دیکھتا ہوں۔ سڑک کے اس پار سامنے والا مکان جل چکا ہے۔ گاؤں سے آئی جہیز جٹانے والی ادھ جلی ہو کر اسپتال میں دم توڑ رہی ہے ٹھیک نیچے بوڑھے پریس والے کی کھاٹ ٹوٹی پڑی ہے اور خود بوڑھا..... اس کی جگہ اب خون کا بڑا سا دھبہ ہے جس پر مکھیاں بھنّا رہی ہیں۔ گھبرا کر پلٹتا ہوں شیلف پر پڑے بوسیدہ گتے کے ڈبے میں جھانک کر دیکھتا ہوں۔ سارا پریوار مرا پڑا ہے۔ ایک ہی پتھر سے سب کچلے گئے ہیں ـــ ان کا قاتل پتھر اب بھی ڈبے میں موجود ہے۔ بھورے رنگ کی بیشمار چیونٹیاں قطار باندھے کھڑکی کی سلاخوں سے گزر کر ڈبے تک آ رہی ہیں، اور نہ جانے کون سی سوغات لے کر واپس چلی جاتی ہیں۔

(سرینگر سے نشر)

سلاخوں کے بیچ سے

ہردے کول بھارتی

اس مہانگر کی سرکاری بستی میں جو کمرہ مجھے الاٹ ہوا ہے، اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جسے جاذبِ نظر کہا جا سکتا ہے۔ چونے سے نبی سپاٹ دیواریں ایک دروازہ اور ایک چھوٹی سی کھڑکی، چھت سے لٹکتا ایک زنگ آلود پنکھا اور سامنے کی دیوار پر لگا ایک شیلف۔ شیلف پر گتّے کا ایک پرانا بوسیدہ خالی بیکار ڈبہ جو مجھ سے پہلے کا کرایہ دار جہاں چھوڑ گیا ہے۔ کھڑکی لگی موٹی موٹی سلاخیں جنھیں میں تب سے نہ جانے کتنی بار گن چکا ہوں جب سے میں یہاں آیا ہوں۔ پوری سولہ سلاخیں۔ کھڑکی کے اس پار چوڑی سڑک اور سڑک کے اس پار ایسے ہی ایک کوارٹر کی باہری دیوار سے ترچھی کھڑکی۔ ایک کھاٹ اور کھاٹ کے سائے میں بابو لوگوں کے کپڑے پریس کرنے والا بوڑھا۔

"بابو بُرا مت ماننا۔ آپ کے کپڑوں میں سلوٹیں بہت ہوتی ہیں۔" وہ اکثر مجھ سے کہتا ہے، اس انداز سے کہ مجھے یقین سا ہو گیا ہے کہ وہ ہر بابو سے یہی کہتا ہو گا۔

"سچ، کلائی دکھتی ہے آپ کے کپڑوں کو پریس کرتے کرتے۔"

بستی کے اور لوگ اس کی اس شکایت کا کیا جواب دیتے ہیں۔ یہ جاننے کو میرا کتنا جی کرتا ہے۔ کئی بار کوشش کی کسی پڑوسی سے پوچھوں، لیکن ہمت نہیں پڑتی۔ اجنبی سے کوئی کیا پوچھے اور پھر ایسی بات — بے معنی سی۔

دن کی تیز دھوپ میں جب اس کی ترچھی کھڑی کھاٹ اور جگہ جگہ پر ٹوٹے اس کے بان دیوار پر آڑے ترچھے اوندھے سیدھے سائے کھینچتے ہیں تو اس کا سارا وجود ٹکڑوں میں بٹا ہوا سا لگتا ہے۔ یہ سب میں سلاخیں لگی اپنی چھوٹی کھڑکی سے دیکھتا ہوں۔ ٹھیک اس دیوار کے اوپر کھاٹ سے کوئی آٹھ دس فٹ اونچائی پر ویسی ہی ایک کھڑکی ہے، جیسے میرے کمرے کی...... بستی سرکاری ہے، اس لیے یکسانیت ایک لازمی سی بات ہے۔ یہ مساوات کی نشانی ہے یا وجود کی انفرادیت کو مٹانے کا دانستہ عمل، یہ قطعیت کے ساتھ کہنا ناممکن ہے۔ اس کھڑکی پر سارا دن پردہ پھیلا رہتا ہے۔ بس سویا سویا سا لگتا ہے۔ منہ پر پردہ ڈالے۔ رات پڑتے ہی یہ کمرہ جاگ جاتا ہے۔ پہلے بتی روشن ہوتی ہے۔ پھر پردہ ہٹتا ہے اور کمرے کی روشنی کھڑکی پھلانگ کر سلاخوں کے بیچ سے میرے کمرے کی سپاٹ دیوار پر لیٹ جاتی ہے۔ اب میں اپنی کھڑکی کی سلاخوں کے سائے اپنی دیوار پر گنتا ہوں — پوری سولہ — ایسا میں روز ہی کرتا ہوں۔ جانے کب سے کرتا آیا ہوں۔

"اکیلی رہتی ہے، کسی گاؤں سے آئی ہے۔ دن کو نوکری کرتی ہے، شام کو ایوننگ کلاس اٹینڈ کرتی ہے۔ جہیز جُٹاتی ہے شادی کے لیے۔" پریس کرنے والا بوڑھا کہہ رہا ہے۔

میں اب تنگ آ گیا ہوں، روز شام پڑتے ہی اپنی سپاٹ دیوار پر اس کے کمرے کی روشنی کو لیٹے دیکھ کر اور روشنی میں پڑے سیڑھیوں کی طرح اوپر جاتے ہوئے کھڑکیوں کی سلاخوں کے سائے دیکھ کر سائے گن گن کر۔ کتنی بار میں نے چاہا ہے کہ اس کی یہ مہم ختم ہو جائے وہ جہیز جٹا پائے اور چلی جائے اور مجھے سلاخوں کے سائے گننے سے نجات ملے۔ لیکن اگر جہیز پھر بھی کم پڑا تو —؟ — تو شاید اسے مٹی کا تیل چھڑک کر...... ٹھیک ہے روشنی کو ایسا ہی پڑا رہنے دو میری دیوار پر — میں ایسے ہی سلاخوں کے سائے گنتا رہوں گا۔

میں سائے گن رہا ہوں ایک دو، چار، چھ....

تبھی شیلف پر پرانے خالی بوسیدہ گتّے کے ڈبے سے کھر کھر کی آواز آنے لگتی ہے۔ گنتی کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے اور میں غور سے ڈبے کی طرف دیکھنے لگتا ہوں۔ ہلکی سی چوں چوں اور میں سمجھ جاتا ہوں کہ کھلی کھڑکی سے، سلاخوں کے بیچ سے گزر کر چڑیا کے ایک جوڑے نے آ کر ڈبے میں گھونسلہ بنایا ہے۔ مجھے جانے کیوں فرحت سی محسوس ہوتی ہے۔ راحت کا احساس سا..... صبح میں ان کے دانے پانی کا بندوبست کر کے ہی چلا جاتا ہوں۔ چوں چر چر کی آوازوں میں کچھ اضافہ ہونے لگتا ہے۔ میں بس ایک آدھ ہی بار انھیں دیکھ پاتا ہوں باقی کا وقت وہ باہر گزارتے ہیں یا میں —

چند روز سے صرف ایک ہی چڑیا نظر آتی ہے۔ تشویش سی ہو جاتی ہے مجھے، دھیرے دھیرے شیلف کے قریب جاتا ہوں۔ اُچک کر دیکھتا ہوں — چڑیا نے انڈے دیئے ہیں۔ اب بچے ہوں گے ان کے — بھرا پُرا پریوار، کمرہ آباد ہو گا — اس روز میں سلاخوں کے سائے گننا بھول جاتا ہوں اور بے صبری سے اس دن کا انتظار کرنے لگتا ہوں۔ جب خالی بوسیدہ ڈبے سے بچوں کی چوں چرر کی آواز سُنائی دے۔ روز شام کو دم سادھے کان لگا کر سنتا ہوں۔ پاس جانے کی ہمت نہیں پڑتی۔ ڈر سا لگتا ہے کہ خوفزدہ ہو کر بھاگ نہ جائیں، کمرے کو ویران نہ کر دیں۔

"بابو جتنے کپڑے ہیں ایک ساتھ پریس کروا لو۔" بوڑھا پریس والا مشورہ دیتا ہے۔

"کیوں، کہیں جا رہے ہو کیا؟" میں پوچھتا ہوں۔

"ارے بابو ہم کہاں جائیں۔ کون ہے ہمارا جس کے پاس جائیں۔"

"تو پھر"؟ میں پھر سوال کرتا ہوں۔

"سُنا ہے شہر میں فساد ہونے والے ہیں۔ کرفیو تو پھر لگتا ہے، اس لیے....."

اور میں بوڑھے کا مشورہ مان کر سبھی کپڑے ایک ساتھ پریس کرواتا ہوں — سلوٹوں سے بالکل پاک۔

گھر لوٹتا ہوں تو کمرہ چوں چرر کی آوازوں سے مہکتا ہوا پاتا ہوں، میرے اندر داخل ہوتے ہی آوازیں کچھ دیر کے لیے تھم جاتی ہیں۔ میں دبے پاؤں آ کر بستر پر لیٹ جاتا ہوں، من بہت کرتا ہے کہ ڈبے کے اندر جھانک کر دیکھوں ننھے ننھے بچوں کو، لیکن ہمت نہیں پڑتی ہے۔ یہ سوچ کر صبر کر لیتا ہوں کہ جب جوڑا چُگنے نکلے گا، تب آرام سے دیکھ لوں گا۔

رات پڑتی ہے۔ سڑک کے پار سے پردہ ہٹتا ہے۔ روشنی اس کی کھڑکی پھلانگ کر روز کی طرح سلاخوں کے بیچ سے ہوتی ہوئی میری سپاٹ دیوار پر آ کر لیٹ جاتی ہے اور میں عادتاً صرف عادتاً سیڑھیوں کی طرح اوپر اٹھتے ہوئے سلاخوں کے سایوں کو ایک بار گنتا ہوں — برابر سولہ — پھر جانے کیوں ایک دم سے سنّاٹا چھا جاتا ہے۔ ایک عجیب قسم کی چپّی۔ بوسیدہ پرانے گتّے کے ڈبے سے چڑیوں کا پریوار بھی ایک دم سے خاموش ہو جاتا ہے، گھبرا کر میں سلاخوں کے سایوں کو گننے کی کوشش کرتا ہوں۔ لیکن گنتی بیچ میں ہی ٹوٹ جاتی ہے۔

پھر کچھ ٹوٹنے کی آواز آتی ہے، نہیں، شاید کچھ پھٹنے کی آواز، یا پھر گولی چلنے کی آواز — ٹھیک سے کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ اور ساتھ ہی ہجوم کا شور اس انداز سے اُمڈ پڑتا ہے کہ لگتا ہے صدیوں سے رُکا آوازوں کا باندھ ایکدم سے ٹوٹ گیا ہو۔ پتھراؤ ہوتا ہے۔ توڑ پھوڑ اور لوگوں کی چیخ و پکار سے دل دہلنے لگتا ہے۔ باہر شعلے لپکنے لگتے ہیں، ایسے کہ سپاٹ دیوار پر لیٹی روشنی اور سلاخوں کے سائے اس میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ کچھ پتھر اندر آ کر سپاٹ دیواروں کو چھلنی

(آگے ص ۲۳ پر)

افسانہ

نجات

حسن منصور

بلبل کسی شاخ پر بیٹھی گیت گا رہی تھی۔ اس کی آواز اس طرح تھی جیسے چاندی کی صراحی سے بلبلے اٹھ رہے ہوں۔ بلبل کی مسحور کن آواز جب اس کے کانوں میں پڑی تو اس کی آنکھیں اچانک کھل گئیں۔ وہ خواب سے بیدار ہوگیا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ مدتوں نیند کی آغوش میں رہا ہو۔ اس کی بڑی بڑی خمار آلود آنکھیں اپنے گرد و پیش کا معائنہ کرنے لگیں۔ رنگ برنگی تتلیاں، آفتابی شعاع کے تعاقب میں اِدھر اُدھر اُڑ رہی تھیں۔ پھولوں پر بھنورے نغمے الاپ رہے تھے۔ سبز چھپکلی اپنی پونچھ کو ہوا میں لہراتی ہوئی اس کے پاس سے دوڑ کر گزر گئی......

وہ بہ مشکل سر سبز و شاداب گھاس پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے خلا میں گھورنے لگا۔ پھر اس نے اپنے وجود پر ایک اچٹتی نگاہ ڈالی اور کسی گہری سوچ میں غرق ہوگیا...... وہ اپنے بارے میں سوچ رہا تھا کہ وہ کون ہے؟ اور یہاں کیوں آیا ہے؟ اس نے اپنے دماغ پر بہت زور ڈالا مگر اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔ وہ جھلا کر چیخ پڑا "میں کون ہوں؟" اس کی آواز سُرخ چٹانوں تک پہنچی اور دریا کے کنارے پر تیرتی رہی......

وہ گھنٹوں جواب کا منتظر رہا۔ مگر کوئی جواب نہیں آیا۔ اس کے منہ سے ایک سرد آہ نکلی اور اس نے اپنے چہرے کو اپنے ہاتھوں سے چھپا لیا۔ اور رونے لگا۔ اس طرح کئی گھنٹے گزر گئے......

جب اس کے حواس بجا ہوئے تو وہ پاس ہی بہتے ہوئے دریا کی طرف چل پڑا۔ شاید اسے پیاس لگی تھی۔ دفعتاً اس نے دریا میں ایک تیرتی ہوئی انسانی نعش دیکھی۔ وہ کچھ دیر تک اسے ٹکٹکی لگا کر دیکھتا رہا۔ یکایک اس کے دماغ میں گھنٹیاں بجنے لگیں، وہ تیزی کے ساتھ ماضی کی طرف لوٹنے لگا۔ وہ یہ سوچ کر تعجب میں پڑ گیا کہ وہ تین بار مرنے کے بعد بھی آج زندہ و سلامت ہے۔ رفتہ رفتہ اسے ماضی کی دھندلی تصویریں صاف نظر آنے لگیں۔ وہ منظر اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔ جب وہ اپنے ملک کی جنگ آزادی میں دشمنوں سے لڑتا ہوا شہید ہوگیا تھا۔ دوسری بار ایک جنونی نے اس کے سینے پر تین گولیاں مار کر اسے موت کی آغوش میں سلا دیا تھا۔ کیونکہ وہ تین باتوں پر مکمل یقین رکھتا تھا۔ عدم تشدد، انسان دوستی، اور سادگی۔ لوگ اسے مہاتما کہتے تھے۔ تیسری بار اُسنے خودکشی کی تھی۔ وہ ایک ایماندار افسر تھا۔ اسے مجبور کیا گیا تھا کہ وہ اپنے اصولوں کو قربان کر دے۔ مگر اس نے اپنے اصولوں پر اپنی جان قربان کر دی تھی۔ وہ سخت حیران و پریشان تھا کہ اتنے امتحانات سے گزرنے کے بعد بھی اسے پھر اس دنیا میں کیوں لایا گیا ہے؟ اسے نئی زندگی کیوں ملی ہے؟ وہ تو ہر امتحان میں کامیاب رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا "کیا یہ نئی زندگی کسی نئی آزمائش کا پیش خیمہ تو نہیں......؟"

وہ آسمان کی طرف تکنے لگا۔ جیسے وہ اپنے سوالوں کا جواب مانگ رہا ہو۔ یکایک دور پہاڑیوں میں بجلی کڑکی اور غائب ہوگئی۔ اسے ایسا لگا جیسے قدرت کی طرف سے اسے جواب مل گیا ہو۔ وہ بڑبڑانے لگا "ہاں ہاں ٹھیک ہے! تم جو امتحان لینا چاہو لے سکتے ہو!! میں ہر آزمائش کے لیے تیار ہوں، میں ہمیشہ تمہاری آزمائش میں کھرا اتروں گا!!! میں تمہارا پیامبر جو ٹھہرا۔ تمہارے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے والا۔ میں اپنے سچے اصولوں سے ہٹ نہیں سکتا کیونکہ میرے اصول تمہارا حکم ہے! میں تمہاری نافرمانی نہیں کرسکتا! میرا سینہ کھلا ہے، میری گردن حاضر ہے۔ مجھے موت کا ڈر نہیں!!" یہ کہہ کر وہ زور زور سے قہقہہ لگانے لگا اور پھر نہ جانے کیا سوچ کر زار و قطار رونے لگا......

رفتہ رفتہ وہ ماضی سے نکل کر حال کی طرف لوٹنے لگا۔ اسے اپنے اکیلے پن اور اپنی بے کسی پر ترس آ رہا تھا۔ وہ بار بار یہ سوچ کر افسردہ ہو جاتا کہ اس کا اس بیابان میں کوئی یار و مددگار نہیں ہے۔ وہ تن تنہا اس صحرا میں بھٹک رہا ہے۔

تیز دھوپ اسے جھلسا رہی تھی۔ اس کا حلق پیاس سے کانٹا ہوا جا رہا تھا۔ وہ اپنی پیاس بجھانے کے لیے جیسے ہی دریا کے کنارے پہنچا۔ اس کی صورت صاف و شفاف پانی میں دکھائی دینے لگی۔ وہ اپنی شکل پانی میں دیکھ کر یکایک چونک پڑا "نہیں نہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ میری شکل اس جنونی قاتل کی طرح نہیں ہو سکتی۔ جس نے میرے سینے میں تین گولیاں پیوست کر دی تھیں۔ یا خدا یہ کیا ماجرا ہے؟" وہ پریشانی کے عالم میں بول پڑا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو ملنے لگا۔

اس نے دوبارہ پانی میں اپنی شکل دیکھی تو اسے قدرے اطمینان ہوا، کیونکہ اس کے دونوں بڑے بڑے کان اس کے اپنے تھے۔ مہاتما جیسے۔

وہ بار بار یہ سوچ کر حیران ہو رہا تھا کہ اس کی شکل اس جنونی قاتل کی طرح تھی اور اس کے دونوں بڑے بڑے کان مقتول مہاتما جیسے "آخر اس میں کیا راز ہے؟" وہ بڑبڑایا۔ پھر وہ سوچنے لگا۔ "کیا بیک وقت وہ قاتل بھی ہے اور مقتول بھی، ظالم بھی ہے اور مظلوم بھی۔ یہ کیسے ممکن ہے! اس میں ضرور کوئی بھید ہے!!" پھر اسے یہ سوچ کر کچھ سکون ہوا کہ قاتل بھی انسان تھا، اور مقتول بھی۔ ظالم بھی انسان تھا اور مظلوم بھی۔

اگر اسے قاتل کی صورت اور مقتول کے دونوں کان قدرت نے عطا کر دیئے ہیں تو کونسا آسمان ٹوٹ پڑا ہے۔ ہمیشہ سے خیر کا شر سے، نیکی کا بُرائی سے، اور سچ کا جھوٹ سے چولی دامن کا ساتھ رہا ہے..... جب وہ پُرسکون ہوا تو اس نے دریا کے پانی سے اپنی پیاس بجھائی ہے۔ جنگل کے پھل کھائے اور پھر وہ قدرت کے نرم نرم بستر آرام کرنے لگا......

کچھ دیر بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اور دریا کے کنارے چل پڑا۔ چلتے چلتے رات ہوگئی۔ مگر پھر بھی وہ چلتا رہا۔ بالکل خاموش گم صم کسی سوچ میں غرق..... فضا بالکل ساکت تھی۔ جیسے کسی آنے والے طوفان کے خوف سے سہم گئی ہو۔ طوفان..... ہاں وہ بھی تو طوفان تھا جو اس کے سینے میں دبا ہوا تھا۔ بالکل اس لاوے کی طرح جو کسی آتش فشاں پہاڑ کے سینے میں کھول رہا ہو۔ وہ سوچ رہا تھا "نہ جانے اسے کون سی کڑی آزمائش سے گزرنا ہوگا؟" صبح ہو چکی تھی۔ وہ ایک شہر میں داخل

افسانہ

وفا اور وحشت

کڑاکے کی ایک سرد رات تھی۔ راگی تھکا ماندہ نو بجے فٹ پاتھ پر پہنچا جہاں ٹامی اس کا منتظر تھا۔ سوکھا پاؤ کا پیکٹ جسے وہ ساتھ لایا تھا، کھول کر ٹامی کی جانب بڑھا دیا۔ ٹامی نے دم ہلائی، نگاہیں بھر کر اسے دیکھا اور پاؤ کھانے لگا۔

راگی نے ہوش سنبھالا تو اپنے آپ کو فٹ پاتھ پر پایا تھا۔ لوگوں نے اسے بتایا، جب وہ پانچ برس کا تھا" اس کے ماں باپ نے فٹ پاتھ پر ہی دم توڑا تھا۔ فٹ پاتھ کے ایک پڑوسی نے اس کی پرورش کی تھی۔ بارہ برس کا ہوا تو وہ پڑوسی بھی دنیا سے چل بسے تھے۔

راگی کا کوئی گھر تھا، نہ کوئی رشتہ دار، آسمان اس کی چھت اور زمین اس کا بستر تھا۔ رات وہ فٹ پاتھ گزارتا تھا۔

ہو رہا تھا..... مسجدوں میں اذانیں ہو رہی تھیں، مندروں میں پجاری گھنٹے بجا رہے تھے۔ کلیساؤں میں مسیحی نغمے گونج رہے تھے۔ شہر میں زندگی کے آثار نمایاں ہو چکے تھے۔ لوگ ادھر اُدھر آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ اسے اپنے جیسے لوگوں کو چلتے پھرتے دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ وہ فرطِ مسرت سے سڑکوں پر رقص کرنے لگا۔ بچے اسے دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ لوگوں نے اسے دیوانہ سمجھا۔ کسی نے اس پر دھیان نہ دیا۔ سب اپنے اپنے کام میں مشغول رہے۔ وہ شاہراہوں گلیوں اور کوچوں سے گزرتا ہوا انجانی منزل کی طرف رواں دواں تھا۔

وہ ایک جگہ ٹھٹھک کر رُک گیا۔ پاس ہی ایک بڑے ہال میں کوئی جلسہ ہو رہا تھا۔ وہاں پر لوگوں کی ایک بڑی بھیڑ جمع تھی۔ وہ کچھ دیر تک باہر کھڑا رہا۔ پھر آہستہ سے ہال میں داخل ہو گیا۔ پورا ہال روشنی سے جگ مگ، جگ مگ کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر اسے بڑی حیرانی ہوئی کہ وہاں پر بیٹھے ہوئے سبھی لوگ اسی کی شکل و شباہت کے تھے۔ ان لوگوں کے کان بھی اسی کی طرح بڑے بڑے تھے۔ مہاتما جیسے۔

لاؤڈ اسپیکر سے کسی کا نام پکارا گیا۔ ایک بارُعب شخص اسٹیج پر آیا۔ لوگوں نے تالیاں بجائیں۔ وہ شخص تقریر کر رہا تھا:- "لوگو! دنیا جانتی ہے کہ سائنس نے بنی نوعِ انسان کی فلاح و بہبود کے لیے بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ آج مجھے یہ انکشاف کرتے ہوئے فخر محسوس ہو رہا ہے کہ اب کینسر جیسے موذی مرض کی دوا ایجاد ہو چکی ہے۔ کوئی انسان اب اس مرض میں نہیں مرے گا۔" یہ سنتے ہی پورے ہال میں زبردست تالیوں کی گڑگڑاہٹ ہوئی۔ سبھی لوگوں کے چہروں پر خوشی رقص کر رہی تھی۔ لوگوں کے ساتھ وہ بھی بے اختیار تالیاں بجا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو نکل پڑے وہ چپکے سے ہال سے باہر نکل گیا.....

پھر وہ انجانے راستے پر چل پڑا۔ رات دن مسلسل چلتا رہا۔ راستے کے نشیب و فراز سے گزرتا ہوا وہ دور سرحدوں کے پار جا پہنچا۔ شہر میں داخل ہوتے ہی اس نے ایک بہت بڑا فوجی بیرک دیکھا۔ اس بیرک کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ وہاں شاید کوئی جشن منایا جا رہا تھا۔ وہ چپکے سے سب کی نظریں بچا کر اس میں داخل ہو گیا۔ پچھلی صف میں اعلیٰ فوجی افسر اور اگلی صف میں لیڈر بیٹھے نظر آ رہے تھے۔ بیرک کے اندر قدرے اندھیرا تھا، مگر اسٹیج پر ایک بڑا سا بلب روشن تھا۔ وہ اگلی صف میں ایک خالی نشست پر جا بیٹھا۔ ایک بھاری بھرکم شخص اسٹیج پر نمودار ہوا۔ اور تقریر کرنے لگا۔ "دوستو! یہ سبھی جانتے ہیں کہ بہت سے ممالک نے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم بنا لئے ہیں۔ آپ لوگوں کو یہ جان کر بے حد مسرت ہوگی کہ میں نے ایک ایسے بم کا فارمولہ ایجاد کر لیا ہے جو ان سبھی بموں سے زیادہ خطرناک اور ہولناک ہوگا۔ مجھے یہ بتاتے ہوئے فخر محسوس ہو رہا ہے کہ صرف اس ایک بم سے پوری دنیا تباہ و برباد ہو سکتی ہے" — بیرک میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے تالیاں بجائیں۔ اس نے سوچا "پوری دنیا صرف ایک بم سے فنا ہو جائے گی" اس کی آنکھوں میں درد و غم کے آنسو تیرنے لگے۔ اسے اپنے آپ پر قابو نہ رہا۔ اس نے چلّا کر اسٹیج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "تم انسان نہیں شیطان ہو! خدا کی بسی بسائی دنیا کو خاک میں ملا دینا چاہتے ہو!!" مقرر خاموش ہو گیا۔ وہ غصّے میں نہ جانے کیا کچھ نہ کہتا۔ مگر یکایک پورے بیرک میں تیز روشنی پھیل گئی۔ اس کی آنکھیں تیز روشنی سے چُندھیا گئیں۔ اب اسے کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ رفتہ رفتہ ساری چیزیں اسے نظر آنے لگیں۔ اس نے دیکھا کہ وہاں پر موجود سبھی لوگ اس کی صورت سے بالکل مشابہ تھے، صرف ان کے کان چھوٹے چھوٹے تھے۔ جنونی قاتل جیسے۔ بیرک میں بیٹھے ہوئے لوگ اسے گھورنے لگے ساری آنکھوں کو وہ اپنی طرف گھورتے ہوئے دیکھ کر کچھ گھبرا گیا۔

دفعتاً وہ بھاری بھرکم شخص جو سائنسداں تھا، اسٹیج سے نیچے اتر آیا۔ اس نے اس سے پوچھا تم کون ہو؟ یہاں کیوں آئے ہو؟ اس نے کچھ بولنا چاہا مگر اس کی آواز اس کے حلق میں پھنس کر رہ گئی۔ وہ کچھ بول نہیں سکا۔ بیرک میں ایکساتھ کئی آوازیں گونجیں "یہ دشمن ملک کا جاسوس ہے! یہاں پر ہمارے راز جاننے آیا ہے!! اسے جان سے مار ڈالو!!!" سائنسداں نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔ پھر اسے کھینچتا ہوا باہر لے گیا۔ اسے کار کی پچھلی سیٹ پر دھکیل کر کار خود ڈرائیو کرنے لگا۔ شہر سے کافی دور ایک ویران جگہ پر کار رُکی۔ پاس ہی ایک بڑی سی عمارت تھی، سائنسداں اسے لے کر اس عمارت میں داخل ہو گیا۔ پھر اسے لفٹ کے ذریعہ بالائی منزل پر لے گیا۔ اوپر ایک کمرہ میں پہنچ کر اس نے اسے بتایا کہ وہ سائنسداں ہے۔ پھر وہ اپنی جیب سے بم بنانے کا فارمولہ نکال کر دکھاتا ہوا بولا "تم دشمن ملک کے جاسوس لگتے ہو! کیا تم اس فارمولے کو چُرانے آئے تھے؟" وہ خاموش رہا سائنسداں کا چہرہ اس کی خاموشی پر سُرخ ہو گیا۔ اس نے کڑک کر اس سے آخری خواہش ٹھیک اسی طرح دریافت کی جیسے کسی قاتل قیدی سے موت کی سزا دینے سے قبل پوچھی جاتی ہے۔ اب وہ سمجھ گیا کہ سائنسداں کی نیت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ اسے مار ڈالنا چاہتا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا "شاید میری آزمائش کی گھڑی آن پہنچی ہے" یکایک سائنسداں اس پر جھپٹ پڑا۔ وہ لڑکھڑا کر فرش پر گرا۔ سائنسداں اس پر ریوالور تان چکا تھا۔ وہ بڑی پھرتی سے اٹھا اور اس نے ایک زوردار مکّہ سائنسداں کے جبڑے پر دے مارا۔ سائنسداں یکایک کربیہہ چیخ مار کر زمین پر گر پڑا۔ سائنسداں کا ریوالور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گیا۔ اس نے ریوالور اٹھا لیا۔ پھر یکے بعد دیگرے چھ گولیاں اس کے سینے میں پیوست کر دیں۔ سائنسداں فرش پر ٹھنڈا ہو گیا۔ اس نے بڑی پھرتی کے ساتھ سائنسداں کی جیب سے بم بنانے کا فارمولہ نکال کر اس کے پُرزے پُرزے کر دیئے۔ پھر وہ زینے طے کرتا ہوا تیزی سے نیچے اتر آیا.....

وہ بے تحاشہ پہاڑوں اور جنگلوں کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔ جنگلوں میں بڑے زوروں کی بارش ہو رہی تھی، پہاڑوں پر بجلیاں کڑک رہی تھیں۔ بجلیوں کی کڑک کے ساتھ ساتھ اسے آسمان سے صاف صاف آواز سُنائی دے رہی تھی۔ "تم پھر آزمائش میں پورے اُترے ہو! تم پھر امتحان میں کامیاب ہوئے ہو!! اب تمہاری کوئی آزمائش نہیں ہوگی! اب تمہارا کوئی امتحان نہیں ہوگا!! اب تم کو موت بھی نہیں آئے گی۔ تم امیر بنا دیئے گئے ہو! لافانی بنا دیئے گئے ہو!! امیر... لافانی....."

اس کی آنکھوں سے مسلسل خوشی کے آنسو بہہ رہے تھے۔ خدا کا شکر ادا کرنے کے لیے وہ زمین پر سجدہ ریز ہو گیا۔

(پٹنہ سے نشر)

حسن منصور
معرفت گریٹ آرٹس، فریزر روڈ
پٹنہ ۸۰۰۰۰۱

علی محمود

ٹامی ہی اس کا سب کچھ تھا جو وہ اس کا بچپن کا ساتھی تھا۔ پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے وہ سارا دن بوجھ ڈھوتا، شام میں لوٹتا تو ٹامی کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور لاتا۔

سونے کا وقت ہوا تو اس نے بالکونی کے نیچے سے بستر نکالا۔ جس میں ایک پھٹا پرانا بورا اور کمبل تھا۔ بورا فٹ پاتھ پر پھیلا دیا اور کمبل اوڑھ کر سوگیا۔ فٹ پاتھ پر اکا دکا آدمی آجا رہے تھے۔ ٹامی بھی کچھ دور پر کچی نیند میں سوگیا تھا۔

قریب بارہ بجے تھے کہ ٹامی سردی سے کانپنے لگا۔ ٹھنڈک بے حد ستانے لگی تو وہ راگی کے کمبل میں آگھسا اور منہ باہر کئے اونگھنے لگا۔ لیکن آہٹ پاتے ہی اس کی آنکھیں کھل جاتی تھیں۔

فٹ پاتھ سے لگی ایک چھ منزلہ عمارت تھی۔ دوسری منزل کے ایک فلیٹ سے روشنی آرہی تھی۔ جہاں لوگ جاگ رہے تھے شاید ابھی باہر سے آئے تھے۔ واش بیسن میں جانے کی بجائے ایک آدمی بالکونی میں آکر پانی سے ہاتھ دھونے لگا اور کھانے کی میز پر جا بیٹھا۔ پانی نیچے گرا تو راگی کے کمبل کو بھگو گیا۔ راگی بڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ٹامی الگ کود کر کھڑا ہوگیا اور اچھل اچھل کر بھونکنے لگا جیسے پانی گرانے والے کو کچا ہی چبا جائے گا۔

راگی نے بالکونی کو گھورتے ہوئے اپنی آنکھیں لال کرلیں اور دل ہی دل میں فلیٹ والوں کو گندی گندی گالیاں دینے لگا۔ لیکن زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکال سکا۔ اسے ڈر تھا کہ دوسرے دن سے وہ اسے وہاں سونے نہیں دیں گے۔ ٹامی کو بھی ڈانٹ کر اس نے خاموش کرا دیا تھا۔

راگی نے چار قدم آگے اپنا بستر کھسکایا اور کمبل میں دبک کر سوگیا۔ ٹامی بھی کچھ دور جا بیٹھا۔ فلیٹ کے لوگ فٹ پاتھ کی واردات سے بے نیاز اپنے آپ میں مگن ڈائیننگ ٹیبل پر کھانا چن رہے تھے۔ ٹامی کو ٹھنڈک زیادہ ستانے لگی تو وہ بالکونی کے نیچے جا بیٹھا جہاں راگی نے اپنا بستر سمیٹ کر رکھ دیا تھا۔

دونوں نے کسی طرح رات کاٹ لی۔ تاریکی آہستہ آہستہ

چھٹ کر صبح ہوگئی تھی۔ راگی کمبل میں لپٹا ابھی تک سو رہا تھا۔ ٹامی اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ اسی درمیان ٹامی نے ایک پولیس مین کو ہاتھ میں ڈنڈا لیے آتے دیکھا۔ پولیس مین فٹ پاتھ پر سوئے لوگوں کو ڈنڈا سے ہنکالتا، فحش گالیاں بکتا انھیں اٹھاتا اسی جانب آرہا تھا۔

ٹامی، راگی کے سرہانے کھڑا ہو کر بھونکنے لگا جیسے اسے آنے والے خطرہ سے باخبر کر رہا ہو۔ راگی بڑبڑا کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ فوراً کمبل بورا لپیٹ کر بالکونی کے نیچے چھپا دیا اور پیار سے دیکھتے ہوئے ٹامی کی پیٹھ سہلانے لگا۔ پولیس دوسرے لوگوں کو اٹھاتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

راگی سویرے ہی اپنے کام پر چلا جاتا تھا۔ وہیں ضروریات سے فارغ ہوتا۔ ٹامی اپنی زبان میں اسے کچھ کہتے ہوئے رخصت کرتا۔ راگی ٹامی کے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنا ہاتھ چوم لیتا اور سوچنے لگتا، ٹامی میرا کتنا ہمدرد ہے۔ کاش وہ انسان ہوتا۔

راگی اس دن اپنے کام میں بہت مشغول رہا، اور ٹامی کے متعلق سوچتا رہا۔ آج اس کے لیے مٹن کی دکان سے گوشت کی چھانٹ لے جاؤں گا جسے دیکھ کر ٹامی بہت خوش ہوگا۔ جب کام سے فارغ ہوا تو سیدھا مٹن کی دُکان پر جا پہنچا اور دُکان سے چھانٹ خرید لی۔

شام میں راگی فٹ پاتھ پر پہنچا تو ٹامی کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ لوگوں نے اسے بتایا کہ ٹامی نے فلیٹ کے کسی آدمی کو شدید طور پر کاٹ لیا تھا۔ فلیٹ والوں نے میونسپلٹی میں ٹامی کے خلاف شکایت کردی تھی۔ میونسپلٹی والے ٹامی کو لاوارث کتا جان کر پکڑ کرلے گئے تھے۔

راگی ٹامی کی جدائی میں بلک بلک کر رونے لگا، جیسے اس کا کوئی اپنا عزیز اس سے جدا ہوگیا ہو۔ اُدھر اسپتال کے بستر پر مرہم پٹی اور انجکشن لگوائے فلیٹ کا آدمی کراہ رہا تھا۔ ڈاکٹر اور نرسیں اس کی تیمارداری میں لگے ہوئے تھے۔ ٹامی نے جسے کاٹا تھا یہ وہی شخص تھا جس نے گزشتہ رات پانی گرا کر اس کے مالک راگی کی نیند حرام کردی تھی۔

(بمبئی سے نشر)

افسانہ

لاکٹ

ڈاکٹر مسعود عالم ملک

"تم میرے دل کی دھڑکن ہو نا"

"ہوں!"

"اور یہ کہرا اہم راز ہے۔"

"اور نہیں تو کیا ــــ؟"

بیکراں سناٹے کے سمندر میں موجیں دھیرے دھیرے اُبھرنے لگیں۔ کہرے کا ملگجی پیکر سانسوں کی چنگاریوں کی زد میں آتے ہی گالے کی طرح ریزہ ریزہ ہونے لگا۔

"تم میرے خوابوں کی ملکہ ہو"

"تم دیوانہ!"

"شمی ڈیئر! میں تمہارے بغیر جینے کا تصور نہیں کرسکتا"

"تو کیا میں تمہارے بغیر . . . . . ."

"بالکل نہیں۔"

اندھیرا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ آوازوں کے گھنگھرو بج گئے تھے۔ آنسوؤں کے رتھ پر سوار شب ہولے ہولے آگے بڑھ رہی تھی۔

"یار! آج کل تم کھوئے کھوئے سے رہتے ہو؟"

"نہیں تو ــــ!"

"کچھ تو ہے۔"

"کچھ بھی نہیں۔"

"مگر تمہاری آنکھوں میں یہ آنسو کیسے؟"

"زندگی کا سفر آنسوؤں سے شروع ہوتا ہے اور اختتام آنسوؤں پر ہوتا ہے۔"

"تو میں آغاز تصور کروں یا اختتام ــــ؟"

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"بھئی کیسے کہہ سکتے ہو! تمہارے حواس پر تو عورت چھائی ہوئی ہے۔"

"کیا بکتے ہو؟ میں اس حد تک نہیں جاسکتا، جس حد تک تم سمجھ بیٹھے ہو۔"

"اچھا یار معاف! میں خاموش ہوجاتا ہوں!"

"حد کر دی تم نے، ہانکتے جاتے ہو اور خاموشی کا دم بھرتے ہو۔"

"دراصل تم وہ نہیں جو پہلے تھے۔"
"تم ہونق ہو رشید !"
"ویسے بھی تم سے بہتر ہوں۔"

ایک کپ چائے پر ریاض نے متعدد سگریٹیں پھونک ڈالی تھیں۔ چہرہ دل و دماغ کا آئینہ دار ہوتا ہے، اسی لیے رشید لگاتار اسے چھیڑتا رہا اور کبھی خاموش ہو جاتا، یا الجھ جاتا۔

مسلسل دو تین دنوں کی بارش کے بعد خنک اور نکھری سی رات آئی۔ مینڈک کے ٹرّانے کی آواز اور جھینگر کی پُرکشش موسیقی کائنات میں نشہ اور حلاوت گھول رہی تھی۔ دیوقامت گھنے پیڑوں پر جگنوؤں کے ننھے ننھے قمقمے جلتے اور بجھتے رہتے۔ لب وا کیے قدرت سرگوشی کر رہی تھی۔ بھیگی بھیگی سی خوشگوار رات اپنے دامن میں تڑپ، خلش اور کسک لیے خوابناک نظر آ رہی تھی۔

"پہلے تم میری زلفوں کے دیوانے ہوئے۔"
"اور اب مکمل تمہارے سراپے کا دیوانہ ہوں۔ ہوں نا مَیں؟"
"چلو ہٹو بھی ! تم سے اب نہیں بولوں گی۔"
"ہاں ! اب کیوں بولو گی ؟ دیکھو نا ! تمہاری ٹھوڑی کی اس دلنواز قبر میں دفن ہو چکا ہوں میں......"
"بڑے شریر ہو تم"
صرف میں، یا تم بھی، تمہاری یہ دیوانی آنکھیں جن میں سارے جہاں کے مے خانے کھلتے اور بند ہوتے رہتے ہیں۔ ایسے میں.... میں...."
"ڈارلنگ !...."
"ہاں ! ڈارلنگ !"
"تم نے ابھی تک میری فرمائش پوری نہیں کی ۔؟"
"اچھا ! اچھا ! بھول گیا۔ اب کے لیتا آؤں گا، وہی نا لاکٹ نا ؟"
"ہاں ! تم کتنے اچھے ہو — !"
"میں کہاں ؟ میں جو بھی ہوں تمہارا ہی پرتو ہے۔"

"O! Lift me as a wave, a leaf, a cloud!
I fall upon the thorns of life! I bleed!"

ریاض ان سطروں کو بے خیالی میں گنگنا رہا تھا۔ اسکے دل میں ہوک سی اُٹھ رہی تھی۔ اس کی بے چین آنکھیں کسی کی منتظر تھیں۔ کہاں گئی وہ ستاروں کی پالکی — ؟ کیوں نہیں وہ ابھی تک اتری — ؟ اس کی نظریں بے اختیار آکاش کی اور اٹھ گئیں۔ وہ کتنی بھولی بھالی ہے۔ میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ اس نے زندگی میں پہلی بار مجھے ٹوٹ کر چاہا ہے، وہ سوچتا اس کے سینے میں ایک گداز دل دھڑکتا ہے۔
"ارے بھئی ! کہاں ہو ؟ میں ہوں رشید ! سُنا تم نے میں رشید ہوں۔"
"اُف ! معاف کرنا بھئی ! کہو کیسے ہو — ؟"
"لو بھی کہو ! میں تو ٹھیک ہی ہوں۔"

"اچھا ہوں یار !"
"میں دیر سے کھڑا تمہیں تک رہا تھا، تم کربناک لہجے میں اداس شعر گنگنا رہے تھے اور خود سے ہمکلام بھی تھے۔"
"ارے ! ارے ! نہیں ایسا بھی کیا — !"
"تم اتنے اداس کیوں ہو ؟"
"زاویۂ نگاہ بدل دو تو سمجھ میں آ جائے گا کہ

"Our sweetest songs are those that fall of sadest thought"

"تم خود فریبی کے شکار ہو۔"
"تم کیا جانو زندگی کے باریک پہلوؤں کو۔"
"ہاں ! ہاں ! فہم و ادراک تو تمہارے ہی حصے میں آئے ہیں۔"
"ایسی بات نہیں، گداز دل ہی گداز احساسات سے ہمکنار ہوتا ہے۔"
"تم جس شے کی بات کر رہے ہو، میں اسے محض لمحاتی کیف و سرور کی حد تک تصور کرتا ہوں۔ میں درد، ٹیس اور چبھن کو ڈھونے کا قائل نہیں۔"
"تم سوزِ عشق سے کبھی آشنا ہوئے ہو ؟"
"بس کہہ تو دیا کہ لمحاتی حد تک"
"یہ تو توہین ہے !"
"یہ ایک آفاقی حقیقت ہے، ورنہ فراق کا غم کیسا ؟ صرف بزدل ہی سوز، درد اور تڑپ کی باتیں کرتے ہیں۔"
"ٹھیک ہی ہے، خیال اپنا اپنا...."
"کسی دن اسے دکھاؤ تو سہی"
"دیکھ لینا۔ وہ جسے تم لمحاتی کہتے ہو، مجھے بھی دکھاؤ"
"جس دن چاہو۔"
"ٹھیک ہے۔"

دو چار دنوں سے ریاض بجھا بجھا سا تھا۔ کیا کروں، وہ سوچتا۔ شام ہو رہی تھی۔ وہ گھومنے کے لیے بازار کی طرف چل پڑا۔ انسانوں کی بھیڑ اور ہماہمی سے بے نیاز خیالوں میں غرق آگے بڑھتا رہا۔ تنہا وہ اور خیالوں کا ہجوم — ! اس نے ایک دُکان سے ایک پیکٹ سگریٹ خریدا اور سیدھا ایک کیفے میں داخل ہو گیا۔ اس کی نظر سامنے بیٹھے ہوئے رشید پر پڑی۔ وہ کافی پی رہا تھا اور ایک لڑکی سے محوِ گفتگو تھا۔ لڑکی کی پشت ریاض کی طرف تھی۔ اچھا جی ! ذرا دیکھ تو لوں لمحاتی شے کو، اس نے دل ہی دل میں سوچا اور دبے پاؤں آگے بڑھنے لگا۔

"ہلو رشید !" اس نے کہا۔
"ہلو ! ان سے ملو۔ یہ ہیں نمی" رشید نے کہا۔
"کیا — ! یہ نمی ہیں — ؟" ریاض تقریباً چیخ پڑا۔
اس کے گلے میں اس کا دیا ہوا لاکٹ ٹیوب لائٹ میں زوردار قہقہوں کے ساتھ اس کا منہ چڑا رہا تھا اور وہ سر جھکائے بھاری بھاری قدموں سے کیفے سے باہر آ گیا۔
(پٹنہ سے نشر)

نیشنل پروگرام

مالویکا کانن کا گائن
ہفتہ یکم نومبر رات ساڑھے نو بجے

ملک کی نامور گائیکہ مالویکا کانن نے موسیقی کی تربیت اپنے والد رابندر لال رائے مرحوم سے حاصل کی جو خود اپنے زمانے کے مشہور موسیقار تھے۔ انتھک ریاض سے انھوں نے اپنی شریں آواز کو اور بھی زیادہ پرکشش بنا لیا ہے۔ دل کو چھو لینے والی ان کی گائیکی کا اپنا ایک انفرادی انداز ہے۔ مالویکا کانن نہایت کامیابی کے ساتھ ملک اور بیرون ملک میں موسیقی کی متعدد محفلوں میں اپنے فن کا مظاہرہ کر چکی ہیں آج کل وہ کلکتہ کی سنگیت ریسرچ اکیڈمی سے منسلک ہیں۔

منگل شب کی محفل موسیقی

گوپا سانیال کا گائن
۴ر نومبر رات دس بجے

باصلاحیت فنکارہ گوپا سانیال کو قدرت نے نہایت سریلی آواز عطا کی ہے موسیقی کی تربیت انھوں نے مرحومہ بجون بالا گھوش دستی دار سے پائی۔ انھیں اپنے فن پر مکمل عبور حاصل ہے۔ وہ خیال گائیکی کو روایتی انداز میں پیش کرتی ہیں۔ ملک کی متعدد محافلِ موسیقی میں گوپا سانیال اپنے فن کا مظاہرہ کر چکی ہیں۔

اس بار بھوپال سے غزلیں

مقصود عمرانی

تہذیبِ بام و در کے ٹھکانوں کا کیا ہوا
بے گھر بھٹک رہے ہیں مکانوں کا کیا ہوا

چہرہ پہ ان کے، وعدوں کے لمحے دمک اٹھے
کل آج، آج کل کے بہانوں کا کیا ہوا

وہ موسمِ جنون و گریباں کہاں گیا
صحرا، اُداس ہیں کہ دوانوں کا کیا ہوا

پَر نوچ ڈالے کس نے مقدر کے نام پر
وہ آسماں نواز اڑانوں کا کیا ہوا

آرائشِ جمال کی تشنہ لبی نہ پوچھ
کس سے کہیں کہ آئینہ خانوں کا کیا ہوا

حوریں کنیزیں ہیں شہر کی نہریں فلک محل
خوابوں میں گذرے بیتے زمانوں کا کیا ہوا

مُدت ہوئی کہ حسنِ بیاں کو ترس گئے
وہ فکر ساز شعلہ بیانوں کا کیا ہوا

مقصود عرفان

تھا شاخِ گُل کا لوچ نہ جھونکا صبا کا تھا
رنگِ خرامِ یار مگر کس بلا کا تھا

اپنی کہو کہ کیوں سرِ بازار آ گئے
میں تو خراب کوئے ملامت سدا کا تھا

اچھا ہوا کہ ہاتھ سے پیمانہ گر گیا
ورنہ یہ مرحلہ بھی شکستِ انا کا تھا

جانے ہوائے شوق کدھر لے اُڑی اُسے
صحرا کو انتظار جس آواز پا کا تھا

جس میکدے کی راہ میں پیاسوں کی بھیڑ تھی
اس میکدے پہ سایہ رحمت خدا کا تھا

میں سوچتا ہوں ڈوبنے والے کو کیا ملا
ساحل پہ آج شور بہت مرحبا کا تھا

شجاع فرخی

اب تو سنتا ہی نہیں لفظِ تمنا کوئی
[illegible] ہوتا ہی نہیں شاخ پہ پتا کوئی
مجھ کو برباد کیا ہے تو مٹا بھی دیجئے
قصہ چھوڑا نہیں جاتا ہے ادھورا کوئی
یہ تو ہم جانتے ہیں دھوپ کی شدت کیا ہے
قہر سورج کا سمجھتا نہیں سایہ کوئی
مُنہ سے کہتا ہے سفینے کو خدا حافظ بھی
اور طوفاں کو بھی کرتا ہے اشارہ کوئی
اپنے ہاتھوں سے بنا لیتا ہے قسمت اپنی
یوں مٹا دیتا ہے تقدیر کا لکھا کوئی
خون مظلوں کا بہتا ہوا دیکھا تھا شجاع
[illegible] ہوا ایسا کہ پھر رنگ نہ دیکھا کوئی

نصیر پرواز

ناکام اعتمادِ رفاقت کبھی نہ ہو
دنیا میں اب کسی سے محبت کبھی نہ ہو
جیسی بھی ہے گذر تو رہی ہے مری حیات
مجھ پر کسی کرم کی عنایت کبھی نہ ہو
آنکھوں میں سانس لیتی رہے آنسوؤں کی دھوپ
برفیلے موسموں سے عداوت کبھی نہ ہو
ہر شخص اپنے پیروں پہ خود ہی کھڑا رہے
یارب کسی کو میری ضرورت کبھی نہ ہو
چھوٹا سا یہ مکان بھی ٹکڑوں میں بٹ نہ جائے
تقسیم بھائیوں میں وراثت کبھی نہ ہو
گھر سے نکل کے تیری گلی تک نہ آسکوں
محرومیوں میں اتنی تمازت کبھی نہ ہو
پرواز اپنے آپ سے میں بدگماں سہی
یہ زندگی کسی کی بدولت کبھی نہ ہو

قاسم نیازی

کہانی جو ہوئی اس کو یوں ہوا تو نہ دو
عداوتوں کو مرے گھر کا تم پتا تو نہ دو
تمہارے گھر سے ملے گھر کا رہنے والا ہوں
بُرا کہو تو کہو مجھ کو بد دعا تو نہ دو
وہ کوئی بھومی ہو، مندر ہو یا وہ مسجد ہو
ہے سجدہ گاہ اسے قتل گاہ بنا تو نہ دو
تمہیں ہو شہر کے قاتل زمانہ واقف ہے
یہی تو میں نے کہا ہے مجھے سزا تو نہ دو

نجیب رامش

جو کھنچا تھا گھر پہ کالا حاشیہ بدلا نہیں
اطلاعاً عرض ہے میرا پتہ بدلا نہیں
صاف کہہ دے گا کہاں سے بدنما لگتے ہو تم
سامنے آؤ — مزاجِ آئینہ بدلا نہیں
صبح تک پھینکا گیا سارے افق پر ریگمال
پھول پر پہلی کرن کا زاویہ بدلا نہیں
آگیا [illegible] کے تیکھے پن تک آنسو کا نمک
ہم سمجھتے تھے کہ وہ پتھر کا تھا بدلا نہیں
ہم میں کیا تھا، صرف اپنے مکتب کی شرم تھی
اپنے گھر سے دار تک اندازِ پا بدلا نہیں
ماں کا تھپڑ، اس کے لب معصوم بچے کی ہنسی
اب بھی کچھ چیزیں ہیں جن کا ذائقہ بدلا نہیں
دور تارا سی بنی چھوٹی سی وہ کشتی تو دیکھ
تھک گئے طوفان، اس کا راستہ بدلا نہیں

سید اختر علی اختر

ہنگامۂ جہاں سے سروکار بھی نہیں
دل ہے اُداس اور کوئی غمخوار بھی نہیں

کیا سوچ کر اٹھی ہے وہ چشمِ کرم کہ میں
آسائشِ جہاں کا طلب گار بھی نہیں

پھونکے گئے ہیں جب سے بہاروں میں آشیاں
صحنِ چمن میں رونقِ گلزار بھی نہیں

اے دل یہاں سکوں کا تصور فضول ہے
صحرائے غم میں سایۂ دیوار بھی نہیں

ہے رازِ عشق سینۂ سوزاں میں اور دل
یوں چپ ہے جیسے مائل اظہار بھی نہیں

سب اہلِ دل ہیں واقفِ دردِ نہاں مگر
کوئی غریب دل کا طرفدار بھی نہیں

افسردگئ اہلِ محبت نہ پوچھئے
جلوؤں کا آج کوئی خریدار بھی نہیں

پھر اس کے بعد دل کا مقدر ہے جو بھی ہو
اتنا تو کہیے ہم کو سروکار بھی نہیں

کس نے کیا ہے اپنی اداؤں سے پائمال
دوشِ صبا پہ گردِ مری بار بھی نہیں

اختر کچھ ایسے روپ میں ہیں شیخ و برہمن
دشمن اگر نہیں ہیں تو غم خوار بھی نہیں

رہبر جونپوری

ولولے ساکت ہوئے موجوں کی جولانی گئی
دیکھتے ہی دیکھتے دریا کی طغیانی گئی
کس قدر تنہا مصلحت پروردہ شیشوں کا وجود
آئینے میں شکل بھی اپنی نہ پہچانی گئی
لوٹ کر آخر آسے واپس یہیں آنا پڑا
رُوٹھ کر جب بھی مرے گھر سے پریشانی گئی
سارے منصوبے بکھر کر کاغذوں پر رہ گئے
جیب و دامن کی بہر صورت نہ ویرانی گئی
اب کہاں رہبر سخنداں کی وہ شیریں زباں
شیوۂ سید گیا تحریرِ نعمانی گئی

Regd. No. D-(C)39
R.N. No. 14253/57

PRICE : RUPEE 1.00

AWAZ
1st. NOVEMBER 1986

Licensed (U-23) to post without prepayment at PSO, New Delhi.

والی آسی، چندر پرکاش جوہر بجنوری اور شہریار

حفیظ سلمانی

آشفتہ چنگیزی

ملک زادہ منظور احمد

شہریار

اکاشوانی گورکھپور کی جانب سے منعقد ایک مشاعرے میں

Published by the Director General, All India Radio, at the Office of the Chief Editor, Akashvani Group of Journals, PTI Building, II floor, Sansad Marg, New Delhi-110001.
Printed by the Manager, Govt. of India Photo Litho Press, Faridabad.

آواز

۱۶ر سے ۳۰ نومبر ۸۶ ۱۹ء
۲۵ر کارتک سے ۹ر ماگھ ۱۹۰۸ شاکا

شاعت کا ۵۱ واں سال
ت ایک روپیہ

آل انڈیا ریڈیو و دوردرشن کے پروگرام، معلوماتی مضامین، دل چسپ افسانے و منظومات

اس بار گورکھپور سے غزلیں

اختر بستوی

لاکھ ہوتا گیا دیدہ ور آدمی
آدمی کو نہ آیا نظر آدمی
ساری دنیا پہ ہوتا ہے گھر کا گماں
چھوڑ کر جب نکلتا ہے گھر آدمی
کوئی بھی سمت روشن نہ ہو پائیگی
اپنی جانب نہ دیکھے اگر آدمی
کرب کے سلسلوں کو بڑھاتا گیا
دل کے دکھ ذہن کو سونپ کر آدمی
میں ہوں اختر وہ نادار، وہ بے نوا
لے گیا کچھ نہ کچھ جس سے ہر آدمی

نسیم نکہت

ہے چراغوں سی داستاں اپنی
زندگی ہے دھواں دھواں اپنی
رونقوں کے جلوس نکلے ہیں
پھر نہ اجڑیں یہ بستیاں اپنی
خواب بکھرے ہوئے نظر آئے
نیند ٹوٹی جہاں جہاں اپنی
صبح تک چاند ٹکڑے ٹکڑے تھا
توڑ دیں سب نے چوڑیاں اپنی
لکھ رہے ہیں ہم اس کو پہلا خط
لفظ اس کے ہیں انگلیاں اپنی
محفلوں میں سجے سجائے لوگ
گھر میں غربت ہے رازداں اپنی
ایک نکہت پہ اپنی تنقید میں
شہر تنہیں ہیں کہاں کہاں اپنی

یوسف عثمانی

یوں بھی شریک محفل خوباں رہے ہیں ہم
صد التفات پر بھی گریزاں رہے ہیں ہم
مانا تباہ حال و پریشاں رہے ہیں ہم
پھر بھی غمِ حیات پہ خنداں رہے ہیں ہم
توقیر کائنات کا ساماں رہے ہیں ہم
دوزخ بہ قلب و خلد بداماں رہے ہیں ہم
صحرا میں بھی جنوں کی وہ رنگیں مزاجیاں
پھولوں کی طرح چاک گریباں رہے ہیں ہم
راہ طلب میں آتی ہیں ایسی بھی ساعتیں
خود اپنے سائے سے بھی گریزاں رہے ہیں ہم
یوسف یہ ضبطِ شوق کی معراج ہی تو ہے
کافر ادا بتوں میں مسلماں رہے ہیں ہم

حکیم عبد الباقی نامی

وہ سوزِ غم جو مری چشمِ تر میں رہتا ہے
غضب کا شعلہ ہے پانی کے گھر میں رہتا ہے
وہ گھر میں رہ کے بھی گویا سفر میں رہتا ہے
جو بدنصیب کرائے کے گھر میں رہتا ہے
اسی سے لوگ پتہ پوچھتے ہیں ساحل کا
سفینہ جس کا ہمیشہ بھنور میں رہتا ہے
گل چمن میں کہاں شمع انجمن میں کہاں
وہ رنگ و نور جو خونِ جگر میں رہتا ہے
بس ایک ذوقِ طلب ہی رفیق ہے اپنا
جو میرے ساتھ برابر سفر میں رہتا ہے
بہت عزیز بڑا قیمتی ہے وہ شیشہ
جو ٹوٹ کر نگہِ شیشہ گر میں رہتا ہے
دل و جگر کے لہو سے جو فن نکھرتا ہے
میرے صحیفۂ فکر و نظر میں رہتا ہے
جنونِ شوق تو رہتا ہے گامزن پیہم
نہ قیدِ شام نہ قیدِ سحر میں رہتا ہے
ہر ایک ذرہ جہاں کا ہے نیّرِ اعظم
یہ خاکسار اسی رہ گزر میں رہتا ہے
گزر بسر کرو دنیا میں اس طرح نامی
کہ جیسے کوئی مسافر سفر میں رہتا ہے

علیم حسرت

محبت جانِ عالم جانِ جاں معلوم ہوتی ہے
اس آئینے میں ہر صورت جواں معلوم ہوتی ہے
نسیم صبح دامانِ غزالاں چھو کے آتی ہے
شمیم گل بھی ان کی ترجماں معلوم ہوتی ہے
وہ کون آیا تھا محفل میں بصد اندازِ رعنائی
یہ کون اٹھا کہ محفل نیم جاں معلوم ہوتی ہے
تمہیں آؤ تو ممکن ہے کہ پھر جینے کی خواہش ہو
ابھی تو زندگی بارِ گراں معلوم ہوتی ہے
کوئی کچھ بھی کہے لیکن حقیقت میں یہی اردو
دلوں کو جوڑنے والی زباں معلوم ہوتی ہے
ستارو جگمگاؤ روشنی دو، راہ دکھلاؤ
کہ ہر منزل یہاں ظلمت نشاں معلوم ہوتی ہے
تبسم رقص کرتا ہے جہاں بچوں کے ہونٹوں پر
وہاں حسرت حیاتِ جاوداں معلوم ہوتی ہے

شمیم صابری

کوئی صحیفہ نہ کوئی کتاب رکھتے ہیں
بس اپنے دردِ جگر کا حساب رکھتے ہیں
یہی جو ہم دلِ خانہ خراب رکھتے ہیں
تمہارے دیر و حرم کا جواب رکھتے ہیں
ہر ایک شام فسانہ تراشتی ہے مگر
ہر ایک صبح حقیقت مآب رکھتے ہیں
یہ اور بات ہے ہم تیز رو نہیں لیکن
قدم جو رکھتے ہیں وہ کامیاب رکھتے ہیں
نگاہیں اٹھتی ہیں مشرق کی سمت حیرت سے
کہ ہم افق پہ نیا آفتاب رکھتے ہیں
یہ کون لوگ ہیں چہروں پہ گرد کیسی ہے
یہ کوئی بھی ہوں بڑی آب و تاب رکھتے ہیں
عجیب چیز ہیں لوگو شمیم صاحب بھی
گناہ کر کے امیدِ ثواب رکھتے ہیں

نفیس غازی پوری

دامن بہ یادگارِ جنوں تار تار ہے
آنکھوں میں فصلِ گل کا مگر اک خمار ہے
ہر آئینہ چمکتا ہوا میرے بار ہے
چہرہ ہی زندگی کا ذرا داغدار ہے
سانسیں مہک گئی تھیں کبھی زلفِ یار سے
تجھ میں فضائے دہر وہی بوئے یار ہے
پھولوں سے ہم حسین ہیں سرسبز شاخ ہے
موسم کا اپنے عشق کے ہم پر نکھار ہے
دشتِ جنوں میں بچھڑے تھے ہم اپنے آپ سے
اب حال یہ ہے اپنا ہمیں انتظار ہے
ڈالی پہ میں ہوں وقت کی اک پھول کی طرح
خوشبو سے میری سارا چمن مشکبار ہے
آگے نہ خود بڑھوگے تو آئے گا پاس کون
ہر آدمی نفیس انا کا شکار ہے

سالک گورکھپوری

اس کی گفتار میں کانٹوں کی چبھن ہے لوگو
اب نہ کہنا کہ وہ پھولوں کا بدن ہے لوگو
جس پہ لہرائے غزل ناز کرے فن جس پر
وہ مرے یار کا اندازِ سخن ہے لوگو
چاندنی کی یہ چمکتی سی رو پہلی چادر
کتنے ناداروں کی میت کا کفن ہے لوگو
تم سمجھ بیٹھے ہو فردوسِ تمنا جس کو
وہ مرے جانِ بہاراں کا چمن ہے لوگو
گرچہ اک شاعرِ گمنام ہے سالک لیکن
یہ حقیقت ہے کہ وہ صاحبِ فن ہے لوگو

آواز

آل انڈیا ریڈیو کے پروگرام

جلد ۵۱ | شمارہ ۲۲

۱۶ر نومبر ۱۹۸۶ء بمطابق ۲۵ر کارتک ۱۹۰۸ شاکا

چیف ایڈیٹر ایس کے سندر — ٹیلی فون ۳۸۲۲۴۹

ادارت

سراج احمد
ہرمہندر سنگھ وج — ۳۸۲۲۵۴

اس شمارے میں

موسیقی ——— ڈاکٹر شکیل الرحمن

رابندر ناتھ ٹیگور ——— نثار احمد خاں ۷

نرملا ——— اصغر وجاہت

آزادی، امکانات اور مسائل ——— پروفیسر آل احمد سرور

روس کی یادیں ——— جیلانی بانو

ادب اور مشاعرے ——— ڈاکٹر قمر رئیس

اردو شاعری میں ہجویات ——— رام لال نابھوی

مقناطیس کے ذریعہ انسانی مشینوں کی مرمت ——— ڈاکٹر غفران بے

نیا افسانوی ادب ——— م۔ ح۔ امام

کرشمہ ساز ——— شین مظفر پوری

میں نے جب لکھنا سیکھا ——— ملک راج صراف

آخری سفر ——— نثار پاشا

اجنبی ——— شوکت حیات

گناہ کی شہادت ——— خورشید عالم

میں ——— شاہد انور چاند

غزلیات

مجروح سلطانپوری ———

شمیم امروہوی ———

خاطر حافظی ———

ڈاکٹر منشاء الرحمن خاں منشا ———

حمید عظیم آبادی ———

قیمت

فی کاپی ——— ایک روپیہ
سالانہ ——— ۲۲ روپے
دو سال ——— ۴۲ روپے

ادائیگی بذریعہ چیک / پوسٹل آرڈر / منی آرڈر / بینک ڈرافٹ، بنام: چیف ایڈیٹر
آکاشوانی گروپ آف جرنلز، آل انڈیا ریڈیو، فلور پی ٹی آئی بلڈنگ، سنسد مارگ، نئی دہلی

gram: 'LISTENER' New Delhi

(ایک سال سے کم کا چندہ قابل قبول نہیں ہوگا)

اندرون ملک ڈاک خرچ بذمہ ادارہ

ٹیگور کو اپنے وطن بنگال سے بڑی محبت تھی۔ اکثر بنگال کی تعریف میں نظمیں لکھیں۔ "سنہرا بنگال" ان کی مشہور نظم ہے۔ ۱۹۰۵ء میں جب انگریزی حکومت نے ہندوؤں کو مسلمانوں سے آپس میں لڑانے کے لیے بنگال کو تقسیم کر دیا تو ٹیگور نے اس کی سخت مخالفت کی۔ تقریروں، نظموں اور جلسوں کے ذریعے اپنی اور عوام کی ناراضگی کا اظہار کیا۔ اس کے علاوہ انھیں اپنے ملک ہندوستان سے بڑی محبت تھی۔ ۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ میں جمع ہزاروں ہندوستانیوں پر انگریزوں نے گولیاں چلوائیں۔ یہ ظلم دیکھ کر ٹیگور تڑپ اٹھے۔ اس ظلم کے خلاف نفرت اور غصہ ظاہر کرنے کے لیے انھوں نے سرکاری خطاب واپس کر دیا۔

گاندھی جی کی طرح ٹیگور نے بھی انسانی قدروں کو زیادہ اہمیت دی ہے ساتھ ہی انھوں نے مغربی تہذیب کی نقل کرنے والوں پر کڑی تنقید بھی کی ہے جو اپنی تہذیب کو بھول جاتے ہیں اور دوسروں کی تہذیب کی تعریف کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

تہذیب کا اژدہام ظالم ہے
بے رحم ہے
وہ زہریلا پھن پھیلائے ہوئے ہے
اس کے پوشیدہ چہرے میں
اس کے ظاہر و باطن میں
زہر ہی زہر ہے
وطن پرستی کے نام پر
محبت و بھائی چارگی کے نام پر
انسان دوستی کے نام پر
اس میں صرف مطلب پرستی ہے
مفاد پرستی ہے
زہر ہی زہر ہے
ایک طوفان ہے سب حقوق کو
مٹا دینے کے لیے
پائمال کر دینے کے لیے

ان کے نزدیک زندگی لمحات کو قید میں رکھے اور وقت کے دھارے کے ساتھ بہے، چاہے وہ لمحات خوشی کے ہوں یا غم کے۔

۱۹ویں صدی کے آخر میں جب مذہب اور تہذیبی خیالات میں تصادم جاری تھا۔ عوامی زندگی میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ ٹیگور چپ نہیں بیٹھے۔ انھوں نے ہندوستانی عوام کو نصیحت کی۔ اور انھیں سنہرے خواب دکھلائے۔ عزم و حوصلہ عطا کیا۔ چنانچہ انھوں نے کہا:

اس موت کو سکوت کو توڑنا ہوگا
ان دیواروں کو گرانا ہوگا پہاڑ جیسے
اس جمے ہوئے کوڑا کرکٹ کو گرد و
غبار کو ہٹانا ہوگا— اے غفلت اور
نیند کے مارو بیدار ہو جاؤ، اُٹھو
اس سنہری صبح کا سواگت کرو، سکوت
کو توڑو اور حرکت میں آجاؤ

ٹیگور کو زمینداری کا سارا کام دیکھنا پڑتا تھا اس کام میں انھیں کسانوں کی مشکلات کو سمجھنے کا موقع ملا۔ کسانوں اور غریب دیہاتیوں کے لیے ان کے دل میں ہمدردی پیدا ہوگئی۔ انھوں نے سب سے پہلے گاؤں میں دواخانے کھولے اور مدرسے بھی۔ ٹیگور کے والد نے بنگال میں بول پور کے مقام پر ایک آشرم قائم کیا تھا۔ یہ مقام چونکہ کلکتہ سے ۱۰۰ میل دور خاموش اور سنسان ماحول میں ہے اس لیے یہ دلکش مقام ہے جہاں ہرے بھرے درخت ہیں۔ رنگ برنگ کے پھول ہیں، پرندے چہچہاتے ہیں، اور اوپر نیلا آسمان ہے۔ بچے درخت کے نیچے جمع ہو جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ پرندوں کا اسکول ہے۔ شروع میں اس اسکول کے لیے بڑی پریشانی اٹھانی پڑی۔ جس کے لیے انھوں نے اپنی بیوی کا زیور تک گروی رکھا۔ یہ وہی شانتی نکیتن ہے جو ایک چھوٹے سے اسکول سے ترقی کرتے کرتے آج بڑی یونیورسٹی "وشوا بھارتی" بن گئی ہے۔ یہاں کا طریقہ تعلیم جدا ہے۔ طالب علم اور استاد درختوں کے سائے میں جماعتیں بنا کر بیٹھتے ہیں۔ یہاں تعلیم کے ساتھ ساتھ مختلف قسم کے فنون مثلاً موسیقی، مصوری اور ڈرامہ نگاری کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔

ٹیگور نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ لیکن گیتانجلی ان کا ایک عظیم کارنامہ ہے [illegible] پر ۱۹۱۳ء میں انھیں دنیا کا سب سے بڑا مشہور نوبل انعام ملا۔ اس سے نہ صرف انھیں ۸۰ ہزار پونڈ کی رقم ملی بلکہ وہ پہلے ہی تعارف میں عالمگیر شاعر تسلیم کر لیے گئے۔ ٹیگور پہلے ہندوستانی ہیں جنھیں اتنے بڑے انعام اور عزت سے نوازا گیا۔ اس سے ان کی شہرت دنیا بھر میں پھیل گئی۔ انگریزی حکومت نے انھیں "سر" کا خطاب دیا۔ اس طرح پہلی بار ہندوستان کے عظیم فنکار نے اپنے ملک کا نام روشن کیا تھا۔ اور پہلی بار مہذب دنیا نے ہندوستان کی عظمت کا اعتراف کیا تھا۔

ٹیگور جب انگلستان کے دورے پر گئے تو وہاں مصور اتھینسٹین اور شاعر ایٹس ان سے بہت متاثر ہوئے ویسے گیتانجلی کو منظر عام پر لانے کا کارنامہ اور ٹیگور کو عالمگیر شخصیت بنانے میں ان دونوں کا ہی حصہ ہے۔ ایٹس ایک جگہ کہتا ہے کہ "میں ایسے کسی شاعر کو نہیں جانتا جس نے انگریزی میں بھی ان دس سالوں میں ایسے خوبصورت گیت لکھے ہوں میں جب ان کو پڑھتا ہوں تو محو ہو جاتا ہوں"۔ ٹیگور انگلستان میں برنارڈ شا، برٹینڈ رسل اور مسفلڈ جیسے ادیبوں سے متعارف ہوئے۔ انھوں نے انگلستان اور امریکہ میں کئی سمپوزیم اور سیمیناروں میں حصہ لیا اور یونیورسٹیوں میں تقاریر کیں۔

انھوں نے اپنی ساری زندگی انسانوں کی بھلائی کے کاموں میں وقف کر دی۔ ان کی نظر میں ہر مذہب اور ہر ملک کے انسان برابر تھے۔ ۱۹۴۱ء میں اکیاسی سال کی عمر میں یہ مایۂ ناز ہستی دنیائے فانی سے کوچ کر گئی۔ اور اپنے انمٹ نشان چھوڑ گئی۔

(ناگپور سے نشر)

نثار احمد خاں
قدوائی ہائی اسکول و جونیئر کالج لشکری باغ، ناگپور ۱۷

ایک ہمہ گیر شخصیت

نثار احمد خاں

اور وسیع تھا۔ انھوں نے پوری تہذیب یافتہ دنیا کا سفر کیا تھا۔

انھیں ہر اس چیز سے دلچسپی ہے جس میں انسانی اقدار کی مستقل قدر و قیمت ہو۔ اس نظم میں ان کے تجربات مشاہدات اور انسانی اقدار کس طرح جھلکتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

دنیا کے ان گنت نامکمل افسانے
اور وہ بے شمار پھول
جو بن کھلے مرجھا گئے......
جن کی عظمت کے گیت
گائے نہیں گئے
دن رات جن پر
دنیا کے کونے کونے سے
اطراف سے
تکالیف مشکلات اور
خوف و جھجک
موسلا دھار بارش کی طرح
برس رہی ہے
آنسو اور مسکراہٹ کے جھرنے
ان سب کی آواز
سرسراہٹیں صدائیں
سب کچھ
میں سنتا ہوں
سن رہا ہوں —

ان کی شاعری میں دل اور دل سے محبت کا جذبہ پوری طرح جھلکتا ہے۔ اس حساس دل شاعر کی شاعری کا اسلوب نہایت اچھوتا اور نرالا ہے وہ نئے طرز فکر کے مالک تھے۔ زندگی کے احساسات جذبات اور تجربات کو نزاکت و لطافت سے قلمبند کرنا ہی ان کی شاعری کی عجیب خوبی ہے اور اسی وجہ سے ان کی عظیم تخلیقات اور تصنیفات کا دیگر زبانوں میں ترجمہ بھی ہوا۔

ٹیگور کو اپنے وطن بنگال سے بڑی محبت تھی۔ اکثر بنگال کی تعریف میں نظمیں لکھیں۔ "سنہرا بنگال" ان کی مشہور نظم ہے۔ ۱۹۰۵ء میں جب انگریزی حکومت نے ہندوؤں کو مسلمانوں سے آپس میں لڑانے کے لیے بنگال کو تقسیم کر دیا تو ٹیگور نے اس کی سخت مخالفت کی۔ تقریروں، نظموں اور جلسوں کے ذریعے اپنی اور عوام کی ناراضگی کا اظہار کیا۔ اس کے علاوہ انھیں اپنے ملک ہندوستان سے بڑی محبت تھی۔ ۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ میں جمع ہزاروں ہندوستانیوں پر انگریزوں نے گولیاں چلوائیں۔ یہ ظلم دیکھ کر ٹیگور تڑپ اٹھے۔ اس ظلم کے خلاف نفرت اور غصہ ظاہر کرنے کے لیے انھوں نے سرکاری خطاب واپس کر دیا۔

گاندھی جی کی طرح ٹیگور نے بھی انسانی قدروں کو زیادہ اہمیت دی ہے ساتھ ہی انھوں نے مغربی تہذیب کی نقل کرنے والوں پر کڑی تنقید بھی کی ہے جو اپنی تہذیب کو بھول جاتے ہیں اور دوسروں کی تہذیب کی تعریف کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

تہذیب کا اژدہام ظالم ہے
بے رحم ہے
وہ زہریلا پھن پھیلائے ہوئے ہے
اس کے پوشیدہ چہرے میں
اس کے ظاہر و باطن میں
زہر ہی زہر ہے
وطن پرستی کے نام پر
محبت و بھائی چارگی کے نام پر
انسان دوستی کے نام پر
اس میں صرف مطلب پرستی ہے
مفاد پرستی ہے
زہر ہی زہر ہے
ایک طوفان ہے سب حقوق کو
مٹا دینے کے لیے
پائمال کر دینے کے لیے

ان کے نزدیک زندگی لمحات کو قید میں رکھے اور وقت کے دھارے کے ساتھ بہے، چاہے وہ لمحات خوشی کے ہوں یا غم کے۔

۱۹ویں صدی کے آخر میں جب مذہب اور تہذیبی خیالات میں تصادم جاری تھا۔ عوامی زندگی میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ ٹیگور چپ نہیں بیٹھے۔ انھوں نے ہندوستانی عوام کو نصیحت کی۔ اور انھیں سنہرے خواب دکھلائے۔ عزم و حوصلہ عطا کیا۔ چنانچہ انھوں نے کہا:

اس موت کو سکوت کو توڑنا ہوگا
ان دیواروں کو گرانا ہوگا پہاڑ جیسے
اس جمے ہوئے کوڑا کرکٹ کو گرد و
غبار کو ہٹانا ہوگا — اے غفلت اور
نیند کے مارو بیدار ہو جاؤ، اٹھو
اس سنہری صبح کا سواگت کرو، سکوت
کو توڑ دو اور حرکت میں آجاؤ

ٹیگور کو زمینداری کا سارا کام دیکھنا پڑتا تھا اس کام میں انھیں کسانوں کی مشکلات کو سمجھنے کا موقع ملا۔ کسانوں اور غریب دیہاتیوں کے لیے ان کے دل میں ہمدردی پیدا ہوگئی۔ انھوں نے سب سے پہلے گاؤں میں دواخانے کھولے اور مدرسے بھی۔ ٹیگور کے والد نے بنگال میں بول پور کے مقام پر ایک آشرم قائم کیا تھا۔ یہ مقام چونکہ کلکتہ سے ۱۰۰ میل دور خاموش اور سنسان ماحول میں ہے اس لیے یہ دلکش مقام ہے جہاں ہرے بھرے درخت ہیں۔ رنگ برنگ کے پھول ہیں، پرندے چہچہاتے ہیں، اور اوپر نیلا آسمان ہے۔ بچے درخت کے نیچے جمع ہو جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ پرندوں کا اسکول ہے۔ شروع میں اس اسکول کے لیے بڑی پریشانی اٹھانی پڑی۔ جس کے لیے انھوں نے اپنی بیوی کا زیور تک گروی رکھا۔ یہ وہی شانتی نکیتن ہے جو ایک چھوٹے سے اسکول سے ترقی کرتے کرتے آج بڑی یونیورسٹی "وشوابھارتی" بن گئی ہے۔ یہاں کا طریقہ تعلیم جدا ہے۔ طالب علم اور استاد درختوں کے سائے میں جماعتیں بنا کر بیٹھتے ہیں۔ یہاں تعلیم کے ساتھ ساتھ مختلف قسم کے فنون مثلاً موسیقی، مصوری اور ڈرامہ نگاری کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔

ٹیگور نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ لیکن گیتانجلی ان کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ اس پر ۱۹۱۳ء میں انھیں دنیا کا سب سے بڑا مشہور نوبل انعام ملا۔ اس سے نہ صرف انھیں ۸۰ ہزار پونڈ کی رقم ملی بلکہ وہ پہلے ہی تعارف میں عالمگیر شاعر تسلیم کر لیے گئے۔ ٹیگور پہلے ہندوستانی ہیں جنھیں اتنے بڑے انعام اور عزت سے نوازا گیا۔ اس سے ان کی شہرت دنیا بھر میں پھیل گئی۔ انگریزی حکومت نے انھیں "سر" کا خطاب دیا۔ اس طرح پہلی بار ہندوستان کے عظیم فنکار نے اپنے ملک کا نام روشن کیا تھا۔ اور پہلی بار مہذب دنیا نے ہندوستان کی عظمت کا اعتراف کیا تھا۔

ٹیگور جب انگلستان کے دورے پر گئے تو وہاں مصور اتھینسٹین اور شاعر ایٹس ان سے بہت متاثر ہوئے ویسے گیتانجلی کو منظر عام پر لانے کا کارنامہ اور ٹیگور کو عالمگیر شخصیت بنانے میں ان دونوں کا ہی حصہ ہے۔ ایٹس ایک جگہ کہتا ہے کہ "میں ایسے کسی شاعر کو نہیں جانتا جس نے انگریزی میں بھی ان دس سالوں میں ایسے خوبصورت گیت لکھے ہوں میں جب ان کو پڑھتا ہوں تو محو ہو جاتا ہوں"۔ ٹیگور انگلستان میں برنارڈ شا، برٹینڈ رسل اور مسفلڈ جیسے ادیبوں سے متعارف ہوئے۔ انھوں نے انگلستان اور امریکہ میں کئی سمپوزیم اور سیمینارس میں حصہ لیا اور یونیورسٹیوں میں تقاریر کیں۔

انھوں نے اپنی ساری زندگی انسانوں کی بھلائی کے کاموں میں وقف کر دی۔ ان کی نظر میں ہر مذہب اور ہر ملک کے انسان برابر تھے۔ ۱۹۴۱ء میں اکیاسی سال کی عمر میں یہ مایۂ ناز ہستی دنیائے فانی سے کوچ کر گئی۔ اور اپنے انمٹ نشان چھوڑ گئی۔

(ناگپور سے نشر)

نثار احمد خاں
قدوائی ہائی اسکول و جونیئر کالج لشکری باغ، ناگپور ۱۷

بھلائے نہ بنے

مشرق ومغرب کی شہرۂ آفاق تصنیفات کے ان اہم کرداروں پر اردو سروس کی نشریاتی تقاریر کا سلسلہ جو قاری کے ذہن پر گہرا نقش چھوڑ جاتے ہیں۔

نرملا

اصغر وجاہت

اس میں کوئی شک نہیں کہ پریم چند کے برابر عورتوں کے مسائل پر کسی دوسرے ادیب نے نہیں لکھا ہے۔ سماج کے کمزور لوگوں سے ادیب کی ہمدردی ہر زمانے میں ادب کا بنیادی سروکار رہی ہے۔ پریم چند نے جس زمانے میں لکھا وہ زمانہ دیگر بڑی لڑائیوں کے ساتھ ساتھ عورت کو اس کا صحیح حق اور درجہ دلانے کی لڑائی کا زمانہ تھا۔

سولہ سترہ برس کی خوبصورت اور سلیقہ مند "نرملا" کے خواب سماج کی روایات اور حالات کے تھپیڑوں سے ٹکرا کر چور چور ہو جاتے ہیں۔ دراصل اس کی شادی بھون موہن سنہا سے طے تھی۔ لیکن شادی سے پہلے نرملا کے والد اُدیہ بھانو کا انتقال ہو جاتا ہے۔ والد کے انتقال کی وجہ سے نرملا کا لگا لگایا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ پیسے کے لالچی بھون موہن سنہا کے والد شادی سے انکار کر دیتے ہیں۔ انھیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ لڑکی کے والد کے انتقال کے بعد اتنا جہیز نہیں مل پائے گا جس کی انھیں امید تھی۔

نرملا کی قسمت نہیں بلکہ زمانے کا یہ یقین کہ عورت شادی کے بغیر نامکمل ہے۔ نرملا کو بوڑھے تین بچوں کے باپ منشی طوطا رام کے قدموں میں ڈال دیتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے شیر کے سامنے بھیڑ۔ نرملا کے خواب چکنا چور ہو جاتے ہیں۔ بوڑھے تین بچوں کے باپ طوطا رام اور نرملا، میاں بیوی سے زیادہ باپ اور بیٹی معلوم ہوتے ہیں۔ نرملا چاہنے کے باوجود طوطا رام کو کبھی شوہر نہیں مان پاتی۔ طوطا رام یہ امید کرتے ہیں کہ نرملا ان سے ہنسی مذاق کرے، ان کے ساتھ شرارتیں کرے ان کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دے۔ طوطا رام نے اپنے پیسے کی طاقت سے نرملا کا جسم ضرور خرید لیا ہے، لیکن دل نہیں خرید پائے ہیں۔ لیکن یہ منشی طوطا رام کا المیہ نہیں ہے یہ تو نرملا کی ٹریجڈی ہے کہ وہ اپنے باپ کی عمر کے آدمی کے ساتھ بھیڑ بکری کی طرح باندھ دی گئی ہے۔

ناانصافی، ظلم اور جبر برداشت کرنے میں ہندوستانی عورت بے مثال ہے۔ نرملا اس کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ وہ طوطا رام کے گھر میں بیوی کے فرائض اس طرح انجام دیتی ہے جیسے کسی اور گھر میں کوئی اور عورت۔ اس میں بے پناہ صبر اور ضبط ہے۔ اگر حالات ویسے ہی رہتے جیسے اس کی شادی کے وقت تھے، تو اس میں شک نہیں کہ نرملا تمام عمر بغیر کسی شکوے شکایت کے منشی طوطا رام کے ساتھ گزار دیتی۔ لیکن حالات نئے نئے موڑ لیتے ہیں، کیونکہ پریم چند نرملا کو ٹائپ بنانا چاہتے ہیں۔ وہ نرملا کے ذریعہ سے عام ہندوستانی عورت کی ایک ایسی تصویر پیش کرنا چاہتے ہیں جو اس کے دکھ اور درد کو زبان دے سکے۔

پریم چند نے نرملا کی کردار نگاری میں جن نفسیاتی نکتوں پر زور دیا ہے وہ بہت اہم ہیں۔ نرملا خواب اور حقیقت کے جس تصادم کی شکار رہی ہے، اس کی عکاسی بہت گہرائی سے کی گئی ہے۔ وہ منشی طوطا رام کو بزرگ مان کر ان کی عزت کرتی ہے۔ منشی طوطا رام نرملا کے اس جذبے کو نہیں سمجھ پاتے اور وہ نرملا سے عشق کا ناٹک رچاتے ہیں۔ نرملا اس عشق کے ناٹک کی وجہ سے اپنے آپ کو طوطا رام سے اور زیادہ دور کر لیتی ہے۔ یہ فاصلہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہی جاتا ہے۔

منشی طوطا رام نے نرملا سے شادی تو کر لی ہے لیکن وہ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ نرملا کے باپ کے برابر ہیں۔ منشی طوطا رام کا یہی احساس انھیں اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ نرملا پر شک کریں۔ منشی طوطا رام کے ذہن میں یہ بات گھر کر لیتی ہے کہ ان کا بڑا لڑکا منسا رام اور نرملا ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ چونکہ منشی جی کا ذہن چھوٹا اور ارادے ناپاک ہیں اس لیے وہ اپنے تصور میں منسا رام کو اپنا رقیب اور بیوی نرملا کو چرتر ہین یا بد کردار سمجھنے لگتے ہیں۔ نرملا پر یہ راز جلد ہی عیاں ہو جاتا ہے۔ وہ منسا رام کو اپنا بیٹا سمجھ کر اس کی فکر اس لیے کرتی ہے کہ کہیں کوئی یہ نہ سمجھے کہ سوتیلی ماں ہونے کی وجہ سے وہ منسا رام کو اپنا نہیں سمجھتی ہے۔ نرملا پر منشی طوطا رام کا شک بڑھتا جاتا ہے۔ یہ نرملا کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

وہ نہ تو کسی سے شکایت کر سکتی ہے، نہ کسی کو کچھ بتا سکتی ہے اور نہ اپنی صفائی پیش کر سکتی ہے۔ لیکن یہ اچھی طرح جانتی ہے کہ منشی جی کے دل سے یہ خیال نہ نکلا تو منسا رام کے ساتھ ساتھ اس کا تو پورا گھر جہنم بن جائے گا۔ چونکہ منشی جی بدلہ لینے کے فن میں استاد ہیں اس لیے وہ اپنا کھیل شروع کر دیں گے۔ حالات بہتر بنانے کے لیے نرملا یہ کوشش کرتی ہے کہ وہ منسا رام سے دور رہے۔ لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتی ہے کہ منسا رام کو کوئی تکلیف پہنچے۔ یہ نرملا کی بہت بڑی آزمائش ہے۔ منشی جی کے ساتھ رہنے کا عذاب بڑھ جاتا ہے۔ منسا رام، نرملا کے اس بدلتے ہوئے رُخ کو نہیں سمجھ پاتا۔ اس کی عقل حیران رہ جاتی ہے کیونکہ نرملا اس کے باپ کے سامنے اسے ڈانٹتی ہے جھڑکتی ہے اور باپ کے چلے جانے پر اس کے ساتھ اچھا سلوک کرتی ہے، محبت سے پیش آتی ہے۔

نرملا کے لاکھ کوشش کرنے کے باوجود منشی جی کے دل سے یہ خیال نہیں نکلتا۔ بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ پکا ہوتا جاتا ہے۔ وہ منسا رام کے دشمن ہو جاتے ہیں کہ منسا رام جلدی سے جلدی گھر چھوڑ کر ہوسٹل میں چلا جائے۔ منسا رام کو بہت عرصے تک یہ پتہ نہیں چل پاتا کہ منشی جی اسکے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر رہے ہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ سب شاید سوتیلی ماں کے اشارے پر ہو رہا ہے۔ یہ راز کیونکہ نرملا جانتی ہے اس لیے وہ دونوں طرف سے شک کی آگ میں اکیلی ہی جلتی رہتی ہے۔ آخر کار منسا رام کو بھی یہ بات پتہ چل جاتی ہے کہ اس کے والد اس پر اور اس کی ماں پر شک کر رہے ہیں۔ اپنے باپ کے دل سے یہ شک دور کرنے کے لیے منسا رام اپنی جان دے دیتا ہے۔ لیکن دراصل یہ نرملا کی دوسری موت ہے۔ پہلی تو اس وقت ہوئی تھی جب اس کی شادی کی گئی تھی۔

ہندوستانی سماج اور عورت کے رشتے کی جس فنکاری اور گہرائی کے ساتھ پریم چند نے نرملا کے ذریعہ سے عکاسی کی ہے وہ قابل دید ہے۔ ایسی کردار نگاری بہت کم ادیبوں کے حصے میں آئی ہے۔ نرملا، کس طرح جیتی جاگتی لاش بن جاتی ہے؟ اس کی شادی اس کے لیے کیوں بربادی بن جاتی ہے؟ سماج کے یقین اور روایات عورت کو کیا سمجھتے ہیں؟ عورت کا درد اور اس کی حالت کے لیے ذمے دار کون ہے؟ کیا سماج کو بنانے والوں نے عورت کو دراصل انسان ہی نہیں مانا ہے؟ کیا وہ صرف ایک ایسا جانور تصور کر لی گئی ہے جو آدمیوں جیسا ہے؟ نرملا کے ذریعہ نہ صرف یہ سب مسائل ہمارے سامنے آتے ہیں بلکہ نرملا ہمیں ہلا دیتی ہے۔ وہ ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم اپنی روایات پر پھر سے غور کریں اور دیکھیں کہ کہاں کہاں کیا کیا غلط ہو رہا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ "نرملا" ہندوستانی ادب کے ان کرداروں میں ہے جو ذہن پر اپنی لافانی چھاپ چھوڑ جاتے ہیں۔ وقت کے ساتھ "نرملا" کی اہمیت کم نہیں ہوئی ہے بلکہ بڑھی ہے۔ پریم چند کی نرملا آج بھی ہمارے ساتھ ہے یہ بات دوسری ہے کہ ہم اسے پہچان سکیں یا نہ پہچان سکیں۔

(اردو سروس سے نشر)

آزادی ـ امکانات اور مسائل

پروفیسر آل احمد سرور

ہماری آزادی کو انتالیس سال ہوچکے ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم اس آزادی کی برکتوں کے جائزے کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھیں کہ ہماری منزل کیا تھی اور ہم کہاں تک اس منزل کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ آزادی آئی تو تقسیم ملک بھی ہوئی جس کے بعد بدقسمتی سے بڑے پیمانے پر فسادات ہوئے اور آبادی کا ایک خاصا حصہ بے خانماں ہوا لیکن جیسے ہی حالات درست ہوئے ہم نے اپنی دستور سازی مکمل کی اور ۲۶ر جنوری ۱۹۵۰ء کو ایک ایسا دستور نافذ کیا جس کی رو سے ہماری ریاست ایک جمہوری اور سیکولر ریاست ہے جو سوشلزم کی طرف قدم بڑھا رہی ہے اور ایک منصفانہ سماج کی تشکیل کر رہی ہے۔ ہم نے منصوبہ بندی کے ذریعہ سے اس کی ترقی اور خوشحالی کے مدارج متعین کئے۔ بالغوں کے حق رائے دہندگی کے ذریعہ سے حکومت کے کاموں میں عوام کی شرکت کو اور نمائندگی کو ممکن بنایا۔ زراعت کے ساتھ صنعت کاری کی طرف قدم بڑھایا۔ پبلک سیکٹر کو فروغ دیا اور فولاد اور بجلی کے بڑے بڑے کارخانے کھولے۔ دریاؤں پر بڑے بڑے بندھ باندھے تاکہ ان کے ذخیرے سے بجلی کثیر مقدار میں پیدا کی جاسکے۔ غریبی اور جہالت دور کرنے کے لیے منصوبہ تیار کیے۔ عام تعلیم کے لیے قدم اٹھائے، سائنسی مزاج پیدا کرنے کے لیے قومی تجربہ گاہوں کا ایک جال بچھایا۔ متعدی بیماریوں کا قلع قمع کرنے کی ٹھانی۔ قومی زبانوں کے فروغ کے ساتھ علاقائی زبانوں کی ترقی کی راہ ہموار کی۔ ہندوستانی ادبیات فنون لطیفہ، لوک گیتوں کی سرپرستی کی تاکہ قومی تہذیب میں نئی زندگی اور نئی لہر آئے۔ مذہبی اور لسانی اقلیتوں کے حقوق کو تسلیم کیا۔ اپنی تاریخ اور تہذیب کی پاسداری کے ساتھ ساتھ جدید دور کے تقاضوں کا احساس دلایا۔ ملک کی وحدت اور اس وحدت میں کثرت کے اصول کو ترجمان بنایا۔ آزادی کی لڑائی کے رہنما گاندھی جی سے فرقہ واریت اور ذات پات کے بھید بھاؤ کو مٹانے کا عزم سیکھا۔ جدید ہندوستان کے معمار اعظم جواہر لال نہرو سے سائنس اور روحانیت کے سنجوگ کا نکتہ حاصل کیا اور سیکولر اور سائنسی اور بین الاقوامی مزاج پیدا کرنے کی سعی کی۔ صدیوں کی پسماندگی، اقتصادی بدحالی اور اخلاقی زبوں حالی کو دور کرنے کے لیے بڑے پیمانے پر جدوجہد شروع کی۔ جمہوری فضا کو اس طرح مستحکم کیا کہ بعض پڑوسی ملکوں یا تیسری دنیا کے ملکوں کی طرح فوج ریاست کے چلانے میں دخیل نہ ہوسکے۔ اور صرف ہماری سرحدوں کی حفاظت کرے۔ آزادی سے پہلے ہم ایک سوئی تک باہر سے منگاتے تھے، اب بڑی بڑی مشینیں تیار کرتے ہیں۔ اس عرصے میں ہماری آبادی دُگنی ہوگئی ہے۔ پھر بھی زندگی کی توقع ۲۷ برس سے ۵۶ برس کے اوسط تک پہنچ گئی ہے۔ خواندگی کی شرح اس طرح نہیں بڑھی مگر ۳۶ فیصدی تک تو پہنچ سکی۔ ہمارا سائنسی اور ٹیکنکی عملہ اب دنیا میں تیسرے نمبر پر ہے۔ بجلی کی پیداوار ۱۷۰۰ میگاواٹ سے ۴۸۰۰۰ میگاواٹ تک بڑھی ہے اور جن گاؤں میں بجلی ہے ان کی تعداد تین ہزار سے ۳۲۵۰۰۰ تک پہنچ گئی ہے۔ غذائی ضروریات میں ہم اب خودکفیل ہیں۔ ہماری گھریلو دستکاریاں اب باہر کے ملکوں کو برآمد کی جاتی ہیں۔ تیسری دنیا کے بہت سے ملکوں میں ہم کارخانے اور ریلیں اور عمارتیں بنا رہے ہیں اور ان کے لیے ڈاکٹر اور انجنیئر مہیا کر رہے ہیں۔ غرض جو کچھ ہوا ہے وہ کسی طرح نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ ساری دنیا اسے جانتی اور مانتی ہے۔ ہمارا کارنامہ ہر لحاظ سے قابل قدر ہے مگر سچی بات یہ ہے کہ اوّل تو ہم اس عرصے میں اس سے زیادہ ترقی کرسکتے تھے، دوسرے یہ کہ ہم اس ترقی کی رفتار کو افقی طور پر زیادہ پھیلا سکتے تھے۔ تیسرے اس ترقی کے پیدا کردہ بعض مسائل پر زیادہ کڑی نظر رکھ سکتے تھے۔ ہم بعض منصوبوں کے سحر میں گرفتار ہوگئے۔ ہم نے عوام میں وہ تعلیمی صلاحیت پیدا نہیں کی کہ وہ کام کو عبادت سمجھیں۔ جمہوریت حقوق اور فرائض کے توازن سے پھلتی پھولتی ہے۔ حقوق پر جتنا زیادہ زور دیا گیا، فرائض اتنے ہی نظرانداز ہوتے گئے۔ نوکرشاہی نے حاکمانہ طرزِ عمل برتا اور سیاستدانوں نے اصولوں اور قواعد کو بالائے طاق رکھ دیا۔ ہم نے عام انتخابات کرائے، مگر اس کا لحاظ نہ رکھا کہ یہ قوتِ بازو اور قوتِ زر سے متاثر نہ ہوں۔ ہم نے مغرب سے جمہوری ادارے لیے، مگر جمہوری مزاج، طرزِ زندگی اور جمہوری روایات پر دھیان نہ دیا۔ ہمارے تعلیمی نظام نے بڑھتی ہوئی بے روزگاری بھی پیدا کی اور اگرچہ ہم نے بہت سے اچھے اعلیٰ تعلیم کے ادارے قائم کیے مگر ہماری ابتدائی اور ثانوی تعلیم کی بنیاد کمزور ہی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ راجا رامنا نے کشمیر یونیورسٹی کے کانوکیشن ایڈریس میں یہ کہا کہ جب باہر سے سائنسداں آکر ہماری تجربہ گاہوں کو دیکھتے ہیں تو وہ انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں، مگر جب تجربہ گاہ سے باہر سڑکوں پر ہجوم، گندگی اور حادثے دیکھتے ہیں تو وہ اس نمایاں فرق کو محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ہماری آبادی اس تیزی سے بڑھ رہی ہے کہ ہماری ترقی کی ساری اسکیموں کا حاصل ادھورا رہتا ہے۔ ہمارے سارے نشانے بہت دیر میں اور دُگنے تگنے خرچ کے بعد پورے ہوتے ہیں۔ آبادی کے ایک حصے نے جو زیادہ تر شہروں میں ہے، خوشحالی کی منزلیں طے کی ہیں۔ مگر شاندار محلوں اور صاف ستھری سڑکوں کے ساتھ جھونپڑے اور گندی بستیاں بھی ہیں۔

تو پھر کیا کیا جائے۔ معاملہ گمبھیر ہے۔ ہماری ریاست وفاقی طرز کی ہے اگرچہ مکمل طور پر وفاقی نہیں ہے۔ کچھ علاقوں میں ترقی زیادہ ہوئی ہے، کچھ میں کم ـــ فرقہ واریت بڑھ رہی ہے علاقائی پاسداری لسانی تعصب کو فروغ ہو رہا ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات کا سلسلہ ختم ہونے میں ہی نہیں آتا۔ پارٹی سسٹم اچھی چیز ہے، مگر سیاسی پارٹیاں اپنا فائدہ زیادہ دیکھتی ہیں، قومی مفاد پر نظر نہیں رکھتیں۔ میرے خیال میں اس کے لیے سب سے زیادہ ضرورت انتخابات کے موجودہ طریقے میں تبدیلی ہے انتخاب میں خرچے پر پابندی ہے۔ مگر اس کا کوئی خیال نہیں رکھتا۔ تجارتی ادارے پارٹیوں کو بڑے پیمانے پر امداد دیتے ہیں۔ ہر شخص پیسہ بنانے میں لگا ہوا ہے۔ رشوت ستانی نے کالا دھن پیدا کیا ہے۔ کالا دھن الیکشن میں خوب کام آتا ہے۔ اس لیے انتخاب تناسبی نمائندگی کی بنا پر ہونا چاہئے۔ جیسا کہ جرمنی یا دوسرے ملکوں میں ہے۔ جلسوں، جلوسوں پر مکمل پابندی ہو، ہر ممبر کو مناسب کارکردگی نہ ہونے پر واپس بلایا جاسکے۔ وزیراعظم سے لے کر پٹواری تک سب کی آمدنی پر احتساب ہو اور کوئی جوابدہی سے بالاتر نہ ہو۔ عدالتوں میں فضول اپیلوں پر پابندی ہو اور عدلیہ کی آزادی کو ہر حال میں برقرار رکھا جائے۔ صرف تنخواہیں بڑھانے کی فکر نہ ہو۔ زندگی کی سہولتیں مہیا کی جائیں۔ خواص کی ضرورت کی چیزیں اور تفریحی چیزیں زیادہ مہنگی ہوں۔ اور عوام کی بنیادی ضروریات کی چیزیں زیادہ سستی۔ پبلک ٹرانسپورٹ پر زیادہ زور ہو، ذاتی کاروں پر کم۔ ابتدائی اور ثانوی تعلیم سب کے لیے ہو اور اعلیٰ تعلیم صرف ان کے لیے جن میں اس کی صلاحیت ہو۔ بڑے شہروں کو اور بڑا ہونے سے روکا جائے۔ اور قریوں اور قصبوں پر زیادہ توجہ ہو۔ فرقہ واریت اور مذہبی تعصب خواہ اکثریت کا ہو، خواہ اقلیت کا۔ ہر لحاظ سے زہر ہے۔ قومی زبانوں کے متعلق بھی ہمارا رویہ اصلاح طلب ہے۔ سب زبانیں برابر ہیں۔ ان کی بڑائی تعداد سے نہیں ان کے چلن اور ادبی سرمائے سے متعین ہوتی ہے۔

ہم ابھی تک لسانی فارمولے کو پوری طرح ملک میں رائج نہیں کر سکے۔ ہر شخص کو اپنی مادری زبان، اپنی علاقائی زبان اور ایک اور ہندوستانی زبان سکھائی چاہیئے۔ اور اعلیٰ تعلیم کی منزل پر انگریزی بھی، جو دنیا کی کھڑکی ہے۔ ہم نے جمہوری طریقۂ کار اپنایا ہے۔ آمریت نہیں۔ مگر جمہوری طریقۂ کار کے یہ معنی نہیں کہ کام ہی نہ ہو۔ اس لیے جمہوریت کے نام پر کام میں روک ٹوک گوارا نہیں کرنا چاہیئے۔ ہمارا ملک بہت بڑا ہے اور یہی ہماری مشکل ہے۔ اس لیے ہمارا دل بڑا ہونا چاہیئے ہمارا دماغ کھلا ہوا ہونا چاہیئے۔ ہم گھڑی کو واپس نہیں لا سکتے۔ ہم ماضی میں بند ہو کر نہیں رہ سکتے اور نہ ہم آنکھ بند کر کے مغربی دنیا کی کاپی بن سکتے ہیں۔ سیاسی آزادی، سماجی انصاف اور عام آسودگی کے بغیر بے روح ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں کی خوشحالی کی ریس کرنے کے بجائے ہمیں مادی آسودگی اور ذہنی بیداری پر زور دینا ہے، اور ہندوستان کی وحدت اور اس وحدت میں کثرت کو ہر حال میں ملحوظ رکھنا ہے۔

ع کام کرنے کا یہی ہے ہمیں کرنا ہے یہی

(سری نگر سے نشر)

شمیم امروہوی

سکون دل نہ چھنے خوف رہ گذر نہ لگے
ہمارے ساتھ چلو تو سفر سفر نہ لگے
نکلیے گھر سے مگر اتنی احتیاط کے ساتھ
بھلی نظر نہ رُکے اور بری نظر نہ لگے
یہ شہر پستہ قداں ہے یہاں سے بھاگ چلیں
ہمارا قد کہیں دنیا کو مختصر نہ لگے
مجھے ضرورتِ ناقد ہے اس لیے اے دوست
حقیقتیں نہ کھلیں گی اگر اگر نہ لگے
شرارِ اہلِ ستم سے بدن ہو راکھ مرا
اگر یہ ذہن پریشاں اِدھر اُدھر نہ لگے
کسی غریب بھکارن سے جب سلوک کرو
یہ سوچ لو کوئی الزام اس کے سر نہ لگے
میں دل کی بات بھی کہتا نہیں ہوں آنکھوں سے
شکستہ پائی کو میری کہیں خبر نہ لگے
گزر رہی ہے مری زندگی بھی شب کی طرح
ذرا بھی جھوٹ کہوں تو نئی سحر نہ لگے
شمیمؔ معرفت میسّر ہی نہیں اُن کو
جو کہہ رہے ہیں ترے شعر پر اثر نہ لگے

(رامپور سے نشر)

روس کی یادیں

جیلانی بانو

"اب ہم سوویت یونین کی راجدھانی ماسکو پہنچ گئے ہیں۔" ایروفلوٹ کی ایر ہوسٹس نے اعلان کیا۔ میں ماسکو پہنچ گئی ہوں، مجھے اس خبر پر یقین نہیں آیا۔ مجھے تو اس خبر پر بھی یقین نہیں آیا تھا جب ایک ٹیلی گرام ملا کہ مجھے اس سال کا سوویت لینڈ نہرو ایوارڈ دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ سوویت یونین کی دو ہفتے کی سیر بھی کی جا سکتی ہے۔

کسی اجنبی دیس کی سیر کرنا اور بھید بھری کہانیاں سننے کا مجھے بہت شوق ہے۔ اور روس تو ایک ایسا ملک ہے جو کھلے دل و دماغ رکھنے والے ہر انسان کو اپنی جانب متوجہ کر چکا ہے۔

روس سے ملا پہلا تعارف گورکی کی 'مدر' سے ہوا تھا۔ یہ پہلا ناول تھا جس سے مجھے معلوم ہوا کہ ناول کیا ہوتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ روس کیا تھا اور کیوں بدلا۔

ایر ہوسٹس نے یہ بھی اعلان کیا کہ اس وقت ماسکو کا درجہ حرارت ، ہے۔ لیکن شک و شبہے تجسس اور شوق نے مجھے موسم کی سرد مہری کا احساس ہی نہیں ہونے دیا۔ ایرپورٹ کے باہر سوویت لینڈ نہرو ایوارڈ کمیٹی کی طرف سے دو مرد اور ایک خاتون پھولوں کے گلدستے تھامے کھڑے تھے۔ مزا دامیری ترجمان بھی تھیں اور گائیڈ بھی۔

ماسکو میں صبح ہو چکی تھی۔ جس کا ثبوت یہ تھا کہ فٹ پاتھوں پر بنی ہوئی چھوٹی چھوٹی پھولوں کی دکانوں پر خواتین قطار بنائے کھڑی تھیں۔ روسی عورتوں کا صبح سویرے پہلا کام پھول خریدنا ہے۔ ان پھولوں کے گلدستے وہ گھر کے ٹائیلیٹ سے لے کر سیڑھیوں پر بھی رکھتی ہیں۔ مہمانوں کا استقبال کرنا ہو یا کسی کے گھر جانا ہو۔ پھول ضرور ساتھ رکھے جاتے ہیں۔ چوراہوں پر بنے ہوئے ادیبوں اور لیڈروں کے مجسموں پر بھی راہ چلنے والے پھول رکھ کر آگے بڑھتے ہیں۔

ماسکو ایرپورٹ سے ہوٹل کا فاصلہ بہت زیادہ تھا۔ صاف چمکیلی خوبصورت سڑکوں کے دونوں طرف ۴۰۔۵۰ منزلوں والی عمارتوں کا سلسلہ تھا۔ بجلی سے چلنے والی بسوں، ٹراموں اور کاروں کی طویل قطاریں تھیں۔ فٹ پاتھ پر بیشمار مرد اور عورتیں چل رہے تھے بلکہ دوڑ رہے تھے۔ یہ پھرتی اور کام کرنے کی لگن مجھے ہر روسی میں ہر جگہ نظر آئی۔

ماسکو ایرپورٹ پر اترنے کے بعد اپنا بھاری بھرکم سوٹ کیس بڑی مشکل سے گھسیٹتی ہوئی میں باہر جا رہی تھی۔ میرے پیچھے چلنے والی ایک روسی لڑکی تیزی سے دوڑتی ہوئی آئی اس نے میرا سوٹ کیس اٹھایا اور تیزی سے ٹیکسی اسٹینڈ تک پہنچ گئی۔ اس سے پہلے کہ میں آگے بڑھ کر اس کا شکریہ ادا کرتی وہ سوٹ کیس رکھ کر بھیڑ میں کہیں گم ہو چکی تھی۔

ہر وقت ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لیے تیار رہنے والی یہ وہ حسینائیں ہیں، جنھیں دیکھنے کے بعد بقول شاعر دنیا اندھیر ہو جاتی ہے۔ پھر کسی دوسری طرف دیکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ وہیں مجھ پر یہ بھید کھلا کہ ہمارے ادیب اور شاعر حضرات بار بار روس کی طرف کیوں دوڑتے ہیں، اور ان کی ہر بیماری کا علاج روس میں کیسے ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ وہاں ڈاکٹر بھی کوئی قالہ جہاں ہے اور صرف ڈاکٹر ہی کیا وہاں تو ٹرینیں بھی عورتیں چلا رہی ہیں اور بس بھی عورتیں چلا رہی ہیں ہوائی جہاز بھی عورتیں اڑا رہی ہیں۔ سڑکوں پر جھاڑو دینے والی بھی عورت ہے۔

ماسکو میں وہاں کے سب سے بلند ساٹھ منزلوں والے ہوٹل یوکرینا میں ٹھہرے تھے۔ ماسکو پہنچتے ہی میں نے مریم سلگانیک اور کچھ دوستوں کو فون کیا۔ مریم سلگانیک روس کی ایک مشہور ادیب ہیں۔ رائیٹرس یونین کی پریذیڈنٹ ہیں۔ میری تحریروں کی بڑی مداح ہیں۔ اب وہ 'بارش سنگ' کا روسی زبان میں ترجمہ کر رہی ہیں۔

دوسرے دن دوپہر کے پلین سے وال گوگراڈ گئی۔ وال گوگراڈ اسٹالن گراڈ کا نام ہے دوسری جنگ میں یہ شہر پوری طرح تباہ ہو گیا تھا اس لیے اب اس کا نام وال گوگراڈ کر دیا ہے یعنی مزدوروں کا بسایا ہوا شہر۔ شہر کے بیچ میں ایک اونچی پہاڑی

کے اوپر مدر آف وال گوگراڈ کا اسی فٹ بلند دھات کا مجسمہ ہے یہ ان شہیدوں کی بھی ماں ہے جو جنگ میں مارے گئے اور ان نوجوانوں کی بھی ماں ہے جو نئے شہر کی تعمیر کر رہے ہیں۔

۷ار مئی کی سہ پہر وال گوگراڈ کے ادیبوں کی طرف سے میرا استقبالیہ تھا۔ ۳۰، ۳۵ ادیب اس محفل میں شریک ہوئے ان میں کچھ مشہور خواتین شاعرات بھی تھیں۔ وہاں کے ریڈیو اسٹیشن کے ڈائریکٹر بھی آئے تھے۔ میٹنگ کے بعد انھوں نے ریڈیو کے لیے میرا انٹرویو لیا۔ رائٹرس یونین کا آفس ایک شاہی محل میں ہے۔ بڑی عالیشان عمارت ہے۔ قیمتی مجسمے جھاڑ فانوس، منقش در و دیوار، زار کے زمانے کے جتنے محل اور شاہی عمارتیں تھیں ان میں یا تو میوزیم اور آفس بنائے یا پھر رائٹرس یونین کے آفس ہیں۔ ان آفسوں میں ادیبوں کا کلب ہے، لائبریری ہے۔ کینٹین ہے۔ ہر مشہور ادیب کا ایک الگ بک شلف ہے۔ جس میں اس کا بائیوڈیٹا ہے، اس کی کتابیں اور عوام سے اس کے ملنے کے دن اور وقت لکھا ہے۔ روسی عوام اپنے ادیبوں کو بے حد چاہتے ہیں۔ ان سے ملنے کیلئے لوگ دور دور سے آتے ہیں۔ میرے سوالوں کے جواب میں انھوں نے بتایا کہ حکومت ہی ان کی پبلشر ہے۔ ادیب کا معاوضہ ۹۰ فیصد ہوتا ہے۔ دس فیصد رائٹرس یونین کو دینا پڑتا ہے۔ حکومت کی طرف سے ادیبوں کو جو مکان ملتا ہے اس میں دو کمرے زیادہ ہوتے ہیں، ایک لائبریری کے لیے اور ایک لکھنے پڑھنے کے لیے۔ رائٹرس یونین کے پریذیڈنٹ نے میرا استقبال کرتے ہوئے جو تقریر کی اس میں ہندوستان سے اپنی شدید دلچسپی کا اظہار کیا۔ انھوں نے اچانک اردو میں 'آداب عرض ہے' کہہ کر مجھے حیران کر دیا پھر انھوں نے کہا کہ آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ میں ہندوستان میں تین چار برس رہ چکا ہوں۔ ہندوستان کے ادب سے، تہذیب، کلچر سے میں نے وہاں شدید دلچسپی دیکھی۔

وال گوگراڈ، لیننن گراڈ، ریگا اور ماسکو میں انڈو سوویت فرینڈز شپ سوسائٹی کے تحت اسکول ہیں۔ ان اسکولوں میں چھ سات سو طلبا پڑھتے ہیں۔ پہلی کلاس سے بارھویں کلاس تک یہاں ہندی پڑھائی جاتی ہے۔ ہندوستان کی تاریخ اور تہذیب کورس میں شامل ہے۔ وہاں جب میرا استقبال ہوا تو لڑکیوں نے گربا اور کچی پڈی ڈانس دکھایا۔ بچوں نے 'بندے ماترم' اور 'سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا' سنایا۔ ان بچوں نے مجھ سے ہندی میں بات کی۔ ان چھوٹے چھوٹے بچوں سے مل کر مجھے ایسا لگا کہ روس سے ہماری دوستی کے رشتے محض سیاسی سطح پر ہی نہیں ہیں۔ کیونکہ بچے جب کسی سے پیار کرتے ہیں تو ان کا پیار سچا ہوتا ہے۔

لینن گراڈ میں دس چرچ ہیں جہاں عبادت ہوتی ہے تین مسجدیں ہیں جہاں پانچوں وقت لوگ نماز پڑھنے آتے ہیں۔ وہاں میں ایک بہت پرانی تاریخی مسجد دیکھنے گئی۔ یہ ایک بہت عالیشان جامع مسجد ہے۔ اس کا ایک حصہ خراب ہو گیا تھا اس لیے حکومت اسے دوبارہ بنوا رہی ہے۔ ظہر کی نماز کے بعد نمازی باہر نکل رہے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ یہاں کتنے لوگ نماز پڑھنے آتے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ بڑی تعداد میں لوگ ہر نماز میں شریک ہوتے ہیں۔ جمعہ کے دن تقریباً پانچ سو لوگ اکٹھے ہوتے ہیں۔ اس مسجد کی تین منزلیں ہیں۔ نیچے مرد نماز پڑھتے ہیں، درمیانی منزل میں عورتیں نماز پڑھتی ہیں اور سب سے اوپر کی منزل پر دینی تعلیم کا اسکول ہے۔

دوپہر میں میں روس کا سب سے بڑا ہائیڈرو الیکٹرک پاور ہاؤس دیکھنے گئے۔ یہ دریائے اولگا کے کنارے بنایا گیا ہے اور سارے روس کو یہاں سے بجلی سپلائی کی جاتی ہے۔ ہمارے ساتھ نووستی پریس کی کارتھی اور ایک فوٹوگرافر بھی تھا۔ ایک جگہ کار رک گئی۔ معلوم ہوا اندر فوٹو لینے کی اجازت نہیں ہے۔ اسلئے فوٹوگرافر نے اتر کے اپنا کیمرہ اور بیگ فٹ پاتھ پر رکھ دیا۔ کار روانہ ہو گئی۔ میں نے پیچھے مڑ کر فٹ پاتھ پر رکھا ہوا کیمرہ دیکھا اور پوچھا۔

ہمارے واپس آنے تک کوئی فٹ پاتھ سے کیمرہ چرا کر نہیں لے جائے گا۔

فوٹوگرافر میری بات سن کر ہنسنے لگا اور بولا۔ ہاں میں نے چوری کی ایسی باتیں یورپی کہانیوں میں پڑھی ہے۔

اونہہ — یہ لوگ بہت اتراتے ہیں۔ میں نے جل کر سوچا — ابھی جب ہم واپس آئیں گے تو ان یورپی کہانیوں میں ایک روسی کہانی کا اضافہ بھی ہو جائے گا۔

دنیا کا سب سے بڑا پاور ہاؤس دیکھتے وقت میرا دماغ کہیں اور تھا۔ ابھی تک اس کیمرہ کو کوئی اٹھا کر لے گیا ہوگا۔ آج اس روسی لڑکے کو خود اعتمادی کی سزا ملے گی مگر ہم واپس آئے تو یورپی کہانیوں کی انفرادیت اپنی جگہ برقرار تھی۔ روس میں ہر کالونی میں بچوں کے لیے ایسے نرسری سنٹر ہیں جہاں کام پر جانے والی ماؤں کے بچوں کو دن بھر رکھا جاتا ہے یہاں بہت اچھی ٹرینڈ نرسیں بچوں کی نگرانی کرتی ہیں۔ کام سے واپسی پر ماں بچے کو اپنے ساتھ لے جاتی ہے

لیکن اگر ماں کی رات میں بھی کوئی مصروفیت ہو تو بچے کو رات میں بھی رکھنے کا انتظام ہے۔

روس میں لاتعداد خالی مکان پڑے ہیں اور یہ گورنمنٹ کے لیے ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ کیونکہ عام طور پر لوگ بڑے شہروں میں رہنا پسند کرتے ہیں اور نئے بنے ہوئے مکانوں میں منتقل ہونا چاہتے ہیں۔ وہاں روزگار کی طرح ہر کنبے کے لیے مکان مہیا کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے ہر شادی شدہ جوڑے کے لیے علیحدہ مکان ہے۔ ان مکانوں کا کرایہ تنخواہ کا چارفی صد ہے۔ اس میں لائٹ، نل، گیس کا خرچ بھی شامل ہے۔

روسی عوام پڑھنے کے بہت شوقین ہیں۔ سڑکوں پر، بسوں میں، ٹرینوں میں ہر جگہ مرد عورتیں بچے بوڑھے کچھ نہ کچھ پڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لینن گراڈ کے انڈر گراؤنڈ ٹرین کے اسٹیشن پر میں نے دیکھا کہ دو بوڑھی خواتین اسکے لیٹر سے پھسلنے کے صبر آزما وقت میں بھی کتابیں کھولے نیچے کی طرف پھسل رہی تھیں۔

ریگا، لینن گراڈ اور ماسکو یونیورسٹیوں میں ہندوستانی زبانوں کے شعبے قائم ہیں۔ جہاں ہندی، تلگو، اردو، مراٹھی، بنگالی وغیرہ زبانوں میں ریسرچ کا کام ہو رہا ہے۔ وہاں کے طالب علم اپنے کام پر پوری سنجیدگی سے توجہ دیتے ہیں۔

لینن گراڈ میں میں ۳۰۔ ۳۵ ہندوستانی طالب علموں سے ملی جو وہاں سائنس اور آرٹ کے مختلف شعبوں میں پڑھ رہے ہیں۔

اردو کے تمام ادیبوں سے وہاں کے لکھنے والے واقف ہیں اور ان کی تحریروں کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ تقریباً تمام اچھے ادیبوں کی اہم تحریروں کا وہاں ترجمہ ہو چکا ہے ٹیگور کے تین ناول روسی زبان میں چھپ چکے ہیں۔ میں نے وہاں کی لائبریریوں میں پاکستان اور ہندوستان کے تمام اہم رسالے اور کتابیں دیکھیں۔ وہاں ادیبوں کی بے حد عزت کی جاتی ہے۔ پشکن کے گاؤں کا نام ہی پشکن رکھ دیا گیا ہے۔ ماسکو کا سب سے بڑا ہوٹل 'یوکرینیا' گورکی روڈ پر ہے۔ ہر شہر میں ادیبوں کے اونچے مجسمے چوراہوں پر لگے ہیں جن پر عوام روز پھول چڑھاتے ہیں۔

لینن گراڈ کے ایک چوراہے پر میں نے روشنیوں سے ایک عبارت لکھی دیکھی۔ میرے لیے ایک نئی چیز تھی۔ کیونکہ روس میں کسی جگہ میں نے سڑکوں پر یا بازاروں میں کوئی اشتہار لگا نہیں دیکھا۔ کسی اخبار، رسالے یا سڑک پر مجھے کسی چیز کا اشتہار نہیں ملا جس پر کوئی ننگی عورت مسکرا رہی ہو۔ جب میں نے اس عبارت کے بارے میں پوچھا تو ایک ادیب خاتون نے بتایا کہ آجکل گوگول کی کوئی تقریب منائی جا رہی ہے اور جب کسی ادیب کی کوئی تقریب ہوتی ہے تو جگہ جگہ اس کی کوئی خاص عبارت یا شعر اس طرح چوراہوں پر روشنیوں سے لکھا جاتا ہے۔ پھر عوام راتوں کو ان چوراہوں پر اکٹھے ہو کر ناچ گانے کا پروگرام کرتے ہیں۔ اس طرح اس ادیب کو خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے۔

ماسکو میں میں نے پشکن کی نظم کا ایک منظوم ڈرامہ بالشویک تھیٹر میں دیکھا۔ یہ ڈیڑھ سو سال پرانا تھیٹر ہے۔ بہت شاندار پرانے محلوں کے انداز میں سجا ہوا ہے۔ نہایت قیمتی پرانے طرز کا فرنیچر، منقش در و دیوار، پورا ہال بیضوی شکل کا ہے جس کی سات منزلوں والی گیلریاں ہیں جو ہال کے چاروں طرف بنی ہوئی ہیں ان میں تماشائی بیٹھتے ہیں۔ اسٹیج کے آگے آرکسٹرا بجانے والے اور بیچ میں روشنیوں کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اس تھیٹر کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں پرانے زمانے کے کلاسیکل منظوم ڈرامے اسی انداز میں دکھائے جاتے ہیں۔ لیکن انھیں پیش کرنے کا انداز بالکل نیا ہے اور ماڈرن ڈرامے کی تکنیک استعمال کی جاتی ہے۔ ہر کرسی کے ساتھ تین ہیڈ فون لگے ہوتے ہیں۔ سوئچ آن کر کے آپ جس زبان میں ڈرامہ سننا چاہتے ہیں سن سکتے ہیں۔ روسی لوگ ڈراموں کے بڑے شوقین

ہیں۔ سنا ہے بالشویک تھیٹر کے ڈرامے دیکھنے کے لیے روس کے ہر شہر سے لوگ آتے ہیں اور مہینوں پہلے ٹکٹ بک جاتے ہیں۔

ماسکو میں مجھے وہاں کی ایک مشہور خاتون مصور مسز جیمس ہیٹرسن نے کھانے پر بلایا۔ یہ اسی سال کی بوڑھی خاتون ہیں۔ انھوں نے اپنے ہاتھ سے میرے لیے کچھ ہندوستانی کھانے تیار کیے تھے۔ وہ صرف ہندوستان کو پینٹ کرتی ہیں۔ ہندوستان کی عورت، دیوی دیوتا، مشہور عمارتیں۔ انھوں نے کئی بار ہندوستان کا دورہ کیا اور اس سے اتنی متاثر ہوئیں کہ اپنے برش کو صرف ہندوستان کے لیے مختص کر دیا گیا ہے۔ اب وہ بڑھاپے کی وجہ سے ہندوستان کا سفر نہیں کر سکتیں اس لیے ہندوستانی کھلونے، کٹھ پتلیاں اور تصویریں اکٹھی کر کے انھیں پینٹ کرتی رہتی ہیں۔ اپنی ایک ہم عمر سہیلی کے ساتھ وہ تنہا رہتی ہیں اور روزانہ پانچ گھنٹے کام کرتی ہیں۔ انھوں نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہوا کھانا اتنے پیار سے کھلایا۔ اپنی بنائی ہوئی تصویریں اتنے شوق کے ساتھ دکھائیں کہ ان کے گھر سے رخصت کی اجازت لینا میرے لیے مشکل ہو گیا بلکہ میں یہ کہوں تو آپ لوگ غلط نہ سمجھئے گا کہ میں اس اکیلی بوڑھی مصور خاتون کو اب کبھی تنہا نہیں چھوڑوں گی۔

لینن گراڈ سے ریگا کا سفر میں نے ٹرین سے کیا۔ ٹرین بے حد آرام دہ تھی۔ ٹرین میں وی سی آر، ٹی وی، ریڈیو، ٹیلی فون ہر چیز ہے۔ آرام دہ گدّے، بستر، تولیے، ہینگر، میز پر کھانے کی چیزیں رکھی ہیں، پھولوں کا گلدستہ، پانی کی بوتلیں، اخبار رسالے، حمام میں نہانے کی ٹب، شاور کپڑے بدلنے کے لیے چھوٹا سا کمرہ۔ ہر چیز صاف ستھری موجود۔ ٹرینوں کا پورا انتظام خواتین نبھائے ہوئے ہیں۔ ریگا کو روس کی جنت کہا جاتا ہے۔ بہت خوبصورت قدرتی مناظر سے سجا ہوا علاقہ ہے مجھے ریگا دیکھ کر کشمیر یاد آیا۔ وہاں بھی سفیدے اور چنار کے رنگ بدلتے پتوں والے درختوں سے جنگل بھرے ہوئے ہیں جنگلی پھولوں اور پھلوں سے لدے ہوئے درخت جنھیں دیکھ کر اللہ میاں کے بیک وقت مصور اور شاعر ہونے کا یقین جاگتا ہے۔

یوری مالا ریگا کا بیچ ہے جہاں بہت بڑا سینی ٹوریم اور میڈیکل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ہے جہاں دنیا بھر کے لاعلاج مریض لائے جاتے ہیں اور بیشمار سیاح صرف قدرتی مناظر اور صحت بخش آب و ہوا کا لطف اٹھانے کے لیے یہاں آتے ہیں۔

قدرت کی یہ فیاضی زمین و آسمان سے آ کر کے انسانی چہروں تک آ گئی ہے۔ یہاں ہر چیز اللہ میاں نے بڑی فرصت میں بیٹھ کر نکھارا ہے۔

میری ترجمان مسز ادا نے پوچھا — مسز بانو آپ کو ریگا کیسا لگا۔ ہم اسے جنت کہتے ہیں۔

میں نے ہنس کر کہا — مجھے ریگا بہت اچھا لگا۔ لیکن مسز ادا شاید آپ نہیں جانتیں کہ حقیقت اگر کہیں زمین پر ہے تو وہ صرف ہندوستان میں ہے۔ (حیدر آباد سے نشر)

ادب اور مشاعرے

ڈاکٹر قمر رئیس

اردو زبان و ادب میں مشاعرے کی روایت صدیوں پرانی ہے۔ روایت شکنی کے اس دور میں بھی آل انڈیا ریڈیو اپنے سامعین کے لیے اکثر و بیشتر مشاعروں کا انعقاد کرتا رہتا ہے — کشمیر کی حسین وادی میں ریڈیو کشمیر سرینگر نے کچھ عرصے بعد گرمے ایک کل ہند اردو مشاعرے اور دوسرے کشمیری مشاعرے کا انعقاد کیا۔ زیر نظر صفحے پر ہم اردو شعراء کی تصاویر پیش کر رہے ہیں۔

مشاعرہ ادبی اور تہذیبی اظہار کے قدیم ترین اداروں میں سے ایک ہے۔ یہ کہنا شاید غلط نہ ہوگا کہ جب سے انسان نے کلام موزوں کے ذریعہ اپنے جذبات اور خیالات کا اظہار شروع کیا ہے اس کا اصل مقصد ابلاغ یعنی دوسروں کو اپنے جذبات میں شریک کرنا رہا ہے۔ جس میں بعد میں کمال و ہنر کی داد طلبی بھی شامل ہوئی۔ عہد جاہلیت کے عرب میں بازار و عکاظ کے میلوں میں جب سارے قبائل جمع ہوتے تھے تو قبیلہ کا نمائندہ شاعر اپنا کلام پیش کرتا تھا، اور جسے سب سے زیادہ داد ملتی تھی، وہی میر محفل کہلاتا تھا۔ قدیم یونان میں بھی شاعر اور مغنی بڑے بڑے مجمعوں میں اشعار سنا کر اپنے فن کی داد حاصل کرتے تھے۔ مہذب یا نیم مہذب معاشروں میں خواص ہی نہیں عوام بھی شعر و ادب کے ذوق سے بہرہ مند ہوتے ہیں، اور اس کی تسکین کی کوئی نہ کوئی صورت نکال لیتے ہیں۔ کلاسیکی ادب کی سرپرستی اگر اہل اقتدار کرتے آئے ہیں تو عوامی شعر و ادب یا فوک لٹریچر کی تخلیق اور حوصلہ افزائی عوام کے ہاتھوں میں آتی ہے۔

ہندوستان میں مغل عہد حکومت میں فارسی نہ صرف درباروں کی بلکہ اُمرا اور شرفا کی تہذیبی زبان تھی۔ اس طبقہ کے تعلیم یافتہ لوگ فارسی شعر و ادب کا ذوق رکھتے تھے۔ اُمرا اور عمائدین فارسی شعراء کی سرپرستی کرتے تھے۔ ان کی حویلیوں میں محفل سماع کے علاوہ مشاعرے بھی ہوتے تھے۔ جب مغل حکومت کے زوال کے ساتھ ساتھ جب سلاطین و اُمرا کی حالت ابتر ہوئی تو فارسی کی فوقیت اور مرکزیت کو بھی صدمہ پہنچا۔ اب فارسی کے شاعر بول چال کی زبان اردو میں بھی شعر کہنے لگے۔

خواص اور اُمرا کی مادری زبان بھی فارسی نہیں اردو تھی۔ چنانچہ محمد شاہی دور یعنی اٹھارویں صدی کے شروع میں جب ولی کا اردو دیوان دہلی میں آیا تو عوام اور خواص دونوں نے اس کی پذیرائی کی۔ دہلی کے فارسی شعراء حاتم، آبرو، ناجی اور مرزا مظہر نے اردو میں شعر گوئی شروع کر دی۔ اردو شاعری کو اس دور میں ریختہ کی شاعری کہا جاتا تھا۔ اور وہ تیزی سے عوام میں مقبول ہوتی جا رہی تھی۔ آہستہ آہستہ اس میں فارسی جیسی پختگی، لطافت اور شیرینی پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ کمال و ہنر دکھانے کے لیے اردو کے شعراء نے ایہام گوئی پر خاص طور سے زور دیا، تاکہ فارسی کی طرح اردو زبان کی وسعت اور قدرت کا اندازہ ہو۔ یہی وہ زمانہ ہے جب فارسی کے مشاعروں کے مقابلہ میں مراختے شروع ہوئے جو ہر حلقہ میں مقبول ہونے لگے۔ بعد میں جب اردو شعراء کی ان محفلوں نے فارسی مشاعروں کی جگہ لے لی تو یہی مراختے مشاعرے کہلانے لگے۔

اٹھارویں صدی کے آخر سے یعنی گزشتہ دو سو سال کی مدت میں مشاعروں کو شمالی ہند اور بعض دوسرے خطوں میں ایک مستقل اور محبوب ادبی اور تہذیبی ادارہ کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اردو زبان کی بنیاد بیشک کھڑی بولی پر ہے لیکن اردو شاعری کے لہجہ کی لطافت، رنگینی، نرمی اور شیرینی میں بلاشبہ فارسی کے اثرات بھی کارفرما رہے ہیں۔ اس کی انفرادیت بھی قائم ہوئی اور اس کی مقبولیت کا بڑا انحصار بھی اسی فارسی زدہ شیرینی اور شائستگی سے ہے۔ اردو کے مشاعروں کی ہمہ گیر مقبولیت کا ایک بڑا سبب بھی یہی ہے۔ دوسری طرف اردو زبان کو مقبول خاص و عام بنانے میں ان مشاعروں کا بھی نمایاں حصہ رہا ہے۔ اگرچہ اس حقیقت کو اکثر نظر انداز کیا گیا ہے۔

ترقی یافتہ ملکوں سے آنے والے ادیب اور شاعر جب ہندوستان میں مشاعروں کی ایسی مقبولیت دیکھتے ہیں کہ پندرہ بیس ہزار سامعین خاموشی اور خوش ذوقی سے شاعر کا کلام سنتے ہیں تو انھیں یقین نہیں آتا اس لیے کہ ان کے نزدیک شاعری تنہائی کے پُرسکون لمحوں میں پڑھنے اور لطف اٹھانے کی چیز ہے۔ تب وہ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ چونکہ ہندوستان میں خواندگی کا اوسط بیس پچیس فیصد سے زیادہ نہیں ہے۔ اس لئے لوگ مشاعروں میں کلام سن کر اپنے ذوقِ شعری کی تسکین کا سامان کرتے ہیں۔ دوسرے جو خواندہ ہیں ان کی اکثریت بھی کم مائیگی کی وجہ سے کتابیں خرید کر پڑھنے کی استطاعت نہیں رکھتی۔ اس لیے بھی مشاعرے مقبول ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان باتوں میں جزوی صداقت ہے۔ لیکن مشاعروں کی مقبولیت کے دوسرے ادبی اور تہذیبی اسباب زیادہ اہم ہیں۔

گزشتہ دو سو سال کی اردو مشاعرہ کی تاریخ پر اگر نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوگا کہ بدلے ہوئے حالات میں مشاعرہ کا کردار اور انداز بدلتا رہا ہے۔ میر و سودا کے عہد میں بڑے بڑے امیروں کی حویلیوں میں مراختے کے نام سے مشاعرے ہوتے تھے۔ اور وہ انھیں کے نام سے منسوب ہوتے تھے مثلاً مراختہ خان آرزو، مراختہ سجاد، مراختہ میر علی تقی۔ شعر خوانی کی ان محفلوں میں سامعین بھی خوش ذوق اور فن کے رمز شناس ہوتے تھے۔ اگر شعر میں توارد یا سرقہ ہے یا کوئی محاورہ غلط باندھا گیا ہے، یا بندش پست ہے، یا کوئی اور عروضی یا فنی کمزوری ہے تو سامعین اصلاح و تنقید میں شامل نہیں کرتے تھے۔ مشہور ہے کہ ایک مشاعرہ میں سودا نے فارسی شاعر طوسی کے ایک مضمون کو نظم کر دیا تھا، تو خان آرزو نے برجستہ یہ شعر پڑھ کر سودا کی نکتہ چینی کی۔ لیکن لطیف پیرائے میں۔

شعرِ سودا، حدیثِ طوسی ہے
لکھ رکھیں چاہیئے ملک بہ ملک

قدیم تذکروں میں اور مولانا محمد حسین آزاد کی آبِ حیات میں ایسے بے شمار واقعات ملتے ہیں، جو برسرِ مشاعرہ ہونے والی نکتہ چینی یا اصلاح و تنقید کی گواہی دیتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ اس طرح کی تنقید کبھی کبھی شاعروں کی باہمی چشمک یا معرکہ آرائی کا نتیجہ بھی ہوتی تھی، لیکن یہاں بھی جو اعتراض کیے جاتے تھے ان میں کچھ وزن ضرور ہوتا تھا۔ انشا، مصحفی، اور آتش و ناسخ کے دور میں مشاعرے کبھی کبھی ادبی مجادلے کا رنگ بھی اختیار کر لیتے تھے۔ اس لیے کہ ان اساتذۂ فن کے شاگرد بھی بڑی تعداد میں مشاعروں میں شریک ہوتے تھے اور ہمیشہ اپنے استاد کی مبالغہ آمیز ستائش اور اس کے حریف کی جا و بے جا مذمت پر آمادہ رہتے تھے۔ تاہم یہ اعتراف ضرور کرنا پڑے گا کہ ان مشاعروں اور معرکوں نے عوام میں اردو شاعری کو مقبول بنایا۔ مشاعروں کے سامعین کی داد و تحسین حاصل کرنے کے لیے شاعر ہر دور میں نہ صرف یہ کہ بول چال کی عام فہم زبان استعمال کرنے پر زور دیتے تھے بلکہ ایسے مضامین ترجیحی طور پر غزل میں سموتے تھے، جس سے تمام سامعین لطف اٹھا سکیں۔ اردو شاعری اور خاصکر اردو غزل کی علامات، تشبیہات یہاں تک کہ تلمیحات کا بیشتر سرمایہ ایسا ہے کہ جسے ناخواندہ لوگ بھی سمجھتے اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔ مشاعروں ہی کے فیض سے شاعروں کا براہِ راست عوام سے رابطہ قائم ہوا۔ اور بیسویں صدی میں عوام کے سماجی اور سیاسی شعور کو بیدار کرنے میں بھی مشاعروں نے نمایاں حصہ لیا۔ یہ کہنا شاید غلط نہیں ہوگا کہ اردو شاعری کے بدلتے ہوئے مزاج اور لب و لہجہ کے تعین میں مشاعروں نے بھی اہم رول ادا کیا ہے۔

مرزا جعفر حسین نے قدیم لکھنؤ کے مشاعروں کی تہذیبی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ مشاعرے بعد نمازِ مغرب شروع ہوتے تھے اور نمازِ صبح کے قبل ختم ہو جاتے تھے۔ یہ التزام رہتا تھا کہ ہر شاعر کو اپنا کلام سُنانے کا موقع مل جائے۔ بزمِ مشاعرہ میں شعراء آمنے سامنے نہیں، داہنے اور بائیں مقابل صفوں میں بیٹھتے تھے۔ درمیانی جگہ خالی رہتی تھی۔ نشست میں باقی جگہ سامعین سے پُر ہو جاتی تھی۔ تہذیب و آدابِ محفل میں یہ ضروری تھا کہ جو شاعر جس جگہ آکر اور جس مخصوص طرز سے ایک بار بیٹھ جاتا تھا، وہ اسی طرح رات بھر بیٹھا رہتا تھا۔ زانو اور پہلو بدلنا عیب میں داخل تھا۔ ہر مشاعرہ طرحی ہوتا تھا۔ بانیٔ مشاعرہ طرحی غزل سنانے کے بعد اپنے آگے کی شمع داہنے جانب کے شاعر کے آگے بڑھا دیتا تھا۔ اشعار کی تعریف کرنا بھی اخلاقیت میں داخل تھا۔ اساتذہ اس فریضہ کو حسبِ مراتب ادا کرتے تھے۔ شاگرد اپنے استاد کے ہر ہر شعر کی تعریف کرتے تھے۔ لیکن اصل تعریف وہی سمجھی جاتی تھی جس کی آوازیں سامعین کی صفوں سے بلند ہوتی تھیں۔

بڑے شہروں کے اہم مشاعروں میں پڑھی جانے والی غزلیں گلدستوں کی صورت میں شائع کی جاتی تھیں۔ طرحی مشاعروں کی ان غزلوں پر سارے شعر کے نکتہ داں تبصرے کرتے تھے۔ اعتراض بھی ہوتے تھے، اور ان کے جواب بھی دیئے جاتے تھے۔ اس طرح مشاعروں کے ذریعہ ادبی قدر شناسی کی فضا قائم رہتی تھی۔

مشاعروں سے شعر و شاعری کی اصلاح کا کام بھی بڑے کارگر ڈھنگ سے لیا گیا ہے۔ محمد حسین آزاد نے انجمنِ پنجاب، لاہور میں جن مشاعروں کا آغاز کیا تھا، ان میں دی ہوئی طرح کے بجائے کسی مقررہ موضوع پر شعراء طبع آزمائی کرتے تھے۔ یہاں اردو میں جدید طرز کی نیچرل اور موضوعاتی شاعری کا آغاز ہوا" اور غزل کی روایتی شاعری کا طلسم ٹوٹا۔ لکھنؤ کی شاعری میں خیال بندی رعایت لفظی، تصنع اور ہوسناکی کی جو کثرت ہو گئی تھی، انیسویں صدی کے آخر میں اس کے خلاف بھی شدید ردعمل ہوا۔ صفی لکھنوی، مرزا رسوا، ممتاز حسین عثمانی اور دوسرے روشن خیال ادیبوں نے لکھنوی شاعری کی اصلاح کے لیے ایک انجمن "دائرہ ادبیہ" کی بنیاد رکھی۔ یہ انجمن پابندی سے مرزا غالب یا میر تقی میر جیسے بڑے شاعروں کی زمینوں میں طرح دے کر مشاعروں کا اہتمام کرتی تھی۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ لکھنؤ کی مصنوعی شاعری کا رنگ بدلا۔ اور عزیز لکھنوی اور آرزو لکھنوی جیسے باکمال شاعر پیدا ہوئے۔

ترقی پسند ادبی تحریک کو فروغ دینے میں بھی مشاعروں نے اہم رول ادا کیا ہے۔ ترقی پسند شاعری کا رُخ چونکہ محنت کش عوام کی طرف تھا۔ اس لیے ترقی پسند شعراء کے ایسے مشاعروں میں جو احمد آباد، بمبئی اور کانپور جیسے صنعتی شہروں میں ہوتے تھے مزدور اور کامگار بھی بڑی تعداد میں حصہ لیتے تھے۔ فیض احمد فیض، سردار جعفری، کیفی اعظمی، اور ساحر لدھیانوی جیسے ترقی پسند شاعر ہر مشاعرہ کی کامیابی کی ضمانت سمجھے جاتے تھے۔ آزادی کے بعد بھی ہندوستان میں مشاعروں کی مقبولیت کم نہیں ہوئی ہے لیکن افسوس اس کا ہے کہ ان کا تہذیبی اور ادبی کردار مسخ ہو گیا ہے۔ اب مشاعرے صرف تفریح و تفنن کا ایک ذریعہ بن گئے ہیں۔ مشاعروں میں اب ایسے شاعر مقبول ہوتے ہیں، جو لَے کے ساتھ گا کر شعر پڑھ سکیں۔ تحت اللفظ میں سادگی سے پڑھا جانے والا اچھا کلام بھی داد سے محروم رہتا ہے۔ سامعین بھی اب نکتہ شناس اور خوش ذوق نہیں رہے۔ وہ مشاعروں سے شعر کا نہیں بلکہ سستی موسیقی کا لطف اٹھانا چاہتے ہیں۔ مشاعروں کی ادبی اور تہذیبی معنویت تقریباً ختم ہو گئی ہے۔ اردو کے بیشتر شاعر پیشہ ورانہ طور پر مشاعروں میں شریک ہوتے ہیں۔ یہ صورت حال تشویشناک ہے۔ اور اس کی اصلاح کا ایک طریقہ یہ ہے کہ بڑے مشاعروں کی بجائے چھوٹی چھوٹی نشستیں کی جائیں۔ جن میں غیر پیشہ ور شاعروں اور باذوق سامعین کو شرکت کی دعوت دی جائے۔

(اردو مجلس دلّی سے نشر)

اردو شاعری میں ہجویات

رام لال نابھوی

اردو ادب میں طنز و مزاح کی صنف میں سب سے پہلی رو ہجویات کی ہے۔ یہ صنف فارسی زبان سے مستعار ہے۔ فارسی شاعری میں اس کے امام رودکی، فردوسی، انوری، عبید زاکانی ہیں۔ کمال اسمٰعیل اور سلمان ساوجی نے بھی ہجویں کہی ہیں۔ فردوسی کی ہجو زبان زد خاص و عام ہو چکی ہے۔ ہجو نظم و نثر دونوں میں کی جاتی ہے۔

ہجو کی چار شکلیں ہیں :-

(۱) جہاں رنجش۔ پرخاش، کینہ اور حسد ہوتا ہے۔
(۲) جہاں کوئی علمی، مذہبی بات میں نقص پایا جاتا ہے۔
(۳) جہاں کسی نے غلط بیانی کی، شیخی ماری اور اپنے کمالات کو بڑھ چڑھ کر دکھایا۔
(۴) جہاں کسی کے ساتھ ناانصافی یا ظلم ہوا۔

ہجو کے لغوی معنی ہیں، کسی کی بُرائی کرنا، ذلیل کرنے کی نیت سے مذاق اڑانا۔ مذمت کرنا۔ انگریزی میں اسے SATIRE، فارسی میں ہجا اور عربی میں ہجا یا قصیدہ ہجایہ کہتے ہیں۔ ہجو ملیح کا مطلب ہے بظاہر تعریف کرنا لیکن اصل میں مذمت کرنا۔ اس میں ذاتی باتوں کا کم اور ادبی و فنی شعور کا زیادہ دخل ہوتا ہے۔

یونانی ہجو نگار ہوریس کا کہنا ہے کہ ہجو نگاری کا مقصد خفیف کو لطیف انداز میں بے نقاب کرنا ہے۔ رنگارنگی ہجو کی خصوصیت ہے۔ چھیڑ چھاڑ۔ چشمک، طنز، تشنیع، دشنام طرازی، لعن طعن، تضحیک۔ فقرے بازی، پھبتی، آوازے کسنا، استہزا کو ہجو کی صنف میں لیا جاتا ہے۔

ہجو نگار کا بنیادی مقصد اصلاح ہوتا ہے۔ کامیاب ہجو نگار وہ ہوتا ہے جس کا رویہ تخریب برائے تعمیر ہو۔ ہجو نگار اپنی بات اس ڈھنگ سے کہے کہ اس میں سچائی کا شائبہ ہو، لطافت کا رنگ ہو۔ شرافت اور متانت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ تہذیب و تقدس ہو، تمسخر پاکیزہ ہو۔ مذاق شائستہ و شستہ ہو۔ ہمدردی اور ترحم کے جذبات کو ابھارے، حقارت و نفرت، بغض و حسد کو بھڑکائے۔ اصول زندگی پر ناقدانہ نظر ڈالے۔ اپنے جذبات کے ہیجان کو قابو میں رکھے۔ دل کا کنول کھلا رہے۔ جوابات سننے کے لیے تیار رہے۔ خندہ پیشانی کے ساتھ استقبال کرے۔ بات بھی کہہ جائے۔ چوٹ بھی دے جائے۔ اس لیے ہجو نگار ایک بلند پایہ اخلاق کا حامل ہوتا ہے۔

ہجویات کی مقدار اردو ادب میں بہت کم ہے۔ قدر و قیمت میں بھی کم ہے۔ شاید اس لیے کہ ہجو کی سطح پست ہوتی ہے اور شاید اسی لیے سنجیدہ شعرا نے اس سے ہمیشہ اجتناب کیا ہے۔

جو کچھ بھی ہمیں ہجویات میں ملتا ہے اس میں ذاتی عناد کا عنصر زیادہ ہے۔ کینہ ہے۔ حسد ہے۔ طعن و تشنیع ہے فحاشی ہے۔ دشنام طرازی ہے۔ خاندانی کمزوریاں، شکل و صورت کی خرابیاں تک بیان کی گئی ہیں۔ چال چلن پر چلے ہوئے ہیں۔ تضحیک ہے۔ جذبۂ نفرت و حقارت ہے۔ دوسروں کے فنی نقائص بیان کر کے فریق مخالف کو اپنے سے کمتر ثابت کرنے کی خواہش ہے۔ جلسے ہوتے، جلوس نکلتے۔ سوانگ بھرے جاتے۔ یہ تحریک خواص سے عوام میں پہنچی اور ایک مکروہ انبار جمع ہو گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عوام کے مذاق کو بد سے بدتر بنا دیا گیا۔

اس کا دوسرا پہلو بھی ہے۔ جہاں تنقیدی عنصر ہے۔ ادھر سے ایک غزل ہوئی۔ ادھر سے جواب پیدا ہوتا۔ پھر جواب الجواب زبان و بیان کی خامیاں گرفت میں آتیں۔ اوزان و بحور کی پکڑ ہوتی۔ معائب اور لغزشیں بتائی جاتیں۔ دوسروں کے معائب بیان کرتے کرتے اپنے معائب بھی بیان کیے جاتے۔

کاش یہ صنف بد مذاقی کے ہاتھوں سے نکل کر متانت اور سنجیدگی کے دائرے میں آجاتی۔ اردو ادب میں ہجویات کا پہلا شاعر جعفر زٹلی ہے۔ اورنگ زیب کی تخت نشینی کے وقت پیدا ہوئے۔ ہزل اور فحاش تھے۔ نہایت زبان دراز اور بیباک تھے۔ ان کے قلم سے نہ بادشاہ بچ سکتا تھا اور نہ شہزادہ۔ جب فرخ سیر تخت نشیں ہوا تو اس کے سکّہ پر یہ شعر کندہ کیا گیا :-

سکّہ زد از فضل حق بر سیم و زر
پادشاہ بحر و بر فرخ سیر

جعفر زٹلی نے اسے اس طرح کر دیا :-

سکّہ زد بر گندم و موٹھ و مٹر
بادشاہ تسمہ کش فرخ سیر

اس زٹلیانہ سکّہ پر فرخ سیر نے زٹلی کو مروا دیا۔

ہجو کا منبع دربار داری ہے۔ بادشاہ یا حاکم وقت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے شعرا قصیدے پڑھتے۔ مد مقابل کے معائب بیان کرتے۔ مخالفین کے پاؤں اکھیڑنے کے حربے استعمال کرتے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ فریق مخالف بھی جارحانہ حملہ کرتا۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دیتا۔ بادشاہ خوش ہوتے تھے۔ انعامات دیتے تھے۔ خود لطف لیتے تھے۔ دوسروں کو ہجو گوئی پر اکساتے تھے۔ یہی رنجش بے جا طرفین کی یاوہ گوئی کا باعث بنتی۔

مصنف "آب حیات" رقمطراز ہیں :

" ایک شعر پر سید انشا اور شیخ مصحفی میں شکر رنجی ہو گئی اور طبیعتوں کی شوخی نے زبانوں کی بیباکی کے ساتھ مل کر بڑے بڑے معرکے کئے۔ اسوقت آصف الدولہ شکار میں تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے لکھنؤ میں نہ ہونے پر ہزار افسوس کیے اور بڑے اشتیاق سے ان ہجوؤں کو منگا کر سنا اور انعام بھیجے۔"

مرزا سلیمان شکوہ کے دربار کا ذکر کرتے ہوئے مولوی عبدالحق نے لکھا ہے :-

" انشا حرارت اور مصحفی خواجہ تاتش، اور ہم پیشہ تھے۔ اول اول شاعرانہ چشمک رہی۔ بعد میں بڑھتے بڑھتے نوبت جنگ و جدل اور فحش و پھکڑ تک پہنچ گئی۔"

چشمک، چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ ولی سے ہی شروع ہو جاتا ہے ولی کا ایک شعر جس میں ناصر علی سرہندی پر چوٹ کی گئی ہے، دیکھیے :-

' اچھل کر جا پڑے جوں مصرع برق
اگر مطلع لکھوں ناصر علی کوں "

اب اس کا جواب بھی دیکھیے :-

" با مجاز ثمن گر اڑ جلے وہ
ولی ہرگز نہ پہنچے گا علی کوں "

میر تقی میرؔ اور مرزا محمد رفیع سوداؔ ہم عصر تھے۔ سوداؔ نے میرؔ کے بارے میں ایک شعر کہا اور بہ حیثیت فنکار چوٹ کی :

" پڑھیو یہ غزل سوداؔ تو ہرگز میرؔ کے آگے
وہ ان طرزوں سے کیا واقف وہ یہ انداز کیا جانے "

میرؔ نے جواب دیا :-

" طرف ہونا مرا مشکل ہے میرؔ اس شعر کے فن میں
یوں ہی سوداؔ کبھی ہوتا ہے سو جاہل ہے کیا جانے "

سوداؔ، میرؔ کی عظمت کو پہچانتے تھے۔ چنانچہ ان کے دیوان میں ایک شعر ملتا ہے :-

سوداتو اس غزل کو غزل در غزل ہی لکھ
ہونا ہے تجھ کو میر سے استاد کی طرف

مرزا سودا پہلے شاعر ہیں جنھوں نے قصیدہ گوئی کے ساتھ ہجوگوئی میں بھی نام پیدا کیا۔ سودا بہت شگفتہ طبع تھے۔ ظرافت ان کی رگ رگ میں ٹپکتی تھی۔ بقول آزاد ان کے دل کا کنول ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ لیکن وہ بہت جلد ناراض بھی ہو جاتے تھے اور پھر ہجو کہتے۔ سودا نے بڑے بڑے پرہیزگار شعرا کو ہجو میں دلچسپی لینے پر مجبور کر دیا۔ سودا کسی کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے تھے۔ مخالفین انتقاماً اسی قسم کے اشعار سے جواب دیتے۔ چنانچہ میر ضاحک، فدوی، مسکین اور بقا نے بھی سودا کی خوب خبر لی۔

سودا اور میر کے دور سے آگے بڑھتے تو شاعرانہ چشمک کے میدان میں انشا و مصحفی معرکہ آرا نظر آتے ہیں۔ اعجاز حسین فرماتے ہیں:

"مصحفی اور انشا کا جھگڑا ایک طرح سے اور بھی فائدہ پہنچا گیا۔ دونوں استاد زیادہ سے زیادہ قوت تخلیق سے کام لے کر اپنی شاعرانہ عظمت کا ثبوت پیش کرنے میں منہمک نظر آتے ہیں۔ مشکل زمین میں بھی اچھے اشعار کہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اپنے قطعات و قصائد میں شعر کے حسن و قبح اور فنکاری کو کامیابی کے دروازے تک پہنچنے کے لئے مخصوص لوازم کا پتہ دیتے ہیں۔ اس نشاندہی سے ان کی ذہنی کاوش کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ انشا و مصحفی کے بعد اس صنف شاعری کا وہ رنگ نہ رہا جس میں سخت کلامی اور ہاتھا پائی کی نوبت آ گئی۔"

میر کا انتقال ہوا تو سودا فاتحہ کے لیے گئے اور دیوان میں سے بہت سی ہجویں خاک میں ڈالیں۔ میر حسن نے بھی اپنے باپ کے دیوان سے ان کی ہجویں پھاڑ ڈالیں۔ جب انشا کا انتقال ہوا تب مصحفی نے محسوس کیا کہ جیسے ان کی ساری زندگی بے کیف ہو گئی ہے۔ بڑے درد سے کہا۔

مصحفی کس زندگانی پر بھلا میں شاد ہوں
یاد ہے مرگِ قتیل و سید انشا مجھے

یہ داستان طویل ہے۔ کچھ ذکر ہوا، باقی پھر سہی۔

(اردو مجلس دہلی سے نشر)

آواز کی قیمت

فی کاپی ——— ایک روپیہ
سالانہ ——— ۲۲ روپے
دو سال ——— ۴۲ روپے

مقناطیس کے ذریعہ انسانی مشینوں کی مرمت

ڈاکٹر غفران بے

ہمارے جسم کی ساخت ان گنت چھوٹی چھوٹی مشینوں پر قائم ہے جو اپنے طریقہ پر الگ الگ اپنا کام انجام دیتی ہیں۔ اس لیے ان مشینوں کو سمجھنا از حد مشکل کام ہے۔ ان مشینوں کا جال تمام جسم میں پھیلا ہوا ہے اور تندرست جسم میں ہر مشین اپنا کام کرتی ہے۔ اگر ایک مشین کام کرنا بند کر دیتی ہے تو اس کا بوجھ دوسری مشینوں کو اٹھانا پڑتا ہے جس کی وجہ سے جسم کے مختلف حصے اپنا کام سرانجام دینے میں کچھ مشکل محسوس کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان مشینوں کا کنٹرول کسی ایک جگہ سے ہوتا ہے اور اسی کنٹرول روم سے تمام مشینوں کی حرکت کو تیز یا کم کیا جاتا ہے۔

جسم کو اگر ساکت کر دیا جائے تو تمام جسم کی مشین رک جاتی ہیں البتہ دل برابر حرکت کرتا رہتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دل ایک خودکار مشین ہے جس کا تعلق جسم کے کسی حصہ سے نہیں ہے ورنہ تو اس کی حرکت سے دوسرے حصے بھی حرکت میں آنا چاہیے۔ دل کی حرکت کی قوت یا تو مکینیکل ہو سکتی ہے یا الکٹریکل۔ کیونکہ دل کی حرکت سے جسم کا کوئی دوسرا حصہ حرکت میں نہیں آتا تو اس قوت کو الکٹریکل ہی کہا جا سکتا ہے۔ یہ اس سے بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ جب جسم آرام کرنے کے بعد حرکت میں آتا ہے تو جسم کی قوت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس وقفہ کے درمیان دل کی پیدا کردہ بجلی نے جسم کی تمام بیٹریوں میں کرنٹ دے کر چارج کر دیا ہے اور ان بیٹریوں کا کرنٹ کم ہونے تک جسم اپنی قوت سے کام کرتا رہتا ہے۔ لہٰذا ہمارا دل ایک جنریٹر کا کام کرتا رہتا ہے جو برابر بجلی پیدا کرتا رہتا ہے اور جسم کے مختلف حصوں کو کرنٹ سپلائی کرتا ہے۔

جسم کا دوسرا حصہ جو ہمیشہ جاگتا رہتا ہے وہ دماغ ہے جس میں پیدا کردہ احساسات رگ اور پٹھوں کے ذریعہ جسم کے مختلف حصوں کو پہنچائے جاتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی مچھر بدن کے کسی میں کاٹتا ہے تو وہ درد فوراً دماغ کو محسوس ہوتا ہے جو ہاتھ کو اطلاع کرتا ہے اور ہاتھ حرکت میں آ کر اس مچھر کو ہٹانے کے لیے حرکت میں آ جاتا ہے۔ اس طرح جو چیز ہم دیکھتے ہیں اور اس کا عکس ہماری آنکھوں کے ذریعہ دماغ تک جاتا ہے۔ جہاں اس کی تشریح ہوتی ہے اور اس عکس کو سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا جسم کی ہر حرکت کا دار و مدار دماغ پر ہی ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جسم کے نظام کا کنٹرول ٹاور دماغ ہے جہاں سے جسم کی ہر ایک مشین کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔ جسم کے کسی بھی حصہ کی تھکاوٹ کا احساس دماغ تک پہنچتا ہے اور وہاں سے اس حصہ کو کام کرنے کا حکم ہوتا ہے اور وہ جسم کی مشین رک جاتی ہے

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جسم کی دو بڑی مشینیں ہیں۔ دل اور دماغ: جن کے ذریعہ جسم کی باقی سینکڑوں مشینیں اپنا کام سرانجام دیتی ہیں۔ دل بجلی پیدا کرنے والا کارخانہ ہے اور دماغ اس کا کنٹرول ٹاور ہے اگر یہی دو مشینیں برابر اپنا کام کرتی رہیں تو جسم کی باقی مشینوں سے زیادہ پریشانی نہیں ہوتی اور ان کی مرمت آسانی سے ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس اگر دل کی مشین کام کرنا بند کر دے تو جسم بے جان ہو جاتا ہے اور اگر دماغ اپنا کام بند کر دے تو جسم کا سب نظام کنٹرول سے باہر ہو جاتا ہے اور جسم کی ہر مشین آزاد ہو کر بے لگام اپنا کام کرنے لگتی ہے۔

اس لیے اگر ہم ان دونوں مشینوں کی کام کرنے کی قوتوں کو برقرار رکھیں تو ہمارے جسم کا نظام درست رہتا ہے اور ہماری صحت مناسب حدوں میں برقرار رہتی ہے۔ ان مشینوں کی صحت کے لیے مختلف ادویات کھائی جاتی ہیں مگر کس حد تک فائدہ پہنچا ہے یہ سب کو معلوم ہے۔ مقناطیس خداوند تعالیٰ کا ایک ایسا عطیہ ہے جس میں اپنی پیدا کردہ قوت موجود ہے جو سیکنڈری کرنٹ کی شکل میں ہم لوگوں کو دستیاب ہے۔ اور جب ہمارے جسم کا نظام الکٹریکل قوتوں پر قائم ہے تو اس کرنٹ سے ہم کافی حد تک فائدے حاصل کر سکتے ہیں۔ لہٰذا سب سے پہلے ہم اپنے کنٹرول ٹاور کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور اس سے جو خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں ان کا طریقہ علاج یہاں بیان کیا جائے گا۔ اگر نظام جسم کا کنٹرول ٹھیک ہے تو ہمارا جسم کام کرنا بند نہیں کرے گا۔ اور اگر یہ نظام ہی خراب ہو جاتا ہے تو زندگی ایک بوجھ ہو جاتی ہے۔

دماغ کے خاص کنٹرول میں دیکھنے، سننے، بولنے اور سمجھنے کی قوتیں آتی ہیں جن کے لیے دماغ مناسب طاقت مہیا کرتا ہے۔ دماغ ہی سب احساسات کو حاصل کرتا ہے اور ان کا تجزیہ کر کے آئندہ کے لیے محفوظ رکھتا ہے۔ اسی کے ذریعہ خیالات احساسات، حرکات و سکنات کنٹرول کیے جاتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہر شخص کے لکھنے کا انداز الگ الگ ہوتا ہے۔ اسکا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ رسم الخط دماغ کی قوت اور انداز بیان پر منحصر ہے۔ اسی قوت کے ذریعہ انسانی حرکات عمل میں آتے ہیں

یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ہمارا دماغ بجلی کی قوت پر کام کرتا ہے۔ یہ اس سے بھی عام ہے کہ پاگلوں کا علاج بجلی کے کرنٹ کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ بجلی کے ذریعہ دماغ کی چھوٹی چھوٹی سینکڑوں بیٹریاں چارج ہو کر اپنا کام شروع کر دیتی ہیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ایک بالغ دماغ عموماً ۲۰ واٹ بجلی کی قوت پر کام کرتا ہے۔ اسی لیے جب کسی کو سر درد ہوتا ہے یا یادداشت کمزور ہو جاتی ہے تو ایسے جسم کے دماغ کی بجلی پیدا کرنے کی قوت کمزور پڑ جاتی ہے یا دماغ کے کچھ سیل اپنا کام کرنا بند کر دیتے ہیں۔ اگر یہ سیل دوبارہ چارج کیے جائیں تو دماغی حالت صحت یاب ہو جاتی ہے اور وہ اسی قوت سے کام کرنا شروع کر دیتا ہے جو ایک تندرست دماغ کی ہونا چاہیے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دماغی قوتوں کو برقرار رکھنے کے لیے دماغ کے سیلوں کو برابر چارج کرتے رہنا ضروری ہو جاتا ہے اور خاص کر آجکل کے زمانے میں جبکہ زندگی کچھ اسقدر دشوار ہو گئی ہے کہ دماغ پر مسلسل ایک بوجھ بنا رہتا ہے اس بوجھ کی وجہ سے دماغ کو برابر اپنا کام کرتے رہنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے دماغی سیل کمزور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور جسم کو مختلف بیماریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہم اس دماغی بوجھ کو ہلکا نہیں کر سکتے مگر یہ ضرور ممکن ہے کہ دماغی سیلوں کو برابر چارج کرتے رہیں تاکہ ہمارا جسمانی کنٹرول برقرار رہ سکے۔ اس کے لیے مقناطیس بہت مفید ثابت ہو چکا ہے جس میں سیکنڈری کرنٹ موجود ہے اور رجو دماغ کے کمزور سیل کو زندگی بخش سکتا ہے۔

لہٰذا ان ہی حالات کے مدنظر کچھ دماغی کمزوریوں کا ذکر اس مضمون میں کیا جا رہا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ اس قسم کی کمزوریوں میں مقناطیس کا استعمال کس طریقہ سے مفید ہوا ہے۔ یہ بھی بتانا ضروری ہے کہ ان تمام بیماریوں پر تجربات کیے جا چکے ہیں جن سے جو مفید معلومات حاصل ہوئی ہیں ان ہی معلومات کو یہاں بیان کیا جا رہا ہے۔ یہ مضمون بہت سے تجربات کا نچوڑ ہے اس لیے کوئی بھی شخص کسی بھی جگہ اس کا تجربہ کر سکتا ہے۔

نیند نہ آنا

آج کل کے زمانہ میں یہ مرض عام ہو گیا ہے اور عموماً ہر ایسے خاندان میں پایا جاتا ہے جو مختلف مشکلات کا شکار رہ جاتا ہے۔ اس دشوار گزار زندگی میں دماغی سیل اپنی طاقت سے زیادہ کام کرنے کی وجہ سے کمزور پڑ جاتے ہیں۔ بیماری کے آغاز میں دماغ کے آرام کا وقفہ کم ہو جانے کی وجہ سے تمام سیل اپنی قوت کو حاصل کرنے سے قاصر ہو جاتے ہیں۔ آہستہ آہستہ آرام کا وقفہ کچھ اسقدر کم ہو جاتا ہے کہ کچھ سیل کو کرنٹ ہی نہیں ملتا اور ان کی بیٹری ڈسچارج ہو جاتی ہے۔ نیند کوسوں دور معلوم ہوتی ہے اور انسان کو ادویات کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ ان ادویات کا اثر دماغ پر کم اور خون پر زیادہ ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ ہے کہ جسم کو مختلف بیماریوں کے مقابلے میں اور زیادہ قوت خرچ کرنی پڑتی ہر اور زندگی اور بوجھل ہو کر جسم کو ناکارہ بنا دیتی ہے۔

اس لیے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ دماغی بیٹریوں کو اس طرح چارج کیا جائے کہ وہ اپنا کام شروع کر دیں اور جسم کے دوسرے حصہ اس سے اثر انداز نہ ہوں۔ مقناطیس کا شمالی کنارہ اس کے لیے از حد مفید ہے۔ کوئی بھی تقریباً ... اگاس یا اس سے کم قوت کا مقناطیس لیا جائے۔ اس کا شمالی کنارہ سوتے وقت پیشانی پر دونوں آنکھوں کے درمیان ۵ سے ۱۰ منٹ رکھا جائے یہ عمل روزانہ دُہرانے سے کچھ ہی روز میں دماغی بیٹریاں اپنا کام شروع کر دیتی ہیں اور مریض کو مناسب نیند آنے لگتی ہے۔ جب مریض کو نیند حاصل ہو جائے تو اس کا استعمال ترک کر دیں۔

اس قسم کا تجربہ کئی مریضوں پر کیا جا چکا ہے جس سے خاطر خواہ نتائج حاصل ہوئے ہیں۔ مقناطیس کی قوت کا اندازہ اس طرح لگایا جائے کہ بچوں کے معمولی کھلونوں میں استعمال ہونے والے مقناطیس کی قوت ۳۵۰ گاس کے برابر ہوتی ہے

سردرد

موجودہ ترقی یافتہ زمانے کی دوسری دین سر درد ہے۔ زمانے کی مختلف مشکلات اور دماغی کام کی زیادتی۔ نامناسب حالات اور پریشانیاں سر درد کی شکل میں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ سر کے جس حصہ کے سیل کمزور ہوں گے اس حصہ میں یہ درد زیادہ محسوس ہوگا ان سیل کے کمزور ہو جانے کی وجہ سے خون کے دوران میں تبدیلی آ جاتی ہے۔ اور پریشانی بڑھ جاتی ہے۔ ادویات کے ذریعہ کچھ دیر کے لیے نجات حاصل ہوتی ہے مگر چونکہ ادویات خون پر زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں اس لیے کچھ عرصہ کے بعد سر درد کے ساتھ کچھ اور بیماریوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔

سر درد سے نجات پانے کے لیے ... اگاس کے مقناطیس کا استعمال بہت مفید ثابت ہوا ہے۔ اس مقناطیس کا شمالی کنارہ درد کی جگہ پر ۵ اسے ۲۰ منٹ تک رکھنے سے درد کو کچھ ہی دیر بعد آرام مل جاتا ہے۔ اس طریقہ کو متعدد بار آزمایا گیا ہے اور ہر مرتبہ مفید ثابت ہوا ہے۔

آنکھوں کی بیماریاں

آنکھوں کا تعلق دماغ سے ہے جو چیزیں آنکھیں دیکھتی ہیں اس کا تجزیہ دماغ کے ذریعہ ہوتا ہے۔ خون کی خرابی اور دماغی کمزوریوں کی وجہ سے آنکھوں کو مختلف بیماریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً سوجن، سُرخی، جالا، پھولا، ناخونہ، رتوندا، ڈھلکہ اور بینائی کی کمزوری وغیرہ ایسی بیماریاں ہیں جن کا تعلق آنکھوں کی رگوں اور پٹھوں میں خون کی کمی مانا جاتا ہے۔ رات اور دن کے زیادہ حصہ میں ہمارا سر ہمیشہ اوپر ہی رہتا ہے جس کی وجہ سے آنکھوں میں خون کی سپلائی کم مقدار میں ہوتی ہے۔ جو لوگ آنکھوں کی کثرت کرتے ہیں ان کو آنکھوں کی بیماریوں سے مشکل سے ہی واسطہ پڑتا ہے۔

یہ تجربہ کیا جا چکا ہے کہ آنکھوں کی تقریباً ہر بیماری کا علاج مقناطیس سے کیا جا سکتا ہے۔ مقناطیس کے کناروں کو آنکھیں بند کر کے آنکھوں پر صبح و شام ۵ منٹ سے دس منٹ تک لگانے سے کئی قسم کی بیماریوں کو آرام آ جاتا ہے۔ میگنیٹ کا شمالی کنارہ بہت زیادہ مفید ہے۔ مگر ایک میگنیٹ کا شمالی کنارہ دائیں آنکھ پر اور دوسرے میگنیٹ کا جنوبی کنارہ بائیں آنکھ پر ایک ساتھ لگانا بھی مفید ہے اسلئے اگر اس عمل کو برابر کچھ روز کیا جائے تو آنکھوں کی بیماریاں بہت جلد دور ہو جاتی ہیں۔

دانت کا درد

دانت کے درد کی وجوہات مختلف ہیں مگر عام طور پر جب مسوڑوں میں خون کی کمی ہو جاتی ہے تو مسوڑے سکڑنے لگتے ہیں اور دانت کی جڑوں کی رگیں کمزور پڑنے لگتی ہیں۔ ایسی حالت میں دانت کا درد پریشان کرنے لگتا ہے۔ دانت ہلنے لگتے ہیں۔ ایسی حالت میں مقناطیس کا شمالی کنارہ اوپر ہی سے درد کرتے ہوئے دانت پر لگایا جائے تو کچھ ہی دیر بعد آرام آ جاتا ہے۔ کبھی کبھی یہ عمل ایک گھنٹہ تک بھی کرنا پڑتا ہے۔ مگر دو یا تین اور متواتر ۲۰ سے ۳۰ منٹ تک صبح و شام لگانے سے آرام آنا لازمی ہے۔ زیادہ عرصہ تک لگانے سے ہلتے ہوئے دانت بھی جم جاتے ہیں۔

کچھ ایسے بھی دانت کے درد کے کیس ملے ہیں جہاں شمالی کنارہ سے درد کو آرام نہیں ملا۔ مگر جنوبی کنارہ لگاتے ہی ۱۰ منٹ میں ہی سکون محسوس ہونے لگا۔ جہاں دانت میں کیڑا نہیں پڑا ہے اور جرم کا اثر نہیں ہے وہاں جنوبی کنارہ ہی مفید ہوگا۔ بہرحال مقناطیس میں دو ہی کنارے ہیں۔ شمال اور جنوب۔ اگر ایک کنارے سے آرام نہیں ملا تو دوسرے سے ضرور آرام مل جائے گا۔

دماغی امراض

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ دماغ جسم کا کنٹرول ٹاور ہے اور اگر کنٹرول ٹاور میں ہی خرابی پیدا ہو جائے تو لاعلاج امراض کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دماغی کمزوری ہر ایسے امراض کی شروعات کہی جا سکتی ہے جو بعد میں لاعلاج مرض کہلاتا ہے مثلاً مرگی یا پاگل پن۔ جب دماغ کی بجلی بنانے کی قوت کم ہو جاتی ہے یعنی موٹر پاور کم ہو جاتی ہے تو یہ امراض زور پکڑ لیتے ہیں۔ اس لیے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اس موٹر پاور کو بحال کیا جائے۔ اور دماغی سیل کو چارج کیا جائے۔

دماغی کمزوری کے لیے سب سے بہتر طریقہ ہے مقناطیس کے شمالی کنارہ کا پیشانی پر دونوں آنکھوں کے درمیان استعمال کرنا۔ تقریباً ... اگاس کا مقناطیس لے کر اس کا شمالی کنارہ سوتے وقت ہر روز رات کو پیشانی پر ۵ سے ۱۰ منٹ تک رکھا جائے۔ احتیاط لازمی ہے کہ سر میں چکر نہ آئیں اور دل کی دھڑکن تیز نہ ہونے پائے۔ اگر ایسا محسوس ہو تو مقناطیس کو اسی وقت ہٹا لینا چاہیے۔ اس عمل کو متواتر ۱۵ یا ۲۰ روز کرنے سے دماغی قوتوں میں

تبدیلی نمایاں ہونے لگے گی۔ دو ماہ کے برابر استعمال سے ذہنی کمزوری دور ہو جائے گی۔ اور دماغ بہتر کام کرنے لگے گا۔ پڑھنے والے بچوں کے لیے یہ طریقہ بہت فائدہ مند ہے۔

کچھ بچوں کے کیس میں مقناطیس کو اس طرح تکیہ کے نیچے رکھا گیا کہ مقناطیس کا جنوبی کنارہ اوپر رہے۔ اس سے بھی بہت فوائد حاصل ہوئے ہیں۔ اس طریقہ میں یہ احتیاط لازمی ہے کہ اگر مریض کو نیند میں بے چینی رہے یا نیند نہ حاصل ہو تو مقناطیس کو تکیہ کے نیچے سے نکال لینا چاہئے۔ ایسے مریض کے لیے پیشانی پر شمالی کنارے کا استعمال ہی مفید رہے گا۔

مرگی اور پاگل پن کے مریضوں کے لیے مقناطیس کے شمالی کنارے کا استعمال برابر صبح اور رات کو کرنا چاہئے۔ ہر روز ناشتے سے پہلے اور رات کو سوتے وقت ۱۰ سے ۱۵ منٹ تک مقناطیس کا شمالی کنارہ پیشانی پر رکھا جائے۔ نیز اس مرض میں مریض کو قبض کی شکایت نہیں ہونی چاہئے۔ اسلئے دن میں تین بار آدھا آدھا گلاس مقناطیس کا پانی پلانا ضروری ہے۔ اس پانی کو تیار کرنے کا طریقہ ہے کہ میز پر ایک مقناطیس اس طرح رکھا جائے کہ اس کا جنوبی کنارہ اوپر رہے۔ اس پر پانی سے بھری بوتل یا گلاس رکھ دیا جائے۔ دو گھنٹہ میں ہی یہ پانی تیار ہو جائے گا جو مقناطیسی اثرات اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ یہ پانی پیٹ کے مختلف امراض کے لیے نہایت مفید ثابت ہوا ہے۔ اگر تندرست انسان اس کا استعمال دن میں صرف ایک بار روزانہ کرتا رہے تو شاید ہی اس کو کسی مہلک مرض کا مقابلہ کرنے کا موقع ملے۔

دیوانگی عموماً کسی روحانی صدمہ کی وجہ سے ہوتی ہے یکایک کوئی ازحد بُری خبر سننے کی وجہ سے دماغ کے سیل تیزی سے اپنا کام کرتے ہیں اور جلد ہی اپنی پوری قوت ضائع کر کے کام کرنا بند کر دیتے ہیں۔ نیند غائب ہو جاتی ہے اور ازحد غصہ آتا ہے۔ کیونکہ کنٹرول ٹاور خراب ہو جاتا ہے۔ اس لیے کوئی بھی جسم کا حصہ کنٹرول میں نہیں رہتا۔ مقناطیس کے کافی عرصہ کے استعمال سے دیوانگی کم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اس طرح اس موذی مرض سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے۔

کان کا درد

اس درد کی وجوہات کان کی پھنسی یا خون کے دوران کی کمی ہے۔ دونوں حالتوں میں کسی لمبے مقناطیس کے شمالی کنارے کو کان کے اندر صبح و شام ۱۰ سے ۱۵ منٹ تک رکھنے سے درد تو فوراً کافور ہو ہی جاتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ مرض بھی غائب ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے کان میں درد ہوا تھا۔ اس طریقہ سے اونچا سننے والے کان بھی قوت حاصل کر سکتے ہیں۔

(پٹنہ سے نشر)

خط و کتابت کرتے وقت اپنا
پتہ صاف و خوشخط
تحریر کیجئے۔

نیا افسانوی ادب

م - ح - امام

افسانہ ایک حقیقت پسند منفرد نثری صنفِ ادب ہے۔ یہ کئی لحاظ سے ناول کی ضد ہے۔ اختصار اس کا وصفِ خاص ہے۔ یہ بیکراں زندگی کے کسی ایک رُخ کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ اس پُرآشوب دَور میں مصروف ترین لوگوں کے لیے بہترین ذہنی غذا ہے۔ اس کا مقصد کتابوں اور رسالوں کے اوراق پر بکھرے ہوئے ٹیڑھے میڑھے حروف سے دلچسپی رکھنے والوں کو کیف و نشاط سے ہمکنار کرنا نیز انھیں زندگی کے ٹوٹنے اور بکھرنے کے عمل کے اسباب سے باخبر کرتے ہوئے انھیں خوابِ غفلت سے جگانا ہے۔

ادب محض اظہارِ واقعہ نہیں بلکہ یہ کسی واقعہ سے متعلق احساسات کی لطیف تنویر ہے۔ یہ لطیف تنویریں افسانوی ادب میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔

اردو افسانہ حیدر بخش حیدری، مظہر علی ولا، کاظم علی جوان، شیر علی افسوس، میر امن وغیرہ کے دور میں بطن مادر میں تھا۔ اس نے بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں پریم چند اور سجاد حیدر یلدرم کی گود میں آنکھیں کھولیں۔ یہاں حقیقت و رومان کے زیرِ سایہ اس کی ہمک دلآویز ہے۔ پھر یہ ہوش گوش کی باتیں کرتا ہے۔ حالات سے اثر لیتا ہے۔ وطن عزیز کی زبوں حالی پر خون کے آنسو بہاتا ہے۔ طوقِ غلامی سے نجات کی کامیاب کوششیں کرتا ہے اور انجام کار ۱۹۴۷ء میں یہ آزادی کی رنگینیوں اور سنگینیوں سے دوچار ہوتا ہے۔ خیالات میں وسعت آتی ہے۔ فن پر گرفت سخت ہوتی ہے۔ اچھے بُرے بیشمار افسانے لکھے جاتے ہیں۔ علی عباس حسینی، کرشن چندر، بیدی، منٹو، اختر اورینوی، عصمت چغتائی، خواجہ احمد عباس، حیات اللہ انصاری، سدرشن، سہیل عظیم آبادی، شکیلہ اختر وغیرہ کے زیرِ اثر یہ بیدار مغز اور پختہ کار بنتا ہے۔

۱۹۶۰ء سے اردو افسانہ ایک نئی انگڑائی لیتا ہے۔ اس میں ہم ایک نیا عزم و آہنگ دیکھتے ہیں۔ یہاں روایت سے بغاوت کا احساس بھی ابھرتا ہے۔ افسانوی محل تجریدی اور تخلیقی استعاروں کے روشن قمقموں سے سجایا جاتا ہے۔ منہ کا مزہ بدلتا ہے۔ آنکھوں کو نئی روشنی ملتی ہے افسانوں میں داخلی کوائف کی مؤثر ترجمانی سے دل خوش ہوتا ہے۔ اس طرح نئے افسانوی ادب کی داغ بیل پڑتی ہے۔ یہیں سے اردو افسانوں میں لاشعوری سچائیوں کا سُراغ بھی ملتا ہے ادب کی کامیاب تفہیم، تجسیم اور تنویر کی اچھی مثالیں ملتی ہیں۔ بلاشبہ انتظار حسین، قرۃ العین حیدر، بلراج کومل، مین را، ظفر اوگانوی، غیاث احمد گدی، کمار پاشی، جوگندر پال، احمد یوسف، شفیع جاوید، شمیم صادقہ، شوکت حیات، م۔ ق۔ خان، رضوان احمد، حسین الحق وغیرہ سے نئے افسانوی ادب کو معنی کی تہہ داری ملی ہے۔ معنی کی یہ تہہ داری اسوقت تک قائم رہتی ہے جب تک ان کی علامتیں چیستاں نہیں بنتیں۔ نئے افسانوں کا المیہ یہ ہے کہ ان کی علامتیں بیشتر چیستاں ہی معلوم ہوتی ہیں۔ اگر آپ ایسے افسانوں کے خالقوں سے اس سلسلے میں کچھ دریافت کریں تو وہ ایک عجیب شانِ بے نیازی سے فرمائیں گے ـــــ "بھئی، ہم اپنی خوشی اور تسکین کے لیے لکھتے ہیں، آپ کے لیے نہیں۔" سنا آپ نے؟

یعنی انھیں قاری کی ضرورت نہیں۔ ذرا ان سے پوچھئے کہ واقعی اگر تم اپنے قول میں سچ ہو تو پھر چھپنے کے لیے اسقدر بیقرار کیوں رہتے ہو؟ کیوں خواہ مخواہ "شامِ افسانہ" کا اہتمام کرتے ہو؟ کیوں ڈاکٹر مغنی کے اس ریمارک پر ناک بھوں چڑھاتے ہو کہ اس قسم کی تحریر ایک پرائیویٹ ڈائری ہے جو ناگفتنی ہے اور ایسے روزنامچہ کو اپنی موت سے پہلے ہی ضائع کر دینا چاہئے۔

علامت یا استعارہ چیستاں نہیں۔ اسے صحیح ڈھنگ سے برتنے کا گُر ایسے افسانہ نگاروں کو مُلا وجہی، محمد حسین آزاد، اور غالب سے سیکھنا چاہئے، مغرب کے ادھ کچرے افسانہ نگاروں سے نہیں۔ "ہر چمکتی ہوئی چیز سونا نہیں ہوتی"۔ کھرے اور کھوٹے کی پرکھ لازمی ہے۔ مغرب کا ہر علامتی افسانہ نگار اپنی تخلیق میں حرفِ آخر نہیں۔ خواہ مخواہ انگریزی، امریکی اور فرانسیسی رنگ و آہنگ کی پیروی کم نظری اور احساسِ کمتری کی دلیل ہے۔ "کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی" والا انداز نیا افسانوی ادب کے حق میں سمِ قاتل ہے۔ اندھی تقلید کی عادت اچھی نہیں۔ دریں صورت اظہار و ترسیل کے چراغ کی لَو کبھی تیز نہ ہو گی اور نتیجے میں ایسی

ہر افسانوی تحریر غیر معیاری، ناقص اور مذموم ہوگی۔

نیا افسانوی ادب محتاط روی کا طالب ہے۔ ۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۵ء تک کے نئے افسانوں کا جائزہ لیجئے تو یہ حقیقت روشن ہوگی کہ ان کے خالق اپنے حال اور اپنی کھال میں مست ہیں۔ یہ اپنے سامنے کسی کو کچھ سمجھتے ہی نہیں۔ خواہ ان کی تخلیق مجذوب کی بڑ کیوں نہ ہو۔ انھیں ماضی سے بیر ہے۔ ہم چنیں دیگرے نیست ان کا شیوہ ہے۔ ہاں، مگر یہ افسانہ نگار اپنی کہانیوں کے لیے عنوانات خوب خوب چنتے ہیں۔ مثلاً الف لام میم، وقنا عذاب النار وغیرہ وغیرہ۔ آپ ایسے افسانوں کو الف سے 'ی' تک پڑھیں یا نہ پڑھیں، ان کی طرف مائل تو ہونا ہی پڑے گا۔ یہ مٹی کا ڈھیر سہی مگر یہاں ٹھٹھکنا ضرور ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان افسانوں میں کہانی پن کی کمی آپ کو پورا افسانہ نہ پڑھنے دے اور آپ ایک نئے ذہنی کرب میں مبتلا ہو جائیں۔

نیا افسانوی ادب اینٹی پلاٹ کہانیوں کا جنم داتا ہے جبکہ افسانے کا تصور قصہ یا کہانی کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ محض تاثرات کی چھینٹ کا نام افسانہ نہیں۔ اینٹی پلاٹ کہانیوں کے واقعات میں عضویاتی ترتیب و تکمیل کی کمی بے طرح کھٹکتی ہے۔ اِن میں ابتداء، وسط اور انتہا نام کی کوئی چیز نہیں۔ ان میں ذات کا کرب کی نمائش قابلِ دید ہے۔ اس کی ترسیل کا ذریعہ پیچیدہ بیانی ہے۔ قاری اس اندازِ بیان سے بیزار ہے وہ خوب سمجھتا ہے کہ یہاں انتشار ہی انتشار ہے۔ یہ افسانے افسانہ کم اور انشائیہ زیادہ ہیں۔

بہر کیف یہ بات خوش آئند ہے کہ ۱۹۷۵ء کے بعد نیا افسانوی ادب پھر ماضی کی تابندہ لکیروں کی طرف مائل ہے۔ اس میں نئی اور پرانی قدروں کا صحت مند امتزاج، حوصلہ افزا ہے۔ اعتدال پسندی کی جھلک ایک روشن مستقبل کی بشارت ہے۔ شاید اب یہ احساس اجاگر ہوا ہے کہ افسانہ برٹرنیڈ رسل کی فلسفہ طرازی یا آئنسٹائن کی Theory of Relativity نہیں کہ قاری ان پر گھنٹوں غور و خوض کرے۔ اس کا مقصد کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ ذہنی مسرت فراہم کرنا ہے۔ جدید افسانہ ترسیل کی خامکاری کے سبب یہ ذہنی مسرت بخشنے سے معذور ہے۔

مختصر یہ کہ نیا افسانوی ادب اپنے روشن مستقبل کے تحفظ کی خاطر ابہام، پراگندگی، اور کج فہمی کے حصار سے باہر نکلے۔ ماضی سے منہ نہ موڑے، حال پر گہری نظر رکھے۔ نیم حکیم کی ٹکیہ نہ بنے۔ بنیادی اقدار کی حفاظت کرے، ماجرہ کے در و بست کا بغایت خیال رکھے، وحدتِ تاثر کا خون نہ کرے، خود ستائیت سے بچے اور کسی ازم کا ڈھنڈورچی نہ ہے۔ اندازِ نظر مثبت ہو اور اندازِ پیش کش واضح، متین اور روشن۔

(پٹنہ سے نشر)

م۔ ح۔ امام
شعبۂ اردو، مرزا غالب کالج۔ گیا

کرشمہ ساز

شین مظفر پوری

میری نگاہ رہ رہ کر گھڑی پر جا رہی تھی۔ اس دن مجھے ریڈیو کے لیے ایک انشائیہ لکھنا تھا اور دوسرے ہی دن پڑھنا تھا۔ مضمون گرفت میں نہیں آ رہا تھا۔ قلم سنبھالا ہی تھا کہ ایک صاحب آ دھمکے۔ کوئی نئے آدمی تھے۔ میں بھنّا گیا۔ میں ان کو ٹرخانا چاہتا ہی تھا کہ "السلام علیکم" کا لڈو پھینک کر انھوں نے میرا منہ بند کر دیا۔ اور میرے "وعلیکم السّلام" سے پہلے ہی ان کا ایک قدم اندر پڑ چکا تھا۔ کہنے لگے۔

"معاف کیجیۓ گا، میں شاید کام میں مخل ہوا۔ مگر میں بہت دور سے آیا ہوں۔ ایک ضروری بات ہے۔"

ظاہر ہے، مجھے قلم رکھ دینا پڑا۔ مجھے شک گزرا کہ یہ صاحب ضرور کچھ بیگار کرانے آئے ہوں گے۔ میں نے بڑی عجلت سے بیزاری کے لہجے میں پوچھا "فرمائیے میرے لائق کوئی خدمت؟"

میں نے احتیاطاً ان کو تشریف رکھنے کو بھی نہیں کہا مگر وہ جھجکتے جھجکتے سامنے والی کرسی پر خود ہی بیٹھ گئے۔ صورت اور لباس سے بھلے آدمی لگتے تھے۔ مجھ جیسے مریل مسکین آدمی سے بھی مرعوب نظر آ رہے تھے۔ بڑے انکسار سے بولے۔

"خدمت وِدمت کہہ کر مجھے شرمندہ نہ کریں۔ میں آپ کا دیرینہ مداح ہوں۔ آپ کی چیزیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر پڑھتا ہوں۔ آپ کے درجنوں افسانے . . . ."

میں نے فوراً قطع کلام کر دیا "آپ کا بہت بہت شکریہ۔ ذرہ نوازی ہے۔ ورنہ کیا میں اور کیا میرے افسانے میں تو ہنوز طفلِ مکتب ہی ہوں۔"

"یہ تو فنکارانہ انکسار ہے ورنہ . . . ."

اور پھر ان صاحب نے دو چار ایسی وٹامن آمیز تعریفیں کیں کہ میرے جسم میں کئی تولے خون بڑھ گیا۔ اور میرا سرد اخلاق جوش میں آ گیا۔ اور اب میں نے سچ مچ پوچھا۔

"ناچیز تو کسی لائق نہیں پھر بھی کوئی خدمت ہو تو ارشاد فرمائیں۔"

ان کو خاموش دیکھ کر کھٹکا ہوا کہ کچھ گڑبڑ ضرور ہے۔

بات پھر میں نے ہی شروع کی۔

"ارے ہاں، معاف کیجیۓ گا۔ جناب کی تعریف؟"

وہ نہایت عجز سے بولے۔

"خاکسار اشرف علی ہے۔ یہ ننگِ اسلاف پٹنہ سٹی کے آبائی مکان میں ایک لانڈری اور ایک ہیئر کٹنگ سیلون چلاتا ہے۔"

میں نے اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے معانقہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اس گرم جوشانہ التفات پر شاید ان کا بھی ایک تولہ خون بڑھ گیا۔ کہنے لگے۔

"آپ نے مولا بخش نخچیر عظیم آبادی مرحوم کا نام ضرور سنا ہوگا۔ وہ میرے خاص اپنے دادا تھے۔ اور شادؔ عظیم آبادی کے مقرب شاگردوں میں تھے۔"

"جی ہاں جی ہاں۔ سنا کیا ہوگا پڑھا بھی ہے نخچیر عظیم آبادی بڑے پائے کے شاعر تھے۔"

یہ تو میں نے یوں ہی ان کا دل رکھنے کو کہہ دیا تھا ورنہ کسی مولا بخش نخچیر عظیم آبادی مرحوم کے بارے میں میرے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی۔ اشرف علی صاحب نے سہواً یا عمداً بیچ سے اپنے والد ماجد کا نام حذف کر دیا تھا۔ میں نے توجہ دلائی "آپ کے والد صاحب تو ابھی بفضلہٖ . . . ."

"جی نہیں ان کا سایہ بھی اُٹھ چکا ہے۔ رسول بخش نام تھا اور دلگیر تخلص کرتے تھے۔"

"ماشاءاللہ۔ ایں خانہ ہمہ آفتاب است۔ آپ بھی تو کچھ . . . ."

"جی نہیں۔ اسلاف کی روایت کو میں آگے نہیں بڑھا سکا دراصل شاعری مجھ سے بدک گئی۔"

"پھر بھی آبا و اجداد کا کچھ اثر تو ہونا ہی چاہیۓ۔"

اشرف علی صاحب کی باچھیں کھل گئیں اور انھوں نے انکشاف کیا۔

"میں نثر نگار ہو کر رہ گیا۔"

میں نے کہا "چلئے یہ بھی اچھا رہا۔ آپ کو نثر سے

نکل کر سمندر میں آگئے۔ اور آپ تو خاکسار ہی کی برادری کے نکلے نثر میں بھلا کیا لکھتے ہیں ؟"

وہ ہنس کر بولے "یہی تنقید وغیرہ"

یہ سن کر تو میرا خون خشک ہونے لگا کہ نقاد کے رو برو ہونے کا حادثہ گزر گیا ہے۔ مگر کچھ شک بھی گزرا کہ فنکار کو آئے دن کند چھری سے ذبح کرنے والا اور اس کی تخلیقات کی آبرو کی دھجیاں اڑانے والا قصائی کم از کم اسقدر مسکین صورت اور اسقدر نیاز مند نہیں ہو سکتا۔

میں ذرا دب کر اور حیرت سے پوچھا "آپ نقاد ہیں پھر بھی آپ کو مجھ جیسے کوڑا کرکٹ سے یہ عقیدت اور۔۔۔۔"

وہ بیچ ہی میں ذرا جھینپ کر بول پڑے "آپ سمجھے نہیں۔ میں دراصل سماجی اور سیاسی تنقید نگاری کرتا ہوں۔"

اب میری جان میں جان آئی اور میں نے وضاحت چاہی "گویا آپ اخبار میں ایڈیٹوریل وغیرہ لکھتے ہیں"

وہ ذرا سوچ کر بولے "ایڈیٹوریل وغیرہ تو نہیں، ہاں مراسلے اور مضمون وغیرہ لکھ لیتا ہوں۔ پندرہ سال کے سارے تراشے میرے پاس محفوظ ہیں۔

دھیرے دھیرے پردہ اٹھنے لگا تو میں نے محسوس کیا کہ بڑی دلچسپ شخصیت نے غریب خانے کا رُخ کیا ہے۔ میں نے کریدا "آپ کے موضوعات اور مسائل کیا ہوتے ہیں؟"

فرمایا "کچھ خاص موضوع تو نہیں بس یہی حالات حاضرہ فرقہ وارانہ فسادات، اُردو کی زبوں حالی، مسلمانوں کی بے چینی اور پسماندگی، اقلیتی اداروں میں دھاندلی، ملک میں رشوت کی گرم بازاری، میونسپلٹی کی کام چوری، کارپوریشن کی حرام خوری، تلک کی لعنت، جہیز کی وبا وغیرہ وغیرہ۔ اگر کوئی مراسلہ طول پکڑ گیا تو مضمون بن گیا سینکڑوں لکھ چکا ہوں۔

میری سمجھ میں اچھی طرح آگیا کہ اشرف علی ولد رسول بخش دیگر ولد مولا بخش نخچیر کیا چیز ہیں۔ اردو اخبارات میں ان کے قبیلے سے تو میں متعارف تھا ہی البتہ آج اس قبیلے کا ایک جید نمائندہ میرے روبرو تھا۔ میں نے پوچھا۔

"تب تو اخبار والے آپ کے بے حد شکر گزار ہوں گے اور اخباروں کی سیل بھی بڑھ جاتی ہوگی ؟"

اشرف علی صاحب دو رُخی ہنسی ہنسے۔ ویسے تو مجھے معلوم ہی تھا کہ اس قبیل کے مراسلہ نویسوں کی چھٹ بھیا اخباروں میں بھی کیا وقعت ہوتی ہے۔ جیسی روح ویسے فرشتے والا معاملہ ہوتا ہے۔ میں نے پھر کریدا۔

"آپ تو ماشاء اللہ بڑی لگن اور بڑی صلاحیتوں والے قلم کار ہیں۔ کچھ اور بتلائیے۔ کوئی کتاب ؟ کوئی تصنیف ؟"

"کچھ خاص نہیں۔ بک سیلروں کی فرمائش پر چند کتابیں لکھی ہیں۔" وہ دانشورانہ ادا سے بولے۔

"مثلاً کیا کیا ؟"

کہنے لگے "اردو کا نیا قاعدہ۔ بہار کے بڑے لوگ۔ اچھی عادت سیکھو۔ پڑھو اور آگے بڑھو۔ کلید فارسی حصہ اوّل۔ حکایاتِ سعدی اردو۔ بیربل و ملا دو پیازہ کا مناظرہ، نیا قاعدہ بغدادی، رنگین لطائف، عجائبات دنیا وغیرہ۔ چند کتابیں اور ہی ہیں۔ یہ سب کتابیں مارکیٹ میں چل رہی ہیں۔"

اشرف علی صاحب کی فہرست پر میں دنگ رہ گیا۔ پوچھا "یہ عجائبات دنیا، کیا فسانۂ عجائب کا شرح نامہ وغیرہ ہے؟"

"نہیں۔ یہ دنیا کی عجوبہ چیزوں کے بارے میں چوبیس صفحوں کی باتصویر کتاب ہے۔"

"کیا اس میں آپ کی تصویر بھی ہے ؟" میں فوراً سنبھلا "میرا مطلب ہے کیا کسی کتاب میں آپ کی تصویر بھی ہے ؟"

بولے "کسی پبلشر کو تو کبھی توفیق نہ ہوئی۔ ایک کتاب کے لیے خود بلاک بنوا کر دیا تھا مگر پریس والے نے غارت کر دیا۔ پورے چہرے کی تصویر میں بس چشمہ ہی سمجھ میں آتا ہے"۔

پھر اچانک جیسے اشرف علی صاحب کو کچھ یاد آگیا تو فرمایا "کبھی کبھی ریڈیو پر بھی آپ نے خاکسار کو سُنا ہوگا"

"کیوں نہیں کیوں نہیں۔ ریڈیو والے بھی تو بڑے جوہر شناس لوگ ہیں۔"

ذرا دیر کے وقفہ سے اشرف صاحب بولے "وہ ضروری بات تو رہ ہی گئی۔"

"ہاں ہاں فرمائیے"۔ میں ذرا چوکنا ہوا کہ الٰہی خیر۔ شجرۂ نسب سے لے کر ادبی کارگزاریوں تک سب کچھ تو ہو ہی چکا، اب کیا باقی رہ گیا تھا۔

ذرا جھجک کر بولے "آپ کو ایک زحمت دینے آیا ہوں۔ مگر ہمت نہیں پڑتی زبان کھولنے کی"

"مجھ سے تو گھر کا چوہا تک نہیں ڈرتا۔ بھلا آپ کیا ہچکچاہٹ۔ آپ تو ادیب اور صحافی ٹھہرے۔"

"لیکن میں افسانہ نگار اور ناول نویس تو نہیں۔"

"بھئی افسانہ نگاری کے کون سے سرخاب کے پر لگے ہوتے ہیں۔ ایک ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں۔ آپ بات تو بتائیے۔"

"بات یہ ہے — بات یوں ہے — میرا مطلب ہے"

"جھجکئے نہیں۔ فرمائیے کیا بات ہے"

میرے حوصلہ بڑھانے پر وہ بے دھڑک بول پڑے "آپ ایک ناول لکھ دیجئے۔ میری لائف اسٹوری۔ میرے نام سے میں بھی اپنی بساط بھر آپ کے لیے کچھ کر دوں گا"

میں سکتے میں آگیا اور ٹکر ٹکر ان حضرت کی صورت دیکھنے لگا۔ واقعی جرأت اور صاف گوئی اس کو کہتے ہیں۔ میرے دم بخود رہ جانے کو انھوں نے نیم رضا کا سگنل سمجھا۔ کہنے لگے "کسی دن موقعہ دیجئے تو میں آپ کو اپنی داستان حیات کھل کر سنا دوں۔ اس پر تو فرسٹ کلاس فلم بھی بن سکتی ہے"

میں نے تقریباً گڑگڑا کر کہا "اشرف علی صاحب میں خود اپنی سادہ اور سپاٹ زندگی پر مبنی کہانی تک تو لکھ نہ پایا بھلا آپ کی زنگار رنگ پیچدار زندگی پر ناول کا پروجیکٹ کیسے چلا پاؤں گا۔ للہ ایسی باتوں سے مجھے مزید شرمندہ نہ کریں۔"

لیکن وہ میرے عاجزانہ انکار سے مایوس نہیں ہوئے۔ چلتے چلاتے بھی مجھے یوں وحشت زدہ کر گئے "آج تو خیر جم کر بات نہ ہو سکی کسی فرصت کے دن پھر حاضری ہوگی۔

خدا خدا کر کے جان تو چھٹی مگر یہ عجوبۂ روزگار شخصیت تو تین ماہ تک میرے تعاقب میں رہی۔ جب کسی طور میں نے حامی نہیں بھری تو وہ پسپائی اختیار کر کے انڈر گراونڈ ہو گئے۔ مگر مولا بخش نخچیر کے پوتے اشرف علی نے مجھے ایک ریسرچ کے چکر میں ضرور ڈال دیا تھا۔ شہر میں "باقیات الصالحات" کے طور پر شاد عظیم آبادی کے ایک ثقہ شاگرد ہنوز موجود ہیں۔ ان سے رجوع کیا تو انھوں نے نشاندہی کی کہ شاد کے خانساماں کا نام مولا بخش تھا۔ تیز اور زندہ دل آدمی تھا۔ ماحول اور صحبت کے فیض سے ٹوٹی پھوٹی تک بندی کر لیا کرتا تھا۔ یاروں نے اس کا تخلص کفگیر رکھ دیا تھا۔ شاد کی تو ڈیوڑھی کے کوڑے کچرے سے بھی دس بیس ردّی اشعار کے پُرزے نکل آتے ہوں گے۔ ممکن ہے انہیں برکتوں کے طفیل وہ خانساماں چپکے چپکے اپنی بیاض بھی چالو کیے رہا ہو۔ اور پھر بعد میں نیرنگیٔ زمانہ نے اس کو کفگیر سے نخچیر بنا دیا ہو۔ مگر بہار کی تاریخ شاعری اس نام کی گواہی دینے سے قاصر ہے۔

دھیرے دھیرے اشرف علی صاحب معہ آبا و اجداد میرے ذہن سے محو ہو گئے۔ مگر تین سال بعد کل شام کو غریب خانے پر اشرف علی صاحب نے اچانک ایک دھماکہ کیا۔ ایک بڑا سا پیکٹ میز پر رکھتے ہوئے فرمایا "یہ رہی تین تین خوشخبریوں کی مٹھائی۔

ان کو اسقدر ہشاش بشاش اور اس طرح چہکتے دیکھ کر میں بھونچکا سا رہ گیا۔ قبل ازیں کہ میری زبان کو حرکت ہو وہ خود ہی خوش خبریوں کی گنتی کرنے لگے۔ "نمبر ایک: مجھے ادبی خدمات کا مشہور ایوارڈ ملا ہے۔ نمبر دو: میری نگارشات کے مجموعہ 'بکھرے موتی' نے اوّل انعام پایا ہے۔ نمبر تین: میرے دادا جان مولا بخش نخچیر عظیم آبادی مرحوم کے نادر دیوان کو چھاپنے کے لیے آٹھ ہزار کا گرانٹ منظور ہوا ہے۔"

تین سال بعد اشرف علی صاحب نے کرشمہ دکھا کر ایکبار پھر مجھے سکتے میں ڈال دیا۔ میں دل ہی دل میں "ادارہ ادب سوز ادب ساز" کی فیاضانہ کرامات کا قائل ہوتا رہا اور خوش نصیب اشرف علی صاحب میرے منہ پر مٹھائی کا پیکٹ مار کر چل دیئے۔

(پٹنہ سے نشر)

شین مظفر پوری
مراد پور۔ پٹنہ۔ ۴ ۸۰۰۰۰

حاطر حافظی

رفتہ رفتہ روشنی کا یہ سفر جاری ہوا
میرے لب کو کھولتے ہی بے خبر جاری ہوا
ذہن پر اک بارش نوازش ہونے لگی
خود بخود اٹھا قلم عرض ہنر جاری ہوا
نرم و نازک پتیاں اشجار کی گرنے لگیں
موسموں کے دائرے میں ڈٹ کر جاری ہوا
ہم خرد کے راستے منزل تلک پہونچے مگر
بے خودی کا سلسلہ تو رات بھر جاری ہوا
پھر غزل کہنے کی دُھن ماحول پر طاری ہوئی
صفحۂ قرطاس پر وہ نام ور جاری ہوا

میں نے جب لکھنا سیکھا

ملک راج صراف

میرا جنم گزشتہ صدی کی آخری دہائی کے وسط میں صوبہ جموں میں میدان جنگ میں دادِ شجاعت پانے والے سپاہیوں کے مشہور وطن سانبہ میں ایک خوشحال گھرانے میں ہوا تھا لیکن حالات کچھ ایسے پلٹے کہ ابھی میں مقامی پرائمری سکول میں داخل نہیں ہوا تھا کہ والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور ہم دو بھائی بے یار و مددگار نان شبینہ تک کے لیے محتاج ہو گئے۔ اسی عالم کسمپرسی میں ہی میری عمر گیارہ سال ہو گئی۔ دن رات کسی دکان یا مکان پر کوئی معمولی سا دھندہ کر کے شکم پری کرتا اور بس۔ بالآخر اچانک ایک خوشگوار صبح کو میرے قدم اسکول کی جانب اُٹھنے لگے اور میں نے بھوک اور ننگ کا سامنا کرتے ہوئے بھی تعلیم حاصل کرنے کی ٹھان لی۔

کمسن ہم جماعتوں کے مقابلے میں عمر میں کہیں بڑا ہونے اور عادتاً محنت کے ساتھ پڑھائی کرنے کے کارن میں نے جلد ہی سبھی استادوں اور طلبہ کے دلوں میں ایک خاص مقام حاصل کر لیا۔ میں ان کا جتنا پُر خلوص احترام کرتا، وہ مجھے اتنی ہی شفقت اور محبت سے نوازتے۔ بارہا مختلف استادوں اور دوسرے مقامی بزرگوں کا من بھر سودا سلف کندھوں پر لادے ہوئے سانبہ اور راجدھانی جموں کے درمیان پچیس میل کا فاصلہ پا پیادہ طے کرتے ہوئے میں ایسا سکون قلب محسوس کرتا کہ کچھ مت پوچھئے۔ اس سازگار اور حوصلہ افزا ماحول میں وقت گزرتے دیر نہیں لگتی۔ انہی ایام میں لاہور سے چھپنے والے اخبار 'عام' اور 'راجپوت گزٹ' کے چند پرچے بعض سانبہ نواسیوں کے ہاں آتے تھے جن کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر پڑھنے میں بڑا مزہ آنے لگا۔ فوجیوں کی دھرتی میں قدرت گویا مجھے قلم کا دھنی بنانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ طفل مکتب کے دل میں اخبار بینی کا شوق جنون کی حد تک پہنچ گیا۔ اسی جنون نے مجھے انجام کار اخبار نویسی کی شاہراہ پر ڈال دیا۔

۱۹۱۵ء میں اکیس برس کی عمر میں میٹرک پاس کرنے کے بعد پرنس آف ویلز کالج جموں میں داخل ہو گیا۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ اسی سال میرا پہلا مضمون کشمیری میگزین میں چھپا تھا۔ یہ ہفت روزہ اخبار مشہور مورخ منشی محمد الدین فوق کی ادارت میں لاہور سے شائع ہوتا تھا جن سے بعد میں انتہائی قریبی معاصرانہ تعلقات بھی قائم ہوئے۔ اسی اثنا میں کالج میگزین 'توی' میں بھی قلم آزمائی کے مواقع فراہم ہونے لگے۔ گویا میری خامہ فرسائی کا آغاز آج سے ستر برس پہلے ہو چکا تھا، تاہم ابھی اس کی مخصوص سمت متعین نہیں ہوئی تھی اور اس کے بعد اس کی نوک پلک کو بھی تو سنوارنا تھا۔

۱۹۱۹ء میں پرنس آف ویلز کالج جموں سے بی اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد خلاف طبع لیکن بڑے بھائی کی خواہش کے احترام میں، میں لاء کالج لاہور میں داخل ہو گیا۔ اسی سال ماہ اپریل کی تیرہ تاریخ کو یعنی بیساکھی کے روز جلیانوالہ باغ امرتسر میں انگریز جنرل ڈائر نے ان گنت نہتے ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی دیش بھگتوں کو اندھا دھند فائرنگ میں بھون ڈالا تھا جس سے ملک بھر میں برطانوی سامراج کے خلاف زبردست ہیجان پیدا ہو چکا تھا۔ آج کی طرح اسوقت بھی پنجاب کا تذکرہ زبان زدِ عام تھا، البتہ ایک بنیادی فرق کے ساتھ، آج پنجاب قومی یک جہتی کے واسطے خطرے کی گھنٹی بن رہا ہے۔ اسوقت بھی پنجاب میں لہو بہہ رہا تھا مگر پورے دیش کو آپسی بھائی چارے کے ایک رنگ میں رنگنے کے لیے۔ لاہور تو دیش بھگتوں کا مسکن بن گیا تھا۔ اسی سال امرتسر میں انڈین نیشنل کانگریس کا تاریخی اجلاس منعقد ہوا، جس میں بے شمار نوجوانوں کی طرح، میں بھی شامل ہوا۔ گاندھی جی کے علاوہ بہت سے دوسرے قومی رہنماؤں کے خیالات سن کر ایسے محسوس ہوا کہ بدیسی راج سے نجات حاصل کرنا ہی زندگی کا حقیقی مقصد ہے۔ اسی دوران گاندھی جی نے سرکاری تعلیمی اداروں کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔ قانون کی تعلیم میں جی پہلے ہی نہیں لگتا تھا، میں نے بھی لاء کالج کو چھوڑ دیا۔ انہی دنوں شیر پنجاب لالہ لاجپت رائے امریکہ سے واپس لاہور پہنچ گئے تھے۔ آپ ایک جادو بیان مقرر تھے اور تلوار سے بڑھ کر قلم سے کام لینے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ بعد میں کانگریس کے صدر بھی رہے۔ جو فخر آج تک کسی دوسرے پنجابی کو حاصل نہیں ہوا ہے لالہ جی نے لاہور سے مشہور اردو روزنامہ 'بندے ماترم' جاری کیا، خوش قسمتی سے مجھے بھی ان کے اسٹاف میں سب ایڈیٹر کے طور پر ملازمت مل گئی، اس طرح باقاعدہ اخبار نویس کے طور پر میری زندگی کی ابتدا ۱۹۲۰ء سے شروع ہوتی ہے اور میں اسے اپنی انتہائی خوش نصیبی پر محمول کرتا ہوں کہ میں نے جنگِ آزادی کے ایک تاریخی موڑ پر لالہ لاجپت رائے ایسی تاریخ ساز شخصیت کے قدموں میں زانوے ادب طے کر کے صحافت کے پہلے سبق سیکھے۔

مسلسل جد و جہد اور لگاتار ریاضت کا جذبہ خدا نے میرے خمیر میں گوندھا ہے۔ 'بندے ماترم' میں کام کرتے ہوئے مجھے بار بار اپنی ریاست سے پہلا اخبار جاری کرنے کا خیال آنے لگا، اور آخر ایک روز لاہور کو چھوڑ کر جموں چلا آیا۔ جہاں تین سال سے زائد عرصہ تک طویل اور کٹھن جد و جہد کے بعد ۱۹۲۴ء میں جموں و کشمیر کا اولین اخبار 'رنبیر' جاری کرنے میں کامیاب ہو۔ ریاست میں سیاسی و سماجی بیداری لانے میں 'رنبیر' نے جو بھرپور حصہ ادا کیا ہے اور اس کی پاداش میں اسے اور مجھے جس طرح کئی بار شاہی عتاب اور بعض اوقات غلط کار رہنماؤں کے غیظ و غضب کا تختۂ مشق بننا پڑا۔ وہ ایک الگ داستان ہے۔ مجھے اطمینان ہے تو یہ کہ قید و بند، جلاوطنی اور دیگر سختیوں میں بھی میرے پاؤں ڈگمگائے نہیں اور اگر حصول آزادی کے بعد مجھے پدم شری ایسے انعامات و اعزازات سے نوازا گیا تو بھی اللہ کے فضل سے اپنے جامے میں ہی سمایا رہا۔

میں اوپر ذکر کر چکا ہوں کہ بچپن میں مجھے کن حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ غالباً اسی پس منظر کے باعث مجھے بچوں سے ہمیشہ گہرا اُنس رہا ہے۔ چنانچہ اسی جذبہ کے زیر اثر میں نے ۱۹۲۴ء میں جموں سے بچوں کے لیے اردو ماہنامہ "رتن" جاری کیا جو تقسیم وطن تک جاری رہا۔ "رتن" کا شمار دنیا بھر کے بچوں کے بہترین رسائل میں ہوتا تھا۔ 'رنبیر' اور 'رتن' میں جہاں اردو دنیا کے بلند پایہ ادباء و شعراء کی تخلیقات شائع ہوئی تھیں، وہاں ان کی بدولت نئے لکھنے والوں کی ایک خاصی تعداد معرضِ وجود میں آئی۔ اور نئی نئی کتابوں کی اشاعت کے لیے میں نے راج محل پبلشرز کے نام سے ایک ادارہ بھی قائم کیا۔ اس ادارہ نے اثر لکھنوی کا گیتا کا منظوم اردو ترجمہ 'نغمۂ جاوید'، پریم ناتھ پردیسی کا پہلا افسانوی مجموعہ 'ہماری دنیا'، محمد عمر (نور الٰہی) کا 'پنجم مدھم' اور بچوں کے لیے راجہ مہدی علی خاں اور کندن لال کی کئی کتابیں شائع کی ہیں۔ پاکستان کی یاترا کے نام سے میں نے اپنا ایک سفرنامہ بھی شائع کیا ہے۔ جسے ۱۹۸۱ء میں اردو کی بہترین کتاب کے طور پر کلچرل اکیڈمی کے انعام کا مستحق قرار دیا گیا تھا۔ حال ہی میں، میں نے 'نقوشِ رنبیر' کے نام سے ایک تاریخی کتاب شائع کی ہے جس میں ایک سو تیئیس ایسے معروف و

غیر معروف شعرا کا منتخب کلام دیا گیا ہے جو ۱۹۲۴ء سے لے کر ۱۹۶۲ء تک زنبیر میں چھپتا رہا ہے اور جس کی ایک اپنی مخصوص اہمیت ہے۔

ایک اخبار نویس اور ادیب کے طور پر سماجی اتھل پتھل سیاسی اتار چڑھاؤ اور مختلف شخصیات کو نزدیک سے دیکھنے اور سننے کی لگن نے میری زندگی کو صحیح معنوں میں ناقابل فراموش یادوں سے مالا مال کر دیا ہے۔ اسی لگن میں امریکہ، روس، چین اور کئی ملکوں کی سیاحت کر چکا ہوں اور ان دوروں کے تاثرات کو قلمبند کر چکا ہوں۔ میں نے زار روس، ہٹلر اور مسولینی کے ساتھ ساتھ برطانوی راج کے کبھی نہ ڈوبنے والے سورج کو صفحہ ہستی سے مٹتے دیکھا ہے۔ گاندھی، لینن، روزویلٹ، چرچل اور ماؤزے تنگ کے عروج کو دیکھا ہے۔ دیسی حکمرانوں کے عبرتناک زوال کو دیکھا ہے اور ابھی کون جانے کیا کیا دیکھنا باقی ہے۔ میری مقدور بھر کوشش رہی ہے کہ دیانتداری سے کسی خوف یا رو رعایت کے بعینہ اپنے مشاہدات اپنے قارئین تک پہنچاتا رہوں۔ آج مجھے یہ اعتراف کرتے ہوئے خوشی محسوس ہوتی ہے کہ جہاں کئی اہل قلم اپنے فرائض منصبی سے شدید کوتاہی برت رہے ہیں۔ وہاں بیسوں دیگر فنکار اس مقدس پیشہ کی بہترین روایات کی آبیاری میں قابل تحسین اور لائق تقلید رول ادا کر رہے ہیں۔ ملک وقوم کے درخشندہ مستقبل کی ضمانت یہی دوست ہیں جنھوں نے حق وصداقت کے پرچم کو مضبوطی سے تھام لیا ہے۔

(سرینگر سے نشر)

ڈاکٹر منشاالرحمٰن خاں منشا

زخم کے فانوس یا شمع وفا روشن کرے
خانۂ دل کو بہر صورت خدا روشن کرے
لائق صد آفریں ہے اس کا عزم معتبر
آندھیوں کی زد پہ جو اپنا دیا روشن کرے
ایک مدت سے ہے ہم کو ایسے سورج کی تلاش
جو چمک کر ذرہ ذرہ کی قبا روشن کرے
غم زدوں کے آنگنوں میں نور کی برسات ہو
بجلیاں ایسی بھی کچھ غم کی گھٹا روشن کرے
شعلہ جوالا سینے میں ایک ایسا چاہیے
مشعل جاں کو بھی جو بے انتہا روشن کرے
یوں دل پرخوں میں اترے عکس ان کی یاد کا
نقرئی ہاتھوں کو جوں رنگِ حنا روشن کرے
اے مری اردو زباں لاکھوں بہاروں کی بہار
تیرا مستقبل مری مخلص دعا روشن کرے
لہجۂ منشا کو بھی اے کاش ہو جائے عطا
وہ کھنک جو قسمتِ حرف و نوا روشن کرے

(ناگپور سے)

آخری سفر

نثار پاشا

اسے لفظوں کی جادوگری نہ کہیے گا تو پھر اور کیا کہیے گا۔ ابھی جو آپ نے لفظ "آخری سفر" سُنا تو سنتے ہی آپ کے پھیپھڑے کی دبیز ترین تہہ سے ایک لمبی سی آہ نکل کر خلاؤں میں کہیں گم ہوگئی۔ اور پھر "آج اُنکی کل ہماری باری ہے" کہہ کر آپ آسمان کی طرف یوں دیکھنے لگے جیسے فرشتۂ اجل اب آیا ہی چاہتا ہے۔ نگاہیں ابھی جھکنے بھی نہ پائیں کہ آپ خیالوں کے سہارے اس مکان میں پہنچ گئے۔ جس کے ایک کمرہ میں سفید چادر میں لپٹی غالباً کسی مرحوم کی میت رکھی ہوئی ہے۔ سسکنے اور رونے کی مختلف آوازیں اپنا جادو جگا رہی ہیں۔ باہر دو دو، چار چار کی ٹولیوں میں بیٹھے لوگ خوش گپیوں میں مشغول ہیں۔ سگریٹ، پان کا تبادلہ ہو رہا ہے۔ کوئی اس بات کا شاکی ہے کہ مرحوم کے یہاں ڈیڑھ روپے جو باقی رہ گئے ہیں، اسے کوئی ادا کرے گا بھی یا نہیں۔ کوئی اس بات پر مسرور ہے کہ مرحوم کے تین روپے اس کے پاس رہ گئے ہیں اور انشاءاللہ قیامت سے پہلے ادا کرنے کی زحمت اسے نہیں اٹھانی ہے۔ کوئی اس بات پر کف افسوس ملنے کا پروگرام بنا رہا ہے کہ مرحوم اپنے ساتھ اس ناشتے اور چائے کا بوجھ بھی لیے جا رہے ہیں جو ہر شام ان کی وساطت سے انھیں میسر ہوتا تھا۔ اور مرحوم کی بیوہ اس لیے غمگین ہیں کہ انھیں میک اپ اور شاپنگ کرنے کا شوق اب مجروح ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ غرضیکہ ہر شخص اپنے اپنے کاموں میں اس طرح سرگرم عمل ملے گا جیسے پھر کبھی ایسا سنہرا موقع زندگی میں نہیں آنے کو ہے۔

ویسے تو لفظ "سفر" اپنے میں کوئی خاص کشش نہیں رکھتا مگر ایک لفظ "آخری" نے یہ گل کھلایا کہ ایک پوری داستان دلخراش کا یہ ضامن بن گیا۔ لیکن میں جو آخری سفر کا مسافر ہوتے ہوئے بھی آپ سے محو گفتگو ہوں تو ظاہر ہے کہ یہ میرا آخری سفر کچھ دوسری نوعیت کا ہے۔ اور جو یقیناً کسی چچا کا مرہونِ منت ہے۔

پتہ نہیں کس افتاد نے ایک شاعر کو یہ کہنے پر مجبور کیا تھا کہ

سفر ضرور ہے اور عذر کی مجال نہیں
مزہ تو یہ ہے نہ منزل کا پتہ ہے نہ راستہ معلوم

مگر میرے ساتھ غضب یہ ہوا کہ مجھے منزل کا بھی پتہ تھا اور راستہ بھی معلوم تھا۔ اور سچ پوچھئے تو اسی "معلومیت" نے میرے وجود کو یوں جھنجھوڑ کر رکھ دیا کہ میں خود مضمحل خلاؤں کا بوسیدہ لباس بن کر رہ گیا۔ ... جبکہ مجھ کو ہی نہیں بلکہ شبراتی میاں سے لے کر جمعراتی میاں تک کو یہ حق حاصل ہے کہ جب بھی اور جہاں کا بھی چاہے، وہ سفر کر سکتا ہے اور خوب ٹھسے کے ساتھ کر سکتا ہے۔ تو میں نے کیا بُرا کیا کہ ایک نئے سفر کے لیے خود کو آمادہ کیا کہ ایک دن صبح ہی صبح چچا خیرو غریب خانہ پر تشریف لائے۔ تشریف لانا، ویسے قابل ذکر بات نہ تھی مگر ان کے نامعقول سوالوں کے سنگریزے خلاؤں میں یوں بکھرنے لگے کہ میں نے گھبرا کر موت کی دعائیں مانگ لیں۔ البتہ یہ نہیں یاد ہے کہ کس کے لیے موت کی دعائیں مانگی تھیں۔ اپنے لیے یا ان کے لیے ... بہرحال، ابھی دعاؤں نے اپنا اثر دکھایا بھی نہیں تھا کہ چچا خیرو چہکنے لگے۔

"بھئی! تم تو سفر ایکسپرٹ ہو۔ اس مرتبہ کہاں کے ارادے ہیں — ؟"

"جہاں جہاں کا بھی آب و دانہ ہوگا!" میں نے مختصراً جواب دیا۔

"بھئی! یہ کیا بات ہوئی۔ آخر طے تو ضرور کیا ہوگا؟"

"چچا جان! میں اس بات کا فیصلہ دورانِ سفر ہی کرتا ہوں۔"

"بھئی ماہر فن یعنی ماہر سفر اسی کو کہتے ہیں۔ اور ایک ہم ہیں کہ ہفتوں پہلے پروگرام کی تراش خراش میں لگے رہتے ہیں تب کہیں جا کر سفر کے قابل ہوتے ہیں۔ خیر اب یہ بتاؤ کہ ٹرین سے جانا ہے یا بس سے؟"

میں نے کہا "اس مرتبہ تو اسکوٹر سے پروگرام ہے۔"

"کیا کہا، اسکوٹر سے؟"

"جی ہاں اسکوٹر سے۔ آپ کو کوئی اعتراض؟"

"ارے بھئی! مجھے کیا اعتراض ہوگا۔ میں تو خود اسکوٹر سے سفر کی دیرینہ آرزوؤں کو سینے میں دبائے بیٹھا ہوں۔ اسکوٹر سے سفر کی بات ہی کچھ اور ہے۔ ہواؤں کی رفتار سے بھی سفر کروں تو گھاس پات سے لے کر دیو قامت پہاڑ تک ننگاہوں کے سامنے رہتے ہیں۔" پھر کچھ سوچ کر بولے "مگر ان کے لیے کچھ کچھ پریشان کن ہوگا۔"

میں چونکتے ہوئے پوچھا۔ "کس کیلئے پریشان کن ہوگا؟"

خیرو چچا نے کھلتے ہوئے فرمایا "ارے بھئی تمہاری چچی جان کے لیے، اور کس کے لیے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے، مگر چچی جان کا ذکر خیر یہاں کیونکر نازل ہوگیا؟"

خیرو چچا نے ایک نامعلوم شگاف قسم کا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "میاں! تمہاری چچی جان بضد ہیں کہ اس مرتبہ وہ مع اہل وعیال و متعلقین کے، تمہارے ساتھ سفر کریں گی۔"

"یہ کوہ نوازی کس سلسلے میں ہے چچا جان؟"

"اس لیے کہ تم محلّے کے مانے ہوئے سیاح ہو اور شہر کی گلیوں گلیوں بلکہ ذروں ذروں سے تمہاری شناسائی ہے یہی وجہ ہے کہ تمہارے ساتھ انھیں جو لطف آئے گا، وہ کسی اور کے ساتھ نہیں۔"

چونکہ وقت بہت کم تھا اس لیے خیرو چچا کو دو دنوں کے بعد ملنے کا مشورہ دے کر میں اپنے کاموں میں لگ گیا۔ اللہ اللہ کر کے شام ہوئی اور رمضانی میاں رکشہ لے کر آگئے۔ لیکن دروازے پر بیک وقت پانچ عدد رکشے نظر آئے تو میں اپنا گریبان پھاڑنے کی منزل پر پہنچ چکا تھا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی خیرو چچا کی آوازیں میرے پردۂ سماعت پر ماڈرن آرٹ کی تشکیل میں مصروف ہوگئیں۔

"وہ تو عزیزم، بھلا ہو رمضانی میاں کا جس نے بتایا کہ تم آج ہی سفر پر روانہ ہو رہے ہو۔ بس ہم بھی تیار ہوگئے۔" اس وقت جو میری حالت تھی وہ بیان نہیں کر سکتا کیونکہ اب تک اس حالت کو کوئی نام نہیں دے سکا ہوں۔ پانچ بچے، چار بچیاں، ایک قبلہ و کعبہ چچا جان اور ایک وبال جان چچی جان گویا گیارہ زندگیاں چار رکشوں پر مختلف قسم کی سانسیں لے رہی تھیں اور میں اپنی نبض محسوس کرنے کی ناکام کوشش میں لگا ہوا تھا۔ خیر صاحب، مکان سے پٹنہ ریلوے اسٹیشن تک کا سفر کیسے ختم ہوا، اس کے بارے میں کچھ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ اسوقت کچھ کچھ ہوش آیا جب پندرہ بیس قلیوں نے ہمارے رکشوں کو گھیر لیا۔ وہ تو غنیمت جانئے کہ قلیوں کی ایک خاص پوشاک ہوتی ہے ورنہ ایسے میں سرپٹ بھاگ نکلنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا۔ قبل اس کے کہ ہم پلیٹ فارم پر پہنچتے میں نے خیرو چچا سے کہا۔ "مگر چچا جان! سلیپر تو میں نے صرف اپنے لیے ریزرو کروائی ہے۔"

"اماں! گولی مارو سلیپر کو۔ یہ بھی کوئی سفر میں سفر ہے۔ معلوم ہوتا ہے جیسے کسی اسپتال کے وارڈ میں پڑے ہوں۔ اور عام ڈبوں کے سفر کی بات ہی کچھ اور ہے۔ میں "ہی ہی ہی" کہہ کر خاموش ہوگیا۔ کیونکہ بیچارگی کی صحیح عکاسی اسی ایک لفظ سے ہوتی ہے۔

شہر کے فلیٹ نما گھر سے نکل کر لمبا چوڑا پلیٹ فارم ملا، تو بچوں کو کھیل کی سوجھی۔ پھر دو ہی منٹوں میں ٹوٹی ہوئی مالا کے دانوں کی طرح بچے بکھر گئے۔ اُدھر قلی شور کر رہا تھا اور ادھر وبال جان یعنی چچی جان پان بنانے میں مشغول تھیں۔ ایک بچے کو پکڑیئے تو دوسرا غائب۔ ڈبہ میں ہم لوگ کس طرح پہنچے یا پہنچا دیئے گئے یہ فی الحال صیغۂ راز کی باتیں ہیں۔ البتہ گاڑی کھلنے کے بعد کا منظر اب بھی یاد ہے۔ جس ڈبہ میں چالیس کی جگہ پر سو آدمیوں کو ٹھونس دیا جائے تو پھر من و تو کا جھگڑا ہی ختم ہو جاتا ہے۔ چونکہ یہ یقین تھا کہ اللہ کے فضل و کرم سے ہم سبھی کہیں نہ کہیں اور کسی نہ کسی ہئیت میں ایک ہی ڈبہ میں موجود تھے اس لیے دل کو اطمینان تھا۔ کبھی کبھی زوروں کے جھٹکوں کے نتیجے میں خیرو چچا کا سر مبارک نظر آجاتا تھا اور بچوں کی چیخ بھی صاف سنائی دے جاتی تھی۔ البتہ میرے سر پر رکھے بکس، بغل میں دبی پی اور ہاتھوں میں اٹیچی اور جھولا کی وجہ سے صحیح بیلنس برقرار رکھنے میں کچھ دشواریاں پیش آرہی تھیں۔ جس کی وجہ سے چند معقول اور چند نامعقول جملے کمپارٹمنٹ کی بوجھل فضاؤں میں ارتعاش پیدا کر رہے تھے۔ اس ڈبہ میں تل دھرنے کی جگہ تو بہت بڑی چیز تھی، وہاں تو بیکٹریا اور وائرس کے لیے بھی جگہ تنگ تھی۔ اللہ اللہ کر کے ٹرین دانا پور پہنچی تو قبلہ چچی جان کی آواز کسی کونے سے ابھری "ارے بیٹا، ذرا پرنس کو پانی پلوا دو۔ روتے روتے ہلکان ہوا جا رہا ہے۔" پھر پرنس سلمہٗ کو سروں سے اوپر اٹھائے چچی جان چلا رہی تھیں "ارے بیٹا ادھر دیکھو ...... کونے میں ...... بوریوں کے پاس۔" اور پھر بڑی مشکلوں سے سروں پر تیرتے ہوئے عزیزم پرنس مجھ تک آگئے۔ کسی کی پیٹھ پر بکس رکھا اور کسی کی گردن پر پی کو اور مع پرنس سلمہٗ کے کھڑکی سے میں پلیٹ فارم پر آگیا۔ کسی طرح آ تو گیا مگر نلوں میں، گدھے کی سینگھ کی طرح پانی غائب تھا۔ اتنے میں انجن نے سیٹی دی اور میں نے عزیزم کو کھڑکی کے راستے، والی بال کی طرح اندر لڑھکا دیا اور خود لپک کر ہینڈل پکڑا، اور جوتے کے سہارے پائدان میں کھڑا ہوگیا۔ اگر آرہ اسٹیشن پر گاڑی نہ رُکتی تو میرے پیر جواب دے گئے ہوتے اور میں پیٹھ کے سہارے کہیں پڑا رہتا۔ آرہ اسٹیشن پر مسافروں کا قافلہ جو آیا تو اس سے فائدہ یہ ہوا کہ دھکے کے فیض و برکت سے میں پائدان سے بالکل بیچ میں آگیا۔ البتہ دس پندرہ مسافر جو پچھلے دروازے کے آس پاس کھڑے تھے وہ سب کے سب نیچے کی طرف لڑھک گئے۔ چچی جان نے جو مجھے دیکھا تو بے تحاشہ میری سعادت مندی کے گن گانے لگیں۔ جس کی وجہ سے میری گردن میں اکڑ اور چہرہ پر رونق بڑھ گئی۔ اور میں ایک بونا فائڈ پسنجر، اپنے ایک پیر پر کھڑا مسافت طے کرتا رہا کہ بکسر میں گاڑی رُکی تو وِکی سلمہٗ کے رونے کی آواز سنائی دی۔ میں نے بیٹھے ہوئے اپنی ہی طرح کے ایک بونا فائیڈ پسینجر کے کندھے پر کھڑے ہو کر چچی جان سے پوچھا۔

"یہ وِکی کیوں رو رہا ہے چچی جان؟"

"کیا بتاؤں بیٹے۔ اب انھیں چھپا کرنے کی سوجھی ہے۔"

"اچھا! تو ادھر لائیے اسے۔" اور چچی جان پھر دعاؤں کی بارش کرنے لگیں۔ اور اس وقت بقول ان کے، میرے ایسا سعادت مند لڑکا کسی ماں نے نہیں پیدا کیا تھا۔

خیر صاحب! وِکی میاں کو کسی طرح اپنی طرف کھینچ سکا۔ مگر کیا کیجئے گا کہ لیٹرین بھی اس وقت ایک چھوٹا سا کمپارٹمنٹ بنا ہوا تھا۔ سوال چھپا کا تھا اس لیے میں ایسے میں ایک سرکس جوکر کی طرح قلابازی کھاتے ہوئے کھڑکی سے باہر آنا پڑا۔

اُدھر میاں وِکی فارغ ہوئے اور ادھر انجن نے سیٹی دیدی۔ عزیزم سلمہٗ کو لیے ایک معمول کی طرح کھڑکی سے دروازہ، اور دروازہ سے کھڑکی دوڑتا رہا، اور یہ سلسلہ جب ختم ہوا تو دیکھا کہ ٹرین ہوم سگنل پار کر رہی تھی۔ خیر صاحب! اس کے بعد اپنی سعادت مندی پر لعنت بھیجتے ہوئے شہر کی طرف روانہ ہوگیا کہ بکسر بھی ایک تاریخی جگہ ہے۔ ننھے مسافر یعنی میاں وِکی کے ہمراہ دن بھر گھومتا رہا، پھر دوسرے دن بدقت تمام پٹنہ واپس آگیا۔

خدا سے دعا گو ہوں کہ چچا خیرو مع اہل وعیال و متعلقین کے جہاں بھی ہوں، بخیر ہوں۔ اب آپ ہی بتائیے کہ اس عزم کے بعد آئندہ سفر نہ کرنے کی قسم اگر کھالی تو کیا غلط کیا کہ خواہ مخواہ لوگوں نے تل کا تاڑ بنا دیا۔

(پٹنہ سے نشر)

نثار پاشا
کیراف: پوسٹ ماسٹر
بھگوان پور چٹی۔ منظفر پور

حمید عظیم آبادی

درد و غم اپنا کہ غمہائے زمانہ لکھوں
بات کس کس کی کہوں کس کا فسانہ لکھوں
مہرباں تم کو لکھوں یا ستم آرا لکھوں
کس طرح سے دل برباد کا قصّہ لکھوں
در کو تکتے ہی گزاری شب وعدہ میں نے
ماجرا پوچھو تو اس رات کا سارا لکھوں
ہر ستم مجھ پہ بہ انداز کرم ہوتا ہے
اب یہ مشکل ہے کہوں کیا اسے کیا کیا لکھوں
مجکو خاطر شکنی کب ہے گوارا اے دوست
شکوہ جائز بھی اگر ہو اسے بیجا لکھوں
ضبط غم کا تو مجھے یاد ہے وعدہ پھر بھی
کیا برا ہو جو کبھی دل کا تقاضا لکھوں
مختصر کہنے کو گو لفظ محبت ہے مگر
ضبط تحریر میں لاؤں تو فسانہ لکھوں
ایسی منزل پہ زمانہ مجھے لے آیا ہے
اب تقاضا ہے کہ قاتل کو مسیحا لکھوں
جانگسل کتنی ہے روداد غم اپنی بھی حمید
کیا غلط خود کو جو ناکام تمنا لکھوں

اجنبی

شوکت حیات

سارے گھر میں ہنگامہ تھا۔ نعیمہ کا تین سالہ بچہ سارے گھر میں دوڑتا ہوا اگلا پھاڑ پھاڑ کر رو رہا تھا۔ "ماں ماں" کہتا ہوا چیخ رہا تھا۔ ایک ایک عورت کا چہرہ غور سے دیکھتا اور مایوس ہو کر آگے بڑھ جاتا۔ اپنی ماں کے پاس پہنچتا، اسے گھورتا۔ اس کے چہرے کا جائزہ لیتا اور اسے اجنبی سمجھ کر زور زور سے روتا ہوا آگے بڑھ جاتا۔

نعیمہ کو کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ جو بچہ ننہال میں اسے ایک منٹ کے لیے بھی نہیں چھوڑتا؛ وہ ابھی ابھی بس کچھ دیر میں اس سے کتنا اجنبی ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کو بہت چمکارا طرح طرح سے دلار کرتے ہوئے اسے گود میں لینا چاہا۔ ہر طرح اسے بہلانے کی کوشش کی۔ لیکن عجیب بات تھی۔ جو بچہ ہر وقت اس کے پاس منڈلاتا رہتا ہے وہ اس پل میں جانے کیسے اتنا بدل گیا تھا کہ اسے ماں ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"بیٹا، بیٹا میں تمہاری ماں ہوں بیٹا.... ! آجا میرا دلارا بیٹا... !"

بچہ اسے گھورتا اور پھر چیخ چیخ کر آگے دوسری عورتوں کے درمیان اپنی ماں کو ڈھونڈنے لگتا۔

بھیڑ میں عورتوں کے گیت اور رسم و رواج کی طرف سے لوگوں کا دھیان ہٹ گیا۔ نعیمہ اور اس کا بیٹا سب کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ بھلا اس طرح ایک دوسرے کے بغیر رہنے والے ماں بیٹے ایک دوسرے سے اس قدر دور ہو سکتے تھے بیٹا روتا چیختا سارے گھر کا چکر لگا رہا تھا۔ نعیمہ بدحواس اور گم سم تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا۔

اس کے لیے وہ ایک بے حد اداس رات تھی۔

اس رات اس کے بوڑھے باپ نے اپنی بیٹی کے چہرے پر عجیب بے بسی دیکھی۔ دوسرے لوگوں کیلئے بات بہت معمولی تھی۔ ہنسنے ہنسانے والی۔ وہ جانتا تھا کہ کیسا پھوٹ پھوٹ کر رُلا دینے والا منظر تھا۔

اس اداس رات کی شروعات جس دن سے ہوئی وہ اس کی شادی کے بعد کا دن تھا۔ شناخت اور اجنبیت کا سلسلہ۔ وہ اس گھر سے رخصت ہوئی تھی تو کسی کو اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ وہ ان لوگوں سے اتنی دور ہو جائے گی۔ بوڑھے باپ نے کیسے رو رو کر اپنی آنکھیں لال کر لی تھیں۔ وہ خود یوں دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی جیسے اسے کسی جانور کی طرح زبردستی ذبح کیا جا رہا ہو۔ چھری چلنے سے پہلے حلق سے کیسی پھنسی پھنسی آوازیں نکلتی ہیں۔

مجبور باپ ایک جگہ پتھر بنا ہوا کھڑا رہا۔ آنکھوں کے آنسو ختم ہو گئے تھے۔ ایک عجیب گہری اداسی تھی اور اس کا بے شرم محبوب اپنی بے روزگاری کا رونا روتا ہوا اپنے کمرے میں جدائی کے گیت گاتا رہا۔

شادی کے بعد برسوں اسے اپنے باپ کے ہاں آنا نصیب نہ ہوا۔ والد کے سینکڑوں خط لکھنے پر بھی اس کے شوہر نے اسے مائیکے جانے کی اجازت نہیں دی۔ کوئی نہ کوئی خوبصورت بہانہ بنا کر ٹال جاتا۔ ایک مدت سے وہ قید و بند کی زندگی گزار رہی تھی۔ بڑی مشکلوں سے بھائی کی شادی کے موقع پر اپنے مائیکے آئی تھی۔

اس کے باپ نے پوچھا۔

"کیسی ہے رے تو.... خوش تو ہے... ؟"

"ہاں بابا.... میں بے حد خوش ہوں سسرال میں اتنی چہل پہل ہے کہ کہیں آنے جانے کا ہوش ہی نہیں رہتا۔ ساس نند مجھے اتنا پیار دیتی ہیں کہ مجھ سے کچھ دن کے لیے بھی الگ رہنا انھیں گوارا نہیں...."

اس نے دیکھا یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں کوئی چمک نہیں تھی۔ چہرہ اور حلیہ اس کی ان امید افزا باتوں کی تردید کر رہے تھے۔

"تیرے شوہر کا سلوک تیرے ساتھ کیسا ہے بٹیا...؟"

"پوچھو مت بابا! ان کا بس چلے تو مجھے زمین پر پاؤں نہ رکھنے دیں۔ ہر وقت سامنے بٹھا کر میری تعریفوں کے پل باندھتے رہتے ہیں.... اتنی تعریف کرتے ہیں بابا...."

وہ شرما گئی۔ پھر ہنسنے لگی۔ زور زور سے ہنسنے لگی۔ اس کے ہونٹوں سے ہنسی اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

"بیٹی تو رو رہی ہے....؟"

"یہ خوشی کے آنسو ہیں بابا.... !"

اس کا چہرہ اس کی باتوں کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ ہونٹ لرز رہے تھے۔ آنکھوں میں کوئی منظر نہیں تھا۔ اس کی ساڑی اس کی باتوں کی تکذیب کر رہی تھی۔

اس نے دیکھا! اس کا بیٹا اسی طرح روئے جا رہا ہے۔ سارے گھر کو سر پر اٹھائے ہوئے ہے۔ ہر شخص اسے پچکار کر تھک چکا تھا۔ اس نے پھر کوشش کی کہ اسے گود میں لے لے۔ لیکن ماں کے ہاتھوں کو اس نے بالکل اجنبی کی طرح جھٹک دیا۔ روتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ سارے گھر کے چکر لگاتا رہا۔ دوسرے رشتہ داروں سے تو وہ یوں بھی مانوس نہیں تھا ـــــ لیکن تعجب تھا کہ ابھی ابھی کچھ دیر پہلے تک جو بچہ اپنی ماں کی گود میں کھیل رہا تھا، اپنی ماں کو اجنبی سمجھ رہا تھا۔ کچھ لوگ لطف اندوز ہو رہے تھے۔ لیکن اس کے دل پر جو گزر رہی تھی اسے سمجھنے والا کوئی نہیں تھا۔

اس کے بوڑھے باپ نے گہری اداسی کے ساتھ سارے منظر کا جائزہ لیا۔ وہ خود اپنے ناتی کو چپ کرانے کی کوشش کر کے تھک چکا تھا۔ طرح طرح سے اس نے اسے پھسلانے کی کوشش کی۔ مختلف جانوروں کی بولیاں بولتے ہوئے کہانی سُنائی۔

"وہ ... بیٹا.... ڈھم ڈھم... شیر کی بارات آ رہی ہے۔ شیر دولہا بنا ہوا ہے.... شیر دھاڑ رہا ہے... ہاں ہاں.... کتے بھوں بھوں کرتے ہوئے چل رہے ہیں.... بلی میاؤں میاؤں کرتی ہوئی آ رہی ہے۔ میاؤں میاؤں.... اور بطخیں بھی ہیں.... وہ دیکھو!"

اتنی دیر میں ماں اور بیٹے میں کون سی تبدیلی ہوئی تھی۔ بچہ تو جوں کا توں تھا۔ ماں میں ظاہری سطح پر البتہ تبدیلی آئی تھی۔ اسکے بھائی کی برات دلہن رخصت کرا کر واپس آئی تھی۔ سب لوگ نئے نئے کپڑے پہنے دولہا دلہن کا استقبال کر رہے تھے۔ مائیکے کی عورتوں نے زبردستی اس کا سنگھار کر کے پیور سلک کی ساڑی پہنا دی تھی۔ بھائی کی لائی ہوئی سُرخ ساڑی نے اس کی صورت بدل دی تھی۔ اپنے بیٹے کی نظر میں وہ اجنبی ہو گئی تھی۔ وہ اسے پہچاننے سے قاصر تھا۔

ڈھولک کی تھاپ پر عورتوں کے گیت شباب پر تھے دولہا دلہن کے استقبال کی مختلف رسومات انجام دی جا رہی تھیں۔ اس کے بچے نے سارے ماحول کو پراگندہ کر دیا تھا۔ کچھ لوگوں کے لیے عجیب دلکش نظارہ تھا۔ اپنا بیٹا ماں کو اجنبی سمجھ کر روتا ہوا اس کی گود میں جانے سے انکار کر رہا تھا۔ بیشتر لوگ ہنس رہے تھے۔ اس کا بوڑھا باپ رو رہا تھا۔ اس سے خاموش سوال کر رہا تھا۔

"شادی کے بعد تو خوش ہے نا بیٹی؟"

ایک لباس بدلنے پر اتنی اجنبیت!

(پٹنہ سے نشر)

شوکت حیات
ڈاکٹر مہابیر بھون
مہندرو۔ پٹنہ ۶

گناہ کی شہادت

خورشید عالم

وہاں بیٹھے ہوئے ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ سامنے سے ایک لڑکی آتی دکھائی دی۔ میں چونک پڑا ——— ارے! یہ تو وہی لڑکی ہے۔ یہ لڑکی کتنے دنوں سے کسی مرض کی طرح مجھ سے چپکی ہوئی ہے۔ گلی میں، بازار میں، بس اسٹینڈ پر ——— کہیں بھی اس سے نگاہیں مل جاتیں۔ مل کیا جاتیں، چھو جاتیں۔ لڑکی نگاہوں کو ملنے نہیں صرف چھونے دیتی اور چھو کر جھٹک دیتی۔ میں اس کے اس جھٹکے کو برداشت نہیں کر پاتا ہوں۔

لڑکی کے چلے جانے کے بعد دیر تک اندر ہی اندر کھولتا رہتا۔ سوچتا ——— کچھ بھی ہو اس معاملے کو صاف کرنا ہی ہوگا۔ اب کی بار ملاقات ہوئی تو اس سے صاف صاف پوچھ لوں گا کہ آخر وہ چاہتی کیا ہے؟

پریشانی یہ نہیں کہ میں اسے چاہتا ہوں، یا اس کے ذریعہ چاہا جانا چاہتا ہوں۔ پریشانی صرف یہ کہ میں اصلیت کا پتہ لگانا چاہتا ہوں۔ اگر لڑکی مجھے پیار کرتی ہے اور مجھے لگتا ہے کہ ایسا ہے تو وہ کھلتی کیوں نہیں؟ جب لڑکی ہی نہیں کھلتی تو میں ہی کیا کر سکتا ہوں۔ آخر میں ایک ذمہ دار آدمی ہوں۔ یونہی کسی سے کیسے الجھ سکتا ہوں؟ اور مان لیں کہ یہ سب میرا وہم ہے۔ لڑکی واقعی مجھے نہیں چاہتی تو وہ صاف کنارہ کیوں نہیں کر جاتی ہے؟ بار بار جھٹکے کیوں دیتی ہے۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب میں اس بے وقوف لڑکی کو قطعی لفٹ نہیں دوں گا۔ اب کی بار اگر وہ مجھے ملی تو میں خود ہی اسے جھٹک دونگا۔

دوسرے ہی دن لڑکی پھر مجھے مل گئی۔ اس نے اپنی مخمور نگاہوں سے دیکھا اور میں چاہ کر بھی اسے جھٹک نہیں سکا، پھر لڑکی ہی مجھے جھٹک کر چلی گئی۔ یہ لڑکی کئی دنوں تک کہیں میرے اندر پھانس کی طرح اٹکی رہی۔

مجھے یہاں بیٹھے ہوئے ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اچانک لڑکی میرے سامنے آکھڑی ہوئی۔ میں نے اسے غور سے دیکھا ——— آج وہ ہلکے گلابی رنگ میں ہے۔ اس رنگ میں وہ ایک دم تتلی سی لگتی تھی۔ کبھی کبھی وہ ہرے سبز یا کسی اور ایسے رنگ کی ہلکی دکھائی دیتی ہے جو کہ مجھے پسند نہیں ہے۔ مجھے پریشان کرنے میں اسے مزہ آتا ہے۔

لڑکی کا نیم برہنہ گلابی جسم دہک رہا ہے۔ قدرے متناسب اور کسا ہوا جسم۔ جسم کا ایک ایک حصہ جیسے فاؤنڈری میں ڈھالا گیا ہو۔ میری نگاہیں اس کی چکنی جلد سے پھسلتی ہیں۔ جوان مؤنث خون کی بو میرے نتھنوں میں سما گئی۔ اُف! ایسے جسم کے لیے میری پوری جوانی ترستی رہی ہے۔ لیکن آج اسے اس روپ میں پا کر میں حیران ہوں۔ سو چا بات کی جائے۔ اگر انکار کر گئی تو؟

——— اگر آج بھی چھوڑ دیا تو پھر کب؟

——— تو کروں بات؟ میں فیصلہ کر کے بھی نہیں کر سکا۔

لڑکی میرے ٹھیک سامنے جم کر بیٹھ گئی۔ اور بولی۔

"تم میرا ساتھ دینا پسند کروگے؟"

"تم .... تم ...!" میں بہک گیا "یہ تم کہہ رہی ہو؟"

"ہاں! میں .... "

"تم وہی ہو نا؟"

"ہاں! میں وہی ہوں۔ لیکن وہ 'نہیں' نہیں ہوتی تھی۔"

"تو تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟"

"یہی بے کار سوال میں تم سے پوچھتی ہوں ——— تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟"

میں ہاں نہیں کہہ سکا۔

پھر لڑکی ہی بولی "تمہاری محبت کا جو مطلب ہے وہ میں اچھی طرح جانتی ہوں!"

"کیا؟"

"تم محبت کا سہارا لے کر میرا جسم پانا چاہتے ہو! چاہتے ہو نا!"

"جب تم اچھی طرح جانتی ہو تو مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"ضرورت ہے۔ بولو! تم میرے جسم کو پانا نہیں چاہتے؟"

"چاہتا ہوں لیکن یکطرفہ کارروائی تو نہیں ہے۔ میں کسی کے جسم کو پاتا ہوں تو ساتھ ہی ساتھ اپنا جسم بھی اسے دیتا ہوں۔ اس آپسی لین دین میں کسی کو بھی احسان جتانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ میں تو تمہارے جسم کو چاہتا ہوں۔ لیکن تم .... ؟"

"چاہتی میں بھی ہوں۔ لیکن ایک شرط کے ساتھ۔"

"شرط؟"

"ہاں!"

"بولو!"

"پانے سے پہلے میں تمہیں جاننا چاہتی ہوں۔"

"مجھے جاننا چاہتی ہو؟" مجھے ہنسی آگئی۔ "بہت مشکل ہے۔ کسی کے بارے میں جو کچھ جان پاتے ہیں اس کے بارے میں اور کچھ جاننے کی خواہش بڑھتی ہی رہتی ہے۔ یہ جاننے کا عمل ہی تو محبت کی بنیاد ہے۔"

"پھر محبت!" لڑکی برہم ہو گئی۔ "مجھے اس لفظ سے نفرت ہے!"

"نفرت ہے تو پھر جاننا کیا چاہتی ہو؟"

"جاننا چاہتی ہوں اس شخص کو، اور تمہاری یہ محبت انسان کو انسان نہیں رہنے دیتی۔ اسے کچھ اور بنا دیتی ہے۔"

"جو ایسا کرتا ہے وہ محبت تو نہیں ہے۔"

"تو محبت کیا ہے؟"

"اس شخص کے بارے میں کافی گہرائی تک جاننا۔"

"نہیں! تم جھوٹ بولتے ہو۔ محبت اور کچھ نہیں، ایک دوسرے کے جسم کو پانے کا ایک سہارا ہے۔ میں کہتی ہوں اس ڈرامے کی ضرورت ہی کیا ہے؟"

"دو جسموں کو بغیر کسی بھومیکا کے ایمانداری کے ساتھ ایک دوسرے کو نہیں سونپا جا سکتا؟"

"کیوں نہیں؟ روز سونپا جاتا ہے۔"

"تمہیں یہ سب پسند ہے؟"

"یہ سب .... میں کہہ نہیں سکتی!"

"تم نہیں کہہ سکتی۔ لیکن تمہاری آنکھیں تو کہہ رہی ہیں!"

لڑکی نے نگاہیں اوپر کیں۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں کھٹے انگوروں کی سی ترشی تھی۔ میں نے ان آنکھوں میں چھلانگ لگا دی۔ دھیرے دھیرے لڑکی کا چہرہ غائب ہونے لگا اور اس کی جگہ ایک اور چہرہ ابھرنے لگا، میری بیوی کا چہرہ ٹھیک ایسے ہی تو دیکھتی ہے وہ بھی۔ ان عورتوں کے پاس یہی ایک جوڑی آنکھیں۔

"کیا سوچنے لگے؟" لڑکی نے سوال کا اژدھا سامنے بڑھایا۔

میں واپس لوٹ آیا۔ "کچھ نہیں ذرا گھر کا خیال آگیا تھا۔"

"گھر ——— ؟" اژدھے نے پھن اٹھایا۔ "تمہارا گھر ہے؟"

"ہاں! ہے اور رہے گا!" میں نے پھن کچل دیا۔

لڑکی نے مجھے ایسا دیکھا جیسے آج پہلی بار دیکھ رہی ہو۔ وہ بغیر کچھ کہے اٹھی اور چلی گئی۔ مجھے ایسا لگا جیسے وہ میرے اوپر تھوک گئی ہو۔ تب تک میری آنکھیں ہی کھل گئیں۔ دیکھا میری بیوی مجھے جھنجھوڑ رہی ہے اور پوچھ رہی ہے۔

"آپ کس سے باتیں کر رہے تھے؟"

(گورکھپور سے نشر)

میں

شاهد انور چاند

ہسپتال کے احاطے میں جیسے خاموشی اتر آئی تھی۔ رات جاگ رہی تھی — درد سے کراہتے ہوئے مریضوں کا شاید ساتھ دے رہی ہو۔

اب سے کچھ گھنٹوں قبل جب شام ڈھل رہی تھی کیسی چہل پہل تھی اس وارڈ میں، مریضوں سے ملنے والے لوگ آئے تھے۔ انھیں دلاسہ دینے، یہ بتانے کہ وہ تنہا نہیں اس دنیا میں۔ اور پھر ایک مریض کو دوا کے ساتھ دُعا بھی چاہیئے۔ ملنے جلنے والے، مریض کو جوش کی ایک لہر دیتے ہیں، امید سے رشتہ جوڑتے ہیں ان کا اور پھر کل آنے کا وعدہ کرکے چلے جاتے ہیں۔ کل ——— جو ایک امید ہے، سہارا ہے، انتظار ہے ... وقت اسی طرح کٹ جاتا ہے، کل کہاں آتا ہے؟ کل کے نام پر بدلے ہوئے لمحوں میں وہی لوگ تو آتے ہیں، وہی باتیں کرتے ہیں، مگر امید کا سفر انہیں بدلے ہوئے لمحوں میں گزر جاتا ہے ... وقت کٹ جاتا ہے ... شاید اسی لیے بدلتے لمحوں کا نام ہی کل ہے ... ...

"..... ارے، وہ تو میں ہوں، ہاں میں ...!"

"کل کا میں ——!"

... صبح کا اُجالا بس کچھ دیر پہلے ہی پھیلا تھا، اور اس بچے نے اپنے چھوٹے چھوٹے قدم گھر سے باہر نکالے اور چل پڑا —— وقت پر اسکول جو پہنچنا تھا، اور اسکول جو گھر سے کافی دور تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھتا رہا ... سرد ہوائیں اس کا ساتھ دے رہی تھیں اور کول تار کی پکی سڑک بھی، سڑک کے کنارے کھڑے اونچے اونچے پیڑ بھی، پیڑوں کی شاخوں پر بنے گھونسلے بھی، گھونسلوں میں جاگے ہوئے پرندے بھی، ان تک پہنچی سورج کی پہلی شعاعیں بھی، شاید شروعات بھی ... ذہن میں عجیب سے خیالات گشت کر رہے تھے ... ایک میں ہوں ... ایک حسنین ہے ... ایک اکبر ہے ... ایک علاؤالدین ... وہ بھی تو لڑکے ہیں، ان کا بھی تو گھر ہے، لوگ ہیں، ماں ہیں ... وہ کس قدر خوش نصیب ہیں؟ انھیں کوئی کمی نہیں۔ اور مجھے — ؟؟؟ ...

"سنئے —— کیا آپ سو گئے؟ ... یہ پیجئے اُبالا ہوا پانی رات میں جب بھی پانی مانگیں تو اسے ہی دیجئے گا!"

"جی —— شکریہ!"

"نیند نہیں آرہی کیا —— ؟ کوئی ناول پڑھئے گا، کیا ناول چلے گا، میرا مطلب ہے ... ..." نرس نے خاصی توجہ کے ساتھ پوچھا۔ مجھے دیکھا۔

"کوئی بھی چلے گا —— ناول ہے؟ ... اچھا سنئے ابھی آپ کیا کر رہی ہیں ... فرصت ہے کیا؟"

"کیوں ——؟"

"نہیں بس —— تھوڑی دیر یہاں بیٹھتیں، گپ شپ میں وقت گزر جاتا۔"

"بیڈ نمبر اکیس اور ستائیس کو انجکشن دینا ہے۔ گیارہ کا ٹمپریچر نوٹ کرنا ہے، اور بس، میں آدھے گھنٹے کے لیے فری ہو جاؤں گی ... تب تک آپ ناول پڑھئے نہ! ابھی لائے دیتی ہوں!"

"... ... ..."

... وہ اسکول پہنچا تو سب سے پہلے ... استاد بہت خوش ہوئے۔ دعا دی۔ اور پھر روزانہ کی طرح کلاس شروع ہو گیا ... پہلی گھنٹی بجی ... دوسری ... پھر تیسری ... وہ پڑھتا رہا ... کلاس میں سوالوں کے جواب دینے میں سب سے آگے رہا ... پھر چھٹی ہو گئی ... سورج تب تک سر پر آگیا تھا ... وہ گھر کے لیے چل پڑا۔ چھوٹے چھوٹے قدم آگے بڑھنے لگے ... اور ذہن میں خیالوں کا سلسلہ بھی ... کاش! اس وقت چھاتا ہوتا تو کتنا آرام ملتا؟ کیسی گرمی ہے ... اس پر اس شدت سے بڑھتی ہوئی بھوک ... میرا کوئی خیال نہیں رکھتا ... مجھے کوئی نہیں چاہتا ... اور پھر یہ خیال، یہ احساس زندہ سڑک کو بھی سنسان بنا دیے۔ اونچے اونچے پیڑ ایسے معلوم پڑتے جیسے برسوں سے کس قدر تنہا رہے ہوں ... شاخوں پر بنے گھونسلوں میں پرندے نہیں، گھونسلا کتنا تنہا ہے۔ ہوائیں کتنی اکیلی ہیں، آسمان پہ اُگا ہوا، جلتا ہوا سورج کس قدر تنہا ہے ... اُف، ہر کوئی کتنا اکیلا ہے، کتنا تنہا ہے؟ ... میری طرح، شاید میری ہی طرح ...

"ہاں جناب، اب کہیے دل کیوں نہیں لگ رہا ..."

"خیر چھوڑیئے انھیں ... بیٹھئے نا، ذرا تھکا ہوا ہوں، اور پھر آپا کی طبیعت بھی اچھی نہیں — !"

"آج ہی آئے ہیں کیا — ؟"

"ہوں ..."

"... ... ..."

"اچھا ایک بات پوچھوں؟ ... آپ رات میں ہی ڈیوٹی کیوں کرتی ہیں؟ آپکو ڈر نہیں لگتا؟"

"لگتا ہے —— مگر پیسہ بہت بڑی چیز ہوتی ہے نا:"

"اوہ!"

"... ... ..."

"کون کون ہیں آپ کے یہاں؟"

"میں اور میرے باپو — اور بس:"

"آپ کے باپو کچھ نہیں کرتے؟"

"کرتے تھے —— اب شاید اس لائق نہیں ... وہ چل نہیں سکتے، ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا!"

"... ... ..."

بات جب پتھرانے لگی تو نرس نے کچھ اور ہی کہنا مناسب سمجھا۔

"آپ کیا کرتے ہیں — ؟"

"فی الحال تو پڑھائی کا سلسلہ جاری ہے۔"

"اور کچھ —— ؟"

"ہاں —— اور کچھ تو ہوتا ہی رہتا ہے!"

"کب لوٹیے گا — ؟"

"کچھ کہا نہیں جا سکتا!"

"اور یہاں کے ڈاکٹر کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے ؟؟"

"ٹھیک ہی ہیں —— اپنے یہاں تو بڑے بڑے ڈاکٹر ہیں نا، اس لیے، یہ لوگ چھوٹے لگتے ہیں، ویسے ایک بات پوچھوں؟ ... کیا آپ کو یہ نرس کی زندگی اچھی لگتی ہے؟"

نرس خاموش ہو گئی —— نظریں جھک گئیں —— میں سمجھ گیا۔

"ساری — !"

"..... معاف کیجئے گا میں ابھی آئی ... ایک کام یاد آگیا ... میں ... میں ابھی آئی ..."

اور نرس چلی گئی —— کمرہ پہلے کی طرح خاموش ہو گیا۔ صرف جلتی ہوئی موم بتی مجھے اپنی کہانی سناتی رہی۔ میں سنتا رہا ...

... اور تب اسے خیال آیا، کیوں نہ اکیلوں کو کاغذ پر قید کر لوں، جب دو تنہا ملیں گے، دوستی ہو ہی جائے گی، دل بہل ہی جائے گا ... پھر یہ خیال ذہن کے پردے پر گہرا رنگ

۱۶ر نومبر ۱۹۸۶ء

لے کر چڑھنے لگا... وہ جب بھی تنہا چیزوں کو ایک جگہ قید پاتا بڑے غور سے دیکھتا، پھر گھبرا کر انھیں خود ہی قید کرنے کی کوشش کرتا... ایک عجیب سا مزہ ملتا اسے، تنہائی کا تو احساس ہی نہیں ہوتا — وقت پنکھ لگا کر اُڑ جاتا...

"شاہد... پانی دو نا..."

"ہاں، ہاں ابھی دیتا ہوں... آپ کی طبیعت کیسی ہے..؟"

"... ... ..."

"یہ لیجئے —"

"... ... ..."

"اور لیجئے گا کیا؟"

"نہیں — !"

"طبیعت ٹھیک ہے نا"

"... ... ..."

"اچھا آپ آرام کیجئے — کوئی تکلیف ہو تو کہئے گا:"

"... ... ..."

کیسی رات ہے یہ — وقت نہیں کٹتا۔ زمین جیسے اپنی محور پر ٹھہر گئی ہو، وقت جیسے تھم گیا ہو، لمحے رُک گئے ہوں۔۔ — اس سے قبل کہ سورج کی شعاعیں تیز ہوتیں، ہم جھرنے کے نزدیک پہنچ گئے تھے۔ بس اب کچھ ہی فرلانگ کی بات تھی۔ جوش دونا ہو گیا۔ سائیکل کی رفتار سبھی نے تیز کر دی اور پھر ہم جھرنے کے پاس تھے۔ بڑا خوشگوار ماحول تھا، ساری دنیا سے الگ۔ ہر غم سے دور — ہم نے اپنے کپڑے تبدیل کئے... پھر پکنک کا سامان اٹھائے، ایک مخصوص چٹان کی طرف چل پڑے ہلکا پھلکا ناشتہ کیا... کھانے کی تیاری شروع ہو گئی۔ اسی درمیان ہم جھرنے کے صاف و شفاف پانی میں نہا آئے۔ مزہ آ گیا... سفر کی ساری تکان دور ہو گئی۔ ہنسی مذاق اور مونو ایکٹنگ کا دور جو شروع ہوا تو بس ہنستے ہنستے بل پڑ گئے پیٹ میں... پھر ہم نے مل کر کھانا کھایا... جی نہال ہو گیا — مگر یہ کیا؟ ابھی بیت بازی سے دل بھی نہیں بھرا تھا کہ اونچے اونچے مضبوط پتھروں کے پیچھے سے شام اُتر آئی تھی...: لیکن، ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو ہم یہاں آئے تھے... یہ شام اتنی جلدی کیسے آ گئی؟ مگر ہاں، شام سچ مچ چلی آئی تھی — وقت بڑی تیزی سے آگے بڑھ گیا تھا... ...

"ایک وہ دن تھے، وقت کافور کی طرح اُڑ گیا تھا — ایک یہ رات ہے کہ وقت کے پنکھ کٹ گئے ہیں:"

اور میں نے پرسنل ڈائری میز پر رکھ دی... ...

... ارے وہ تو میں ہوں — ہاں میں !!"

آج کا میں — !"

پھر بھی کل کے 'میں' اور آج کے 'میں' میں کتنا فرق ہے!

لیکن یہ فرق ابھی جیسے ختم ہو گیا ہے — کل کے 'میں' اور آج کے 'میں' میں کوئی فرق نہیں — کل بھی ان تنہائیوں نے اکیلے پن تے میرا تعاقب کیا تھا — آج پھر یہ میرے پیچھے لگی ہیں... میری انگلیوں کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے؟ عجیب سی بے قراری ہے ان میں... شاید تنہائیوں کو قید کرنے کی کوشش ہے یہ...

مگر یہاں کیا ممکن ہے؟ کچھ نہیں... ... رات کی اس پہر یہاں اس وارڈ میں تنہائیوں کے علاوہ اور کیا مل سکتا ہے؟ خاص کر اس کیبن میں جہاں صرف میں ہوں، آپا ہیں... اور...

میں اُٹھ کھڑا ہوا۔

کیبن سے باہر آیا — نرس ٹیبل پر جھکی تھی۔ نہ جانے کن خیالوں میں گم... کتنی اکیلی تھی وہ!

میں آہستہ آہستہ وارڈ کے باہر آ گیا — باہر دور دور تک خاموشی تھی... شاید وہ بھی اکیلی... آسمان میں چاند ڈوب رہا تھا۔ تاروں کے جھرمٹ میں اکیلا... شاید تاروں کا یہ جھرمٹ بھی اکیلا ہو۔ میں لوٹ پڑا۔

تنہائیوں کی پرچھائیاں بڑھنے لگی تھیں۔ آہٹ ہوئی تو نرس اپنے خیالوں کے خول سے باہر آئی — مگر خاموش رہی۔ میں چپ چاپ کیبن میں چلا آیا۔ تنہا موم بتی جل رہی تھی — میں بنچ پر بیٹھ گیا۔ خلا میں یونہی جھانکتا رہا... ...

اور ایک بار پھر دل نے یادوں کے دروازے پر دستک دی۔ خیالوں نے آہستہ سے سرگوشی کی:

"ارے! وہ تو میں ہوں، ہاں میں!"

شاہد انور چاند
(آکاشوانی رانچی سے نشر)
اولڈ ہزاری باغ روڈ، نزد چونا بھٹا
پوسٹ میڈیکل کالج۔ رانچی ۸۳۴۰۰۹

آپ کی رائے

یکم ستمبر ۸۶ء کا "آواز" اپنی تابانیوں اور جلوہ سامانیوں سے بھرپور نظر نواز ہوا۔ پڑھ کر دل مسرت سے جھوم اٹھا۔ آپ نے لکھنؤ کی غزلیں شائع فرما کر نئے نئے شاعروں سے قاری کو متعارف کرایا ہے۔ یہ بڑی خوش آئند بات ہے "جدید تعلیمی پالیسی" ایک عمدہ اور صاف ستھرا مضمون ہے۔ احسان دانش صاحب پر عشرت صاحب کا تنقیدی مضمون لاجواب ہے۔ افسانوں میں معین شاہد کا افسانہ "نیند کیوں رات بھر نہیں آتی" بہت پسند آیا۔ لمحوں کا سفر بھی خوب ہے اکرم فاروقی نے دیانت داری سے افسانہ تحریر کیا ہے۔

امید ہے مزاج عالی بخیر ہوگا۔

ریحانہ تبسم
حور بانو منزل اولڈ ہزاری باغ روڈ
رانچی نمبر ۹

آواز یکم ستمبر ۸۶ء کا تازہ شمارہ زیر مطالعہ ہے۔ احسان دانش پر مختصر لیکن اچھا مضمون ہے "آواگون" ایک اچھی کوشش ہے۔ مضامین کا انتخاب بھی آپ کے حسن ادارت کا آئینہ دار ہے۔ شعری حصہ اچھا تو ہے لیکن کچھ خامیاں بعض اشعار میں موجود ہیں۔ نثار صاحب فیض سے کسب فیض کرنے کے باوجود لڑکھڑا گئے۔ مطلع کا مصرع ثانی توجہ طلب ہے مقطع کا پہلا مصرعہ وزن سے خارج ہے۔ مہیش اشک کے دوسرے شعر کا یہ مصرع "تاکہ جب کل آئے آواز تو تنہا نہ رہے" اس طرح ہونا چاہیے "تاکہ کل آئے یہ آواز تو تنہا نہ رہے" دالان تذکیر ہے مہیش اشک نے اس کی دالان لکھا ہے۔ اس طرح کی غلطیوں پر اگر ریڈیو والوں کی نظر نہیں جاتی تو کم از کم آپ کو ضرور خیال رکھنا چاہیے۔ انجم عرفانی کی غزل کے چھٹے شعر میں "جلنا بھی لٹنا بھی" بری طرح کھٹکتا ہے سحر صدیقی کی غزل اچھی ہے اگر وہ "گرد آئینے کے چہرے سے ہٹا کر دیکھیں" کہتے تو بہتر ہوتا گرد اٹھانا غیر فصیح ہے۔ اشر انصاری مطلع کے ثانی مصرعہ میں ملی لکھتے ہیں ملتی ہونا چاہیے "اجنبی سب نظر آتے ہیں جسے بھی دیکھوں" سب کے ساتھ جسے کا استعمال فن کو مجروح کرتا ہے۔ چھپے بھی دیکھوں" سے بات واضح نہیں ہوتی کہ شاعر کیا کہنا چاہتا ہے۔ چھپا ہوا دیکھوں یا چھپا کر دیکھوں یا چھپ کر دیکھوں۔ سلطان نظامی کہتے ہیں "اب پریشاں ہیں دیوار کو اونچا کر کے" "اب" کی جگہ وہ کہنا چاہئے تھا۔ ہم سے آوارہ مزاجوں پر بھروسہ کر کے" شاید کاتب نے پہ کو پر بنا دیا ہے اس کی فرقت کی ہر اک شام کو ہے کتنا خیال" محل نظر ہے۔ کعبہ کر کے یا کعبہ بنا کے۔

جدید پالیسی سے میں متفق ہوں لیکن بہار کی تعلیمی پالیسی بچوں کے ذہن پر بوجھ بن کر رہ گئی ہے۔ پانچویں جماعت سے دسویں جماعت تک۔ تاریخ، جغرافیہ، علم تمدن، علم سماج علم حیات، علم طبعیات، علم نباتات، الجبرا، ہندی، علم الحساب سنسکرت یا اردو فارسی، انگریزی اتنے سارے مضامین پڑھنے لازمی ہیں اگر ترازو کے ایک پلڑے پر تمام کتابوں کو اور دوسرے پر بچہ کو رکھا جائے تو کتابوں کا وزن زیادہ ہوگا محکمہ تعلیم کو سوچنا چاہیے کہ بچے اتنے ڈھیر سارے مضامین کے حصار میں کیا پڑھ پائیں گے۔ ہونا یہ چاہیے کہ سائنس، علم حساب انگریزی، ہندی، سماج، سنسکرت یا اردو فارسی اور

تاریخ یا جغرافیہ بس چھ یا سات کتابیں ہی پڑھائی جائیں۔

رمیصا خانم
پٹھان ٹولی سہسرام ۸۲۱۱۱۵ بہار

یوں تو "آواز" کا میں ۱۹۷۹ء سے مستقل خریدار ہوں اور ایک ایک کرکے سبھی رسالوں کو حفاظت سے میں نے اپنے پاس محفوظ رکھا ہے۔ یکم ستمبر کے رسالے میں افسانہ "لمحوں کا سفر" بے حد پسند آیا اور اس کے بعد ۳۰ ستمبر کے رسالے میں غزلیں بھی بیحد پسند آئیں خاص کر بیتاب جے پوری کی غزل ۔

دل میں حسرت رہی یوں اپنی کہانی لکھتے!
درد کی دھوپ کو ہم شام سہانی لکھتے

قابلِ تعریف ہے افسانوں میں "یادوں کے زخم" اور ساتھ ہی ساتھ افسانے میں جو شعر انہوں نے استعمال کیا ہے۔

یاد ماضی عذاب ہے یارب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

اس شعر نے واقعی افسانے میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ ابوالکلام عزیزی صاحب کو میری طرف سے بہت بہت مبارکباد واقعی آپ کے افسانے کو پڑھ کر میرے یادوں کے زخم تو ضرور تازہ ہو گئے اور یادوں کے شکنجوں میں جکڑنے پر میں مجبور ہو گیا۔ دوسری طرف سید محمد زیدی صاحب کا "مذہب کی بنیادی قدریں" سبق آموز رہیں۔ موسم کے اعتبار سے سرورق دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا لیکن دوردرشن کے پروگراموں کے ٹائم ٹیبل بہت ہی مختصر شائع کئے جاتے ہیں۔ ہفتے میں آنے والی فلموں کے نام اور ساتھ ہی ساتھ دہلی دوردرشن سے پیش ہونے والے بہت سے پروگرام کے بارے میں تفصیل کے ساتھ پیش ہونے والے پروگراموں کے ٹائم وغیرہ شائع کریں تو بہت مہربانی ہو گی۔ امید کے میری رائے پر غور فرمائیں گے ۔

امتیاز احمد انصاری
جگجیون مارکٹ گیٹ آرہ ۔ بہار

"آواز" کے شمارے (۱۶ ۔ ۳۰ ستمبر) میں "آپ کی رائے" کے تحت ایک مراسلہ نگار نے سوز سکندرپوری کی غزل کی تعریف کی ہے اور انھیں مبارک باد پیش کی ہے قارئین کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ تقریباً ۲ دو سال قبل ۸ نومبر ۱۹۸۴ء کو سوز سکندرپوری کا انتقال ہو چکا ہے۔ وہ جرم محمد آبادی (تلمیذ آرزو لکھنوی) کے ممتاز تلامذہ میں تھے۔ ان کا شعری مجموعہ تیر و ترکش ان کی زندگی میں شائع ہوا تھا۔ کلکتہ سے انھوں نے "ماہنامہ سوز" بھی جاری کیا تھا۔ وہ مشاعروں میں بہت مقبول تھے۔ ان کا باقی ماندہ کلام شائع کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے ۔

اس شمارے میں آکاش وانی گورکھپور سے نشر شدہ طرحی غزلوں کے متعلق ایک تفصیلی مراسلہ شائع ہوا ہے۔ ردیف کی بحث سے قطع نظر شعراء کے معروف و غیر معروف ہونے کا جو سوال اٹھایا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مراسلہ نگار اردو ادب کی سمت و رفتار سے کما حقہ واقف نہیں ہے ۔ جن شعراء کو غیر معروف قرار دیا گیا ہے۔ تعجب ہے کہ ان میں ایم کوٹھیاری راہی کا نام بھی شامل ہے ۔ راہی صاحب ایک نامور افسانہ نگار، شاعر اور صحافی ہیں۔ ان کی تخلیقات ملک کے مشہور رسالوں میں شائع ہوتی ہیں ان کے چھ شعری مجموعے، ایک ناولٹ اور دو افسانوی مجموعے منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ جن میں منزل منزل، خوں بہا، اندھیرا شہر اشکِ سنگ، زیتون کے پیڑ اور شفق کے پھول پر یوپی اردو اکادمی سے انعام مل چکا ہے۔ ان کی مجموعی ادبی خدمات پر آل انڈیا میر اکیڈمی، لکھنؤ نے "امتیازِ میر اوارڈ" دیا تھا وہ اپنے طویل ریڈیائی ڈراموں اور فیچروں کے لئے بھی مشہور ہیں۔ تقریباً بیس سال سے وہ "ہفت روزہ اشتراک" پابندی سے نکال رہے ہیں۔ وہ انجمن ترقی پسند مصنفین یوپی کے جنرل سکریٹری بھی ہیں۔ پتا نہیں کس ادیب و شاعر کے معروف ہونے کا مراسلہ نگار کے نزدیک اب کونسا پیمانہ ہے۔ اس ضمن میں میں یہ بھی عرض کر دوں کہ کسی فنکار کا محض غیر معروف ہونا لازماً اس پر دلالت نہیں کرتا کہ اس کا فن یا اس کی تخلیق بھی غیر معیاری ہو گی ۔

تحریر انجم (ریسرچ اسکالر)
شعبۂ اردو، گورکھپور یونی ورسٹی
گورکھپور

آواز ۱۶ ستمبر کا شمارہ نظر سے گزرا آپ نے پرچے کی تزئین میں کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن تخلیقات کا معیار پرچے کے معیار پر پورا نہیں اترتا ۔ جناب پرتپال سنگھ بیتاب کی غزل کا چوتھا شعر بحر سے خالی ہے ۔ عابد مناروی نور آزماں ملک زادہ منظور احمد کی غزلیں کوئی تاثر نہیں چھوڑ تیں سبحان انجم کوٹھیہر کھیر میں کوئی تمیز نہیں ڈاکٹر بیتاب علی کی غزل غزلوں کا مجموعہ معلوم ہوتی ہے البتہ جناب جلیس نجیب آبادی۔ محترمہ معراج صاحبہ اور محترمہ داراب بانو صاحبہ کی غزلیات معیاری ہیں۔ حالانکہ دفا صاحبہ کی غزل کے مطلعے میں کتابت کی غلطی ہوئی ہے ۔ مرا کی جگہ میرا چھپ گیا ہے۔ لیکن ایک ذہین قاری اسے سمجھ سکتا ہے ۔ میری طرف سے ان تینوں شاعر و شاعرات کو مبارکباد ۔ امید ہے آئندہ بھی یہ حضرات سامنے آتے رہیں گے ۔

امید کہ مزاج بخیر ہو گا ۔

امروز قمر
عرفی کلنک، سرائے میاں، علی گڑھ

"آواز" کا تازہ شمارہ باصرہ نواز ہوا۔ بے ساختہ چوم لیا۔ ڈاکٹر بے تاب علی پوری کی غزل کا مقطع پڑھ کر پیر و مرشد ضمیر الشعراء علامہ طرفہ قریشی سیمابی بھنڈاروی کا مجموعۂ کلام "نصف النہار" یاد آ گیا۔ بڑی خوشی ہوئی، مذہب کی بنیادی قدروں پر سید محمد علی زیدی کا مضمون قابلِ مطالعہ ہے۔ اقبال احمد واصفی نے درست تنقید و تنقیص فرمائی ہے یہ کیا سب کہتے ہیں کہ صرف نام کے مشہور ہو جانے سے کوئی اچھا شاعر نہیں ہو جاتا۔ آئندہ سے آپ غیر موزوں تخلیقات نہ شائع کریں۔ ورنہ "آواز" جیسا موقر رسالہ مجروح ہو جائے گا اوپندر ناتھ اشک تے ن، م، راشد کو فیض احمد فیض کی طرح کامیاب انقلابی شاعر بتایا ہے؟ انیل کپور آنے والے دور کا سپر اسٹار ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ یہ بھی امیتابھ بچن کی طرح شہنشاہِ جذبات دلیپ کمار کی کاپی کرتا ہے۔ صغیر احمد صوفی کا سلام صفحۂ قرطاس پر بکھر کر فکر و عقیدت کی روشنی دے رہا ہے۔ ملک زادہ منظور احمد، راجکمار چندن، عزیز بانو وفا، پروفیسر آزاد گلاٹی، وغیرہ بھی ذہن و دل پر اچھے نقوش چھوڑتے ہیں

جاوید اشرف فیض اکبرآبادی
غنی منزل، نزد نور مسجد
آنند بھون لین، راورکیلا

"آواز" یکم اکتوبر ۸۶ء کا شمارہ ہمدست ہوا۔ آواز کا یہ شمارہ بیکراں رعنائیاں و رنگینیاں کے ساتھ خوشیاں بٹور کر اپنے دامن میں بھرتی ہے ۔

رفیعہ شبنم عابدی صاحبہ کی مزاحیہ مضمون "پچا چھکن نے روزہ رکھا" بہت خوب ہے۔ عتیق انور صدیقی صاحب کا مضمون "اسلحہ اور ہتھیار کی کہانی" میں ہتھیار کے ضمن میں یہ تحریر ہے کہ ازمنہ قدیم میں ہتھیار صرف جنگ کے لئے نہیں بلکہ اس کا استعمال تحفہ نذرانہ گھر کی سجاوٹ کے لئے بھی کیا جاتا تھا۔ لیکن آج کے نظام پر اگر روشنی ڈالی جائے تو اس کے ٹھیک برعکس ہے۔ ہتھیار میں اول تو تبدیلی ہو گئی ہے۔ اور اب اس کا استعمال جنگ لوٹ مار تک ہی محدود ہو کر رہ گیا ہے ۔

اس دفعہ تمام افسانے اپنے دامن میں دلچسپی و دلکشی کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ لیکن اس میں دو افسانے مجھے بیحد پسند آئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نوید ہاشمی صاحب کا "اچاٹ"، اور شگفتہ نظام صاحب کا "حادثہ"۔

افسانہ "اچاٹ" میں پنج سالہ لڑکے کا باپ جس کی زندگی میں صرف غموں اور دکھوں کے سائے ہیں۔ انہیں محسوس ہوتا ہے کہ صرف میری ہی زندگی میں اندھیرا اور اچاٹ ہے۔ لیکن اس نے جب دنیا کا بغور مشاہدہ کیا تو مانا کہ اس جہاں کے سبھی انسان کو غم اور مصائب جھیلنے ہی پڑتے ہیں۔ اس طرح سبھی انسانوں کو خطۂ زندگی میں غم اور مصیبت رچے بسے ہوتے ہیں ۔

شگفتہ نظام صاحب کا افسانہ "حادثہ" میں گھنشیام جو اس افسانے کا مرکزی کردار ہے۔ اس افسانے میں دکھایا گیا ہے، کہ گھنشیام گاؤں کا ایک مکھیا ہے جو بہت ہی ایماندار باوقار باصلاحیت کے دلدادہ ہیں لیکن اپنی بیٹی کی شادی یعنی آج کا جو اہم ترین مسئلہ ہے۔ اس اہم ترین مسئلے کو حل کرنے کے لئے اپنی ضمیر اور خودداری کو بھول کر ایک مردہ عورت کی زیب تن زیورات کو کھول لیتا ہے۔ گویا انسان جب حالات سے مجبور ہو جاتا ہے تو کچھ بھی کر سکتا ہے۔ یہی وہ خیال ہے جسے شگفتہ نظام صاحب نے بڑی سلیس و سادہ زبان میں خوبصورت انداز میں تحریر

فرمایا ہے۔ میں ان سبھی قلمکاروں کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

اس دفعہ سبھی غزلیں دل کے تہہ کو چھوگئی ہے غزلوں کے اس جھرمٹ میں محبوب راہی کا مقطع کا شعر اور ڈاکٹر فدا المصطفےٰ فدوی صاحب کا ایک شعر مجھے بیحد مرغوب ہیں۔ میرا ہدیہ مبارک باد پہونچا دیں۔

محبوب راہی کے اس دور میں
میر و غالب کو پہچانتا کون ہے

منڈلا رہا ہے سر پہ بڑی دیر سے عقاب!
غفلت میں ہاتھ سے یہ کبوتر نہ چھین لے

محمد افتخار علی انجم
صاحب گنج (بہار)

اکتوبر ۸۶ء کا پہلا شمارہ موصول ہوا اس سے قبل کے شمارے بھی دستیاب ہوئے موجودہ شمارہ کے سرورق پر چھپی تصویر دیکھ کر محو حیرت رہا کہ آپ ایسے ایسے نادر و نایاب گہر چن کر قارئین کی نذر کرتے ہیں کہ دیکھنے والی آنکھیں بس دیکھتی ہی رہ جاتی ہیں۔

اس بار ناگپور سے غزلیں پسند آئیں۔ دعوےٰ کی دلیل کے لئے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

لوٹ آؤں پانیوں کے سفر سے دعا کرو
مجھ سے مرا وجود سمندر نہ چھین لے

(فدا المصطفےٰ)

کل تک جو آرہے تھے نظر بحر بیکراں
آج ان کو دیکھئے تو وہ خالی گلاس ہیں

(عبدالرب)

"اسلحہ اور ہتھیار کی کہانی" معلوماتی ہے۔ "دکنی زبان کا ارتقا" تشنہ ہے اس کے لئے صفحات زیادہ درکار تھے۔ کاش اسے قسطوں میں مکمل کیا جاتا تو طالب علموں کے لئے سودمند ثابت ہوتا۔

"چچا چھکن نے روزہ رکھا" بہترین مزاحیہ مضمون ہے اسے پڑھ کر سارا گھر زعفران زار بن گیا۔ علی امام کا افسانہ "نہیں کوئی چہرہ" کے سلسلے میں یہی کہوں گا کہ اس کا عنوان "نہیں کوئی تاثر" ہونا چاہیئے تھا۔ احمد یوسف کا افسانہ متاثر کیا۔

انوار انصاری کے مراسلے پسند آتے ہیں ان سے خطوط کے علاوہ آواز کے صفحات پر تخلیقی چیزوں کا بھی منتظر ہوں۔

باقی تخلیقات کے سلسلے میں یہی کہوں گا کہ جو ذرہ جس جگہ ہے وہیں آفتاب ہے۔

طیب احسن تابش
ساؤتھ اسٹریٹ ہندپیڑھی۔ رانچی

چوں کہ ایک طویل عرصے سے ہماری ملاقات اپنے محبوب رسالے "آواز" سے نہیں ہو رہی تھی۔ اس لئے جب حالیہ شمارہ یکم تا ۱۵ اکتوبر ۸۶ء ہمدست ہوا تو میری خوشیوں کا بیان نہیں۔ ہر اک نگارش اپنی جگہ مسلم اور قارئین کو کچھ نہ کچھ عطا کرتی ہیں۔ فرحت و انبساط کی بات یہ ہے کہ آواز دوسرے رسائل کے بہ نسبت اپنی انفرادیت میں کچھ اور ہی شان رکھتا ہے۔ مثلاً "آواز" کے توسط سے "بھلائے نہ بنے" کالم کے ذریعہ ہمیں برابر مشرق و مغرب کے شہرۂ آفاق تصنیفات کے جاوداں اور لازوال کرداروں سے متعارف کرانے کی جو پیش قدمی ہے، یہ ادارۂ آواز کی ایک نادر و نایاب خدمت ہے۔ جن سے ہمیں اپنی معلومات میں گراں قدر اضافے ہوتے ہیں۔ شخصیات شعر و ادب میں خواجہ احمد عباس کے فن، ان کے آرٹ اور انکی کاوشوں کے نصب العین کا تجزیہ و تبصرہ ڈاکٹر ضیاالدین صاحب نے جس عمیق مطالعے کی روشنی میں کیا ہے اس کا میں کھل کر اعتراف کرتا ہوں اس مقالے کی وساطت سے ہمیں احمد عباس کے نظریات و خیالات کا بھی پورا پورا پتہ چلتا ہے۔ اور انکی بہترین کہانیوں میں ابابیل، اجنتا، سردار جی، انتقام جیسی کہانیوں کو بھی پڑھنے کی تشنگی جاگ اٹھتی ہے ــــــــــ "دکنی زبان کا ارتقاء" نامی مقالہ بھی خاص کی چیز ہے۔ اردو ادب کے بزرگ اساتذۂ فن کی نادر تخلیقات اور ان کے اسلوبِ بیان کا اچھا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی اس مضمون میں زبان اردو کی علاقائی خصوصیات کا ذکر کر کے تمام زبان دانوں کو یہ ترغیب کیا گیا کہ اہل زبان کے روزمرّے اور ان کے بول چال کو اپنائے جائیں تاکہ صرفی و نحوی اعتبار سے غلطیاں نہ ہوں۔ "چچا چھکن نے روزہ رکھا" رفیعہ شبنم عابدی صاحبہ کے قلم سے ایک دلچسپ چیز ہے جو بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ داستان "آرائش محفل" داستانی پیش کش اور ہنرمندی کا پورا پورا آئینہ دار ہے۔ زبان و بیان کے لحاظ سے ایک صحت مند کتاب ہے۔ قصہ پن میں سید حیدر بخش حیدری نے داستانی رنگ و بو اور درست زبان کو جس طرح ملحوظ رکھا ہے یہ اس کتاب کی پوری پوری ضمانت دار ہے۔ انیس اشفاق صاحب نے ان ہی خوبیوں کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی ہے اور اس کے فنی اور داستانوی تکنیک کو اس کی کہانی کی روشنی میں تجزیاتی صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ جہاں حیدر بخش حیدری کے مکمل داستانوی آرٹ کی کی زندہ دلیلیں بھی اجاگر ہو جاتی ہیں۔ نیچے دیئے گئے داستان کے چند اقتباسات قاری کو زبان کی سلاست اور موقع و محل کی چستی و روانی کا پورا پورا احساس دلاتے ہیں۔ افسانوں میں اچاٹ (نوید ہاشمی)، حادثہ (شگفتہ نظام) پسند آئے۔ غزلیات میں ابھرتے ہوئے شاعر جناب جاوید اکرم صاحب کی پوری غزل جانِ غزل ہے۔ سادگی اور سلاست سے یہ غزل مرقع ہے اس کے باوجود میں اکرم صاحب کے فکر و فن کی قدر کرتا ہوں۔ جہاں انہوں نے نئی نئی امیجر کی قائم کی ہے ــــــــ جیسے آنکھوں کی شکستہ دہلیز، چراغوں کے بدن، پتّوں کی ہتھیلی، شعلوں کے گلاب وغیرہ۔ اور اس بار ناگپور کی غزلوں میں عبدالرّب عرفان صاحب کی غزل کے یہ دو شعر مجھے اپنانے پر مجبور کر دیئے۔

جو زندگی کے گرم لہو سے لکھی گئی
شاید اسی کتاب کے ہم اقتباس ہیں

کل تک جو آرہے تھے نظر بحر بیکراں!
آج ان کو دیکھئے تو وہ خالی گلاس ہیں

آفتاب عالم زخمیؔ (بی۔ اے)
شاہی خانہ، کے۔ بی۔ روڈ
صاحب گنج (بہار)

پندرہ روزہ "آواز" برابر پڑھ رہا ہوں، ہمیشہ ایک نئی جدت سرورق پر ملتا ہے۔ نادر نمونہ ہی کہا جائے تو بہتر ہے۔

یکم سے ۱۵ اکتوبر کا آواز نظر نواز ہوا اس شمارے میں غزلیات کے علاوہ ہر مضمون بہت کامیاب ہے مندرجہ ذیل اشعار بہت پسند آئے۔

غم نہیں ہمیں اپنی ناؤ کی تباہی کا اپنے ڈوب جانے کا
غم ہمیں اسی کا ہے توڑ بیٹھا طوفان بھی اپنا دم کناروں پر

(عشرت ویلوری)

ناخدا جتنے تھے سب خواب بن گئے
اس سفینے کا اب ناخدا کون ہے

(محبوب راہی)

دیکھتے ہی دیکھتے، ہم لوگ روشن ہوگئے!
خوف سے چونکے مناظر بھاگتے ہیں دور دور

(صفدر)

منڈلا رہا ہے سر پر بڑی دیر سے عقاب
غفلت میں ہاتھ سے یہ کبوتر نہ چھین لے

(ڈاکٹر فدا المصطفےٰ فدوی)

جو زندگی کے گرم لہو سے لکھی گئی
شاید اسی کتاب کے ہم اقتباس ہیں

(عبدالرّب عرفان)

مجھ کو بخشے ہیں وفاؤں کے صلے میں آنسو
یہ ترا فرض تھا اکثر مجھے خنداں دیکھے

(خواجہ معین الدین مخلص)

ہوائے تند کے اس راستے میں پہرے ہیں
چراغ ہاتھ پر رکھ کر جو چل سکو تو چلو

(مقصود عرفان)

پھر اس ملال میں لوٹے کہ تو کہیں بھی نہیں
پھر اس خیال سے نکلے تو کہ نظر آئے

(منیب الرحمان)

زخم پتّوں کی ہتھیلی پہ ابھر آئے
پھول مرجھا گئے خوشبوئے ضیاء سے پہلے

(جاوید اکرم)

جناب نظام الدین نظام کی غزل بیاد گاندھی بہت اعلیٰ اور صداقت کی روشنی میں ہے۔

سبحان اللہ یہ شمارہ ہے جو نادر کلام اور تخلیق سے روشناس کراتا ہے۔

ممتاز حسین
کمرہ مظفرپور (بہار)

یکم اکتوبر کا شمارہ قابل دید ہے "اسلحہ اور ہتھیار" کی کہانی جناب عتیق انور صدیقی صاحب کی قابل تعریف ہے انہوں نے جس زمانے کی تصویر کھینچی ہے کہ پڑھتے وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم تواریخ کی دنیا میں کھو چکے ہیں۔

پتھر کے زمانے سے لیکر اس ایٹمی واسٹار وار کے زمانے کی بھرپور عکاسی کے لئے میں انور صدیقی صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور توقع کرتا ہوں کہ آئندہ بھی وہ اسی طرح قارئین کو ادبی خدمت سے نوازتے رہیں گے۔

جہاں تک احمد علی خاں ادیب صاحب کے مقالے "دکنی زبان کا ارتقاء" کے سلسلے میں میں یہ کہنا چاہوں گا کہ دکنی زبان کی ارتقاء گولکنڈہ کے پہلے بادشاہ سلطان قلی ۱۵۱۰ء و ۱۵۴۳ء کے ہی دور میں ہو چکا تھا۔

لیکن ادب کی پوری تہذیبی تصویر ہمیں سلطان قلی قطب شاہ کے دور میں ملتی ہے۔ اس عہد میں دکنی زبان اپنے پورے زوال پر تھی اور وجہی کی قطب مشتری، غواصی کی سیف الملوک و بدیع الجمال، ابن نشاطی کی پھول بن، طبعی کی بزم گل اندام اپنے عہد کی طرز معاشرت اور تہذیب و تمدن کو بڑی خوبصورتی سے پیش کرتی ہے۔

چونکہ سلطان قلی قطب شاہ خود اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر سمجھا جاتا ہے۔ جس کے دیوان میں غزلیں، مثنوی اور مرثیے سب کچھ شامل ہیں۔

اس لئے جہاں تک اردو زبان کے ارتقاء کا سوال ہے تو بقول سید مبارز الدین رفعت۔

"اردو زبان کا ارتقا دکن کی قطب شاہی اور عادل شاہی سلطنتوں کے سر بندھتا ہے"

اس طرح آخر میں میں اپنی بات اس مختصر قول سے ختم کرتا ہوں کہ "اردو کی جتنی خدمت گولکنڈہ کے قطب شاہی بادشاہوں نے کی اتنا کسی اور نے نہیں کی"

میں احمد علی خاں ادیب صاحب سے درخواست کروں گا کہ آئندہ وہ کسی مضمون کو وضاحت سے بیان کریں جس سے طالب علموں کو تحقیقی کام انجام دیئے بغیر اپنا وقت مطالعہ میں صرف کر سکیں۔ شکریہ

محبوب عالم محبوب
پہاڑی ٹولہ مسجد، رانچی

پہلی اکتوبر کا شمارہ وقت سے پہلے موصول ہو گیا یعنی میں نے بک اسٹال پر اسے ۳۰ ستمبر ہی کو خرید لیا۔ "آواز" کے لئے بہت ہی بہتر ہے اور آپ تمام لوگ جو "آواز" ترتیب دیتے ہیں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں قابل مبارکباد ہیں۔ وقت کی پابندی کامیابی کی کنجی ہے۔ آپ نے ناگپور سے جو غزلیں شائع فرمائی ہیں تقریباً تمام شاعروں کا عمدہ کلام آپ نے آواز کی زینت بننے دیا ہے۔ عشرت راہی، ظفر ناگپوری، صفدر، فدوی، عرفان اور مخلص سبھوں کے کلام سے کافی لطف اندوز ہوا۔ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی صاحب کا مقالہ دسہرہ کا فلسفہ بہترین مضمون ہے۔ کاش اسے ہندی آواز" میں شائع کیا جاتا تاکہ ملک کے اکثریتی فرقہ کے لوگ دیکھتے کہ ایک مسلم کس نظریئے سے دسہرہ دیکھتا ہے۔ آپ لوگ ایسے مضامین جن سے قومی یکجہتی میں مدد ملتی ہے ان کا ترجمہ خواہ ہندی ہو یا انگریزی میں شائع کرنے کی کوئی تدبیر کیوں نہیں کرتے! اگرچہ سرکاری ادارے کے لئے یہ خاصا مشکل کام ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ خواجہ احمد عباس عموماً سماج کے نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والے عوام کی زیادہ تر اپنے افسانوں میں ترجمانی کرتے ہیں۔

"بھلائے نہ بنے" کے تحت انور عظیم صاحب کا "ہینڈ کلف" بھی عمدہ مضمون ہے۔ انور عظیم صاحب اردو کے ان گنے چنے افسانہ نگاروں میں سے ایک ہیں۔ جن پر اردو دنیا فخر کر سکتی ہے۔ عظیم کے قلم میں جادو ہے مجموعہ قلمیں کافی دلچسپ ہے۔ بہت محنت سے یہ مضمون سپرد قلم کیا گیا ہے۔

"چچا چھکن نے روزہ رکھا"، رفیعہ شبنم کا عمدہ مزاحیہ مضمون ہے مگر مضمون کو دلچسپ بنانے میں وہ حقیقت سے کچھ دور ہو گئی ہیں بہرحال آواز کی آبیاری اسی طرح کرتے رہیئے۔

امید ہے مزاج عالی بخیر ہو گا۔

انور انصاری
اولڈ ہزاری باغ روڈ۔ نزد چونا بھٹہ
رانچی نمبر ۹

رسالہ آواز یکم اکتوبر نظر نواز ہوا۔ مرحبا مرحبا سبحان اللہ کیا ہی خوبصورت سرورق سے رسالہ آواز کو سنوارا اور بنایا ہے۔ دست بدعا ہوں کہ خدا آپ کی اس اردو نوازی اور خدمت گزاری کے صدقے میں مراتب اعلیٰ سے نوازے اور اس کی اشاعت میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہوتی رہے نایاب اور تاریخی اسلحوں سے آپ قارئین آواز کو سرخرو اور معلومات مہیا کرتے ہیں اورنگ زیب عالمگیر کی منقش تلوار اور اٹھارویں صدی کا مخمل کا کڑھا ہوا راجپوتی انگرکھا دیکھ کر ماضی کی دیگر اسلحات کی یادیں آنے لگیں بہرحال اس مرتبہ رسالہ آواز بازار میں آتے ہی ہاتھوں ہاتھ بک گئے ورنہ آواز کی کچھ کاپیاں کتاب کی دوکانوں پر بچ جاتے تھے۔

ڈاکٹر حامد اللہ ندوی صاحب نے دسہرہ کا فلسفہ میں جو قدیم مثالوں سے اس کی حقیقت اور اصل کو جو بیان کیا ہے وہ بالکل جامع اور ٹھوس ہے اور بڑے ہی خوبصورت پیرائے میں ہندوستان کے مختلف صوبوں میں جس ڈھنگ سے دسہرہ منایا جاتا ہے اس کی انھوں نے تشریح بھی کر دی تاکہ ہر خاص و عام اسکی افادیت اور اہمیت کو سمجھ سکے۔ عتیق انور صدیقی صاحب کا اسلحہ اور ہتھیار کی کہانی پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔ بڑی محنت اور کوشش سے صدیقی صاحب نے مواد جمع کر کے ہم قارئین آواز کو معلومات فراہم کیا۔ ہم بڑی ممنون و محسن ہیں۔ اور مضمون نگار حضرات کو ہدیہ مبارکباد پیش کرتے ہیں محترمہ رفیعہ شبنم عابدی صاحبہ کا مضمون "چچا چھکن نے روزہ رکھا"، پڑھ کر بہت لطف آیا شبنم عابدی نے بھی کیا ہی خوب اور مزاحیہ انداز میں اس مضمون کو پیش کیا ہے۔ انکی طرز نگارش کی داد دیتے ہوئے ہدیہ مبارکباد بھی پیش کرتا ہوں بذریعہ آواز انکو میرا مبارک باد پہونچا دیں غایت مہربانی ہوگی اور آواز میں دوسرے جو مضامین افسانے اور غزلیں اس بار نشر ہو کر شائع ہوئی ہیں بہت ہی معلوماتی اور مفید ہیں خطوط میں انوار انصاری صاحب کی رائے مجھے بہت پسند آئے ہیں مختصر مگر جامع رائے دہندگان میں سے ہیں انکو میرا سلام و پیام بذریعہ آواز پہونچا دیں۔ آواز پرچے کو دیکھتے ہی میری زبان پر یہ شعر آ جاتے ہیں اور صفحۂ قرطاس پر بکھیرنے پر مجبور ہو جاتا ہوں اور حقیقت بھی ہے

کونسا حسن ان اوراقِ پریشاں میں نہیں
پھول وہ تم نے چنے ہیں جو گلستاں میں نہیں

عبدالخالق انصاری رانچوی
ہند پیڑھی نزد مدینہ مسجد جی۔ ٹی روڈ
رانچی (بہار)

یکم اکتوبر کا شمارہ تمام تر رعنائیاں لئے جنت نگاہ بن گیا۔ سرورق کی تصویر میرے لئے تو لاجواب تھی اور تاریخ پسند حضرات کے لئے خوش کن۔

شمولات میں تاریخی حیثیت سے "ڈاکٹر حامد اللہ ندوی" کا مضمون "دسہرہ کا فلسفہ"، قابل مطالعہ ہے۔ اور لائق تحسین بھی۔

"شخصیات شعر و ادب کے تحت" ڈاکٹر ضیاء الدین نے خواجہ احمد عباس کے خیالات کا تجریدی کہانی کے متعلق ایک مطالعہ پیش کیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ نئے افسانہ نگار تجریدیت کو Condemn کر رہے ہیں جسکی وجہ سے افسانہ کی معنویت اور قدر و منزلت گھٹ گئی ہے۔ عتیق انور صدیقی نے "اسلحہ اور ہتھیار کی کہانی" کے عنوان سے ایک تاریخی مقالہ نہایت ہی کدو کاوش سے تحریر کیا ہے۔ اس کے تاریخی اشارات ان کی محنت کا پتہ دیتے ہیں۔

افسانوں میں شگفتہ نظام کا "حادثہ" اور علی امام کا "نہیں کوئی چہرہ" فنی خوبیوں سے آراستگی کے ساتھ بہت لطف دیتا ہے۔

غزلیات کے گوشہ میں عبدالرب عرفان کی غزل بہت پسند آئی۔ خاص طور پر یہ شعر جو طنز کی جھلک لئے ہوئے ہے تھوڑی سی مٹھاس کے ساتھ ساتھ۔

کل تک جو آس ہے تھے نظر بھر بیکراں
آج انکو دیکھئے تو وہ خالی گلاس ہیں

محبوب راہی کی غزل کا یہ شعر دل کو چھو گیا۔

سب ضرورت کے دھاگوں سے مربوط ہیں
بے غرض کون ہے بے ریا کون ہے

تمام نثری و شعری تخلیق کاروں کو مبارک باد!

عبدالحق حقانی القاسمی
اے۔ ایم۔ یو۔ علی گڑھ

ریڈیو سنگیت سمیلن ۸۶ء

اتوار ۱۶ر نومبر

صبح ۱۰:۰۰ سے ۱۱:۰۰

انت لال و ساتھی : شہنائی

صبح ۱۱:۰۰ سے دوپہر ۱۲:۰۰

حفیظ احمد خاں : گائن
ذوالفقار حسین خاں : سنگت گائن
حمید خاں : سارنگی
رمضان خاں : طبلہ
غلام باقر خاں : ہارمونیم
(۵ر اکتوبر کو بنگلور میں منعقد محفل موسیقی کی ریکارڈنگ)

رات ۱۰:۰۰ سے ۱۱:۰۰

کے آر ویدیاناتھن : وائلن

کے وی پرساد : مردنگم
کے آر کمار : گھاٹم
ٹی کے دکشنا مورتی : کنجیرا
ٹی ایس راجارمن : مورسنگ
(۵ر اکتوبر کو بمبئی میں منعقد محفل موسیقی کی ریکارڈنگ)

پیر ۱۷ر نومبر

رات ۱۰:۰۰ سے ۱۱:۰۰

نرملا ارون : ہلکی موسیقی (گائن)
لیاقت علی خاں : سارنگی
نظام الدین خاں : طبلہ
پربھاکر پیڈنیکر : ہارمونیم
(۴ر اکتوبر کو دہلی میں منعقد محفل موسیقی کی ریکارڈنگ)

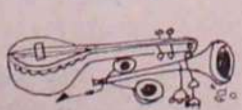

منگل ۱۸ر نومبر

رات ۱۰:۰۰ سے ۱۱:۰۰

این سی سندراولی : گائن
کے ایس الاگر سوامی : وائلن
پی آر ہری ہرن : مردنگم
یو کے نرائنا سوامی : گھاٹم
(۴ر اکتوبر کو بھدراوتی میں منعقد محفل موسیقی کی ریکارڈنگ)

بدھ ۱۹ر نومبر

رات ۱۰:۰۰ سے ۱۱:۰۰

اندرانل بھٹاچاریہ : ستار
شنکر گھوش : طبلہ
(۵ر اکتوبر کو مدراس میں منعقد محفل موسیقی کی ریکارڈنگ)

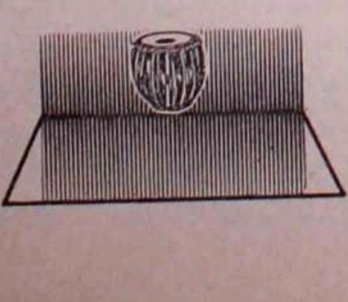

جمعرات ۲۰ر نومبر

رات ۱۰:۰۰ سے ۱۱:۰۰

ایم ایس بالاسبرامنیا سرما : گائن
اناورپو راما سوامی : وائلن
پالگھاٹ آر رگھو : مردنگم
این گووندا راجن : گھاٹم
(۵ر اکتوبر کو کالی کٹ میں منعقد محفل موسیقی کی ریکارڈنگ)

جمعہ ۲۱ر نومبر

رات ۱۰:۰۰ سے ۱۱:۰۰

ایس کلیانارمن : گائن
این آر مرلی دھرن : وائلن
یو کے سوارمن : مردنگم
ای ایم سبرامنیا : گھاٹم
(۴ر اکتوبر کو وجے واڑہ میں منعقد محفل موسیقی کی ریکارڈنگ)

ہفتہ ۲۲ نومبر

رات ۹-۳۰ سے ۱۱-۰۰

جیا بسواس : ستار
گشن مہاراج : طبلہ
(۴ اکتوبر کو بمبئی میں منعقد محفل موسیقی کی ریکارڈنگ)

اتوار ۲۳ نومبر

صبح ۱۰-۰۰ سے ۱۱-۰۰

وناٸیک وہرا : تار شہنائی
وشوناتھ مشرا : طبلہ

صبح ۱۱-۰۰ سے دوپہر ۱۲-۰۰

تیجما ٹھاکر : گائن

منیر خاں : سارنگی
سمیر چٹرجی : طبلہ
سوہن لال شرما : ہارمونیم
(۵ اکتوبر کو راجکوٹ میں منعقد محفل موسیقی کی ریکارڈنگ)

رات ۱۰-۰۰ سے ۱۱-۰۰

این ٹی وی کرشنا مورتی : گائن
کے وشوا ناتھن : وائلن
ایم این کرشنا مورتی نیر : مردنگم
(۴ اکتوبر کو ترپوراپتی میں منعقد محفل موسیقی کی ریکارڈنگ)

پیر ۲۴ نومبر

رات ۱۰-۰۰ سے ۱۱-۰۰

نصیر ظہیر الدین ڈاگر اور
نصیر فیاض الدین ڈاگر : گائن
گوپال داس : پکھاوج
(۵ اکتوبر کو مدراس میں منعقد محفل موسیقی کی ریکارڈنگ)

منگل ۲۵ نومبر

رات ۱۰-۰۰ سے ۱۱-۰۰

این روی کرن : گوٹو وادیم
ٹی کے مورتی : مردنگم

ٹی ایچ ونیاکرم : گھاٹم
(۵ اکتوبر کو دہلی میں منعقد محفل موسیقی کی ریکارڈنگ)

بدھ ۲۶ نومبر

رات ۱۰-۰۰ سے ۱۱-۰۰

دیویندر مردیشور : بانسری
نتیہ نند ہلدی پور کر : بانسری سنگت
اومکار گلواڈی : طبلہ
(۴ اکتوبر کو بھوپال میں منعقد محفل موسیقی کی ریکارڈنگ)

جمعرات ۲۷ نومبر

رات ۱۰-۰۰ سے ۱۱-۰۰

پربھا اترے : گائن
موہن مونگرے : ہارمونیم
رگھوناتھ ناکوڈ : طبلہ
(۴ اکتوبر کو کلکتہ میں منعقد محفل موسیقی کی ریکارڈنگ)

جمعہ ۲۸ نومبر

رات ۱۰-۰۰ سے ۱۱-۰۰

راجیشوری پدمانابھن : وینا
تنجوور اپیندرن : مردنگم
ٹی ایچ ایس چندرن : گھاٹم
(۴ اکتوبر کو وجے واڑہ میں منعقد محفل موسیقی کی ریکارڈنگ)

ہفتہ ۲۹ر نومبر

رات ۳۰-۹ سے ۰۰-۱۱

سنگھ بندھو : گائن
اندر لال : سارنگی
کالے رام : طبلہ
محمود دھولپوری : ہارمونیم
(۴ر اکتوبر کو بھوپال میں منعقد محفل موسیقی کی ریکارڈنگ)

اتوار ۳۰ر نومبر

صبح ۰۰-۱۰ سے ۰۰-۱۱

شاہد پرویز : ستار
سریش تلوالکر : طبلہ

صبح ۰۰-۱۱ سے دوپہر ۰۰-۱۲

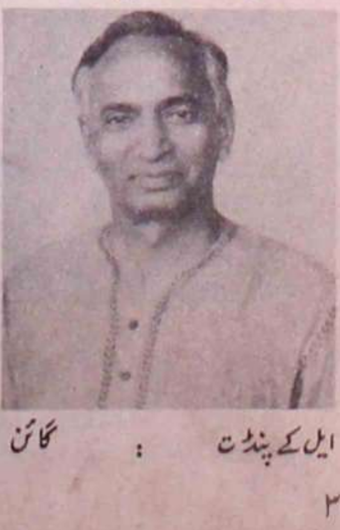

ایل کے پنڈت : گائن
عبداللطیف خاں : سارنگی
فیاض خاں : طبلہ
(۵ر اکتوبر کو ناسک میں منعقد محفل موسیقی کی ریکارڈنگ)

رات ۰۰-۱۰ سے ۰۰-۱۱

سیتا لکشمی وینکٹیشن : گائن
میسور ایم ناگ راج : وائلن
آر رمیش : مردنگم
بی کے وینکٹا رام : گھاٹم
(۵ر اکتوبر کو مدراس میں منعقد محفل موسیقی کی ریکارڈنگ)

مزید تفصیلات
آئندہ شمارے میں

وودھ بھارتی

سنگیت سریتا: صبح ۳۰-۷

راگ ہنس دھونی

۱۷ر نومبر — 'فلم وپریوار'؛ لتا ومنا ڈے
سوریہ کانت کھالڈکر وساتھی
سندری وادن

راگ درگا

۱۸ر نومبر — 'گیت گایا پتھروں نے'،
کشوری امونکر
بدھ دیو داس گپتا : سرود

راگ مانڈ

۱۹ر نومبر — 'ہیر رانجھا' : لتا
برج بھوشن کابرہ : گیٹار
۲۰ر نومبر — 'ابھیمان' : لتا
بمل مکرجی : ستار

راگ پہاڑی

۲۱ر نومبر — 'پریم پربت' : لتا
بڑے غلام علی خاں
پہاڑی ٹھمری
۲۲ر نومبر — 'دوستی'؛ رفیع
ہری پرساد چورسیہ : بانسری
۲۴ر نومبر — 'ارادھنا'؛ لتا وکشور
نزاکت علی خاں، سلامت علی خاں
پہاڑی ٹھمری
۲۵ر نومبر — 'آخری خط' : لتا
وِنایک ووہرہ؛ تار شہنائی
۲۶ر نومبر — 'چودھویں کا چاند'؛ رفیع
اپا جلگاؤنکر: ہارمونیم
۲۷ر نومبر — 'تاج محل'؛ رفیع ولتا
شِو کمار شرما : سنتور

راگ کھماج

۲۸ر نومبر — 'بڈھا مل گیا'؛ منا ڈے وارچنا
برکت علی خاں؛ کھماج ٹھمری
۲۹ر نومبر — 'امر پریم'،
پنا لال گھوش؛ بانسری

انورنجنی: سہ پہر ۱۵-۳

۱۷ر نومبر — سندا پٹنائیک: راگ کوشک بھیروی
وسنت راؤ دیشپانڈے

راگ راج کلیان
۱۸ر نومبر — پتر دیوداس جوشی: راگ جوگ
ششانک کٹی: ستار پر راگ باگیشری
۱۹ر نومبر — راجن مشر و ساجن مشر
راگ گجری توڑی
مانک ورما: جوگ کونس
۲۰ر نومبر — نکھل بنرجی: ستار پر جونپوری
پنڈت رام نرائن
سارنگی پر راگ بھیروی
۲۱ر نومبر — کنکنا بنرجی: راگ مارو بہاگ
دلشاد خاں : راگ کیدار
۲۲ر نومبر — بسم اللہ خاں و ڈی۔ جی۔ جوگ
شہنائی و وائلن پر جگلبندی
راگ چندر کونس
عبدالحلیم جعفر خاں : ستار
۲۴ر نومبر — کمار گندھرو: راگ گوری بسنت
کلیان و سوہنی
گرجا دیوی: راگ ابھوگی کانہڑہ
۲۵ر نومبر — چندر شیکھر نارنگریکر
ستار پر راگ للت
راجن سہجوال
پکھاوج پر دھمار تال
۲۶ر نومبر — غلام مصطفٰے خاں
راگ نائیکی کانہڑہ
مالنی راجورکر
ٹپہ کھماج ملتانی
۲۷ر نومبر — حافظ علی خاں
سرود راگ چندر بھنکر

آکاشوانی اودے پور

کی جانب سے منعقد لوک سنگیت و رقص کی ایک محفل میں گریش کمار و ساتھی
بنجارہ رقص (دائیں) اور ساگرمل جین اور کماری کرن راٹھور (بائیں) کالبیہ رقص پیش کرتے ہوئے۔

لفٹیننٹ جنرل ۔ ایس پی پی تھورات (ریٹائرڈ) آکاشوانی بمبئی کے اسٹوڈیو میں
آکاشوانی آرکائیوز کے لیے بیتے دنوں کی یادوں کی صدابندی میں مصروف۔

گنتور کی خواتین کی
ایک تنظیم کی جانب سے
آکاشوانی وجے واڑہ
کے لیے
ایک ورائٹی پروگرام ریکارڈ کراتے ہوئے فنکار۔

شریمتی پروتائی واگھ، ایم ایل اے، امپورٹنس آف اسپیسنگ،
کے موضوع پر راجیش کلمکار کے سوالوں کے جواب دیتے ہوئے۔
یہ پروگرام آکاشوانی جلگاؤں سے نشر ہوا۔

Regd. No. D-(C)39
R.N. No. 14253/57
PRICE : RUPEE 1.00
Awaz
16th NOVEMBER 1986
Licensed (U-23) to post without prepayment at PSO, New Delhi.

ششی کپور
فلم اداکار و ہدایت کار
وودھ بھارتی سے
فلمی گیتوں کا
پروگرام 'خصوصی جے مالا'
پیش کرتے ہوئے۔

خشونت سنگھ۔
نامور اسکالر اور
صحافی
کے ساتھ
انور احمد خاں (بائیں)
کی گفتگو
حال ہی میں
آکاشوانی اورنگ آباد کے
اردو پروگرام 'سب رنگ' میں
نشر ہوئی۔

کے ایل لوتھرا۔
چیرمین ایم او آئی ایل
آپ کے ساتھ
ایم وائی بودھنکر کا
انٹرویو
آکاشوانی ناگپور سے
نشر ہوا۔

Published by the Director General, All India Radio, at the Office of the Chief Editor, Akashvani Group of Journals, PTI Building, II floor, Sansad Marg, New Delhi-110001
Printed by the Manager, Govt. of India Photo Litho Press, Faridabad.

آواز

۱۶ر سے ۳۱ر دسمبر ۱۹۸۳ء
۲۵ر اگرہائن سے ۱۰ر پوش ۱۹۰۵ شاکا

شاعت ۴۸ واں سال
یمت ./۱ روپیہ

آل انڈیا ریڈیو کے پروگرام، معلوماتی مضامین، دلچسپ افسانے و منظومات

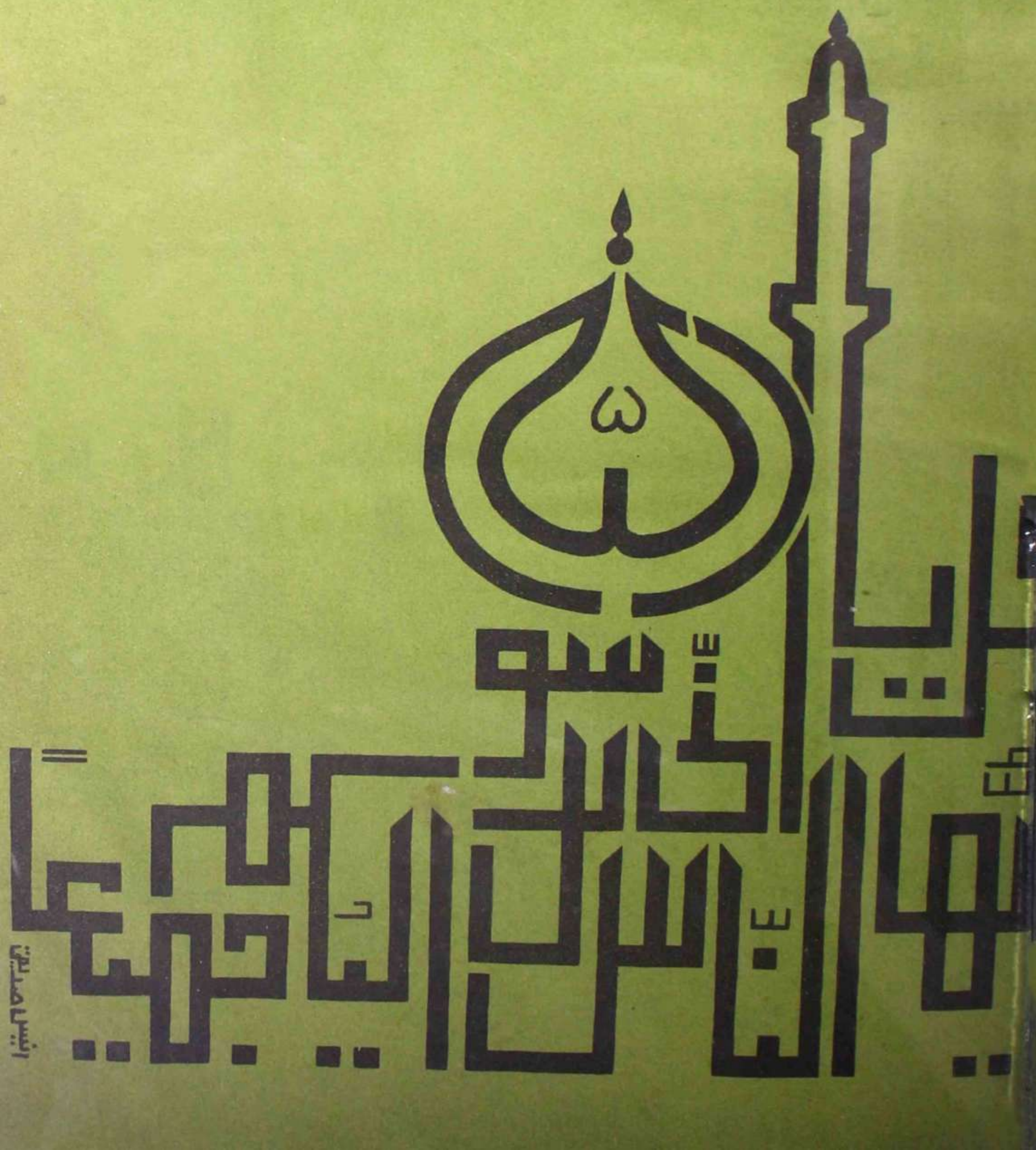

مسعودہ حیات

اب تمہاری رنجشِ بیجا کے وہ تیور کہاں
جن کو ہم دل میں چھپالیں آج وہ نشتر کہاں
یوں تو پڑھ لیتے ہیں ہم اکثر رگِ گل کے نقوش
جو کتابِ زندگی پڑھ لیں وہ دیدہ ور کہاں
جب شعورِ زندگی جاگا، تو یہ احساس ہے
اب مری پرواز کے قابل وہ بال و پر کہاں
یوں تو پھولوں سے مہکتا ہے صنم خانہ مگر
سر جھکانے کے لیے اس شہر کا پتھر کہاں
سونی سونی ہوگئی ہیں دوستوں کی محفلیں
تم نہیں تو وہ زمیں، وہ گھر، وہ بام و در کہاں
ذرہ ذرہ نذرِ آشوبِ جنوں اب ہوگیا
ایک سناٹا ہی سناٹا ہے میرا گھر کہاں
عہدِ ماضی کے ستم ہم بھول تو جاتے حیات
وقت کے پہلو میں وہ مہکا ہوا پیکر کہاں

نورجہاں ثروت

چلنے لگی زمین، تو رکنا پڑا مجھے — دو ہی قدم کے بعد سنبھل...
اپنی تپش میں آج جھلسنا تو فرض تھا — اکثر پرائی آگ میں جل...
جس دشتِ بے شجر میں جنوں مجھ کو لے گیا — امید کے بھی سائے سے ڈر...
ایسا یہاں تھا کون جسے اپنا کہہ سکوں — سب کو سلام دور سے کر...
گلیوں میں اس کی کچھ نہ ملا کرب کے سوا — اب آرزو کا شہر بدلن...
تنہا روی کے لطف کو ثروت تیاگ کر
اوروں کے ساتھ ساتھ بھی چلنا پڑا مجھے

ذکیہ سلطانہ نیر

عشق نہیں جو زیست کو، دولتِ آگہی نہ دے
مہر نہیں جو خاک کو، خلعتِ روشنی نہ دے
بادہ نہیں وہ ساقیا، جو نئی سرخوشی نہ دے
عشرتِ زندگی نہ دے، نشۂ آگہی نہ دے
جامِ خودی دے ساقیا! ساغرِ بے خودی نہ دے
بادۂ ہوش دے مجھے، داروئے بے ہشی نہ دے
آمدِ نو بہار کی، دعوتِ سرخوشی نہ دے
بادِ نسیم ہی وہ کیا، جو نئی تازگی نہ دے
دونوں جہاں کا بارِ غم کس سے اٹھے گا اے خدا
یا غمِ زندگی نہ دے، یا غمِ عاشقی نہ دے
میں نے خدا سے پہلے دن، رکھی تھی شرطِ زندگی
یا مجھے زندگی ہی دے، یا مجھے زندگی نہ دے
رہروِ راہِ زندگی، وقت سے تیز چال چل
راہبروں کو راہ میں، فرصتِ رہزنی نہ دے
آدمی فرطِ یاس سے زیست کی آس چھوڑ د...
گر نئے نور کا یقیں وقت کی تیرگی نہ د...
حرف ہے لغزشِ قلم، حرف ہے خطِ نا...
حرف جو روشنی نہ دے، لفظ جو آگہی...

جمیلہ بانو

...م کو معلوم ہے اعجازِ مسیحا کیا ہے — چارہ گر تیرے دلاسوں کا بھروسہ کیا ہے
...ز و جاں کوئی نہیں جو میری حالت جانے — اس بدلتے ہوئے ماحول میں اپنا کیا ہے
...لتی آنکھوں نے اس دل کا بھرم توڑ دیا — اب زمانے سے غمِ عشق چھپانا کیا ہے
...م ہے لوگوں کو نہ رہ روکی نہ منزل کی تلاش — صرف اک وہم ہے ان باتوں میں رکھا کیا ہے
اے جمیلہ تجھے اس دور نے کیا کچھ نہ دیا
صبر کرنا ہی مقدر ہے تو شکوہ کیا ہے

اسی بار — اردو سروس کی — بزمِ خواتین میں نشر — غزلیں

آواز
آل انڈیا ریڈیو کے پروگرام

ٹیلی فون
چیف ایڈیٹر — اوم پرکاش بھریوال — ۳۸۲۲۴۹
ادارت
سراج احمد — ۳۸۲۲۵۴
ہرمہندر سنگھ وج
اسسٹنٹ بزنس منیجر — ڈی کے پوری — ۳۸۲۳۵۱
تار کا پتہ — LISTENER

دھلی — ۱۶ر دسمبر ۱۹۸۳ء بمطابق ۲۵ر اگرہائن ۱۹۰۵ شاکا — جلد ۴۸، شمارہ ۲۴

اس شمارے میں

حضرت محمدؐ کی ولادت باسعادت قرآن مجید کی روشنی میں ——— مولانا سید محمد نظام الدین - ۳
...جا نہرو کی بیٹی سے انٹرویو ——— اُما چکبست — ۵
...بہار ——— مہیشور دیال — ۸
...ش ملیح آبادی کی رومانی شاعری — عشرت آرا سلطانہ — ۹
...صاب تعلیم ——— ڈاکٹر ایس ایم موکوی - ۱۰
...ھیہ پردیش اردو اکیڈمی ——— فضل تابش — ۱۲
...میں اک درد سا اٹھا ہے ابھی ——— ڈاکٹر ندیم الرحمٰن خاں - ۱۳
...ب رنگ ——— محمد احمد اندرابی - ۱۴
...سمندری پودے اور ان کا استعمال — سید فرید احمد رضوی - ۱۶
...نگلات کا تحفظ ——— مہر بانو عارف - ۱۷
...یڈم کیوری کی خدمات ——— منہاج الدین قاضی - ۱۹
...ل جراحی ——— محمود ہاشمی — ۲۰
...کشی نگر ——— محمد رشید — ۲۱
...فس شرر ——— شمیم صادق — ۲۲
...تلاش ——— بشیر شاہ — ۲۳
...جتنی بینائی کا کرب ——— شبیر احمد ہاشمی — ۲۴
...کیلا ——— قیصر رضا — ۲۶
...دوسرا آدمی ——— اکرام فرحت — ۲۸

غزلیات —

...ے میاں اختر گورکھپوری - ۴ | قیصر حیدری دہلوی — ۳۸
سلمیٰ جاوید — ۱۰ | شاکر آروی — ۳۹
ارم عمر پوری — ۱۴ | عبدالعظیم خاں شیگانوی - ۴۱
...یام سعیدی — ۱۸ | فضا ابن فیضی — ۴۴
ڈاکٹر مظلوم رضوی برق - ۱۹ | منظر سلطان — ۴۸
ذکی طارق — ۲۵ | شمس تبریزی — ۵۴
سید رونق رضا — ۲۸

سرورق کا عمل : انیس صدیقی

قیمت
فی کاپی — ایک روپیہ
سالانہ — ۲۰ روپے
دو سال — ۳۵ روپے
(اندرون ملک ڈاک خرچ بذمہ ادارہ)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کی ولادت باسعادت قرآن مجید کی روشنی میں

مولانا سید محمد نظام الدین

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو ان کے موجود ہونے کی نعمت اور ان کی بقا کے اسباب مہیا کرنے کی نعمت سے نوازا مگر انسان اپنے رب کی نعمت کو فراموش کر کے نافرمانی، کفر، ضلالت میں مبتلا ہو گئے جب سے برابر ہی انسان کو گمراہی، کفر، نافرمانی سے پاک وصاف کرنے کے لیے اپنی نعمتوں و احسانوں کی یاد دہانی کے ذریعہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ہدایت فرمائی گئی ہے۔ جیسے آیت کریمہ :

یَا اَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (سورہ بقرہ ع ۳)

(اے انسانو اپنے رب کو ایک جانو (شرک سے بچو) جس رب نے تمہیں اور تمہارے اگلوں کو وجود بخشا تاکہ تمہیں پرہیزگاری ملے جس رب نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسایا اور تمہارے کھانے کے لیے اس پانی سے پھل نکالے تم جان بوجھ کر اللہ کا ہمسر نہ ٹھہراؤ)۔ اسی سلسلہ کی آیت کریمہ :

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ بھی ہے۔ ترجمہ: حقیقت میں اللہ نے مسلمانوں پر (عظیم) احسان فرمایا ہے جب ان میں انھیں کے جنس سے رسول بھیجا جو ان کو اللہ کی آیت پڑھ کر سناتا ہے اور انھیں پاک وصاف کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے یہ انسان کھلی گمراہی میں مبتلا تھے) اس آیت کریمہ میں بھی اپنے احسان کی یاد دہانی کے ذریعہ ہدایت فرمائی گئی ہے مگر اس آیت میں جس احسان کو ہدایت کا ذریعہ فرمایا گیا ہے وہ احسان حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس عالم میں تشریف لانا اور آپ کی ولادت باسعادت ہے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عالم میں تشریف لانے اور آپ کی ولادت باسعادت کو ہم مسلمانوں کے لیے احسان فرمایا جا رہا ہے، چونکہ آپ کے ذریعہ انسانوں کو نفع حاصل ہوا جیسے (مومنین) اسی لیے اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے احسان کو اس طرح بیان فرمایا کہ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ ورنہ آپ کی ذات مبارک تمام انسان کو طریق مستقیم پر لانے کی جد و جہد کے لیے تھی اس کو آپ کی زبان مبارک

سے ظاہر بھی فرمایا گیا ہے۔
قُلْ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا۔ ترجمہ
آپ فرما دیجیے کہ انسانو! میں اللہ کا رسول تم سب کے لیے ہوں۔
ظاہر ہوگیا کہ آپ کی ذات مبارک اللہ کی طرف سے تمام انسان کے لیے احسان ہے، خصوصاً مسلمانوں کے لیے تو احسان عظیم ہے، اس احسان کی عظمت پر بھی غور کر لیا جائے۔ دینی نیکیاں اور دنیاوی نیکیاں دونوں، ہم لوگوں کا حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کو پسندیدہ ہے فرمایا گیا ہے۔

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا سورہ بقرہ ۲۵

ترجمہ: لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا ہی میں دیدے ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور کوئی ان میں سے ایسے ہوتے ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بھی بہتری دیجیے اور آخرت میں بھی بہتری دیجیے اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچائے رکھیے، ایسے لوگوں کو انکا حصہ مل کر رہے گا ان کے اچھے اعمال کے عوض۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ دینی نیکیاں اور دنیاوی نیکیاں دونوں ہم لوگوں کا حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور یہ دونوں نیکیاں آپ کی تشریف آوری کے سبب اور آپ ہی کے ذریعہ سے ہم مسلمانوں کو حاصل ہو رہی ہیں۔ لہٰذا حضرت اقدس کی تشریف آوری ہم مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے احسان اور نعمت ذی عظمت ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے عطائے نعمت سے متعلق دو حکم صادر فرمایا ہے ایک ذکر یعنی یاد رکھنے اور دوسرے تحدیث یعنی بیان کرنے کا۔ اول کے متعلق دو آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

اے ایمان والو! اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو کہ جب لوگوں نے تم پر ہاتھ چلانے کا قصد کیا اس وقت اللہ نے ان کے ہاتھ کو تم سے روک دیا (یعنی ایذا رسانی سے بچا لیا)۔ (سورہ مائدہ ع ۲)

(اے ایمان والو) اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو کہ جب تم آپس میں دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دیا اور تم اس کے انعام سے بھائی بھائی ہو گئے۔ اور تم آگ کے کنارے پر تھے اس نے تمہیں بچا لیا۔ (سورہ آل عمران ع ۱۱)

اس آیت میں بھی مومنین ہی مخاطب ہیں۔ ان دونوں آیتوں میں رب کی نعمت کو یاد رکھنے، فراموش نہیں کرنے کا حکم ہے۔ دوسرے حکم، نعمت رب کی تحدیث سے متعلق یہ آیت ملاحظہ ہو:
فَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (آخر سورہ والضحیٰ) اپنے رب کی نعمت کو بیان کیجیے۔
تحدیث کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کو کسی سے بیان کرنا اس آیت میں تحدیث کا تعلق نعمت رب کے ساتھ ہے اس لیے معنی یہ ہوئے کہ رب کی نعمت کو بیان کیجیے۔ جب یہ مسلم ہے کہ آیت کریمہ (فَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ) کے مخاطب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو اس آیت سے تحدیث نعمت کا حکم مومنین کو کیسے ہوا اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ یہ امر ذہن نشین رکھنے کے بعد کہ اس آیت (فَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ) کو آیت (خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ) کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا ہے تو یہ نتیجہ نکالنا ہوگا کہ آیت کریمہ (فَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ) کے ذریعہ نعمت رب کے تحدیث کے حکم میں حضرت اقدس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مومنین بھی شامل ہیں ورنہ فرما دیا جاتا (خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ) آیتوں سے واضح ہو گیا کہ نعمت رب سے متعلق مسلمانوں کو دو حکم دیے گئے ہیں، نعمت رب کے ذکر یعنی یاد رکھنے، فراموش نہیں کرنے کا اور اس نعمت کی تحدیث یعنی بیان کرنے کا۔ اور آیت کریمہ (لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ (الی آخر الآیۃ)) سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری آپ کی ولادت باسعادت ہم مسلمانوں کے لیے رب العالمین کی طرف سے احسان عظیم اور نعمت عظیم ہے تو ظاہر ہے کہ آپ کی تشریف آوری اور آپ کے خلق عظیم کے واقعات، حکم ذکر اور حکم تحدیث دونوں سے وابستہ ہیں۔

رب کی طرف سے نعمت عطا ہونے سے متعلق دو حکم صادر فرمانے کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ نعمت رب کے واقعہ کو بیان کر کے اور اس بیان کو سن کر اور یاد رکھ کر تینوں طریقے سے محسن کا شکر ادا ہوتا رہے۔

لہٰذا ہم اپنے اپنے صلاحیت ذوق و شوق کے لحاظ سے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری، ولادت باسعادت، آپ کے خلق عظیم آپ کی سیرت کے واقعات کو بیان کر کے، سن کر اور یاد رکھ کر لسانی، جوارحی اور قلبی شکریے سے مستحق ثواب ہوتے رہیں اور اس ذریعہ سے بھی اللہ تبارک و تعالیٰ محسن اعظم کی یاد ہوتی رہے اور ان کی یاد سے غفلت نہ ہونے پائے اور فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِیْنَ ہ پر عمل رہے۔

(پٹنہ سے نشر)

آکاشوانی (ھندی)
کی جانب سے نئے سال کی خوشی میں پیش ہے
"ریڈیو ناٹک خصوصی نمبر"
یکم جنوری ۱۹۸۴ء
عصر حاضر کے دو عظیم ڈرامہ نگاروں کی تخلیقات ایک ہی شمارے میں
مہا بھارت کے زندہ کردار 'گاندھاری' کی کشمکش پر مبنی سوریندر کشنکر شیش کی ایک تخلیق
"ابھی شپت گاندھار"
اور مشہور مراٹھی ڈرامہ نگار وجے تندولکر کا ناٹک
"چار دن"
اس کے علاوہ ناٹک کے موضوع پر امرت لال ناگر، مدرا راکشس اور عمیق حنفی کے اہم مقالات
قیمت ایک روپیہ
سالانہ ـــ ۲۰ روپے، دو سال ـــ ۳۵ روپے
کاپی منگانے کے لیے لکھیں:-
اسسٹنٹ بزنس منیجر
آکاشوانی گروپ آف جرنلز، آل انڈیا ریڈیو۔ پی ٹی آئی بلڈنگ، سنسد مارگ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱

نعت شریف

نھے میاں اختر گود کھپوری

جب سے بسا اے رحمت عالم گنبد خضرا انکھین ما
پیہو پیہو دن رین کرے ہے جیسے پپیہا بگیین ما
بھاگ ہیں مورے ایسا جو ہوتا جاتا مدینہ کی گلیین ما
روضہ کی جالی چوم کے آقا خاک ـــ لگاتا انکھین ما
درشن دکھا دو سپنے میں آقا مدت سے ہو لاس لگائے
ترا جو درشن بھاگ سے ہووے تھکا بٹھاؤں نین ما
پاپ کی گٹھری سر پہ لدی ہے آسرا بس اک بخشش ہے
کملی میں آقا اپنی چھپا لو آن پڑا ہوں چرنن ما
استانہ ہو کوئی مجبور آقا آپ تلک جوانے کو ترسے
تڑپت ہوں دن رین نبی جی نیند نہ آوے رتین ما
حور و ملک آکاش سے آئے ڈالی درود و سلام بجائے
برست نور جھماجھم اختر آمنہ بی کے آنگن ما

(گورکھپور سے نشر)

چاچا نہرو
کی بیٹی کے ساتھ انٹرویو

اُما چکبست

اُما چکبست : آج کی اس ملاقات میں اندراجی میں آپ سے ہندوستان کی وزیراعظم کی حیثیت سے نہیں بلکہ اپنے پیارے چاچا نہرو کی بیٹی کی حیثیت سے بات کرنا چاہتی ہوں ۔ آپ کی زندگی کے ورق کے ساتھ ساتھ چاچا نہرو کی شخصیت کا بھی مطالعہ کرنا چاہتی ہوں ۔ چاچا نہرو کو دنیا کے تمام بچوں سے بے پناہ محبت تھی تو پھر آپ جو اُن کی اکلوتی بیٹی ہیں آپ سے کس قدر محبت ہوگی اس کا تو اندازہ ہی نہیں لگایا جاسکتا ۔ آپ کی پرورش میں نہرو جی نے خاص توجہ دی اسی لیے عام روش سے ہٹ کر ان کے خطوں میں جو انھوں نے آپ کو بچپن میں لکھے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کا وجود کیسے ہوا ؟ انسان اور دوسرے جانداروں نے کیسے ترقی کی ؟ تاریخ کے دور کے شروع ہونے تک ۔ اس کے علاوہ عالمی اتہاس کی جھلک ان خطوں میں ہمیں ملتی ہے ۔ جب آپ کو یہ خط ملتے تھے تو ان کو پڑھتے وقت آپ اکتاہٹ محسوس کرتی تھیں یا ان میں دلچسپی ہوتی تھی آپ کو ۔

شریمتی اندرا گاندھی : میں جب چھوٹی تھی تو میں بہت سے سوال کرتی تھی ۔ کیوں ہے ؟ کیسے ہے ؟ کب ہوا ؟ اور جب بھی ان کو وقت ملتا تھا تو میرے پتاجی کو وہ اس کا جواب دیتے تھے ۔

اُما چکبست : آپ اُن کو بَپّو کہتی تھیں ؟

شریمتی گاندھی : پاپو کہتی تھی ۔ اور وہ ایسے شروع ہوا کیونکہ گاندھی جی کو ہم باپو کہتے تھے تو اس وجہ سے اس کو اس میں ملایا کسی طرح سے ۔ تو جب میں قریب آٹھ برس کی تھی تو گرمیوں میں اپنی ماں کے ساتھ مسوری گئی تھی ۔ اور وہ الٰہ آباد میں تھیں ۔ تو جانے کے پہلے میں نے ان سے یہی پوچھا تھا دنیا کیسے شروع ہوئی ؟ کون پہلے اس میں جیو تھے ؟ کیا تھا ؟ تو اس کے جواب میں انھوں نے پہلے وہ کتاب لکھی جو (باپ کے خط بیٹی کے نام) تو وہ چھپنے کے لیے نہیں لکھے گئے تھے اور میں تو بہت دلچسپی سے ان کو پڑھتی تھی اور پڑھ کے ان سے بہت باتیں پوچھا کرتی تھی ۔ بعد میں جب وہ جیل میں تھے لمبے عرصے کے لیے تب انھوں نے سوچا کہ اور آگے اس کو لے جائیں اتہاس میں اور یہ دوسرے خط لکھے ۔ وہ خط مجھے ایک ایک کر کے نہیں ملے کیونکہ جب جیل میں تھے تو وہ ایک ہی خط لکھ سکتے تھے ۔ کئی جیلوں میں تھے ، نینی میں تھے اور کبھی دہرادون میں تھے کبھی کہیں اور تھے ۔ وہ تو اِدھر اُدھر بھیجے جاتے تھے ۔ لیکن خط مہینے میں دو لکھ سکتے تھے ۔ اور ایک ہی کو لکھ سکتے تھے ایک خط ۔ تو عام طور سے جو بھی لوگ جیل میں ہوتے تھے تو وہ ایک سارے پریوار کو ، سارے خاندان کو لکھتے تھے اور ظاہر ہے وہ اپنی ہی خبر دیتے تھے ۔ اس لیے یہ خط آ نہیں سکتے تھے باہر ۔ یہ تو کبھی کبھی ناجائز طریقے سے ۔ جیسے کوئی ملاقات کے لیے گیا تب دے دیا یا ہم نے کچھ سامان ان کو بھیجنا ہوا اس میں چھپا کے بھیج دیا ۔ کچھ تو ویسے آئے اور کچھ تو جب جیل سے چھوٹے تب بہت بڑی گڈی کی شکل میں آئے ۔

اُما چکبست : آپ جب نہرو جی سے ملنے جاتی تھیں جیل میں ۔ میں نے ان کو خطوں میں پڑھا ہے کہ وہ لکھتے تھے کہ پندرہ دن میں آپ ایک بار ان سے مل پاتی تھیں اور کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ آپ کی ماں دوسری جیل میں ہوتی تھیں اور ماں اور باپ کے بیچ میں میسنجر کا کام آپ کرتی تھیں ۔ اس بارے میں کچھ آپ کو یاد ہے ؟

شریمتی گاندھی : ہاں بہت اچھی طرح سے یاد ہے تب اتنی چھوٹی تو نہیں تھی میں اور خالی ان کی نہیں کیونکہ اس وقت تو ہم لوگ اتنے زیادہ آزادی کی لڑائی میں پھنسے تھے کہ ہم سبھی کو خاندان مانتے تھے ۔ آپ نے شروع میں کہا کہ نہرو جی سب بچوں سے پیار کرتے تھے اور مجھ سے زیادہ ۔ لیکن میرا خیال ہے کہ وہ سب کو برابر دیکھتے تھے ۔ کہ میں وہاں تھی لیکن وہ مجھے دوسروں سے زیادہ اپنا نہیں سمجھتے تھے سبھی بچوں کو وہ اپنا سمجھتے تھے ۔ اور اسی طرح سے ہم بھی جو دوسرے لوگ جیل میں تھے ان کو بھی سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے خاندان کے ہیں ۔ تو اگر ان سے کوئی ملنے نہیں جاسکتا تھا تو ہم لوگ ملنے جاتے تھے ان کے لیے خط لکھتے تھے تو ان کی بھی خبر یا سندیش ایک دوسرے کو دیا کرتے تھے ۔

اُما چکبست : اچھا اندراجی چونکہ آپ کے ماں اور باپ جیل میں رہتے تھے اور دادو بھی آپ کے موتی لال جی بھی ۔ کئی بار ایسا ہوتا تھا کہ وہ بھی گھر میں نہیں ہوتے تھے وہ بھی جیل جاتے تھے ۔ تو آپ کو اکیلے پن کا احساس بہت کھٹکتا ہوگا ـــ

شریمتی گاندھی : نہیں مجھے تو بالکل یاد نہیں اکیلا پن اُس وقت ۔ اور خالی میرے ماں باپ دادا دادی نہیں لیکن میری نانی میرے جتنے ماما تھے کئی چچیرے بھائی پتاجی کے ۔ میرے چچیرے بھائی بھاوجیں ہمارے پریواریں سے مجھے پتہ نہیں کم سے کم پینتالیس لوگ تو جیل میں ہوں گے ایک وقت میں ۔ ہم سمجھتے تھے کہ اگر جیل نہ جائیں تب کچھ غلط بات ہے ٹھیک سے آندولن میں نہیں لگے ہیں یا اپنا فرض ادا نہیں کر رہے ہیں ملک کے لیے ۔

اُما چکبست : اس کے علاوہ آپ تو اکلوتی بیٹی تھیں نہرو جی کی اس کی وجہ سے انھوں نے آپ کی ہر خواہش پوری کی ہوگی لیکن کیا کبھی آپ کو ٹوکتے بھی تھے ـــ آپ کی بیجا خواہش پر ؟

شریمتی گاندھی : ایک تو مجھے خواہش کرنی یاد ہی نہیں بالکل کبھی میں نے کوئی چیز مانگی نہیں جہاں تک مجھے یاد ہے ۔ خالی ایک دفعہ مجھے کوئی ایک گھڑی چاہیئے تھی اور وہ بالکل مہنگی بھی نہیں تھی لیکن میرے ماتا ۔ پتا نے کہا کہ دیکھو کہ تم ابھی مانگ رہی ہو بہت جلدی اس سے اُوب جاؤ گی اور ابھی کا یہ فیشن ہے یہ چلنے والا نہیں ہے ۔ لیکن میں نے بہت ضد کی تو مجھے وہ مل گئی ۔ اور جو انھوں نے کہا تھا وہ بالکل سچ نکلا ۔ ... ہفتے کے بعد مجھے وہ اچھی نہیں لگی ۔ تو اس سے میں جنم بھر کے لیے ایک سبق سیکھا ۔ کہ اس طرح سے اکثر چاہیئے ہوتی ہیں بچپن میں کھلونے بعد میں دوسری چیزیں لیکن اصل میں ان کی بہت کم جگہ ہے کسی کی بھی زندگی میں ـــ ہاں ڈانٹ میں نے اکثر کھائی یہ کس چیز پر کھائی یہ مجھے اس وقت یاد نہیں ۔

اُما چکبست : اچھا ، اس کے علاوہ جیب خرچ دیتے تھے آپ کو نہرو جی ؟

شریمتی گاندھی : کیونکہ گھر کا خرچ تو میں ہی کر رہی تھی وہ کیا دیتے وہ لوگ تو وہاں رہتے ہی نہیں تھے ۔ میں تو بہت چھوٹی تھی ، جی ہاں میں باہر کہیں جاتی تھی ریل یہ اکیلے ہی جانا ہوتا تھا ٹکٹ لینا ہوتا تھا ، گھر سنبھالنا ہوتا تھا میں سبھی کچھ خود دیکھتی تھی کس اسکول جاؤں گی کیا پڑھوں گی یہ مجھی کو تبھی سے کرنا پڑ رہا تھا ۔

اُما چکبست : اچھا نہرو جی کا غصّہ بہت مشہور ہے ۔ بہت پیاری شخصیت تھی ان کی مگر ان کو غصّہ بھی بہت آتا تھا تو کیا کبھی آپ کو بھی ان کا غصّہ سہنا پڑا ۔

شریمتی گاندھی : نہیں ، مطلب سہنا پڑا کیا غصّہ ہوئے ہوں گے لیکن مجھ پر اس کا کچھ اثر پڑتا نہیں تھا ۔ کیونکہ میں نے کبھی اس کو غصّہ مانا نہیں اور اصلیت میں وہ غصّہ نہیں تھا ۔ وہ تھا جسے انگریزی میں 'اِریٹیشن' کہتے ہیں ، الجھنا کہ جب کوئی کام ٹھیک نہیں کر رہا ہے یا کوئی بیوقوفی کرے اس چیز پر وہ الجھتے تھے اور وہ اسی وقت ختم ہو جاتی تھی ۔ وہ چیز اور اس آدمی سے کبھی کبھی معافی بھی مانگ لیتے تھے ۔ پیار بھی کر لیتے تھے اور ایک طرفہ تھا ان کا کہ کام اچھی طرح سے ہو ۔ مگر میں جب ایسے ان کو دیکھتی تھی تو میں ان کو ہمیشہ ٹھنڈا کر دیتی تھی ۔

اُما چکبست : اچھا ، وہ کیسے ؟ پیار کر کے ؟

شریمتی گاندھی : نہیں نہیں مجھے پتہ نہیں وہ تو موقع پر تھا کہ کس طرح سے اس چیز کو بدلے جس سے اس پر سے دھیان ہٹ جائے دوسرا کچھ ہو ۔

اُما چکبست : اس کے علاوہ اندراجی آپ کی والدہ کملا نہرو نے جب بچوں کی آپ نے بریگیڈ بنائی تھی اس کو بانر سینا کا نام دیا تو آپ کو بُرا نہیں لگا کیونکہ بانر جو بند ہوتے ہیں وہ توڑ پھوڑ کے لیے مشہور ہوتے ہیں اور آپ اتنا اچھا کام کر رہی تھیں ۔

شریمتی گاندھی: نہیں ہم تو بہت خوش ہوئے کیونکہ ہماری اس بانر سینا کا مقصد کیا تھا؟ اس کا مقصد تھا کہ جو کام بڑے کر رہے ہیں اس میں ہم مدد کریں۔

اماچکبست: وہ کیسے کرتی تھیں آپ؟

شریمتی گاندھی: اب بانر جو تھے انھوں نے رام چندر جی کی مدد کی تو ہم اس طرح سے دیکھ رہے تھے کہ یہ بہت بڑے کام ہیں بہت بڑی لڑائی میں یہ لوگ لگے ہیں۔ یہ سب کام ہم نہیں کر سکتے ہیں تو جو بھی کر سکتے ہیں اتنا ہم کریں۔ بندروں نے پتھر اٹھائے اور ایسے اور دوسرے دوسرے کام کیے۔ کچھ تو بالکل ہی چھوٹے بچے تھے تو ان سے ہم کبھی کہیں خبر بھیجنی ہو تو وہ کام کرتے تھے۔ دوسرے دفتر کا کام تھا جو خط لکھ سکتے تھے لڑکے لڑکیاں وہ خط لکھتے تھے یا پوسٹر بنانا ہو، اعلان کے لیے کچھ لکھنا ہو، اخبار کے لیے کچھ لکھنا ہو۔ پھر جب جلوس ہوتے تھے تو پانی پلانا، کھانا کھلانا، کسی کو چوٹ لگی ہو ڈاکٹر کے پاس لے جانا بہت سے چھوٹے چھوٹے ایسے کام ہیں۔ دوسرے جو ایک کافی ضروری کام تھا، وہ یہ تھا کہ اکثر پولیس والے تھانے پر جو گپ شپ کرتے تھے تو جو گلی کے لڑکے وہاں گلی میں کھیلتے تھے، بہت سی باتیں ان کو سننے میں ملتی تھیں کون گرفتار ہونے والا ہے کہاں پہ تلاشی ہوگی کہاں کیا ہوا۔ تو وہ سب خبریں ہمیں لا کے دیتے تھے۔ جو ہم بڑوں کو دے سکتے تھے اور بہت سی باتیں ہمیں پتہ چلتی تھی۔ اور پھر جھنڈے سینا، کھانا بھی پکانا جیسے بڑا جلوس یا میٹنگ ہو اور والنیٹرس کو کھلانا بہت سے ایسے کام اس وقت سب کام تو مجھے یاد بھی نہیں آرہے ہیں۔ جلوسوں میں شامل بھی ہوتے تھے۔

اماچکبست: تو آپ کی بانر سینا کے بارے میں کیا انگریزوں کو نہیں معلوم ہوا تھا؟

شریمتی گاندھی: ہاں، جب پکڑے جاتے تھے تو پٹتے تھے۔ ہم بھی پٹے ہیں پولیس تھانے میں۔

اماچکبست: ان کو پتہ چل گیا تھا کہ بچے یہ کام کر رہے ہیں۔

شریمتی گاندھی: بچے کر رہے ہیں کہ نہیں یہ پتہ نہیں اگر دیکھتے تھے کوئی بچہ پکڑا گیا کوئی خط ہے، یا پوسٹر چپکا رہا ہے کچھ اعلان وِیلان ہے تو پھر پکڑ کے پٹائی ہوتی تھی۔

اماچکبست: "ڈسکوری آف انڈیا" میں نہرو جی نے لکھا ہے کہ اس کتاب کو دوبارہ مطالعہ کرنے کا ان کے پاس وقت ہی نہیں تھا تو اس کام کو آپ نے پورا کیا۔

شریمتی گاندھی: اس وقت تو میں کافی بڑی ہو گئی تھی میں تھوڑا بہت ان کا سکریٹری کا کام بھی کر رہی تھی۔ ٹائپنگ بھی کرتی تھی، ان کے لیے اپنے دوسرے بہت سے خط وغیرہ کا جواب دینا۔

اماچکبست: اچھا، ٹائپنگ جانتی ہیں؟

شریمتی گاندھی: اب اتنی اچھی تو نہیں جانتی لیکن کام چلاؤ تو تھا ہی، ڈسکوری کے پروف میں نے پڑھے اور ایسے وقت جب میں سخت بیمار تھی، مجھے بخار بھی بہت تیز تھا اور تمام منہ سوجا ہوا تھا۔ لیکن ان کو معلوم نہیں تھا۔ کیونکہ وہ کلکتے میں تھے اور میں الٰہ آباد میں تو وہاں سے وہ لکھتے پروف جلدی کیوں نہیں آرہے ہیں، بار بار خبر بھیج رہے تھے۔

اماچکبست: ایک بات میں آپ سے اور پوچھنا چاہوں گی کہ اسکول میں آپ کے ٹیچر جتنی تعلیم دیتے تھے اس کے علاوہ آپ جانکاری حاصل کرنے کی کوشش کرتی تھیں؟

شریمتی گاندھی: دیکھئے میں تو سمجھتی ہوں کہ جانکاری ہر سیکنڈ لوگ حاصل کرتے ہیں چاہے کسی سے بھی ملیں۔ میں نے کبھی بھی کسی کو چھوٹا یا بڑا نہیں مانا۔ میرے پتا جی کی کتاب میں اور خطوں میں بھی شاید آپ نے دیکھا ہوگا کہ انھوں نے لکھا ہے کہ پتھر سے بھی ہم سیکھتے ہیں۔ پودوں سے ہر چیز سے کچھ نہ کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ تو ہر وقت اپنے آنکھ اور کان کھلے رہنے چاہئے۔ اور بھی میں دورے میں جاتی ہوں۔ دورہ تو راج نیتک ہوتا ہے لیکن میں کھلی جیپ میں کھڑی ہوتی ہوں۔ ایک طرف تو میں لوگوں کو دیکھتی ہوں اور ان کو نمسکار کرتی ہوں اور میری کوشش ہوتی ہے کہ ہر ایک کو دیکھوں الگ الگ۔ یہ نہیں کہ ایک بھیڑ ہے لیکن ہر ایک کی آنکھ دیکھوں۔ کیونکہ اس سے ایک سمبندھ بنتا ہے لیکن جتنا اور بھی سب ہو رہا ہوتا ہے وہ بھی سب اس کی تصویر بھی میرے من میں آتی ہے۔

اماچکبست: آپ شانتی نکیتن جب گئیں تو وہاں جانے سے آپ کی زندگی میں کوئی نیا موڑ آیا؟

شریمتی گاندھی: ہاں کیونکہ اس کے پہلے کلا اور سنگیت کا تو تھوڑا بہت ہمارے گھر میں تو بالکل سنگیت نہیں تھا۔ لیکن شانتی نکیتن جانے کے پہلے میں پونا میں اسکول میں تھی اور وہاں جن کا اسکول تھا وہ وِشنو دِگمبر کی شاگرد رہ چکی تھیں خود بہت اچھا گاتی تھیں۔ اور ا... کو بہت شوق تھا تو ان کے سنگ جتنے اچھے وہاں پہ ہوتے تھے گانے کے سیشن یا کنسر... اس میں جایا کرتی تھی۔ لیکن وہ ایک باہری چیز تھی۔ روز مرہ کی چیز نہیں تھی۔ شانتی نکیتن میں... زیادہ سمبندھ ان سب چیزوں سے بھی بنا رچی بھی بڑھی اور بر کرتی سے بھی اور زیادہ پاس گئے کیو... الٰہ آباد میں تو ہم ہمیشہ جیسا۔ آپنے کہا اکیلے پن کا احساس۔ مگر اکیلے پن کا موقع ملا ہی نہیں۔ ہما... یہاں ہمیشہ ایک بھیڑ رہتی تھی کسانوں کی بدھی جیویوں کی۔ ہندوستانیوں کی۔ انگریزوں کی... آندولن چل رہا تھا تب بھی ہمارے یہاں انگریز فرانسیسی الگ الگ دیش کے لوگ وغیرہ... آتے رہتے تھے۔

اماچکبست: اصل میں لوگوں کا یہ خیال ہے کہ آپ کی شخصیت میں جو گہرائی ہے اس... وجہ یہ ہے کہ بچپن میں آپ کو کافی اکیلے پن یا مشکلات کا سامنا کرنا پڑا — اس کی وجہ سے یہ گہرائی... ہوئی ہے اس لیے میں نے کہا تھا۔

شریمتی گاندھی: جو اکیلا پن ہوتا ہے اس سے لوگوں سے کچھ مطلب نہیں ہے جو طاقت ہوتی ہے اندرونی اپنے اندر ہوتی ہے۔ میں بھیڑ میں رہ کے بھی بالکل اکیلے ہو سکتی ہوں اور اکیلی... رہ کر بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ اکیلا پن مجھے لگے۔

اماچکبست: اور بچپن کی کچھ شرارتیں آپ کو یاد ہیں؟

شریمتی گاندھی: شرارتی تو میں بہت تھی۔ لیکن اب کس عمر میں وہ بند ہوئیں یہ مجھے پتہ نہیں۔ بہت چھوٹی تھی۔ ایکدم جب بولنا شروع کرتے ہیں اس وقت کا۔ چار برس کی ہوں گی تب... مجھے یاد ہے کہ میری چھوٹی پھوپھی جو تھیں۔ تو ان کے پاس ان کی کوئی کریم تھی منہ پہ لگانے کی... ایک بھالو بہت پیارا کھلونا تھا۔ ایک دن یہ لوگ سب باہر گئے تھے میں نے سوچا بھالو کو او... سندر بناؤں گی وہ ساری کریم اور مجھے کیا معلوم تھا کسی نے ان کو بہت ہی مہنگی کریم جو نئی... ولایت میں نکلی تھی، ولایت سے بھیجی تھی۔ اور سارا کریم میں اپنے بھالو پہ لگایا، وہ بھالو تو بالکل ستیاناس ہو گیا کیونکہ اس کے بال وال چپک گئے اور کبھی دھونے سے بھی ٹھیک نہیں ہوا وہ۔ اور اس پر بھی بڑی ڈانٹ پڑی تھی، انھوں نے ڈانٹا۔ مطلب ماں، باپ نے نہیں۔ اور یہ بات ہوئی ڈلہوزی میں، جب ہم چھٹیوں میں، گرمیوں میں وہاں گئے ہوئے تھے اور وہیں پہ ایک دن مجھے کچھ کرنے کو نہیں تھا۔ اور دھوبی کے کپڑے آئے ہوئے تھے۔ میں نے سوچا میں ان کو پھر سے دھوؤں گی۔ سب کپڑوں کو لیکے بڑا سا ٹب میں ڈالا۔ اس میں بھی کپڑے اور صابن اور سب لے کر سردی میں بیٹھے تھے۔ جب لوگ آئے تو مجھے نکالا۔

اماچکبست: اس کے علاوہ بچپن میں آپ کو کون سے کھیل اچھے لگتے تھے؟

شریمتی گاندھی: کھیل میں نے بہت کم کھیلے ہیں۔ مجھے دوڑنے کا شوق بھی تھا اور میرے پتا جی کی بھی بہت خواہش تھی کہ میں اچھا دوڑوں۔ تو اس لیے مجھے ہمیشہ دوڑنا ہوتا تھا۔ اور خالی تیز ایک تو تیزی سے دھیان دینا ہوتا ہے اور کس طرح سے، کس ڈھنگ سے اس پر بھی اُن کا دھیان اُتنا ہی جاتا تھا۔ تیرنے کا بھی مجھے بہت شوق تھا کیونکہ ہمارے گھر تالاب تھا۔ اور گھوڑے پر بھی چڑھتی تھی۔ پیڑ پر چڑھنے کا مجھے بہت شوق تھا۔

اُماچکبست: ہاں تو گری بھی ہوں گی کبھی یا نہیں؟

شریمتی گاندھی: ہاں ایک دفعہ گری اور سر ٹوٹتے ٹوٹتے بھی بچا۔ مگر بچ گیا۔

اُماچکبست: اس کے علاوہ ڈرامے آپ نے کیے ہیں؟ اسکول میں اپنے؟

شریمتی گاندھی: اسکول میں بڑی ہوئی تب کیے ہیں لیکن مجھے شوق تھا ڈرامہ کرنے کا تو میری چھوٹی چچیری بہنیں تھیں، ان پر میں ذرا کچھ کم ظلم ہی کرتی تھی۔ کیونکہ ان کو زبردستی پاٹھ سکھا کے کبھی کبھی تو میں خود ہی لکھتی تھی اور کبھی کبھی کہیں ڈھونڈ کے اُن سے ناٹک کرواتی تھی۔ ہاں بہت برس ہوئے ایک دفعہ کشمیری سماج نے ناٹک ہرِش چندر کیا تھا الٰہ آباد میں تو اس میں ہم سب نے حصہ لیا تھا۔ میری چھوٹی پھوپھی نے بھی۔ اور میں نے بھی۔

اُماچکبست: اور اس کے علاوہ ناچ گانے کا؟

شریمتی گاندھی: ناچنا تو پھر بعد میں شانتی نکیتن میں سیکھ رہی تھی۔ گانے کی آواز

…ا کبھی اچھی نہیں رہی اور یہ مجھے بہت بُرا لگتا ہے کہ میں اچھا نہیں گا سکتی۔

…چکبست : اندرا جی آپ ٹیگور سے ملیں اور گاندھی جی سے ملیں۔ اتنی بڑی بڑی …توں کے بارے میں آپ کچھ بتائیں گی۔

…یمتی گاندھی : ویسے ٹیگور کو میں پہلے سے نہیں جانتی تھی تو ان کا تھوڑا رعب تھا۔ …جی کو تو ہم سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے ہی ہیں تو ان سے مذاق کرتے تھے اور ایک تو مجھے میں …ے جب چھوٹی تھی بہت ناراض رہتی تھی۔ میں نے کہا تھا آپ نے میری ناک گھسیٹ …ٹ کے لمبی کی ہے۔ لیکن ٹیگور کا مجھ پہ کچھ رعب تھا۔ جب میں شروع میں گئی۔ ایک …نھوں نے کہا کہ بھئی یہ لوگ مجھ سے ملنے آتے ہیں، تم ملنے نہیں آتی ہو۔ میں نے کہا آپ …کام میں ہوں گے۔ میں تو آنا چاہتی ہوں لیکن آپ کا وقت کیسے ضائع کروں تو انھوں …ہا نہیں، آیا کرو۔ اس کے بعد ہم تین چار لڑکیاں اکثر شام کو ان کے پاس جاتے تھے۔ …ہر طرح کی بات کرتے تھے۔ اِدھر اُدھر کی۔ کبھی وہ سناتے تھے کبھی ہم پوچھتے تھے۔

…ا چکبست : اور گاندھی جی سے آپ کا کیا جھگڑا بھی ہوتا رہتا تھا؟

…یمتی گاندھی : جھگڑا تو ہوتا تھا۔ کیونکہ ان کی کئی باتیں مجھے نہیں اچھی لگتی تھیں۔

…ا چکبست : جیسے؟

…یمتی گاندھی : اب اس وقت تو ہر ایک بات تو یاد نہیں ہے لیکن کئی چیزیں تھیں جو …ے لگتا تھا، ان کے وچار ہیں۔ یا انھوں نے ٹھیک نہیں کہا ہے۔

…ا چکبست : کیونکہ آپ تو اتنی چھوٹی سی تھیں؟

…یمتی گاندھی : نہیں مجھے کبھی لگا نہیں کہ میں چھوٹی ہوں، کیونکہ گھر میں تو جو میں کہتی …ی وہی زیادہ چلتا تھا۔ میرے دادا سے سب ڈرتے تھے سوائے میرے۔ تو اس کے معنی یہ نہیں …یں نے آدر نہیں کیا کیونکہ آدر تو میں آج بھی بڑوں کا بھی چھوٹوں کا بھی سب کا آدر کرتی …ں۔ لیکن من میں سب کو برابر دیکھنا یہ شروع سے تھا۔

…ا چکبست : اچھا، آپ کس عمر میں سب سے پہلے جیل گئیں؟

…ریمتی گاندھی : آزادی کے آندولن میں تو ایک ہی دفعہ گئی۔ تب تو میری شادی …چکی تھی۔ بیالیس میں۔

…ا چکبست : اچھا، بڑی عمر میں۔

…ریمتی گاندھی : لیکن پولیس لاک اپ میں۔ ایک دفعہ تھوڑی دیر کے لیے تھی۔ اور …ب میں پہلے جب مجھے مار پڑی تب مجھے یاد نہیں کہ میری کیا عمر تھی۔ لیکن میں پونا گئی اس …ے پہلے کی بات تھی۔ جھنڈا چڑھایا جا رہا تھا الٰہ آباد کالج میں۔ میں تو خالی دیکھنے گئی تھی لیکن …و اسٹوڈینٹ چڑھا رہا تھا اس کو پولیس نے مارا اور جھنڈا گرانے کی کوشش کی۔ اس نے …وسرے کو دیدیا۔ اس طرح ایک ایک کرکے اور آخر میں کیا بیچ میں کسی نے میرے ہاتھ …یں رکھا۔ اتنا بھاری تھا میرے لیے کہ مجھ سے سیدھا ہی نہیں جا رہا تھا۔ لیکن مجھے یاد …ہے کہ میں پرارتھنا کر رہی تھی کہ میں گراؤں نہیں اس کو کسی طرح سے۔ خیر پھر کسی اور نے …لے لیا اور پھر مجھے مار پڑی تو میں تو گر گئی۔ بانرسینا کا آپ نے پوچھا تھا مجھے ایک بہت بڑا …کام جو انھوں نے کیا وہ اُس وقت یاد نہیں رہا تھا، وہ یہ تھا کہ الٰہ آباد کے پاس گولی کانڈ ہوا …تھا اور اس میں کئی لوگ گھائل ہوئے لیکن تین لڑکوں کو بہت زیادہ چوٹ لگی اور اس وقت …انگریزوں نے ڈاکٹروں سے کہا تھا کہ کوئی علاج نہ کریں۔ تو میری ماں گئی تھیں، ہماری موٹر میں …ہمارے گھر لائیں، اور ہم نے اپنے گھر میں چھوٹا سا اسپتال جیسا بنایا۔ کیونکہ ان کو فوراً آپریشن …کرنا تھا، گولیاں نکالنے کے لیے۔ تو دو کی تو آسانی سے نکل گئیں ایک کو بہت زیادہ لگی تھیں، …اس کے تمام پیٹ اور انتڑیاں وغیرہ سب نکل گئی تھیں۔ تو ڈاکٹر نے کہا کہ یہ بچ نہیں سکتا ہے۔ …قریب ہم سے تھوڑے ہی بڑا تھا وہ عمر میں۔ اس وقت بھی ہمارے جو لڑکے لڑکیاں تھے انھوں نے …لانے میں دوڑنے میں دوائی منگائی تھی۔ کمرہ صاف کرنا تھا ہر چیز میں اس چیز میں بھی بہت …مدد کی اور ہم دو تین بڑی لڑکیاں اتنی بڑی تو خیر نہیں تھے تب بھی پتہ نہیں تیرہ چودہ کیا عمر تھی تو …ہم نے نرسنگ کا کام اس وقت ہم نے کیا اور کچھ آتا نہیں تھا۔ لیکن اس وقت سیکھا۔ کیونکہ …ڈاکٹر بتاتے تھے کہ ایسا کرو، ویسا کرو۔ اور رات دن بیٹھے بھی جب تک اس کی آنکھ نہیں کھلی …ہم نے کہا ہم نہیں کھائیں گے، ہم پیئں گے نہیں، اس کو ٹھیک کرکے اٹھیں گے۔

اما چکبست : تو سماج سیوا کی بھاؤنا بچپن سے تھی آپ کو۔

شریمتی گاندھی : ہاں خیر وہ تو لازمی تھا۔ جس گھر میں پیدا ہوئے۔

اما چکبست : نہرو جی بھارت کے بچوں کو کیسا دیکھنا چاہتے تھے اندرا جی۔

شریمتی گاندھی : اچھے ناگرک۔ جو دیس کی، ملک کی ایکتا کو مضبوط کریں۔ اور ہر طرح… سے۔ ملک کیسے بڑھے۔ مطلب ایک تو بڑھنا ہے کہ غریبی دور ہو، یہ بہت ضروری ہے… لیکن اس کے سنگ سنگ دماغ بڑھے، نئے خیالات آئیں اور دوسروں کی نقل نہ کریں۔ ایسے… اپنے یہاں بھی ہم نئی چیزیں پیدا کریں۔ ایسے مطلب دیکھنے کی استعمال کرنے کی چیزیں بھی اور… خیالات بھی کیونکہ ملک اونچا تو انہیں چیزوں سے ہوتا ہے۔ کسی کی نقل سے اونچا نہیں ہو سکتا ہے… چاہے امیر ہو جائے تو یہ سب باتیں تھیں اور وہ سمجھتے تھے کہ بچے ہی آگے کر سکتے تھے ہمارے… زمانے میں تو اتنا ہو گا نہیں۔

اما چکبست : اور اس میں آپ یہ نہیں سمجھتی ہیں کہ جیسے آپ نے بتایا ہمیں کہ آپ کے ماں… باپ ایک اچھے ساتھی تھے اسی طرح سے جو ہمارے سماج میں ماں باپ ہیں ان کو بھی اپنے بچوں کا اچھ… ساتھی ہونا چاہیے۔

شریمتی گاندھی : ظاہر ہے۔ اور دکھ کی بات یہ ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی عورت کام… کر رہی ہے، نوکری کر رہی ہے، اور اپنے بچوں کو اتنا وقت نہیں دے سکتی یا سماج سیوا کر رہی۔ میرے… ہی بارے میں لوگوں نے کہا ہے کہ بچوں کو پورا وقت دیا ہے کہ نہیں لیکن جب کوئی کام کرتے ہیں تو… دھیان رکھتے ہیں کہ جو وقت ہے اس کا اچھا استعمال ہونا چاہیے خاص طور سے بچے جب ہیں۔ وہ… وقت بچوں کا ہونا چاہیے۔ یا خاندان کا یا جو بھی ہو۔ بہت سی عورتیں ہیں جو کچھ کام نہیں کرتی ہیں لیکن… وہ وقت ان کے بچوں کا نہیں ہوتا ہے۔ گپ شپ کر رہی ہیں۔ یا کچھ اور گھر کا کچھ کر رہی ہیں تو بچے کو اتنا… ہی اکیلا پن لگ سکتا ہے ماں باپ کے ہوتے ہوئے بھی ایک کہانی میں نے بھی سنائی ہے جب سنجے… بہت چھوٹا تھا کنڈر گارڈن میں تھا تو اس کے ایک دوست کی ماں مجھ سے ملنے آئیں اور کہا کہ آپ تو… اس کام میں لگی ہیں تو آپ اِتنا وقت نہیں دے سکتی ہوں گی۔ بچوں کو۔ تو میں سوچ ہی رہی تھی کہ کیا… جواب دوں، جب سنجے نے کہا کہ آپ کا لڑکا تو کہتا ہے کہ آپ دن بھر برج کھیلتی ہیں۔ آپ کب… وقت دیتی ہیں؟ تو اس لیے یہ ہے ہر ایک کو خود دیکھنا ہے کہ کیسے دھیان دے سکتے ہیں۔ مگر یہ بھی… دیکھنا ہے کہ بچے کی پرسنالٹی ہے، وہ بڑھنے دینی چاہیے۔ اپنی پرسنالٹی کو بچے پر نہیں ڈالنی چاہیے

اما چکبست : اچھا نہرو جی جب پہلی بار نانا بنے تو عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ بچوں کو نانا دادا ہی زیادہ دُلار کرتے ہیں، تو آپ کو کچھ یاد ہے؟

شریمتی گاندھی : پہلے تو انھوں نے بچے کو دیکھا ہی نہیں۔ وہ جیل میں احمد نگر فورٹ میں تھے۔ اور انھوں نے جب پہلی دفعہ دیکھا تو بہت ہی ٹمٹمی روشنی میں نینی جیل کے پھاٹک پر اس میں ہم نے کوشش کی کہ بہت اونچا اٹھائیں بتی کے پاس۔ اور وہ دیکھ لیں بچے کو۔ نہ انھوں نے مجھے اسپائل کیا جب میں چھوٹی تھی اور نہ اپنے نواسوں کو کیا۔

اما چکبست : اور بچوں سے ان کو کیا امید تھی؟

شریمتی گاندھی : اب یہی امید تھی کہ وہ خود سوچنا سیکھیں، جیسے میں نے پہلے کہا کہ اچھے ناگرک بنیں۔ اور یہ نہیں کہ شیطانی نہ کریں، شیطانی تو بچوں کو کرنی چاہیے لیکن توڑ پھوڑ یا جس سے دوسرے کو نقصان پہنچے یا دوسرے کو چوٹ لگے۔ اکثر بچے ہنستے ہیں کسی کو کچھ کمی ہو تو اس پر ہنستے ہیں۔ یا جانوروں پر زور سے پتھر پھینکتے ہیں یہ سب چیزیں ان کو بہت بُری لگتی تھیں۔

اما چکبست : ہمیں فخر ہے اندرا جی کہ مصروف ہونے کے باوجود آپ نے ہمیں اپنا قیمتی وقت دیا۔ اور ہمیں اپنے بچپن اور چاچا نہرو کے بارے میں بتایا۔ شکریہ۔

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی سے یہ انٹرویو دلی میں اُما چکبست نے لیا تھا۔ یوم اطفال کے موقع پر ۱۴ نومبر کو آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ کے اردو پروگرام میں نشر کیا گیا۔

قومی یک جہتی کے مظاہر ۔ تیوہار

مہیشور دیال

ہمارے ملک کی داستان ہماری قومی یکجہتی کی کہانی ہے۔ کنیاکماری سے لے کر کشمیر اور ہمالہ کی چوٹیوں تک اور ناگالینڈ سے لے کر کچھی گھاٹیوں تک۔ ہم ہزاروں برس سے ایک ہی لڑی میں ایک ہی کڑی میں بندھے ہیں۔ نہ جانے کون سی طاقت تھی جس نے ہماری سیکڑوں نسلوں کو سہارا دیا۔ ہم نے بڑے بڑے طوفان سے ٹکرلی مصیبتیں اور مشکلیں جھیلیں لیکن تب بھی ہمیں کوئی مٹا نہ سکا۔ ہمارے دیس میں سبھی دین دھرم کے ماننے والے رہتے ہیں۔ ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی بھی اور جین، بودھ، پارسی اور یہودی بھی۔ یہ سب ہمیشہ سے آپس میں گھل مل کر رہتے چلے آئے ہیں اور اسی آپسی میل جول کا نام معاشرت ہے۔ آپسی بھائی چارہ۔ پیار اور محبت صلح و آشتی ہماری مشترکہ تہذیب ہے۔

آزادی کے بعد ہمارے دیش کے سیاسی ڈھانچے کی بنیاد دو بڑے اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ جنتا کے چنے ہوئے نمائندوں کا راج اور مذہب کو سیاست سے الگ رکھنا۔ دین دھرم کے معاملے میں ہندوستان کے رہنے والوں کو اپنے ریت رواج۔ نماز اور پوجا پاٹ اور تیج تہوار منانے کی پوری آزادی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم ہندوستانی اپنے تہواروں اور میلوں کو بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں، جن میں سب لوگوں کی شمولیت قومی یکجہتی کا منظر پیش کرتی ہے۔

آج کل کے ہنگامی دور میں جب زندگی کی رفتار اتنی تیز ہوتی جا رہی ہے۔ آرام کی گھڑیاں دن بدن کم ہوتی جاتی ہیں۔ ہمارے یہ میلے اور تہوار دل اور دماغ کو تازگی بخشتے ہیں۔ طبیعت میں شگفتگی، امنگ، جوش، ولولے اور خوشیاں بھر دیتے ہیں۔ ہم مگن ہو کر سب دکھ درد بھول جاتے ہیں۔

ہمارے بہت سے تہوار مذہبی ہیں اور کچھ موسمی بھی ہیں۔ لیکن چند میلے اور تہوار ایسے بھی ہیں جو باہمی محبت اور آپسی میل جول کا نتیجہ ہیں۔ ان میں بسنت اور پھول والوں کی سیر خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

بسنت ہندوؤں کا قدیمی تہوار ہے۔ کالیداس اور بڑے بڑے کویوں نے بسنت کے گیت گائے ہیں۔ آج سے ایک ہزار برس پہلے البیرونی نے بسنت کو ہندو عورتوں کا تہوار بتایا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اس موقع پر کنواری لڑکیاں اچھے خاوند کی دعا مانگتی ہیں اور بیاہتا عورتیں اپنے سہاگ کی پرارتھنا کرتی ہیں۔ لیکن ہندوستان میں مسلمانوں کے آنے کے بعد صوفیوں نے درگاہوں میں بسنت چڑھائی اور ہندوؤں نے مندروں میں اپنے دیوی دیوتاؤں پر سرسوں کے پھول چڑھائے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت امیر خسرو کو یہ تہوار اتنا پسند آیا کہ انہوں نے اپنے پیر حضرت نظام الدین اولیا کو جنہیں ہم محبوبِ الٰہی یا سلطان جی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ غم دور کرنے کے لیے بسنت منانی شروع کی۔ ہوا یہ کہ سلطان جی کو اپنے پیارے بھانجے سے کمال الفت و محبت تھی۔ انہیں جوان بھانجے کی موت سے صدمہ پہونچا۔ رنج والم نے سماع کی مجلس بھی ترک کر دی انہیں دنوں بسنت کا موسم تھا کھیتوں میں سرسوں پھول رہی تھی۔ ہندو لڑکیاں سرسوں کے پھولوں کے گڈوے ہاتھوں میں لیے ناچتی گاتی مندروں کی طرف جا رہی تھیں۔ حضرت امیر خسرو یہ دیکھ کر خوشی سے جھوم اٹھے۔ اپنے دستارِ مبارک کو کھول کر سرسوں کے پھول ادھر ادھر الجھائے اور موسم بہار کی آمد کے گیت گاتے ہوئے محبوب الٰہی کی حجرے کی طرف چل دئے۔ حضرت نظام الدین نے اپنے مونس اور غمگسار ترک کی آواز سنی تو بیتاب ہو گئے۔ حضرت امیر خسرو نے محبوب الٰہی کے قدموں میں سرسوں کے پھول ڈال دئے اور بولے۔ عرب یار توری بسنت سنائی۔ پھر کیا تھا مسلمانوں نے بھی بسنت منانا شروع کر دی۔

پھول والوں کی سیر بھی ہماری باہمی محبت آپسی میل جول کا نتیجہ ہے۔ مغلوں کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے بھائی میرزا جہانگیر اپنے باپ اکبر شاہ ثانی اور ماں ممتاز محل ثانی کے لاڈلے بیٹے تھے۔ بادشاہ اور بیگم دونوں نے انگریز ریزیڈنٹ کو منانا چاہا کہ بڑے بیٹے ابو ظفر بہادر شاہ کی بجائے میرزا جہانگیر کو ولیعہد بنا دیا جائے لیکن یہ بات مانی نہیں گئی۔ اس زمانے میں دلی کے ریزیڈنٹ اسٹین تھے۔ ایک دن غصہ میں آ کر میرزا جہانگیر نے ریزیڈنٹ پر گولی داغ دی سٹین بال بال بچ گئے لیکن میرزا جہانگیر کو گرفتار کر کے الٰہ آباد بھیج دیا گیا۔ ان کی والدہ ممتاز محل کو بہت رنج ہوا اور انہوں نے منت مانی کہ اگر ان کے نورِ نظر میرزا جہانگیر قید سے چھوٹ کر آئیں گے تو مہرولی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار پر چادر اور پھولوں کی مسہری چڑھاؤں گی۔ خدا کی قدرت سے خود اسٹین صاحب کی سفارش پر میرزا جہانگیر قید سے چھوٹ دلی آئے۔ بادشاہ بیگم کی مراد پوری ہو گئی۔ ان کی سواری بڑے دھوم دھام سے لال قلعہ سے مہرولی پہونچی۔ دلی کے پھول والوں نے بڑی محنت سے ایک خوبصورت پھولوں کی مسہری بنائی۔ پنکھوں کو پنی اور آئینوں سے آراستہ کیا قطب میں کئی دن تک میلہ لگا رہا جس میں شہر کے تمام ہندو اور مسلمان شریک ہوئے۔

جب بہادر شاہ ظفر تخت نشیں ہوئے تو انہیں بھی پھول والوں کی سیر کا میلہ بہت پسند آیا۔ مغلوں کا آخری تاجدار ہندو اور مسلمانوں کو دو آنکھیں مانتے تھے۔ طے پایا کہ ہر سال بھادوں کے شروع میں یہ میلہ ہوا کرے مسلمان درگاہ شریف پر پنکھا چڑھائیں اور ہندو جوگ مایا جی پر۔ مسلمانوں کے پنکھے میں ہندو اور ہندوں کے پنکھے میں مسلمان شریک ہوں۔ میلے کا میلہ ہو اور آپسی میل جول بڑھے۔ انگریزی راج میں جب آزادی کی جنگ لڑی جا رہی تھی اور بھارت چھوڑو کا نعرہ بلند ہوا تو فرنگی سرکار نے پھول والوں کی سیر بند کر دی۔ آزادی کے بعد ۱۹۶۱ء میں پنڈت جواہر لال نہرو نے باہمی محبت کے

اس میلے کو پھر سے شروع کر دیا۔ دن بدن پھول والوں کی سیر کی اہمیت بڑھتی چلی گئی۔ اور اب تو بہت سے صوبوں سے پنکھے آتے ہیں اور خواجہ کاکی کے مزار پر اور جوگیا مایا جی کے مندر میں چڑھائے جاتے ہیں۔

ہمارے مذہبی تہواروں میں بھی خوب چہل پہل رہتی ہیں دسہرہ ہو یا دیوالی، عید ہو یا ہولی، اننت چودش ہو یا مہاویر جینتی، گرو پربھ ہو یا گنگا اسنان ایسٹر ہو یا کرسمس۔ ان سب تہواروں میں بھی قومی ایکتا کے منظر دکھائی دیتے ہیں۔ ان تہواروں کی سماجی اور تہذیبی اہمیت بڑھتی جا رہی ہے۔

ہولی ملن اور عید کے موقع پر ہر دین دھرم کے ماننے والے ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں۔ گلے شکوے مٹ جاتے ہیں۔ دلوں کے میل دھل جاتے ہیں۔ رنجشیں خوشیوں میں بدل جاتی ہیں۔

تر عید اور ہولی کے تہواروں میں یگانگت بھی ہے
ں تہواروں کی بنیاد اللہ کی بندگی اور ایشور
ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خواب میں
ی کہ تو خدا کی راہ میں اپنے فرزند کی قربانی کر حضرت
اس حکم کی خبر حضرت اسمٰعیل کو دی وہ فوراً
یے تیار ہو گئے۔ اور کہا میں خدا کی رضا پر راضی
رچند حضرت ابراہیم نے ان کے حلق پر چھری پھیری
قدرت سے چھری کا کچھ اثر نہ ہوا۔ اس وقت
ی سے ارشاد ہوا کہ اے ابراہیم! تو امتحان میں
۔ اور ہم نے اسمٰعیل کو اس سبب سے آزاد کیا کہ
یشانی میں نور ہے۔ پھر حضرت جبرئیل ایک بکرا لائے
ت اسمٰعیل کو عوض اسے قربان کرایا۔ ہولی کا تہوار
ظالم اور ناستک راجا کے بیٹے بھگت پرہلاد کی
ہے جو ہر دم ایشور بھگتی میں ڈوبا رہتا تھا۔ لیکن
باپ کو ایشور کا نام لینے سے چڑ تھی۔ اس نے بھگت
جان سے مار ڈالنے کی ترکیب سوچی۔ ظالم راجا
یکا جسے آگ میں نہ جلنے کا بردان تھا۔ پرہلاد کو
گود میں بٹھا کر آگ لگا دی۔ پرہلاد ایشور پرماتما
یان لیے بیٹھا رہا ہولیکا جل کر خاک ہو گئی اور بھگت
آنچ تک نہ آئی۔

یخ تو یہ ہے کہ ہماری مقدس کتابیں اور تہوار
ہی دنصیحت آموزی و خوش تہذیبی کی اس قدر
کرتے ہیں کہ ہر شخص چھوٹے سے بڑے تک اور
ے امیر تک ہر دلعزیزی و نصیحت آموزی کا سبق
ہے۔ اور ہر فرد و بشر جان سے زیادہ عزیز اللہ کی
یاد اور ایشور بھگتی میں لگاتا ہے۔

کبھی کبھی ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ کچھ سر پھرے لوگ
کے نام پر دنگا فساد پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن ہر
مند ہندوستانی بخوبی سمجھتا ہے کہ

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

(اردو مجلس دلی سے نشر)

Ardent lovers of
Sound and Music
always insist on
Gamma blanks
and Music-cassetes
of
MAHAVIR MELODIES
D-5-5, Jalnidhi, Bangur Nagar,
Goregaon (W) Bombay-400 090
Distributorship & Agency
open for Reputed Stockists.
Write Today

جوش ملیح آبادی کی رومانی شاعری

عشرت آرا سلطانہ

جوش ملیح آبادی کی شخصیت ایک عہد ساز شخصیت تھی۔ ان کی شاعری ایک خاص عہد و ماحول کی پروردہ اور عکاس ہے۔ ان کا شاعرانہ رنگ و آہنگ ایک امتیازی شان و عظمت کا حامل ہے۔ جوش نے اپنی شعری آب و تاب سے اردو شاعری کے کنوس کو بیکراں وسعت و ہمہ گیری عطا کی ہے۔ جوش کی شاعری ایک حسین و دلفریب قوس قزح کی طرح ہے جس کا ہر رنگ جاذبِ نظر اور دل آویز ہوتا ہے۔

جس وقت جوش نے شاعری کے لالہ زار میں قدم رکھا اس وقت اردو شاعری اپنی روایت اور قدامت پرستی سے قدرے انحراف کر کے ایک نئی شاہراہ پر گامزن تھی۔ یہ دور عقلیت اور بیداریت کا تھا۔ اردو شاعری مغربی علوم و فنون اور رجحانات و میلانات سے ہم کنار ہو رہی تھی۔ مغربی شعری رنگ و رعنائی کے زیر اثر اردو شاعری پر رومانیت و جمالیت کی فضا طاری تھی۔ جدید شاعری کی داغ بیل ڈالی جا چکی تھی۔ جدید شاعری کے زیر اثر رومانی شاعری اور فطرت پرستی کی چمن سازی ہو رہی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ وطنیت کے تحت وطنی شاعری بھی عمل پذیر تھی۔

جدید شاعری کی ترویج و اشاعت میں آزاد اور حالی کا بہت بڑا حصہ ہے۔ آزاد نے غزل گوئی کی جگہ نظم نگاری کو رواج دیا اور فطری شاعری اور جدید موضوعات پر طبع آزمائی کی ترغیب دی۔ اس کی ابتدا "انجمن پنجاب" لاہور سے ہوئی۔ "انجمن پنجاب" میں ہر مہینے ایک بار مشاعرہ منعقد ہوا کرتا تھا جس میں ارباب علم و فن شریک ہو کر اپنی جدتِ طبع اور ندرتِ خیال کا اظہار کیا کرتے تھے۔ اس شعری تحریک نے آگے چل کر اردو شاعری میں تین طرح کے رجحانات کو جنم دیا۔ ایک خاص رومانی شاعری کا رجحان دوسرا حقیقت نگاری کا رجحان اور تیسرا وطنی شاعری کا رجحان۔ خالص رومانی شاعری کو فروغ دینے میں اختر شیرانی، جوش ملیح آبادی اور فراق گورکھپوری کے نام خاص طور پر لئے جا سکتے ہیں۔

جوش بنیادی طور پر ایک رومانی شاعر تھے رومانی شاعری میں سارا زورِ قلم جذبات و احساس کی عکاسی اور وجدانی کیفیات کی ترجمانی پر صرف کیا جاتا ہے رومانی شاعر اپنے رنگین جذبات اور اور حسین تصورات کو حسین تراکیب اور جمالیاتی الفاظ کے ذریعے صفحۂ قرطاس پر منتشر کر دیتا ہے۔ جس کی آب و تاب سے شاعر کی شخصیت اور انفرادی عظمت کے گہرے نقوش ابھرنے لگتے ہیں جوش نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ جوش نے مظاہر حیات اور مناظر کائنات کی رنگینیوں اور رعنائیوں سے اپنے قلب و جگر کو تاب و تب عطا کیا اور اپنے فکر و فن کو جلا بخشی۔ جوش نے اپنی شاعری کے نگار خانے کو جمالی و جلالی دونوں طرح کے موقعوں سے سجایا ہے۔ جس کی ہر تصویر رنگینی و رعنائی اور نیرنگ خیالی کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔ جوش نے شباب و شاہد اور بادہ و مینا کی زمزمہ سنجیوں اور مناظر کائنات کی جلوہ طرازیوں کے سرچشموں سے اپنے قلب و جگر کو گرمایا اور اپنے فکر و فن کو زیب و زینت بخشی ہے۔ جوش کی شاعری کا پیمانہ حسن و جمال، حسن و محبت اور لمس و لذت سے لبریز ہے۔

جوش کی نظموں میں رنگین جذبات نگاری، انشائیہ و حسیاتی کیفیات کی مصوری کی گہری رنگ آمیزی نظر آتی ہے۔ جوش کی ہر رومانی و فطری نظم لطف و سرور اور مسرت و سرخوشی کا سامان فراہم کرتی ہے۔ جوش کی نظمیں "رقص"، "جوانی کی رات"، "جوانی کے ساز و برگ"، "لذتِ گریہ"، "کہستانی دکن کی عورتیں"، "کل رات کو"، "شام رخصت"، "گنگا کے گھاٹ پر"، "چاند کے انتظار میں"، "ساون کے مہینے"، "روشنیاں"، "جہاں میں تھا"، وغیرہ ان کے حسین تصورات اور رنگین جذبات کی متحرک

تصویریں ہیں۔ اسی طرح کی اور بھی نظمیں ہیں جن کے مطالعہ سے جوشؔ کے شاعرانہ مزاج و مذاق کا احساس ہوتا ہے اور ان کے فنی ادراک و شعور کی بالیدگی اور تجربات عمل کی پختگی کا پتہ چلتا ہے۔

جوشؔ کی نشاطیہ وطربیہ زندگی نے اُن کی رومانی شاعری کو متحرک کرنے اور سوز و گداز عطا کرنے میں ایک اہم رول ادا کیا ہے۔ اس کا ذکر انہوں نے اشارتاً اپنی کتاب "روحِ ادب" کے دیباچہ میں کیا ہے۔ جوش کی شاعری میں جو رومانی کیف و کم اور جمالیاتی رنگ و نور کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ فطرتاً اور طبعاً رومان پسند شاعر تھے وہ ایک کامل مصورِ جمال تھے۔ اپنے محبوب کو مختلف زاویۂ نگاہ سے دیکھتے اور اپنی روح کو آسودگی عطا کرتے۔ ان کی نظمیں ان کے ذوقِ جمال کی بہر صورت عکاسی کرتی ہیں ان کا جمالیاتی شعور بالیدہ اور پختہ تھا۔

جوشؔ نے جذبات نگاری کے ساتھ ساتھ پیکر تراشی اور سراپا نگاری کو بھی بروئے عمل لایا ہے پیکر تراشی اور سراپا نگاری پر وہ فن کارانہ کمال رکھتے ہیں۔ وہ محبوب کے خد و خال، چال ڈھال، ناز و ادا اور عشوہ و غمزہ کی تصویر کشی ایک مصوّر اور صناع کی طرح کرتے ہیں۔ ایک نظم "جنگل کی شہزادی" ہے جس میں جوشؔ نے جنگل کی شہزادی کی دوشیزگی حسن و جمال اور حرکات و سکنات کی تصویر کشی اس طور پر کی ہے کہ اس کی متحرک تصویر پردہ سیمیں پر مچلتی اور سرکتی نظر آتی ہے۔

جوشؔ ایک کامل صنّاع تھے۔ وہ ایک ماہر مصوّر اور ہنر مند صنعت گر کی مناظر قدرت کی منظر کشی اور فضا آفرینی کرتے ہیں۔ ان کی منظری نظمیں کیا ہیں مناظر کائنات کی شادابیوں اور رعنائیوں کے محاکاتی جلوے ہیں۔ محاکات نگاری جوشؔ کا ایک خاص وصف اور کمال ہے۔ قدرت کے سرسبز و شاداب نظاروں اور

سلمیٰ جاوید

اس قدر پستی اس قدر غربت
دیکھتے کب ہیں اس کو اہلِ دُوَل
دورِ تہذیب اور یہ نکبت
اس قدر پستی اس قدر غربت
وہی انساں کہ جس میں تھی نکہت
آج اس کا ہے کیا مقام و محل
اس قدر پستی اس قدر غربت
دیکھتے کب ہیں اس کو اہلِ دُوَل

(پٹنہ)

لالہ زاروں سے جوشؔ نے اپنے حسین تصوّرات کی آبیاری کی ہے۔ جوشؔ نے مناظرِ کائنات کا مطالعہ چشم بصیرت سے کیا ہے۔ یہاں وہ ٹیگور کی فطرت پرستی سے متاثر نظر آتے ہیں۔ دوسری طرف کیٹس اور ورڈ سورتھ سے بہت متاثر نظر آتے ہیں۔ کیٹس کا خیال ہے کہ حسن ابدی مسرت کا ایک وسیلہ ہے اور ورڈ سورتھ آغوشِ فطرت میں ہی سکون و راحت کا متلاشی ہے۔ جوشؔ نے بھی مناظرِ قدرت کی رعنائیوں اور نکہت و نور میں لطف و سرور کی تلاش کی ہے۔ اپنی کتاب "روحِ ادب" کو انہوں نے فطرت کے نام سے ہی معنون کیا ہے۔ اسی کتاب میں وہ "بہار" کی منظر کشی ایک دلکش اور سحر آفریں نثری پیرائے میں کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

"مارچ کا مہینہ ہے۔ بہار ابھی کم سن ہے ہوا خوشبو سے مست ہے، صبح کا وقت ہے، سرسبز باغ کا ایک گوشہ ہے۔ میں اس گوشہ میں بیٹھا شعر کہہ رہا ہوں۔ نازک نازک درخت اپنی پتلی پتلی شاخوں کا سایہ ڈال رہے ہیں۔ آفتاب کی شعاعیں کشمکش کرتی ہیں اور آ نہیں سکتیں۔ ہوا آہستہ آہستہ چل رہی ہے خوشبو کے وزن سے تیز چل نہیں سکتی۔ پتیاں رقص کر رہی ہیں اور دھیمی دھیمی آواز میں غزل سرا ہیں۔ پھول ہنس رہے ہیں اور کلیاں چٹک چٹک کر ساز بجا رہی ہیں۔

جوشؔ کی منظری نظموں میں "البیلی صبح" "ہماری سیر" "برسات کی چاندنی" "گھٹا" "شام کا رومان" "بہار کی ایک دوپہر" "یوم بہار" "بھری برسات کی روح" "سویرا" "گرمی اور دیہاتی بازار" "برسات کی پہلی گھٹا" وغیرہ ایک خاص مقام و اہمیت کی حامل ہیں۔

جوشؔ نے مناظرِ فطرت کو ذی روح اور پیکر مجسّم کی صورت میں پیش کیا ہے جس سے ان کی نظموں میں لطف و سرور کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ جوشؔ نے ان نظموں میں صناعی اور فنکاری کی بیکراں ضیا پاشی کی ہے۔ ہر نظم ایک دلفریب کہکشاں معلوم ہوتی ہے۔ جس کی آبدار تنویروں سے شاعر و صناع کی شخصیت درخشاں نظر آتی ہے۔ جوشؔ الفاظ و بیان اور صنائع بدائع کے بادشاہ تھے۔ لہٰذا انہوں نے تشبیہات و استعارات سے نگینہ سازی اور مینا کاری کا خوب کام لیا ہے۔ جمالیاتی الفاظ و تراکیب کا استعمال جس قدر اور جس انداز سے جوشؔ نے کیا ہے شاید ہی کسی فنکار نے کیا ہو۔

بلاشبہ جوشؔ ایک کامل رومانی فنکار اور فطری صنّاع تھے جس کا کوئی ہمسر نہیں۔

(پٹنہ سے نشر)

تعلیم

تعلیم کا اہم مقصد انسان کو اپنی سوسائٹی میں کامیاب اور بامقصد ممبر بنانا ہے۔

تعلیم جو انساں میں ایسی صلاحیت پیدا نہ کر سکے کبھی مثبت اور بامقصد تعلیم نہیں کہی جا سکتی۔ ہر ملک کے کچھ اہم تقاضے اور حالات کے پیشِ نظر نصاب تعلیم میں مضامین اور موضوعات کا انتخاب کیا جاتا ہے جسے پڑھ کر بچہ اس طرح عمل پیرا ہو سکے کہ اس کا ہر عمل ملک و قوم کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو۔

ہمارا ہندوستان ایک سیکولر ملک ہے جس میں مختلف تہذیب اور مذاہب کے لوگ بستے ہیں جہاں مختلف تیوہار ہوتے ہیں۔ مختلف مراسم کی ادائیگی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں مل جل کر رہنے کی طاقت، قوتِ برداشت اور دوسروں کے ساتھ تعلقات استوار رکھنے کی صلاحیت پیدا کرنا ملک و قوم کا اہم تقاضہ ہے۔ اس کا حصول تاریخ، علم تمدن اور معاشرت کے مطالعے کیا جاتا ہے۔ تاریخ درحقیقت پرانے واقعات اور حقائق کا ریکارڈ ہے۔ جیسی تبدیلی ملک کے ڈھانچہ میں ہوتی ہے اس کا اثر انسان کے ذہن، عادات، خیالات اور سماجی اقدار پر پڑتا ہے۔ کم و بیش تبدیلی ویسی ہی ہوتی ہے جیسی اس کے قبل کے دور میں ہو چکی ہے۔ اس لئے یہ کہاوت ہمیشہ صادق آتی ہے کہ تاریخ اپنے کو دہراتی ہے۔ اور یہی بہت ہے کہ ہم موجودہ دور کو گذشتہ حالات کے ذریعہ سمجھتے ہیں اس لئے یہ ضروری ہے کہ تاریخ تمدّن اور معاشیات کے مضامین اس انداز سے پڑھائے جائیں جن سے سماجی قدروں کی وقعت وطن پرستی، بھائی چارگی، صلح پسندی، بنی نوع انسان کے محبت اور باہمی میل جول کے علمی مواقع اور حالات نمایاں رہیں۔ اگر تاریخ کو محض پرانے واقعات تاریخ کی صورت میں پڑھایا گیا تو ان مقاصد کا حصول ہو نہ سکے گا اور یہ مضامین ذہنی بالیدگی کا سبب نہیں بلکہ عارضی مسرت یا نفرت کا سبب بن کر رہ جائیں گے۔

تاریخ مختلف جنگ کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ لیکن جب یہ واقعات پڑھ لئے جاتے ہیں تو ان کا اصل مقصد معلم اور متعلم دونوں کے ذہن سے محو ہو جاتا ہے اور یہ لڑائی دو راجاؤں یا دو بادشاہوں کی باہمی جنگ بن کر رہ جاتی ہے۔ اور بجائے اس کے کہ اصل سبب پر زور دیا جائے جنگ کے وجوہ و حالات کا مکمل جائزہ لیا جائے۔ ضروریات ملک اور حالات کے تقاضوں سے بحث کی جائے حب الوطنی انسانی محبت اور عین جنگ کے دوران آپس کی دوستی کے جذبات ابھارے جائیں۔ یہ واقعات ہمیں ایک فریق کے خلاف جذبات پیدا کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ تاریخ کے ہر واقعہ میں ملک دوستی وطن پرستی بھائی چارگی، باہمی میل جول، قوتِ برداشت اور ملک کے غداروں کے خلاف نفرت کا جذبہ پوشیدہ ہے"

صاب تعلیم

وجودہ حالات اور تقاضوں کی روشنی میں

ڈاکٹر ایس ایم موسوی

جذبات کو پیدا کر کے ہم مقاصد کا حصول بڑی حد کر سکتے ہیں ۔ اور ایک اہم تقاضہ پورا ہو سکتا ہے۔

ملک جن حالات سے گذر رہا ہے اس میں بے وزگاری ایک نمایاں چیز ہے ۔ تعلیم اور نصاب تعلیم کے سامنے بے روزگاری سے نپٹنا وقت کا ایک ہم تقاضہ ہے ۔ سرکار نے اس کے پیش نظر تعلیم کو زیادہ کار آمد بنانے کی کوشش کی ہے اور سائنس کو تقریباً ہر رجہ میں ثانوی تعلیم تک لازمی قرار دیا ہے ۔ یہ قدم ہت حد تک کار آمد ہے لیکن بے روزگاری کی عام ور خطرناک وبا سے نپٹنے کے لئے اب بھی کمزور ہے یہ بات ظاہر ہے کہ ٹیکنیکل تعلیم کی بنیاد سائنس ہے۔ سائنس وقت کی اہم ضرورت ہے لیکن محض سائنس کے بنیادی اصول سیکھ لینے سے عملی اہلیت حاصل نہیں ہوتی ۔ ضرورت ہے کہ سائنسی اصول پر مبنی پیشہ ورانہ تعلیم بھی ہر درجہ میں تدریجی طور پر پڑھائی جائے ۔ یہ خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ پیشہ کا تعلق بچہ کے رجحان سے ہوتا ہے ۔ ایک بڑھئی جو ہر بنائی چیز میں خوبصورتی اور جاذب نظری کا خیال رکھتا ہے ، لازمی طور پر سائنس کے بنیادی اصولوں پر قادر نہیں ہوتا ۔ یہ ہنر اس نے اپنے رجحان اور مشق سے سیکھا ہے ۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی بھی پیشے کے حصول میں رجحان اور مشق لازمی چیز ہے ۔ موجودہ نصاب تعلیم میں پیشہ ورانہ نصاب کا شامل کیا جانا اور وقفہ وقفہ سے طالب علموں کے رجحان کا جاننا اور رجحان کے تحت تدریجی تعلیم دینا بڑی حد تک اس تقاضہ کو پورا کر سکتا ہے۔

موجودہ دور میں طلبہ کا انتشار انتہائی خطرناک صورت حال کا حامل ہے ۔ یہ انتشار ہندوستان گیر نہیں عالم گیر ہے ۔ یہ بڑی تشویش ناک صورت حال ہے ۔ طلبہ میں انتشار پیدا ہونے کے بہت سے وجوہ ہیں جن میں سے دو زیادہ اہم کہے جا سکتے ہیں ۔ ایک حصہ غیر اطمینانی صورت حال ہے جس سے بچہ ہر وقت دوچار رہتا ہے ۔ طالب علم سب کچھ پڑھنے کے باوجود مطمئن نہیں اور اپنے اس انتشار کو تخریبی کارروائیوں کے ذریعہ آسودہ کرتا ہے ۔ یہاں ایک سوال اٹھتا ہے کہ آخر بچہ کیوں پڑھنے اور تعلیم حاصل کرنے کے باوجود مطمئن نہیں ہے اس کے جواب میں سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ جو علم وہ حاصل کر رہا ہے وہ روایتی طور پر علم تو ہے لیکن اس سے بچہ کو یہ اطمینان نہیں ہے کہ اس کے سہارے وہ کسب معاش حاصل کر سکے گا دوسرے یہ کہ یہ علم اُسے اخلاقی بنیادوں پر نہیں ملتا ۔ اسی حالت میں بچہ تخریبی کارروائیوں کے سہارے اپنے کو ممتاز کر کے حصول مقاصد کی کوشش کرتا ہے۔ اور سوسائٹی میں اپنی منفی قدر کے ذریعہ اہمیت برقرار رکھتا ہے ۔ اس طرح سے احساسِ کمتری پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے۔

دوسری اہم وجہ سوسائٹی کی سماجی ضرورتوں اور افراد کی اقتصادی حالت میں پایا جانے والا تفاوت ہے جب انسانی ضرورت اقتصادی کشمکش سے ٹکراتی ہے تو ذہنوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ جاتی ہے جہاں پر انسان کی انا مغلوب یا ملوث ہو وہاں غصہ آنا اور نفسیائی بچاؤ کی ضرورت اختیار کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔ دوسری لفظوں میں انسان جب احساس کمتری سے دوچار ہو جاتا ہے تو نفسیاتی طور پر بچاؤ یا دفاع کرتا ہے ۔ یہی وہ صورت حال ہے جس کے دباؤ کے تحت آج کل نوجوان ان علمی اور سماجی اقدار سے خلاف آواز اٹھا رہے ہیں اور اپنے والدین کے اپنائے ہوئے سماجی اقدار سے بغاوت کر رہے ہیں اور اس انداز کو ماہرین تعلیم و عمرانیات جنریشن گیپ کا نام دے رہے ہیں ۔ یہ صورت حال از خود طالب علم اور افراد میں غیر اطمینانی حالت پیدا کرتی ہے اور انتشار کی صورت میں نمایاں ہوتی ہے ۔ موجودہ نصاب تعلیم میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ تعلیم بچہ کو خود کفیل بنا سکے اور اس کے ساتھ اس کا خیال رکھنا بھی بہت ضروری ہے کہ ہر دورِ تعلیم میں اخلاقی تعلیم کا بھرپور انتظام اور نصاب ہو اور یہ تعلیم زبانی نہیں بلکہ باقاعدہ عملی طور پر دی جائے جس کے لئے لازمی کیمپ قرار دئے جائیں تاکہ بچہ عملی طور پر تدریسی طریقہ سے اخلاقی تعلیم حاصل کر سکے ۔ گاندھی جی نے بنیادی تعلیم میں ساری کا محور ایک CRAFT اسی نظریہ کے تحت رکھا تھا کہ بچہ ایک منزل پر پہونچ کر خود کفیل ہو سکے اور ساتھ ہی ساتھ اخلاقی تعلیم بھی حاصل کرتا رہے ۔ جب تک ہمارا نصاب تعلیم طالب علموں کی ضروریات اور اخلاقی تعلیم کے تقاضہ کو پورا نہ کرے گا ان میں ایک قسم کا ہیجان پایا جاتا رہے گا۔

ہمارے ملک نے تعلیم کے میدان میں نمایاں ترقی کی ہے اور ریاستی سرکار اسے ترقی کی شاہراہ پر تیزی سے آگے بڑھا رہی ہے ۔ پرانے فرسودہ ڈھانچہ کو بدل کر تعلیم کے لئے نئے ڈھانچہ کی تشکیل ہوئی ہے نصاب بدلا گیا ہے ۔ حالات کے پیش نظر اور تبدیلی بھی متوقع ہے ۔

بنیادی طور پر ہم 3 RS لکھنا پڑھنا اور حساب کی تعلیم نظر انداز نہیں کر سکتے ۔ یہ ہماری روزمرہ کی زندگی کو مفلوج کر دے گا ۔ اسی کے ساتھ نصاب میں پیشہ ورانہ تعلیم کو لازمی قرار دینا ہوگا اور طلبہ کے رجحان کا جائزہ لے کر پیشہ کی تدریسی تعلیم دینا ہوگی تب ہی ہم موجودہ تقاضوں اور حالات کے پیشِ نظر تعلیم کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکیں گے۔

(آکاشوانی گورکھپور سے نشر)

ڈاکٹر ایس ، ایم ، موسوی
شبلی نیشنل ڈگری کالج اعظم گڈھ

کے لئے ترسیل زر کا پتہ
چیف ایڈیٹر
آکاشوانی گروپ آف جرنلز ، آل انڈیا ریڈیو
II فلور ، پی ٹی آئی بلڈنگ ، سنسد مارگ ـــــــــــــ نئی دہلی ، ۱۱۰۰۰۱

مدھیہ پردیش اردو اکیڈمی

فضل تابش

مدھیہ پردیش اردو اکیڈمی کا دائرہ کار اردو ادب کے فروغ اور تحفظ تک محدود ہے۔ اردو اکیڈمی ایسے تمام کام کرنے کی مجاز ہے جو اردو ادب کے فروغ اور تحفظ میں معاون ہوں۔

لیکن جب بھی کسی اردو اکیڈمی کے بارے میں بات کی جاتی ہے فوراً ہی اردو زبان کی تعلیم اور بقا کا سوال اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اس سوال کو ٹالا بھی نہیں جا سکتا کہ اردو کسی مخصوص علاقے کی زبان نہ ہونے کے سبب علاقائی زبانوں کو ملنے والی مراعات سے محروم ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ اردو زبان کی تعلیم کا رشتہ معاشیات سے اس طرح جڑا ہوا نہیں ہے جیسا کہ علاقائی زبانوں یا قومی زبان کے معاملے میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طلبا کے والدین میں اردو کی تعلیم دلانے کے لئے کوئی خاص لگن نہیں ہوتی لیکن یہ نازک اور گمبھیر مسئلہ اکیڈمیوں کے بوتے کا نہیں۔ اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے صوبائی اور مرکزی سرکاروں کو چیتنا یا جانا ضروری ہے پھر بھی یہ مسئلہ اکیڈمیوں سے اس سرگرمی سے جوڑ دیا جاتا ہے کہ اردو اکیڈمیوں کا جو واقعی مسئلہ ہے اس کی طرف کہیں بھی اور کوئی بھی توجہ نہیں دیتا۔ اردو ادب کا تحفظ اور فروغ بہت آسان اور سیدھا سادا معاملہ نہیں ہے کسی بھی زبان کے ادب میں ہمیشہ ہی ایک پاپولر رویّہ ہوتا ہے۔ یہ پاپولر رویّہ نہ صرف سنجیدہ علمی اور تحقیقی رویّے کی ضد ہوتا ہے بلکہ اسے ایک خاص قسم کی سرپرستی بھی حاصل رہتی ہے۔ اس رویّے کو بڑھاوا دینے میں منافع خور پبلشر اور دیگر ادارے زور و شور سے عمل پیرا رہتے ہیں۔ اس رویّہ کی دلچسپ مثالوں کا سرسری جائزہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

اردو میں تنقیدی کتابوں کی اشاعت ایسا ہی دلچسپ معاملہ ہے۔ تنقید کی دو تین ہزار کتابیں سال بھر میں بہ آسانی فروخت ہو جاتی ہیں کہ کالجوں میں اس کی کھپت ہے۔ کالج کے اساتذہ اپنے کلاس میں نوٹس لکھتے ہیں اور پبلشر فوراً یہ کتابیں چھاپ دیتے ہیں اور مؤلف پر احسان فرماتے ہوئے اس کی رائیلٹی ہڑپ کر جاتے ہیں۔ اسی لئے اردو جاسوسی کتابوں کے بعد سب سے زیادہ یہی کتابیں چھاپی جاتی ہیں۔ یہ پبلشر تخلیقی ادب سے دور بھاگتے ہیں کہ ان کی کھپت کم ہوتی ہے اور ایک ہزار کا ایڈیشن مشکل سے فروخت ہوتا ہے۔

اسٹیج ڈراموں کو اسٹیج کرنا بھی ایک گھاٹے کا سودا ہے اور چاہنے کے باوجود لوگ اس کام کو اسلئے نہیں کر پاتے کہ کہیں سے امداد کی صورت نظر نہیں آتی اور نقصان لازمی ہوتا ہے اور اسی لئے اردو ڈرامہ اسٹیج کی بجائے کتابی ہوتا جا رہا ہے۔

مشاعروں کی صورتِ حال بھی ایسی ہی ہے مشاعرہ کرانے والی انجمنیں یا افراد گلے باز شعرا، شاعرات اور پیشہ ور ناظموں کو بلا کر سطحی لذت اندوزی کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ ایسے مشاعروں میں اول تو سنجیدہ اور بہتر شعرا کو مدعو ہی نہیں کیا جاتا اور اگر دھوکے سے بلا لیا جائے تو وہ بے چارے ہلکی پھلکی غزل سے آگے نہیں بڑھتے اور نظم سنانے کی تو ہمت ہی نہیں کر پاتے۔ ایسے مشاعروں سے نظم دھیرے دھیرے سنانے کے بجائے کتاب یا رسالے میں پڑھنے پڑھانے کی صنف بنتی جا رہی ہے۔

اس صورت میں یہ لازمی محسوس ہوتا ہے کہ اکیڈمیاں اگر ادب کو فروغ دینا چاہتی ہیں تو لازمی ہے کہ وہ اس پاپولر رویّے کے خلاف کام کریں۔

یہ حقیقت ہے کہ ہم پاپولر رویّے کو روک نہیں سکتے یعنی منافع خوری ختم نہیں ہو سکتی لیکن یہ ضرور کر سکتے ہیں کہ اس رویّے کے خلاف ایسے کام کریں جو کم سے کم ایک صف آرائی کی صورتِ حال پیدا کر سکیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے نجی اشاعتی اداروں کے مقابلے میں بہتر کتابیں چھاپیں، تنقید سے زیادہ تخلیق پر توجہ دیں اور مصنفین کو معقول رائیلٹی دی جائے۔ کتابوں کی فروخت کی ایسی پالیسی بنائیں کہ وہ نجی اداروں کا مقابلہ کر سکیں، مشاعرے عام ڈگر سے ہٹ کر کرانے اور کرنے کی کوشش کی جائے، نظم کی نشستیں منعقد کی جائیں، ڈرامے اسٹیج کرنے کی کوشش کی جائے اور ڈرامے کرنے والی انجمنوں کو مالی امداد دیں۔ غزل گانے کی ایسی تقاریب کی جائیں کہ کم ٹکٹ پر زیادہ سے زیادہ لوگ لطف اٹھا سکیں ساتھ ہی ساتھ نئے گلوکاروں کو بھی روشناس کرایا جائے۔

مدھیہ پردیش اردو اکیڈمی کے اراکین نے انہیں تمام مسائل پر غور کرنے کے بعد ۱۹۸۰ء سے عمل شروع کیا ہے ۸۰ء تک اکاڈمی کا بجٹ چند ہزار سالانہ سے آگے نہیں بڑھ سکا تھا۔ ارجن سنگھ سرکار کے زمانے میں پہلے یہ بجٹ پانچ لاکھ کیا گیا اور اس سال ساڑھے چھ لاکھ کیا گیا ہے۔ بڑھتے ہوئے بجٹ کے سبب ہی اکیڈمی کچھ کام کرنے کے لائق ہو سکی ہے جو کام کئے جا رہے ہیں ان کا مختصراً ذکر کرنا ضروری ہے۔

کتابوں کی اشاعت اور امداد

اردو اکیڈمی ہر سال صوبے کے اردو فن کاروں کی چھ سات کتابیں شائع کرتی ہے اور ۱۳ ار ۱۴ ار کتابوں کو اشاعت کے لئے امداد دیتی ہے۔ ان کتابوں میں تخلیقی اصناف زیادہ رہتی ہیں، جو کتابیں چھاپی جاتی ہیں ان پر مصنف کو ۲۰ % رائیلٹی دی جاتی ہے جس کا نصف کتاب چھپتے ہی دے دیا جاتا ہے۔

ڈرامہ فیسٹول

ہر سال اکیڈمی کی طرف سے چالیس پینتالیس دن کا ایک ڈرامہ کیمپ لگا کر دو یا تین اردو ڈرامے تیار کرا کے اسٹیج کئے جاتے ہیں۔

کی نشستیں

ہر سال دس بارہ نظم گو شعراء کو دعوت دی جاتی ہے
ب مدعوئین کے سامنے آدھے گھنٹے تک ہر ایک
سے نظم سنانے کو کہا جاتا ہے۔ یہ تقاریب ابھی تک
میاب رہی ہیں۔ ان تقاریب میں سامعین نظم
پر شاعر سے بات چیت بھی کرتے ہیں۔ اسی طرح
ستیں بھی ہوتی ہیں جن میں طنزیہ نظم اور مضامین
ے جاتے ہیں

رفتگاں

مدھیہ پردیش اردو اکیڈمی میں ہر سال صوبے
ی ایسے اہم اردو فنکار کی یاد منائی جاتی ہے جس نے
وب کی تخلیق میں قابلِ ذکر خدمات انجام دی ہوں
ب وہ ہمارے بیچ نہیں ہے۔ اس سلسلے میں
ین روزہ تقاریب کی جاتی ہیں۔ ان تقاریب
علقہ اردو فنکار سے متعلق سیمینار لازمی ہوتا
ساتھ ہی یہ کوشش بھی کی جاتی ہے کہ متعلقہ
ر کی تخلیقات بھی کتابی صورت میں پیش کی جا
ں۔

اعزاز

مدھیہ پردیش اردو اکیڈمی نے ۱۹۸۰ء کے
ے لمبی لگاتار اور قابلِ قدر خدمات کے لیے دو
دینا طے کیا ہے۔ یہ اعزاز صرف تخلیقی خدمات
پیش نظر دیے جاتے ہیں۔ ان میں ایک اعزاز کا
میر تقی میر کل ہند اعزاز" ہے۔ اس اعزاز کی صورت
گیارہ ہزار روپے اور پلیک پیش کئے جاتے ہیں
تک پورے ملک میں میر تقی میر اعزاز سب سے
عزاز ہے۔ اس کے ساتھ پانچ ہزار روپے کا
ج میر خاں سحر صہبائی اعزاز بھی ہے۔ ابھی تک
احمد عباس اور سردار جعفری کو میر تقی میر
ہند اعزاز اور شعری بھوپالی اور کیف بھوپالی
یان کو سراج میر خاں سحر صہبائی اعزاز دیے
ے ہیں۔

نعامات

صوبے کے فن کاروں کی کتابوں پر ڈھائی
ئی ہزار روپے کے پانچ انعامات، فکشن، ڈرامہ
عری، تنقید اور بچوں کے ادب پر اسی سال شروع
ے گئے ہیں۔ اس سے پہلے اکیڈمی گیارہ گیارہ سو
پے کی دو انعامات دیا کرتی تھی۔

(آل انڈیا ریڈیو رام پور سے نشر)

دل میں اک درد سا اٹھا ہے ابھی

ڈاکٹر ندیم الرحمٰن خاں

اس شعر میں شاعر نے دل اور درد کی نسبت سے یقیناً بڑے پتہ کی بات کہی ہے دردِ دل کے تعلق ہمارے شاعروں کی خیال آرائیاں ہمارے ڈاکٹروں اور طبیبوں سے مختلف نہیں ہیں۔ میر تقی میر فرماتے ہیں۔

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا

دردِ دل یا دل کا عارضہ یقیناً بڑا خطرناک عارضہ ہوتا ہے۔ ابتدا میں ہلکے ہلکے طور پر اٹھنے والا دل کا درد علاج نہ کرنے پر آگے چل کر آہستہ آہستہ نہایت خطرناک صورت حال اختیار کر لیتا ہے۔ اس لیے چاہیے کہ ہم اس دردِ دل کے تعلق سے غفلت نہ برتیں، اسے معمولی نہ سمجھیں بلکہ جیسے ہی درد کے آثار پیدا ہوں فوراً کسی معتبر ڈاکٹر سے رجوع کر لینا چاہیے۔

دردِ دل یا عارضۂ قلب کی نشانیاں علامتیں اور کیفیتیں مختلف قسم کی ہوتی ہیں۔ سینے میں درد کا شروع ہونا دل کی بیماری کی واضح اور اہم علامت ہے۔ اس لیے جونہی سینے میں درد سا محسوس ہونے لگے اس کی طرف فوراً توجہ دی جانی چاہیے اور اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ سینہ میں درد کہاں ہو رہا ہے اور کتنی دیر سے ہو رہا ہے اس درد کی نوعیت اور کیفیت اپنے ڈاکٹر سے صاف صاف اور واضح طور پر بتانی چاہئے۔ جن دل کی بیماریوں میں سینے میں شدید قسم کا درد محسوس ہوتا ہے وہ ہیں (۱)

1 _ ANGINA PECTORIS
2 - ACUTE CORONIR INSAFISIANCY
3 - MYO CARDIAL INFARCTION

ANGINA PECTORIS -1
ایک خاص قسم کی دل کی بیماری ہوتی ہے جس میں سینے کے درمیانی حصہ میں درد محسوس ہوتا ہے۔ کبھی کبھی یہ درد سینے کے ساتھ ساتھ محسوس ہوتا ہے ANGINA کا درد مختلف درجوں میں اور مختلف قسم کی جسمانی اذیتوں سے پیدا ہوتا ہے اور معمولی وقفہ تک رہتا ہے۔ اس درد کے محسوس ہوتے ہی احتیاطاً جسمانی اذیت سے حتی الامکان گریز کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔

عام طور پر تیزی سے چلتے وقت یا بلندی یا اونچائی پر چڑھتے وقت یا تیز ہوا میں ہوا کی مخالف سمت چلتے وقت خاص طور پر سرد موسم میں اس درد کے اٹھنے کے قوی امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔ جوش یا روانی میں سانس بھر آنے سے بھی دن میں یہ درد اٹھ سکتا ہے اس درد سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ کچھ دیر سکون و آرام کے ساتھ لیٹ جانے سے اور جوش غصہ یا تیزی جذبات پر قابو پانے سے یہ درد خود بخود کم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس درد کے اٹھنے پر سینہ میں عجیب قسم کا بھاری پن یا دباؤ سا محسوس ہوتا ہے۔ کبھی کبھی اس درد کو دور کرنے کے لیے مخصوص دواؤں کا استعمال بھی کرنا پڑتا ہے۔

دل کی دوسری بیماری جسے ACUTE CORONARY INSAFICY کہتے ہیں ایک مہلک قسم کا مرض ہے۔ اس میں ANGINA ہی کی طرح درد اٹھتا ہے لیکن اس کی میعاد زیادہ دیر تک رہتی ہے۔ دل کو کافی مقدار میں خون نہ ملنے کے باعث اس قسم کا درد اٹھتا ہے۔

جسم میں خون کی کمی یعنی ANEMIA یا خون کی چھوٹی سی نالی میں خون کے جم جانے سے یا حرکتِ دل کی رفتار بڑھ جانے سے دل کو اس درد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

دل کی تیسری اور سب سے زیادہ مہلک بیماری کا نام MYOCARDIAL INFARCTION ہے جسے عام طور پر ہارٹ اٹیک کہا جاتا ہے اس بیماری میں خون کی شریان بند ہو جانے کی وجہ سے ایک شدید قسم کا درد محسوس ہوتا ہے۔ یہ درد بیٹھے بیٹھے آرام کی حالت میں یا پھر نیند کے دوران بھی لاحق ہو سکتا

...شدت اختیار کر لینے پر جان لیوا ثابت ہوتا ہے ... شدتِ درد کی وجہ سے مریض شاک کی کیفیت میں چلا جاتا ہے۔ اس کے چہرے کا رنگ پیلا پڑ جاتا ہے۔ نبض کی رفتار سست ہو جاتی ہے جس سے پسینہ بہنے لگتا ہے خون کا دباؤ کم ہو جاتا ہے۔ متواتر چکر آنے لگتے ہیں اور قے کا سلسلہ بھی شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے تعلق سے اگر ڈاکٹروں سے فوراً رجوع نہ کیا گیا تو موت واقع ہو سکتی ہے

دل کی یہ بیماریاں یقیناً بڑی تشویش ناک ہوتی ہیں مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ سینے کا ہر درد، دل کا درد نہیں ہوتا۔ دیگر وجوہات کی بنا پر بھی سینہ میں تکلیف محسوس ہو سکتی ہے مثلاً PLEARISY, NEURALGIA MYALGIA, RHEUMATIC وغیرہ۔

ان تمام بیماریوں میں سینہ میں شدید درد محسوس ہوتا ہے اور اپنی بدگمانی، غلط فہمی اور شک شکوک کی بنا پر ہم خود اپنی صحت کے دشمن ہو جاتے ہیں۔

اس لئے سینے میں اٹھتے ہوئے ہر درد کو درد مان کر اپنے آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہیے۔

دل کی بیماریوں کی پہچان یا شناخت کے لیے بہترین قسم کے آلات ہمارے پاس موجود ہیں ECG سے ہم دل کے اس حصے کو بآسانی شناخت کر سکتے ہیں۔ جہاں خون کی نالی بند ہو جانے سے آکسیجن کی رسائی نہیں ہو پاتی۔ ان آلات سے درد کی جگہ معلوم کر کے بہتر قسم کا علاج اچھی طرح کیا جا سکتا ہے۔

دل چونکہ ہمارے جسم کا ایک اہم عضو ہے۔ ہمیں اس کی تندرستی اور توانائی کا خاص خیال رکھنا چاہیے ایسی تمام باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے جو دل کی کمزوری کا باعث ہوتی ہیں۔ حرص و ہوس اور غم و غصہ کی آلودگیاں عام طور پر دل کو کمزور کر دیتی ہیں۔ اندھا دھند عیش کوشی، شراب نوشی اور سگریٹ یا چرٹ کے دھویں سے کھیلنے کا شوق دل کو جلا کر خاک کر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں نشہ آور اشیا اور مرغن غذاؤں کا استعمال بھی امراضِ دل کا باعث بن جاتا ہے۔ یہ چیزیں ابتدا میں تو خوشی راحت، کیف و سرور کا سامان مہیا کرتی ہیں مگر ان کے مضر اثرات دل کی تباہی کی منزلوں سے قریب کر دیتے ہیں۔

آج کے تہذیب و تمدن کے فروغ والے دور میں اسباب عیش و عشرت کی فراوانی، ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی حرص و ہوس۔ حصولِ روزگار کی اکتا دینے والی یکسانیت سے جسم انسانی میں خون کا دباؤ اور اعصابی تناؤ بڑھنے لگتا ہے۔ اس تناؤ TENSION سے دل اور دماغ مختلف قسم کی بیماریوں اور خرابیوں کا نشانہ بن رہے ہیں۔

مشہور مقولہ ہے کہ "احتیاط علاج سے بہتر ہے" اس لیے جہاں تک ہو سکے دل کی بیماریوں کے معاملے میں پہلے ہی سے احتیاط برتنی چاہیے۔ دل کی صحت اور توانائی کا دار و مدار محض دواؤں پر نہیں بلکہ احتیاطی تدابیر پر ہوتا ہے۔ خاص طور پر خون کے بڑھتے ہوئے دباؤ کی روک تھام بے حد ضروری ہے۔ دل کو صحیح سلامت رکھنے کے لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں دباؤ اور اعصابی تناؤ کی فضا سے دور رہیں۔ ہلکی زود ہضم اور طاقت بخش غذاؤں کا استعمال کریں۔ زیادہ سے زیادہ پیدل چلنے کی عادت ڈالیں۔ صبح کو سیر کو اپنا معمول بنائیں۔ غصہ، خفگی اور ہمیشہ سوچتے رہنے کی بری خصلتوں سے کنارہ کش رہیں۔ دسترخوان کی مرغن غذائیں، شراب نوشی اور اسموکنگ عام طور پر دل کی منحوس بیماریوں کا سبب بنتی ہیں اس لیے ان سے جتنا پرہیز کیا جائے اتنا ہی بہتر ہے۔

اگر الجھنوں سے بچنے، تناؤ سے گریز کرنے، غم و غصہ سے دور رہنے اور بری عادتوں کو چھوڑنے کی کوشش نہ کی گئی تو دردِ دل مقدر ہو کر رہے گا اور یہی کہنا پڑے گا

دل میں اک درد سا اٹھا ہے ابھی
منزلِ غم کی ابتدا ہے ابھی

(ناگپور سے نشر)

ڈاکٹر ندیم الرحمٰن خاں
۱۱ا، اسٹار کی ٹاؤن، ناگپور

اِرم عمر پوری

وہ ایک شخص خدا جانے اب کہاں ہو گا
جہاں بھی ہو گا مرے غم کا ترجماں ہو گا

مجھے جو دے گا نئی رنجشوں کے زخم نئے
وہ ایک لمحۂ غم کتنا شادماں ہو گا

سحر طراز اجالوں کے زخم مہکیں گے
اس انجمن میں چراغوں کا امتحاں ہو گا

کسے خبر تھی کہ جب ڈھونڈنے چلیں گے اسے
نہ کوئی سمت نہ منزل نہ کارواں ہو گا

لگی ہے آنچ کہاں درد کی ابھی دل کو
ابھی تو اور سلگ کر دھواں دھواں ہو گا

کبھی تو ٹوٹے گا گہرا جمود صدیوں کا
کوئی تو لمحہ زمانے پہ مہرباں ہو گا

ستم گروں کے ستم سے کہاں بچو گے ارمؔ
زمین چھوڑ بھی بھاگے تو آسماں ہو گا

(اردو مجلس سے نشر)

لوک ادب کا ایک کردار

دُنیا کے ہر ملک اور ہر قوم کی روایات میں قصّوں اور کہانیوں کو بڑا دخل رہا ہے۔ ابتدا میں یہ قصے کہانیاں پتھروں اور چٹانوں اور بڑی بڑی سلوں پر سنگ تراشی کے مختلف نمونوں کی شکل میں معرض وجود میں آئیں اور آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ ہو گئیں۔ جب انسان نے لکھنا پڑھنا سیکھا تو پتھروں پر تراشی گئی ان کہانیوں نے الفاظ کا جامہ پہن لیا اور آئندہ نسلوں کے لیے کتابی شکل میں محفوظ ہو گئیں۔ چنانچہ لوگوں نے ضرورتاً ان کہانیوں میں ایسے کرداروں کو جگہ دی جو اپنی انفرادی خصوصیات کی وجہ سے لوگوں کو بھاتے گئے۔ اور ان کے حافظے پر امٹ چھاپ چھوڑ گئے۔ اگلے زمانوں میں تو کہانی سنانا یا کہانیاں سننا تفریح کا واحد ذریعہ تھا۔ انھیں زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے میں داستان گو کا خاص کردار رہا ہے۔ آج جب کہ ہمارے پاس تفریح کے بہت ذرائع ہیں، گانوں کے کیسٹوں کی ہی طرح الف لیلیٰ یا دوسری کہانیوں کے کیسٹ بھی اچھی خاصی تعداد میں فروخت ہوتے ہیں۔ جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ ان کہانیوں کے ساتھ آج بھی لوگوں کی دل چسپی برابر قائم ہے۔

ان کہانیوں کے موضوع عشقیہ بھی ہوتے ہیں، رزمیہ بھی اور طربیہ بھی۔ حسن و عشق کی داستانوں کو ہر دور میں مثنویوں کی شکل میں ہمارے شعرا نے قلم بند کیا اور انہیں دل چسپ بنانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ منظوم داستانوں کے کرداروں ہی کی طرح نثری کہانیوں کے مرکزی کردار بھی لوگوں میں اس قدر مقبول ہوئے کہ ان کا نام سنتے ہی ہمارے ذہنوں میں ان کا سراپا ابھر آتا ہے۔ یہ کردار ایک علامت بن گئے۔ آج جس لوک کردار کی ہم بات کر رہے ہیں اس کا نام سنتے ہی ہمارے ذہن میں ایک ایسے شخص کی تصویر ابھر آتی ہے جو نہایت ہی چالاک ہے۔ لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے طرح طرح کی اور جھوٹ موٹ کی کہانیاں گڑھتا رہتا ہے۔ چھل کپٹ سے کام لیتا ہے۔ لوگوں کو ٹھگتا رہتا ہے۔ کمال کا جعلساز ہے۔ آپ اس کردار کو یقیناً پہچان گئے ہوں گے۔ جی ہاں ——— "میں شیخ چلی" کا ذکر کر رہا ہوں۔ ہماری کئی لوک کہانیوں میں یہ کئی روپ دھارتا ہے۔ یہ اگرچہ کوئی تاریخی کردار نہیں اس کے

سب رنگ

محمد احمد اندرابی

میں مشہور ہے کہ چیل کے گھونسلے سے اس نے انڈے چرائے ہیں۔ ممکن نہ سہی بہت زیادہ مشکل کام ہے۔ درخت پر چڑھتے آدمی کے یہ نہایت صفائی سے کپڑے اتار لیتا ہے۔ اور دیکھتے دیکھتے وہ برہنہ ہو جاتا ہے۔

یہاں پر یہ بتا دینا مناسب ہوگا کہ انہی خصوصیات کا حامل ایک کردار وسط ایشیائی لوک کہانیوں میں بھی موجود ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہمارے یہاں یہ کردار دراصل وہیں سے آیا ہے۔ یہ ممکن ہے بھی کیونکہ لوک کہانیوں یا لوک کرداروں کی کوئی سرحد نہیں۔ ہر ملک اور ہر وطن کی لوک کہانیوں میں اجتماعی سوچ ملتی ہے۔ بلکہ بعض دفعہ تو ان میں اس حد تک مماثلت ہوتی ہے کہ کہانی کا کچھ حصہ سننے یا پڑھنے کے بعد آدمی دنگ رہ جاتا ہے کہ یہ سب کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ لوک کردار دراصل انسانی فطرت اور تمام تر جبلتوں کے مظہر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فرضی ہوتے ہوئے بھی یہ کردار ہمیں اپنی روزمرہ زندگی میں ہر جگہ نئے نئے روپ دھارتے موجود نظر آتے ہیں۔

ایک کشمیری لوک کہانی میں اس علامتی کردار نے لوگوں کو بنایا ہے اور کیا اودھم مچائی ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک عورت ودھوا ہو گئی۔ اس کا کوئی سہارا نہ تھا اس پر مصیبت کہ خاوند دو جوان بیٹیاں چھوڑ گیا۔ جو کچھ تھا کچھ دن میں ختم ہو گیا۔ نوبت فاقوں تک آ گئی۔ پر بڑھیا چالاک تھی بیٹیوں سے کہا کہ میرا ساتھ دو۔ ہم بھوکوں نہیں مریں گے۔ ادھر ادھر تاک جھانک کی اور دیکھا کہ ایک سڑک پر ایک اندھا بھکاری بیٹھا رہتا ہے اسے کافی پیسے مل جاتے ہیں جو وہ اپنی پوٹلی میں رکھ لیتا ہے اور اسے اپنے سے کبھی بھی الگ نہیں کرتا۔ پھر کیا تھا۔ بڑھیا اپنی بیٹیوں کو ساتھ لے گئی اور اندھے کے سامنے رونے لگی۔ انھیں روتے دیکھ کر کچھ راہ گیر رک گئے اور اس سے سبب دریافت کیا۔ بڑھیا نے کہا۔ کیا بتاؤں۔ شرم کی بات ہے یہ میرا خاوند ہے۔ ہم اسے گھر چلنے کو کہتے ہیں یہ مانتا ہی نہیں۔ اندھا چلایا — "میری کوئی بیوی نہیں۔ بیٹی نہیں"۔ بڑھیا دھاڑیں مارنے لگی۔ "دیکھا آپ نے — اسی لیے تو اپنے نصیبوں کو رو رہی ہوں"۔ دو چار آدمیوں نے اندھے کو اٹھایا اور اسے بڑھیا کے ساتھ جانے کو کہا۔ کچھ دن تو یہ لوگ ٹھیک سے رہے۔ ایک دن بڑھیا نے اندھے سے کہا "کیا یہ شرم کی بات نہیں کہ گھر میں دو جوان بیٹیاں بن بیاہے بیٹھی ہیں"۔ اندھے نے کہا۔ "میں پیسے ویسے کچھ نہیں دوں گا"۔ بڑھیا نے کہا۔ "تم پیسوں کی فکر مت کرو۔ گھر میں مرد کا ہونا ضروری ہے۔ تم میرے ساتھ چلو کپڑے بدل لو ہم ان کے کچھ کپڑے خرید لیں گے"۔ اسی اثنا میں بڑھیا نے اس کی پوٹلی اڑا لی اور اسے ساتھ لے کر ایک دکان سے کپڑا خریدا۔ اندھے سے کہا "تم یہیں ٹھہرو میں یہ کپڑا بیٹیوں کو دکھاتی ہوں تاکہ کل ناپسند نہ کریں"۔ تجویز معقول تھی۔ بڑھیا کب واپس آتی۔ دکاندار اور اندھا آپس میں پہلے تو لڑے پھر ہاتھ ملتے رہ گئے۔ بڑھیا نے دونوں بیٹیوں کی شادی کر ڈالی۔ کچھ مدت تک گزارہ کرتی رہی جب پونجی ختم ہو گئی تو پھر تاک جھانک شروع کی۔ اسے پتہ چلا کہ حال ہی میں ایک مالدار لڑکی کی ماں مری ہے۔ پھر کیا تھا روتے دھوتے اس کے پاس پہنچی۔ لڑکی نے اسے چپ کرایا تو بڑھیا نے کہا کہ "میں تمہاری خالہ ہوں۔ جب میری بہنا تھی تو تب یہاں ایک بار آئی تھی۔ اب میں نصیبوں جلی آئی ہوں تو وہ نہیں ہے۔ خیر اب تم فکر مت کرو میں آ گئی ہوں"۔ بڑھیا اس لڑکی کے گہنے ٹھکانے لگانے کی فکر میں لگ گئی۔ شہر کے ایک صراف کے پاس گئی اور اسے اپنے جال میں پھنسایا۔ گھر آئی تو لڑکی سے کہا کہ "شہر میں میرا رشتے کا ایک لڑکا ہے۔ میں تمہاری شادی اس کے ساتھ کروں گی۔ چلو گہنے پہن لو اور میرے ساتھ چلو"۔ وہ بچاری بھی اس کے جال میں آ گئی۔ وہاں پہنچ کر اس سے کہا گہنے مجھے دے دو کہیں کوئی آفت نہ آ جائے"۔ صراف کو اوپر بھیجا اور خود اس کی دکان کی صفائی شروع کر دی۔

اسی اثنا میں ایک دھوبی کو دکان کی طرف آتے دیکھا تو اسے پیسے دیئے اور کہا کہ صراف اوپر ہے۔ مہمان آئے ہیں۔ گوشت لا دو۔ دھوبی کپڑوں کی گٹھڑی دکان پر رکھ کر بازار چلا گیا۔ ابھی پرچی تول رہی تھی کہ ایک سوار کو دکان کی طرف آتے دیکھا۔ بس رونا شروع کر دیا۔ اس نے سبب پوچھا تو کہا کہ ہم دھوبی ہیں۔ گھاٹ پر کپڑے دھو رہے تھے۔ میرے خاوند کو چکر آ گیا۔ وہ وہیں بے ہوش پڑا ہے۔ میری مدد کرو۔ اسے لے آؤ۔ یہ لو کچھ پیسے تمہارا وقت تو ضائع ہوگا ہی۔ وہ گھاٹ کی طرف گیا اور بڑھیا نے زیورات اور کپڑے ٹٹو پر لادے اور کھسک گئی۔ جب یہ لوگ آئے تو ایک دوسرے کو اپنا دکھڑا سنایا اور ہاتھ مل کر رہ گئے۔ انھوں نے بڑھیا کو پکڑنے کی ٹھان لی۔

ایک دن دھوبی نے اسے پکڑ لیا تو اس نے اس کی منت سماجت کی اور کہا میرا تو صراف اور ٹٹو والے سے معاملہ تھا۔ تمہارے کپڑے تو ویسے ہی بندھے ہوئے پڑے ہیں۔ میرے ساتھ آؤ اور لے جاؤ۔ میں اپنی حرکت پر شرمندہ ہوں۔ دھوبی راضی ہو گیا تو وہ اسے گھما پھرا کر ایک مکان کے دروازے پر لائی۔ بولی "تم ٹھہرو میں ابھی کپڑا لاتی ہوں"۔ اندر گئی تو دیکھا ایک نائی بیٹھا ہے۔ جاتے ہی اس کے پاؤں پڑی اور بولی "میرے بیٹے کو بچاؤ۔ میرا ایک ہی بیٹا ہے اس کے دانت میں سخت درد ہے لیکن نکلوانے پر کسی بھی صورت میں راضی نہیں۔ اب جیسے تیسے دروازے تک لے آئی ہوں۔ نائی نے اپنے آدمیوں کو لے کر باہر گیا اور دھوبی کو پکڑ لیا اور اس کا ایک دانت نکال لیا۔ وہ چلاتا رہا۔ اس کی کسی نے نہیں سنی اور بڑھیا پچھواڑے سے رفوچکر ہو گئی۔ پھر ایک دن اسے ٹٹو کے مالک نے پکڑا۔ اسے بھی بہلا پھسلا کر ایک مکان تک لے آئی اور خود اندر آ گئی۔ یہ ایک کارخانہ دار کا مکان تھا۔ اندر جاتے ہی رونے لگی اور کہا کہ ایک غنڈہ مجھ بڑھیا کا پیچھا کرتے کرتے یہاں تک آ پہنچا ہے۔ مجھے بچا لو"۔ سبھی دوڑے اور ٹٹو کے مالک کو دبوچ لیا اور بڑھیا نہایت صفائی سے بچ نکلی۔

بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔ آخر ایک دن تینوں نے ہی اسے پکڑ لیا اور بادشاہ کے دربار میں فریاد کرنے چلے گئے۔ اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے کہ بڑھیا نے انتہائی نرمی اور عیاری سے کام لیتے ہوئے ان سے کہا کہ میں نے تم سب سے بہت ہی زیادتی کی ہے۔ مجھے اپنی کرنی کا پھل ملے گا ہی۔ لیکن میری ایک تمنا ہے کہ مرنے سے پہلے میں ملکہ کا دیدار کرنا چاہتی ہوں۔ تینوں نے پہلے تو اس کی استدعا ٹھکرا دی، پھر سوچا حرج ہی کیا ہے۔ بڑھیا اندر چلی گئی اسے ملکہ کے نیاز حاصل ہوئے تو اس نے آنے کا سبب پوچھا۔ بڑھیا نے کہا کہ میں چھ حج کر چکی ہوں اور ساتویں کے بارے میں عزم کیا ہوا ہے لیکن میرے خاوند کے تین غلام ہیں وہ کہیں بھی جانے نہیں دیتے۔ جو کچھ تھا راہ خدا میں لٹا دیا۔ اگر آپ ان تینوں کو اپنی غلامی میں رکھ لیں تو میں حج کے لیے جا سکتی ہوں۔ ملکہ کو یہ بڑھیا بہت صالح دکھائی دی۔ اس نے ہاں کر لی۔

بڑھیا ایک کنیز کو ساتھ لیے باہر نکل آئی اور ان تینوں کو بلایا گیا۔ انھوں نے اپنا دکھڑا سنانا چاہا پر ان کی کسی نے سنی نہیں۔

اب آپ ہی بتائیے کہ جعلسازی، ہشیاری اور چالاکی میں اس کردار کا کوئی مقابلہ ہے؟ کیا اس قسم کے کردار ہمارے معاشرے میں موجود ہیں؟

(سری نگر سے نشر)

سمندری پودے اوران کا استعمال

سید فرید احمد رضوی

کسی بھی ملک کی ترقی اور طاقت کا دارومدار بہت حد تک سمندری برتری پر منحصر کرتا ہے۔ آمدورفت، تجارت، غذا، معدنیات اور ایندھن کی ضروریات کو پوا کرنے کے لئے کشتیِ حیاتِ انسانی مدت سے سمندر کی لہروں کے درمیان گردش کر رہی ہے۔ موجودہ دور میں بڑھتی ہوئی آبادی خام اشیا کی قلت کی وجہ سے آج کا انسان اپنی قسمت کی کنجی کو سمندر کی تہہ میں تلاش کر رہا ہے۔

سمندر ہی ایک ایسا ہمدرد قدرتی خزانہ ہے جس کی اتھاہ گہرائیوں میں پوشیدہ وسائل کو نکالنے کی کوشش دنیا بھر میں زوروں پر کی جارہی ہے۔ ان بیش قیمت وسائل میں سمندری پودوں کا ایک اہم مقام ہے۔ یہ پودے فوٹوسنتھس کے عمل سے شمسی توانائی کو کیمیائی توانائی میں تبدیل کرتے رہتے ہیں اور اس طرح ایکو سسٹم یعنی سمندری ماحولیاتی نظام کو برقرار رکھنے میں کلیدی رول ادا کرتے ہیں۔

سمندری پودوں میں ایک خاص قسم کے پودے "الگی" کی اکثریت ہوتی ہے، جن کی جسمانی بناوٹ خوردبین سلوں سے لے کر زمینی پیڑ پودوں سے بھی بڑی ہوتی ہے ایک سل سے بنی الگی کو فائیٹو پلینکٹونس اور لاتعداد سلوں کی وجہ سے وجود میں آئی سمندری الگی کو سی ویڈ یعنی سمندری گھاسیں یا کیلپس کہتے ہیں۔ اپنے رنگوں کے مطابق الگی چار طرح کی ہوتی ہیں۔ یہ ہیں سبز، سبز نیلی، بھوری اور سرخ الگی۔ صنعتی و اقتصادی نقطہ نظر سے بعد کی دو قسموں کو اگلی دو اقسام پر فوقیت حاصل ہے کیونکہ ان میں پائے جانے والے کیمیائی اجزا بیحد اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ مثلاً پالی سیلرائیڈ اور پودوں کے مقابل ان میں کثیر مقدار میں پایا جاتا ہے۔

ہندوستان کے ۳۸۵۰ میل لمبے ساحل پر کئی مقامات ایسے ہیں جہاں سمندری گھاسیں بکثرت ملتی ہیں۔ مغربی کنارے پر کچھ، اوکھا، دواریکا، بمبئی اور کنیا کماری جہاں سبز الگی میں الوا، ایسی ٹی بویریا اور برایوپسیس بھوری الگی میں ڈکٹیوٹا اور سرخ الگی میں پورفائیرا، پالی سائیونیا و سائیزیا جیسی قسمیں پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح مشرقی کنارے پر رامیشورم، پمبن جزائر، مہابلی پورم مدراس وکنارے کے جزائر جہاں سبز الگی میں الوا کلیڈوفورا اور برایوپسنس وغیرہ بھوری الگی میں ایکٹو کارپس، پوڈنا و ڈکٹیوٹا وغیرہ اور سرخ الگی میں پورفائیرا پالی سائیفونیا اور سائیزیا جیسی قسمیں پائی جاتی ہیں ہندوستانی ساحل سے اب تک الگی کی تقریباً ۴۱۳ قسمیں دریافت کی جاچکی ہیں۔

یہ جانکاری شاید کم ہی لوگوں کو ہو کہ زندگی کا کوئی بھی دن ایسا نہیں گذرتا جب کہ کسی نہ کسی صورت میں ہم لوگ سمندری الگی کا استعمال نہ کرتے ہوں کیونکہ دانت کا منجن، آئس کریم، جیلی، جام، جوتے کی پالش، پالشوں کے اور فن اور طرح طرح کے ادویات جیسی روز مرّہ کی اشیا میں سمندری الگی سے حاصل شدہ کیمیات کا بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ ان میں اگار، الجن، البجنک ایسڈ کراجینن آیوڈین اور ڈایوٹومائٹ قابلِ ذکر ہیں۔ آج سمندری الگی کی سالانہ پیداوار ۷،۱ لاکھ میٹرک ٹن سے بھی زیادہ ہے۔ اور ان سے حاصل کی جانے والی اشیا کی اوسط آمدنی تقریباً ۴۰۰ کروڑ روپیہ سالانہ ہے۔ سمندری الگی ہندوستان سے کافی مقدار میں بیرونی ممالک کو فراہم کی جاتی ہے۔

خوراک کے مخصوص اجزا کاربوہائیڈریٹ پروٹین وٹامن اے سی ڈی اور ای کے علاوہ دوسرے بہت سے ضروری اور اہم کیمیات کی موجودگی کی بنا پر الگی کی زیادہ اقسام بطورِ غذا استعمال ہوتی ہیں۔ جاپان، چین، کوریا و دوسرے ساحلی ممالک دنیا کی ۵ فیصد الگی کو غذا کی شکل میں استعمال کرتے ہیں۔ وٹامن اے اور ڈی سے بھرپور شارک مچھلی کے جگر کا تیل ڈِٹمس ہی کے کھانے سے وجود میں آتا ہے۔ ہندوستانی ساحلوں پر بکثرت پائی جانے والی الوا نام کی سبز الگی ۲۶ فیصد پروٹین کی حامل ہوتی ہیں۔ غذا کی بڑھتی ہوئی قلت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بہت سے ممالک ان کے استعمال پر زور دے رہے ہیں جاپان میں وہاں کی مرغوب غذا "کامبو" لیمی نیریا اور کچھ دوسری سمندری گھاسوں سے تیار کی جاتی ہے۔ پورفایرا کے استعمال سے گلے پھولنے کی بیماری کے خاتمے کیساتھ ہی ساتھ لوگوں کے I.Q یعنی حاصل عقل میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

نیوٹریشنل انسٹی ٹیوٹ حیدرآباد میں انڈ مارف پودے سے بڑے پیمانے پر انسانی غذا تیار کی جارہی ہے۔ ایسا اندازہ لگایا گیا ہے کہ سمندری الگی سے تیار شدہ غذا زمینی پودوں سے بننے والی غذا سے آٹھ گنا طاقتور ہوتی ہے۔ سوراشٹر کو چھوڑ کر مغربی ساحل کے مقابل مشرقی ساحل الگی کی کاشت کے لئے زیادہ ہموار ہے۔ سمندری پودوں کو براہِ راست کھاد کی شکل میں استعمال کرنے کا سہرہ ساحلی علاقے کے لوگوں کے سر ہے۔ پوٹاشیم کچھ نائٹروجن، میگنز، بوران اور بیریم پائے جاتے ہیں مگر یہ پودوں میں فارسفورس کی قریب قریب عدم موجودگی ہوتی ہے۔ سمندری پودوں سے بننے والی کھادیں فرانس آئرلینڈ اور سری لنکا میں سبزیوں اور کافی کی کھیتی کے لئے جاپان میں دھان کی فصل کے لئے چین میں مونگ پھلی و آلو کے لئے اور بھارت میں سبز و بھوری الگی سے تیار شدہ "ٹربنیریا" نام کی کھاد کو ناریل کی بہترین نشوونما کے لئے بڑے پیمانے پر استعمال کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان پودوں سے مٹی کے کٹاؤ کو روکنے میں نیز زمین کو زرخیز بنانے میں کافی مدد ملتی ہے۔

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ سمندری پودوں سے اگار، الجن، البجنک ایسڈ، کراجینن، آیوڈین و ڈایوٹومائٹس جیسی اہم کیمیات بطور صنعت تیار کی جاتی ہیں۔ اگار کی اپنی منفرد اہمیت ہے۔ یہ گرم پانی میں گھل کر جیلی بنتا ہے۔ اگار کا استعمال کپڑے کی صنعت، فلم کی عکاسی، بوٹ پالش، شامپو اور حسن و آرائش کی اشیا میں ہوتا ہے۔ اگار سے لیبارٹریز میں جراثیم کے لئے کلچر میڈیم تیار کیا جاتا ہے۔ اس طرح سائنسی تحقیقات میں یہ کافی مددگار ہے۔

لیمی نیریا، ایسکوفلم، میکروسیسٹس، سرگاسم اور پینڈنا جیسے پودوں کو کھارے سوڈے کے ساتھ ابال

ینک ایسڈ تیار کرتے ہیں جو کہ پانی میں نہیں گھلت.
ایسڈ کا استعمال مصنوعی ریشوں، پلاسٹک صنعت،
ے کی صنعت کاغذ و ربر کی صنعت اور حسن و آرائش
شیا کی تیاری میں ہوتا ہے۔

کیراجینین یا پالی سیکرائیڈ خصوصاً سُرخ الگی سے
ں کیا جاتا ہے. جس کا استعمال کھانے پینے کی اشیار
ات، دانت کے پیسٹ، آرائش اشیا، پینٹس، خون
ے والی کیمیات اور کپڑے کی صنعت میں ہوتا ہے۔

حالانکہ سمندری پانی میں آیوڈین بہت کم مقدار
تی ہے پھر بھی کیلپس (KELPS) میں اس کی وافر
معلوم کی گئی ہے۔ جاپان اور یورپ کے کئی ممالک
یوڈین حاصل کرنے کی صنعتوں کا دار و مدار انہیں کیلپس
(KEL) پر منحصر کرتا ہے۔ سمندروں کی تلچھٹ میں
ٹس کے رفتہ رفتہ جمع ہوتے رہنے سے ڈایوٹومائٹ
چٹانیں بن گئی ہیں۔ ڈایوٹومائٹ سفید، ملائم آگ سے
ثر اور جاذب شے ہوتی ہے۔ اس کا استعمال چینی کی
، ریفری جیٹر، ٹھنڈے و گرم پانی کے پائپوں، کپڑے
صنعت، دھات پالش و دانت کے منجن بنانے میں
ہے۔ سمندری الگی سے ادویات حاصل کرنے کی
شش اب دنیا کے طول و عرض میں ہو رہی ہے۔ پیٹ
عمولی بیماریوں سے لے کر سفلس جیسے امراض کے
ج کے لئے سمندری الگی کی کئی اقسام کا استعمال ہوتا
ہے۔ جاپان میں گلے پھولنے کی بیماری مشکل ہی سے
نے کو ملتی ہے کیونکہ وہاں ہر کوئی اوسطاً روزانہ دس گرام
ندری الگی بطور غذا استعمال کرتا ہے۔

نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اوشنوگرافی گوا اور سی ڈی
آئی لکھنو میں کی گئی تحقیقات سے یہ بات واضح ہو گئی
ہے کہ سمندری الگی کی زیادہ اقسام ادویاتی اثر رکھتی ہے
ٹن، فرانس اور امریکہ میں کیلپس سے جانوروں کا
رہ تیار کیا جاتا ہے۔ ان کے مناسب استعمال سے
رغیوں میں انڈے اور گایوں میں دودھ دینے کی قوت
ڑھ جاتی ہے۔

زمانہ قدیم میں جو سمندری پودے مٹی میں دب
گئے تھے وہ اپنے تمام کیمیائی اجزا میں تبدیل ہو جانے
کی وجہ سے تیل اور گیس کے خزانے بن گئے ہیں۔ سنٹرل
میکل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بھاؤنگر نے ساوگاسم سے
و گیس تیار کرنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ اس کے
علاوہ پتہ چلا ہے کہ دو مکعب لیٹر میتھین گیس فی کیلوگرام
سی ویڈ سے حاصل کی سکتی ہے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ قدرت کے اس
یش قیمت خزانے کو زیادہ سے زیادہ اور اچھے سے اچھے
طریقے سے استعمال کر کے غذا و ایندھن کی تیز رفتار قلت
کو پورا کیا جا سکے۔

(آکاشوانی گورکھپور سے نشر)

جنگلات کا تحفظ

مہر بانو عارف

ہندوستان کے لئے جنگلات ایک اہم قدرتی تحفہ ہیں۔ یہ ہمارے ملک کو لکڑی اور ایندھن کے علاوہ اور بھی کئی چیزیں مہیا کرتے ہیں اور زمین کی زرخیز مٹی کو روکنے میں بھی ان کا بہت کچھ ہاتھ ہوتا ہے۔

ہندوستان کے بیشتر انڈسٹریوں کے لئے خام مال بھی جنگلات کے ذریعے ہی فراہم کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر فرنیچر انڈسٹری، ماچس بنانے والا انڈسٹری، کاغذات کی انڈسٹری، تعمیرات کی انڈسٹری اور چمڑے کی انڈسٹری وغیرہ۔ یہ سب اپنی بقا کے لئے جنگلات کی ہی محتاج ہیں۔ جنگلات نہ رہیں تو کون انہیں خام مال فراہم کرے۔

ترقی کے دور میں جہاں دوسری چیزیں بڑھتی جا رہی ہیں وہیں جنگلات بھی آگے بڑھتے جا رہے ہیں۔ ۱۹۵۰-۵۱ء میں اہم جنگلاتی اشیار کی تعداد ایک سو ساٹھ لاکھ تھی جو ۱۹۷۳-۷۴ء میں بڑھ کر ۲۴۰ لاکھ ہو گئی۔

اس وقفے کے دوران جنگلاتی اشیا کی قیمت میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہو رہا ہے اور یہ ۲۶ کروڑ روپیوں سے بڑھ کر ۲۱۲ کروڑ روپیوں تک پہونچ گئی۔ ہمارے ملک کا وہ علاقہ جو جنگلات پر مشتمل ہے وہ ۱۹۷۳-۷۴ء کی پیمائش کے حساب سے ۶۶۰ لاکھ ہیکٹر ہوتا ہے جو کہ ہمارے ملک کی زمین کا ۲۲ فی صد حصہ ہے۔

جنگلات ایک ایسا قدرتی تحفہ ہیں جو ایک بار پوری طرح استعمال میں آجانے کے بعد پھر سے زندہ ہوتا ہے۔ مگر اس دوسری زندگی کو پانے میں انہیں ۲۵ سے ۳۰ سال تک لگ جاتے ہیں اس لئے جنگلاتی علاقے کو ترقی دینے کے لئے ایک لمبی مدت کی جنگلاتی پالیسی کی ضرورت ہے اس کے علاوہ اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہئے کہ جنگلاتی تقسیم ہر ریاست کے لئے یکساں نہیں ہے۔ آسام، مدھیہ پردیش اور اڑیسہ میں جنگلات بہت زیادہ ہیں اور باقی تمام ریاستوں میں بہت ہی کم۔ خاص طور پر شمالی ہند جنگلات کے معاملے میں بہت ہی بدقسمت ہے۔ نتیجتاً ہمیں یہی کہنا ہے کہ جہاں تمام ملک میں جنگلاتی علاقے بڑھانے کی کوشش کرنی چاہیئے وہاں ان ریاستوں میں جنگلات پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے جہاں ان کا فقدان ہے۔

تمام جنگلاتی اشیار میں سب سے نمایاں درجہ لکڑی کا ہے لکڑی بہت ساری صنعتوں کے لئے خام مال کے طور پر کام آتی ہے۔ جیسے کاغذ، نیوز پرنٹ، ریان فرنیچر اور ماچس وغیرہ کی صنعتیں۔ لیکن ہندوستان ایک ترقی پذیر ملک ہونے کی وجہ سے یہاں لکڑی کا استعمال نسبتاً بہت کم ہوتا ہے۔ ہندوستان میں لکڑی کا فی سال استعمال ۴ر۰ مکعب فٹ ہے۔ جبکہ فرانس میں ۱۶۰ مکعب فٹ اور جاپان ۴ر۱۳ مکعب فٹ لکڑی فی سال استعمال ہوتی ہے۔ ان تمام ہندوستانی صنعتوں کو جو لکڑی بطور خام مال استعمال کرتی ہیں فی الحال ۹۵ لاکھ ٹن کی ضرورت ہے۔ جبکہ ہماری مجموعی لکڑی کی پیداوار صرف ۵۵ر لاکھ ٹن ہے جو ہماری ضرورت کا تقریباً بالنصف ہے۔ یہ اعداد ہمیں بتاتے ہیں کہ ہمیں جنگلاتی پیداوار میں خود کفیل ہونے کے لئے کتنی سخت محنت کرنی ہوگی۔ اس کے لئے ایک باقاعدہ منصوبہ بند پروگرام کی ضرورت ہے جو لکڑی کی ضرورت بڑھا سکے۔

لکڑی بطور ایندھن بھی کام آتی ہے۔ اگر لوگوں کو اپنی مانگ کے مطابق لکڑی نہ ملے تو پھر وہ حیوانی فضلہ جلاتے ہیں جو کہ ایک بہت ہی قیمتی کھاد ہے جس کے نتیجے میں یہ حیوانی فضلہ جو پہلے ہی ضرورت سے کم دستیاب ہوتا ہے اور کم ہو جاتا ہے۔ اس ضمن میں ایک قابلِ ذکر مگر ناگوار بات یہ ہے کہ ۱۹۸۰ء میں ایندھن کی لکڑی

ایک ہزار لاکھ ٹن کم پڑگئی تھی اور پھر حیوانی فضلہ استعمال کرنا پڑا تھا۔ جنگلات سے کئی قیمتی جڑی بوٹیاں اور جھاڑیاں بھی حاصل ہوتی ہیں جو دواؤں کے کام آتی ہیں۔

سیاسی و معاشی ماہرین نے آزادی کے شروع سالوں میں ہی اندازہ لگالیا تھا کہ جنگلات کو فروغ دینا کتنا ضروری اور اہم ہے۔ اور اسی لئے جلد ہی سن ۱۹۵۲ء میں ایک جنگلاتی اسکیم وجود میں لائی گئی۔
آئیے اب یہ دیکھیں کہ اس پالیسی کے تحت کون کون سی باتوں پر عمل کرنے کا ارادہ کیا گیا۔

سب سے پہلے تو یہ فیصلہ کیا گیا کہ کل جنگلاتی زمین جو کہ ۲۲ر فیصد تھی اس کو ۳۳ر فیصد تک بڑھادیا جائے یعنی ۱۱ر فیصد کا مزید اضافہ کیا جائے۔ اس اضافے کا ۶/۷ حصہ پہاڑوں سے حاصل کیا جائے اور باقی کا ۲۰ر فیصد ہموار زمین سے۔

یہ تو تھا کاغذ پر بنا ہوا لفظی خاکہ جسمیں بڑی بڑی باتیں بیان کی جاسکتی ہیں۔ اس لئے اس سے قطع نظر یہ دیکھنا چاہئے کہ عملی طور پر حکومت نے جنگلات کے سلسلے میں کیا کیا ٹھوس اقدام اٹھائے ہیں۔
یہ تو آپ جان ہی گئے ہیں کہ لکڑی کی پیداوار اسکی مانگ کی بہ نسبت نصف ہے۔ اور دن بدن یہ مانگ بڑھتی جارہی ہے۔ اس بڑھتی ہوئی ضرورت کے پیش نظر ایسے پیڑوں کے جنگلات لگائے گئے جو بہت جلد بڑھ جاتے ہیں اور جن کے بڑھانے میں نسبتاً کم خرچ ہوتا ہے اور باز آباد کاری اسکیم کے تحت پسماندہ جنگلات کو از سر نو بحال کیا گیا تاکہ ان سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔
مگر یہ صاف طور پر محسوس کیا گیا کہ ہماری کوششوں کا پھل اتنا کامیاب نہیں ہوتا جتنا کہ دوسرے ترقی یافتہ ممالک کا ہوتا ہے۔ اب یہی دیکھئے کہ دنیا کے جنگلات کا فی ایکڑ پیداوار ۱۰ا مکعب میٹر ہے اور ہماری صرف ۲۸ مکعب میٹر اور دنیا کا فی سال اوسط اضافے کے مقابلے میں ہمارا فی سال اوسط اضافہ صرف ۵ء۱ مکعب میٹر فی ہیکٹر ہے۔ ایک حالیہ جائزے کے مطابق یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ہندوستان کا فی سال اوسط اضافہ ۵ مکعب میٹر فی ہیکٹر تک بڑھایا جاسکتا ہے اگر سائنٹفک طریقے سے اس کی کاشت کی جائے اور صحیح جگہوں پر کی جائے۔

ہمارے جنگلات اگانے کے طریقے ابھی تک کافی دقیانوسی ہیں۔ ان میں تبدیلی لانی ہوگی جدید آلات اور اوزار استعمال کرنے ہوں گے۔ خاص طور پر پہاڑی علاقوں پر یہ طریقے بہت ہی فائدہ مند ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ جنگلات جو پہاڑی زمین پر ہوتے ہیں وہ عام انسانوں کی پہونچ سے دور ہوتے ہیں اور کوئی انہیں چھیڑ نہیں پاتا ہے۔ اور یہاں ہمیں کرین وغیرہ کا بھی بہتر انتظام کرنا ہوگا اور ذرائع نقل و حمل بھی بہتر بنانے ہوں گے۔
ایک اور حالیہ تفتیش کے تحت ہمارے ملک کی کل قوت کا ۲۵ر فیصد حصہ جلانے والی لکڑی سے حاصل کیا جاتا ہے جو ۱۵۵لا کھ ٹن ہوجاتی ہے جس سے صرف ۱۰۰لا کھ ٹن حکومت کے جنگلات سے خریدی جاتی ہے اور باقی کی دیہاتوں کے آس پاس کے جنگلات کو صاف کرکے۔
اگر جنگلوں کو دیہاتوں میں بدلنے کا یہی رجحان رہا تو وہ دن دور نہیں جب ہمیں ایندھن کی لکڑی کے قحط کا سامنا کرنا پڑے گا۔

۱۹۷۶ء میں احمد آباد میں سوشل فارسٹری پر جو نیشنل ورک شاپ کم سیمنار منعقد کیا گیا تھا اسمیں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ۱۹۴۷ء کے بعد سے جنگلاتی علاقے کا ۳۴ر لاکھ ہیکٹر حصہ غائب ہوگیا ہے اور مسلسل غائب ہوتا جارہا ہے۔ یہ ایک تلخ حقیقت تھی اور اس نقصان کی تلافی کے لیے ۱۹۷۳ء میں نیشنل ڈولپمنٹ کونسل نے جنگلات صاف کرنے کا کام بالکل بند کروادیا اور بہت سی ضائع شدہ زمینوں اور موزوں و مناسب ٹکڑوں پر جنگلات اگانے کا کام شروع کردیا۔ اس کام کو اور زیادہ مستعدی سے سرانجام دینے کے لئے حکومت نے ایک فارسٹ ڈولپمنٹ کارپوریشن بھی قائم کردیا ہے۔
پنج سالہ منصوبوں میں بھی جنگلات پر ہونے والے خرچ کا حصہ رکھا جاتا ہے گو کہ بہت ہی کم ہے ابھی تک کے منصوبوں میں کل خرچ کا صرف ۵ء۰ یا ۶ء۰ فیصد حصہ جنگلات کی دیکھ بھال کے لئے ۱۰ کروڑ روپے مقرر کئے گئے۔ دوسرے پنج سالہ منصوبے میں ۱۹ کروڑ اور تیسرے میں ۴۶ کروڑ روپے مقرر کئے گئے۔ اس کے بعد کے یک سالہ منصوبوں میں جو ۱۹۶۶ء سے ۱۹۶۹ء تک تھے ۴۴ کروڑ روپے اور چوتھے پنج سالہ منصوبے میں ۹۲۶۵ کروڑ روپے مخصوص کردئے گئے۔
ان اعداد و شمار سے سطحی طور پر یہی اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت جنگلات پر ہونے والا خرچ ہر منصوبے میں بڑھاتی جارہی ہے۔ مگر ذرا گہری نظر کا مشاہدہ یہ بات واضح کردیتا ہے کہ کسی بھی منصوبے میں جنگلات کے خرچ کا حصہ ۶ء۰ سے زیادہ نہیں ہے۔
پہلے پنج سالہ منصوبے میں ۵ء۰ فیصد تھا اور یہ جو اضافہ ہمیں پہلے اعداد و شمار میں دکھائی دیا تھا وہ اسلئے تھا کہ حکومت کے مجموعی اخراجات ہی بہت بڑھتے جارہے ہیں۔ مگر جنگلات کا نسبتی حصہ ہر پلان میں تقریباً اتنا ہی ہے اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔
معاشی ماہرین اس خوش فہمی کو محسوس کرچکے ہیں اور ان کا بھی یہی خیال ہے کہ یہ خرچ یا حصہ جنگلات کی مکمل نشو و نما کے لئے ناکافی ہے۔
ان اعداد و شمار سے ایک بات اور واضح ہوجاتی ہے کہ ملک کی سالانہ پیداوار میں جنگلات کا حصہ صرف ۲ر فیصد کیوں ہے۔
اس میں کوئی شک نہیں کہ جنگلات اور کھیتی باڑی کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے۔ اگر جنگلات نہ ہوں تو زرعی خطہ اپنی زرخیزی اور سرسبزی برقرار نہ رکھ سکے اس لئے ضروری ہوجاتا ہے کہ جنگلاتی علاقہ مصنوعی ذرائع سے بڑھایا جائے۔ حکومت نے اس کے لئے کوششیں کی ہیں اور یہ کوششیں ایک حد تک بارآور ثابت ہوئی ہیں۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ۶۹-۱۹۶۸ء میں مجموعی جنگلاتی علاقہ ۹۶۶ لاکھ ہیکٹر تھا جو ۷۴-۱۹۷۳ء میں بڑھ کر ۱۰۲۸ لاکھ ہیکٹر ہوگیا جو کہ ۶۴ء۵ فیصد اضافہ یہ ایک خوش آئند حقیقت ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہمیں یہ کہنا ہی پڑتا ہے کہ یہ بھی ہماری ضروریات کے لئے ناکافی ہے۔ نہ صرف یہ کہ بہت ہی کم ہے بلکہ اگر بین الاقوامی اعداد و شمار کی روشنی میں دیکھا جائے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہمارا فی کس جنگلاتی حصہ جو کہ ۱۵ء۰ ہیکٹر ہے بہت ہی کم ہے اور اب بھی ہمیں سخت محنت کی ضرورت ہے کہ ہم خود کفیل ہوسکیں۔ ہماری یہ کوششیں رنگ لائیں اور ہم جلد ہی جنگلاتی علاقہ نہ صرف بڑھا سکیں بلکہ اسے کارآمد ترین بناسکیں۔

(بمبئی سے)

پیام سعیدی

دل و جگر کو بہاروں میں کرکے شق میں نے — جبین گل کو کیا ہے عرق عرق میں نے
لہو اچھال کے اپنا افق افق یارو — اسی کا نام رکھا سُرخیٔ شفق میں نے
ہوا اسی پہ سزائے صلیب کا حق دار — تمہارے شہر میں مانگا تھا اپنا حق میں نے
اجالے بانٹ کے ظلمت میں ڈوب جانا ہے — لیا ہے ڈوبتے سورج سے یہ سبق میں نے
نہ پھر کتاب جوانی کو دے سکا ترتیب — گو جمع تو کئے بکھرے ہوئے ورق میں نے
جو راس آئیں نہ آبادیوں کی تنگ حدیں — تلاش کرلیا صحرائے لق و دق میں نے

پیامؔ عشق میں مانا کہ بار بار لٹا
گیا نہیں کبھی محسوس کچھ قلق میں نے

(بمبئی سے)

یڈم کیوری کی خدمات

منہاج الدین قاضی

سائنس اور سائنس کی تاریخ سے ذراسی بھی شُدبُد رکھنے والاشاید ہی کوئی ں ہوگا جو میڈم کیوری اور پیری کیوری کے نام اور ت سے آشنا نہ ہو۔ میڈم کیوری کا نام سائنسی وات کی دنیا میں ہمالہ کی طرح بلند ہے۔

میری اسکولوڈوسکا پولینڈ کی راجدھانی وارسا میں مبر۱۸۶۷ء کو پیدا ہوئی۔ میری کو سائنس کا شعور گویا ہی میں ملا۔ اس کے والد خود وارسا میں طبیعات کے فیسر تھے۔ بچپن ہی سے اس کا یہ عالم تھا کہ وہ ہر تجربہ پنے والد کی معاون و مددگار بنتی۔ نتیجتاً اس کی قابلیت سال کی عمر میں یہاں تک بڑھی کہ اسے ایک سائنسی مون لکھنے پر سونے کا تمغہ ملا۔ اپنے ذوق وشوق کی ں کی خاطر اس نے امیر گھرانوں کے بچوں کی نگہداشت کام سے بھی عار نہ کیا تاکہ اس آمدنی سے وہ اس قابل سکے کہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے پیرس جاسکے۔ پھر اس نے پیرس کی سور لورن یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔

پیری اس یونیورسٹی میں پروفیسر تھے اور سائنسی شافات کی وجہ سے ان کو بہت شہرت حاصل تھی۔ پیری میری کو سائنس سے جو دلچسپی تھی اس کے نتیجے میں دونوں دوسرے کے قریب آگئے اور ۱۸۹۵ء میں انہوں نے دی کرلی لیکن ان کی شادی شدہ زندگی کا آغاز مفلسی سے ۔ ان کے یہاں دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ بڑی آئرین ری آگے چل کر عظیم سائنسداں بنی۔ دوسری الو کیوری اپنے والدین کی سوانح حیات اچھے انداز میں لکھی۔

میڈم کیوری اور پیری کیوری کو مشترکہ طور پر بعیات کے نوبل پرائز سے ۱۹۰۳ء میں نوازا گیا۔ بل پرائز ان کی ریڈیو ایکٹیویٹی یعنی تابکاری کی تحقیق ایجاد پر حاصل ہوا۔ ان دونوں میاں بیوی نے

انٹونی ہنری بیکورل کے ساتھ مل کر یورینیم کے مرکبات کی تابکاری پر تحقیق شروع کی۔ انہیں یہ انکشاف ہوا کہ یورینیم کی کچ دھات پچ بلینڈ یورنیم کی ریڈیائی شعاعوں سے ہزار گنا زیادہ شعاعیں منتشر کرتی ہے۔ اس سے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ پچ بلینڈ میں یورنیم کے علاوہ چند دوسرے تابکار عناصر بھی موجود ہیں۔ کیوری جوڑے نے اس میدان میں تحقیق کرنے کا عزم کرلیا اور اپنے آپ کو اس کے لئے وقف کر دیا۔ حالانکہ ان کے پاس نہ ضروری ساز وسامان تھا نہ دوسرے ذرائع۔ حتیٰ کہ ان کی ذاتی لیبارٹری ایک ٹین کے سائبان پر مشتمل تھی جس میں گرما میں اگر آگ برستی تھی تو موسم سرما میں درجۂ حرارت نقطۂ انجماد کو چھوتا تھا۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں انہوں نے ہمت نہ ہاری اور اپنی تحقیقات بڑی سرگرمی اور جانفشانی کے ساتھ جاری رکھی۔ چار سال تک انتھک کوششیں کرتے رہے۔ اور آخر کار وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو ہی گئے اور ایک نیا عنصر دریافت کر ہی لیا

جس کا نام انہوں نے پولونیم دیا۔ کیونکہ میڈم کیوری پولینڈ سے تعلق رکھتی تھیں۔ انہوں نے محسوس کیا کہ پلونیم کو پچ بلینڈ سے علیٰحدہ کرنے کے باوجود غیر مرئی شعاعیں بکھرتی رہتی ہیں چنانچہ انتھک تجربات کا سلسلہ پھر شروع ہوگیا۔ اور ۱۸۹۸ء میں ایک اور تابکار عنصر دریافت ہوا جسے تابکاری عناصر کے سلسلے کا شہنشاہ مانا جاتا ہے اور وہ ریڈیم کہلایا۔ انہوں نے ریڈیم کو پہلی بار ریڈیم کلورائیڈ کی شکل میں حاصل کیا۔

میڈم کیوری قابل تحسین وستائش ہیں کہ ۱۶ اپریل ۱۹۰۶ء کو شوہر کی ناگہانی موت کے باوجود جو ایک حادثہ کا نتیجہ تھی، انہوں نے اپنی تابکاری تحقیق کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہ وہ لگن تھی جس نے صرف گیارہ سالہ شادی شدہ زندگی کے بیوگی میں بدل جانے کے باوجود انہیں اپنی منزل کی طرف گامزن رکھا۔ اور آخرکار وہ ۱۹۱۰ء میں ریڈیم کو عنصری حالت میں حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئیں۔ انہیں ۱۹۱۱ء میں اس عظیم دریافت پر کیمیا کا نوبل پرائز عطا کیا گیا۔ یہ پہلی خاتون تھیں جنہیں دو نوبل پرائز ملے ہیں۔ انہیں آگسٹ برٹش سوسائٹی نے ڈیوی نوبل سے بھی نوازا۔ میڈم کیوری نے اپنی تحقیقات کے دوران جو تکالیف اٹھائی ہیں اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک ٹن پچ بلینڈ سے مختلف کیمیائی عمل کرنے پر جو ریڈیم حاصل ہوئی وہ صرف ایک گرام تھی۔ میری کیوری کی بڑی لڑکی آئرن کیوری اور ان کے شوہر فریڈرک [illegible] کو بھی کیمیائی تحقیق پر نوبل پرائز سے نوازا گیا۔ کئی قومیں اور کئی ملک ایسے ہیں جو اب تک صرف ایک ہی نوبل پرائز نہ حاصل کرسکے جبکہ ایک خاندان نے تین نوبل پرائز حاصل کئے ہیں۔ سائنس کی تاریخ میں ان کے نام سنہری الفاظ میں لکھے جانے کے مستحق ہیں۔

اپنی تحقیقات کے سلسلے میں میڈم کیوری مسلسل ریڈیائی شعاعوں کی زد میں آتی رہیں اور ان شعاعوں کے اثر سے نہ بچ سکیں اور بلڈ کینسر کے مرض میں مبتلا ہوگئیں۔

ڈاکٹر طلحہ رضوی برق

جبینِ شوق سے سجدوں کو نقشِ پا پر لکھ
یہ داستانِ محبت نہ یوں ہوا پر لکھ

غبار اڑتے ہیں انگڑائیوں کا حسن لیے
گلاب کھلتے ہیں کس شوخ کی ادا پر لکھ

اجالا مانگ کے روشن ہے دن ترے رخ سے
فدا ہے تیرہ شبی گیسوئے دوتا پر لکھ

بس اک نظر میں سراپا کا عکس اتار لیا
سزائے جرم مری چشم بے خطا پر لکھ

نہ جانے کب یہ عناصر کا قرض اترے گا
حیات شرم سے پانی ہے جا قضا پر لکھ

پکار اٹھے نہ کوئی سنگِ خارا چلتے چلو
کہ صاحبِ قلم آمیرے دست و پا پر لکھ

قریب ہے کہ ملے شہرِ بے صدا میں اماں
جو ہو سکے تو مرے حرف مدعا پر لکھ

نمود کیا ہے تجلی وجود واجب کی
جو لکھ تو زندگیٔ برقِ آشنا پر لکھ

(پٹنہ سے نشر)

آخر کار ۱۹۳۴ء میں اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئیں ان کے انتقال کے بعد ۱۹۳۵ء میں آئرن کیوری اور فریڈرک کیوری نے یہ دریافت کیا کہ مصنوعی تابکاری سے تابکار ہم جا یعنی ریڈیو ایکٹو آئسوٹوپ تیار کئے جا سکتے ہیں۔

تابکاری یا ریڈیو ایکٹی وٹی ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے تابکار عناصر مسلسل الفا بیٹا اور گاما شعاعیں خارج کرتے رہتے ہیں۔ الفا بیٹا شعاعیں صحیح معنوں میں شعاعیں نہیں ہیں بلکہ باردار ذرّات ہیں جنہیں انگریزی میں CHARGED PARTICLES کہتے ہیں۔ الفا ذرّات دہرے مثبت باردار ہوتے ہیں یعنی DOUBLY POSITIVELY CHARGED جبکہ بیٹا ذرّات پر ایک منفی بار یعنی UNIT NEGATIVE CHARGE ہوتا ہے۔

میڈم کیوری کی اس عظیم تحقیق کی بنیاد پر تحقیقات کے میدان میں نئے نئے تجربات کئے گئے۔ مثلاً زنجیری تعامل یعنی CHAIN REACTIONS جس کا استعمال جوہری توانائی حاصل کرنے میں کیا جا رہا ہے۔

ریڈیو ایکٹو آئی سوٹوپ یعنی تابکار ہم جا کا استعمال مختلف شعبوں میں کیا جا رہا ہے۔ ہم سب اس سے واقف ہیں کہ ریڈیائی شعاعوں سے کئی امراض کا علاج آج ممکن ہے مثلاً کینسر جیسے موذی مرض کو بھی ان شعاعوں کے استعمال سے قابو میں کیا جا رہا ہے۔ آج کل سارے بڑے اسپتالوں میں کوبالٹ یونٹ لگائے گئے ہیں۔ کوبالٹ کا آئسوٹوپ جسکا وزن جوہر ۶۰ ہے بہت ہی طاقتور شعاعیں بکھیرتا ہے جو کینسر سے متعلق ٹشو کو فنا کر دیتی ہے اسی طرح گلے کے کینسر کا علاج بھی تابکار آیوڈین جس کا وزن جوہر ۱۳۱ یا ۱۲۸ ہوتا ہے سے کیا جا رہا ہے۔

زراعت جیسے اہم شعبے میں بھی تابکار ہم جا استعمال کئے جا رہے ہیں۔

سائنسی ایجادات کے لئے بھی تابکار ہم جا کے استعمال سے کئی کیمیائی عمل کی ترکیب سمجھنے میں مدد ملی ہے۔ مثلاً وزنی ہائڈروجن اور کاربن، نائٹروجن اور آکسیجن کے ہم جا۔

جب کبھی قدیم زمانے کے انسانوں کے ڈھانچے یا ہڈیاں دریافت ہوتی ہیں تو ان میں موجود وزن جوہر ۱۴ کی کاربن کے جوہروں کی تعداد کو معلوم کر کے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ ہڈیاں کتنی پرانی ہیں۔

اس مسلسل تحقیق سے ہم آج اس مقام پر ہیں کہ جوہری توانائی کو انسانی فوائد و ارتقا کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کچھ قومیں اس کا استعمال انسانوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے بھی کرتی ہیں۔ یقیناً میڈم کیوری کی روح کو تکلیف ہوتی ہوگی جب ان کی ایجادات کو غلط کاموں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

(ناگپور سے نشر)

تاریخ ساز

عمل جراحی

محمود ہاشمی

پلاسٹک سرجری کے بارے میں آج کی ترقی یافتہ دنیا کے عوام ہر طرح آگاہ ہیں۔ جدید طرز کی سائنسی مشینوں اور آلات کے ذریعہ پلاسٹک سرجری کو بروئے کار لایا جاتا ہے، اور آج کل برِ صغیر کے صاحبِ حیثیت افراد پلاسٹک سرجری کے لیے امریکہ اور یورپ کے ممالک تک سفر کرتے ہیں۔

انسانی ذہن بہت مختصر یادوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اگر ہم کوشش کریں اور اب سے دو سو برس پیچھے کی جانب ہی مڑ کر دیکھیں تو ہمیں اپنے قدیم اور عظیم ہندوستان میں پلاسٹک سرجری کے بنیادی امکانات نظر آ سکتے ہیں۔ جس زمانے میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں اپنے قدم جمائے اس وقت بھی ہندوستان میں عمل جراحی نقطۂ عروج پر تھا۔ اور ہندوستانی کے ماہرین سے انگریز اپنے جسم کے بعض اعضا اور خصوصاً ناک کو درست کرانے کی جستجو کرتے تھے۔

ہندوستان میں عضویات اور طب کا علم اگرچہ ویدوں کے عہد سے ہی موجود رہا ہے۔ لیکن پہلی صدی عیسوی میں چرک نے اور پھر چوتھی صدی عیسوی میں ہندوستان کے عظیم طبیب سشرت نے عضویات اور طب کے موضوع پر گراں بہا خدمات انجام دیں۔ اور ایسا ترقی یافتہ طبی نظام قائم کیا جو یونان کے بقراط سے مشابہت رکھتا تھا اور بعض امور میں اس سے سبقت لے گیا تھا۔

بدھ مت کے عروج کے زمانے میں عضویات کے علم سے مزید دلچسپی بڑھی۔ کیونکہ مسیحی مبلغوں کی طرح بدھ راہب بھی زبوں حال عوام میں معالج کے فرائض انجام دیتے تھے۔

قدیم اور عہدِ وسطیٰ کے یورپ کی طرح ہندوستانی طب کی بنیاد بھی کیفیات یا اخلاط پر مبنی تھا۔ بہت سے اطبا نے بتایا کہ صحت کے برقرار رکھنے کے لیے جسم کی تین حیات آفریں رطوبتوں میں توازن ضروری ہے۔ ان میں سودا، صفرا اور بلغم کو شامل کیا گیا تھا۔

عضویات کا علم بھی ابتدا سے ہی ہندوستان میں موجود تھا اور جراحی کے عمل کے ذریعہ ہڈیوں کے جوڑنے کا فن مہارت کی منزلوں تک پہنچا ہوا تھا۔ قدیم ہندوستان کے جراح ناک، کان اور ہونٹوں کی ساخت کو خوبصورت بنانے میں کامل مہارت رکھتے تھے۔

اطبا کے لیے چرک نے باقاعدہ ضابطہ اخلاق مرتب کیا تھا۔ اس نے اپنے ضابطوں میں اطبا اور جراحوں کو ہدایت دیتے ہوئے لکھا ہے۔

"جب تم کسی مریض کے گھر جاؤ تو تم اپنے الفاظ، دماغ، احساسات اور ذہن کو کسی دوسری طرف نہیں بلکہ صرف اپنے مریض اور اس کے علاج کی جانب متوجہ کرو۔ جو کچھ بھی مریض کے گھر وقوع پذیر ہو اس کو باہر نہ کہو اور نہ ہی مریض کی حالت کسی ایسے شخص سے بیان کرو جو اس معلومات سے مریض کو یا کسی دوسرے شخص کو کوئی نقصان پہنچا سکے۔"

اشوک کو اس بات پر فخر تھا کہ اس نے انسانوں اور جانوروں کے لیے دوائیں فراہم کی تھیں۔ چینی سیاح فاہیان نے پانچویں صدی عیسوی کے اوائل میں ایسے شفاخانوں کا ذکر کیا ہے جن میں طب اور جراحی کے ماہرین موجود تھے اور غریب عوام کا مفت علاج کیا جاتا تھا۔

بیرونی ممالک سے آنے والے سیاحوں نے قدیم ہندوستان کے فنِ طب اور جراحی کی تعریف کی ہے۔ فاہیان نے لکھا ہے

"عمل جراحی اگرچہ چین میں موجود ہے لیکن ہندوستان کے جرّاح اپنے فن میں زیادہ مہارت رکھتے ہیں۔ اور بیشتر طبیب ایسے ہیں جو دواؤں کے ذریعہ علاج کی مہارت کے ساتھ ساتھ جرّاحی کے عمل سے بھی علاج کرنے میں مہارت رکھتے ہیں۔"

ایشیاٹک سوسائٹی کے مجلے میں بعض انگریز افسران کی یادداشتوں میں بھی ہندوستان کے جرّاحوں کی تہذیب موجود ہے ایک انگریز پادری رینائر نے لکھا ہے۔

"ہندوستان کے ماہر جرّاح نہ صرف اعضائی درستی اور ہڈیوں کے جوڑنے پر مہارت رکھتے ہیں بلکہ انہوں نے جلد پر انتہائی نازک اور پیچیدہ جرّاحی میں ایسا کمال کیا ہے جسے آرٹسٹک کہا جا سکتا ہے۔"

قدیم اور وسطیٰ زمانے کے ہندوستان کی میراث آزادی کے بعد نئی ترقیات کا حامل بنی ہے اور آج ہندوستان کے طب اور جرّاحی کے ادارے پورے ایشیا میں اپنی مہارت اور انفرادیت کے لیے مشہور ہیں۔ (اردو سروس سے)

ہمارے بزرگوں نے کئی طرح کی امانتیں ہمارے سپرد کی ہیں جو ہم اپنی قومی تاریخی امانتوں کی حفاظت کر کے اپنے ملک و قوم کی صحیح خدمت کر سکتے ہیں۔ ان امانتوں میں ایک کشی نگر ہے۔ یہ قصبہ گورکھپور سے ۵۳ کیلومیٹر کے فاصلے پر شرق و مغرب کے گوشہ میں گورکھپور کسیا روڈ پر کے جنوب میں آباد ہے۔ کسیا سے اس کا فاصلہ ۳ کیلومیٹر مغرب کی طرف ہے اکا دکا مکان سڑک شمالی حاشیہ پر بھی نظر آتے ہیں۔

یخ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ آج سے ڈھائی ار سال قبل گوتم بدھ حق کی تلاش میں مختلف مقامات ے راج گڈھ، گیا، سارناتھ [illegible] کاسا، [illegible] وغیرہ سیر کرتے ہوئے [illegible] پہنچے۔ جب یہ کشی نگر پہنچے تو کو معرفت حق کا پروانہ حاصل ہو چکا تھا۔ کشی نگر ں ہی ان کا نروان ہو گیا اور یہیں ان کی لاش کو ر آتش کیا گیا جسے اگنی سنسکار کہا جاتا ہے۔ یادگار طور پر ان کے بھکشوؤں نے یہیں پر ان کا مقبرہ دیا۔ ایک چینی سیاح ہوانگ سانگ نے اپنے فرنامۂ ہندوستان میں کوشی نگر جانے کا اور ان کے قبرہ کو دیکھنے کا تذکرہ کیا ہے۔

ہمارے قومی اور تاریخی امانت
کشی نگر

محمد رشید

گوتم بدھ کی حیات میں ہی ان کے بھکشوؤں کی تعداد کافی ہو گئی تھی۔ ان کے بھکشوؤں نے بدھ مذہب کی اشاعت میں اپنی اپنی جانیں کھپا دیں۔ خود ہندوستان کے کئی فرماں رواؤں جیسے اشوک، کنشک وغیرہ نے خود بھی بودھ مذہب اختیار کیا اور بھکشوؤں کو غیر ممالک بھیج کر ان کی توسیع میں بھرپور مدد کی جس نے ہندوستان کے علاوہ چین جاپان، لنکا، تبت، برما وغیرہ میں یہ مذہب پھیل گیا۔ چونکہ اس مقام کو بودھ مذہب کی مرکزیت حاصل ہے۔ اس لیے یہاں پر چین، جاپان، لنکا، برما اور تبت سے کافی تعداد میں بودھسٹ زائرین برابر آتے رہتے ہیں اور یہاں کے لوگوں سے دوستانہ تعلقات پیدا کرتے ہیں اس لیے یہ قصبہ ملکی و قومی نقطۂ نظر سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں سے "اہنسا پرمو دھرما" کی کرن پھوٹی۔ جس نے ایشیا کے کئی ممالک کو اپنی ضیا پاشیوں سے منور کر دیا۔ حقیقت ہے کہ مذہب کا تمدن پر بھی گہرا اثر پڑتا ہے۔ یہ بات ناممکن تھی کہ جس مذہب نے "اہنسا پرمو دھرم" کا نعرہ لگایا، جو وہاں کے ماحول پر اہنسا کی چھاپ پر اثر انداز ہو۔ اطراف و جوانب کے ماحول پر اور وہاں کے تہذیب و تمدن پر اس قول کا خاصا اثر پڑا۔ لوگ ہنسا سے گریز کرنے لگے۔

یہ بات بڑی نامناسب ہوگی کہ جس شخص کی وجہ سے کشی نگر کا نام چار دانگ عالم میں پھیلا اس کی زندگی کے حالات پردہ غیب میں رکھے جائیں۔ آج سے ڈھائی ہزار سال قبل کی بات ہے اتر پردیش کے شمال میں نیپال کی ترائی میں ایک راجہ تھا جس کا نام سدھودن تھا اور جس کی راجدھانی کپل وستو تھا۔ وہ قوم کا چھتری تھا۔ اس کے یہاں ۵۷۷ قبل مسیح ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام سدھارتھ تھا۔ بچپن میں ان کو مذہبی تعلیم دی گئی اور ساتھ ہی ساتھ فنون بھی سکھلایا گیا۔ اپنی غیر معمولی ذہانت کی وجہ سے سدھارتھ جلد ہی تمام علوم و فنون میں ماہر ہو گئے۔ طبیعت بچپن ہی سے غور و فکر کی طرف مائل تھی۔ ایک رات سب کو غافل پا کر ترکِ دنیا کے ارادے سے جنگل کی طرف چل دیا۔ کچھ دنوں کے بعد سب سے پہلے ویشالی پہونچا۔ یہاں اس نے ایک برہمن کی شاگردی اختیار کی۔ مگر یہاں بھی مطمئن نہ ہوا پھر اس جگہ کو چھوڑ کر راج گڈھ بہار میں آیا اور دوسرے برہمن کی شاگردی حاصل کی۔ مگر یہاں بھی نجات کا وسیلہ ہاتھ نہ آیا۔ آخر اسے بھی چھوڑا اور پانچ دوستوں کے ساتھ ایک گاؤں میں جس کا نام اردنوا تھا ایک پیپل کے درخت کے نیچے گوشۂ منزلت میں بیٹھا اور ستر برس تک ریاضت کرتا رہا۔ پھر اسے ایک بشارت ہوئی کہ جس چیز کی تجھے تلاش ہے وہ جسم کو تکلیف دینے سے نہیں ملتی۔ طریقہ جوگ دھوکا اور فریب ہے جو حقیقت تک پہونچنے سے روکتا ہے۔ نجات اس کو ملتی ہے جس کو خواہشات نفسانی پر قابو ہو جائے۔

گوتم بدھ کی تعلیم کے آٹھ زریں اقوال ہیں۔
(۱) پاک خیالات (۲) پاک خواہشات (۳) پاک اقوال (۴) پاک برتاؤ (۵) اکلِ حلال (۶) جائز کوشش (۷) صحیح علم (۸) صحیح خوشی۔ جو لوگ ان کے پابند ہوتے ہیں وہی اس مقام تک پہونچتے ہیں جس کا نام نروان ہے۔ جب انہوں نے اپنے نئے مذہب کا اعلان کیا اسی وقت سے وہ گوتم بدھ کہلانے لگے۔ گوتم بدھ سے متعلق چند مندریں اب بھی کشی نگر میں واقع ہیں۔ ۱۸۷۶ء میں یہاں کھدائی کرنے پر ایک کھنڈر دستیاب ہوا تھا۔ اس میں دو چیزیں پائی گئیں۔ ایک استوپ جس جگہ بدھ جی کا نروان ہوا۔ ٹھیک اس کے پچھم جانب گوتم بدھ کی بالو سے پتھر کی بنی ہوئی ایک ۲۱ فٹ لمبی مورت نکلی تھی جس میں تین شگافیں پڑی ہوئی تھیں۔

۱۹۲۷ء میں برما کے او فوچو نامی ایک بودھسٹ جو برما میں کسی ضلع کے ڈی ایم تھے۔ ۷۰ فٹ اونچا استوپ بنوایا۔

ایک دوسرا بہت پرانا مندر ہے جس کو سیٹھ ہری مل نے پانچویں صدی میں بنوایا اور اسی کے قریب میں ماتھا کسوز مندر ہے جس جگہ گوتم بدھ نے پانی پیا اور اپنا اپدیش دیا یہاں پر آم کے درخت کے نیچے ایک مورت پڑی ملی جس کو برمی بودھسٹ نے ۱۹۲۸ء میں نصب کروایا۔ راما بھار استوپ یہ وہ جگہ ہے جہاں پر بدھ جی کی لاش کو نذرِ آتش کیا گیا اور ان کا اگنی سنسکار ہوا۔ اسی کے قریب میں ایک جید درخت پر چینی بودھسٹ کو سوریا نامی بھکشو جھونپڑی بنا کر رہتا تھا ۱۹۰۶ء میں یہ درخت کاٹ ڈالا گیا اور حکومتِ ہند نے اس کے بدلے میں اس کو چھوٹا سا گھر بنا کر دیا۔ ۱۹ر دسمبر ۱۹۷۲ء میں وہ بھی اس دارِ فانی سے کوچ کر گیا۔ کشی نگر میں بودھوں کا سکونتی سلسلہ ۱۸۶۰ء سے شروع ہوا۔ سب سے پہلے مہابیر بھکشو جو بہار کے بابو کشور سلھ کے ناتی تھے، آکر سکونت اختیار کی اس کے بعد چندری بہار کھور رہنے لگے۔ ان کے دور میں کشی نگر کی کافی وسعت ہوئی یہیں پر ایک چندر منی نامی اسکول قائم ہے جو ۱۹۴۲ء سے چل رہا ہے جہاں پر مفت تعلیم کا انتظام ہے۔ جب دلائی لامہ نے ہندوستان کا دورہ کیا تھا تو انکی مورتی کو اسی جگہ نصب کیا۔ چند سال قبل جاپانی عقیدت مندوں نے کشی نگر میں بدھ جی کا ایک بڑا مندر بنوانے کے لیے منصوبہ تیار کیا تھا اس کے لیے ایک ایکڑ، ر ڈسمل زمین لی گئی۔ جاپانی انجینیروں نے اس کی تعمیر کا کام اپنے ذمہ کیا۔ اور مناسب طور سے اس کو انجام دیا۔ عنقریب میں اس میں گوتم بدھ کا مجسمہ نصب کر دیا جائے گا۔

ہونن جائن کی باشندہ چینی کوادی آن بھکشونی ایک خاتون ہے۔ چین عوام سے بھیک مانگ کر گوتم بدھ کا مندر بنوایا ہے۔

بدھ مندر اور آریہ بہار اس مندر کو راجہ سیٹھ بلدیو داس برلا نے ۱۹۲۶ء میں بنایا۔ اس مندر کی عمارت چین، جاپان، برما، تبت، لنکا، کمبوڈیا انڈوچائنا وغیرہ کے بھی آریہ مذہب کے سپرد برابر استعمال کر سکتے ہیں۔ اس میں چھوت دار مریض کا داخلہ ممنوع ہے۔ اس میں چودہ کمرے ہیں۔

(گورکھپور سے نشر)

رقص شرر

شمیم صادق

اُف کس قدر سوفوکیشن ہے! جیسے دم گھٹ رہا ہو۔ دل کے اندر وہی مخصوص مگر نسبتاً تیز سی ٹیس۔ یہ تین پوسٹ کارڈ میں نے کئی بار پڑھے ہیں۔ مگر ناپسندیدہ تحریر بار بار پڑھنے سے بدل جاتی ہے؟ —— مجھے پتہ تھا کوئی نہیں آئے گا —— پھر بھی میں نے انہیں بلایا —— اور اب جب کہ ان کا معذرت نامہ آچکا ہے، تو بھی میں بار بار پڑھے جا رہا ہوں۔ میری گھٹن لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتی جا رہی ہے۔ یہ میرے اندر کا ایکسٹریم پہ ہے۔

ماں، پتہ نہیں تم نے ایسا کیوں کیا؟ —— یہ سوال آج تک تم سے نہ کر سکا۔ لیکن میرے وجود کے کن کن نے اتنی مرتبہ دہرایا ہے کہ میں خود ایک سوالیہ نشان بن کے رہ گیا ہوں۔ میں مانتا ہوں بابا کے نہ رہنے سے تم اکیلی ہو گئی تھیں۔ ڈھیر ساری زمین تھی۔ بڑا ہی پھیلا پھیلا زندگی کا بازار تھا۔ مجھے میرے فیوچر کے لیے تم نے بورڈنگ میں ڈال دیا تھا۔ تم دہلیز کی اگنی ریکھا پار نہیں کر سکتی تھیں۔ یہ سب صحیح اور سچ تھا —— لیکن یہ سچائی کہاں سے کیسے اور کب ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوئی اسے صرف میں نے محسوس کیا۔

احساس اور جواز میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

اولاد نزدیک ہو یا دور، ماں تو انتر آتما میں ڈوب کر ان کی ہر تکلیف کو جان لیتی ہے —— میں بھی تم سے اسکول کے دنوں سے لے کر یونیورسٹی تک دور ہی رہا۔ مگر بجائے تڑپ اٹھنے کے تم مجھ سے دور ہو گئیں۔ اتنی دور کہ تمہیں باہری سہارے کی ضرورت ہو گئی —— تم نے اپنے گرد ایسے حصار بنا لیے کہ پھر کبھی میرے لمس تمہیں چھو نہ سکیں۔ میں جب بھی کسی فرصت میں تمہارے پاس آیا، ایک اور شخصیت میرے اور تمہارے بیچ دیوار بن کر آ کھڑی ہوتی —— اگر میں کہتا —— "ماں —— لاؤ آج میں خود صفائی کرتا ہوں —— " تو وہ مجھے روک دیتی۔

"آپ چھوڑ دیجئے میں سب کر لوں گی"۔ اور میں خجل سا اسے دیکھنے لگتا، جو نہ خوبصورت تھی نہ بدصورت اسے میں رضیہ کہتے ہوئے بھی جھجکتا کہ وہ یقیناً مجھ سے بہت بڑی تھی —— اور آپا یا باجی اس لیے نہیں کہہ سکتا کہ وہ کسی احترام کے لائق مجھے کبھی نہیں لگی۔ کیونکہ وہی تو میرے اور تمہارے بیچ ایک دیوار تھی۔ اسے یہ بھی پتہ نہ تھا کہ باہر کے لوگ ہزار قریب سہی مگر ان کی اپنائیت کی ایک لچھمن ریکھا ہوتی ہے۔

یہ اور ایسے ان گنت پتھروں کی بارش نے ممتا کی صورت مسخ کر دی —— حالانکہ قدروں کے ٹوٹنے سے تو زلزلہ آجاتا ہے۔

پھر ایسا ہونے لگا کہ میری گیپنگ طویل تر ہوتی گئی۔ اور اسی حساب سے اپنے ہی گھر سے میری اجنبیت بڑھتی گئی۔ ایسے کہ میں اکثر دو ایک روز میں ہی واپسی کے پروگرام بنانے لگتا —— اور تمہیں اس کی اطلاع ایک دھماکے کے ساتھ دیتا تاکہ تم مجھے روک لو —— اور پوچھو کہ میں نے ایسا کیوں سوچا —— اخیر اخیر تک تمہیں جھنجھوڑ دینے کی تمنا جاگتی رہتی تھی۔ جلتے پتھروں پہ خوشی خوشی کون چلتا ہے۔ تم نے ان آبلوں کو ایک بار بھی محسوس کر کے پوچھا تو ہوتا۔ دوانہ دعا! —— بس صرف تم ہی میری طلب تھیں مگر اس کے بدلے میں یہ دیکھتا کہ میری اطلاع پاتے ہی تم اپنی دانست میں میرے سفر کی بہترین تیاریاں شروع کر دیتیں اور ایک ایک کر کے میرے کام اسے سونپتی جاتیں —— میرے ادھر ادھر بکھرے کپڑے دھل کر بکس میں رکھے جا رہے ہیں کھجوریں اور نمک پارے ڈبوں میں پیک ہو رہے ہیں۔ اصلی گھی اور دیسی انڈے اکٹھے کیے جاتے۔ پتہ نہیں تم یہ سب کیوں کرتیں۔ اس قدر اہتمام —— خوش ہونے کے بجائے مجھے عجیب گھٹن سی ہوتی جیسے میں تمہارا بیٹا نہیں ایسا دشمن تھا، جس کی دوستی اور دشمنی دونوں خطرناک ہوں۔ لمحوں کے زخم واقعی ناسور ہوتے ہیں۔

میرے دوستوں کی بہت ساری چٹھیاں آتیں میں اپنے دوستوں کو رات گئے بستر پر اوندھے لیٹ کر اپنوں کو خطوط لکھنے میں محو دیکھتا تو میرے اندر نوکیلا شیشہ سا چبھ جاتا اور میں گھبرا کر تمہیں خط لکھنے بیٹھ جاتا کئی کئی صفحے کا بہت ہی قیمتی خط۔ جسے روح کی اتھاہ گہرائیوں سے لفظ لفظ موتی ڈھونڈ ڈھونڈ کے جب میں نے تمہیں پکارا تھا —— کیونکہ ماں تم خود پڑھ سکتی تھیں۔ لکھ سکتی تھیں اسی لیے خط پوسٹ کرتے ہی میرے اندر انتظار کا چراغ جل اٹھتا —— اب —— اور اب لیکن انتظار کا جذبہ چاند اور سورج نہیں، صرف چراغ ہوتا ہے جس کے لو دینے کی ایک مدت ہوتی ہے اور جب یہ مدت گذر جاتی ہے اور دھوئیں کی آخری لکیر بھی زائل ہو جاتی ہے تو مجھے یہ چند سطریں ملتیں —— "ماں اچھی ہیں۔ اور لکھتی ہیں کہ آپ اپنی صحت اور پڑھائی......" میں نے جھلا کر احساس کے دیے کو ہی فرش پر دے مارا۔ "نہیں، اب نہیں —— " ایک ماں کیا اپنے بیٹے کی روح کو سمجھنے کے لیے کسی اور سے معنی پوچھتی ہے —— ؟

آہستہ آہستہ شیرینی کا ہر احساس زخمی ہو گیا زندگی میں دور دور تک زہر پھیل چکا تھا —— ہاسٹل کی وہ پیارا آفریں زندگی میری یادوں کا انمول خزانہ —— ! جیسے امکانات کی ہزاروں دشائیں میری منتظر ہوں —— میں بہت منفرد اور معزز ہستی نہ کبھی تھا اور نہ کبھی بننے کی تمنا ہی کی تھی۔ میں نے دل کھول کر قہقہے لگائے تھے، شرارتیں کی تھیں بلا غرض لوگوں کے کام آیا اور بے وجہ احمقوں کو ٹیز بھی کیا۔ زندگی میری اپنی تھی۔ اور میں نے اپنی زندگی کو دہرے پن کی ملاوٹ کے بغیر دل کھول کر خرچ کیا۔ مگر ماں، تم نے بڑی آہستگی کے ساتھ اس آبشار کے سامنے ایسے پتھر رکھ دئے کہ بہاؤ ہی رک گیا۔ ٹھہری ہوئی زندگی۔ ٹھہرے ہوئے پانی پر کائی جمنے سے کون روک سکتا ہے؟ —— کچھ بھی میرے اختیار میں کہاں تھا۔ صرف یہی کر سکتا تھا کہ انتقامی احساس کے تحت تم سے بے تعلق ہو جاؤں۔ اور یہی میں نے کیا بھی ——

وقت بڑی بے رحم اور آہنی حقیقت ہوتی ہے۔ وقت کا بہاؤ کیا کچھ سمیٹ لے جاتا ہے اس کا کرب ان دلوں سے پوچھو جنہوں نے زندگی کے ہر بیتے لمحے میں اپنی ذات کا ایک ایک کر کے ہر ایک انش گنوا دیا ہو —— وقت مرہم بھی ہے اور نشتر بھی —— پڑھائی، امتحان، رزلٹ اور ملازمت تک کے مرحلے

ے پار ہوئے مجھے الگ الگ یاد نہیں۔ لیکن جب
تمہیں اپنی ملازمت کی اطلاع دی۔ تم نے اس کے
ی اپنی گرتی ہوئی صحت اور تنہائی کے احساس
ر دیا تھا ـــــــ اس یقین کے ساتھ کہ ایک
ال کے لیے کچھ بھی کرسکتا ہے۔ اور تم نے لوہا
یکھ کر جلد ہی مجھے نئے سانچے میں ڈھال دیا ـــــــ
تمہارے سامنے ہی تھا اور تم نے مجھے ڈھال دیا
ے دس سال بڑی عورت کے شوہر کے سانچے
ہ جس کے چہرے میں معصومیت اور وارفتگی کی
ین اور مصلحت اندیشی تھی۔ جو ایک اچھی دھوبن،
، مالی، نرس اور کیر ٹیکر تو تھی مگر میری بیوی نہ تھی
ے اپنی جانِ ناتواں کی قسمیں دے دے کر مجھے
دیا کہ میں اسے بیوی کی طرح استعمال بھی کروں
ی زندگی میں اس تعلق کا کوئی نام نہ تھا ـــــــ
سپاٹ اور انام رشتہ ـــــــ ہاں تم نے
یک نام دے ڈالا تھا۔ راشد ـــــــ
ری چھٹیوں میں تم نے ٹیلی گرام دے کر بلوایا اور
ا مدیا ماجد اور پھر زاہد ـــــــ تنگ آ کے
خود کو ڈاکٹر کے حوالے کر دیا تاکہ تم میری چھٹیوں کا
کر سکو۔ تمہارے اندر کچھ تو ہو، ایک ذرا سی
ی سہی۔ پتہ نہیں یہ زندگی کہاں سے کہاں
ی ـــــــ بہاروں کا یہ قافلہ کون سے
یں آ کے ٹھہرا تھا کہ دور دور تک کوئی سراب بھی
ـــــــ اصلیت کا نام و نشان بھی نہیں۔
تا ہوں، بچے ـــــــ حیات ہوتے ہیں مگر یہ بچے
ی مجبوری میری نفرت اور مری کچلی ہوئی انا کے
کار تھے۔ اکثر میرا جی چاہتا۔ ان کے گردن دبا دوں
تقامی آگ سی میرے اندر سلگا کرتی ـــــــ
ے دھیرے میرے اندر سمٹ کر رہ گئی ـــــــ
یں ایسا نہیں کرسکتا، کچھ بھی اب میرے لیے
نہیں رہا ـــــــ

وقت بڑے بڑے طوفان سمیٹ لے جاتا ہے
یں کتنا سچ ہے اور کتنا جھوٹ۔ لیکن چند سال
ور گذر گئے تو ان چھٹیوں میں میرا وقت آسانی سے
ے لگا ـــــــ کبھی ان بچوں کو پڑھا رہا ہوں،
انیاں سنا رہا ہوں، کبھی انہیں تفریح کرانے لے
ں۔ گویا ماں تمہاری ہوئی سزا کا احساس دھیرے
ے مدھم ہوتا گیا ـــــــ یہ بچے آہستہ آہستہ
یز محسوس ہونے لگے جیسے میرے وجود کے الگ
ے ہوں۔ اپنے ہارے ہوئے وجود کی بازیافت!
ے میں نے شہر میں ڈھونڈ کر اچھا سا مکان کرائے پہ
ـــــــ اور تمہارے فوت ہونے کے بعد
ے من پسند قافلے کو اپنے ساتھ شہر لے آیا۔
اُف کتنا اندھیرا ہے ـــــــ اب تک کوئی
ی آیا۔

یہ گھر۔۔ ہاں یہی گھر تو تھا ـــــــ جو سبھوں کے لئے گھر تھا مگر میرے لئے صرف سر چھپانے کی جگہ۔ کیونکہ اس جگہ کو میں کبھی وہ صورت، وہ ترتیب اور وہ آہنگ نہ دے سکا جو اپنا معیار تھا۔ اپنی ہر ایک چھوٹی بڑی خوشی جلا ڈالی ـــــــ آخر یہ سب کچھ کس لیے؟ میں نے کبھی اپنے دوستوں کو مدعو نہیں کیا، کبھی کسی کو اس سے نہیں ملوایا۔ شاید اس لیے کہ اندر ـــــــ بہت اندر سے میں ہمیشہ اکیلا تھا۔ بالکل تنہا ـــــــ وہ نہ پہلے میری کوئی تھی نہ کبھی ہوئی ـــــــ اور جو کسی قدر میرے اپنے تھے، ان کو بڑا کرتے کرتے میں خود کیسے کیسے اپنے آپ سے پیچھے ہٹتا گیا۔ یہ میں سمجھ نہیں سکا۔ دنیا کی نظروں میں میں ایک مثالی انسان تھا لوگوں نے مثالیت کی چکاچوند دیکھی تھی۔ لیکن یہ صرف آئیڈیل بکھنے والے ہی جانتے ہیں کہ کس آگ میں جل کر شخصیت کا سونا بنتا ہے۔ اور پھر شخصیت کے گرد اصولوں کا حصار بنتا ہی چلا جاتا ہے ـــــــ جنہیں شاید کوئی بھی نہیں توڑ سکتا ـــــــ اور پھر میں نے تو حصار خود ہی بنائے تھے ـــــــ دیکھتے ہی دیکھتے تینوں بچے اپنی زندگی میں سیٹل ہو گئے ـــــــ

میں بالکل مطمئن ہوں۔ ہر طرح سے۔ مجھے اب کوئی فکر نہیں۔

لیکن جب کوئی بار بار خود کو مطمئن کرے تو شاید اس کا مفہوم یہی ہوتا ہے اب بے اطمینانی حد سے گذری جا رہی ہے۔ یہ سچ ہے پچھلے سال مجھے دل کا دورہ پڑ چکا ہے اور ڈاکٹر نے کہہ دیا ہے دوسرا جھٹکا کبھی بھی کسی پل کسی روز مجھے ہول و شکست کے ہر احساس سے آزاد کر دے گا ـــــــ اگر آج یہ بچے آجائیں تو شاید ببول کا یہ پودا جو تم نے میرے اندر لگایا تھا جڑ سے اکھڑ جاتا لیکن بچے نہیں آئے اور ببول کا پودا لہلہانے لگا اس کی شاخیں میرے منھ سے باہر نکل آئیں اور اس کے نوکیلے کانٹے حلق میں پھنس رہے ہیں ـــــــ میری سانسیں رکنے لگی ہیں۔ آنکھیں جیسے اپنے آپ بند ہوئی جا رہی ہیں۔ میں شاید بھاگتی پرچھائیوں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہا تھا۔ اب اتنا اندھیرا ہے کہ کچھ نظر نہیں آتا ـــــــ پرچھائیاں میرے اندر سمٹ آئی ہیں۔

"چنگاریوں کا مقدر سب جانتے ہیں لیکن رقصِ شرر کس نے دیکھا ہے۔ (پٹنہ سے نشر)

مختصر افسانہ

تلاش

بشیر شاہ

......اکثر ایسا ہوتا تھا!
دن کا اجلا روپہلا پنچھی جب اپنے پروں کو سمیٹتا تو وہ اپنے مکان کی ٹیرس (TERRACE) میں آجاتا۔ ڈوبتے سورج کی آنکھوں میں چمکتی ہوئی لالی کو اپنی آنکھوں میں اتارتا...... کرنوں کی سیڑھیوں سے اترتی ہوئی سرمئی شام کو اپنے دل کی بنجر زمینوں میں بسا لیتا...... دیر گئے تک، بہت دیر گئے تک کچھ سوچتا کچھ کھوجتا۔ آخر اسے کس چیز کی تلاش تھی ـــــــ ؟!

ایک روز چلتے چلتے میں اس تک پہنچا اور پوچھتے پوچھتے پوچھ ہی لیا۔
"تمہیں کس چیز کی تلاش ہے؟" وہ خاموش رہا۔
"کیا چاہیے تمہیں؟" میں نے اپنا سوال دہرایا۔
"آخر کیا چاہیے تمہیں ـــ دولت؟" میں نے لقمہ دیا۔ اس کے ہونٹوں پر زہر خند پھیل گیا اور وہ چپ رہا۔
"ضرور تمہیں عزت کی تلاش ہے؟" میں نے کریدا!
"نہیں؟" اس نے زبان سے تو نہیں سر کے اشارے سے میرے سوال کی نفی کی۔
"تو پھر یقیناً تمہیں محبت چاہیے؟!" میں نے بات کی تہہ تک پہونچنے کی کوشش کی۔ دفعتاً اس کے ہونٹوں پر ایک بے لوث مسکان پھیلنے لگی۔ اشاروں کی زبان میں اعتراف کرتے ہوئے اس نے بتایا "ہاں مجھے محبت چاہیے"
"وہ تمہیں نہیں مل سکتی"
"کیوں؟!" وہ سراپا سوالیہ نشان بن گیا۔
"محبت تمہیں نہیں مل سکتی اس لیے کہ وہ کتابوں میں بند ہے"
میری بات سن کر وہ آسمان کی وسعتوں میں کچھ کھوجنے لگا۔ کچھ تلاش کرنے لگا۔

(سرینگر سے نشر)

بجھتی بینائی کا کرب

شبیر احمد ہاشمی

اچانک اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اسے جھنجھوڑ کر جگا دیا ہو۔ اس نے اپنے پہلو میں ایک نظر ڈالی تو وہاں ویرانی کا راج تھا۔ اس نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی کی طرف دیکھا تو وہ صبح کے دس بجا رہی تھی۔ اسے بیحد حیرت تھی کہ وہ اتنی دیر سوتا رہا ——— اسے یاد آیا کہ وہ رات بھی بڑی جلدی سو گیا تھا تو پھر اتنی دیر وہ کیسے سوتا رہا ——— اور راحت کہاں چلی گئی ——— !

"راحت!" اس نے آواز لگائی۔

جواب میں خاموشی نے اس کا استقبال کیا۔

"کمال ہے" اس نے سوچا ———

"اوہ، دس بج گئے ہیں، ابھی تیار ہونا، اور ڈیوٹی جوائنٹ کرنا ہے۔ راحت ڈیوٹی پر چلی گئی ہے کیا؟"

لیکن اسے جگانا تو چاہئے تھا، اس نے سوچا۔

"راحت اب دن بدن میری جانب سے لاپروا ہوتی جا رہی ہے" اس کے خون کی گردش تیز ہونے لگی اب اس کے ساتھ سختی برتنی ہوگی، ورنہ ———

"مگر یہ کیا؟ ——— یہ کمرے میں اندھیرا کیوں ہے۔ کمرے میں نائٹ بلب بھی ابھی تک روشن ہے"

"سچ مچ! راحت بے حد غیر ذمہ دار ہو گئی ہے۔ راحت!!" اپنی آواز کی سختی پر وہ خود بھی حیران رہ گیا۔

لیکن سناٹے نے پھر اس کے اس سخت جملے کو بھی شکست دے دی۔

"کہاں چلی گئی" اس نے بڑبڑاتے ہوئے کمرے کی کھڑکیاں کھول دیں۔ سڑکوں پر سے دوڑتی ہوئی کاروں، لاریوں اور بہتی ہوئی زندگی کا شور اس کے کمرے میں در آیا۔ اس نے جھانک کر نیچے کی طرف دیکھا اور پھر دوسرے ہی لمحے چونک پڑا۔

"اتنا اندھیرا کیوں ہے!؟"

"کیا ابھی دن نہیں نکلا ——— کہیں میری گھڑی بند تو ———" اس نے دوبارہ اپنی گھڑی کی طرف دیکھا تو وہ چل رہی تھی۔ اور پھر اس کے بند ہونے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ ابھی رات ہی کو تو اس نے ——— اگر گھڑی صحیح ہے تو پھر یہ اندھیرا؟۔

"نہیں گھڑی ہی بند ہے شاید! ——— لیکن اگر گھڑی بند ہے اور ابھی رات ہے تو پھر اتنی رات کو راحت کہاں چلی گئی"

"اہو! کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ لیکن اگر اس وقت رات ہے تو پھر سڑکوں پر یہ چہل پہل ——— نہیں یہ رات ہرگز نہیں ہے شاید آج سورج نہیں نکلا ———" اس نے آسمان کی طرف نظر دوڑائی تو واقعی آسمان پر بھی تاریکی کا راج تھا

"تو پھر ثابت ہوا کہ آج سورج نہیں نکلا"

"مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ تو بالکل انہونی بات ہوئی ——— کہیں میں نے اپنی بینائی تو نہیں کھو دی۔

"مگر مجھے تو سب دکھائی دے رہا ہے ———" یہ پلنگ ہے ——— وہ ٹیبل ہے ——— وہ باتھ روم ——— وہ باورچی خانہ ——— تو پھر یہی صحیح ہے کہ آج سورج نہیں نکلا"

ہاں یہی بات ہے۔ اس نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے سوچا۔ لیکن دوسرے ہی لمحہ خوف کے پنجے اس کے پورے وجود میں گڑ چکے تھے۔

وہ کانپ اٹھا۔ "سورج نہیں نکلا ———"

وہ تقریباً دوڑتا ہوا دوبارہ کھڑکی کے پاس پہنچا اور نیچے کی طرف دیکھنے لگا۔ نیچے آتی جاتی کاروں لاریوں اور بہتی ہوئی زندگی کا شور ——— مختلف آوازوں کا جنگل ——— بھاگتے دوڑتے سائے ——— سپاٹ چہرے! ——— لرزتے وجود ——— اور ان کا سناٹا ——— !!

"اگر سورج نہیں نکلا تو کیا ان لوگوں کو اس کی خبر نہیں!"

"نہیں یہ بات نہیں ہو سکتی ——— تو پھر کیا بات ہے" وہ اپنے آپ سے پھر الجھ پڑا۔

"مجھے پہلے یہاں سے نکلنا چاہئے" اس نے فیصلہ کیا۔

جھٹ پٹ تیار ہو کر باورچی خانہ میں پہنچا تو ناشتہ تیار تھا۔ "اس کا مطلب یہ تھا کہ راحت کام پر چلی گئی ہے مگر اس نے مجھے جگایا کیوں نہیں؟ ——— اور کیا اس نے بھی محسوس نہیں کیا کہ آج سورج نہیں نکلا ہے!"

"نہیں! مگر وہ تو بڑی ذہین ہے ——— اور یہ تو بڑی غیر معمولی بات ہے۔ تو معلوم یہ ہوا کہ میں جو سمجھ رہا ہوں وہ حادثہ نہیں ہوا ہے۔ ورنہ لوگ اب تک آسمان سر پر اٹھا لیتے۔ لوگ تو اب بے صبری کی انتہائی منزلوں پر ہیں۔ وہ خود کئی مرتبہ لوگوں کی بے صبری پر لیکچر دے چکا ہے ——— کہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر ——— اور سورج کا نہ نکلنا تو ایک بڑا سانحہ ہوتا ہے"

"تو پھر یہ یہ سب کیا ہے!!"

"اونہہ، چھوڑو بھئی!" اس نے جلدی جلدی پیٹ کے جہنم کو پُر کیا کہ کتنے چکر تو اس نے ہی چلائے ہیں کمرے کو بند کر کے وہ زینہ اترنے لگا تو پروفیسر شرما کی بیوی شاپنگ کر کے لدی پھندی اوپر چڑھتی ہوئی نظر آئی۔

"آداب" اس کی مترنم آواز نے اس کے پاؤں پکڑ لئے۔

"آداب" آج بڑی جلدی بازار سے ہو آئیں" اس نے سوال کیا۔

"جلدی کہاں، آج تو بڑی دیر ہو گئی ہے" مسز شرما نے جواب دیا۔

"دیر" اس نے بڑی حیرت سے کہا۔ ابھی تو کافی اندھیرا پھیلا ہوا ہے" اس نے اپنے شبہ کی تصدیق کرنی چاہی۔

"اندھیرا!؟" اب انتہائی حیرت سے مسز شرما اس کا منہ تکنے لگی۔

"چھ چھ! پروفیسر صاحب! آپ بھی نشہ کرنے لگے ہیں بڑی حیرت کی بات ہے" اس نے تاسف بھرے انداز میں کہا۔

"نشہ!؟ نہیں تو ———" اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا مگر مسز شرما وہاں سے جا چکی تھی۔

"اف خدایا! یہ مجھے کیا ہو رہا ہے" اس نے بڑی بے چینی سے کہا۔

اب وہ صدر دروازے پر پہونچ چکا تھا ——— دربان نے معمول کے مطابق اسے سلام کیا۔

"کہو اچھے تو ہو" اس نے دریافت کیا ——— تو دربان نے اسے حیرت سے دیکھا ——— دیکھ کر زندگی میں پہلی بار اس نے اس طرح دربان سے خیریت

تھی)

"جی ہاں صاحب، مالک کی مہربانی ہے"

"اور کوئی خاص بات نورخان؟" نورخان

رت آسمان چھونے لگی۔ اور پھر کچھ سمجھتے ہوئے

کر پڑا۔ اب نورخاں سے آنکھ ملانا اس کے لئے

شکل تھا۔ پتہ نہیں کمبخت کیا سمجھ رہا ہے۔ وہ سڑک

آیا۔

اور اپنے پاس سے گذرنے والے چہروں کو

ھنے لگا۔ اسے ہر چہرہ مختلف کہانیوں کی دھند میں

ہوا نظر آیا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ لوگ ابھی تک

بات سے بے خبر ہیں کہ سورج نے ان کی بستی سے

موڑ لیا ہے۔

اتنا بڑا حادثہ اور لوگ بے خبر! اس کی بے چینی

الجھن اپنی انتہائی منزلیں چھونے لگی۔ اور اسی الجھن

اس نے ایک کراسنگ پر ٹریفک کانسٹیبل سے دریافت

ا۔

"ایکسکیوزمی! یہ آج سورج کیوں نہیں نکلا؟"

"سورج نہیں نکلا؟" کانسٹبل نے حیرت سے

کی طرف دیکھا۔

"ہاں! کیوں؟ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں ——

"صاحب ذرا اوپر دیکھئے" اس نے ایک

ے سے مرکیوری لائٹ کی جانب اشارہ کرتے

ے کہا۔

"یہ کیا ہے! یہ سورج نہیں ہے تو پھر کیا ہے"

نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

"یہ سورج! —— نہیں —— یہ

ورج تو نہیں ہو سکتا" وہ بڑبڑایا۔

"چلو چلو ہٹو —— ہمارا ٹائم کھوئی مت کرو

ٹرافک جام ہوتا ہے —— اور صاحب اب تم

ھر جاکر آرام کرو نہیں تو کوئی دوسرا تم کو پاگل خانے میں

کر دے گا۔

"ہاں اب مجھے آرام چاہئے کانسٹبل ٹھیک کہہ

ہا ہے۔ لوگ مجھے مذاق کا نشانہ بنالیں گے" اور پھر

خاموشی اختیار کر لی۔ لیکن اب ہر روز اسے سورج کے

نکلنے کا انتظار رہتا اور ہر دفعہ ناکامی اسے منہ چڑاتی۔

آخر ایک دن اس نے راحت سے اپنی الجھن

کا ذکر کر دیا۔ تو راحت نے اس کی جانب اس طرح دیکھا

جیسے اسے اس صحیح الدماغی میں شبہ ہو۔

اور پھر جھلاتے ہوئے بولی "اسی لئے میں کہتی

ہوں کہ اس طرح رات دن کتابوں میں آنکھیں پھوڑنا

ٹھیک نہیں لیکن یہاں میری کون سنتا ہے"

لیکن پھر دوسرے ہی لمحے وہ اس کی دلدہی کرنے

لگی۔ دوسرے دن اس نے ایک دماغی امراض کے معالج

سے چیک اپ کا وقت حاصل کیا اور اس کے مسلسل انکار

کے باوجود اسے چیک اپ کے لئے ڈاکٹر کے پاس

ذکی طارق

آنکھوں میں خشک جھیل کا منظر اتار دے
ہاتھوں پہ آج خوب کا پیکر اتار دے

پریاں جھک رہی ہیں اداسی کی شاخ پر
یادوں کی گرم ریت میں گوہر اتار دے

وہ گفتگو جو ذہن میں مدت سے قید ہے
اس گفتگو کو آج لبوں پر اتار دے

خوابوں کی بارشوں کا تو موسم گذر گیا
ان کا خمار کوئی ہنسا کر اتار دے

خالی پڑا ہے دل کا ورق شام ہی سے آج
چپکے سے دل میں فکر کا خنجر اتار دے

احباب کہہ رہے ہیں ابھی کچھ نہیں ہوا
دیوار کہہ رہی ہے کلنڈر اتار دے

ہاں ساحلوں کی چیخ بہت دل شکن سہی
تو اس کی وسعتوں میں سمندر اتار دے

جذبے کھلی چھتوں پہ بھٹکتے ہیں راہ میں
اے کاش کوئی ان کو مرے گھر اتار دے

میں تو ہنسی ہنسی میں بلندی پہ آگیا
بچہ ہوں میرا ہاتھ پکڑ کر اتار دے

(اردو سروس سے نشر)

لے گئی۔

لیکن جب ڈاکٹر نے بھی اس کے صحیح الدماغی ہونے کی تصدیق کر دی تو اس نے ڈاکٹر کو بھی ٹھیک اسی طرح دیکھا تھا جیسے اسے اب ڈاکٹر کے پاگل پن میں شبہ نہ رہا ہو۔

ڈاکٹر کی تصدیق نے اس کے وسوسوں کا خاتمہ کر دیا تھا۔ وہ اپنے اندر بڑی توانائی محسوس کرنے لگا اس نے راحت سے کہا کہ وہ گھر چلی جائے۔ راحت کے اصرار کے باوجود کہ اسے آرام کی سخت ضرورت ہے۔ وہ اس سے جلدی گھر پہونچنے کا وعدہ کر کے سیدھا پولس اسٹیشن پہنچا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک پولس انسپکٹر سے گفتگو کر رہا تھا۔ اور جب اس نے انکشاف کیا کہ ہماری بستی سے سورج نے منھ موڑ لیا ہے تو انسپکٹر اسے تنقیدی نظروں سے گھورنے لگا اور جب اس نے بات تمام کی تو انسپکٹر نے کہا "پروفیسر صاحب آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ یہاں سے بڑی خراب حالت میں باہر جاتا —— اب آپ گھر جائیے —— آرام کیجئے اور تھوڑا انشہ وغیرہ کم کیجئے —— ورنہ کسی دن پاگل خانے میں نظر آئیں گے"

انسپکٹر کی بات کا برا نہ مانتے ہوئے جب اس نے کہا کہ آپ حالات کی سنگینی کو نہیں سمجھ رہے ہیں۔ تو انسپکٹر غصے سے کھڑا ہو گیا، اور آواز لگائی۔

"حولدار!"

"جی صاحب!"

صاحب کو باہر کا راستہ بتاؤ اور ان سے کہہ دو کہ اب ادھر کا رخ نہ کریں۔

حالات نے بڑا عجیب موڑ لیا تھا۔ اب وہ جس سے بھی سورج نہ نکلنے کا تذکرہ کرتا وہی اسے پاگل سمجھتا لیکن اس نے بھی طے کر لیا تھا کہ اب چاہے کچھ بھی ہو بستی کے لوگوں کو اس کا احساس ضرور کراؤں گا —— اور ایک نہ ایک دن وہ میرے سچ کی تصدیق کریں گے —— وہ بولتا رہا —— لوگ ہنستے رہے —— وہ بولتا رہا —— لوگ مذاق اڑاتے رہے —— وہ بولتا رہا —— اور لوگ اسے مارنے لگے۔

میں بڑی تیزی سے چلا جا رہا تھا۔ دل و دماغ عجیب و غریب خیالات سے الجھے ہوئے تھے کہ ایک جگہ لوگوں کی بھیڑ نظر آئی۔ میں نے بھیڑ میں یونہی جھانکا تو دیکھا کہ شخص نیم بیہوشی سا پڑا ہے اور اس کے ماتھے سے خون بہہ رہا ہے۔

"کیا بات ہے" میں نے ایک شخص سے دریافت کیا۔

"کچھ نہیں پاگل ہے، کہتا ہے ہماری بستی سے سورج نے منھ موڑ لیا ہے" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا۔؟" میں نے حیرت سے کہا —— "سورج نے ہماری بستی سے منھ موڑ لیا ہے" میں نے زخمی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اور ٹھیک اسی وقت مجھے ایسا لگا کہ جیسے میرے الجھے ہوئے خیالات کو زبان مل گئی ہو۔ میں زخمی پر جھک گیا۔ اس کے سر کو اپنے زانو پر رکھا۔ اور اس سے پوچھا۔

"کیا کہہ رہے تھے تم —— کہ —— ہماری بستی سے سورج نے منھ موڑ لیا ہے"

زخمی نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

"لوگو یہ سچ کہتا ہے۔ ہم اب سورج کے بغیر زندگی گذار رہے ہیں"

"یہ لو! دوسرا پاگل!!"

قہقہے —— شور —— ہنگامہ

لیکن میں ان سب سے بے نیاز زخمی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کے بیان کی تصدیق کرتا رہا تو وہ مسکرا پڑا

اور پھر آہستہ آہستہ اس کے لب ہلے: اس نے کہا۔ "مجھے یقین ہے ایک دن یہ بستی ہمارے سچ کی ضرور تصدیق کرے گی" (دیگاؤں سے نشر)

شبیر احمد ہاشمی

۵۲ - ۲ نیو وارڈ، مالیگاؤں (ناسک)

اکیلا

قیصر رضا

صبح رو رہی تھی!
سیاہی بکھر گئی!!
بکھر کر کاغذ پر پھیل گئی، پھیل کر سنور گئی اور سنور کر یک کہانی کی صورت میں ڈھل گئی۔
دو جسم قریب آ گئے!
قریب ——— اور قریب ——— ایک ہو گئے!!
پھر ——— وہ سو گیا!
صبح ہو گئی ——— شعلوں کی لو تھر تھرائی۔ شعلے آخری بار بھڑکے۔ بھڑک کر پر سکون ہو گئے، اور یسا ہوا ———!
ایک کہانی بن گئی!

بزرگوں نے کہا ہے کہ جب دل بھٹکنے لگے تو قرآن کی آیت پڑھو، ہیجان بھرے دل کو شانتی ملے گی۔ دل کا سکھ مل جانے سے تن کے دکھ دور ہو جاتے ہیں۔

میں نے دیکھا، آیت پڑھنے سے صرف زبان چلتی ہے، چار رٹے رٹائے جملے یاد ہو جاتے ہیں اور نیند آنے لگتی ہے۔

آنکھیں بند ہو گئیں!
زبان خاموش ہو گئی!!
میں نے دیکھا!
اپنا لڑکپن، اپنی جوانی، اور.....

میں آج تمہیں خط لکھ رہا ہوں، یہ جانتے ہوئے کہ تم ایک حادثے کا شکار ہو کر چل بسے۔ تم ہی تو میرے بچپن کے ایک ساتھی تھے جو جوانی تک رہے اور پھر.....جوانی

میں تم نے مجھے اکیلا چھوڑ دیا۔
جس طرح اماں چلی گئیں!
ابا چلے گئے!!
صرف ایک بڑے بھائی تھے وہ بھی باہر چلے گئے۔
سب مجھے اکیلا چھوڑ کر چلے گئے ——— تم بھی تو چلے گئے۔

میں اس خط کے ذریعہ تمہیں اپنی کہانی سنا رہا ہوں مگر تم ابدی نیند سو گئے ہو۔ خیر کوئی بات نہیں، دوسرے سن لیں گے، بہت سی کہانیوں کی طرح اس پر بھی اپنے تاثرات کا اظہار کریں گے۔

آج ایک بے حد خوبصورت سراپا ابھر رہا ہے!
ایک کالا، صاف چندیا والا!!
یہ چچا ہے، اس کا نام حسین ہے۔

تم حسین کو جانتے ہو۔ جس وقت میں ڈیڑھ برس کا تھا، یہ میرے یہاں نوکر رکھا گیا۔ یہ اس وقت ستر برس کا تھا۔ عاشق مزاج بوڑھا مجھے بہت چاہتا تھا۔ اس کی پرچھائیں میں اور میری پرچھائیں یہ تھا۔

میں تمہیں کہانی سنا رہا تھا کہ دو جسم قریب آ گئے اور قریب آ کر.....! پھر ایک لمحہ مجھ پر ٹوٹا!
ابا نہیں، بھیا نہیں، حسین چچا نہیں۔
ایک نئی صورت آ گئی سائرہ کی۔

آج میں خاموش ہوں، میرا دماغ بھی خاموش ہے کوئی کہانی جنم لینا نہیں چاہتی ——— سوچ رہا ہوں سائرہ کے بارے میں جو میرے یہاں دائی کی صورت میں آئی اور ماں بننے لگی۔

اماں اور ابا آپس میں لڑ پڑتے۔ بڑے زوروں کی لڑائی ہوتی۔ لڑائی تو ہمیشہ ہی ہوا کرتی تھی مگر آج سائرہ کی بات نکل آئی۔

اماں نے کہا۔ "آپ سائرہ کو بیوی بنانا چاہتے ہیں۔"

"پاگل کہیں کی۔" ابا نے کہا اور بولے۔ "یہ جھوٹ ہے۔"

"یہ سچ ہے، میں نے جب دوسری دائی ٹھیک کر لی ہے تو آپ اسے ہٹاتے کیوں نہیں کالی کلوٹی چڑیل کو۔"

"میں نے اسے تمہارے اور بچوں کے آرام کے لئے رکھا ہے۔ اب تم بوڑھی ہوئی میں بوڑھا ہوا یہ ہم لوگوں کی خدمت کرے گی۔ کتنی سیدھی ہے بیچاری صرف کھائے گی اور کپڑا پہنے گی۔ دوسری دائی تو اوپر سے مشاہرہ بھی لے گی۔"

"آپ کی نیت میں کھوٹ ہے۔ جو آپ کی باتوں سے صاف ظاہر ہے۔"

"مریم۔"

یہ لڑائی روز ہی چلتی تھی۔ آج شدت اختیار کر گئی۔ اس لئے سب مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ ابا باہر چلے گئے، اماں پٹنہ چلی گئیں اور بھیا انہیں پہنچانے کیلئے گئے۔ میں اکیلا گھر میں نئی دائی ہاجرہ کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔ سائرہ اپنے شوہر کے گھر چلی گئی۔

آج مجھے اپنا کلوٹا چچا یاد آ رہا ہے۔
اماں کی بے بسی!!
ابا باہر سے آ گئے اور انہوں نے اس نئی دائی کو دیکھ کر مجھ سے پوچھا۔

"صفدر، یہ نئی عورت کون ہے؟"

"اسی آیا کو ٹھیک کر کے اماں گئی ہیں، یہی کھانا بنائے گی۔"

"تمہاری اماں کہاں گئیں؟"
(ایک خاموشی)
"جواب دو" ——— "جعفر کہاں گئے؟"
"دونوں چلے گئے۔"
"کہاں۔"
"پٹنہ۔"

ابا کچھ سوچنے لگے ——— نہ معلوم وہ کھڑے کھڑے کیا سوچ رہے ہیں۔ نئی آیا کھانا بنا رہی ہے اور میں بگان میں جا کر ان مرغیوں کو بھگانے لگا جو ہمارے گوبھی کے پتوں کو کھا رہی تھیں اور پودوں کو خراب کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔

میرے اس چھوٹے سے بگان میں رنگ برنگ پھول کھلے ہوئے ہیں۔
سُرخ و سفید گلاب!
پیلے گیندے کے پھول!!

کچھ ہرے اور نیلے پھول بھی!!!
جنگلی پھول بھی ——— پھول بھی انسانوں
جنگلی ہوتے ہیں۔ زہریلے پھول۔ اور ہمیں وہ
ی باسی سائرہ یاد آرہی ہے۔
وہ بھی چلی گئی۔
میں گھوم پھر اکتا کر اپنے کمرے میں آگیا۔ دیوار پر
ویریں آویزاں ہیں۔ اماں اور میری ایک تصویر،
ری سائرہ اور اس کی تین سالہ بچی کی جو اس کے
ہر کی نشانی ہے۔
"اماں" ——— وہ بھی جا چکیں۔
(جانے والے لوٹ کر کبھی نہیں آتے)
"ابا...... ابا!"
"تم پڑھتے کیوں نہیں صفدر؟"
"میں پڑھتا تو ہوں۔ الف، ب، ت، ث۔
دوسروں سے انگریزی میں باتیں کرتے ہیں مگر میں
ی بول نہیں سکتا!"
"جاؤ، انگریزی پڑھو!"
"ابا!"
"میں پڑھتا ہوں، سارے جہاں سے اچھا
ستاں ہمارا!"
"صفدر، خاموش ہو جاؤ اب تم بڑے ہو گئے
گریزی پڑھو، آؤ میں تمہیں انگریزی پڑھاتا ہوں"

If hopes were dupes, fears may be liars,
It may be, in your smoke conc

پڑھاتے پڑھاتے جب ابا کی نظر سائرہ پر پڑتی
و وہ مجھے بولتے ہیں، جاؤ اسے یاد کرو!"

میرا بچپن بیت گیا۔
اماں اور ابا کی روز روز کی لڑائی سے میں تنگ
۔
اماں نے زہر کھا کر خودکشی کر لی۔
مجھے بہت غصہ آیا اور میں نے سائرہ کو ڈائیگر
یا!!
سب چلے گئے، ابا غم زدہ ہو کر چلے گئے۔ میں
کی اندھیری کوٹھری میں سلاخوں کے پیچھے پڑا
جعفر بھائی کو دوسرے ملک میں اچھی نوکری مل گئی
بھی یہاں سے بھاگ گئے، مجھے اکیلا چھوڑ کر۔

دوپہر ڈھل رہی تھی!
وقت بیتتے چلے گئے!!
میں جیل سے اپنی سزا کاٹ کر چلا آیا۔ ابا کہیں
جا کر کسی دوسری کو اپنا چکے تھے۔ حسین چچا نے کسی
ے کے یہاں نوکری کر لی۔ سب نے اپنی اپنی
الگ راہیں لیں۔

میں کسی کو بھی نہ پا سکا۔ جو میرے اپنے تھے اور بیگانے بھی۔ لوگ کہتے ہیں ماضی کے دھندلکے میں جھانکنے سے صبح کاذب کے اجالے نظر آتے ہیں، اور ماضی کے دھندلکوں میں جھانکنے کے لئے آنکھیں بند کرنی پڑتی ہیں تب آنکھیں بند کرنے سے ہر سمت اندھیرا چھا جاتا ہے اور اس اندھیرے کی گہرائی میں جیون کی وہ کہانی یاد آتی ہے جو بیت چکی ہوتی ہے۔

اور......!

میں جیل سے چھوٹنے پر اکیلا تھا۔

کرایہ کا مکان لیا۔ پرائمری اسکول میں ٹیچری ملی۔ ایک میٹرک پاس کو اس سے زیادہ اور کیا ملتا۔ میں نے اپنی تھوڑی سی عمر میں وہ سب نشیب و فراز دیکھے جیسے بہت کم لوگ اپنی ساری زندگی میں دیکھے ہوں گے۔

وہ سنہرے گھروندے ڈھ چکے تھے جو میں نے اپنے ہوش سنبھالنے کے بعد بنائے تھے اور اب۔

یہ ہونٹ خاموش تھے۔

ان نیلے بے جان ہونٹوں میں کوئی جان نہیں تھی۔

اچانک، ایک دن ان بے جان ہونٹوں میں جان میں جان آگئی۔ میں نے رات کو اپنا وقت بتانے کے لئے، رات کے کالج میں داخلہ لے لیا۔ میری ملاقات لتا سے ہوئی۔ میں نے اس پر کہانیاں لکھیں۔

ایک دن جسم قریب آگئے۔

اور میں نے چند دنوں کے بعد اپنے آپ کو کالج سے باہر پایا، کیونکہ کالج عشق لڑانے کی جگہ نہیں بلکہ پڑھنے کی جگہ ہے۔

میں اداس ہو گیا
اپنی پہلی محبت پر آنسو بہا رہا تھا!

حسین چچا تم کہاں ہو؟ آؤ اور اپنی ناکام عشق بھری کہانی سنا کر مجھے ڈھارس دو ——— مگر تم آؤ گے کیسے کیونکہ تم بھی تو مجھے اکیلا چھوڑ کر چلے گئے۔

میں کہانیاں لکھتا رہا۔

سائرہ کی بے بسی کی ——— اپنے باپ کی بے بسی کی۔

میرا ایک دوست ڈاکٹر بن گیا، ایک انجینئر، ایک پروفیسر۔ اور بہت سارے دوست کیا کیا بن کر ادھر ادھر چلے گئے۔ نئے دوستوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا سبھی کو اپنی اپنی منزل مل چکی، صرف میں اکیلا ایک قلم اور کاپی لئے شہر کی گلیوں کی خاک چھانتا پھرتا اپنی منزل کی تلاش میں، مگر میری منزل...... وہ تو پرائمری اسکول کے ایک ٹیچر کے روپ میں میرے گلے میں پڑی تھی۔

ایک ٹیچر ——— فنکار تھا، ایک بڑا ادیب تھا۔

شام!!
حسین شام!!

میں نے اپنے ذہن کے دریچوں کو بند کر لیا کہ اب کوئی نہ آئے مگر ڈاکٹر مسز چاولہ نے نہ جانے کہاں نقب لگا کر داخل ہو گئیں۔ قلم پھسل گیا۔

ایک ادبی محفل میں میں نے کہانی سنائی۔ میری کہانی بہت پسند کی گئی۔ ڈاکٹر مسز چاولہ نے دل کھول کر داد دی۔ وہیں میری پہلی ملاقات ہوئی پھر ہم دونوں ملتے رہے۔ وہ اپنی فی ایٹ کار پر ہاسپیٹل جاتی اور میں اپنی سائکل سے اسکول۔ اس سے ملاقات ہو جاتی باتیں ہوتیں۔

ایک دن اپنے دل کی بات میں نے مسز چاولہ سے کہہ دی، میں نے کہا۔

"جب سائرہ اپنے دوسرے شوہر کو چھوڑ کر میرے ادھیڑ عمر باپ کی بیوی بن سکتی ہے تو تم میری پہلی بیوی کیوں نہیں بن سکتی۔ تم بھی اپنے پہلے شوہر کو چھوڑ دو اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میری ہو جاؤ

"میں تم سے پیار کرتی ہوں صفدر، لیکن...."

"لیکن کیا؟ ——— آگے کہو!"

"تم ایک ادیب ہو، فنکار ہو۔ مگر پیار جو ہے وہ صرف دل کی گہرائیوں سے چاہنے سے ہی کام نہیں چلا دیتا بلکہ اس کے بھی کچھ لوازم ہیں۔ ایک خوبصورت سا فلیٹ، ایک موٹر کار، اچھے کپڑے کھانے اور نوکروں کی فوج۔ میں مانتی ہوں تمہارے پاس نام اور فن ہے مگر نام ضروریات پورے نہیں کر سکتے!"

اور جسم قریب آتے آتے الگ ہو گئے۔

"سائرہ غریب باپ اور غریب شوہر کی بیوی تھی، اسے تمہارے باپ کے یہاں وہ سب کچھ ملا جو وہ چاہتی تھی، مگر میں تمہارے پاس آنے سے پہلے اپنے پہلے شوہر کو کیسے چھوڑ دوں۔"

رات ڈھل رہی ہے!
میری جوانی بھی ڈھل گئی!!

اب میرے پاس کار ہے۔ ایک حسین سا گھر سورن ریکھا ندی کے کنارے ہے۔ ایک بڑا ہی خوبصورت باغ بھی ہے۔ اب میں لینڈ لارڈ ہوں مگر میرے پاس کوئی نہیں آیا میری اکیلی زندگی میں رنگ بھرنے۔ یہ سب کچھ ہے مگر پھر بھی میں اکیلا ہوں۔

اماں نہیں۔
ابا نہیں۔
جعفر بھیا اور حسین چچا نہیں۔
لتا اور ڈاکٹر مسز چاولہ نہیں

صرف میری ایک کہانی ہے۔ میرے تھکے ہارے جیون کی۔

(پٹنہ سے نشر)

قیصر رضا
اخلاقی لاج، باقر گنج پٹنہ ۴

دوسرا آدمی

اکرام فرحت

افضل ایک خوبصورت بنگلے سے برآمد ہوا اور ایک بیش قیمتی فورین میک ــــــ کی کار میں ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ایک لمحہ کے بعد اس کی خوبصورت بیوی جو بیش قیمتی بنارسی ساڑی میں ملبوس اور بھی زیادہ خوبصورت ہو گئی تھی، اس کے بغل میں آکر بیٹھ گئی۔ آج افضل خود کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ ورنہ وہ عام طور پر ڈرائیور کو ہی ساتھ رکھتا تھا۔ مگر آج ایک بہت ہی مخصوص پارٹی میں شرکت کی دعوت تھی جس میں ملک کے مخصوص وی، آئی، پی (V.I.P.) شریک ہو رہے تھے۔ وہ دل ہی دل میں کچھ لائحہ عمل تیار کرنے لگا اسلئے کہ آج ہی کئی کروڑ کی ٹھیکہ داری کا فیصلہ ہونے والا تھا۔ وہ بڑا خوش تھا...... اسے یہ ٹھیکہ داری حاصل ہونے کا بڑا یقین تھا...... کہ یک بیک اسے ایسا محسوس ہوا کہ پچھلی سیٹ پر کوئی قہقہہ لگا رہا ہے۔ پیچھے کی طرف پلٹ کر اس نے دیکھا، پچھلی سیٹ پر کوئی فراخ دلی سے ہنسے جا رہا تھا۔ وہ اس وقت بہت ہی سفاک اور ظالم نظر آ رہا تھا...... افضل اس دوسرے شخص کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔ اس نے بڑی نفرت اور غرور سے دوبارہ اس کی طرف دیکھا اور بولا......!!

"تم پھر آ گئے ــــــ؟ حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تم سے نفرت کرتا ہوں؟" جواباً وہ اور زور سے ہنس پڑا...... اور پھر چلتی کار سے چھلانگ لگا دی۔

افضل ونڈ اسکرین پر نظریں جمائے بڑی تیز رفتاری سے کار ڈرائیو کرتا رہا تاکہ جلد اپنی منزل پر پہونچ جائے اور ابھی وہ اس شہر کے سب سے بڑے ہوٹل کے مین گیٹ ــــــ تک ہی پہونچا تھا کہ ایک جانی پہچانی آواز نے پھر اسے چونکا دیا...... مگر اس کے عقب میں تو کوئی نہیں تھا۔ یوں تو ہزاروں لوگ اس سڑک پر رواں دواں تھے بالکل بے جان مشینوں کی طرح جن کا کام صرف چلنا ہے۔ ان میں سے کون بھلا اس کو پکارنے کی جرأت کرتا

اور پھر وہ جلدی سے ہوٹل میں داخل ہو گیا۔

"اوہ ڈیئر تم کہاں رک گئے تھے۔ اس کی بیوی نے بڑی ادا سے مسکرا کر کہا، ابھی ابھی مسٹر ورما تمہیں پوچھ رہے تھے....."

لیکن اس وقت نہ جانے کیوں افضل کو اپنی بیوی کی مسکراہٹ، اور اس کی ادا زہر سی لگی۔ حالانکہ عام طور سے وہ اپنی بیوی کی مسکراہٹ کو مونالزا کی مسکراہٹ سے زیادہ وقعت دیتا تھا۔

اب لائٹ کا زاویہ اور اس کا رنگ بدل چکا تھا اور ہلکی موسیقی کی جگہ تیز موسیقی گونجنے لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے بہت سارے جوڑے فرش پر تھرکنے لگے ــــــ اور روشنی اب اس انداز سے حرکت کر رہی تھی کہ ایک وقت میں صرف ایک ہی جوڑا روشنی کی زد میں ہوتا تھا۔ بقیہ تمام لوگ گہری تاریکی میں ــــــ اتنی گہری تاریکی کہ صرف اس جوڑے کے سوا جس پر روشنی مرکوز ہوتی دوسرے کو دیکھنا ممکن نہ ہوتا۔ صرف چھو کر یا گرم گرم سانسوں کے ذریعہ ہی محسوس کیا جا سکتا تھا

بیش قیمت ساڑیوں میں ملبوس عورتیں ایک مرد کے پہلو سے دوسرے مرد کے پہلو کی طرف بڑی تیز رفتاری سے سرکتی جا رہی تھیں۔ اور پھر یک بیک تیز روشنی کی پھوار سبھوں پر پڑی اور سب کے سب روشنی کا ایک حصہ بن گئے۔ میری بانہوں میں مسٹر جوشی کی بھدے جسم والی وائف کسمسا رہی تھی ــــــ اور میری بیوی مسٹر ورما کی بانہوں میں جھول رہی تھی۔

واپسی پر افضل بڑی خاموشی سے کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ لیکن اس کی بیوی اس کے بغل میں بیٹھی بڑی مسرور و شاداں تھی۔

"تم کیا سوچ رہے ہو ڈیر"

جواب میں...... گہری خاموشی......!!

"میں سمجھتی ہوں اس بار ہمیں وہ ٹھیکہ ضرور مل جائے گا"

پھر بھی...... افضل خاموش ہی رہا

اور اب دونوں نہایت ہی خوابناک بیڈ روم میں تھے۔ اس کی بیوی سو چکی تھی، بلکہ کوئی حسین خواب دیکھ رہی تھی شاید ــــــ! اس کے حسین رخسار اور لمبی لمبی کالی گھنیری زلفیں اس کے خوابیدہ جذبات کو جگانے میں مصروف تھیں۔ لیکن آج افضل بڑی کشمکش میں مبتلا تھا۔ اسے نیند بھی نہیں آ رہی تھی۔ اس کا سکون غارت ہو چکا تھا...... اچانک اسے وہ دوسرا شخص یاد آ گیا جسے اس نے کئی برس پہلے ایک فٹ پاتھ پر بڑی بے دردی سے کچل دیا تھا۔ اور اسے بڑی بے رحمی سے تڑپتا مچلتا چھوڑ آیا تھا۔ حالانکہ اس نے رو رو کر بڑی منت سماجت کی تھی۔ گڑگڑا کر کہا تھا کہ مجھے اکیلا نہ چھوڑ کر جاؤ۔ ہمارا تمہارا جنم جنم کا رشتہ ہے۔ میں تمہیں کبھی دکھ نہ دوں گا ــــــ مگر اس وقت تو مجھے اس کی ہر بات سے نفرت تھی۔ وہ بہت ہی فرسودہ باتیں کرتا تھا۔ لیکن سچ مچ اس کے پاس کتنا سکون تھا...... کتنی شانتی تھی اس کے ساتھ...... گرچہ کے بہت ہی فرسودہ مکان میں ہی سہی جس میں وہ

فضائے دشت خواب بے صدا تھی اور کچھ نہ تھا
مگر وہ چشم شوق تھی کہ وا تھی اور کچھ نہ تھا
تمام داستاں وزیب داستاں فضول تھی
کہ اس کی خوش سماعتی خفا تھی اور کچھ نہ تھا
برس گئی تھی جھوم کر جو میرے وجود پر
وہ میرے ہی خیال کی گھٹا تھی اور کچھ نہ تھا
جو شام جم کے رہ گئی نگاہ کے حصار میں
وہ میرے ہی سکوت کی ادا تھی اور کچھ نہ تھا
مری وفا کے جسم پر ہوس کی گرد جم گئی
تو یہ مرے نصیب کی خطا تھی اور کچھ نہ تھا
جو سر پہ ابر بن کے ساتھ چل رہی تھی دھوپ میں
وہ مامتا کی آخری دعا تھی اور کچھ نہ تھا

کا گ تھا اور نہ روشنی کا۔ مگر آرام تو تھا۔ ذہنی سکون
ی ــــــ اور اس وقت تو میں بظاہر کتنا
ی ہوں، کتنا شاداں و فرحاں...... میرے
و عشرت ہے۔ ایرکنڈیشنڈ بیڈروم کا خوابیدہ
ول ہے۔ وہ سب کچھ ہے جس کی کوئی شخص
کتا ہے...... لیکن اس وقت میں کتنا بکھرا
ــــــ تبھی وہ دوسرا شخص پھر آدھمکا
کہنا ہی چاہتا تھا کہ افضل خود اس سے مخاطب

"تم یہی کہنے آئے ہو نا کہ میرے پاس سب کچھ
زت ہے، دولت ہے۔ عیش و آرام ہے ــــ
روحانی سکون نہیں ہے...... میں ایک کرب میں
ں۔ سچ سچ آج مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا ہے کہ
تم کو بہت رسوا کیا، ذلیل کیا، تمہارے ساتھ غداری کی
ــــــ لیکن اب میں صبح کا بھولا شام کو گھر واپس آنا
ں۔ اس لئے پھر سے تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ
ہوں۔ کیا تم مجھے معاف کر کے اپنے سینے سے لگاؤ گے
شاید نہیں معلوم کہ ایک کرب، ایک درد، ایک
نے مجھے کبھی سکون سے رہنے نہ دیا...... میں کیا
میں نے اپنی لخت جگر افسانہ کو ایسی حالت میں دیکھا
دن وہ مسٹر ورما کے گھر سے واپس آئی تھی۔ اور
ن مجھے وہ گڈ مارننگ پاکہنا ضرور بھول گئی تھی ــ
ی تھوڑی دیر قبل کا حادثہ...... سانحہ......
یب، نئی قدریں...... مجھے کچھ یاد نہیں......
چکرا رہا ہے...... میں دلدل میں دھنسا جا رہا
مجھے نکالو...... مجھے نکالو۔
اور دوسری صبح وہ سب سے پہلے سو کر اٹھا
بالکل بدل چکا تھا اس لئے کہ وہ دوسرا شخص
ں سما چکا تھا...... وہ جو اس کا اپنا تھا۔ اور
س نے سب سے پہلے اپنی بیوی کو جگایا۔ پھر اپنے
ں لڑکوں کو پکارا۔ وہ دونوں آنکھیں ملتے ہوئے
زدہ خاموش آکر کھڑے ہو گئے۔ پھر اپنی بیٹی
کو بلایا۔ وہ نائٹ گون پہنے ہوئے انگڑائی لیتی ہوئی
ڈیڈی کے گردن میں جھول گئی۔
"کیا بات ہے ڈیڈ، اتنا سویرے سویرے
دیا......"
یک بیک وہ اچھل پڑا ــــــ افسانہ ذرا
یب سیکھو اور تہذیب سے بات کرو، کیا جوان
اپنے باپ سے اسی طرح بات کرتی ہے۔ اور سنو آج
تمہارا بے پردہ باہر نکلنا بند ــــــ اور پھر
کر اپنے پچھواڑے مکان میں گیا اور اس میں سے
نہایت ہی بوسیدہ میلا کچیلا نقاب لاکر بیوی کی طرف
ال دیا۔ سب کے سب مبہوت و ششدر کھڑے
گئے جیسے کسی کو کچھ سمجھ ہی میں نہ آیا ہو۔
(پٹنہ سے نشر)

نیشنل پروگرام

شاھد پرویز کا ستار وادن:
۱۷ر دسمبر رات ساڑھے نو بجے

شاہد پرویز نامور ستار نواز استاد وحید خاں کے پوتے ہیں موسیقی میں ان کو بچپن سے ہی دلچسپی تھی اور انھوں نے اپنے والد عزیز خاں سے ستار وادن سیکھنا شروع کر دیا تھا۔

ان کے فن میں الاپ کی غنایت راگوں کی اصل روح کے ساتھ ملتی ہے۔

وی وی سبرامنیم کا وائلن وادن:
۲۴ر دسمبر رات ساڑھے نو بجے

ملک کے مشہور وائلن نواز وی وی سبرامنیم کا تعلق موسیقاروں کے ایک خاندان سے ہے۔ موسیقی کی تعلیم انھوں نے اپنے والد وی وی ائیر سے حاصل کی۔ اس کے علاوہ انھوں نے چیمبائی ویدیا ناتھ بھاگوتار مسوری سبرامنیم ائیر سے بھی علم موسیقی حاصل کیا۔

اپنے فن کا مظاہرہ وہ ملک اور بیرون ملک موسیقی کی کئی محفلوں میں کر چکے ہیں۔

جشن تان سین کی ریکارڈنگ کا انتخاب: ۳۱ر دسمبر رات ساڑھے نو بجے

ہر سال کی مانند اس سال بھی ملک کے عظیم موسیقار تان سین کے مزار پر گوالیار میں ایک جشن موسیقی ۹ر ۱۰ر اور ۱۱ر دسمبر کو منعقد ہو رہا ہے یہاں ملک کے مختلف خطوں سے آئے موسیقار اس عظیم موسیقار کو خراج عقیدت پیش کریں گے۔ اس جشن کی ریکارڈنگ کا انتخاب موسیقی کے نیشنل پروگرام میں پیش کیا جائے گا۔

منگل شب کی محفل موسیقی

بھارتی بھٹاچاریہ کا گائن:
۲۰ر دسمبر رات ۱۰ر بجے

بھارتی بھٹاچاریہ کا تعلق گوالیار گھرانہ سے ہے۔ موسیقی کا شوق ان کو بچپن سے ہی تھا۔ اس میدان میں ان کی حوصلہ افزائی ان کے بڑے بھائی سور گیہ گوربند پادھیا نے کی۔ بعد میں انھوں نے سنگیت اچاریہ سور گیہ ستین گھوشال سے تربیت حاصل کی۔

آج کل آپ آکاشوانی سلی گوڑی سے منسلک ہیں۔

دوردرشن کیندر - سرینگر

پروڈکشن اسسٹنٹ - میک اپ اسسٹنٹ

فلم پروسیسر - فلم پروجیکشنسٹ

درکار ہیں

ڈائرکٹر دوردرشن کیندر سرینگر کو دوردرشن کیندر سری نگر میں اسٹاف آرٹسٹوں کی درج ذیل اسامیاں پُرکرنے کے لیے درخواستیں مطلوب ہیں. کام کی نوعیت، تعلیمی اہلیت اور فیس اسکیل وغیرہ سے متعلق تفصیلات درج ذیل ہیں۔

پروڈکشن اسسٹنٹ :- ۲ر اسامیاں (۱۲ اسامیاں شیڈول کاسٹ اور ایک شیڈول ٹرائب امیدواروں کے لیے مخصوص)

کام کی نوعیت :- پروڈیوسر کی ہدایات کے مطابق ہر پروڈکشن کے اخراجات کا تخمینہ تیار کرنا، پروگرام کی ضرورت کے مطابق اسٹوڈیو، اوقات، ریہرسل اور ریکارڈنگ جیسی بنیادی سہولیات کا انتظام کرنا. فنکاروں کو اسکرپٹ، ریہرسل چارٹ اور ڈرائنگ بھیجنا. کاسٹ کی فہرست تیار کرنا، کاسٹیوم، میوزک اور فوٹوگرافی کے اوقات تیار کرنا، فلور مینجر، ڈزائینر (وارڈروب) لائٹنگ ایکسپرٹ اور انجینیروں سے مل کر منصوبہ بنانا، ساؤنڈ ریکارڈنگ، ڈریسنگ روم اور ٹرانسپورٹ جیسی سہولیات کا انتظام کرنا. شعبے کے معمول کے مطابق کام کی نگرانی اور تمام ریکارڈز کی دیکھ بھال اور سنبھال کرنا۔

اہلیت (لازمی)

(i) کسی مسلمہ یونیورسٹی کی ڈگری ـــــ یا
کسی مسلمہ ادارے سے ٹی وی رفلم راسٹیج ڈائرکشن میں ڈگری یا ڈپلوما.

(ii) امیدوار نے میٹرک کا امتحان اردو رکشمیری بطور ایک مضمون کے ساتھ پاس کیا ہو ان میں سے کوئی زبان تعلیم کا ذریعہ رہی ہو۔

(iii) شمالی خطے میں خصوصاً جموں وکشمیر ریاست کے ادب اور ثقافت کی بخوبی واقفیت

فیس اسکیل :- ۴۲۵ - ۱۵ - ۵۰۰ - ای بی - ۱۵ - ۵۶۰ - ۲۰ - ۶۴۰ - ای بی - ۷۰۰ - ۲۵ - ۵۰، روپے اور ساتھ میں وہ بھتے جو دوردرشن کے اسٹاف آرٹسٹوں کو وقتاً فوقتاً دیے جاتے ہیں۔

۲- میک اپ اسسٹنٹ :- ۲ر اسامیاں (ایک اسامی شیڈول کاسٹ امیدوار کے لیے مخصوص)

کام کی نوعیت :- اسٹوڈیو میں ٹی وی پروڈکشن کے لیے چہرے کا اور دوسرا میک اپ کرنا، بصری ریکارڈنگ کے لیے بالوں کا ڈیزائن بنانا، آؤٹ ڈور فلم بندی کے لیے میک اپ کرنا اور میک اپ کے سامان کی خریداری میں تعاون۔

اہلیت (لازمی)

(i) میٹرک یا اس کے مساوی

(ii) میک اپ روم میں خصوصی ہدایت کے ساتھ کسی مسلمہ ادارے سے ڈپلوما یا سرٹیفکٹ یا اسٹیج، فلم یا ٹی وی میں میک اپ کا تین سالہ عملی تجربہ۔

فیس اسکیل :- ۴۲۵ - ۱۵ - ۵۰۰ - ای بی - ۱۵ - ۵۶۰ - ۲۰ - ۶۴۰ - ای بی - ۲۰۰ - ۷۰۰ - ۲۵ - ۵۰، روپے اور ساتھ میں وہ بھتے جو دوردرشن کے اسٹاف آرٹسٹوں کے قواعد کے تحت دیے جاتے ہیں۔

فلم پروسیسر :- ایک اسامی (غیر مخصوص)

کام کی نوعیت :- پروسیسنگ کنٹرولنگ اور فلم امیج کے لیے فلموں کی کلیننگ کرنا، لیبارٹری کی دیکھ بھال اور اس کی ذمہ داری، ٹی وی کے لیے پروسیس کی ہوئی فلموں کے مختلف اقسام کے ٹسٹ لینا. ایک فلم کے ٹکڑے سے ہائی اسپیڈ امیج کی دوسرے ٹکڑے پر ٹرانسفر کے ساتھ وابستہ پرنٹنگ، دوپلنگ اور ریکوئیرنگ کرنا. آرڈرز کی سنبھال اور لیبارٹری کے لیے درکار کیمیکل وغیرہ کی خریداری۔

اہلیت (لازمی)

(i) میٹرک یا اس کے مساوی اور ساتھ ہی کسی مسلمہ ادارے سے فلم پروسیسنگ میں ڈپلوما

قابلِ ترجیح :- کسی فلم پروسیسنگ لیبارٹری میں فلم پروسیسنگ کا دو سالہ تجربہ۔

فیس اسکیل :- ۳۳۰ - ۸ - ۳۷۰ - ۱۰ - ۴۰۰ - ای بی - ۱۰ - ۴۸۰ روپے اور ساتھ میں وہ بھتے جو دوردرشن کے اسٹاف آرٹسٹوں کے قواعد کے تحت دئے جاتے ہیں

۴- فلم پروجیکشنسٹ :- ایک اسامی (غیر مخصوص)

کام کی نوعیت :- ۱۶ ایم ایم اور ۳۵ ایم ایم کے پروجیکٹر چلانا، ڈبل ہینڈلے پروجیکٹر کی ریسٹرنگ اور تھریڈنگ فلم کو سمنٹ سے جوڑنا، پرنٹ کو ٹیپ کرنا اور ویکس لگانا، لوپنگ اور ری- ریکارڈنگ کے لیے ڈبنگ، تھیٹر میں پروجیکٹر چلانا، پروجیکٹر کو چالو حالت میں رکھنا۔

اہلیت (لازمی)

(i) کسی مسلمہ یونیورسٹی سے میٹرک یا اس کے مساوی

(ii) ۳۵ ایم ایم کیلئے سینما آپریٹر لائسنس اور ۱۶ ایم ایم پروجیکٹر، پبلک ایڈریس اکوپمنٹ، ٹیپ اور وائر ریکارڈنگ سے واقفیت۔

(iii) کسی سرکاری ادارے یا کمرشل سینما گھر میں پروجیکشن کے کام کا کم از کم دو سالہ تجربہ۔

فیس اسکیل :- ۳۳۰ - ۸ - ۳۷۰ - ۱۰ - ۴۰۰ - ای بی - ۱۰ - ۴۸۰ روپے اور ساتھ میں وہ بھتے جو دوردرشن کے اسٹاف آرٹسٹوں کو قواعد کے تحت دئے جاتے ہیں

مذکورہ بالا اسامیوں کے لیے عمر کی حد

یکم جولائی ۱۹۸۴ء کو ۲۱ر اور ۳۰ر سال کے درمیان. بھرتی کا مجاز افسر دوردرشن کے اسٹاف آرٹسٹوں اور وزارت اطلاعات ونشریات کے دیگر میڈیا یونٹوں میں ملازم اسٹاف آرٹسٹوں کو عمر کی بالائی حد میں رعایت دے سکتا ہے. یہ رعایت میڈیا یونٹوں میں ان کی منظور شدہ ملازمت کے عرصہ کے مساوی دی جاسکتی ہے. اس کے علاوہ شیڈول کاسٹ، شیڈول ٹرائب اور دیگر خصوصی زمروں کے امیدواروں کو مرکزی سرکار کی جانب سے سول اسامیوں کے لیے جاری کردہ ہدایات کے مطابق عمر کی حد میں رعایت دی جاسکتی ہے۔

مذکورہ بالا اسامیوں کے لیے عام ہدایات

۱- ٹسٹ انٹرویو کے لیے بلائے جانے والے امیدواروں کو اپنے اخراجات پر آنا ہوگا لیکن شیڈول کاسٹ رٹرائب امیدواروں کو قواعد کے مطابق سفر بھتہ دیا جائے گا بشرطیکہ وہ مرکزی یا ریاستی سرکار کے ملازم نہیں ہیں۔

۲- پبلک انڈرٹیکنگ کے اور سرکاری ملازمین اپنے درخواستیں اپنے دفتر کے توسط سے ارسال کریں. سرکاری ملازم کے انتخاب کی صورت میں اس کو دوردرشن میں تقرری سے قبل اپنی ملازمت سے استعفیٰ دینا ہوگا۔

۳- منتخب امیدوار کا تقرر رتبادلہ کسی بھی دوردرشن کیندر راپ گرہ دوردرشن کیندر پر کیا جاسکتا ہے۔

۴- تمام ضروری کارروائیوں کی تکمیل سے قبل منتخب امیدواروں کا تقرر ابتدا میں ماہانہ قابلِ تجدید معاہدے کی بنا پر کیا جائے گا. اس کے بعد اسٹاف آرٹسٹ کی حیثیت سے مقررہ فیس اسکیل میں تین سال کے معاہدے پر تقرری دی جائے گی اور ان سے دو

ت آزمائشی شمار کی جائے گی۔ آزمائشی مدت کی کامیاب تکمیل پر ان کے ساتھ
معاہدہ کیا جائے گا جو کہ امیدوار کی ۵۸ برس کی عمر تک چلے گا۔
یدوار درخواست سادہ کاغذ پر دیں اور اس میں پورا نام و پتہ، عمر، تاریخ پیدائش
کے لیے درخواست دی ہے اس کا نام، تعلیمی و پیشہ ورانہ قابلیتیں، تجربہ،
زگار وغیرہ سے متعلق تفصیلات درج کریں اور ساتھ میں تائیدی اسناد کی
دقہ نقول منسلک کریں۔ اس کے علاوہ اگر امیدوار نے کبھی پہلے بھی آل انڈیا ریڈیو
میں کسی اسامی یا اسامیوں کے لئے درخواست دی ہے یا اس کا کوئی رشتہ دار
ڈیو / دور درشن یا وزارت اطلاعات و نشریات کے کسی اور دفتر میں ملازم ہے تو
لق تفصیلات کا اندراج بھی اپنی درخواست میں کریں۔ یہ درخواستیں ڈائرکٹر
کیندر سرینگر کے پاس ۳۱ر دسمبر ۱۹۸۳ء تک پہونچ جانے چاہئیں۔
یک سے زائد زمروں کے اسامیوں کے لیے درخواست دینے کے اہل امیدوار
کے لیے علیحدہ اور ہر لحاظ سے مکمل درخواست دیں۔ ایک درخواست صرف ایک ہی
واسطے قابلِ غور سمجھی جائے گی۔
رخواستیں موصول ہونے کی مقررہ آخری تاریخ کے بعد ملنے والی، نامکمل
صدقہ نقول کے بغیر اور دفتر کے توسط سے نہ آنے والی درخواستیں کسی بھی حالت
بول نہ ہوں گی۔ امیدوار اس طرح درخواست دیں کہ درخواست ان کے دفتر کے
ہم تک مقررہ آخری تاریخ تک یقینی طور پر پہونچ جائے۔
میدوار کے انتخاب سے قبل یا بعد میں کسی وقت یہ انکشاف ہوا کہ اس نے عمداً فروری
کو پوشیدہ رکھا ہے تو اس کا تقرر منسوخ کر دیا جائے گا۔
سی بھی قسم کے اثر و رسوخ کے استعمال کی کوشش امیدوار کی ناموزونیت کا سبب
گی۔

ودرشن کیندر - دھلی

وڈکشن اسسٹنٹ - فلم ایڈیٹر
افک آرٹسٹ - نیوز فلم لائبریرین
م پروسیسر - سینیک ڈزائنر
مرہ مین گریڈ II - ساؤنڈ ریکارڈسٹ
اور میک اپ اسسٹنٹ
درکار ھیں

ڈائریکٹر دوردرشن کیندر نئی دہلی کو دوردرشن کیندر نئی دہلی / اُپ گرہ دوردرشن
دہلی وغیرہ میں درج ذیل اسامیاں پُر کرنے کے لیے امیدواروں سے درخواستیں
ہیں۔ کام کی نوعیت، فیس اسکیل، تعلیمی قابلیت اور عمر کی بالائی حد سے متعلق
کا اندراج ہر ایک اسامی کے زمرے کے ساتھ موجود ہے۔ فیس اسکیل میں وہ
ال نہیں ہیں جو ہر اسامی کے لیے وقتاً فوقتاً دئے جاتے ہیں۔ درخواستیں
ے زیادہ ۲۴ر دسمبر ۱۹۸۳ء تک ڈائرکٹر دوردرشن کیندر نئی دہلی چوتھی منزل
نی بھون، سنسد مارگ نئی دہلی کے پتے پر پہنچ جانی چاہئیں۔

منعلقہ عمر کی بالائی حد یکم جولائی ۱۹۸۳ء تک ہونی چاہیے۔ بھرتی کا مجاز افسر شیڈول کاسٹ شیڈول ٹرائب اور دیگر خصوصی زمروں کے امیدواروں کو سول اسامیوں کے لیے مرکزی سرکار کی جانب سے وقتاً فوقتاً جاری کردہ ہدایات کے مطابق عمر کی بالائی حد میں رعایت دے سکتا ہے۔ ہر زمرے کے ساتھ درج اسامیوں کی تعداد میں ضرورت پڑنے پر کمی و بیشی کی جاسکتی ہے۔

(۱) **پروڈکشن اسسٹنٹ**:۔ (نیوز اینڈ کرنٹ افیئرز) ۲ر اسامیاں (دوردرشن کیندر نئی دہلی کے لیے) (ایک اسامی شیڈول ٹرائب امیدوار کے لیے مخصوص ہے اور ایک غیر مخصوص ہے)

اہلیت۔ لازمی

(ا) کسی مسلمہ یونیورسٹی سے ڈگری

(اا) کسی مسلمہ ادارے سے صحافت میں ڈگری / ڈپلوما یا
کسی نشریاتی ادارے، مشہور اخبار / نیوز ایجنسی / ٹی وی نیوز ایجنسی میں خبروں سے متعلق کام کرنے کا کم از کم ایک سال کا تجربہ۔

(ااا) اسامی سے متعلق زبان ہندی میں ہندی پڑھنے، لکھنے اور بولنے کی صلاحیت

قابلِ ترجیح:۔ ریڈیو / ٹی وی / ایڈورٹائزنگ ایجنسی یا ابلاغ عامہ کے کسی اور میڈیا میں پروڈکشن یا ریپریزنٹیشن کا تجربہ۔

عمر:۔ یکم جولائی ۱۹۸۳ء کو ۲۱ اور تیس برس کے درمیان۔

فیس اسکیل:۔ ۴۲۵ - ۱۵ - ۵۰۰ - ای بی - ۱۵ - ۵۶۰ - ۲۰ - ۶۴۰ - ای بی - ۲۰ - ۷۰۰ - ۲۵ - ۷۵۰ روپے۔

۲۔ **فلم ایڈیٹر**:۔ ۲ر اسامیاں (ایک اسامی شیڈول کاسٹ امیدوار کے لیے دوردرشن کیندر دہلی میں مخصوص اور ایک اسامی اپ گرہ دوردرشن کیندر میں غیر مخصوص۔

کام کی نوعیت:۔ خاموش اور بولتی فلموں کی ایڈیٹنگ، ایڈیٹنگ آلات کی سنبھال، لاگ بک میں کی نمبروں کا اندراج، لائبریری شاٹس اور ساؤنڈ ایفیکٹس نگیٹیو، پرنٹ اور ساؤنڈ ٹریکس چیک کرنا۔

اہلیت لازمی

(ا) میٹرک یا اس کے مساوی۔

(اا) کسی مسلمہ ادارے سے فلم ایڈیٹنگ میں ڈگری / ڈپلوما

(ااا) امیدوار نے مڈل اسکول کا امتحان یا اس کے مساوی امتحان اسامی سے متعلقہ مقامی زبان (ہندی) بطور ایک مضمون کے ساتھ پاس کیا ہو۔

(یہ شرط ان امیدواروں کے لیے نہیں ہے، اسامی سے متعلق زبان جن کی مادری زبان ہے یا پرائمری اور سکنڈری اسکول میں یہ زبان ان کا وسیلہ تعلیم رہی ہے)

عمر کی حد:۔ یکم جولائی ۸۳ء کو ۱۸ر اور ۳۰ر برس کے درمیان۔

فیس اسکیل:۔ ۴۲۵ - ۱۵ - ۵۰۰ - ای بی - ۱۵ - ۵۶۰ - ۲۰ - ۶۴۰ - ای بی - ۲۰ - ۷۰۰ - ۲۵ - ۷۵۰ روپے

۳۔ **گرافک آرٹسٹ**:۔ ۳ر اسامیاں (ایک اسامی شیڈول کاسٹ امیدوار اور ایک شیڈول ٹرائب امیدوار کے لیے مخصوص اور ایک غیر مخصوص ہے)

کام کی نوعیت:۔ تمام طرح کے گرافک میٹریل جیسے کیپشن، چارٹ، نقشے اور ماڈل تیار کرنا، میٹریل کی خریداری اور فراہمی، پروڈکشن کے لیے ٹائیٹل اور کیپشن تیار کرنا۔

تعلیمی اور دیگر اہلیتیں (لازمی)

(ا) فائن / کمرشل آرٹ میں کسی مسلمہ ادارے سے ڈپلوما۔

(اا) کسی کمرشل ادارے یا سرکاری ادارے میں وژول اور لیٹرنگ

...دو سالہ تجربہ۔
...میدوار نے میٹرک یا اس کے مساوی امتحان اسامی سے متعلق زبان (ہندی)
...سیدہ تعلیم کے ساتھ پاس کیا ہو۔
قابلِ ترجیح :۔ ایک سے زائد ہندوستانی زبانوں سے واقفیت (لازمی اہلیت کے خانے (iii) میں درج سطح کی۔
عمر کی حد :۔ یکم جولائی ۱۹۸۳ء کو ۲۱ اور ۳۰ برس کے درمیان۔
فیس اسکیل :۔ ۴۲۵ - ۱۵ - ۵۰۰ - ای بی - ۱۵ - ۵۶۰ - ۲۰ - ۶۴۰ - ای بی - ۲۰ - ۷۰۰ - ۲۵ - ۷۵۰،
۴۔ نیوز فلم لائبریرین :۔ ایک اسامی (شیڈول کاسٹ امیدوار کے لیے مخصوص)
کام کی نوعیت :۔ نیوز فلم لائبریری کی سنبھال، نیوز فلموں بشمول، نیوز فلم کلپ، اسٹل فوٹوگراف، نقشے وغیرہ کی انڈیکسنگ اور کیٹلاگنگ کرنا۔ اسٹاک رجسٹر وصول و اجرا رجسٹر کی سنبھال، نیوز آرگنائزیشنز اور اسٹرنگرز وغیرہ سے موصول فلم کی سنبھال اور چیک کرنا۔

اہلیت (لازمی)

(i) کسی مسلمہ یونیورسٹی کی ڈگری۔
(ii) کسی مسلمہ یونیورسٹی سے لائبریری سائنس میں ڈپلوما۔

عمر کی حد :۔ یکم جولائی ۱۹۸۳ء کو ۲۱ اور ۳۰ برس کے درمیان۔
فیس اسکیل :۔ ۳۳۰ - ۱۰ - ۳۸۰ - ای بی - ۱۲ - ۵۰۰ - ای بی - ۱۵ - ۵۶۰ روپے۔
۵۔ فلم پروسیسر :۔ ۳ اسامیاں (ایک اسامی شیڈول ٹرائب امیدواروں کے لیے مخصوص اور ۲ اسامیاں غیر مخصوص۔
کام کی نوعیت :۔ پروسیسنگ کے لیے فلم کلیننگ کرنا، فلم امیج کنٹرول کرنا لیبارٹری کی دیکھ بھال اور اس کی ذمہ داری، ٹی وی کے لیے پروسس کی ہوئی فلموں کے مختلف اقسام کے ٹسٹ لینا۔ ایک فلم کے ٹکڑے سے ہائی اسپیڈ امیج کی دوسرے ٹکڑے پر ٹرانسفر کے ساتھ وابستہ پرنٹنگ، ڈیولپنگ اور ریکوریزنگ کرنا آرڈرز کی سنبھال اور لیبارٹری کے لیے درکار کیمیکل وغیرہ کی خریداری۔

تعلیمی اہلیتیں (لازمی)

(i) میٹرک یا اس کے مساوی اور ساتھ ہیں کسی مسلمہ ادارے سے فلم پروسیسنگ میں ڈپلومہ۔

قابلِ ترجیح :۔ کسی فلم پروسیسنگ لیبارٹری میں فلم پروسیسنگ کے کام کا دو سالہ تجربہ۔
فیس اسکیل :۔ ۳۳۰ - ۸ - ۳۷۰ - ۱۰ - ۴۰۰ - ای بی - ۱۰ - ۴۸۰ روپے۔
عمر کی حد :۔ یکم جولائی ۱۹۸۳ء تک ۱۲ اور ۳۰ برس کے درمیان۔
۶۔ سینک ڈیزائینرز :۔ ۸ اسامیاں (شیڈول کاسٹ امیدواروں کیلئے ۲ اور شیڈول ٹرائب امیدواروں کے لیے ایک اسامی مخصوص)
کام کی نوعیت :۔ پلان، ڈرائنگ اور اسکیچ کے مطابق فلور اور منظر سامان پر منظر کشی یا دیگر آرٹ ورک کرنا۔ سرفیس ٹیکسچر، وال پیپر، فوٹوگراف اور دیگر خصوصی سامان کا استعمال، سہ پہلوی تاثر کے ساتھ فلیٹس، پینلس، بیک ڈراپس پر آرکی ٹیکچرل کاری پروڈکشن۔ تمام طرح کا آؤٹ لائن اور آرٹ ورک کرنا ہر طرح کی لیٹرنگ، اسٹیمپس اور اسٹنسلس تیار کرنا، سامان تیار کرنا، درکار سامان کا ریکارڈ تیار کرنا، سپرد کردہ کام سے متعلق میٹنگوں میں شرکت کرنا سنک پراپرٹی اور وارڈروب کے سامان کی خریداری کا تخمینہ تیار کرنا اور ان کو حفاظت سے رکھنے کی ذمہ داری سینک سیکشن میں درکار سامان کا اجرا (خواہ سیٹ کے لیے درکار لکڑی کا سامان یا ملبوسات کے لیے درکار کپڑا ہو) اسٹورس اور وارڈروب کے دیگر سامان کا اجرا، اسٹور کا اکاؤنٹ تیار کرنا، تیار سامان کا حساب کتاب رکھنا، سامان اور ملبوسات کرائے پر لانا، ہر مالی سال کے اختتام پر موجود سامان کی تصدیق کرنا اور ناقابلِ مرمت سامان کا ڈسپوزل۔ اس کام میں سینک ڈیزائنرز کی مدد کے لیے سیٹ سپروائزر اور پراپرٹی اور وارڈروب اسسٹنٹ کا تعاون حاصل کرنا۔

اہلیت (لازمی)

(i) اسٹیج کرافٹ میں کسی مسلمہ ادارے سے ڈگری یا ڈپلومہ۔

قابلِ ترجیح :۔ اسٹیج کرافٹ میں تین سال کا تجربہ
فیس اسکیل :۔ ۵۵۰ - ۲۵ - ۷۵۰ - ای بی - ۳۰ - ۹۰۰ روپے
عمر کی حد :۔ یکم جولائی ۱۹۸۳ء کو ۲۱ اور ۳۰ برس کے درمیان
۷۔ کیمرہ مین گریڈ II :۔ (نئی دہلی، رائے پور، مظفر پور اور دیگر دوردرشن کیندروں اور اوپ گرہ دوردرشن کیندروں کے لیے ۵۲ اسامیاں (۱۵ اسامیاں شیڈول کاسٹ کے لیے، ۷ شیڈول ٹرائب کے لیے مخصوص) (۳۰ غیر مخصوص)
کام کی نوعیت :۔ ہر اقسام کے فلم اور الیکٹرونکس ٹی وی اور کیمروں کی بخوبی واقفیت، کمپوزیشن اور کوآرڈینیشن کی بخوبی سمجھ، الیکٹرونک اور فلم کیمرہ سے پروگراموں کی شوٹنگ کی ذمہ داری، اور مجموعی طور پر ٹی وی کارکردگی کے تکنیکی اور آرٹسٹک مسائل سے آگاہی۔

اہلیت (لازمی)

(i) میٹرک یا اس کے مساوی
(ii) کسی مسلمہ ادارے سے سینیموگرافی میں تین سالہ تجربہ۔

قابلِ ترجیح :۔ موشن پکچر فوٹوگرافی میں تین سالہ تجربہ۔
عمر :۔ یکم جولائی ۱۹۸۳ء کو ۲۱ اور ۳۰ برس کے درمیان
فیس اسکیل :۔ ۵۵۰ - ۲۵ - ۷۵۰ - ای بی - ۳۰ - ۹۰۰ روپے
ساؤنڈ ریکارڈسٹ :۔ ۶ اسامیاں (دوردرشن کیندر دہلی کے لیے ۲ اپ گرہ دوردرشن کیندر دہلی کے لیے ۲۔ اپ گرہ دوردرشن کیندر رانپور کیلیے ۲ (دوردرشن کیندر دہلی میں ایک اسامی شیڈول کاسٹ اور ایک شیڈول ٹرائب کے لیے مخصوص۔ باقی غیر مخصوص۔
کام کی نوعیت :۔ فلم پروگراموں کے لیے ساؤنڈ ریکارڈ کرنا، مائیکروفون لگانے میں تعاون، ساؤنڈ کیمرہ مین کے جنرل اسسٹنٹ کے طور پر کام کرنا، جب اور جہاں ضرورت ہو فلم ایڈیٹنگ اور پروسیسنگ میں مدد دینا۔

اہلیت (لازمی)

(i) میٹرک یا اس کے مساوی
(ii) کسی مسلمہ ادارے سے ساؤنڈ ریکارڈنگ میں ڈپلوما۔

عمر :۔ یکم جولائی ۱۹۸۳ء کو ۲۱ اور ۳۰ برس کے درمیان
فیس اسکیل :۔ ۴۲۵ - ۱۵ - ۵۰۰ - ای بی - ۱۵ - ۵۶۰ - ۲۰ - ۶۴۰ - ای بی - ۲۰ - ۷۰۰ - ۲۵ - ۷۵۰ روپے
۹۔ میک اپ اسسٹنٹ :۔ ایک اسامی (اپ گرہ دوردرشن کیندر نئی دہلی کے لئے شیڈول ٹرائب امیدوار کے لیے مخصوص)

اہلیت (لازمی)

(i) میٹرک یا اس کے مساوی
(ii) میک اپ کے کام میں خصوصی مہارت کے ساتھ کسی مسلمہ ادارے سے ڈپلوما یا سر ٹیفکٹ یا اسٹیج / فلم / ٹی وی میں میک اپ کے کام کا تین سالہ تجربہ۔

عمر :۔ یکم جولائی ۱۹۸۳ء کو ۲۱ اور ۳۰ برس کے درمیان۔
فیس اسکیل :۔ ۴۲۵ - ۱۵ - ۵۰۰ - ای بی - ۱۵ - ۵۶۰ - ۲۰ - ۶۴۰ - ای بی - ۲۰ - ۷۰۰ - ۲۵ - ۷۵۰ روپے۔

ره بالا اسامیوں کے لیے عام ہدایات

رہ بالا اسامیوں کے امیدواروں کو انٹرویو کے لیے اپنے اخراجات پر پہنچنا ہوگا۔
رکاری ملازمین اپنی درخواستیں اپنے دفتر کے توسط سے ارسال کریں۔ اور
ستیں مقررہ آخری تاریخ تک پہنچ جانی چاہئیں۔
ب امیدوار کا تبادلہ بھارت کے کسی بھی دور درشن کیندر یا اپ گرہ دوردرشن کیندر
سکتا ہے۔
خواست سادہ کاغذ پر درج ذیل شکل میں دیں۔

ور درشن کیندر دہلی اور دیگر مقامات پر اسٹاف کی بھرتی)

پاسپورٹ سائز فوٹو
چسپاں کریں

را نام جلی حروف میں
ریخ پیدائش
م جولائی ۱۹۸۳ء کو عمر (دستاویزی ثبوت کے ساتھ)
الد کا نام
ط و کتابت کا پتہ
ستقل پتہ
س اسامی کے لیے درخواست دی ہے
یا امیدوار ڈیپارٹمنٹل امیدوار ہے؟ اگر ہاں تو اسامی اور کیندر کا ذکر کریں
لیمی اور پیشہ ورانہ اہلیت اور تجربہ وغیرہ (اسناد کی فوٹو اسٹیٹ یا مصدقہ نقول
نسلک کریں)
آیا امیدوار شیڈول کاسٹ یا شیڈول ٹرائب ہے؟ اگر ہاں تو کاسٹ لکھیں۔
سرٹیفکٹ کی فوٹو اسٹیٹ یا مصدقہ نقل منسلک کریں)
موجودہ روزگار (اگر ہے) کی تفصیلات۔ ساتھ میں اسناد کی مصدقہ نقول منسلک
کریں۔
جو زبانیں جانتے ہیں، پڑھ سکتے ہیں ــــ لکھ سکتے ہیں، بول سکتے ہیں
دوردرشن / آل انڈیا ریڈیو یا وزارت اطلاعات و نشریات کے کسی میڈیا یونٹ
یں ملازم رشتہ داروں کی تفصیل۔
آیا امیدوار جسمانی طور پر معذور ہے (ہاں / نہیں)
اگر ہاں تو سرٹیفکٹ کی فوٹو اسٹیٹ یا مصدقہ نقل منسلک کریں۔
کوئی اضافی معلومات جو امیدوار بہم پہنچانا چاہے۔

تاریخ
(۱) امیدوار کے دستخط

(۲) پورا نام

اپ گرہ دوردرشن کیندر کی اسامیاں وقتی طور پر نئی دہلی ہیں۔ آئندہ سال جے پور منتقل ہو جانے کا امکان ہے

متعلقہ میدان میں تجربہ رکھنے والے شعبہ جاتی امیدواروں کے معاملے میں سرکار ضروری سمجھنے پر اہلیت میں اعانت دے سکتی ہے

انتخاب سے پہلے یا بعد میں انکشاف ہوا کہ امیدوار نے عمداً ضروری معلومات کو پوشیدہ رکھا ہے یا غلط بیانی سے کام لیا ہے تو اس کا تقرر منسوخ کیا جا سکتا ہے

مقررہ تاریخ کے بعد موصول ہونے والی درخواستیں کسی بھی حالت میں قابلِ قبول نہ ہوں گی۔

کسی بھی قسم کے اثر و رسوخ کے استعمال کی کوشش امیدوار کی ناموزونیت کا سبب ثابت ہوں گی۔

ایک سے زائد اسامیوں کے لیے درخواست دینے کے خواہش مند امیدوار ہر ی کے لیے علیحدہ درخواست دیں۔

ہر لحاظ سے مکمل درخواستیں، ڈائرکٹر دوردرشن کیندر، چوتھی منزل، آکاشوانی بھون سنسد مارگ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱ کے پتے پر ۲۴ دسمبر ۱۹۸۳ء تک پہنچ جانا چاہیے اس کے بعد موصول ہونے والی درخواستوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔

اردو سروس

پہلی مجلس
میڈیم ویو : ۴۲۷٫۳ میٹر (۷۰۲ کلوہرٹز) ۲۸۰٫۱ میٹر (۱۰۷۱ کلوہرٹز)
شارٹ ویو : ۴۱٫۹۰ میٹر (۷۱۶۰ کلوہرٹز)

دوسری مجلس
میڈیم ویو : ۴۲۷٫۳ میٹر (۷۰۲ کلوہرٹز) ۲۸۰٫۱ میٹر (۱۰۷۱ کلوہرٹز)
شارٹ ویو : ۳۱٫۰۱ میٹر (۹۶۷۵ کلوہرٹز)

تیسری مجلس
میڈیم ویو : ۴۲۷٫۳ میٹر (۷۰۲ کلوہرٹز)
شارٹ ویو : ۹۱٫۰۵ میٹر (۳۲۹۵ کلوہرٹز)

مقررہ پروگراموں کے لیے 'آواز' شمارہ یکم دسمبر دیکھیے

جمعہ ۱۶ دسمبر

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی
تلاوت قرآن پاک، نعت خوانی اور نعتیہ کلام
۶-۲۵ پرانی فلموں سے
۷-۰۰ شہر صبا
شنو بھناراؤ : غزلیں
کمل ہنس پال : رام کرشن مضطر اور ساحر کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
رادھیکا موہن موئترا : سرود پر راگ میاں کی توڑی
۹-۳۲ آپکے خط آپکے گیت

دوپہر

۲-۰۷ کہانی ایک گیت کی
۲-۳۰ رنگِ نو
۳-۰۰ آواز دے کہاں ہے

رات

۸-۱۵ سازینہ
۸-۳۰ حسنِ غزل
شنو بھناراؤ : غزلیں
۸-۴۵ ساز اور آواز
۱۰-۰۰ روبرو
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
رادھیکا موہن موئترا : سرود پر راگ چھایا
سیارام تیواری : الاپ، دھمار، راگیشری

نعت، قوالی اور شبد
۶-۲۵ پرانی فلموں سے
۷-۰۰ شہر صبا
راجندر مہتہ، نینا مہتہ، کیفی اعظمی اور جاں نثار اختر کا کلام
مجدد نیازی : غزلیں
۷-۳۰ ساز سنگیت
پنڈت گوپال مشرا : سارنگی پر توڑی
۹-۳۲ ہلکی کلاسیکی موسیقی
رسولن بائی : ٹھمری بھیرویں، دادرا، ٹھمری اور کجری

دوپہر

۲-۰۷ سب رس
۲-۳۰ بزم خواتین
(۱) اختلاف کیوں، روایت پسند اور ترقی یافتہ میں، مذاکرہ
شرکا : منجو موہن، ہستما بھٹناگر، تارکیشوری سنہا اور منورما دیوان
(۲) غزل
(۳) خطوں کے جواب
۳-۰۰ بھیر سنیئے

رات

۸-۱۵ آہنگ نظم
۸-۳۰ حسن غزل
راجندر مہتہ اور نینا مہتہ : جاں نثار اختر اور شکیل بنارسی کا کلام
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ ریڈیو نیوز ریل
۹-۳۰ منظر و پس منظر
۱۰-۰۰ بزم موسیقی
پنڈت گوپال مشرا، سارنگی پر راگ مارو بہاگ

ہفتہ ۱۷ دسمبر

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی

جگدیش پرساد چیتی

اتوار ۱۸ دسمبر

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی قوالی

۶-۲۵ پرانی فلموں سے

۷-۰۰ شہر صبا

بیگم، اقبال اور فیض کا کلام

نشار اختر اور

پنڈت بیتاب کا کلام

۷-۳۰ ساز سنگیت

نظام الدین، طبلے پر روپک تال

۹-۳۲ چلتے چلتے

دوپہر

۲-۰۰ آپ کا خط ملا

۲-۳۰ گیتوں بھری کہانی

۳-۰۰ فلمی قوالیاں

رات

۸-۱۵ آواز دے کہاں ہے

۸-۴۵ ساز اور آواز

۹-۰۰ کتابوں کی باتیں

۹-۳۰ گجر بن گائے

راجیش کماری بتو، ٹھمری

۱۰-۰۰ ڈرامہ

۱۱-۳۰ بزم موسیقی

نظام الدین خاں طبلے پر تین تال

سوہن سنگھ، خیال درباری

پیر ۱۹ دسمبر

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی

نعت، قوالی اور شبد

۶-۲۵ پرانی فلموں سے

۷-۰۰ شہر صبا

ریتا گنگولی، جاں نثار اختر اور

امیر قزلباش کا کلام

راجکمار رضوی، محمود شاہین کا کلام

۷-۳۰ ساز سنگیت

شرن رانی، ستار

۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی

دوپہر

۲-۰۰ نگاہ انتخاب

۳-۰۰ شرن رانی، سرود

رات

۸-۱۵ آہنگ نظم

۸-۳۰ حسن غزل

۸-۴۵ ساز اور آواز

۹-۰۰ کلام شاعر

۹-۳۰ قوالیاں

۱۰-۰۰ کہکشاں

۱۱-۳۰ بزم موسیقی

شرن رانی، ستار

منگل ۲۰ دسمبر

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی، قوالی

۶-۲۵ پرانی فلموں سے

۷-۰۰ شہر صبا

گھنشیام داس، بشیر بدر کا کلام

نیلم ساہنی، اثر لکھنوی اور فراق کا کلام

۷-۳۰ ساز سنگیت

وی جی جوگ: وائلن پر راگ توڑی

۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی

سویتا دیوی: خیال

دوپہر

۲-۰۰ بھکتی گیت

۲-۳۰ میری پسند

۳-۰۰ نئی نسل نئی روشنی

رات

۸-۱۵ سازینہ

۸-۳۰ حسن غزل

گھنشیام داس، خمار بارہ بنکوی

اور جاں نثار اختر کا کلام

۸-۴۵ ساز اور آواز

۹-۳۰ علاقائی نغمے

۱۰-۰۰ کھیل کے میدان سے

۱۱-۳۰ بزم موسیقی

وی جی جوگ: وائلن پر راگ

جے جے ونتی

سویتا دیوی، خیال

بدھ ۲۱ دسمبر

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی

نعت، قوالی اور بھجن

۶-۲۵ پرانی فلموں سے

۷-۰۰ شہر صبا

ہربنس بھاردواج، فراق کا کلام

سیما شرما، غزلیں

۷-۳۰ ساز سنگیت

سکندر حسین خاں وساتھی،

شہنائی پر راگ جوگیہ

۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی

سنگھ بندھو، گائن

دوپہر

۲-۰۰ سب رس

۲-۳۰ بزم خواتین

(۱) تقریر (۲) گیت (۳) دسترخوان

۳-۰۰ بات ایک فلم کی

رات

۸-۱۵ آہنگ نظم

۸-۳۰ حسن غزل

سیما شرما، غزلیں

۸-۴۵ ساز اور آواز

۹-۰۰ شہر نامہ

۹-۳۰ قوالیاں

۱۰-۰۰ ریڈیو دوستی

۱۱-۳۰ بزم موسیقی

سکندر حسین خاں وساتھی،

شہنائی پر راگ شری

سنگھ بندھو، خیال جے جے ونتی

جمعرات ۲۲ دسمبر

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی، قوالی

۶-۲۵ پرانی فلموں سے

۷-۰۰ شہر صبا

شنکر داس گپتا، شمیم جے پوری اور

عرش ملسیانی کا کلام

مینا کپور، آتش اور مومن کا کلام

۷-۳۰ ساز سنگیت

بلرام پاٹھک، ستار پر بھیروی

۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی

شیلا دھر، خیال بیراگی

دوپہر

۲-۰۰ دھوپ چھاؤں

۲-۳۰ حرف غزل

۳-۰۰ ایک فنکار

رات

۸-۱۵ سازینہ

۸-۳۰ حسن غزل

شنکر داس گپتا، ساحر لدھیانوی اور

اکبر الہ آبادی کا کلام

۸-۴۵ ساز اور آواز

۹-۰۰ حفظان صحت

۹-۳۰ قوالیاں

۱۰-۰۰ آئینہ

۱۱-۳۰ بزم موسیقی

بلرام پاٹھک، ستار پر راگ مین کلیان

شیلا دھر، خیال شاہانہ

جمعہ ۲۳ دسمبر

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی

تلاوت قرآن پاک، نعت خوانی

نعتیہ کلام

۶-۲۵ پرانی فلموں سے

۷-۰۰ شہر صبا

رونا لیلیٰ، ظفر اور فیض کا کلام

غلام عباس، حسرت موہانی کا کلام

۷-۳۰ ساز سنگیت

یعقوب علی خاں، سرود پر راگ بھیروی

۹-۳۲ آپ کے خط آپ کے گیت

دوپہر

۲-۰۰ سات سوال

۲-۳۰ یادیں بن گئیں گیت

۳-۰۰ آواز دے کہاں ہے

رات

۸-۱۵ سازینہ

۸-۳۰ حسن غزل

رونا لیلیٰ، داغ اور فیض کا کلام

۸-۴۵ ساز اور آواز

۹-۳۰ پنجابی گیت

۱۰-۰۰ روبرو

۱۱-۳۰ بزم موسیقی

یعقوب علی خاں، سرود پر راگ

چندر کونس

بھیم سین جوشی، خیال پوریا کلیان

ہفتہ ۲۴ دسمبر

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی

نعت، قوالی اور شبد

۶-۲۵ پرانی فلموں سے

۷-۰۰ شہر صبا

سریندر کمار، رام کرشن مضطر اور

عزیز وارثی کا کلام

نرملا دیوی: فیض کا کلام

۷-۳۰ ساز سنگیت

ضیاء محی الدین خاں ڈاگر، وینا پر توڑی

کلاسیکی موسیقی
بیگم اختر، ٹھمری، دادرا
گیت آپ کے شعر ہمارے
بزم خواتین
آپ کی ذمہ داریاں ـ شوہر کی دلجوئی،
تقریر از نجمہ محمود
غزل
خطوں کے جواب
ہنسیے
آہنگ نظم
حسن غزل
ملا دیوی، داغ دہلوی اور ماہر کا کلام
ساز اور آواز
ریڈیو نیوز ریل
منظر پس منظر
نئی نسل نئی روشنی
بزم موسیقی
ضیا محی الدین خاں ڈاگر، وینا پر راگ مالکونس

اتوار ۲۵ دسمبر

صبح گاہی، قوالیاں
پرانی فلموں سے
شہر صبا
نینا دیوی، جگر اور فیض کا کلام
سعادت بن اشرف، درد کا کلام
ساز سنگیت
پرکاش وڈھیرہ، بانسری پر راگ نٹ بھیروں
چلتے چلتے
آپ کا خط ملا
غزلیں
قوالیاں
آواز دے کہاں ہے
ساز اور آواز
صنعت و حرفت
کھیون کا رے
سندھیا مکرجی، ٹھمری کھماج
بزم موسیقی
پرکاش وڈھیرہ، بانسری پر راگ درباری

استاد بڑے غلام علی خاں، خیال راگیشری

پیر ۲۶ دسمبر

صبح
۵-۴۵ صبح گاہی
نعت خوانی، قوالی اور شبد
۶-۲۵ پرانی فلموں سے
۷-۰۰ شہر صبا
ششی لتا ورک، مخمور دہلوی اور فراق کا کلام
چندن کمار داس، غالب کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
بھگوان داس، سنتور پر راگ بسنت مکھاری
۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی
استاد چاند خاں، خیال جونپوری

دوپہر
۲-۰۰ میری نظر میں
۲-۳۰ راگ رنگ
۳-۰۰ سازوں پر موسیقی

رات
۸-۱۵ آہنگ نظم
۸-۳۰ حسن غزل
ششی لتا ورک، خمار بارہ بنکوی اور شفق لکھنوی کا کلام
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ کلام شاعر
۹-۳۰ قوالیاں
۱۰-۰۰ دریچہ
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
بھگوان داس، سنتور پر راگ باگیشری
استاد چاند خاں، خیال درباری

منگل ۲۷ دسمبر

صبح
۵-۴۵ صبح گاہی، قوالی
۶-۲۵ پرانی فلموں سے
۷-۰۰ شہر صبا
انیتا تلوار، جگر مراد آبادی کا کلام
امر کمار دیو، مومن اور غالب کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
سدھ رام جادھو، سندری پر بھیروی
۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی
گنگا پرساد پاٹھک، خیال رام کلی

دوپہر
۲-۰۰ فلمی قوالیاں
۲-۳۰ نغمہ و تبسم
۳-۰۰ نئی نسل نئی روشنی

رات
۸-۱۵ سازینہ
۸-۳۰ حسن غزل
انیتا تلوار، شکیل بدایونی اور شمیم جے پوری کا کلام
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۳۰ علاقائی نغمے
۱۰-۰۰ مشاعرہ
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
سدھ رام جادھو اور ساتھی؛ سندری پر راگ مالکونس، دھن
گنگا پرساد پاٹھک؛ خیال کیدارہ

بدھ ۲۸ دسمبر

صبح
۵-۴۵ صبح گاہی
نعت خوانی، قوالی اور بھجن
۶-۲۵ پرانی فلموں سے
۷-۰۰ شہر صبا
صلاح الدین احمد: اختر شیرانی اور چکبست کا کلام
انجلی بنرجی: فیض اور اقبال کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
دیا شنکر و ساتھی: شہنائی پر اہیر بھیروں
۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی
غلام تقی خاں: خیال رام کلی

دوپہر
۲-۰۰ سب رس
۲-۳۰ بزم خواتین
(۱) علاقائی تہذیب اور خواتین، تقریر
(۲) گیت
(۳) کام کی باتیں
۳-۰۰ فلمی دنیا

رات
۸-۱۵ آہنگ نظم
۸-۳۰ حسن غزل
صلاح الدین احمد: جاں نثار اختر اور داغ کا کلام
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ دلی ڈائری
۹-۳۰ قوالیاں
۱۰-۰۰ کہانی سنگیت کی
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
دیا شنکر و ساتھی: شہنائی پر بہار و بہاگ
غلام تقی خاں، خیال مالکونس

جمعرات ۲۹ دسمبر

صبح
۵-۴۵ صبح گاہی: قوالیاں
۶-۲۵ پرانی فلموں سے
۷-۰۰ شہر صبا
سدھا ملہوترہ، سدرشن فاخر اور مصحفی کا کلام
عبدالوحید: میر کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
سروجیت کور، ستار پر الہیا بلاول
۹-۳۲ کلاسیکی موسیقی
ہیرا بائی بڑوڈکر: خیال للت

دوپہر
۲-۰۰ دھوپ چھاؤں
۲-۳۰ حرف غزل
۳-۰۰ قوالیاں

رات
۸-۱۵ سازینہ
۸-۳۰ حسن غزل
چاندرائے، داغ اور ظفر کا کلام
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ ہم سے پوچھیے
۹-۳۰ قوالیاں
۱۰-۰۰ ماضی کے دیار
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
سروجیت کور؛ سرود پر راگ غارہ
ہیرا بائی بڑوڈکر؛ خیال پوریا کلیان

جمعہ ۳۰ دسمبر

صبح
۵-۴۵ صبح گاہی
قرآن خوانی، نعت اور نعتیہ کلام
۶-۲۵ پرانی فلموں سے
۷-۰۰ شہر صبا
ہلال احمد خاں؛ میر اور سودا کا کلام
سپرا بوس: میر کا کلام
۷-۳۰ ساز سنگیت
اشوک رائے، سرود پر بلاسخانی توڑی
۹-۳۲ آپ کے خط آپ کے گیت

دوپہر

۲-۰۰ کہانی ایک گیت کی
۲-۳۰ رنگ نو
۳-۰۰ آواز دے کہاں ہے

رات

۸-۱۵ سازینہ
۸-۳۰ حسن غزل
بلال احمد خاں : اقبال کا کلام
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۳۰ صدائے رفتہ
۱۰-۰۰ روبرو
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
اشوک رائے : سرود پر راگ کروانی
حفیظ احمد خاں : خیال رس رنجنی

ہفتہ ۳۱ دسمبر

صبح

۵-۴۵ صبح گاہی
نعت، قوالی اور شبد
۶-۲۵ پرانی فلموں سے
۷-۰۰ شہر صبا
پی۔ ناز مسانی ، رفعت سروش اور
فیاض جے پوری کا کلام
ہرنشیں بھاردواج ، ناسخ اور ذوقؔ کا کلام
۷-۳۰ سازسنگیت
رام سروپ ، سارنگی پر راگ للت
۹-۳۲ ہلکی کلاسیکی موسیقی
شانتی ہیرانند ، ٹھمری بھیروی اور
دادرہ بھیروی

دوپہر

۲-۰۰ سب رس
۲-۳۰ بزم خواتین
ڈرامہ ، غزل ، خطوں کے جواب
۳-۰۰ پھر سنئے

رات

۸-۱۵ آہنگ نظم
۸-۳۰ حسن غزل
پی۔ ناز مسانی ، غالب اور مومن کا کلام
۸-۴۵ ساز اور آواز
۹-۰۰ ریڈیو نیوز ریل
۹-۳۰ منظر پس منظر
۱۰-۰۰ نئی نسل نئی روشنی
۱۱-۳۰ بزم موسیقی
رام نارائن ، سارنگی پر پوریا کلیان
پنڈت جسراج : خیال پوریا کلیان

دہلی

میڈیم ویو

دہلی الف ۳۶۶ء۳ میٹر ۸۱۹ کلوہرٹز
دہلی ب ۴۲۹ء۲۹ میٹر ۶۶۶ کلوہرٹز
دہلی ج ۲۱۹ء۶۳ میٹر ۱۳۶۸ کلوہرٹز
دہلی د ۲۴۶ء۶۹ میٹر ۱۲۱۵ کلوہرٹز

شارٹ ویو

صبح ۶-۰۰ سے ۸-۱۵ تک ۸۹ء۰۱۵ میٹر ۳۳۶۵ کلوہرٹز
صبح ۸-۱۵ کے بعد ۱۹ء۴۳۴ میٹر ۱۱۰ء۷ کلوہرٹز
دوپہر ۱۰-۲۰ سے شام ۴-۰۰/۵-۴۵ تک ۳۱ء۹۴ کلوہرٹز
شام ۵-۴۵ تک ۱۹ء۴۲۴ میٹر ۱۱۰ء۷ کلوہرٹز
شام ۶-۰۰ سے رات تک ۸۹ء۰۱۵ میٹر ۳۳۶۵ کلوہرٹز

خبریں

دہلی الف: خبریں
ھندی/انگریزی: صبح ۶-۰۰ (عالمی)
ھندی: صبح ۸-۰۰، ۱۱-۰۰ دوپہر ۱-۰۰، ۲-۱۰ شام ۵-۰۰ (صوبائی)
شام ۶-۰۵، ۷-۵۰ (علاقائی) رات ۸-۴۵، ۱۱-۰۵ (عالمی)
انگریزی: دوپہر ۱۲-۰۰ سنسکرت: صبح ۷-۰۰، شام ۶-۱۰
اردو: صبح ۸-۵۰، دوپہر ۱-۵۰ اور رات ۹-۱۵ (خبریں اور تبصرہ)
پنجابی: دوپہر ۱-۴۰
دہلی ب: ھندی: دوپہر ۲-۴۵ (دھیمی رفتار سے) انگریزی: صبح ۸-۱۰، ۱۰-۰۰
دوپہر ۱-۰۰، ۲-۲۰ (دھیمی رفتار سے) شام ۴-۰۰، ۶-۰۰، ۹-۰۰، ۱۱-۰۰ (عالمی)
پنجابی: صبح ۸-۳۰ شام ۷-۳۰ ھندی نیوز لیٹر: صبح ۹-۰۰ بجے
دہلی د: ھندی: شام ۷-۳۰ انگریزی: رات ۹-۱۵
کھیل کود: شام ۷-۰۰ (ہندی) رات ۸-۰۰ (انگریزی)

روزانہ نشر ہونیوالے پروگرام

دہلی الف

صبح

۵-۵۵ وندے ماترم : منگل دھونی
۶-۰۵ وندنا ۶-۳۰ کھیتی کی باتیں
۶-۳۵ رام چرت مانس
۶-۵۰ آپ کی صحت
(اتوار، منگل، جمعرات اور ہفتہ)
سائنس کے موضوع پر تقریر
(پیر، بدھ، جمعہ)
۶-۵۵ آج کے پروگرام اور موسم
۷-۱۰ برج مادھوری (سوائے اتوار)
۷-۳۰ آج صبح (اتوار، بدھ، ہفتہ)
۷-۴۵ دل درشن
(پیر، منگل، جمعرات اور ہفتہ)
۸-۴۰ اردو مجلس (روزانہ)
۹-۰۰ اختتام (سوائے اتوار)
۱۲-۰۲ لوک بھارتی (سوائے اتوار)
۱۲-۱۵ سگم سنگیت (سوائے اتوار)
۱۲-۳۰ بہنوں کا پروگرام
(اتوار، منگل، جمعرات، ہفتہ)
گرامین بہنوں کا پروگرام
(بدھ، جمعہ)
۲-۰۰ ایک ہی کلاکار (روزانہ)
۲-۲۰ چترپٹ سنگیت (روزانہ)
۲-۳۰ موسم اور اختتام (اتوار ۳-۳۰)

شام

۶-۱۵ مقامی اعلانات اور گمشدہ
لوگوں کے لیے پروگرام
۶-۲۰ گرام سنسار (روزانہ)
۷-۰۰ کرشی جگت
۷-۳۰ پروگراموں کا خلاصہ، موسم
۷-۳۵ سامیکی
۷-۴۵ روزگار سماچار
۱۱-۰۰ وادیہ وزند
۱۱-۱۰ موسم اور اختتام

دہلی ب

صبح

۷-۰۰ وندے ماترم منگل دھونی
۷-۰۲ انگریزی میں پروگرام (دوبارہ)
۷-۲۰ گیتکا (سوائے پیر)
۷-۳۸ سنگیت سوربھی
۷-۵۰ علاقائی موسیقی
۸-۲۰ اور ۸-۴۰ پنجابی پروگرام
۹-۳۰ سب رس (اتوار کو یا دیں)
۱۰-۰۲ اختتام (اتوار ۱۱-۰۰)

دوپہر

۱-۰۵ اور ۲-۱۰ مغربی موسیقی
۳-۱۰ موسم کا حال (انگریزی میں)

شام

۵-۵۰ اخباروں کی رائے
۵-۵۵ آج کا پروگرام اور موسم کا حال
۶-۰۵ فوجی بھائیوں کیلئے پروگرام
۷-۰۰ پنجابی پروگرام
۷-۲۰ سازسنگیت
۷-۴۵ اردو مجلس
۸-۱۵ سماچار درشن (اتوار، بدھ، جمعہ)
ریڈیو نیوز ریل (منگل، جمعرات، ہفتہ)
نیوز ریل اسپورٹس (پیر)
۸-۲۵ سماچار پتر وں سے
۸-۳۰ سُر جھنکار
۹-۱۵ اسپاٹ لائٹ
(بعد میں ساز سنگیت)
۹-۳۵ مغربی موسیقی (اتوار کو ۱۰-۰۰)
۱۱-۰۲ موسم کا حال اور اختتام

دہلی د

یووانی

صبح

۷-۰۰ آج کے پروگرام (ہندی)
۷-۰۵ اور ۷-۲۵ پھر سنئے
۷-۳۵ وگیان وودھا
۷-۵۰ سگم سنگیت (گائن)
۸-۰۰ شاستریہ سنگیت
۸-۱۵ شاستریہ سنگیت (گائن)
۸-۳۰ مغربی موسیقی
۹-۰۰ اختتام (اتوار ۱۰-۰۰)

شام

۶-۵۵ آج کا پروگرام
۷-۰۵ محفل
۷-۵۰ پستک پاٹھ (ہندی)
(پیر سے جمعرات تک)
۸-۰۵ ان دی گروو (پوپ میوزک)
۸-۵۰ پاٹھ (انگریزی)
(منگل سے جمعہ)
۹-۰۰ ترجمہ ۱۱-۰۰ اختتام

جمعہ ۶ دسمبر

دہلی الف

صبح

۸-۱۰ / ۱۱-۳۰ ، رات ۹-۰۰
اشوک کمار رائے : سرود
۱۱-۰۲ ، سہ پہر ۵-۴۰
نسترو لچھمن شکلا : ٹھمری ، دادرا

دوپہر

۱۲-۰۲ لوک بھارتی
مراٹھی لوک گیت
۵-۵۵ گڑھوالی سنگیت

رات

۸-۰۰ گاندھی چرچا
۹-۳۰ کمرا ، ناٹک
ٹی۔ این۔ سکی کے تامل ناٹک پر
ترتیب : نکسی۔ جے۔ رمن
۱۰-۳۰ کرناٹک سنگیت
پی۔ کے۔ وجے کمار ، وائلن

دہلی ب

صبح

۷-۰۲ اولوکن
۷-۳۰ سنگیت سوربھی
وسنت راؤ دیشپانڈے : گائن
۷-۵۰ سگم : تیلگو گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
راجستھانی لوک گیت

دوپہر

۳-۱۵ ، ۲-۰۰
سگم سنگیت
۳-۳۰ کرناٹک سنگیت
پی۔ کے۔ وجے کمار ، وائلن

شام

۶-۲۵ ، ۸-۴۵
وینا ناتھ : گیت ، بھجن اور غزلیں

ہفتہ ۷ دسمبر

دہلی الف

صبح

۷-۳۰ دلی کے آس پاس
۷-۴۰ نئی دشائیں
۸-۱۰ ، رات ۹-۰۰
مہندر شرما ، گائن
۱۱-۰۲ لکشمی شنکر ، گائن
۱۱-۳۰ اجیت سنگھ ، وچترویناا

لوک بھارتی
گجراتی لوک گیت
اجیت سنگھ، وچیترو بینا

سواستھ رکھشا
آج کے اتتھی
نیشنل پروگرام: موسیقی
شاہد پرویز: ستار

دہلی 'ب'

سنگیت سوربھی
بھیم سین جوشی: گائن
سنگم: کنڑ گیت
لوک مادھوری
گڑھوالی لوک گیت

۴-۰۲
سگم سنگیت
مہندر شرما: گائن

۸-۴۵
پرسار گیت

اتوار ۱۸ دسمبر

دہلی 'الف'

۸، رات ۹-۰۰
غلام صادق خاں: گائن
۹ بال کاریہ کرم
۱ فرمائشی شاستریہ سنگیت
۱۱ یووا وانی سے
۱۱، سہ پہر ۵-۳۵
گومتی وشوناتھن: گائن

۲ 'کمدا' ناٹک
ٹی۔ این۔ رسکی کے تامل ناٹک پر مبنی
ترتیب: تلسی۔ جے۔ رمن
۵ سنسکرت پاٹھ

۸ رابندر سنگیت
۸ چترپٹ سنگیت
۹ نثار حسین خاں: گائن
۱۰ چین
رادھیکا موہن موئترا: سرود

دہلی 'ب'

صبح
۷-۰۲ ساہتیکی
۷-۳۰ سموہ گان شکشا
۷-۵۰ سنگم: آسامی گیت
۹-۱۵ اپنی نگری
دوپہر
۳-۱۵، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۳-۳۰ غلام صادق خاں: گائن
شام
۶-۴۵، ۸-۴۵
مدن بالا سدھو، گیت اور غزلیں
۹-۳۰ کرنٹ افیئرز

پیر ۱۹ دسمبر

دہلی 'الف'

صبح
۸-۱۰، سہ پہر ۵-۴۰، رات ۹-۰۰
پارتھا داس: ستار
۱۱-۰۲ بلدیو راج ورما، گائن
۱۱-۳۰ بلجیت سنگھ: دلربا
دوپہر
۱۲-۰۲ لوک بھارتی
تیلگو لوک گیت
۱۲-۳۰ 'سجاتا'، ناٹک
تحریر: ڈاکٹر گوری شنکر راج ہنس
ترتیب: چرنجیت
رات
۸-۰۰ سواستھ رکھشا
۹-۳۰ نیشنل پروگرام: تقریر
۱۰-۰۰ سنگیت سبھا
شنو کھورانہ، گائن

دہلی 'ب'

صبح
۷-۳۲ سنگیت سوربھی
پنڈت جسراج: گائن
۷-۵۰ سنگم: سندھی گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
بھوجپوری لوک گیت
دوپہر
۳-۳۰ بلدیو راج ورما، گائن
شام
۶-۴۵، ۸-۴۵
رویندر گرودور، گیت، بھجن، غزلیں

۹-۳۰ سردار پٹیل میموریل لکچرز کے اقتباس
'چیلنج آف دی سٹیٹس'، از
شری جگموہن، لفٹیننٹ گورنر دہلی

منگل ۲۰ دسمبر

دہلی 'الف'

صبح
۸-۱۰، ۱۱-۳۰، رات ۹-۰۰
امرناتھ: بانسری
۱۱-۰۲ نواب خاں: گائن
دوپہر
۱۲-۰۲ لوک بھارتی
آسامی لوک گیت
۵-۰۵ گیان وگیان
۵-۴۰ سموہ گان شکشا
رات
۸-۰۰ ادیوگ منڈل
۸-۱۵ سمیا اور وچار
۹-۳۰ 'رشتوں کے نام'، ناٹک
تحریر: اروناکپور
۱۰-۰۰ منگل شب کی محفل موسیقی
بھارتی بھٹاچاریہ، گائن

دہلی 'ب'

صبح
۷-۳۰ سنگیت سوربھی
ڈی۔ وی۔ پلسکر: گائن
۷-۵۰ سنگم: بنگلا گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
ہریانوی لوک گیت
دوپہر
۳-۱۵، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۳-۳۰ نواب خاں: گائن
شام
۶-۴۵، ۸-۴۵
چترسین: گیت، بھجن
۹-۳۰ سردار پٹیل میموریل لکچرز سے اقتباس
'چیلنج آف دی سٹیٹس'، از
شری جگموہن، لفٹیننٹ گورنر، دہلی

بدھ ۲۱ دسمبر

دہلی 'الف'

صبح
۸-۱۰، ۱۱-۰۲، رات ۹-۰۰
راجن مشرا، ساجن مشرا: گائن

۱۱-۰۲، سہ پہر ۵-۴۰
پنالال چورسیہ، وائلن
دوپہر
۱۲-۰۲ لوک بھارتی
کنڑ لوک گیت
۵-۵۵ گڑھوالی سنگیت
رات
۸-۱۵ وگیان آلوک
۹-۳۰ چرچا کا وشیہ ہے
۱۰-۰۰ سنگیت سبھا
اسد علی خاں: بین

دہلی 'ب'

صبح
۷-۳۰ سنگیت سوربھی
شیو کمار شرما: سنتور
۷-۵۰ سنگم: گجراتی گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
ہریانوی لوک گیت
دوپہر
۳-۱۵، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۳-۳۰ کرناٹک سنگیت
گیتا مورتی: گائن
شام
۶-۴۵، ۸-۴۵
کلونت کور: گیت، [illegible]

جمعرات ۲۲ دسمبر

دہلی 'الف'

صبح
۷-۴۰ اپنے دیش کی بات
۸-۱۰، ۱۱-۳۰
سنیل کمار مکرجی، سرود
۱۱-۰۲، رات ۹-۰۰
بھوپیندر سیتل: گائن
دوپہر
۱۲-۰۲ لوک بھارتی
بنگلا لوک گیت
۵-۰۵ سنسکرت پاٹھ
۵-۴۰ بال کاریہ کرم
رات
۹-۳۰ نیشنل پروگرام: ناٹک
'بھول کملا گیا'
ہرشرن سنگھ کے پنجابی ناٹک سے ماخوذ
ترجمہ و پیشکش: سدیش چڈھا

قیصر حیدری دہلوی

جب تری زلفِ سیہ فام سنورتی ہوگی　　کتنی دنیا ترے جلووں سے نکھرتی ہوگی
آج تک بھی ترے جلووں کو نہ پہنچیں نظریں　　کب کوئی آنکھ ترے رُخ پہ ٹھہرتی ہوگی
وقت کے سائے تو چڑھتے ہیں اُتر جاتے ہیں　　اپنے محور پہ کہاں دھوپ ٹھہرتی ہوگی
کتنی گہرائیوں میں ڈوبتی ہوگی ہستی　　جب کوئی بات کسی دل میں اترتی ہوگی

وہ مقدر نہیں الزام نہ جس پر آئے
قیصر اس دور میں کس طرح گزرتی ہوگی

(اردو مجلس دہلی سے نشر)

۱۰-۳۰ کرناٹک سنگیت
ایس۔ وی۔ رمنی، گائن

دہلی 'ب'

صبح

۷-۳۲ سنگیت سوربھی
نرملا دیوی، گائن
۷-۵۰ سنگم، مراٹھی گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
برج لوک گیت

دوپہر

۳-۱۵، ۴-۲۰
سگم سنگیت
۳-۳۰ کرناٹک سنگیت
ایس۔ وی۔ رمنی، گائن

شام

۶-۴۵، ۸-۴۵
گگو ماتھر، گیت، بھجن، غزلیں

جمعہ ۲۳ دسمبر

دہلی 'الف'

صبح

۸-۱۰، ۱۱-۳۰، رات ۹-۰۰
شرافت حسین خاں، گائن
۱۱-۰۲، سہ پہر ۵-۴۰
اشوک پاٹھک، ستار

دوپہر

۱۲-۰۲ لوک بھارتی
مراٹھی لوک گیت
۵-۵۵ گڑھوالی سنگیت

رات

۸-۰۰ گاندھی چرچا
۹-۳۰ ناٹک
۱۰-۳۰ کرناٹک سنگیت

سیتا سندر راجن، گائن

دہلی 'ب'

صبح

۷-۰۲ اولوکن
۷-۳۰ سنگیت سوربھی
نیاز احمد، فیاض احمد، گائن
۷-۵۰ سنگم، تامل گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
راجستھانی لوک گیت

دوپہر

۳-۱۵، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۳-۳۰ کرناٹک سنگیت
سیتا سندر راجن، گائن

شام

۶-۴۵، ۸-۴۵
مہندر پال، گیت، بھجن، غزلیں

ہفتہ ۲۴ دسمبر

دہلی 'الف'

صبح

۸-۱۰، سہ پہر ۵-۴۰، رات ۹-۰۰
سنگھ بندھو، گائن
۱۱-۰۲ شمس الدین فریدی ڈیسائی، بین
۱۱-۳۰ شریکانت باکرے، گائن

دوپہر

۱۲-۰۲ لوک بھارتی
گجراتی لوک گیت

رات

۸-۰۰ سواستھ رکھشا
۸-۱۵ آج کے اتتھی
۹-۳۰ نیشنل پروگرام، موسیقی
وی۔ بی۔ سبرامنیم، گائن

دہلی 'ب'

صبح

۷-۰۰ سنگیت سوربھی
کرشن راؤ شنکر پنڈت، گائن
۷-۵۰ سنگم، ملیالم گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
ڈوگری لوک گیت

دوپہر

۳-۱۵، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۳-۳۰ شمس الدین فریدی ڈیسائی، بین

شام

۶-۴۵، ۸-۴۵
پرسار گیت
۹-۳۰ اور گیسٹ ٹونائٹ

اتوار ۲۵ دسمبر

دہلی 'الف'

صبح

۸-۱۰ بے نظیر بیگم، گائن
۹-۰۰ بال کاریہ کرم
۱۰-۰۰ دیا شنکر و ساتھی، شہنائی
۱۱-۳۰، سہ پہر ۵-۳۵
کرناٹک سنگیت
للتا ناگراجن، گائن

دوپہر

۲-۳۰ 'ستارہ' ناٹک
تحریر، یوگیش پروین
۵-۲۰ سنسکرت پاٹھ

رات

۸-۰۰ رابندر سنگیت
۸-۱۵ ساہتیکی
۹-۰۰ چین سے نظیر بیگم، گائن
۱۰-۰۰ دیورام وینکٹیش سوامی نائیڈو، وائلن

دہلی 'ب'

صبح

۷-۰۲ ساہتیکی
۷-۳۰ سموہ گان شکشا
۷-۵۰ سنگم، اڑیہ گیت
۹-۱۵ اپنی نگری

دوپہر

۳-۱۵، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۳-۳۰ بے نظیر بیگم، گائن

شام

۶-۴۵، ۸-۴۵
شری رام، غزلیں
۹-۳۰ کرنٹ افیئرز

پیر ۲۶ دسمبر

دہلی 'الف'

صبح

۸-۱۰، رات ۹-۰۰
راس بہاری دتہ، ستار
۱۱-۰۲ سسر کنا دھر چودھری، وائلن
۱۱-۳۰، سہ پہر ۵-۴۰
کمل سہگل، کویتا سہگل، گائن

دوپہر

۱۲-۰۲ لوک بھارتی
تامل لوک گیت
۱۲-۳۰ 'رشتوں کے نام' ناٹک
تحریر، اروناکپور

رات

۸-۰۰ سواستھ رکھشا
۹-۳۰ نیشنل پروگرام
'میں اور میری دھرتی'
(۳) 'اروناچل پردیش' روپک
۱۰-۰۰ سنگیت سبھا
حفیظ احمد خاں، گائن

دہلی 'ب'

صبح

۷-۳۲ سنگیت سوربھی
رام نارائن، سارنگی
۷-۵۰ سنگم، سندھی گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
اودھی لوک گیت

دوپہر

۳-۱۵، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۳-۳۰ راس بہاری دتہ، ستار

شام

۶-۴۵، ۸-۴۵
نیلم ساہنی، گیت، بھجن، غزلیں

منگل ۲۷ دسمبر

دہلی 'الف'

صبح

۸-۱۰، ۱۱-۳۰، رات ۹-۰۰
دیپالی ناگ، گائن

مسرت علی خاں ، سرود

لوک بھارتی
اڑیہ لوک گیت
گیان وگیان
سموہ گان شکشا

ادیوگ منڈل
فلم چرچا
'جے بجرنگ بلی'، ناٹک
تحریر ، چندردت اندو
منگل شب کی محفل موسیقی
نیر حسین ، شہنائی

دہلی 'ب'

سنگیت سوربھی
احمد جان تھرکوا ، طبلہ
سنگم ، بنگلا گیت
لوک مادھوری
ہماچلی لوک گیت

مسرت علی خاں : سرود

۸-۴۵
انجنا چٹرجی، گیت، بھجن

بدھ ۲۸ دسمبر

دہلی 'الف'

۱۱-۳۰، رات ۹-۰۰
گوپال کرشن ، وچتروینا
سہ پہر ۵-۴۰
الا بھونک : گائن
لوک بھارتی
ملیالم لوک گیت
گڑھوالی سنگیت

وگیان آلوک
چرچا کا وشے ہے
سنگیت سبھا
نصیر ظہیر الدین ڈاگر،
نصیر فیاض الدین ڈاگر ، گائن

دہلی 'ب'

سنگیت سوربھی

مانک ورما ، گائن
۷-۵۰ سنگم ، گجراتی گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
ہریانوی لوک گیت

دوپہر
۳-۱۵، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۳-۳۰ کرناٹک سنگیت
وشیدھی راجندرن : گائن

شام
۶-۴۵، ۸-۴۵
پریم ناتھ ، گیت ، غزلیں

جمعرات ۲۹ دسمبر

دہلی 'الف'

صبح
۷-۳۰ اپنے دیش کی بات
۸-۱۰، ۱۱-۳۰
سلوچنا برہسپتی : گائن
۱۱-۰۲، رات ۹-۰۰
فردوس احمد : سرود

دوپہر
۱۲-۰۲ لوک بھارتی
بنگلا لوک گیت
۵-۰۵ سنسکرت پاٹھ
۵-۴۰ بال کاریہ کرم

رات
۸-۱۵ ہندی تقریر
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : ناٹک
۱۰-۳۰ کرناٹک سنگیت
مادھوری ٹی۔ این۔ شیشا گوپالن ، گائن

دہلی 'ب'

صبح
۷-۳۲ سنگیت سوربھی
پنڈت اونکار ناتھ ٹھاکر ، گائن
۷-۵۰ سنگم ، مراٹھی گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
برج لوک گیت

دوپہر
۳-۱۵، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۳-۳۰ کرناٹک سنگیت
گنیش اور کماریش : وائلن

شام
۶-۴۵، ۸-۴۵
صلاح الدین احمد ، گیت ، غزلیں

جمعہ ۳۰ دسمبر

دہلی 'الف'

صبح
۸-۱۰، ۱۱-۳۰، رات ۹-۰۰
شرن رانی ، سرود
۱۱-۰۲، سہ پہر ۵-۴۰
زندہ حسن ، ٹھمری ، دادرا

دوپہر
۱۲-۰۲ لوک بھارتی
مراٹھی لوک گیت
۵-۵۵ گڑھوالی سنگیت

رات
۸-۰۰ گاندھی چرچا
۹-۳۰ 'اونچے پربت ، اونچے لوگ'، ناٹک
تحریر ، چرنجیت
۱۰-۳۰ کرناٹک سنگیت
کوشلیا راجہ رام : وینا وادن

دہلی 'ب'

صبح
۷-۰۲ اولوکن
۷-۳۰ سنگیت سوربھی
بیگم اختر ، گائن
۷-۵۰ سنگم ، تیلگو گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
راجستھانی لوک گیت

دوپہر
۳-۱۵، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۳-۳۰ کرناٹک سنگیت

شام
۶-۴۵، ۸-۴۵
پشپا ہنس ، گیت ، بھجن ، غزلیں
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : فیچر

ہفتہ ۳۱ دسمبر

دہلی 'الف'

صبح
۸-۱۰، رات ۹-۰۰
سوبیتا دیوی ، گائن
۱۱-۰۲، سہ پہر ۵-۴۰
بلونت رانے ورما : ستار
۱۱-۳۰ سوہن سنگھ : گائن

دوپہر
۱۲-۰۲ لوک بھارتی
گجراتی لوک گیت

رات
۸-۰۰ سوا ستھ رکھشا
۸-۱۵ آج کے اتیتھی
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : موسیقی

دہلی 'ب'

صبح
۷-۳۰ سنگیت سوربھی
پروین سلطانہ : گائن
۷-۵۰ سنگم ، کنڑ گیت
۹-۱۰ لوک مادھوری
گڑھوالی لوک گیت

دوپہر
۳-۱۵، ۴-۰۲
سگم سنگیت
۳-۳۰ سوبیتا دیوی ، گائن

شام
۶-۴۵، ۸-۴۵
پرسار گیت
۹-۳۰ اور گیسٹ ٹونائٹ

شاکر آروی

جب شاکرِ صد چاکِ گریباں نظر آیا — اک گوشۂ تنہائی میں گریاں نظر آیا
کچھ اہلِ جنوں ایسے ہیں صحرا میں کبھی جن کو — ہر سمت گلستاں ہی گلستاں نظر آیا
وحشت کا یہ عالم رہا فرقت میں کسی کی — ہر شب مجھے اک خوابِ پریشاں نظر آیا
ایسا بھی کبھی وقت مصیبت کا پڑا ہے — مجھ سے مرا سایہ بھی گریزاں نظر آیا
روشن تھی تری یاد کی قندیل جو دل میں — تاریکئ شب میں بھی چراغاں نظر آیا
ہم لے کے ترا نام سرِ دار جو پہنچے — جو کام تھا دشوار وہ آساں نظر آیا
حالت نہ سنبھلتی دلِ بیمار کی شاکر
وہ آئے تو اب درد کا درماں نظر آیا

(پٹنہ سے نشر)

لکھنؤ

میڈیم ویو لکھنؤ الف: ۱۱۶-۳۰۱ میٹر ۷۴۷ کلوہرٹز لکھنؤ ج: ۲۱۸-۲۳۳ میٹر ۱۲۷۸ کلوہرٹز
شارٹ ویو لکھنؤ ب: ۹۱-۳۱۶۰ میٹر ۳۳۰۵ کلوہرٹز (صبح ۵-۵۵ سے ۹-۴۵ تک اور شام ۵-۱۵ کے بعد) ۸۲-۳۸۱ میٹر ۴۷۶۰ کلوہرٹز؛ ۳۱-۱۳۸ میٹر ۹۵۰۰ کلوہرٹز

خبریں

ہندی/انگریزی: صبح ۶-۰۰ (عالمی) ہندی: صبح ۸-۰۰ دوپہر ۱-۰۵ اور ۲-۱۰
شام ۶-۰۵ رات ۸-۴۵ اور ۱۱-۰۵ انگریزی: صبح ۸-۱۰ دوپہر ۱-۰۰ رات ۹-۰۰
اور ۱۱-۰۰ سنسکرت: صبح ۷-۰۰ شام ۶-۱۰ اردو: صبح ۸-۰۵ رات ۹-۱۵
نیوز لیٹر (ہندی): صبح ۹-۰۰ ضلع کی چٹھی: صبح ۹-۰۵ علاقائی: دوپہر ۲-۳۰
(اردو): صبح ۷-۲۰ شام ۷-۲۰ (ہندی)

مقررہ پروگراموں کے لیے 'آواز' یکم دسمبر دیکھیے

جمعہ ۱۶ دسمبر

صبح
۷-۴۵ پرنو کمار مکرجی : بھجن
رما سین : گیت
۸-۳۰ اردو پروگرام
میگزین
۹-۱۰ ونائک راؤ لیلے : خیال
دوپہر
۱۲-۰۰، رات ۸-۱۵
شاہد خاں، سگم سنگیت
رات
۱۰-۳۰ ونائک راؤ لیلے : خیال

ہفتہ ۱۷ دسمبر

صبح
۷-۴۵ کورس - بھجن
راجندر مہتہ، نینا مہتہ : گیت
۸-۳۰ اردو پروگرام
خواتین کیلئے
۹-۱۰ سراج الدین خاں : ستار وادن
دوپہر
۱۲-۰۰، رات ۸-۱۵
مکتا چٹرجی : گیت اور بھجن
۴-۳۰ شاستریہ سنگیت
رات
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : موسیقی

اتوار ۱۸ دسمبر

صبح
۷-۴۵ شانتا سکسینہ : بھجن
چندر و آتما : غزل
۸-۳۰ اردو پروگرام
دوپہر
۱۲-۰۵ یووا مانس
سکے گھنگھرو، فیچر
پیشکش : سچن یادو
شام
۷-۴۵ سنسکرت پروگرام
۸-۱۵ افضل حسین خاں نظامی :
گیت، بھجن اور غزلیں
۱۰-۰۰ سنگیت رس

پیر ۱۹ دسمبر

صبح
۷-۴۵ شانتی ہیرانند : غزل
مہندر پال : گیت
۸-۳۰ اردو پروگرام
۹-۱۰، رات ۹-۴۵، ۱۰-۳۰
الیاس خاں : ستار
دوپہر
۱۲-۰۰، رات ۸-۱۵
غلام دستگیر : غزلیں
رات
۸-۰۰ دیش ودیش
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : ہندی تقریر

منگل ۲۰ دسمبر

صبح
۷-۴۵ شنکر شمبھو قوال وساتھی، غزل
اقبال احمد صدیقی : گیت
۸-۳۰ اردو پروگرام
میگزین
۹-۱۰ پروین سلطانہ : خیال
دوپہر
۱۲-۰۰، رات ۸-۱۵
تاپتی گوسوامی : گیت
رات
۱۰-۰۰ منگل شب کی محفل موسیقی

بدھ ۲۱ دسمبر

صبح
۷-۴۵ روپالی مکرجی : گیت
سیما شرما : غزل
۸-۳۰ اردو پروگرام
۹-۱۰، رات ۱۰-۳۰
جی-این-گوسوامی : وائلن
دوپہر
۱۲-۰۰، رات ۸-۱۵
سنیل سریواستو : گیت اور بھجن
شام
۷-۴۵ سنسکرت پروگرام
۹-۵۰ پریوار کلیان پر شنوتری

جمعرات ۲۲ دسمبر

صبح
۷-۴۵ لکشمی بائی راٹھور : گیت
اشوک ورما، انجنا بنرجی : غزل
۸-۳۰ اردو پروگرام
خدا کیلئے شکریہ - رنگِ تغزل
۹-۱۰ ممتاز علی خاں : خیال
دوپہر
۱۲-۰۰، رات ۸-۱۵
ریتا گنگولی : گیت، بھجن
رات
۱۰-۳۰ ایم-آر-گوتم : خیال

جمعہ ۲۳ دسمبر

صبح
۷-۴۵ بیلا ساور : گیت
سیتارام سنگھ : غزل
۸-۳۰ اردو پروگرام
میگزین
۹-۱۰، رات ۱۰-۳۰
ستیش چندر : ستار
دوپہر
۱۲-۰۰، رات ۸-۱۵
سجاتا چکرورتی : گیت بھجن
رات
۹-۳۰ ڈرامہ

ہفتہ ۲۴ دسمبر

صبح
۷-۴۵ ممتا سین : گیت
سمتا رائے : غزل
۸-۳۰ اردو پروگرام
شعری نشست
۹-۳۰، دوپہر ۱-۱۰
موتی لال بھٹ : خیال
دوپہر
۱۲-۰۰، رات ۸-۱۵
سواتی بنرجی : گیت اور بھجن
رات
۸-۰۰ یاترا کتھا
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : موسیقی

اتوار ۲۵ دسمبر

صبح
۷-۴۵ سگم سنگیت
۸-۳۰ اردو پروگرام
بچوں کیلئے
۱۰-۳۰ سامو ہیک گان
دوپہر
۱۲-۰۵ یووا مانس
۱۲-۳۰ پانچ گیت، پانچ سوال
شام
۷-۴۵ سنسکرت پروگرام
۸-۱۵ کارشن رام وساتھی، سگم سنگیت
۱۰-۰۰ سنگیت رس

پیر ۲۶ دسمبر

صبح
۷-۴۵ راجندر مہتہ، نینا مہتہ : گیت
۸-۳۰ اردو پروگرام
۹-۱۰، رات ۹-۴۵
رام دلائے : کلارنیٹ
دوپہر
۱۲-۰۰، رات ۸-۱۵
شاہین سلطانہ : غزلیں

شاستریہ سنگیت

منگل ۲۷ر دسمبر

وینا ناتھ : گیت
محمد احمد خاں و ساتھی ، سگم سنگیت
اردو پروگرام
میگزین

دوپہر ۱۰-۱۲
سنیتا جھنگرن ، ٹھمری ، دادرا

رات ۱۵-۸
اقبال احمد صدیقی ، سگم سنگیت
بدلتے ساتھی

منگل شب کی محفل موسیقی

بدھ ۲۸ر دسمبر

پشپا پاگدھر : غزل
اردو پروگرام
دوپہر ۱۰-۱۲
نیرج لال : کلارنٹ وادن

رات ۱۵-۸
کاجل بنرجی ، گیت ، بھجن

بسوراج راجگرو : خیال

جمعرات ۲۹ر دسمبر

پشپارانی : گیت
انجلی بنرجی : غزل
اردو پروگرام
خط کیلئے شکریہ ، رنگِ تغزل
رات ۳۰-۱۰
وینا سہسر بدھے ، خیال

رات ۱۵-۸
ایس۔ این۔ ورما : گیت و بھجن
۱۲ آواز کے پھول
۹ شاستریہ سنگیت

قطعات

عبدالعظیم خاں انجم شیگانوی

بعد از ترکِ تعلق مری وحشت کی قسم
تیری ہر یاد کو پُرزوں میں اڑایا میں نے
انتقاماً تری تصویر کے ٹکڑے تو کئے
احتراماً انہیں پلکوں سے اٹھایا میں نے

کب تلک جلتی ہوئی تہذیب کے حلقوں کے بیچ
خواہ مخواہ باندھا ہوا بے ربط رشتوں میں ہوں
بھاگ جانا چاہتا ہوں چھوڑ کر اپنا بدن !!
میں اکیلا آدمی کب تک فرشتوں میں رہوں

(جلگاؤں سے نشر)

جمعہ ۳۰ر دسمبر

صبح
۴۵-۷ چندر و آتما : بھجن
پریتا بلبیر سنگھ ، گیت
۳۰-۸ اردو پروگرام
میگزین
۱۰-۹ ، دوپہر ۱۰-۱۲
روی راج شنکر : بانسری

دوپہر
۰۰-۱۲ ، رات ۱۵-۸
نویدتا رائے ، گیت ، بھجن

رات
۳۰-۱۰ وجے شنکر چٹرجی : اسراج

ہفتہ ۳۱ر دسمبر

صبح
۴۵-۷ (۱) جے پرکاش کنڈارا اور
سنت رام شرما ، گیت
(۲) احمد حسین ، محمد حسین : غزل
۳۰-۸ اردو پروگرام
یہ بستیاں ہماریاں ' قصبہ خیر آباد ،
انٹرویوز پر مبنی فیچر
۱۰-۹ ، دوپہر ۱۰-۱۲
رماکانت پاٹھک ، پکھاوج

دوپہر
۰۰-۱۲ ، رات ۱۵-۸
نرملا کماری ، گیت اور بھجن

رات
۰۰-۸ اس پکھوارے کی کہانی
۳۰-۹ نیشنل پروگرام ، موسیقی

رامپور

۳۳۶ء۷ میٹر (۸۹۱ کلو ہرٹز)

خبریں

ہندی/انگریزی : صبح ۰۰-۶ (عالمی) ہندی : ۰۰-۸ دوپہر ۰۵-۱ اور ۱۰-۲ شام ۰۵-۶
رات ۴۵-۸ انگریزی : صبح ۱۰-۸ دوپہر ۰۰-۲ رات ۰۰-۹
اردو : صبح ۵۰-۸ اور رات ۱۵-۹ سماچار پتر ہندی : صبح ۰۰-۹
ضلع کی چٹھی : صبح ۰۵-۹ پرادیشک سماچار : شام ۲۰-۷

روزانہ نشر ہونیوالے پروگرام

پہلی مجلس
صبح
۵۵-۵ وندے ماترم : ار بھک ادھگوشنا
منگل دھونی
۳۵-۶ آج کا چنتن (علاوہ جمعہ)
جمعہ : گاندھی چرچا
۴۰-۶ سنو کسانوں
۵۵-۶ پروگراموں کا خلاصہ
۱۵-۷ روزگار سماچار
۳۰-۷ شاستر سنگت (علاوہ جمعہ اتوار)
جمعہ : کاویہ سور بھ/وانانی
اتوار : آج اتوار ہے
۴۵-۷ سنسکرت پروگرام (ہر جمعرات کو)
درپن (ہر جمعہ کو)
سگم سنگیت
(صرف پیر ، منگل ، بدھ اور ہفتہ کو)
۲۰-۸ لوک گیت
۳۰-۸ اردو پروگرام (ہر جمعہ کو)
۱۰-۹ تا ۰۰-۱۰
بال جگت (ہر اتوار کو)

دوسری مجلس
دوپہر
۳-۱۲ آپ کے لیے (ہر اتوار کو)
فلمی قوالی (ہر پیر کو)
آپ کی پسند

(ہر منگل اور جمعرات کو)
سور سنگم (ہر بدھ کو)
دھنک (ہر جمعہ کو)
ترنگ (ہر ہفتہ کو)
۴۵-۱۲ آپ کی چٹھی ملی (ہر اتوار کو)
۰۰-۱ پروگراموں کا خلاصہ
۱۰-۱ پریوار جگت (ہر اتوار کو)
مہلا جگت (ہر پیر کو)
دھرتی گاتی ہے
(پہلے تیسرے اور پانچویں منگل کو)
پٹھان راگ
(دوسرے اور چوتھے منگل کو)
گرامین مہلاؤں کے لیے
(ہر بدھ کو)
گنجیکا (ہر جمعرات کو)
نعت اور قوالی (ہر جمعہ کو)
سواستھ سندیش (ہر ہفتہ کو)
۳۰-۱ جوانوں کے لیے (ہر ہفتہ کو)
۲۰-۲ چترپٹ سنگیت (ایک ہی کلاکار)
۳۵-۲ آس پاس (ہر اتوار)

تیسری مجلس
شام
۰۰- پروگراموں کا خلاصہ
۱۰-۶ علاقائی سوچنائیں
۳۰-۶ یووا وانی

۰۰-۷ کرشی جگت
۳۵-۷ پریوار کلیان پرشن وتری (ہر اتوار کو)
اردو پروگرام (ہر پیر کو)
انگریزی تقریر (پہلے اور تیسرے بدھ کو)
آپ نے لکھا ہے
(دوسرے اور چوتھے بدھ کو)
شرتاؤں کے بیچ (پانچویں بدھ کو)
آپ کی چٹھی ملی (ہر جمعرات کو)
لیجیے پھر سنیے (ہر جمعہ کو)
ہندی تقریر (ہر ہفتہ کو)
۰۰-۸ سگم سنگیت (علاوہ اتوار اور منگل
اتوار : جوئے بار
منگل : سنسکرت پروگرام
۱۵-۸ پرادیشک سماچار درشن
(ہر اتوار کو)
شاستریہ سنگیت
(پیر ، بدھ ، جمعرات اور ہفتہ کو)
۲۰-۸ وادیہ ورند (ہر منگل کو)
۳۰-۸ ساز اور آواز
۳۰-۹ چہار بیت (ہر اتوار کو)
ناٹک (ہر جمعہ کو)
۴۵-۹ آپ کی پسند (ہر اتوار کو)
وادیہ ورند (پیر اور منگل کو)
۰۰-۱۰ وچار دھارا (ہر دوسرے پیر کو)
محفل (پانچویں پیر کو)

جمعہ ۱۶ر دسمبر

صبح
۱۰-۷ واتائین
- گرامین وکاس کی دشا میں سائنس کے
تجربات اور تعلیم ، تقریر از
بی۔ این۔ سنگھ
۴۵-۷ سیما شرما ، سگم سنگیت
۳۰-۸ آہنگ ، اردو پروگرام
(۱) ' ماحول اور آلودگی ' تقریر از
ایس۔ حسن عباس
(۲) ' نور — نور خاکی ' تقریر

دوپہر
۴۰-۱ شاستریہ سنگیت

محمد سعید خاں ، محمد رشید خاں : گائن

رات
۰۰-۸ بھوپیندر : غزلیں
۱۵-۸ ہری پرساد چورسیہ : بانسری

ہفتہ ۱۷ر دسمبر

صبح
۳۰-۷ شاستریہ سنگیت
دوپہر
۱۰-۱ سواستھ سندیش
شعری نشست ، پریوار کلیان کے سلسلے میں
شرکاء : سنتوش کمار موج ،
شہنشاہ بابر ، شجاعت علی خاں رہبر ،
تنیم صدیقی اور سید حسین افسر

شام

۴۵ - ۷ پستک سمیکشا، ہندی کتابوں پر تبصرہ
تحریر : مدھو رشیں

۰۰ - ۸ یکیش ، سگم سنگیت

۱۰ - ۸ امرت حسین خاں ، سربہار

اتوار ۱۸ر دسمبر

دوپہر

۱۰ - ۱ پریوار جگت
(۱) 'ٹالی جاسکتی ہیں گھریلو درگھٹنائیں' سمواد
شرکا : منجولا گپتا اور کمل کمار اگروال
(۲) غزلیں

رات

۳۰ - ۹ شہزادے میاں اور ساتھی،
چہار بیت

پیر ۱۹ر دسمبر

صبح

۴۵ - ۷ شوبھناراؤ ، سگم سنگیت

دوپہر

۱۰ - ۱ بندیا
(۱) 'مشکلات کا حل' تقریر
(۲) کہانی از ڈاکٹر مدھو جین
(۳) گیت

۴۰ - ۱ پنڈت جسراج ، گائن

رات

۰۰ - ۸ شری رام : غزلیں

منگل ۲۰ر دسمبر

صبح

۴۵ - ۷ ، رات ۰۰ - ۸
گوپیشوری شرما ، سگم سنگیت

دوپہر

۴۰ - ۱ مانک ورما ، گائن

شام

۴۵ - ۷ قانونی مدد ، سوالوں کے جواب از
شری بی بی ایل جبیلا ، ضلع جج ، رامپور

۱۰ - ۸ پنڈت روی شنکر ، ستار

بدھ ۲۱ر دسمبر

صبح

۳۰ - ۷ ، دوپہر ۴۰ - ۱
منے خاں ، طبلہ وادن

۴۵ - ۷ درپن ، سندیش گیتانجلی
پیشکش ، چندر موہن سکسینہ

رات

۰۰ - ۸ طالب حسین سلطانی اور ساتھی،
سگم سنگیت

۱۰ - ۸ برج بھوشن کابرہ ، گٹار

جمعرات ۲۲ر دسمبر

صبح

۳۰ - ۷ راجندر پرسنا ، بانسری

دوپہر

۴۰ - ۱ نرملا دیوی ، ہیرا دیوی ، گرجا دیوی،
ٹھمری

رات

۰۰ - ۸ جام غزل
موتی بیگم : غزلیں

۱۰ - ۸ کمار گورو ، گائن

جمعہ ۲۳ر دسمبر

صبح

۴۵ - ۷ مجتد نیازی ، غزلیں

۳۰ - ۸ آہنگ ، اردو پروگرام
'کیا کیا رنگ مہاوت کے'
تقریر از نفیس صدیقی

دوپہر

۴۰ - ۱ نزاکت علی ، سلامت علی ، گائن

رات

۱۵ - ۸ این - راجن ، وائلن

ہفتہ ۲۴ر دسمبر

دوپہر

۱۰ - ۱ سواستھ سندیش
(۱) ہری اوم شرما ، بھجن
(۲) اتیت کے جھروکوں سے

شام

۴۵ - ۷ 'اپنی مدد آپ کرو - بیس نکاتی پروگرام
ضلع رامپور میں' ، ہندی تقریر از
ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ، رامپور

۰۰ - ۸ وائی جے رام : غزلیں

۱۰ - ۸ عطا حسین خاں ، طبلہ

اتوار ۲۵ر دسمبر

دوپہر

۱۰ - ۱ پریوار جگت
(۱) جہیز اور قانون ، مباحثہ
شرکا : پشپ لتا گوتم ، شلیندر جوہری
(۲) غزلیں

رات

۰۰ - ۸ سگم سنگیت

۳۰ - ۹ نثار حسین و ساتھی ، چہار بیت

پیر ۲۶ر دسمبر

صبح

۴۵ - ۷ پنکج ادھاس ، سگم سنگیت

دوپہر

۱۰ - ۱ بندیا
(۱) 'کچھ مخصوص زنانے امراض' مذاکرہ
شرکا : ڈاکٹر ایس پروہت اور
ڈاکٹر جے نرولا
(۲) 'کوریتاں کے گھیرے اور ناری'
تقریر از کمل لتا کنگ (بریلی)
(۳) گیت

دوپہر

۴۰ - ۱ جی - ایس - سچدیوا ، بانسری

رات

۰۰ - ۸ طلعت محمود ، سگم سنگیت

۱۰ - ۸ نثار حسین خاں ، گائن

منگل ۲۷ر دسمبر

صبح

۴۵ - ۷ ، رات ۰۰ - ۸
ونود کمار شرما ، سگم سنگیت

دوپہر

۴۰ - ۱ رام جی لال شرما ، پکھاوج

شام

۴۵ - ۷ قانونی مدد —
از ہری کشن تیاگی ایڈووکیٹ

۱۰ - ۸ اروند پارکھ ، ستار

بدھ ۲۸ر دسمبر

صبح

۳۰ - ۷ ڈی - وی - پلسکر ، گائن

۴۵ - ۷ درپن
'نہلے پر دہلا' ، مزاحیہ جھلکی
پیشکش ، چندر پرکاش آریہ

دوپہر

۴۰ - ۱ رام ناتھ سیٹھ ، بانسری

رات

۰۰ - ۸ سمن کلیانپور ، سگم سنگیت

۱۰ - ۸ شاستریہ سنگیت
جگدیش پرشاد ، خیال

جمعرات ۲۹ر دسمبر

صبح

۳۰ - ۷ مہندر سنگھ ، ستار

دوپہر

۴۰ - ۱ سدیپ کمار مترا ، گٹار

رات

۰۰ - ۸ جام غزل
اوشا اگروال ، غزلیں

۱۰ - ۸ روشن آرا بیگم ، گائن

جمعہ ۳۰ر دسمبر

صبح

۳۰ - ۷ وانائش
(۱) 'بھوگربھ سمپداؤں کی کھوج میں ...
رہو' تقریر
(۲) 'انتریکش کی طرف بڑھتے قدم' تقریر

۴۵ - ۷ بیگم اختر ، سگم سنگیت

۳۰ - ۸ آہنگ ، اردو پروگرام
'آسان بھی ہے مشکل بھی - کیا ...
تاجر بنا' تقریر از کملیشور ...

دوپہر

۴۰ - ۱ عبد الحلیم جعفر خاں ، ستار

رات

۰۰ - ۸ اسد علی خاں ، رودر وینا

ہفتہ ۳۱ر دسمبر

رات

۰۰ - ۸ ماسٹر مدن اور حبیب النبی :
سگم سنگیت

۱۰ - ۸ ہمایوں وشواس ، سنطور وادن

قلم کار حضرات !
اپنی تخلیقات ہمیں اشاعت کیلئے ارسال نہ کریں
'آواز' میں صرف وہی تخلیقات شائع کی
جاتی ہیں جو نشریہ کے بعد ہمیں ریڈیو
اسٹیشنوں سے موصول ہوتی ہیں

جالندھر چنڈی گڑھ

جالندھر 'الف' ۳۳۳٫۳۳ میٹر ۹۰۰ کلوہرٹز جالندھر 'ب' ۴۲۷٫۳۳ میٹر ۷۰۲ کلوہرٹز
چنڈی گڑھ ۲۰۹٫۷ میٹر ۱۴۳۰ کلوہرٹز (شام ۶-۱۰ تا ۹-۳۰ بجے)

خبریں

۸-... ، دوپہر ۱-۰۵ ، ۲-۱۰ ، ۲-۳۵ (دھیمی رفتار سے) شام ۶-۰۵ ، ۶-۲۰ (پرادیشک سماچار) رات ۸-۴۵ ، ۸-۵۰ ، ۱۱-۰۵
۸-... دوپہر ۱-۴۰ ، شام ۶-۱۰ (پرادیشک سماچار) شام ۷-۳۰ انگریزی صبح ۸-۱۰ دوپہر ۱-۰۰ ، رات ۹-۰۰ اور ۱۱-۰۰
۸-۰۵ دوپہر ۱-۵۰ رات ۹-۱۵ (خبریں) ۹-۲۵ تبصرہ روزگار سماچار : شام ۷-۴۰

روزانہ نشر ہونیوالے پروگرام

...دھر 'الف'
...ے ماترم اور منگل دھونی
...حنا : بھگتی سنگیت
...اور کھیتی باڑی
...ے : پروگراموں کا خلاصہ
...ی وار (اتوار)
...ت بودھ
...رت سانس (اتوار)
...ائگی

۱-۰۵ فوجی بھائیوں کے لیے
۲-۰۰ موسم اور اناج کھیتی
۲-۲۰ سگم سنگیت
شام
۵-۳۰ گوروانی وچار
۶-۰۰ صوبائی خبریں اور پروگراموں کا خلاصہ
۶-۱۰ پرادیشک خبریں (پنجابی)
۶-۲۰ پرادیشک خبریں (ہندی)
۶-۳۰ دیہاتی پروگرام

۷-۴۰ روزگار خبریں
۹-۱۵ اردو میں تبصرہ
جالندھر 'ب'
صبح
۱۰-۱۰ اسکول براڈکاسٹ
شام
۶-۰۰ یووانی پروگرام
۶-۴۵ یونیورسٹی پروگرام
۷-۰۰ پنجابی میں رنگارنگ پروگرام
۸-۰۰ اختتام

جمعہ ۱۶ دسمبر

بھجن
دوپہر ۲-۳۰
حمد و ثنا اور کافی
شام ۷-۴۵
امریک سنگھ ، شبد
، دوپہر ۲-۰۰ ، ۱۲ ، رات ۱۰-۳۰
ایل کے پنڈت ، خیال

پریوار کلیان پروگرام
امرجیت کور پرواز ، لوک گیت
بلبیر سنگھ : لوک گیت

'وشو سنچار دوس اور بھارت' تقریر
'اس نے کہا تھا' ہندی ناٹک
تحریر : اندر جوشی
ہنسراج و ساتھی : بھینٹاں

ہفتہ ۱۷ دسمبر

شبد
، رات ۸-۳۰
بھائی چانن سنگھ مجبور و ساتھی ، شبد

۷-۴۵ جسدیو کملر یملا جٹ : لوک گیت
۹-۰۵ پرکاش وڈھیرہ : بانسری
۹-۲۵ ، دوپہر ۱-۴۵
گوہاٹی میں بھارت اور ویسٹ انڈیز کے درمیان کھیلے جا رہے کرکٹ میچ کا آنکھوں دیکھا حال ــــ
سہ پہر
۵-۱۵ اشوک کمار ، غزلیں
رات
۹-۳۰ نیشنل پروگرام ، موسیقی
شاہد پرویز : ستار وادن

اتوار ۱۸ دسمبر

صبح
۷-۴۵ پرتی بمب
۹-۱۵ بچوں کیلئے پروگرام
۱۰-۰۰ ہفت روزہ زرعی پروگرام
۱۰-۳۰ فرمائشی فلمی گیت
دوپہر
۱۲-۳۰ مستورات کیلئے
۲-۳۰ گیان سنگھ کنول ، لوک گیت
۵-۱۵ محمد شریف قوال اور ساتھی ، کافیاں
شام
۸-۰۰ شبد گائن
۱۰-۳۰ استاد علاؤالدین خاں ، سرود

پیر ۱۹ دسمبر

صبح
۶-۴۵ بھجن
۷-۳۰ پنجابی میں پاریوارک جھلکی
۸-۲۰ ہرنیک سنگھ رانا ، لوک گیت
۸-۴۰ سنسکرت گیت ، کاویہ سنگیت
رگھونندن پنڈت اور رام پال ودیا النکار
۹-۰۵ ، رات ۱۰-۳۰
سیارام تیواری : الاپ اور دھمار
دوپہر
۱۲-۰۲ فرمائشی پنجابی گیت
۱۲-۴۵ پریوار کلیان پروگرام
۲-۳۰ گورو دیو سنگھ کوٹل : لوک گیت
۵-۰۵ دیہاتی بچوں کیلئے
رات
۸-۰۰ 'بھارتیہ انترکش اپلبدھیاں اور انسیٹ 1.بی'
ہندی تقریر از ڈاکٹر ایچ ایس گورم
۹-۳۰ 'لیلا مجنوں' پنجابی ناٹک
تحریر : پورن سنگھ وڑالی
۱۰-۴۵ جاگیر سنگھ طالب : لوک گیت

منگل ۲۰ دسمبر

صبح
۶-۴۵ شبد
۸-۲۰ پنجابی گیت
۹-۱۰ بھیم سین جوشی : گائن
دوپہر
۱۲-۰۲ نالے گلاں نالے گیت
ترتیب : سادھو سنگھ گووندپوری
۲-۳۰ پریت سوہل ، لوک گیت
۵-۱۵ جگموہن کور ، لوک گیت
شام
۷-۴۵ پروڑھ شکشا
۹-۳۰ 'بیتا سال ــ آتا سال'
ہندی میں پریچرچا
۱۰-۰۰ بھارتی بھٹاچاریہ : گائن

بدھ ۲۱ دسمبر

صبح
۶-۴۵ بھجن
۷-۴۵ جیون جوت
۹-۰۵ ، دوپہر ۱۲-۰۲
جگموہن سہگل : ستار
۹-۲۰ کنٹھے مہاراج : طبلہ

دوپہر
۱۲-۱۵ بھائی گوردیال سنگھ راگی و ساتھی ، شبد
۲-۳۰ ملکھی رام : لوک گیت
۵-۰۵ ننھے منوں کیلئے
رات
۱۰-۳۰ امرناتھ : خیال

جمعرات ۲۲ دسمبر

صبح
۶-۴۵ شبد
۷-۴۵ کلدیپ سنگھ پردیسی : لوک گیت
۸-۲۰ ، سہ پہر ۵-۰۵
شبد اور پنجابی گیت
۹-۱۵ ، دوپہر ۱۲-۰۲ ، رات ۱۰-۳۰
سویتا دیوی : خیال
دوپہر
۱۲-۱۵ ، شام ۷-۵۰
سدھیر کوشل ، غزلیں
۱۲-۳۰ مستورات کیلئے
۲-۳۰ گلزار بھٹی : لوک گیت
۵-۱۵ پورن شاہکوٹی : لوک گیت
رات
۱۰-۱۵ کلدیپ مانک : لوک گیت

جمعہ ۲۳ دسمبر

صبح
۶-۴۵ بھجن
۷-۳۰ ، دوپہر ۱۲-۱۵
محمد شریف قوال و ساتھی : نعتیں
۷-۴۵ نوین کرشمے
۸-۲۰ ، سہ پہر ۵-۰۵
برہم سروپ سنگھ : وچتر وینا
دوپہر
۱۲-۰۵ این ۔ راجن ، وائلن
۱۲-۴۵ پریوار کلیان پروگرام
۲-۳۰ جوگا سنگھ جوگی و ساتھی ، کویشری
۵-۱۵ گورمیت کور باوا و ساتھی ، لوک گیت
رات
۸-۰۰ پستک سمیکشا
تحریر ، ٹھاکر دت شرما
۱۰-۱۵ محمد صدیق ، لوک گیت

ہفتہ ۲۴ دسمبر

صبح
۶-۴۵ شبد

شام ۷-۴۵
بلبیر سنگھ و ساتھی ، شبد
۹-۰۵ ، دوپہر ۲-۰۰-۱۲
بھگوان داس سینی ، خیال
۹-۵۵ کرکٹ کمنٹری
دوپہر
۱۲-۱۵ ، رات ۸-۳۰
اندرجیت سنگھ ، غزلیں
۱۲-۳۰ گورچرن سنگھ گوبا ڑھ ڈھاڈی و ساتھی ، واراں
۵-۱۵ کرنیل سنگھ سندھو ، لوک گیت
رات
۹-۳۰ وی - وی - سبرامنیم ، گاشن

فضا ابن فیضی

کہنہ لفظوں پہ معنی کی ڈال رکھی تھی ۔۔۔ نہ پوچھ کیسے بنائے خیال رکھی تھی
جواں ہوا ابرا لہجہ تو سردسا نکلا ۔۔۔ کہ ابتلا ہے بڑی دیکھ بھال رکھی تھی
اب اور قرینۂ بے چہرگاں ہیں کیا کرتے ۔۔۔ نقاب ہم نے بھی چہرے پہ ڈال رکھی تھی
وہ کٹ کے رہ گیا کرتا بھی کیا کہ ہم نے بھی ۔۔۔ اسی پتنگ کی ڈوری سنبھال رکھی تھی
سبھوں کی مٹھی میں ساحل کی خشک ریت آئی ۔۔۔ کہ موج موج تو ہم نے کھنگال رکھی تھی
ہر ایک شخص ہے گندم زیاں کے خرمن کا ۔۔۔ کہاں چھپا کے متاعِ زوال رکھی تھی
عجب تھا منظرِ ہستی کہ ہر دریچے پر ۔۔۔ بس ایک شمع ہوا کے مثال رکھی تھی
رہا قدم بہ قدم سخت دھوپ کا موسم ۔۔۔ سبو میں اس نے مری پیاس ڈھال رکھی تھی
کوئی بھی شہر میں اس کے نہ تنگ دست ملا ۔۔۔ مصیبت ایک نئی سب نے پال رکھی تھی
ہم آسمان سے مل کر ہوئے بہت مایوس ۔۔۔ زمیں نے اپنی ہی مٹی اچھال رکھی تھی
طلسم کھل نہ سکا اس کے پورے چہرے کا ۔۔۔ سبھوں نے اپنی نظر خال خال رکھی تھی
ہمارا کام تھا جادو کی داستاں لکھنا ۔۔۔ ورق ورق وہی چشمِ غزال رکھی تھی
رہا نہ خوش ہنروں کو بھی پاسِ وضعِ فضا
وہ راہ بے ہنری نے نکال رکھی تھی

(دگور کھپور سے نشر)

اتوار ۲۵ دسمبر

صبح
۷-۳۰ رام چرت مانس
۷-۴۵ پرتی بمب
۸-۲۰ مسیحی بھجن
۹-۱۵ بچوں کیلئے
۹-۵۵ کرکٹ کمنٹری
دوپہر
۱۲-۳۰ مستورات کیلئے
۵-۱۵ پورن شاہکوٹی ، لوک گیت
شام
۷-۴۵ پنجابی میں پاریوارک جھلکی
۱۰-۰۰ شبد گاشن
۱۰-۳۰ گنیش رامچندر بہیرا ، خیال

پیر ۲۶ دسمبر

صبح
۶-۴۵ بھجن
۷-۳۰ جاگرت
۸-۲۰ ، رات ۱۰-۱۵
رام سہائے سرس ، بھیردی
۹-۰۵ ، رات ۱۰-۳۰
منی پرساد ، خیال
دوپہر
۱۲-۰۲ فرمائشی پنجابی گیت
۲-۳۰ سورن سنگھ ، لوک گیت
۵-۰۵ دیہی بچوں کیلئے
رات
۸-۰۰ "سلطان پور لودھی" تقریر از ہر مہندر سنگھ بیدی
۹-۳۰ پنجابی ناٹک

منگل ۲۷ دسمبر

صبح
۷-۱۵ کویتا پاٹھ از تیجی گرودر
۹-۱۰ شیو کمار شرما اور ہری پرساد چورسیہ ، سنطور و بانسری
۹-۵۵ کرکٹ کمنٹری
دوپہر
۲-۴۵ جیون سنگھ چندن و ساتھی ، لوک گیت
۵-۱۵ سریندر شندا ، لوک گیت
رات
۹-۳۰ انگریزی میں پریچرچا
۱۰-۰۰ منگل شب کی محفل موسیقی
نیتر حسین و ساتھی ، شہنائی

بدھ ۲۸ دسمبر

صبح
۶-۴۵ بھجن
۷-۳۰ ، دوپہر ۱۲-۱۵ ، شام ۷-۴۵
بھائی ہرچند سنگھ راگی و ساتھی ، شبد
۹-۰۵ ، دوپہر ۱۲-۰۲ ، رات ۱۰-۳۰
گریش ، خیال
۹-۵۵ کرکٹ کمنٹری
۲-۴۵ سرب جیت ، لوک گیت
۵-۰۵ ننھے منوں کیلئے
رات
۹-۳۰ فرمائشی فلمی گانے

جمعرات ۲۹ دسمبر

صبح
۶-۴۵ شبد
۷-۳۰ ، شام ۷-۵۰
ودیا ساگر رامیاں ، بھجن اور غزلیں
۷-۴۵ پریم پاٹھک ، لوک گیت
۹-۰۵ ، شام ۷-۰۲
پرشوتم داس مہتہ ، خیال
۹-۲۰ افضل حسین ، خیال
۹-۲۵ کرکٹ کمنٹری
۵-۱۵ سریندر بھلا ، لوک گیت
رات
۱۰-۱۵ رمیش رنگیلا و ساتھی ، لوک گیت
۱۰-۳۰ "ہائے کہاں گئے وہ لوگ"
پنڈت اونکار ناتھ ٹھاکر کی زندگی اور فن موسیقی کو انکی دین کے موضوع پر مبنی پروگرام
پیشکش ، بلبیر سنگھ کلسی

جمعہ ۳۰ دسمبر

صبح
۶-۵۰ بھجن
۷-۴۵ نویں کرشمے
۸-۲۰ ، سہ پہر ۵-۰۵
بہاری لال مہتہ ، بھجن اور پنجابی گیت
۹-۰۵ ، رات ۱۰-۳۰
سوہن سنگھ ، خیال

پون کمار ورما ، طبلہ سنگت
دوپہر
۱۲-۰۲ پون کمار ورما ، طبلہ وادن
۱۲-۱۵ شوبھا گرتو ، ٹھمری ، دادرا
۲-۳۰ رنجنا سنگھ مان ، لوک گیت
۵-۱۵ کیول سنگھ ڈھاڈی و ساتھی ، واراں
رات
۸-۰۰ "ہندی کے مسلمان کوی - رحیم" تقریر از شسشی بھوشن ستانشو
۹-۳۰ "دھرتی کے آنسو" ہندی ناٹک
تحریر : سدرشن فاخر
۱۰-۱۵ کماری رنجنا ، لوک گیت

ہفتہ ۳۱ دسمبر

صبح
۶-۴۵ شبد
۷-۴۵ پریتی بالا ، لوک گیت
۹-۰۵ ، دوپہر ۱۲-۰۲
برج نارائن ، سرود
۹-۲۰ لکشمن داس سندھو ، ٹھمری
دوپہر
۱۲-۳۰ لوک سنگیت
۵-۱۵ جیلارام و ساتھی ، لوک گیت
۵-۴۵ سویتا سمن ، گیت و غزل
رات
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : موسیقی
جشن تان سین کی ریکارڈنگ

...وہتک

میڈیم ویو ۳۰۲ء۳ میٹر ۱۳۳۰ کلو ہرٹز

خبریں

ہندی: صبح ۸-۰۰، دوپہر ۵-۰۰، شام ۶-۰۵، رات ۸-۴۵

انگریزی: صبح ۸-۱۰، دوپہر ۱-۰۰، شام ۶-۰۰، رات ۹-۰۰

روزانہ نشر ہونیوالے پروگرام

...شام
...گیت
...ی
...وں کا خلاصہ
...نیوز لیٹر
...گیت
(...بچوں کیلئے)

۸-۳۰ سب رس

دوپہر
۱-۱۰ فلمی سنگیت
۱-۴۰ اسکول براڈکاسٹ
(سوائے ہفتہ، اتوار اور تعطیلات)
۲-۲۰ لوک سنگیت

شام
۵-۳۰ یووا سنسار
۶-۱۰ علاقائی لوک سنگیت
(بدھ کو نتھے منے)
۷-۰۰ گرامین سنسار
۷-۳۰ روزگار سماچار
۹-۱۶ ایک فلم سے /
جمعرات کو آپ کا خط ملا

جمعہ ۱۶ دسمبر

...شام ۷-۴۵
...ند لال راہی : سگم سنگیت
...کرنال ضلع کی چٹھی
...ت ۱۰-۰۰
...شریکانت باکرے : کلاسیکی موسیقی
...لوک سنگیت
...گاندھی چرچا
...گاتی پنکتی
...ورندگان
...دھرمپال بھوریا اور اوشا کرن و ساتھی،
لوک سنگیت

...یووا سنسار
...کرشی جگت
...گرامین سنسار
...کھیل جگت
...سورمنجری
...ایک فلم سے 'لوک پرلوک'
...تیسرے پہر کی دھوپ

ہفتہ ۱۷ دسمبر

...شام ۷-۴۵
...وید سیٹھی : سگم سنگیت
...گوڑگاؤں ضلع کی چٹھی

۷-۳۰ اجیت سنگھ پینتل : کلاسیکی موسیقی
۸-۲۱ لوک سنگیت

دوپہر
۱۲-۳۰ پھر نیسے
۱-۰۰ ورندگان
۱-۴۰ اساتذہ کیلئے
۲-۲۰ نورنگ ناتھ و ساتھی اور
ایشور چندر شرما : لوک سنگیت

شام
۵-۳۰ یووا سنسار
۶-۱۰ راگنی سانگوں سے
۶-۳۰ کرشی جگت
۷-۰۰ گرامین سنسار
۸-۰۰ ہریانہ درشن
۸-۳۰ سورمنجری
۹-۱۶ ایک فلم سے 'آتش'
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : موسیقی

اتوار ۱۸ دسمبر

صبح
۷-۱۰، شام ۷-۴۵
محمد سعید صابری و ساتھی : سگم سنگیت
۷-۲۵ جیند ضلع کی چٹھی
۷-۳۰ وزیر حسین خاں : سارنگی
۸-۲۱ بال کنج
۹-۰۵ اس ماہ کا گیت

دوپہر
۱۲-۳۰ ناری جگت
۱-۰۰ کھلا آکاش
۲-۲۰ چاند سانورے اور
روی بلراج ویاس : سگم سنگیت

شام
۵-۳۰ یووا سنسار
۶-۱۰ پنجابی گیت
۶-۳۰ کرشی جگت
۷-۰۰ گرامین سنسار
۸-۰۰ آج اتوار ہے
۸-۳۰ سورمنجری
۹-۱۶ ایک فلم سے 'ہمارے تمہارے'
۱۰-۰۰ پرانی فلموں سے

پیر ۱۹ دسمبر

صبح
۷-۱۰، شام ۷-۴۵
ساوتری مکرجی : سگم سنگیت
۷-۲۵ کوروکشیتر ضلع کی چٹھی
۷-۳۰، رات ۱۰-۰۰
غلام مصطفےٰ خاں : گائن
۸-۲۱ لوک سنگیت

دوپہر
۱۲-۳۰ ملے جلے گانے
۱-۰۰ ورندگان
۱-۴۰ طلبا کیلئے
۲-۲۰ میر سنگھ و ساتھی اور
سورج بھان سانگی : لوک سنگیت

شام
۵-۳۰ یووا سنسار (انگریزی)
۶-۱۰ سندھی گیت
۶-۳۰ کرشی جگت
۷-۰۰ گرامین سنسار : لوک سنگیت
۸-۳۰ سورمنجری
۹-۱۶ ایک فلم سے 'زخموں کے نشان'

منگل ۲۰ دسمبر

صبح
۷-۱۰، شام ۷-۴۵
یش شرما : سگم سنگیت
۷-۲۵ مہندر گڈھ ضلع کی چٹھی
۷-۳۰ اکرام حسین خاں : طبلہ وادن
۸-۲۱ لوک سنگیت

دوپہر
۱۲-۳۰ لائبریری سے انتخاب
۱-۰۰ ورندگان
۱-۴۰ طلبا کیلئے
۲-۲۰ وملیش کماری اور
بہادر ناتھ و ساتھی : لوک سنگیت

شام
۵-۳۰ یووا سنسار
میری پسند
۶-۱۰ راجستھانی گیت
۶-۳۰ کرشی جگت
۷-۰۰ گرامین سنسار
۸-۰۰ پنجابی کویتا پاٹھ
۸-۳۰ سورمنجری
۹-۱۶ ایک فلم سے 'نستے پہ ستہ'
۱۰-۰۰ پرانی فلموں سے

بدھ ۲۱ دسمبر

صبح
۷-۱۰، شام ۷-۴۵
بلبیر سوبتی : سگم سنگیت
۷-۲۵ سونی پت ضلع کی چٹھی
۷-۳۰ راجن مشرا ساجن مشرا : گائن
۸-۲۱ لوک سنگیت

دوپہر
۱۲-۳۰ آنگن باڑی
۱-۰۰ کتھرنیں
۱-۴۰ طلبا کیلئے
۲-۲۰ ست نارائن اور کرشن چندر شرما :
لوک سنگیت

شام
۵-۳۰ یووا سنسار
۶-۱۰ ننھے منے : گیت، کہانی
۶-۳۰ کرشی جگت
۷-۰۰ گرامین سنسار
۸-۰۰ ہندی تقریر
۸-۳۰ سورمنجری
۹-۱۶ ایک فلم سے 'گوتم گووندہ'
۹-۳۰ چرچا کا وشیہ ہے

جمعرات ۲۲ دسمبر

صبح
۷-۱۰، شام ۷-۴۵
اسلم صابری و ساتھی : سگم سنگیت
۷-۲۵ سرسہ ضلع کی چٹھی
۷-۳۰ چلتے چلتے
۸-۲۱ لوک سنگیت

دوپہر
۱۲-۳۰ دھرتی کے گیت

۱ ورندگان
۱-۲ طلبا کیلئے
۲-۲۰ سروپ لال سانگی اور
رام ناتھ وساتھی ؛ لوک سنگیت

شام

۵-۳۰ یووا سنسار
۶-۱۰ راگنی سانگوں سے
۶-۳۰ کرشی جگت
۷-۰۰ گرامین سنسار
بالک منڈلی
۸-۰۰ گھر آنگن
۸-۳۰ سور منجری
۹-۱۶ آپ کا خط ملا

جمعہ ۲۳ر دسمبر

صبح

۷-۱۰، شام ۷-۴۵
شیلی کپور وساتھی ، سگم سنگیت
۷-۲۵ فرید آباد ضلع کی چٹھی
۷-۳۰، رات ۱۰-۰۰
مشتاق حسین خاں ؛ گائن
۸-۲۱ لوک سنگیت
۸-۳۰ گاندھی چرچا

دوپہر

۱۲-۳۰ گاتی پنکتی
۱-۰۰ ورندگان
۱-۴۰ طلبا کیلئے
۲-۲۰ راج کشن اگوانپوریا اور
ادم پرکاش ؛ لوک سنگیت

شام

۵-۳۰ یووا سنسار
۶-۱۰ راگنی سانگوں سے
۶-۳۰ کرشی جگت
۷-۰۰ گرامین سنسار : لوک سنگیت
۸-۰۰ وکاس کلب
۸-۳۰ سور منجری
۹-۱۶ ایک فلم سے 'تم سا نہیں دیکھا'
۹-۳۰ انگریزی میں فیچر

ہفتہ ۲۴ر دسمبر

صبح

۷-۱۰، شام ۷-۴۵
اوشا اگروال ؛ سگم سنگیت
۷-۲۵ روہتک ضلع کی چٹھی
۷-۳۰ پنڈت جگدیش پرساد ؛ گائن

۸-۲۱ لوک سنگیت

دوپہر

۱۲-۳۰ پھر سنیئے
۱-۰۰ ورندگان
۱-۴۰ اساتذہ کیلئے
۲-۲۰ چاندلال اور اجیت سنگھ ؛
لوک سنگیت

شام

۵-۳۰ یووا سنسار
سوال جواب
۶-۱۰ راگنی سانگوں سے
۶-۳۰ کرشی جگت
۷-۰۰ گرامین سنسار
۸-۰۰ ہریانہ درشن
۸-۳۰ سور منجری
۹-۱۶ ایک فلم سے 'مدر انڈیا'
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : موسیقی

اتوار ۲۵ر دسمبر

صبح

۷-۱۰، شام ۷-۴۵
فادر انڈریو وساتھی ؛ سگم سنگیت
۷-۲۵ حصار ضلع کی چٹھی
۷-۳۰ ستیش پرکاش قمر ؛ شہنائی
۸-۲۱ بال کنج
۹-۰۵ اس ماہ کا گیت

دوپہر

۱۲-۳۰ ناری جگت
۱-۰۰ کھلا آکاش
۲-۲۰ رام مہر سنگھ اور منبھول سنگھ ڈانگی
لوک سنگیت

شام

۵-۳۰ یووا سنسار
۶-۱۰ پنجابی گیت
۶-۳۰ کرشی جگت
۷-۰۰ گرامین سنسار
۸-۰۰ آج اتوار ہے
۸-۳۰ سور منجری
۹-۱۶ ایک فلم سے 'سوامی'
۱۰-۰۰ پرانی فلموں سے

پیر ۲۶ر دسمبر

صبح

۷-۱۰، شام ۷-۴۵
شکنتلا بدھی راجہ ؛ سگم سنگیت

۷-۲۵ انبالہ ضلع کی چٹھی
۷-۳۰، رات ۱۰-۰۰
مہیش واجپائی ، کلاسیکی موسیقی
۸-۲۱ لوک سنگیت

دوپہر

۱۲-۳۰ ملے جلے گانے
۱-۰۰ ورندگان
۱-۴۰ طلبا کیلئے
۲-۲۰ ہنے کمل اور رام بائی وساتھی ؛
لوک سنگیت

شام

۵-۳۰ یووا سنسار (انگریزی)
۶-۱۰ سندھی گیت
۶-۳۰ کرشی جگت
۷-۰۰ گرامین سنسار
۸-۰۰ انگریزی تقریر
۸-۳۰ سور منجری
۹-۱۶ ایک فلم سے 'ڈون'

منگل ۲۷ر دسمبر

صبح

۷-۱۰، شام ۷-۴۵
او-پی-کپور ؛ سگم سنگیت
۷-۲۵ بھوانی ضلع کی چٹھی
۷-۳۰ شریف احمد خاں ؛ طبلہ
۸-۲۱ لوک سنگیت

دوپہر

۱۲-۳۰ لائبریری سے انتخاب
۱-۰۰ ورندگان
۱-۴۰ طلبا کیلئے
۲-۲۰ سنتوش دھیکڑ اور سنیتا دیوی ؛
لوک سنگیت

شام

۵-۳۰ یووا سنسار
میری پسند
۶-۱۰ ایک نور تے سب جگ اپجیا
۷-۰۰ گرامین سنسار
۸-۰۰ کویتا پاٹھ
۹-۱۶ ایک فلم سے 'نیا گھر'
۱۰-۰۰ پرانی فلموں سے

بدھ ۲۸ر دسمبر

صبح

۷-۱۰، شام ۷-۴۵
رمیش کمار ، سگم سنگیت

۷-۲۵ کرنال ضلع کی چٹھی
۷-۳۰ دیال سنگھ رانا ، کلاسیکی موسیقی
۸-۲۱ لوک سنگیت

دوپہر

۱۲-۳۰ آنگن باڑی
۱-۰۰ گیت زمیں
۱-۴۰ طلبا کیلئے
۲-۲۰ اوم پرکاش سبھروال اور
سلطان سنگھ ؛ لوک سنگیت

شام

۵-۳۰ یووا سنسار
۶-۱۰ ننھے منے ، گیت ، کہانی
۶-۳۰ کرشی جگت
۷-۰۰ گرامین سنسار
۸-۰۰ ہندی تقریر
۸-۳۰ سور منجری
۹-۱۶ ایک فلم سے 'دنیا میری جیب میں'

جمعرات ۲۹ر دسمبر

صبح

۷-۱۰، شام ۷-۴۵
لکشمن داس سندھو ، سگم سنگیت
۷-۲۵ گوڑگاؤں ضلع کی چٹھی
۷-۳۰ چلتے چلتے

دوپہر

۱۲-۳۰ دھرتی کے گیت
۱-۴۰ طلبا کیلئے
۲-۲۰ دھرم پال بیدی اور
کرن سنگھ سولنکی ، لوک سنگیت

شام

۵-۳۰ یووا سنسار
۶-۱۰ راگنی سانگوں سے
۶-۳۰ کرشی جگت
۷-۰۰ گرامین سنسار
بالک منڈلی
۸-۰۰ گھر آنگن
۸-۳۰ سور منجری
۹-۱۶ آپ کا خط ملا
۱۰-۰۰ پرانی فلموں سے

جمعہ ۳۰ر دسمبر

صبح

۷-۱۰، شام ۷-۴۵
محمد احمد رامپوری وساتھی ؛
سگم سنگیت

ناگپور

۵۱۲۶۸ میٹر ۰ ۵۸۵ کلو ہرٹز

خصوصی اردو پروگرام ’محفل‘

پیر ۱۹ اردسمبر

شگوفے
ذکر اس پری وش کا
مزاحیہ بات چیت
از بانو سرتاج
ساز و نغمہ
کھیلوں کی دنیا : چند نئے دلچسپ کھیل
بات چیت : از سلیم بیگ

پیر ۲۶ اردسمبر

رات

۱۰-۰۰ بزم سخن
شرکار : عارف جمالی
عبدالخالق ارمان ، جوش ادیب
مرزا ظفر ، پروفیسر خلیل شارق
نظامت :
عبیدالرحمن نیازی

جیند ضلع کی چٹھی
رات ۰۰-۰
پنالال سونکی : کلاسیکی موسیقی
لوک سنگیت
گاندھی چرچا
گاتی پنکتی
ورندگان
طلبا کیلئے
رمیش کمار اور پیارے لال وساتھی :
لوک سنگیت
یووا سنسار
راگنی سانگوں سے
کرشی جگت
لوک سنگیت
گرامین سنسار
سور منجری
ایک فلم سے ’ہیرا موتی‘

۷-۳۰ گنگا پرساد پاٹھک : کلاسیکی موسیقی
۸-۲۱ لوک سنگیت

دوپہر

۱۲-۳۰ پھر سنیئے
۱-۰۰ ورندگان
۱-۴۰ اساتذہ کیلئے
۲-۲۰ دھرم سنگھ اور جگورام والمیکی :
لوک سنگیت

شام

۵-۳۰ یووا سنسار
سوال جواب
۶-۱۰ راگنی سانگوں سے
۶-۳۰ کرشی جگت
۷-۰۰ گرامین سنسار
۸-۰۰ ہریانہ درشن
۸-۳۰ سور منجری
۹-۱۲ ایک فلم سے ’گیت گنگا‘
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : موسیقی

ہفتہ ۳۱ اردسمبر

شام ۵-۴۵
شمیم آزاد : سگم سنگیت
کورو کشیتر ضلع کی چٹھی

شملہ

میڈیم ویو : ۳۸۷٫۶ میٹر ۷۷۴ کلو ہرٹز
شارٹ ویو : ۹۳٫۰۹ میٹر ۳۲۲۳ کلو ہرٹز صبح ۷-۳۰ تک اور شام ۶-۳۰ کے بعد
۴۹٫۸۳ میٹر ۶۰۲۰ کلو ہرٹز صبح ۷-۳۵ کے بعد اور شام ۶-۱۵ تک
صبح ۵-۲۵ سے ۷-۳۰ ، ۳۲۲۳ کلو ہرٹز صبح ۷-۴۵ سے ۹-۳۰ اور
۹-۳۵ سے ۴-۲۵ ، ۵-۲۵ اور شام ۵-۰۰ سے ۶-۱۵ تک
۶۰۲۰ کلو ہرٹز ۵-۰۰ سے رات ۱۲-۰۰ ۳۲۲۳ کلو ہرٹز

خبریں

ہندی : صبح ۸-۰۰ دوپہر ۱-۰۵ ، ۲-۱۰ ، شام ۶-۰۵ اور رات ۸-۴۵
انگریزی : صبح ۸-۱۰ دوپہر ۱-۰۰ ، ۲-۰۰ اور رات ۹-۰۰
سنسکرت : صبح ۷-۰۰ ، اردو : صبح ۸-۵۰ ، علاقائی خبریں : شام ۷-۵۰

روزانہ نشر ہونیوالے پروگرام

صبح
۶-۳۰ وندے ماترم ، منگل دھونی
۶-۳۵ گیان وندو اور
بھگتی سنگیت کا پروگرام وندنا
۶-۵۵ کھیتی باڑی
۷-۰۵ پروگراموں کا خلاصہ
۷-۱۰ کلاسیکی موسیقی / پرارتھنا سبھا /
کرناٹک سنگیت
۷-۳۰ ساماٹیکی
۷-۳۵ پہاڑی سنگیت
۹-۰۰ راجیہ کی چٹھی اور موسم کا حال
۹-۳۰ اختتام
دوپہر
۱۲-۳۰ اسکول براڈ کاسٹ
۱۲-۵۰ دیش گان / فلمی دھن
۱-۱۰ فوجی بھائیوں کے لیے

۲-۳۰ سنہری کرنیں
۲-۴۰ سب رنگ
۳-۰۰ اختتام
شام
۵-۰۰ برسوری پروگرام (پیر بدھ ہفتہ)
بکلوی پروگرام (اتوار منگل جمعرات)
۵-۲۰ ہم رنگ
ماچلا ہماچل پروگرام ہر پیر کو
شام ۳۰-۶ تک
۵-۲۵ چمیالی پنگوالی پروگرام
(منگل ، جمعرات ، ہفتہ)
جاسوسی پروگرام (بدھ ہفتہ)
۵-۳۰ یوواوانی (منگل ، جمعرات ...)
بلاسپوری پروگرام (اتوار بدھ جمعہ)
۶-۰۵ مقامی اعلانات اور
پروگراموں کا خلاصہ

۶-۱۰ جھیلا کھیلن (پیر)
کانگڑی پروگرام (بدھ جمعہ اتوار)
منڈیالی پروگرام (منگل جمعرات ہفتہ)
۶-۳۰ کنزی پروگرام (پیر بدھ جمعہ)
لاہول سپتی پروگرام
(اتوار منگل ہفتہ)
۶-۵۰ لاہول سپتی / کنزی گگانے
۶-۵۵ ضلع کی چٹھی / اس ماس کا گیت
۷-۰۵ کھیل سماچار
گرامین یوواؤں کے لیے
پہاڑی کلیان
۷-۲۵ کرشی جگت / ریڈیو دیہاتی کو شش
۸-۰۰ سوز نگار سوچتا ہیں
۸-۰۵ دھارا سے گیت
۱۰-۳۰ اختتام
(منگل ، ہفتہ کو ۱۱-۰۵ بجے)

جمعہ ۱۶ اردسمبر

صبح
۷-۱۰ پرارتھنا سبھا
۷-۲۵ ریڈیو شروتا کلبوں سے
۷-۴۰ کلام شاعر
۷-۵۵ سمے کی بات
رات
۸-۳۵ وادی ورند
۹-۱۰ من منتھن
۱۰-۰۰ من بھاون

رات
۸-۱۵ سگم سنگیت
۸-۲۵ فلمی سنگیت
۹-۱۶ ہیم درشن
۹-۳۰ نیشنل پروگرام : موسیقی

ہفتہ ۱۷ اردسمبر

صبح
۷-۱۰ گاش
۷-۴۰ پرکاش کرنیں
۸-۲۱ علاقائی سنگیت
۹-۲۵ کرگٹ کمنٹری

اتوار ۱۸ اردسمبر

صبح
۷-۴۰ بھارت بھارتی
۸-۲۱ آپ کی چٹھی آپ کی فرمائش
۹-۱۵ ان دنوں
۹-۳۰ مانس گان
۹-۴۵ وگیان اور جیون
۱۱-۰۰ ’چاہ کے مندر‘ ناٹک
تحریر : اوم پرکاش سارسوت
۱۲-۳۰ بال گوپال
۲-۰۰ ونیتا منڈل
رات
۸-۲۵ سگم سنگیت

...اڑائے

...۱۹ دسمبر

۷ ... سازسنگیت
۷-۴۰ جیون جیوتی
۸-۲۱ شبد
۸-۲۵ ادبی پروگرام
'آج کا بھارتیہ ناٹک - بنگلا ناٹک'
تقریراز مدن سودن
۹-۰۵ پرانی فلموں سے

رات

۸-۱۵ نیوز ریل اسپورٹس
۸-۳۰ دیش گان
۹-۱۶ جگیا سا

منگل ۲۰ دسمبر

صبح

۷-۴۰ سنگیت
۷-۵۵ سمے کی بات
۹-۰۵ راگ چھایا

رات

۸-۱۵ سگم سنگیت
۸-۲۵ سب رس
۹-۱۶ وگیان جگت

بدھ ۲۱ دسمبر

صبح

۷-۱۰ کرناٹک سنگیت
۷-۴۰ جیون جیوتی
۸-۲۱ ٹھمری، دادرا
۸-۲۵ امر بھارتی
۹-۰۵ ایک فلم کے گیت

رات

۸-۲۵ سگم سنگیت
۸-۳۵ وادیہ ورند
۹-۱۶ گھر آنگن
۹-۳۰ چرچا کا وشیہ ہے

جمعرات ۲۲ دسمبر

صبح

۷-۱۰ سازسنگیت
۷-۴۰ اس ماس کا گیت
۸-۲۱ پنجابی گیت
۸-۳۵ ریڈیو ڈائجسٹ

۹-۰۵ ایک کلاکار

رات

۸-۱۵ غزلیں
۸-۲۵ دیش گان
۸-۳۰ بھگتی سنگیت
۹-۱۶ آپ کا پتر ملا

جمعہ ۲۳ دسمبر

صبح

۷-۱۰ پرارتھنا سبھا
۷-۲۵ ریڈیو شروتا کلبوں سے
۷-۴۰ کلام شاعر
۷-۵۵ سمے کی بات
۹-۰۵ محفل

رات

۸-۲۵ وادیہ ورند
۹-۱۶ من منتھن
۹-۳۰ 'سکھ میہ جیون' ناٹک
چندو دھر شرما گلیری کی کہانی پر مبنی
تحریر: انوپ مہاجن

ہفتہ ۲۴ دسمبر

صبح

۷-۱۰ سازسنگیت
۷-۴۰ پرکاش کرنیں
۸-۲۱ علاقائی سنگیت
۹-۵۵ کرکٹ کمنٹری

رات

۸-۱۵ سگم سنگیت
۹-۱۶ ہیم درشن

اتوار ۲۵ دسمبر

صبح

۷-۱۰ کلاسیکی گائن
۷-۴۰ بھارت بھارتی
۸-۲۱ آپ کی چٹھی آپ کی فرمائش
۹-۱۵ ان دنوں
۹-۳۰ مانس گان
۹-۴۵ وگیان اور جیون
۱۰-۰۰ یووا وانی

دوپہر

۱۲-۳۰ بال گوپال
۳-۰۰ ونیتا منڈل

رات

۸-۲۵ سازسنگیت

۹-۳۰ ہندی میں تقریر

پیر ۲۶ دسمبر

صبح

۷-۱۰ سازسنگیت
۷-۴۰ جیون جیوتی
۸-۱۰ ٹھمری، دادرا
۸-۳۵ ادبی پروگرام
۹-۰۵ پرانی فلموں سے

رات

۸-۱۵ نیوز ریل اسپورٹس
۸-۳۰ دیش گان
۹-۱۶ جگنیا سا

منگل ۲۷ دسمبر

صبح

۷-۱۰ کلاسیکی گائن
۷-۴۰ سنگیت
۷-۵۵ سمے کی بات
۸-۲۱، رات ۸-۱۵
سگم سنگیت
۹-۵۵ کرکٹ کمنٹری

رات

۸-۲۵ سب رس
۹-۱۶ جھلکی

بدھ ۲۸ دسمبر

صبح

۷-۱۰ کرناٹک سنگیت
۷-۴۰ جیون جیوتی
۸-۲۱ ٹھمری، دادرا
۸-۲۵ امر بھارتی
۹-۵۵ کرکٹ کمنٹری

رات

۸-۲۵ سگم سنگیت
۸-۳۵ سازسنگیت
۹-۱۶ گھر آنگن

جمعرات ۲۹ دسمبر

صبح

۷-۱۰ سازسنگیت
۷-۴۰ اس ماس کا گیت
۸-۲۱ پنجابی گیت
۸-۳۵ ریڈیو ڈائجسٹ

غزل

منظر سلطان

کل آئے سوا نیزے پہ جل جائے گا تو بھی
خو اپنی حرارت سے پگھل جائے گا تو بھی
دنیا کی ہر اک شے کا مقدر ہے تغیر
موسم کی طرح رنگ بدل جائے گا تو بھی
آئے گا کسی کام نہ مانگے کا اجالا
اک روز بلندیوں سے ڈھل جائے گا تو بھی
کچھ دیر تو پھوٹیں گی ترے تن سے شعاعیں
پھر موم کی مانند پگھل جائے گا تو بھی
منظر یہ سفر شرف ملاقات کا صدقہ
وہ شخص گیا آج تو کل جائے گا تو بھی

۹-۵۵ کرکٹ کمنٹری

رات

۸-۱۵ کلاسیکی گائن
۸-۲۵ وادیہ ورند
۹-۱۶ آپ کا پتر ملا

جمعہ ۳۰ دسمبر

صبح

۷-۱۰ پرارتھنا سبھا
۷-۲۵ ریڈیو شروتا کلبوں سے
۷-۴۰ ترنگ: کلام شاعر
۷-۵۵ سمے کی بات
۹-۰۵ محفل

رات

۸-۱۵ کلاسیکی گائن
۸-۲۵ سازسنگیت
۹-۱۶ من منتھن
۱۰-۰۰ من بھاون

ہفتہ ۳۱ دسمبر

صبح

۷-۱۰ سازسنگیت
۷-۴۰ پرکاش کرنیں
۸-۲۱ علاقائی سنگیت
۹-۰۵ نغمہ گن

رات

۸-۱۵ سگم سنگیت
۸-۲۵ فلمی سنگیت
۹-۱۶ ہیم درشن

بیکانیر

میڈیم ویو ۲۱۵.۰۰ ۱۳۹۵ کلو ہرٹز

[جم]عہ ۱۶ دسمبر

[...] سبھا

1.30

[...]سونی دیوی : لوک گیت

[...]شام

[...] غلام علی خاں : گائن

[...]لوک

کسان سے بھینٹ

[...]رتی راگیت

[...]ری تقریر

[...]ھی قوالیاں

[...]یت

[ہ]فتہ ۱۷ دسمبر

[ر]س دھارا

[...]ر 10.30

[...]ی لال کتھک : لوک گیت

[...]کی پسند

[...]شوبھا گرتو : گائن

[کر]شی لوک

[...]ھیڑوں سے اچھی اون کیسے لیں'

تقریر از این ایس ماتھر

یووا وانی

[...]سہیلیاں ری باڑی

[...]کہکشاں

[...]نیشنل پروگرام : موسیقی

[ا]توار ۱۸ دسمبر

[...]دیش گان

7.20 مانس گان

8.21 رس دھارا

10.00 سندھی کاریہ کرم

دوپہر

12.00 میلا جگت

(۱) 'اسلام کا مہتو پورن پرو عید میلاد النبی'

تقریر از کماری شبنم

(۲) کاویہ پاٹھ از پرتبھا گیو سیہ

12.45 گیت و غزل

1.10 آپکے پدے

5.05 یووا وانی

رات

8.25 ایک ہی کلاکار

9.16 پتر بلا

10.30 شاستریہ سنگیت

پیر ۱۹ دسمبر

صبح

8.21 رس دھارا

9.10، دوپہر 1.30

گنیش ناتھ : لوک گیت

دوپہر

12.30 گیتاں ری لڑی

1.10 نیاز احمد، فیاض احمد : گائن

1.50 کرشی لوک

'پشوؤں کی بیماری اور روک تھام'

تقریر از ڈاکٹر بلدیو ساسورت

5.05 یووا وانی

شام

6.25 عبدالحلیم جعفر خاں : ستار

6.25 سگم سنگیت

8.25 ایک ہی سنگیت کار

منگل ۲۰ دسمبر

صبح

6.30 شاستریہ سنگیت

8.21 رس دھارا

9.10، دوپہر 1.30

اوم پرکاش سرگرا : لوک گیت

دوپہر

12.30 راگ رس

1.10 سہیلیاں ری باڑی

1.50 کرشی لوک

کسان سے بھینٹ

5.05 یووا وانی

6.25 گودھولی

رات

8.00 'وکلانگ بال کاری شکشا سمیا'

راجستھانی میں تقریر از نارائن داس برشنی

8.15 سگم سنگیت

9.30 سندھی کاریہ کرم

10.00 منگل شب کی محفل موسیقی

بدھ ۲۱ دسمبر

صبح

8.21 رس دھارا

9.10، دوپہر 1.30

عبدالغنی : لوک گیت

دوپہر

12.30 سور سرتیا

1.10 لطافت حسین خاں : گائن

1.50 کرشی لوک

'دیسی بھیڑ کی جھاڑیوں کی پابندی اور بھیڑ میں کیسے بدلیں؟' تقریر از

مرلی منوہر ماتھر

5.05 یووا وانی

شام

6.25 آج کی شام

8.25 ایک ہی گیت کار

9.16 آؤ اپنی ڈگر بنائیں

جمعرات ۲۲ دسمبر

صبح

8.21 رس دھارا

9.10، دوپہر 1.30

ہنومان رانا : لوک گیت

دوپہر

12.30 گیت سدھا

1.10 میلا جگت

بھینٹ وارتا

اسکاؤٹ و گائیڈ - ازگور انگبلوت

(۲) 'پریوار نیوجن ایک سماجک دائتو'

تقریر از ابھیلاشا جیرٹ

1.50 کرشی لوک

'اونٹ کی دیکھ بھال کیسے کریں؟'

تقریر از ڈاکٹر بی - آر - چودھری

5.05 یووا وانی

شام

6.25 مرو ستقلی

'ٹوٹی سرغنا' کہانی از

موہن لال پروہت

6.45 تا 8.15

پورنیما پنڈت : سگم سنگیت

8.25 پنڈت روی شنکر : ستار

9.30 نیشنل پروگرام : ناٹک

10.30 رجنی گندھا

جمعہ ۲۳ دسمبر

صبح

8.30 پرارتھنا سبھا

9.10، دوپہر 1.30

فتح کماری ویاس : لوک گیت

دوپہر

12.30 سور سنگم

1.10 ہیرا بائی بڑوڈکر، سرسوتی رانی : گائن

1.50 کرشی لوک

کسان سے بھینٹ

5.05 یووا وانی

شام

6.25 دھرتی راگیت

9.30 بھولے بسرے گیت

ہفتہ ۲۴ دسمبر

صبح

8.21 رس دھارا

9.10، دوپہر 1.30

اسمٰعیل : لوک گیت

دوپہر

12.30 آپ کی پسند

1.10 کشوری امونکر : گائن

1.50 کرشی لوک

'ریتیلی بھومی کو کیسے سدھاریں'

تقریر از لکھ رام

5.05 یووا وانی

شام

6.30 بال گوپال

8.00 کہکشاں

حیدرآباد

حیدرآباد الف ۲۰۹٫۵ میٹر (۱۴۳۰ کلو ہرٹز) حیدرآباد ب ۷۰٫۰۸ میٹر (۴۲۸۰ کلو ہرٹز) حیدرآباد ج ۲۵٫۴۷۲ میٹر (۱۱۷۷۰ کلو ہرٹز)

ہفتہ وار نشر ہونیوالے اردو پروگرام

اتوار

صبح

۸-۲۵ یووانی
گلدستہ : نوجوانوں پر مبنی پروگرام
فلمی گانے
۹-۳۰ بچوں کے لیے
۲-۳۰ بہنوں کے لیے

شام

۵-۳۰ ترنگ : ورائٹی پروگرام
۹-۳۰ نیرنگ : ڈرامہ

پیر

صبح

۸-۳۰ یووانی
نغموں کی دنیا : فلمی گانے

شام

۵-۳۰ ترنگ : کھیلوں پر تبصرہ
خطوں کے جواب : فلمی گانے
۹-۳۰ نیرنگ : کہانی
سازی موسیقی : کلام شاعر
افسانہ : گیت اور غزلیں

منگل

صبح

۸-۲۵ یووانی : اردو پروگرام
فلمی گانے

شام

۵-۳۰ ترنگ : ادبی میگزین پروگرام
فلمی گانے
۹-۳۰ کہانی : سازی موسیقی
صنعتی مزدوروں کے لیے
ڈھولک کے گیت

بدھ

صبح ۸-۲۵ یووانی

شبنم : فلمی گانے
۲-۳۰ طلبا کے لیے
اسکول طلبا کے لیے

شام

۵-۳۰ ترنگ : اردو پروگرام
فلمی گانے
۹-۳۰ نیرنگ : کہانی
سازی موسیقی
شگوفے : ہفتہ وار مزاحیہ پروگرام
خطوں کے جواب
افسانہ : غزلیں

جمعرات

صبح

۸-۲۵ یووانی : کلام شاعر
فلمی گانے
۲-۳۰ طلبا کے لیے
اسکول طلبا کے لیے

شام

۵-۳۰ ترنگ : ورائٹی پروگرام
فلمی گانے
۹-۳۰ نیرنگ : کہانی
سازی موسیقی
دیہات کی تصویر
گیت اور غزلیں

جمعہ

صبح

۶-۳۰ ایشور اللہ : قرات کلام پاک
نعت شریف
۸-۳۰ یووانی : تقریر
فلمی گانے

شام

۵-۳۰ ترنگ : میری پسند
۹-۳۰ نیرنگ : کہانی
سازی موسیقی
کلچرل ڈائری پروگرام
ان سے ملیے ، غزلیں

ہفتہ

صبح

۸-۲۵ یووانی : تقریر
فلمی گانے

شام

۵-۳۰ ترنگ : ڈرامہ
فلمی گانے
۹-۳۰ نیرنگ : کہانی
موسیقی : لطیفے ہی لطیفے
بھارت بھارتی ، غزلیں

جمعرات ۲۹ دسمبر

صبح

۸-۰۰ ، دوپہر ۱-۳۰
شکلا گپتا ، سگم سنگیت
۸-۳۰ پنالال کوشٹھی : ستار

دوپہر

۲-۳۰ موہن سنگھ کشواہا اور ساتھی ،
لوک گیت

رات

۹-۳۰ انگریزی میں مذاکرہ ۔
شرکاء : سروج للوانی اور وی کے شریواستو

جمعہ ۳۰ دسمبر

صبح

۸-۲۱ ، دوپہر ۱-۳۰
جے شری تھتے ، سگم سنگیت

دوپہر

۲-۳۰ اتم سنگھ یادو اور ساتھی : لوک گیت

رات

۱۰-۳۰ کسم ناگریا ، ستار

ہفتہ ۳۱ دسمبر

صبح

۸-۲۱ ، دوپہر ۱-۳۰
اوشا انامدار ، سگم سنگیت
۸-۳۰ پدما سلگندوار : ستار وادن

دوپہر

۱-۲۰ نئی رچنا
کاویہ پاٹھ از اشوک مشر
۲-۳۰ کمل کشور کشواہا اور ساتھی ،
لوک گیت

****

سرینگر

صبح ۶-۵۵ سے ۱۱-۰۵ تک (اتوار)
ٹرانسمشن اے : صبح ۶-۵۵ سے رات ۱۰-۰۰ تک (بدھ)
ٹرانسمشن بی : صبح ۱۱-۳۰ سے رات ۱۰-۳۰ تک (پیر ، منگل ، جمعرات اور جمعہ)
صبح ۱۱-۳۰ سے رات ۱۱-۰۵ تک (بدھ اور ہفتہ)

میڈیم ویو : سرینگر الف ۳۶۸٫۱۰ میٹر ۸۱۰ سرینگر ب ۲۲۵ میٹر ۱۳۳۲ کلو ہرٹز
شارٹ ویو : ۴۹٫۱۰ میٹر ۶۱۱۰ کلو ہرٹز ۹۱٫۵۶ میٹر ۳۲۷۷ کلو ہرٹز
پہلی مجلس : صبح ۶-۳۰ سے صبح ۱۰-۰۰ تک دوسری مجلس دوپہر ۱۱-۳۰ سے
رات ۱۱-۰۵ تک (اتوار کو صبح ۶-۳۰ سے رات ۱۱-۰۵ تک مسلسل)

خبریں

کشمیری : صبح ۷-۴۵ ، شام ۶-۲۵ اردو : صبح ۸-۰۵ ، دوپہر ۱-۵۰ ، رات ۹-۱۵
ہندی : صبح ۹-۰۰ سنسکرت : صبح ۷-۰۰ انگریزی : صبح ۸-۱۰ ، دوپہر ۲-۰۰ ، شام ۴-۰۰ ، رات ۹-۰۰

علاقائی خبریں

اردو : صبح ۹-۲۰ ، دوپہر ۱۲-۳۰ ، شام ۳-۰۰ (دھیمی رفتار سے) اور رات ۷-۳۰
کشمیری : صبح ۹-۲۵ ، دوپہر ۱۲-۳۵ اور رات ۷-۳۰

روزانہ نشر ہونیوالے پروگر[ام]

صبح

۷-۰۵ روشنی / ماثر (؟)
برگزیدہ شخصیتوں کے زریں اقوال
(روزانہ)
۷-۳۰ بھائی بہن سن : کاشتکار بھائیوں
کے لیے پروگرام (روزانہ سوائے جمعہ)
گاندھی کتھا (جمعہ)
۸-۰۰ گلہ چھونان (اتوار)
ڈوگری سنگیت (منگل)
۸-۳۰ گھرانوں کے لیے (اتوار)
زعفران زار
فنون واسع کا پروگرام (پیر I ، III)
ذات بجرات (پیر II ، IV)
رسالہ منز (میگزین سے) (منگل I)
سنگیت میگزین (منگل II)
ثقافت (کلچرل میگزین) (منگل III)
فلمی میگزین (منگل IV)
باوتھ (تخلیقی پروگرام) (منگل V)
شش رنگ
ریڈیو ڈائجسٹ (بدھ)
آش پہ گاش
(دیہاتی سامعین کے لیے) (جمعرات)
گھروارہ خاطرہ
(گھرانوں کے لیے پروگرام) (جمعہ)
نو تخلیق (ہفتہ I ، III ، V)
تخلیق نو (ہفتہ II)
نو پکھن (ہفتہ IV)
۸-۳۵ ہندی میں بات چیت (پیر)
حرف حرف (ہفتہ I)
مول شعر (ہفتہ II ، IV ، V)
پراگ (ہفتہ III)
۹-۰۰ زونہ ڈب (روزانہ سوائے ہفتہ)
ساتھو تاریخ
تاریخ حسن پر مبنی پروگرام (ہفتہ)
۹-۳۰ قوم زونانش
(اتوار ، منگل ، جمعرات اور ہفتہ)
نونہال (کشمیری میں ننھے منے
بچوں کے لیے پروگرام (پیر)

چونسو (اردو میں ننھے منے
بچوں کے لیے پروگرام (جمعہ)
پھلیہ ون
(کشمیری موسیقی پر مبنی پروگرام) (بدھ)
۹-۳۰ پھولیہ ون
(کشمیری موسیقی پر مبنی پروگرام)
(پیر اور جمعہ)
۱۰-۰۰ ریڈیو نیوز ریل (اتوار)
۱۰-۱۵ ہونہار
(بچوں کے لیے اردو میں پروگرام
(اتوار)

دوپہر

۱۲-۰۰ اسکول براڈکاسٹ
(روزانہ سوائے اتوار اور چھٹیوں کے)
۱۲-۳۰ پرا گاش (غیر نصابی تعلیمی پروگرام
(روزانہ سوائے منگل اور جمعہ)
۱-۳۰ اور ۳-۰۰
فوجی بھائیوں کے لیے (روزانہ)
۲-۱۰ شاستریہ سنگیت (روزانہ)
کلاسیکل سازینہ اور گائکی
۲-۳۰ ٹیچرس فورم (اتوار)

شام

۵-۳۵ گوجری پروگرام (روزانہ)
۶-۱۰ ضلع کا خبرنامہ (پیر)
۶-۱۵ گامی بھائی بند خاطرہ
(دیہاتی پروگرام) (روزانہ)
۷-۵۵ روزگار سماچار (روزانہ)
۸-۰۰ وادی کی آواز (روزانہ)

رات

۸-۳۰ سنطور ، صوفیانہ کلام (اتوار)
۸-۴۵ قوم چھل ولا
(کشمیری میں سامعین کے خطوں
کے جواب) (اتوار)
اردو میں بات چیت (پیر)
کشمیری میں بات چیت (منگل)
فوج کے لیے سنگرہ
(اردو میں سامعین کے خطوں
کے جواب) (بدھ)

۹-۳۰ بیلیٹو فورم (…)
کھیلوں پر تبصرہ (…)
(انگریزی میں …)
سلسلہ وار کھیل (…)
اردو / کشمیری …
وود ہلا …
(منگل I)
سنگر مال (کشمیری …)
(منگل II ، III)
ہم قلم (اردو …)
(منگل …)
سینما … (…)
(منگل V)
سام : …
پروگرام …
(بدھ I ، III)
سائنس میگزین …
اردو اور کشمیری …
نقوش ، ترقیاتی …
مبنی پروگرام (…)
علاقائی سنگیت …
(جمعرات I)
نیشنل پروگرام …
(جمعرات II)
گامشہ نارکو
(مشہور شعراء …)
(جمعرات III)
نیشنل پروگرام …
(جمعرات IV)
نقل (مشہور شخصیت …)
(جمعرات V)
رائے ترانہ (کشمیری …)
(جمعہ I)
گفتگو
(اردو میں مباحثہ …)
بزم شعر (نقل …)
(جمعہ III)
شاعرہ (نقل …)

... (ہفتہ ۳)
... زندگی سیون کار
... زیدہ شخصیتوں سے گفتگو
(... ۲)
... سامعین (ہفتہ ۱، ۳)
... موسیقی (ہفتہ ۲)

۱۰-۰۰ پتریکا (ہندی پروگرام) (ہفتہ ۲)
آپ کی فرمائش
(فرمائشی فلمی نغمے) (اتوار، بدھ)
تو ہنز فرمائش
(کشمیری فرمائشی نغمے) (منگل)
داستان (جمعہ)

۱۰-۳۰ میائی پسند (ہفتہ ۱)
اپنی دھرتی اپنا دیش (ہفتہ ۲)
تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
(پرانے فلمی نغموں کا پروگرام)
(ہفتہ ۱، ۲ اور ۳)
شہر صدا (غزلوں کا پروگرام)
(ہفتہ ۱ اور ۳)

جمعہ ۱۶ دسمبر

صبح

... منور خاتون بیگم : غزلیں
... گھر بارہ خاطرہ
... چن من، ننھے منوں کیلئے
... ، دوپہر ۳۰-۲
... عبدالسلام ڈار و ساتھی، کشمیری موسیقی

... نعتیں اور منقبت
... کچلو برادران : گائن
... پنجابی پروگرام

... غلام حسن صوفی : غزل
... بھوپیندر : غزلیں
... کشمیری میں کھیلوں پر تبصرہ
... بزم شعر
... داستان

ہفتہ ۱۷ دسمبر

... مہینے کا نغمہ
منظفر عازم کا کلام
... نو تخلیق
افسانہ از اختر محی الدین
۹ ... تو ہنز فرمائش
۱۱ ... ، دوپہر ۳۰-۲
شیخ عبدالعزیز اور ساتھی، صوفیانہ موسیقی

۱ ... غلام محمد ڈار و ساتھی، چھکری و روف
۲ ... پنا لال گھوش، بانسری وادن
۲ ... خوشحال گھرہ

۶ ... آرتی تکو : غزل
۸ ... صوفی سنتوں کا کلام
گلوکارہ : نسیم اختر
کلام احمد زرگر
۸ ... انگریزی تقریر از سجاتا مرزا
۹ ... محفل موسیقی

اتوار ۱۸ دسمبر

صبح

۸-۲۱ گھر والوں کیلئے
'بچوں کی ذہانت کیسے ابھرے'
تقریر از کے۔ ایل۔ منشی
۹-۳۰ تو ہنز فرمائش
۱۰-۱۵ ہونہار : بچوں کیلئے اردو پروگرام
'البیرونی' تقریر از پی۔ کے۔ در

دوپہر

۱۲-۳۰ پراگاش
۲-۱۰ نصیر محی الدین خان ڈاگر : گائن
۲-۳۰ عبدالرشید حافظ و ساتھی، چھکری و روف
۴-۰۰ ہی مال
۴-۳۰ پنجابی پروگرام

شام

۶-۱۰ آشا کول : غزل
۸-۳۰ غلام نبی شیخ : کشمیری موسیقی
۸-۴۵ تو ہنز چھٹی واتر
۹-۳۰ سلسلہ وار کھیل
۱۰-۰۰ آپ کی فرمائش

پیر ۱۹ دسمبر

صبح

۸-۰۰ شجاعت حسین : غزلیں
۸-۲۱ زعفران زار
۹-۳۰ نونہال : کشمیری میں ننھے منوں کیلئے
۱۱-۳۰ محمد یوسف پرے : کشمیری موسیقی

دوپہر

۱-۰۰ محمد صدیق پانپوری : ہلکی موسیقی
۲-۱۰ شمبھو ناتھ سوپوری : گائن
۲-۳۰ محمد یوسف پرے و ساتھی :
لوک موسیقی
۴-۳۰ کیاری
قطب الدین و ساتھی : ڈوگری گیت
سرنیدر کور : پنجابی گیت

شام

۶-۱۰ ضلع نامہ
۸-۳۰ محمد صدیق پانپوری اور کے جالا :

کشمیری موسیقی
۸-۴۵ اردو میں بات چیت
۹-۳۰ اردو میں کھیل

منگل ۲۰ دسمبر

صبح

۸-۰۰ ولوو رازداں : ڈوگری سنگیت
۸-۲۱ ثقافت : کلچرل میگزین
۹-۳۰ تو ہنز فرمائش
۱۱-۳۰ ، دوپہر ۳۰-۲
محمد عبداللہ ستاری و ساتھی
صوفیانہ موسیقی

دوپہر

۱-۰۰ نسیم اختر و ساتھی، چھکری و روف
۲-۱۰ برہم سروپ سنگھ : وچتر وینا

شام

۶-۱۰ ریتا در : غزل
۸-۳۰ سدھارتھ کول : کشمیری موسیقی
۸-۴۵ کشمیری میں تقریر
۹-۳۰ ہم قلم : اردو میں ادبی پروگرام

بدھ ۲۱ دسمبر

صبح

۸-۰۰ پنکج اداس : غزلیں
۸-۲۱ شش رنگ : ریڈیو ڈائجسٹ
۹-۳۰ پھولیہ ون
۱۱-۳۰ ، دوپہر ۳۰-۲، ۳۰-۴
غلام نبی پنڈت و ساتھی، کشمیری موسیقی

دوپہر

۱-۰۰ اسداللہ اور راج بیگم، کشمیری موسیقی
سرنیدر پٹنائک : گائن

شام

۶-۱۰ اسداللہ : غزل
۸-۳۰ پنکج اداس : غزلیں
۸-۴۵ خط کیلئے شکریہ
۹-۳۰ سام : بیس نکاتی اقتصادی پروگرام
کا ایک جائزہ
۱۰-۰۰ آپ کی فرمائش

جمعرات ۲۲ دسمبر

صبح

۸-۰۰ راجکمار رضوی اور اندرا رضوی :
غزلیں
۸-۲۱ آش تہ گاش
۹-۳۰ تو ہنز فرمائش

۱۱-۳۰ ، دوپہر ۳۰-۲
غلام محمد ساز نواز اور ساتھی :
صوفیانہ موسیقی

دوپہر

۱-۰۰ علی محمد گناٹی و ساتھی : چھکری و روف
۲-۱۰ شاستریہ سنگیت
۴-۳۰ پہاڑی پروگرام

شام

۶-۱۰ شمیمہ دیو : غزل
۸-۳۰ راجکمار رضوی اور اندرا رضوی :
غزلیں
۸-۴۵ ہیلتھ فورم
۹-۳۰ گاشہ تارکھ

جمعہ ۲۳ دسمبر

صبح

۸-۰۰ منا ڈے : غزلیں
۸-۲۱ گھر بارہ خاطرہ
۹-۳۰ چن من : ننھے منوں کیلئے
۱۱-۳۰ ، دوپہر ۳۰-۲
غلام نبی نمتہ بالی اور ساتھی :
کشمیری و صوفیانہ موسیقی

دوپہر

۱۲-۴۰ نعتیں اور منقبت
۱-۰۰ اوشا ہنڈو اور ہردے ناتھ تو شخانی :
کشمیری غزلیں
۲-۱۰ کمار گندھرو : گائن
۴-۳۰ پنجابی پروگرام

شام

۶-۱۰ اوشا ہنڈو : غزل
۸-۳۰ وجے کمار ملا : کشمیری موسیقی
۸-۴۵ کھیلوں پر تبصرہ
۹-۳۰ بزم شعر
۱۰-۰۰ داستان

ہفتہ ۲۴ دسمبر

صبح

۸-۰۰ مہینے کا نغمہ
منظفر عازم کا کلام
۸-۲۱ نوی تخلیق
۸-۳۵ مولل شعاد
تحریر و ہدایت : کے۔ این۔ در
۹-۳۰ تو ہنز فرمائش
۱۱-۳۰ ، دوپہر ۳۰-۲
کمال بٹ و ساتھی، صوفیانہ موسیقی

شمس تبریزی

رات جب رنگ اپنا جمانے لگی
زندگی پھر اسے منہ چڑھانے لگی
کوئی کہتا تھا اب نیند کے واسطے
گولیاں خواب آور وہ کھانے لگی
جب سے میں نے اسے چاندنی کہہ دیا
تب سے پلکوں پہ سپنے سجانے لگی
کون اس افراتفری میں پہچانتا
گرد منزل کا رستہ بتانے لگی
پیڑ پیپل کا، چوپال، کچی سڑک
یاد گذرے دنوں کی ستانے لگی
کون جانے شجر پر ہے کیسا دھواں
کس کی سازش شجر کو جلانے لگی

(اردو سروس سے نشر)

دوپہر

۱ - ۰۰ غلام محمد شیخ بنڈہ پوری و ساتھی، کشمیری موسیقی

۲ - ۱۰ ہری پرساد چورسیا ؛ بانسری

شام

۶ - ۱۰ نسیم اختر ؛ کشمیری غزل

۸ - ۳۰ صوفی سنت شعراء کا کلام ؛ کلام کبیر

۸ - ۴۵ انگریزی تقریر از آر کے کاک

۹ - ۳۰ بزم سامعین

اتوار ۲۵ دسمبر

صبح

۸ - ۲۱ گھر والوں کیلئے

۹ - ۳۰ تو ہنسز فرمائش

۱۰ - ۱۵ ہونہار : بچوں کیلئے اردو پروگرام

دوپہر

۱ - ۰۰ مغربی موسیقی

۲ - ۱۰ بسم اللہ خاں ؛ شہنائی وادن

۲ - ۳۰ وشنی ملہوترہ ؛ غزلیں

۳ - ۰۰ ہی مال

۴ - ۳۰ پنجابی پروگرام

شام

۶ - ۱۰ سنطور، صوفیانہ موسیقی
مقام بہار

۸ - ۴۵ تو ہنسز چٹھی دار

۹ - ۳۰ سلسلہ وار کھیل

۱۰ - ۰۰ آپ کی فرمائش

پیر ۲۶ دسمبر

صبح

۸ - ۰۰ راجندر مہتہ، نینا مہتہ ؛ غزلیں

۸ - ۲۱ ذات بہترات

۹ - ۳۰ نونہال، کشمیری میں بچوں کیلئے

۱۱ - ۳۰، دوپہر ۲ - ۳۰
عبدالاحد کھورو اور ساتھی، کشمیری موسیقی

دوپہر

۱ - ۰۰ راہی آغا اور راجندر کمار ؛ کشمیری موسیقی

۲ - ۱۰ غلام مشتاق خاں ، گاتش

۴ - ۳۰ کیاری
غلام محمد و ساتھی ؛ ڈوگری گیت

رات

۸ - ۳۰ راجندر مہتہ، نینا مہتہ ؛ غزلیں

۸ - ۴۵ اردو میں تقریر

۹ - ۳۰ اردو میں کھیل

منگل ۲۷ دسمبر

صبح

۸ - ۰۰ انیتا شرما ؛ ڈوگری گیت

۸ - ۲۱ فلم میگزین (اردو)

۹ - ۳۰ تو ہنسز فرمائش

۱۱ - ۳۰، دوپہر ۲ - ۳۰
شیخ عبدالعزیز و ساتھی، صوفیانہ موسیقی

دوپہر

۱ - ۰۰ حبیب اللہ بمبو و ساتھی، چکری رؤف

۲ - ۱۰ رئیس خاں ، ستار وادن

۴ - ۳۰ پنجابی پروگرام

رات

۸ - ۳۰ علی محمد ، غزلیں

۸ - ۴۵ کشمیری میں تقریر

۹ - ۳۰ سنگرال

۱۰ - ۰۰ تو ہنسز فرمائش

بدھ ۲۸ دسمبر

صبح

۸ - ۰۰ نیلم ساہنی ؛ غزلیں

۸ - ۲۱ شش رنگ ، ریڈیو ڈائجسٹ

۹ - ۳۰ پھلیہ ون

۱۱ - ۳۰، دوپہر ۲ - ۳۰، ۴ - ۳۰
عبدالرشید ڈار و ساتھی، کشمیری موسیقی

دوپہر

۱ - ۰۰ ریتا کول اور شانتی لال سدھ ؛ کشمیری موسیقی

۲ - ۱۰ منیر خاں ، سارنگی وادن

شام

۶ - ۱۰ شانتی لال سدھ ، کشمیری موسیقی

۸ - ۳۰ کشمیری موسیقی
نیلم ساہنی ؛ گیت اور غزلیں

۸ - ۴۵ خط کیلئے شکریہ

۹ - ۳۰ سائنس میگزین (کشمیری)

۱۰ - ۰۰ آپ کی فرمائش

جمعرات ۲۹ دسمبر

صبح

۸ - ۰۰ اوما گرگ ؛ غزلیں

۸ - ۲۱ آش تہ گاش

۹ - ۳۰ تو ہنسز فرمائش

۱۱ - ۳۰ غلام محمد ساز نواز و ساتھی، صوفیانہ موسیقی

دوپہر

۱ - ۰۰ غلام نبی ڈولوال و ساتھی ؛ کشمیری لوک سنگیت - چلنت

۲ - ۱۰ نرملا ارون اور لکشمی نارائن ؛ گاتش

شام

۶ - ۱۰ غلام محمد راہ ؛ غزل

۸ - ۳۰ راج بیگم ، کشمیری موسیقی

۸ - ۴۵ ہلیتھ فورم

۹ - ۳۰ نیشنل پروگرام ، ڈرامہ

جمعہ ۳۰ دسمبر

صبح

۸ - ۰۰ دل راج کور ، غزلیں

۸ - ۲۱ گھر بار خاطرہ

۸ - ۳۰ چمن من ؛ ننھے منوں کیلئے

۱۱ - ۳۰، دوپہر ۲ - ۳۰
غلام نبی دونی پاوا اور ساتھی، کشمیری موسیقی

دوپہر

۱ - ۰۰ کیلاش مہرہ اور جلال گیلانی کشمیری غزلیں

۲ - ۱۰ استاد حافظ علی خاں ؛ سرود

۴ - ۳۰ پنجابی پروگرام

شام

۶ - ۱۰ جلال گیلانی ؛ غزل

۸ - ۳۰ دل راج کور اور کیلاش مہرہ کشمیری غزلیں

۸ - ۴۵ کھیلوں پر تبصرہ

۹ - ۳۰ 'انڈیا ۲۰۰۰ اے ڈی' انگریزی

ہفتہ ۳۱ دسمبر

صبح

۸ - ۰۰ ہیپے کا نغمہ
مظفر عازم کا کلام

۸ - ۲۱ نو لیکھن
افسانہ از ہری کرشن کول

۸ - ۳۵ مولل شعار
تحریر و پیشکش ، مظفر عازم

۹ - ۳۰ تو ہنسز فرمائش

۱۱ - ۳۰ صوفیانہ موسیقی

دوپہر

۱۲ - ۰۲ جگجیت سنگھ ، چترا سنگھ اور نتین مکیش ؛ غزلیں

۱ - ۰۰ غلام محمد کالو و ساتھی ؛ چکری رؤف

۲ - ۱۰ پربھا اترے ؛ گاتش

۲ - ۳۰ محمد عبداللہ ستاری اور ساتھی، صوفیانہ موسیقی

شام

۶ - ۱۰ نسیم اختر ؛ غزل

۸ - ۳۰ صوفی سنت شعراء کا کلام
وازہ محمود کا کلام

۸ - ۴۵ انگریزی میں تقریر

۹ - ۳۰ بزم سامعین

۱۰ - ۰۰ قوالیاں

۱۰ - ۳۰ نئے سال کی آمد پر خصوصی پروگرام

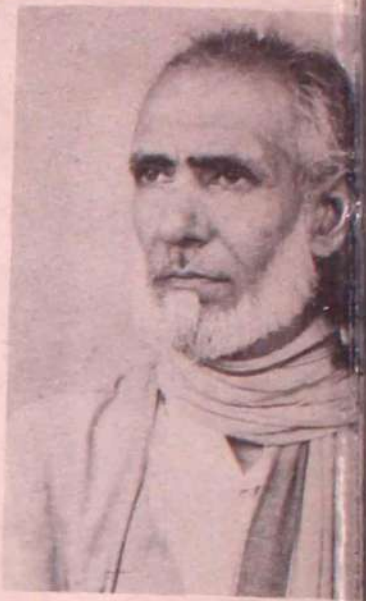

قیصر حیدری دہلوی۔
ٓپ کا تازہ کلام آکاشوانی دہلی کی
ردو مجلس سے نشر کیا گیا۔

کے جے۔ لیسو داس۔
کے ساتھ سی کے گپتا (دائیں) کا
انٹرویو کمرشل براڈ کاسٹنگ سروس سے
سنگیت سریتا پروگرام میں نشر ہوا۔

آکاشوانی کلکتہ کی کمرشل براڈ کاسٹنگ سروس
کے لیے جدید بنگلہ گیتوں کی صدا بندی کے موقع پر۔
(بائیں سے) پرو بیر مجمدار (گیت کار اور موسیقار)
اے سی مجمدار (پروگرام ایگزیکٹو)
آرتی مکرجی (گائیکہ) منانی گوسوامی اور
منجوشری بھٹاچاریہ (سنگت فنکار)

ٓانی حیدرآباد کے اردو پروگرام
ں مزدوروں کی دنیا، میں نشر ایک مذاکرے
ار۔ (بائیں سے دائیں)
الدین۔ منیجر زمل انڈسٹریز ی
پرساد۔ اسسٹنٹ لیبر کمشنر
شوروی (ماڈریٹر) اور
لدین علی خاں
نیر آفیسر الیکٹرسیٹی بورڈ۔

D.-(C) 39 Regd. No. RN 14253

AWAZ
16th. December 1983

Licenced (U-23) to post witho
prepayment at CPSO, New Delhi

پر دھان منتری شریمتی اندرا گاندھی کے ساتھ
"بچپن کی یادیں" کے موضوع پر اوما چکبست (درمیان)
کی بات چیت بال دوس کے موقع پر آکاشوانی دہلی سے نشر ہوئی۔

پر دھان منتری کے ۲۰ نکاتی پروگرام کے تحت چھوٹے
اور غریب کسانوں کو مدھیہ پردیش میں دھار ضلع کے
نسر پور گاؤں میں کھاد اور بیج مفت تقسیم کیے گئے۔
ساتھ میں ریڈیو فارم آفیسر عزیز انصاری اور اندور ڈویژن
کے زرعی آفیسر ایم ایم حسین کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ اس
تقریب پر مبنی ایک رپورٹ آکاشوانی اندور سے
نشر ہوئی۔

نامور ادیبہ عصمت چغتائی۔
ان کے ساتھ کشور آرا کی گفتگو گزشتہ دنو
اردو سروس سے نشر کی گئی۔

Published by the Director General, All India Radio, at the Office of the Chief Editor, Akashvani Group of Journals, PTI Building, II floor Sansad Marg, New Delhi 110001. Printed by the Manager Government of India Photo Litho Press, Faridabad.